باعث، جنگ کی عادت پڑ جاتی ہے۔ کوئی قبیلہ جوں جوں
تمدن میں ترقی کرتا جاتا ہے، خواہ وہ زراعت سے ہو!
صنعت وحرفت کی ترقیوں سے ہو، اسی نسبت سے اس
میں جنگجوئی کی عادت بڑھتی جاتی ہے۔ اس لیے کہ دولت کے
ساتھ ہی اس کے مالکوں میں تو جذبۂ دفاع بیدار ہو جاتا ہے
اور اس سے محروموں میں جذبۂ اقدام۔ اینگلو سیکسن انگلستان
کی تاریخ خود اس پر گواہ ہے، کہ دولت دیکھ، سمندر پار والوں
کی نیت کس طرح بگڑی۔ اور پھر جب یہ لوگ تابعی ہو گئے
تو خود انھوں نے بیرونی حملہ آوروں مثلاً ولیم (نارمنڈی والے)
کی افواج کا مقابلہ شروع کر دیا" (انسائیکلوپیڈیا آف ماڈرن
نالج - جلد اول، صفحہ ۲)

کیا خدا کی شان ہے کہ اسی مفہوم کو لیکر جب مشرقی صوفی مخلصانہ قناعت
کا عنوان اختیار کرتا ہے، اور حرص دنیا و حب جاہ و مال کے خلاف تلقین کرنے
لگتا ہے، تو بیسویں صدی کے "روشن خیال" پڑھنے والے کی پیشانی پر شکنیں
پڑنے لگتی ہیں، لیکن بعینہ وہی مضمون جب عبارت اور اصطلاحوں کے
فرق کے ساتھ مغرب کے مشہور مفکر سیاسی پروفیسر ہیرلڈ لاسکی (لندن
یونیورسٹی کے استاد سیاسیات) کی زبان سے ادا ہوتا ہے، تو اسے صحیفۂ مغرب
کی تازہ ترین انسائیکلوپیڈیا میں لے! ——— اور جو شکر تھی، اُنہی زبان
سے بھی شہادت پہنچے، انما اموالکم واولادکم فتنة کی!

دفترِ عمل!

"میں پرسوں دہلی سے لاہور پہنچا، تو مجھے دفتر سے
اطلاع ملی کہ اب ایک پائی بھی دفتر میں اخراجات کے لیے
موجود نہیں۔ نہ شاہ صاحب کے مقدمہ پر خرچ کرنے کے لیے
اور نہ دفتر کو چلانے کے لیے روپیہ موجود ہے۔ سب سے زیادہ
ہماری جماعت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ہستی مقبول ہے
لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جتنا روپیہ انکے عشاق انکی
زیارت کے لیے اور مقدمہ دیکھنے پر ریلوے کو کرایہ میں دیا ہے،
اگر اس کا نصف بھی شاہ صاحب کے مقدمہ کے لیے دیا جاتا،
تو مقدمہ کا کام آسانی سے چل سکتا۔ شاہ صاحب کی بریت
کی خبر سن کر اکثر شہروں میں جلوس نکلے۔ صرف دہلی پر دوستوں
نے اظہار مسرت میں ایک ہزار روپیہ آپس میں مٹھائی پر
خرچ کر دیا۔ اور شہروں میں بھی ایسا ہوا ہے، لیکن شاہ صاحب
پر جو دوسرا مقدمہ ہے، اسکے لیے دوستوں نے کیا بھیجا، اسکا
جواب نفی میں ہے..... دوستوں کا عجب حال ہے کہ بجائے
مقدمہ پر خرچ کرنیکے مٹھائیاں کھا رہے ہیں"

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، صدر مجلس احرار نے اپنے ایک تازہ بیان میں
یہ فرمایا! جب یہ حال جماعت احرار کا ہے جو مشہور ہے اپنے جوشِ عمل کے لیے
تو پھر ان بیچاروں کو کوئی کیا کہے، جو پہلے ہی سے مشہور ہیں بے عملی کے لیے!——
صرف ایک شہر میں ایک ہزار روپیہ مٹھائی میں اڑا دینا، دوسری قوموں میں
جو شہروں میں [illegible] ریکارڈ قائم کرتی ہوں، کہ ذکر اس گمان میں تو بھی ہے اپنا
ریکارڈ قائم کر دکھایا!

خود فراموشی کی ایک مثال

"بوڈاپسٹ۔ ۱۴۔ اپریل۔
اسٹالن نے بالشویک سپاہیوں کے نام تازہ فرمان جاری
کیا ہے کہ ناچ گھروں اور تفریح گاہوں یا غیر ملکی لڑکیوں اور
خوبصورت عورتوں سے نہ ہم کلام ہوں نہ انکے ساتھ بے تکلفی
برتیں بلکہ ان سے علیحدہ رہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی غیر حکومت
کی جاسوس ہوں"

"انقرہ۔ ۱۰۔ اپریل۔ ترکی حکومت کو ایک خفیہ سازش کا
پتہ چلا ہے جس کا مقصد ترکوں کے راز حاصل کرنا اور ترکوں
کے اخلاق کو تباہ کرنا ہے۔ سازش کا انکشاف استنبول میں
ہوا ہے جہاں غیر ملکی رقاصائیں اور گانے والیاں غیر معمولی
کثرت سے آنی شروع ہو گئی ہیں۔ یہ رقاصائیں زیادہ تر
فوجی بارکوں کے قریب اور فوجی افسروں کے قریب رہنے
کی کوشش کرتی تھیں۔ پولیس نے تفتیش کی تو پتہ چلا کہ
یہ جرمن حکومت کی تنخواہ دار جاسوس تھیں۔ ہنگری کی راہ
سے ترکی میں داخل ہوئی تھیں اور انکے پاسپورٹوں پر ان کا
وطن ہنگری درج ہوا تھا۔ پولیس نے حکومت کے حکم سے
انکو ترکی سے ملک بدر کر دیا ہے، اور آئندہ کے لیے غیر ملکی
رقاصاؤں کا داخلہ بند کر دیا ہے"

اسٹالن نے جو کچھ کیا اسکے لیے وہ تو مجبور تھا، اس مذہب کے ایسے
اس سے زیادہ وحشی اور پتھر کیا [illegible]۔ وہ بیچارہ تو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ جرم
جاسوسی سے قطع نظر، فاحشی اور فحاشی بجائے خود بھی ننگ انسانیت
ہے، ننگ انسانیت ہے۔ عورت کی منزلت کو تاراج کر ڈالنے والا،
انسانیت کے شرف کو غارت کر کے رکھ دینے والا ہے۔ عبرت کی نظر سے
ترکی، "روشن خیال" ترکی، ترقی دوست و تجدد دوست ترکی، اتاترک والی
ترکی کی خبر کو پڑھیے! محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے
قانون کا احترام اتنا بھی نہیں جتنا پولیس کی رپورٹ کا! فسق کی علانیہ
اجازت، فحش کی پوری آزادی، حرام کاری اور حرام خوری کے باب میں
حکومت وقت کی طرف سے کامل رواداری۔ جرم صرف یہ کہ کہیں کوئی
حریف سلطنت قلعوں اور بارکوں کا مال نہ چرا لے! یہ ہے وہ "اعتبار"
[illegible] اور اپنے لوگوں [illegible] ترکی جیسی "ترقیوں" کی حکایتوں پر اب
اپنے [illegible] دستار والوں کو بھی رشک آتا ہے!

جادو کی جاگ

"علماء و خاص ہمارے ملک وطن کا
فن ہے۔ ہم نے مدت سے اس کی ناقدری شروع کر دی
ہے، اور اسے اپنی سرپرستی سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ
ہمارے ہاں سے تو کہیں زیادہ اس کی قدر یورپ میں
ہو رہی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ یہ فن مردہ از سر نو زندہ
کیا جائے [illegible] چنانچہ مغربی ممالک کے [illegible] ہم نے اپنے
ہاں بھی ایک [illegible] جادوگروں کا کلب قائم کر دیا ہے

اور ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ اس فن کو بھی دستگیری کرتے رہیں گے۔ چنانچہ جو لوگ اس سے دلچسپی رکھتے ہوں، وہ مزید معلومات "انڈین میجک سرکل" کلکتہ سے طلب فرمائیں"۔

یہ خلاصہ ہے ایک اعلان کا، جو انڈین میجک سرکل کے آنریری سکریٹری کی طرف سے انگریزی اخباروں میں شائع ہوا ہے! چلئے، جادو کا بھی جادو تعلیم یافتہ دماغوں پر چل گیا۔ جادو اور ٹونے "ٹوٹکے" یہ وہ لفظ تھے، جن سے ہم آپ شرماتے تھے، اور ان کا نام بھی پڑھے لکھوں کی صحبت میں زبان پر لانے سے جھجکتے تھے لیکن ذہن کو چونکہ نام خالص انگریزی طرز کے مل گئے، اس لئے اب "انڈین میجک سرکل" معزز ہے، اور [illegible] میں ممبری باعث فخر! دلیل جواز یہ ہے کہ مغرب میں بھی تو ایسے کلب قائم ہیں! اور اس دلیل کے آگے ہماری ساری منطق بے دست و پا، اور ہماری "روشن خیالی" سرنگوں! — عہد جاہلیت کے خرافات میں سے کون سا جزئیہ ایسا ہے، جو اس عصر "علم" و بیداری میں نئے سرے سے زندہ ہو کر نہ رہیگا؟ سحر و کہانت، کو آپ اپنے نزدیک ہمیشہ کے لئے دفن کر چکے تھے، دیکھئے وہ تک کس کس طرح ابھر رہے ہیں! جادو، شاعری کی دنیا میں بہت دنوں تک "جگایا" جا چکا، اب اسکی جاگ کا وقت واقعات کی دنیا میں آگیا!

ترک "جبر"

"لاہور ۔ ۲۵ مارچ۔ تقریباً چار ماہ کے بعد آج پنجاب اسمبلی میں پرائمری ایجوکیشن بل پر پھر بحث جاری ہوئی۔ گزشتہ موقع پر متعدد ارکان اسمبلی نے مخلوط تعلیم سے متعلق دفعات پر اعتراض کیا تھا، اور صوبہ کے اسلامی حلقوں میں اظہار ناراضگی کیا گیا تھا، اور اخبارات نے بھی مخالفت کی تھی۔

آج بحث کے دوران میں آنریبل میاں عبدالحی وزیر تعلیم نے اعلان کیا کہ چونکہ رائے عامہ مخلوط تعلیم کے خلاف ہے اور پریس اور پلیٹ فارم سے اسکے خلاف صدائے احتجاج اٹھائی گئی ہے، اس لئے حکومت لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم پر زور نہیں دیگی ... ہاں اگر والدین یا سرپرست اپنی مرضی سے ان لڑکیوں کو لڑکوں کے اسکول میں بھیجنا چاہیں تو رکاوٹ نہیں ہوگی، البتہ حکومت انھیں ایسا کرنے پر مجبور نہیں کریگی۔ آپ نے اس امر کا بھی انکشاف کیا، کہ پچھلے سال ۲۰ ہزار لڑکیاں لڑکوں کے اسکول میں داخل ہو چکی ہیں۔"

گویا اتنی پرزور مخالفت اور شدید احتجاج کا نتیجہ صرف یہ نکلا، کہ مخلوط تعلیم پر فی الفور "مجبور" نہیں کیا جائیگا، سردست صرف مختار چھوڑ دیا جائیگا! —— گویا شراب نوشی پر کسی کو "مجبور" نہیں کیا جائیگا، مے نوشی سے احتیاط و اجتناب پر کوئی سزا سردست مقرر نہیں ہوگی، صرف شراب کی دوکانیں ہر طرح آراستہ و پیراستہ، دلکش و جاذب نظر، گلی گلی کھول دی جائینگی، شاعروں، واعظوں، خطیبوں، ادیبوں کی زبان سے شراب کی مدح اور یاں بیان ہوتی رہیگی، یہاں تک کہ جب لوگ خود اپنے شوق سے شراب خانوں پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں، تو ایکدم سے فرضیت مے نوشی کا اعلان کر دیا جائے! کیا خوب ہے یہ بیسویں صدی کی سیاست کا "ترک جبر"، جو مرادف ہے جبر کے!

ایک غلطی کی تصحیح

ص۲ کی سچی باتوں میں ایک جگہ آیت قرآنی کا آخری ٹکڑا ان الفاظ کے ساتھ درج ہوا ہے، انک انت العزیز الحکیم۔ صحیح الفاظ انک انت العلیم الحکیم ہونا چاہیئے۔ لیکن کے غلط ہو جانے میں ترجمہ و تشریح میں بھی غلطی پیدا ہو گئی۔ اب عبارت ذیل کے اکر

"اختیار والے اور حکمت والے تو صرف آپ ہی ہیں کہ جسکے لئے الخ"

بجائے یوں پڑھا جائے:-

"علم والے تو صرف آپ ہیں۔ اور آپ ہی جسکے لئے الخ"

قرآن مجید کے باب میں چھوٹی سی چھوٹی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے، ان صاحب کا شکریہ جنہوں نے اس پر متنبہ فرمایا۔

کلکتہ کے جدید میئر

کلکتہ سے خبر آئی ہے کہ مشہور قومی کارکن، اور مسلم لیگ کے زبردست رکن، عبدالرحمن صدیقی ایم اے، ایم ایل اے، ایم۔ ایل سی۔ کلکتہ کارپوریشن کے میئر منتخب ہو گئے ہیں۔ اور یہ حکومت بلدیہ کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو کسی شہری کے نصیب میں آسکتا ہے۔ یہ عبدالرحمن صدیقی (علیگ) وہی ہیں جو ایک زمانہ میں محمد علی کے مشہور و معروف انگریزی ہفتہ وار کامریڈ کے منیجر اور نائب ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اس رشتہ سے صدق کی بھی مخلصانہ مبارکباد قبول ہو۔

تصحیح نمبر ۳۰

پچھلے نمبر میں یوں تو غلطیاں متعدد رہ گئیں، لیکن ذیل کی دو غلطیوں نے تو بالکل ہی مطلب خبط کر دیا۔ انکی تصحیح بہر حال ضروری ہے!

ص۲ سچی باتوں کے کالم ۲ کے شروع میں جو اقتباس درج ہے، اسکے آخر میں ایک فقرہ یوں درج ہے، "بنیادی مسائل کی تلاش ہی" الخ صرف فقرہ یہ تھا "بنیادی مسائل کے حل کی تلاش ہی" الخ

ص۸ کے آخری پیراگراف سے ذرا اوپر یہ فقرہ درج ہے "کیا یہ سب غدار و وظیفہ خوار سرکار برطانیہ ہیں"؟ یہاں پوری عبارت مسخ ہو کر رہ گئی ہے صحیح عبارت یہ تھی:-

"کیا یہ سب غدار ملت و وظیفہ خوار سرکار انگلش ہیں؟ لیکن اگر کوئی اسکے جواب میں، اسی طرز استدلال کی پیروی پر اس سے دوگنے اور سہ گنے نام لیگ کے مخالف علماء امت کے نام پیش کر کے یہ دریافت کرے کہ کیا یہ سب غدار ملت و وظیفہ خوار سرکار برطانیہ ہیں؟ لیکن درحقیقت یہ سوال و جواب دونوں" الخ

موسیقی کی تعلیم

ایک اطلاع ہے کہ اب ہمارے مدارس ثانویہ کی نچلی جماعتوں کے لئے موسیقی کا ایک پروگرام تعلیمی مرتب کیا گیا ہے! خدا ہم پر رحم کرے۔ موسیقی ایسے مسائل میں داخل ہے،

احتسابِ نفس

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۔ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

۱۳۵۸ھ ختم ہوا اور اسی کے ساتھ ہماری آپ کی عمروں کی ایک اور منزل بھی طے ہوگئی۔ خوش نصیب ہیں وہ جن کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہیں اور خسارہ میں رہے وہ جنھوں نے اس سال کے دن بھی غفلت سے گزارے اور اپنے نامۂ اعمال میں گناہ زیادہ درج ہوئے ———— افسوس ہے کہ ہم اپنے انجام سے کس قدر غافل ہیں۔ دن نکلتا ہے اور چار پہر بعد شام ہوجاتی ہے پھر رات شروع ہوتی ہے اور کچھ دیر میں صبح ہوجاتی ہے۔ اسی طرح مہینے بھی آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ نئے سال کا آغاز ہوتا ہے اور پھر وہ بھی گزشتہ بن جاتا ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ جو سال گزر گیا پھر وہ آتا نہیں۔ بلکہ جو دن گیا اب اس کی واپسی کا بھی امکان نہیں۔ لیکن ہم نہیں سوچتے کہ یہ ہماری زندگی کے وہ حصے ہیں جو ہم کو دارِ آخرت کی تیاری کے لیے دیے گئے تھے اور معلوم نہیں کہ اب اس مہلت کی کتنی مدت باقی ہے۔ ایک سال۔ ایک ماہ۔ ایک دن۔ بلکہ ایک گھنٹہ، ایک منٹ اور ایک پل کا بھی اطمینان نہیں۔ کچھ خبر نہیں کون دن ہمارے لیے اس دنیا کا آخری دن ہوگا اور کون گھڑی ہماری زندگی کی آخری گھڑی۔

ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ موت اچانک آجاتی ہے اور جب آجاتی ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت دو چار منٹ کے لیے بھی اسکو ٹال نہیں سکتی۔ خوشامد درآمد، منت و سماجت سے بھی اُس سے مہلت نہیں لی جاسکتی۔

اذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون۔

ہم کو یقین ہونا چاہیے کہ وہ آخری وقت ہمارے لیے بھی اچانک ہی آئیگا اور اسی وقت اس بڑے سفر کی تیاری کے لیے جس سے کبھی واپس نہیں ہونا ہے۔ دو چار دن تو کجا ان تھوڑے سکنڈوں کی بھی مہلت نہیں ملیگی۔ بس جس حال میں ہیں اسی میں جانا ہوگا۔ حتیٰ کہ آخری غسل اور آخری لباس کا انتظام بھی دوسرے ہی کرینگے۔ اور زمین کے نیچے ایک ایسے تنگ حجرے میں ہم کو اتار دیا جائیگا جس کا طول قریباً دو گز اور عرض پون گز سے زیادہ نہ ہوگا اسکے بعد سے وہی ہمارا مسکن بنا ہوگی۔ وہاں تنہائی ہوگی اور بعض توفیق والے خدا کے جن با توفیق بندوں نے حیاتِ دنیا کو غفلت سے نہ گزارا ہوگا، الٰہی فرائض کی ادائیگی میں جنھوں نے کوتاہی نہ کی ہوگی معصیات سے اپنے دامن بچانے کی جنھوں نے کوشش کی ہوگی اور علی ہذا جو اپنی خطاؤں اور گناہوں سے توبہ کرکے مولا عزوجل کو راضی کرچکے ہونگے انکے لیے اس حجرہ کی تنگی کشادگی سے اور تاریکی روشنی سے بدل جائیگی اور قدرت اس قبر ہی کو انکے لیے جنت کا ایک باغیچہ بنا دیگی۔ لیکن جنھوں نے اپنی عمریں یہاں غفلت سے گزاریں اور خدا کو راضی کرنے کی کوئی فکر نہ کی انکے لیے یہاں صرف تنگی اور تاریکی ہی نہ ہوگی بلکہ خدائے قہار و جبار کی طرف سے ان پر طرح طرح کے عذاب یہ بھی یہیں سے شروع ہو جائیں گے اور آگ نیز سانپ بچھو انکے لیے جہنم بن جائیگی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم القبر اِمّا روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار۔ اگر اس سب پر ہمارا ایمان ہے اور یقیناً ہے تو چاہیے کہ اولیں لمحہ میں ہم اپنی گزشتہ زندگی کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ فرائض الٰہیہ کی ادائیگی میں ہم سے کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں، کیا کیا گناہ ہم سے سرزد ہوئے، اپنے خالق عز اسمہ اور اُس کی مخلوق کے بارے میں ہم سے کس قدر تقصیرات ہوئیں۔ پھر انکی تلافی کی کوشش کریں۔ پہلی معصیتوں اور خطاؤں سے توبہ و استغفار اور آیندہ کے لیے خلوص قلب کے ساتھ از سرِ نو عہدِ اطاعت کریں کہ صرف یہی چیز گنہگار کو گناہوں کی بد انجامی سے بچا سکتی ہے ؎

درد مندانِ گنہ را روز و شب
شربتے بہتر ز استغفار نیست

اور اگر ساری گذشتہ زندگی کا جائزہ لینا ہمارے لیے مشکل ہے تو کم از کم اس گزرے ہوئے سال ۱۳۵۸ھ کے اپنے اعمال نامہ پر ایک نظر ڈالیں اور سوچیں کہ جس بندہ کا اعمالنامہ اس قدر خراب اور سیاہ ہے وہ کس منہ سے اپنے پروردگار کے سامنے جائیگا اور اس پر کیا گزریگی جب سرِ محشر یہ نامۂ اعمال اسکے ہاتھ میں دے کر کہا جائیگا، اقرأ کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیباً (لے یہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ، آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کے لیے کافی ہے)۔

یہ وہ دن ہوگا کہ اُس وقت کی ندامت تو یہ کچھ بھی فائدہ نہ دیگی اور نہ یہاں کی تقصیرات کی تلافی کی وہاں مہلت ملیگی۔ ربّ العرش کی قسم اُس دن انسان دنیوی زندگی کے ان دنوں اور فرصت کے ان لمحات کو بڑی حسرت سے یاد کریگا لیکن اس وقت کی یہ حسرت اسکے کچھ کام نہ آئیگی اور جزا و سزا کا سارا مدار بس اسی اعمالنامہ پر ہوگا جو اس دنیا سے ہمارے جانے کے ساتھ بند کردیا گیا تھا۔

پس اے اخوانِ عزیز! زندگی کے بقیہ دنوں کو غنیمت جانو، اور آج ہی سے اپنے نامۂ اعمال کے درست کرنے کی فکر میں لگ جاؤ۔ خدائے ذو الجلال کے غضب کے شعلوں اور آخرت کی رسوائی سے بچاؤ کی یہی صورت ہے

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ ربنا اغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ وتب علینا یا مولانا انک انت التواب الرحیم (الفرقان)

قدردانانِ صدق

سے امید ہے کہ صدق کی توسیعِ اشاعت کے خیال کو فراموش نہ فرمائیں گے۔

"ادارہ"

نئی کتابیں

(سلسلۂ اشاعت گزشتہ)

(۸) **خمسۂ کیفی** - از پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی - صفحہ ۷۰ - تقطیع ۱۸×۲۲ - قیمت ۳ر پتہ: انجمن ترقی اردو، دریاگنج - دہلی۔

ہندو ادیبوں اور زباں دانوں میں اب پنڈت کیفی صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ پیش نظر رسالہ انکی پانچ نظموں و نثر کا مجموعہ ہے، جو سب کے سب زبان ہی سے متعلق ہیں - ان میں سے دو مضمون ایک "اردو ہماری زبان" دوسرا "اردو و لسانیات" خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں - علاوہ لکچر ہے، جو کوئی ڈیڑھ دو سال ہوئے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہال میں بہ سلسلۂ اردو کانفرنس دیا گیا تھا اور دوسرا وہ توسیعی لکچر ہے، جو مصنف نے کئی سال ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی کالج میں دیا تھا - یہ دونوں لکچر خطیبانہ نہیں، فاضلانہ انداز کے ہیں، اور ان میں بہت سی کام کی باتیں ادب اردو و لسانیات پر - دو کے علاوہ کوئی چاشنی تیسرا لکچر "ہندو مسلمانوں کے کلچرل تعلقات" کے عنوان سے پٹنہ کے ایک جلسہ میں پڑھا گیا تھا، وہ بھی اپنے رنگ میں اچھا خاصہ ہے۔ کتاب ان لوگوں کے مقابلہ میں ایک پورا اور مسکت جواب ہے، جو اردو کو مسلمانوں کی مخصوص جائداد سمجھ رہے ہیں۔ رسالہ کا ایک ایک صفحہ انھیں بتا دیگا کہ ایک پیدائشی اور پشتہا پشت کا ہندو، "ہندوستانی" پر نہیں، اردو پر، مندی آمیز اردو پر نہیں، اچھی خاصی دقیق و مغلق، "مفرس" اور "معرب" اردو پر کیسی بے تکلفی سے قادر ہے! سرورق پر مصنف کا نام نہ ہو، تو یہی پتہ چلنا دشوار ہے، کہ عبارت کسی "مولوی" قسم کے ادیب کی نہیں ہے! اردو کی پچھلی تاریخ میں بے شبہ یہ مثال کوئی انوکھی نہیں، لیکن نسیم اور سرشار، سرور اور چکبست، نظر اور برق کا دور ختم ہو جانے .... کے بعد اب ایسی مثالیں تو خال ہی خال نظر آئیں گی۔ ۳ر کی قیمت میں ایسا مجموعہ ہاتھ آ جانا بالکل مفت ہے۔

(۹) **ارمغان جذب** - حصہ دوم - از جناب راگھوندر راؤ صاحب جذب - ۱۱۶ صفحات - چھوٹی تقطیع، مجلد - قیمت ۱۲ر پتہ: ادارۂ ادبیات اردو، خیریت آباد - حیدرآباد دکن

جذب، عالیپور (دکن) کے ایک وکیل ہیں اور شاعر بھی - ایک ہندو وکیل کا اردو شاعر ہونا یقیناً بہت سے لوگوں کو عجیب معلوم ہوگا، لیکن ہے یہ بہرحال ایک واقعہ ہی - اور واقعیت بھی خوشگوار - یہ مجموعہ انکی رباعیات کا ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ۱۲ صفحے کا جناب ماہر القادری کے قلم سے ہے۔ خصوصیات کلام جذب کے اجمالی اندازہ کے لیے بالکل کافی ہے:

"بعض رباعیاں سنسکرت اور بھاشا کے شعراء کے خیالات لیکر کہی ہیں اور بعض رباعیاں خود انکے دل و دماغ کے تفکر و تاثر کا نتیجہ ہیں - جذب صاحب کی رباعیوں کی سب سے بڑی خصوصیت سادگی اور سلاست ہے - خیالات سلجھے ہوئے، طرز بیاں اس قدر سادہ اور بے تکلف کہ معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ سکے - جذب صاحب کی رباعیوں میں آپ خیام کی مستی اور سرمد کا جذب تلاش کرنے کی بیہودہ کوشش نہ فرمائیں - جذب کی رباعیاں اخلاقی اور ناصحانہ ہیں" الخ

یہ شہادت کسی مزید تبصرہ کی حاجت باقی نہیں رکھتی۔*

(۱۰) **دولت عثمانیہ** - جلد اول، از مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے - ضخامت ۵۰۴ صفحات - تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت درج نہیں - پتہ: مینجر دار المصنفین - اعظم گڑھ۔

ہندی مسلمانوں کو ترکان عثمانیہ کے ساتھ ہمیشہ عقیدت و محبت رہی، لیکن ترکی تاریخ سے متعلق کوئی خاص کتاب جیسا چاہیے تھا، اب تک اردو میں مرتب نہیں ہوا تھا۔ دار المصنفین اردو خواں طبقہ کی طرف سے قابل تشکر ہے، کہ اُس نے اپنے ایک سنجیدہ قلم رفیق کے ہاتھوں اس خدمت کو انجام دلوا دیا - ابھی صرف پہلی جلد شائع ہوئی ہے - یہ تمہیدی مباحث کے بعد عثمان اول (۶۸۷ھ / ۱۲۸۸ء تا ۷۲۶ھ / ۱۳۲۶ء) سے لیکر مصطفی رابع (۱۱۲۳ھ / ۱۷۰۳ء) تک ہے۔ دوسری جلد حال کی تاریخ پر ہوگی۔ نفس مسائل تاریخ کے لحاظ سے تنقید و تبصرہ تو کوئی تاریخ عثمانی کا ماہر خصوصی کر سکتا ہے، باقی کاوش و تفحص کا اندازہ ایک عامی بھی کر سکتا ہے - اور جہاں تک سلاست بیان اور سنجیدہ و شستہ طرز ادا کا تعلق ہے - دار المصنفین کا نام بجائے خود ایک ضمانت ہے - شروع میں فہرست مضامین خاصی مفصل ہے۔ کاغذ، کتابت و طباعت سب پسندیدہ۔

(۱۱) **احسن المقال فی رویت الہلال** - از مولوی عبید اللہ صاحب قادری - ضخامت ۶۴ صفحے - قیمت ۴ر پتہ: مولوی سید محمد المجیری ناروی - مدرسہ شمس الہدیٰ - مہندرو - پٹنہ

مسئلہ رویت ہلال اور اسکے اطراف و متعلقات پر ایک عالمانہ بحث - نتائج کی صحت کا فیصلہ تو حضرات فقہاء ہی کر سکتے ہیں، لیکن رسالہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر حال قابل مطالعہ ہر فریق کے لیے ہے۔

(۱۲) **مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج** - از مولوی محمد احتشام الحسن صاحب - ۳۹ صفحے - چھوٹی تقطیع، غالباً محصول کا ٹکٹ بھیجنے پر مصنف صاحب سے بستی نظام الدین اولیاء دہلی کے پتہ پر مل جائے۔

یہ ایک دردمند باخبر عالم دین کے قلم سے، ضرورت تبلیغ، اہمیت تبلیغ و آداب تبلیغ پر سلیس و دلنشیں رسالہ ہے - مصنف صرف اہل قال نہیں اہل حال بھی ہیں - یعنی وہ خود، ودگی بالعمت، تبلیغ کا پورا عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں - رسالہ اس قابل ہے کہ ہر صاحب ایمان کی نظر سے گزرے۔

(۱۳) **مغربی تصانیف کے اردو تراجم** - از زبیر حسن صاحب ایم اے - ضخامت ۴۴۴ صفحات - مجلد - قیمت عہ پتہ: ادارۂ ادبیات اردو - رفعت منزل - خیریت آباد - حیدرآباد دکن۔

موضوع نام سے ظاہر ہے - اور کوشش بڑی حد تک کامیاب ہے۔ مغربی تراجم کے ۱۸۰۰ء سے لیکر اس وقت تک مصنف نے چار دور قائم کیے ہیں دور اول ۱۸۵۷ء تک، دور دوم ۱۸۵۷ء تک اور دور سوم ۱۹۱۴ء تک

* تبصرہ کا حق اُنسے زیادہ کس کو حاصل ہے۔ مقدمہ کا اقتباس ذیل کلام جذب *

درجہ رکھتا ہے حاضر۔ اور ہر دور نے اس سمت میں مجلسوں اور انجمنوں اور انفرادی کوششوں دونوں کا ذکر اپنے علم و تحقیق کے مطابق، سب لکھا ہے۔ مقدمہ چند ہی صفحوں کا ہے، لیکن پُر مغز اور قابل مطالعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کسی کوشش کی بھی تشفی صدی کا بابی کا دعوے نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ کسی فرد واحد کا استقصاء کامل ہو سکتا ہے۔ مصنف کے فرشتے بھی کافی ہے کہ انھوں نے اپنے موضوع پر زیادہ سے زیادہ مواد جمع کر دیا ہے۔ آئندہ اشاعتوں میں اضافہ و ترمیم کے موقع یقیناً انھیں ملیں گے۔ اسکے سمت و غلط بحسب ذیل ترجمے نظر نہیں پڑے:-

۱- حرم سرا، ترجمہ ریالڈز کی (Rose of ...) کا۔ از ریاض خیرآبادی
۲- جہانگیر، ترجمہ شکسپیر کے "Hamlet" کا۔ از منشی ضیاء علی بی اے
۳- معشوقۂ فرنگ، ترجمہ شکسپیر کے Romeo & Juliet کا۔ از عبد الاحد پرشاد برق بی اے
۴- ترجمہ Conquest of a Thing کا۔ از شیخ حسن الزمان۔

اسی زمانہ میں اسلامیات پر بھی مستند انگریزی کتابوں کے اردو ترجمے ہوئے تھے۔ مثلاً سید امیر علی کی اے کریٹیکل اکزامینیشن آف دی لائف اینڈ ٹیچنگس آف محمدؐ، یا ڈیون پورٹ کی "اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن" وغیرہا۔

عربی کانفرنس (بہرائچ)

۲۲-۲۳-۲۴- مارچ سنہ کو بہرائچ میں عربی کانفرنس کا اجلاس نہایت شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ یو۔پی کے مختلف اضلاع سے متعدد علماء اور عربی مدارس کے نمایندوں نے شرکت فرمائی ...

۲۲- مارچ بعد نماز ظہر مجلس مضامین کا اجلاس منعقد ہوا۔ پہلے محفوظ الرحمن نامی نے عربی کی اہمیت پر مختصر تقریر کی۔ پھر عربی کی عام اشاعت کے لیے اپنا مرتب کیا ہوا لائحہ عمل پیش کیا جو کافی بحث، ترمیم اور مختلف ترمیموں کے بعد منظور ہوا۔ اور کام کا آغاز کرنے کے لیے "مجلس ترقی عربی" کا قیام عمل میں آیا۔

اغراض و مقاصد (۱) عربی زبان کو مسلمانوں میں عام کرنا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے عربی تعلیم کو سہل بنانا اور اسکے لیے ہر ممکن تدبیر عمل میں لانا۔
(۲) تمام تعلیمی اداروں میں خصوصاً مسلم طلبہ پر عربی لازمی طور پر لاگو کرنے کی ہر ممکن و مناسب جد و جہد کرنا۔
(۳) تعلیم یافتہ اشخاص کو تھوڑی مدت میں قرآن پاک کے ترجمہ کرنے اور سمجھنے کے قابل بنانا۔
(۴) تمام اسلامی آبادیوں کے مدارس اور تمام مساجد میں قرآن پاک کا درس جاری کرانا۔

عہدہ دار صدر- مولانا ابو الحسن علی ندوی (لکھنؤ) نائبان صدر: مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری، و مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بریلی۔ ناظم عمومی- محمد محفوظ الرحمن نامی (بہرائچ) نائب ناظم: خواجہ خلیل احمد شاہ صاحب (بہرائچ)

طریق کار (۱) اس مجلس کا ایک عام اجلاس ہر سال کسی مناسب مقام پر ہوا کریگا۔ (۲) اس مجلس کا حلقۂ عمل سردست صوبہ یو۔پی و پنجاب ہوگا۔ دوسرے صوبوں میں کام شروع کرنے کے لیے اس صوبہ کو ترجیح دی جائیگی جہاں کام میں سہولت اور کامیابی کے زیادہ امکانات ہوں
(۳) اس مجلس کی شاخیں یو۔پی و پنجاب کے ہر ضلع میں قائم کی جائیں گی
(۴) مجلس کے کاموں کو پھیلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ عربی کے ہمدرد پیدا کیے جائیں گے، جو دو شعبوں میں تقسیم ہونگے۔ (الف) کارکنان، جو عملی جد و جہد سے کام کو آگے بڑھائیں گے (ب) معاونین جو مالی امداد فرمائینگے۔
(۵) مجلس کے کاموں کی سرانجامی کے لیے عربی مدارس کے کارکنوں اور طلبہ کا تعاون زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی (۶) سردست مجلس کا دفتر (یو۔پی) میں نور العلوم بہرائچ اور (پنجاب) میں ادارہ دار الاسلام پٹھان کوٹ ہوگا۔

تجاویز ۲۲ مارچ کی شب کو اجلاس عام میں حسب ذیل تجاویز پیش ہو کر باتفاق رائے منظور ہوئیں۔ (۱) یہ جلسہ تمام عربی مدارس سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اشاعت عربی، تبلیغ قرآن کے لیے پوری جد و جہد کریں، اور مناسب اوقات میں گاؤں اور بازاری لوگوں کو عربی و قرآن پاک پڑھانے کا انتظام کریں۔ اور اپنے حلقۂ عمل میں عربی کو لازم بنانے کی کوشش کریں خصوصاً طلبہ کو مجبور کریں کہ وہ عربی گفتگو کیا کریں۔ (۲) یہ جلسہ تمام قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ترجمہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کیا کریں۔ (۳) یہ جلسہ تمام علماء اور ائمہ مساجد سے درخواست کرتا ہے کہ اپنے حلقۂ اثر میں ترجمہ قرآن پاک کے سنانے کا انتظام کریں۔ (۴) یہ جلسہ عالیجناب راجہ سید محمد سعادت علی خاں صاحب والی ریاست نانپارہ سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اپنے ہائی اسکول نانپارہ میں مسلم طلبہ کے لیے عربی لازم فرما دیں۔

محفوظ الرحمن نامی۔ دار الاسلام۔ پٹھان کوٹ (پنجاب)

تصانیف جناب مدیر صدق

مذہبی

تصوف اسلام۔ خالص اسلامی تصوف کا بیان، قدمائے صوفیہ کے حالات و تعلیمات۔ طبع ثانی، اضافہ کثیر۔ قیمت عہ

فیہ مافیہ (فارسی) ملفوظات مولانائے رومیؒ- مع تبصرہ و دیباچہ و مقدمہ۔ حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت عار

سفر حجاز۔ عازمین حج کے لیے بہترین رہنما، فقہی، ادبی، تاریخی، ہر حیثیت کا جامع۔ دیباچہ از مولانا سید سلیمان ندوی۔ حجم ۲۴۱ صفحے قیمت عار

فلسفیات:

فلسفۂ جذبات۔ مشہور و معروف کتاب۔ طبع ثالث، اضافہ کثیر ۲۴۰ صفحے۔ عار

مبادی فلسفہ (حصہ اول) یا فلسفہ کی پہلی کتاب ۸۵ صفحے قیمت ۸ر

(حصہ دوم) یا فلسفہ کی دوسری کتاب۔ ۱۸۵ صفحے " ۸ر

ترجمہ مکالمات برکلے۔ مع دیباچہ و مقدمہ وغیرہ ۱۴۰ صفحے " عہ

ادبی

مثنوی بحر المحبت (مصحفی) مع تبصرہ و مقدمہ وغیرہ ۸۶ صفحے مہر

ملنے کا پتہ:- **منیجر دار المصنفین۔ اعظم گڑھ**

شیخ شوکت حسین پرنٹر پبلشر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق مرشد آباد گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔
(اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب :- (حکیم) عبد القوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط وکتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

: چندہ :
سالانہ ۔ ؏
ششماہی ۔ ؏
ممالک غیر سے سالانہ
۔ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ مر

صدق
لکھنؤ

نمبر (۳)	دوشنبہ - ۱۱ - ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۰ - مئی ۱۹۴۰ء	جلد ۶

سچی باتیں

سنہ عیسوی ۸۵۰ ہے، اور سنہ ہجری ۲۳۵ - اندلس کے تخت پر فرماں روا خلیفہ عبد الرحمن ثانی ہے - اسکی عدل گستری اور رعایا پروری کے قائل دوست دشمن سب - مسیحی رعایا ہے کہ روز بروز اسلام کی طرف کھنچی آتی ہے، اور وضع و قطع و تمدن و معاشرت میں دن پر دن مسلمان ہی بنتی جاتی ہے، کہ عین اسی زمانہ میں مسیحی "قوم پروروں" کی تحریک سے ردّ عمل شروع ہوتا ہے، اور صبح کے "دوست" و "وفادار"، شام کو دشمن اور غدار بن جاتے ہیں! تحریک کے بانی، اپنے ہم مذہبوں کے کان میں افسوں یہ پھونکتے ہیں، کہ کسی طرح مسلمانوں کو غصہ دلاؤ - اور یہ یوں آسانی سے تو غصہ میں آنے والے نہیں، انکے دین کو، اور انکے پیغمبر کو (نعوذ باللہ) بیں بے تحاشا بکار بکار کر، گالیاں دینا شروع کردو، جب تو یہ غصہ میں آئینگے، جب تو یہ جوش میں بھر جائیں گے، اور جب تو یہ ہمارے قتل کا فتوے دیں گے، جب درجہٴ "شہادت" ملیگا - اور یہ تحریک خوب چمکیگی! ——— عمل شروع ہوا، اور جنونِ "شہادت" کے متوالے، دھڑا دھڑ بڑھنے اور گرنے اور موت کے گھاٹ اترنے لگے - دو مہینے کے اندر اندر "شہیدوں" کی تعداد گیارہ ہو گئی!

———

خلیفہ حیران کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے - ان بدبختوں کو آخر اس جنون کی سوجھی کیا - قاضیِ شہر الگ دم بخود، کہ بالکل بیٹھے بٹھائے اور محض خواہ مخواہ یہ خود کشی کی تمنا کیسی - اور تو اور خود بڑے بڑے پادری اور لاٹ پادری ششدر، کہ "شہادت" کی یہ عجیب و غریب قسم، دینِ مسیح کے کس حکم کی تعمیل ہے! فتوے پر فتوے دے رہے ہیں کہ اس تحریک میں شرکت ممنوع، اس میں اعانت حرام - لیکن عوام کا جوش سنتا کب ہے؟ ——— جوش نے کب ہوش کی بات مانی ہے؟ ——— حد یہ ہے کہ عورتیں بھی "مردانہ وار" میدان میں نکل آئیں - اور فلورا اور مریم اپنے دینی اتحاد پر تصدق ہو گئیں! ہفتوں سے گزر کر بینے بہینے، اور مہینوں کی مدت سالوں میں تبدیل ہوئی - یہاں تک کہ خود خلیفہ کا انتقال ہو گیا - اور دوسرے خلیفہ کا زمانہ آگیا - ہوتے ہوتے خود بانیِ تحریک یولاجیس کی نوبت آگئی، ۸۵۹ عیسوی میں! اور جب کہیں جاکر فتنہ کی آگ بجھی ——— اللہ بخشے مولوی عبد الحلیم شرر کو، زیادہ وعلاوہ، فلورا اور فلورنڈا کو تخئیلی افسانوں نہیں، تاریخی واقعات سے ابھر گئے ہیں!

———

کیسی گندی تحریک! چھی چھی! اور کیسے ناپاک مقاصد! توبہ توبہ! آپ کی نفرت بالکل صحیح، اور آپ کا لاحول پڑھنا بالکل واجبی - لیکن آخر دنیا میں اس کے بھی پرستار، اسکے بھی علمبردار پیدا ہی ہوتے رہے - اس نام کے لیے اور اس کام کے لیے بھی اپنے مال ہی کی نہیں، اپنی جانوں تک کی قربانیاں پیش کر دینے والے ملتے ہی رہے، ایک کے بعد ایک نکلتے ہی رہے! کمی نہ ہوئی داد دینے والوں کی! قحط نہ پڑا داد لینے والوں کا! ——— بس جب یہ "تاریخی حقائق ہیں امنی سے" تو "ہمارے ان تجربات پر حیرت کیوں کیجیے" کہ فلاں اور فلاں اصدیق اور فاروق دکھا دینے کے شوق میں ولولہ میں آگئے، فلاں اور فلاں "بیلچہ" کی حمایت و نصرت میں سینہ پر گولیاں کھالیں، فلاں اور فلاں، بھارت ماتا کی بے پناہ سے پھانسی کے تختہ پر چڑھ گئے! ——— پروپیگنڈا جو چاہے کر دکھائے - جس سیاہ کو کہئے سفید بنا دے، جس گناہ کو کہئے ثواب بنادے - یہ محض جیل چلا جانا، ہتکڑی پہن لینا، پولیس کے ڈنڈے کی مار کھا لینا، بندوق کی گولیاں اپنے سینہ پر لے لینا، مرجانا، جان دے دینا آخر کسی تحریک کی صداقت و حقانیت کی دلیل کیونکر بن سکتے ہیں؟ انھیں زیادہ سے زیادہ دلیل ہمت، جرأت و مردانگی کی قرار دے لیجیے، لیکن! کسی بیہودہ سے بیہودہ تحریک کو بھی، جان دے بیٹھنے والے شیدائی اور فدائی

نہیں مل گئے ہیں؟ کربلا میں جان دے ڈالنے والے محض حسینی ہی تھے یزیدی نہ تھے؟ بدر و اُحد میں سر کٹا دینے والے محض حمزہؓ تھے، ابوجہل نہ تھا؟

معاونین کرام سے

صدق اور مدیر صدق کے ایک قدیم مخلص نے، پچھلی بار روپے یکمشت کا عطیہ ..... خدمت صدق کی مد میں عنایت فرمایا، تاکید شدید کے ساتھ کہ اُن کا نام ..... اخبار میں نہ آنے پائے۔ یہ مثال بالکل پہلی نہیں۔ دو ایک اور صاحب بھی عنایت فرما بھی ..... چکے ہیں۔ ..... نیا منی میں جوش آیا، اور منی آرڈر ..... بلکہ بیجرنگ ..... کے نام روانہ کردیا۔ اس سے اپنے محبوبِ ..... آیا منی کو جو کچھ بھی تسکین ہو جاتی ہو، لیکن یہ صدا و جب ..... نیاز ایسے تمام مخلصوں کی خدمت میں عرض ہے کہ امداد و قدر افزائی کا صحیح، مناسب و مؤثر طریقہ یہ نہیں، ایک صورت یہ ہے کہ اس رقم کے ساتھ خریداروں کی فہرست ضرور بنا کر بھیجی جائے۔ اصل مقصود تو پرچہ کی آواز کا، پیام کا، دور تک پہونچانا ہے، اور اُسکے حلقۂ تبلیغ کو وسیع کرنا ہے، اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ناظرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے۔ ..... یہ کہ دفتر میں رقم پہونچی ہے! آخری عطیہ ..... کا جن کرم فرما سے وصول ہوا، انھوں نے کسی طرح فہرست خریداری عنایت نہ فرمائی، مجبوراً دفتر نے خود اپنی تجویز سے ۲۲ رعایتی خریداروں کے نام یکم مئی سے پرچہ جاری کردیا۔

حکمت و موعظت

شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید مناظر احسن صاحب آج کل تعطیل کے زمانہ میں اپنے وطن موضع گیلانی (بہار) میں ہیں۔ تازہ گرامی نامہ بھی حسب معمول حقائق و معارف سے لبریز ہے۔ ذیل کا اقتباس، موصوف کی اجازت کے انتظار کے بغیر، بہ مسرت تمام نذر ناظرین ہے:

”آج کل گیلانی کے اس ویرانہ میں پڑا ہوں۔ عمر کا اڑتالیسواں سال گزر رہا ہے۔ گویا پچاس اچانک سامنے آگیا، اور جیسے یہ گزرتا رہا، کچھ نہیں معلوم کہ اس حساب سے کیا ہو۔ اب قبر کا دہانہ زیادہ پیش نظر رہتا ہے۔ دل میں ایک پرانا جذبہ سیاحت کا تھا لیکن تھوڑی سی سیاحت کے بعد معلوم ہوگیا کہ ہر جگہ وہی آسمان وہی زمین، وہی پانی وہی آدمی۔ اُسکے وہی لوازم ساتھ ہیں جو مجھے اپنے گاؤں میں سب سے پہلے نظر آتے تھے۔ بہت کم اضافہ معلومات کا اس سیاحت کی راہ سے ہوا۔ اب البتہ ایک سفر درپیش ہے، اور اس میں توقع ہے کہ اس بے تکلی سے دوچار ہونا پڑیگا کہ ما اخفی لہم من قرۃ اعین، کے متعلق، فلا تعلم نفس کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی لیے اُن پر ہنسی آتی ہے، اُنکی عقل پر ہنسی آتی ہے، جنکا مطالبہ ہے کہ آیندہ وہی ہو یا اُسی کو ہونا چاہیے جو اس وقت ہے یا ہو رہا ہے۔ چونکہ مذہب اسکو موجودہ نظام سے مختلف قرار دیتا ہے اس لئے ”اِمپاسیبل“ (impossible) کا نعرہ لگا کر یہ اُس بندر کے انداز آنکھیں بند کیلیتے ہیں جس نے سانپ کے وجود کا انکار آنکھ بھینچ کر کر دیا تھا۔ اس تخیل سے بڑا ذوق حاصل ہوتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اسکے بعد جو کچھ آرہا ہے وہ پیش نظر قدیم زمین سے بالکل مختلف ہوگا۔ کیسی عجیب باتیں ہونگی جس لیے کہا گیا ہے کہ آیندہ کی زندگی جب جنت کے مقام تک ترقی کر جائیگی، تو آدمی اُس سے تحویل نہ چاہیگا، جسکی وجہ اسکے بعد ہی قرآن میں یہ ہے کہ رب کے کلمات لامحدود ہیں۔ بُرائی سے تو آدمی تھک جاتا ہے، لیکن لذت کی تو زیادتی چاہیے۔“

اللہ استفادہ کی توفیق چھاپنے والے، پڑھنے والوں سب کو نصیب کرے۔

ایک بزرگ قوم کا ابتلا

مولوی محفوظ الرحمٰن صاحب نامی، مدتہا بہرائچ (اودھ) میں نور العلوم کا، اور دوسرے مفید کام کرتے رہے، اور اب پٹھانکوٹ (پنجاب) میں دار الاسلام کا کام سنبھالے ہوئے ہیں۔ اپنے ایک مکتوب میں ضمناً لکھتے ہیں:—

”خیال تھا کہ یہاں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب کا ساتھ ہوگا، تو اُن سے کافی فائدہ اُٹھاؤنگا۔ مگر وہ یہاں نہ ملے۔ پھر اسد صاحب کے آنے کی توقع ہوئی، اُن غریب کو احمدنگر سے رہائی نہیں ملتی۔ اُنکی بیوی بچے یہیں پڑے ہیں۔“

یہ اسد صاحب آسٹریوی نومسلم مولانا لیوپولڈ ویس محمد اسد، مترجم و شارح صحیح بخاری ہیں، جن کے علمی و تحقیقی کارناموں کا تذکرہ صدق اور سچ کے صفحات میں بار بار آچکا ہے۔ ان بیچارے کو سیاسیات سے کیا واسطہ۔ اور خدا معلوم وہ کس جرم میں احمدنگر میں نظربند ہیں، سوا اسکے کہ کسی زمانہ میں جرمن رعایا تھے، اب تو مدت سے پنجاب میں جا بسے تھے، اور خاموشی کے ساتھ، ہر قسم کے شور و شغب سے الگ، مفید ترین علمی و دینی خدمات میں لگے ہوئے تھے۔ حیرت ہے کہ پنجاب کا اسلامی پریس اس بیگناہ کی حمایت میں کچھ نہیں لکھتا اور نہ مسلم ارکان اسمبلی، کونسل اور دوسرے معززین و عمائد کی طرف سے کوئی تحریک سننے میں آئی!

ہندو کی نعت

نظر آئے نہ جلوہ ہر گھڑی کیونکر محمدؐ کا
ازل سے دیدۂ دل میں ہے اپنے گھر محمدؐ کا

کہے کیونکر نہ محبوب دو عالم پھر جہاں سارا
کہ خود ہی عاشق صادق ہے جب داور محمدؐ کا

کس کو یقین آئیگا کہ یہ نعتیہ اشعار کسی مسلم کے نہیں، ایک ہندو کے قلم سے ہیں۔ دہلی میں اردو زبان کے ایک باکمال، منشی پیارے لال رونق گزرے ہیں۔ انتقال کو ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں۔ ۲۰–۲۵ سال اُدھر ایک ماہوار رسالہ کمال، اسی زبان ہی کی خدمت کے لیے نکالا تھا۔ ایک دیوان رونق سخن کے نام سے مدت ہوئی، چھپ چکا ہے۔ حال میں دوسرا مجموعہ کلام رونق کے نام سے کایستھ اردو سبھا دہلی نے شایع کیا ہے، اوپر کے شعر اسی میں درج ہیں۔ ہندوؤں میں کایستھوں اور کشمیری پنڈتوں نے اپنے آپ کو اس طرح اسلامی تمدن میں رنگ لیا تھا، کہ وضع و لباس، کھانے پینے اور سب سے بڑھ کر زبان کے معاملہ میں، ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہا تھا۔ اور اس قسم کا کلام ان حضرات کے ہاں آج سے پُشت دو پُشت قبل عام تھا، لیکن سوال تو موجودہ نسل سے متعلق ہے۔

کی تصدیق کسی نہ کسی رنگ میں برابر ہوتی ہی رہتی ہے۔ عمرآباد، ضلع شمالی ارکاٹ (علاقہ مدراس) کے مدرسہ دار السلام میں استاذ تفسیر مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری (فاضل دیوبند) ہیں اور مدت سے خدمت قرآن میں لگے ہوئے ہیں۔ متعدد مفید تالیفات قرآن ہی کے موضوع پر تیار کر چکے ہیں۔ گو نوبت ابھی طبع و اشاعت کی نہیں آئی ہے۔ علاوہ دوسری کتابوں کے ایک جامع کتاب "اردو زبان اور تفسیر قرآن" کے نام سے تیار کر رہے ہیں جو تکمیل کے بعد اگر شائع ہوئی تو بلاشبہ قابل دید ہوگی۔ اپنے ایک تازہ عنایت نامہ میں، اس سلسلہ میں لکھتے ہیں

"اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں اس کی ضرورت ہوئی کہ ہندوستان کی تحقیق کرنی پڑی۔ اور اس سلسلہ میں غیر معمولی طور پر ہر ایک کی زبان میں تراجم قرآن کا پتہ چل گیا ہے۔ تامل، ملیالم، تلگو، کنڑی میں بہت سی چیزیں مل گئی ہیں۔ اب میں نے مدراس کی حد تک موضوع کو عام کر دیا ہے" مدراس میں تفسیر کے نام سے ایک چیز جمع ہوگئی ہے۔ اب عربی، فارسی، اردو، تمام چیزوں کو جمع کر رہا ہوں۔ اردو زبان میں ایک عجیب و غریب تفسیر کا پتہ چلا ہے، "فیض الکریم" جو سو سال پہلے شروع ہوئی تھی، اور اب تک اس تصنیف جاری ہے! پہلے مفسر نے سورۂ نساء تک لکھا۔ دوسرے نے انکے انتقال کے بعد مائدہ تک۔ پھر تیسرے نے ان کی وفات کے بعد رحمٰن تک تحریر فرمایا۔ اور اب بحمد اللہ چوتھے مفسر زندہ و سلامت ہیں، اور لکھ رہے ہیں، اور سورۂ اعلیٰ تک پہونچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کرا دے۔

ایک مدراسی عالم نے تفسیر فتح العزیز (شاہ عبد العزیز دہلوی) کا عربی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ مؤلف کے پوتے سے معلوم ہوا۔ مگر کتاب مفقود ہے، تلاش جاری ہے۔ بہر حال کام توسیع میں شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مکمل ہو جائے، اور پھر اصل کتاب "اردو زبان اور تفسیر قرآن" پر توجہ کر سکوں۔ اگرچہ اس کا بھی کام جاری رہتا ہے، کم از کم کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا، جس میں کچھ نہ کچھ معلومات نہ حاصل ہو جاتی ہوں"

یہ جامع کتاب مؤلف سلمہ پانچ سال سے لکھ رہے ہیں۔ اس میں تذکرہ ان تمام حضرات کا ہوگا، جنکی اردو میں

(۱) یا کوئی مستقل تفسیر ہو۔

(۲) یا کسی دوسری زبان کی تفسیر کا ترجمہ اردو میں ہو۔

(۳) یا کسی تفسیری مسئلہ پر ضخیم کتاب ہو۔

(۴) یا تاریخ تفسیر ہو۔

(۵) یا تنقید تفسیر ہو۔

ناظرین صدق میں سے جو صاحب کسی قسم کے معلومات اس باب میں بہم پہنچا سکتے ہیں، وہ ضرور جناب مؤلف سے مراسلت فرمائیں، مستقل اجر کی چیز ہے۔ یہ دور میں اس طرح کے کام افراد نہیں، پوری پوری جماعتیں مل کر انجام دیتی ہیں، مؤلف کی یہ ہمت بجائے خود کچھ کم قابل داد ہے کہ تن تنہا اتنا بڑا بار انھوں نے اپنے سر لے لیا۔ ہم لوگ اگر "درمے" اور "قدمے" نہیں، تو کم از کم "قلمے" "سخنے" تو انکی مدد کر ہی سکتے ہیں۔

بعض کرم فرماؤں سے

"حضرت کرم تریفیو، ظلکم و دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خالص اسلامی و ایمانی تعلق کی بنا پر ذیل کی درخواست پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ امید کہ آپ اپنے نہایت بیش قیمت وقت سے اولیں فرصت میں وقت نکال کر خالصتاً لوجہ اللہ اس کی طرف خاص طور پر توجہ فرما کر عند اللہ ماجور اور راقم کو شکرگزاری کا موقع دینگے۔

ناچیز نے بڑی محنت سے ... کے متعلق محققانہ و جامع کتاب لکھی ہے جسکی جدولی فہرست روانہ خدمت عالی ہے میں اپنی ساری محنت کو ناقص سمجھوں گا اگر کتاب بغیر آپ کے مقدمہ کے شایع ہوئی۔ لہذا براہ کرم و عنایت اپنا ایک فتیح اور تحقیقی مقدمہ اپنے اللہ کریم کے لیے لکھ کر روانہ فرمائیں۔ اسکے اجر میں تو کچھ کلام ہی نہیں، باقی چونکہ اس کا تعلق ... سے ہے، لہذا اس نیکی کا اجر بھی یقیناً لاکھوں گنا ملیگا ... کتاب بالکل تیار ہے۔ صرف آپ کے مقدمہ کا انتظار ہے۔ اگر اندرون ہفتہ دستیاب ہو جائے تو احسان پر احسان اور اجر پر اجر ہوگا۔ ٹکٹ جواب کے لیے ملفوف ہے"

یہ تازہ ترین نمونہ ہے ان فرمایش ناموں کا جو تقریباً ہر مہینہ (بلکہ کبھی اس سے بھی جلد جلد) مدیر صدق کو موصول ہوتے رہتے ہیں۔ اور فرمایشیں صرف مذہبی کتابوں کے مقدمہ، دیباچہ، تقریظ تک محدود نہیں، سیرت، تاریخ، شعر، افسانہ، ادب، سیاسیات سب کے لیے فرمایشیں اسی طرح کی موصول ہوتی رہتی ہیں، اور اللہ اور رسول کے واسطے دلا دلا کر، گویا ایک سنگدل کو موم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جبکہ وقت کی قیمت کُل چند یہ الفاظ ہیں! اور اکثر تو وہ "مدح" بھی دو چار مراسلتوں کے بعد "قدح" میں تبدیل ہو کر رہتی ہے! پھر مزید یہ کہ تعمیل ارشاد کم سے کم مدت میں، جلد سے جلد کی جائے! اور دیباچہ یا مقدمہ جو کچھ بھی ہو، کتاب کے اشتہار کا کام بہر حال دے سکے! اور اب آخری اضافہ یہ ہوا ہے، کہ مسودۂ کتاب کے پیش نظر ہونے کی بھی ضرورت نہیں، "اشتہار" یوں ہی آنکھ بند کر کے، محض مصنف کی شخصیت پر اعتماد کر کے لکھ دیا جائے! --- اللہ اور رسول کے بیچ میں غریب مقدمہ نگار کو دلائے جاتے ہیں، خدا معلوم اسکے نصف بھی کبھی مصنف خاص اپنے ضمیر کو بھی دیتے ہیں!

نئی "تعلیم"!

"کراچی - ۸ - مئی - وزیر صوبہ مسٹر جی ایم سید نے جو کانفرنس طلب کی تھی، بالآخر کل اس نے ۱۲ ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کر دی جسکا کام یہ ہوگا، کہ اہل سندھ میں کسی طرح موسیقیت کی روح بیدار کرے۔

کمیٹی کے سپرد اس امر کی تحقیق ہوئی ہے کہ صوبہ کی تعلیم گاہوں میں، مختلف درجوں اور منزلوں میں موسیقی کیونکر داخل کی جائے، اور گانے کا کورس بھی ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لیے تیار کرنا اسکے سپرد ہوا ہے۔ کمیٹی ایک مہینہ میں اپنی رپورٹ وزیر تعلیم کے سپرد کریگی مع تخمینہ مصارف، و ذرایع آمدنی۔ (باقی پرچہ)

نئی کتابیں

(بقیہ اشاعت گزشتہ)

(۴) **تاریخ ادبیات ایران: عہد جدید** - مصنفہ پروفیسر براؤن - ترجمہ سید وہاج الدین بی اے - ضخامت ۶۰۰ صفحے - قیمت درج نہیں - پتہ: انجمن ترقی اردو - دریا گنج - دہلی -

انگریزی میں پروفیسر براؤن کی "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" اب مشہور و معروف کتاب ہے اور اپنے فن پر مستند و معتمد - یہ انکی چوتھی اور آخری جلد کا سلیس، شستہ و محتاط ترجمہ ہے - مترجم ایک مشاق مترجم و مصنف ہیں، انجمن ترقی اردو نے ترجمہ کے لیے انکا انتخاب ہر حیثیت سے ... جیسا کہ جلد اول کا ترجمہ بھی انجمن مذکور شائع کرا چکی ہے - یہ آخری جلد کا ترجمہ نکلا ہے - درمیان کی دو جلدیں غالباً ابھی ترجمہ ہو رہی ہیں -

مصنف کی کاوش، وسعت نظر و ذوق تحقیق کا پورا اندازہ اصل کتاب ہی کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے - کچھ سرسری سا اندازہ فہرست مباحث پر نظر کرنے سے بھی ہو جائیگا - کتاب تین مستقل حصوں میں تقسیم ہے - جلد کا موضوع سنہ ۱۵۰۰ء سے ۱۹۲۴ء تک کا زمانہ ہے - حصہ اول میں ان چار صدیوں کی ایرانی تاریخ پر اجمالی نظر ہے - حصہ دوم ان چار صدیوں کی ایرانی شاعری پر ہے، اور حصہ سوم ان چار صدیوں کی فارسی نثر پر - ہر باب شمار میں ذیلی ابواب ... ہر باب ایک ایک مضمون تو درکنار - مباحث کی دقت و نیز ... اور مصنف کا حسن بیان دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے - مترجم کا کمال یہ ہے کہ تا بہ امکان ترجمہ پن کو ... دور کر دیا ہے، اور ترجمہ میں مستقل تصنیف کا انداز پیدا کر دیا ہے - سرسری نظر سے دیکھنے میں صرف دو لفظ کھٹکے صفحہ ۲۹۱ پر "لیمپ" کا ترجمہ "لیمپ" ہی سے کیا تھا، سیاق کہتا ہے کہ "چراغ" بہتر ہوتا - اسی طرح دوسرا لفظ "معذرت" ہے صفحہ ۳۱۳ پر - مترجم نے یہ لفظ Apology کے لیے رکھا ہے، حالانکہ یہاں اپالوجی کا صحیح مفہوم تشریح، توضیح یا توجیہ (Explanation) ہی سے ادا ہوتا ہے - انگریزی کے مترجمین اس لفظ کے ترجمہ میں بڑی کثرت سے غلطی کر جاتے ہیں - خود مصنف کے حاشیے تو کثرت سے ہیں ہی - مترجم نے جا بجا حاشیے دیئے ہیں - اور ایک جگہ تو مصنف سے اچھا خاصا اختلاف بھی کیا ہے (صفحہ ۳۳۷ پر) - ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ انگریزی کتابوں اور مصنفین وغیرہ کے نام اصل انگریزی میں دیدیئے ہیں - بغیر اس کے بڑی غلط نویسیوں کا امکان رہتا ہے - کتاب معلومات کا ایک مخزن ہے، اور معلومات محض ادبی ہی نہیں، مذہبی اور کسی قدر سیاسی بھی - یہ اور بات ہے کہ معلومات ہر جگہ تمام تر صحیح نہ ہوں، مثلاً صفحہ ۴۷۶ پر مصنف کا یہ بیان کہ اہل سنت کے ہاں باب اجتہاد ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے - بہ حیثیت مجموعی اسکے مطالعہ کی پر زور سفارش کی جا سکتی ہے، فارسی شعر و ادب کے شائقین سے، نیز شیعہ مذہب اور تاریخ کے طلبہ سے - علمی گھرانوں کا کوئی کتبخانہ اس سے خالی نہ رہنا چاہیے -

(۵) **انجمن ترقی اردو کی کہانی** از مولوی غلام ربانی صاحب - ۵۶ صفحہ تقطیع ۱۸×۲۲ - قیمت ۴ر پتہ: انجمن ترقی اردو - دریا گنج - دہلی -

موضوع نام سے ظاہر ہے - انجمن کی پچھلی تاریخ، موجودہ کار اور آیندہ کی تجویزوں کا ایک عجیب اور جامع تذکرہ - مصنف صاحب کا تعلق دکن کے محکمہ آثار قدیمہ سے ہے، لیکن قلم کو قدرت "انشاء قدیمہ" "جدیدہ" دونوں پر یکساں ہے -

(۶) **حیات کیا ہے** - از محمد شاہ ہادی صاحب ایم اے سی - ضخامت ۹۰ صفحات - تقطیع ۱۸×۲۲ - قیمت درج نہیں - پتہ انجمن ترقی اردو - دریا گنج - دہلی -

حیات کیا ہے؟ یہ سوال ہر زبان پر آ سکتا ہے - جواب سائنس کی روشنی میں، عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک استاد ... دیا ہے - کتاب ظاہر ہے کہ فنی ہے، اور اس لیے مصطلحات سے لبریز ہونا ناگزیر، اس پر بھی مصنف نے اس امر کا تو تمام تر خیال رکھا ہے کہ اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ بہ قدر ضرورت استفادہ کر لیں - اکثر مصطلحات کے انگریزی مترادفات بھی ... انگریزی خط میں درج ملیں گے - کتاب کی تقسیم دس ابواب میں ہے - تیسرا باب تخالفیہ نظریۂ ڈارون کا ... ہے، اور نواں بقائے روح کے نظریہ پر - ان دونوں بابوں میں متعدد مسائل ایسے مل جائیں گے جن سے قرآن مجید کی بعض آیات پر اچھی روشنی پڑ جاتی ہے - کتاب علمی کتبخانوں میں بار پانے کے قابل ہے -

(۷) **مسلمانوں کی تعلیم** - از ڈاکٹر افضال حسین قادری پی ایچ ڈی - ۴۹ صفحے - تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت ۸ر پتہ: ابرار منزل - زین العابدین روڈ - مسلم یونیورسٹی علیگڑھ -

موضوع نام سے ظاہر ہے - فاضل مصنف اب تک اس نام سے ... تیار ہو چکے ہیں، اور انکا بیشتر حصہ بھی پیش نظر رسالہ سے متعلق ... ہے، انکی حیثیت بہت ممتاز اور انفرادی ہے - پہلے وردھا اسکیم پر ایک جامع تبصرہ ملی نقطہ نظر سے ہے - اسکے بعد مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر ایک سنجیدہ و پر مغز مقالہ ہے - اور پھر ابتدائی تعلیم کی ایک اسکیم تفصیلات کے ساتھ درج ہے، اور نصاب اسلامیات پر بھی مفصل گفتگو ہے - مصنف استاد اگرچہ شعبۂ حیوانیات کے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے تعلیم کے مسائل پر بھی انھوں نے خوب غور کیا ہے، اور اپنی ملی ضروریات ... خوب سمجھا ہے - رسالہ ان سب لوگوں کے ہاتھ میں جانے کے قابل ہے، جو مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے کچھ بھی دلچسپی رکھتے ہیں یا ملت کے تعلیمی مستقبل ... کو سوچا کرتے ہیں -

(۸) **ظہور قدسی** - از جناب ماہر القادری - ۴۰ صفحے - قیمت درج نہیں - پتہ: مکتبۂ علمیہ - چار مینار - حیدر آباد دکن -

میلادی نظمیں، اردو میں کبھی ... معلوم اب تک کتنی لکھی جا چکی ہیں، لیکن یہ نظم اپنی شعری و معنوی خصوصیات کے لحاظ سے ایک ... امتیاز رکھتی ہے، اور ... کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے - بجز اسکے کہ ... لفظ ... ساری نظم اول سے آخر تک ... آفریں، اور مستند و معتمد روایات پر مبنی ہے - شروع میں ... گیلانی کے قلم سے تعارف ... مختصر صفحے ... چھپائی سب دیدہ زیب -

عورت کا مرتبہ اسلام میں

(زنانہ اسلامیہ کالج لاہور میں نواب بہادر یار جنگ کی تقریر)

نواب بہادر یار جنگ کی تقریر دو حصوں پر مشتمل تھی۔ پہلے حصہ میں آپ نے بتایا کہ حضرت آدمؑ سے نبی آخر الزماںؐ تک جس قدر انبیاء کرام آتے رہے ہیں، انھوں نے اسلام کے سوا اور کچھ پیش نہیں کیا۔ اور یہ کہ نبوت کا جو سلسلہ پیدائش آدمؑ کے بعد شروع ہوا وہ انتہائی کمال کو پہونچ کر حضرت خاتم النبیینؐ پر ختم ہوا۔ آں حضرتؐ دنیا میں ایک آخری پیغام لائے۔ جسکے بعد کوئی پیغام نہ آیا اور جسکے قوانین نہ منقلب ہو سکتے ہیں نہ ٹل سکتے ہیں۔ لیکن جو اپنے اندر اتنی لچک رکھتے ہیں کہ سارے تغیرات ان میں سما سکتے ہیں۔ اور جو ہر زمانہ کا مذہب بن کر قائم رہ سکتے ہیں۔

اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ اگرچہ خدا کا تصور تمام ادیان میں موجود ہے، لیکن اسلام نے اس ان دیکھی ذات کو انتہائی پاک و صاف اور منزہ طریقہ سے پیش کیا ہے کہ کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی صفات کی تقسیم ممکن نہ خود اسکی ذات کی تجسیم ممکن۔ اور خدا کا تصور اس خالص صورت میں پیش کیا کہ نہ صرف تمام شکوک و شبہات دور کر دیئے بلکہ شخصیت پرستی کا امکان تک نہ رہنے دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو ان کے بعد انکی امت نے خدا کا بیٹا اور انکی ماں کو خدا کی بیوی بنا لیا، لیکن محمدؐ کو خدا نے اس رنگ میں پیش کیا کہ اگرچہ وہ تمام انبیاء کے سرتاج ہیں، لیکن ہم انکو عبدہ و رسولہ سے زیادہ کچھ نہیں کہتے۔ آپ نے مستورات کو انتباہ کیا کہ چونکہ وہ توہمات میں زیادہ گرفتار ہو جاتی ہیں لہذا اس بات کا خیال رکھیں کہ بزرگوں کی عزت و تعظیم سے توحید کو ٹھیس نہ پہونچے۔ اور خدا کے ساتھ ہماری وابستگی میں کوئی فرق نہ آنے۔

اسکے بعد نواب صاحب نے کہا کہ اسلام کی تعلیم اس قدر واضح و جامع ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اسلام کو آخری مذہب تصور کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ آپ نے کہا پہلے بھی دیگر اقوام نے عبادات کے طریقے وضع کیے لیکن اسلام نے اپنی عبادتوں میں نہ صرف بندہ و خدا کے تعلقات استوار رکھے ہیں بلکہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کو بھی مستحکم کیا ہے۔ پھر اسلام نے بڑائی اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ قرار دیا اور وطن۔ قوم۔ نسل۔ رنگ اور دولت و ثروت کے تمام امتیازات یک قلم اڑا دیے۔ اسکے بعد آپ نے نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ پر نہایت عالمانہ انداز میں بحث کی۔ اور بتایا کہ ان عبادات کی علت کیا ہے اور ان میں کیا کیا حکمتیں اور بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ نہ صرف روحانی اور دینی لحاظ سے بلکہ دنیاوی اور اجتماعی لحاظ سے بھی۔

اس کے بعد نواب صاحب نے خواتین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اسلام نے سب سے بڑا احسان آپ پر کیا ہے۔ اسلام ہی نے عورت کے مرتبہ کو بلند کیا۔ اور قعر ذلت میں گری ہوئی عورتوں کو انکے مقام اعلیٰ تک پہونچایا۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ لڑکیوں کو اس لیے زندہ درگور کر دیا کرتے تھے کہ وہ کسی کے سسر یا کوئی ان کا داماد نہ کہلائے۔ اسلام نے اس فعل کو قتل سے تعبیر کیا اور اسے مٹایا۔ اس سے پہلے عورتوں کو خاوندوں کے مرنے کے بعد زندہ رہنے کا حق نہ تھا اور خاوندوں کی چتا پر ستی ہو جانے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے صرف بیوہ ہی کو نہیں بلکہ مطلقہ کو بھی نکاح ثانی کا حق دیا۔ آج برادران وطن اپنی عورتوں کے لیے اس حق کو مجالس آئین ساز میں بھیک کے طور پر مانگ رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان خود ان حقوق سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ۱۶ اور ۱۷ سال میں بیوہ ہو جانے والی بعض مسلم لڑکیاں احول سے متاثر ہو کر عمر بھر دوبارہ شادی نہیں کرتیں لیکن اس طرح وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتی ہیں۔

دوسرے دھرم شاستر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ کسی مذہب میں بھی باپ کے مرنے کے بعد بیٹی کو، شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو۔ بھائی کے بعد بہن کو، بیٹے کے بعد ماں کو اس کے ترکہ میں حصہ نہیں ملتا۔ لیکن اسلام نے تم کو باپ، بھائی، شوہر، بیٹے اور ہر اس رشتہ دار کے متروکہ میں شریک و سہیم ٹھہرایا ہے جس میں مرد کو حصہ مل سکتا ہے۔

اعتراض کیا جاتا ہے اور یہ اعتراض میں لاہور میں پیش پیش ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ایک حصہ ملتا ہے۔ دراصل یہ اعتراض بے خبری کی علامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد کو ایک طرف سے حصہ ملتا ہے اور عورت کو دو طرف سے۔ اس لیے یہ کمی پوری کرنے کے لیے ترکہ میں عورت کو ایک اور مرد کو دو حصے دیے جاتے ہیں۔ مثلاً بیٹا جہیز لے کر کہیں نہیں جاتا۔ بیٹی جہیز لے کر شوہر کے گھر جاتی ہے، اور باپ کے ورثہ سے بھی پاتی ہے۔ اسی طرح عورت اپنے شوہر کے متروکہ ہی میں سے حصہ نہیں پاتی بلکہ اس سے مہر بھی وصول کرتی ہے۔ اور شوہر صرف متروکہ پاتا ہے۔

اسکے بعد نواب صاحب نے بتایا کہ اسلامی معاشرت میں مرد اور عورت کا مقام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ قرآن نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے۔ گویا جس طرح لباس، عزت، بچاؤ، حفاظت اور عیوب کو چھپانے کا باعث ہے، اسی طرح مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اس سے یہ بھی منرشح ہے کہ معاشرت میں مرد اور عورت میں مساوات ہے۔ البتہ ایک مقام پر مردوں کو "قوامون علی النساء" قرار دیا ہے۔ اور یہ طبعی اور قدرتی فرق ہے۔

نواب صاحب نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ افسوس کہ اب ہمارا چراغ خانہ شمع محفل بننے کی طرف مائل ہے۔ اور یہ میلان دن بہ دن زیادہ ہو رہا ہے۔ شاید گھروں میں ہماری مائیں بہنیں گھٹا سا معلوم ہونے لگی ہیں اور وہ اپنے داش و جسم کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں۔ لیکن دنیا کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مشرق [illegible]

نمبر (۴) | دوشنبہ ۔ ۱۸ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۷ مئی سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

اسٹیٹسمین ملک کے انگریزی روزناموں میں شاید سب سے زیادہ معزز و نامور ہے۔ حال کے ایک سنڈے ایڈیشن میں ایک صفحہ پر نمایاں عنوانات کے ساتھ حالات درج ہیں تیرہویں صدی مسیحی اور ساتویں صدی ہجری کی، دہلی کی سلطانہ رضیہ کی۔ وسط صفحہ میں بڑی سی تصویر۔ سلطانہ گھوڑے پر سوار، چہرہ تمام تر کھلا ہوا، سر پر ٹوپی، لباس مردانہ۔ سواروں کا ایک غول جلو میں۔ مضمون تمام تر مدح و داد میں۔ —— یہ مدح آپ سمجھے کیوں؟ اور یہ داد کس لیے؟ اس لیے کہ اس نے مسلمان ہو کر اسلام کے قانون حجاب کو توڑا، آزادانہ پردہ سے باہر نکلی۔ اس لیے کہ عورت ہو کر وہ مرد بنی۔ اور قانون فطرت سے بغاوت کی۔ گویا آج سے سات سو سال قبل، تحریک نسائیت کی علمبردار۔ چودھویں صدی ہجری کی "روشن خیالوں" تجدد نوازوں "آزادی پسندوں" کی پیشوا و سردار!

شادی میں عرصہ تک نہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ایک حبشی غلام پر منظور التفات زیادہ ہو گئی۔ بے حجابیاں خلوت سے گزر کر جلوت میں بار پانے لگیں۔ تاریخ کے الفاظ ہیں

"یاقوت حبشی کہ میر آخور بود معتمد علیہ و صاحب نسبت گشت بمرتبہ کہ سلطانہ رضیہ بوقت سواری فیل و اسپ تکیہ بر بغل و بازوے او می کرد۔ محسود امرا شد۔ و سلطان رضیہ از پردہ تخفات برآمدہ لباس مردان پوشید و بے محابا قبا در بر و کلاہ بر سر داشتہ بر تخت می نشست"

بدگمانیاں دلوں سے زبانوں پر آئیں۔ ناراضگی بڑھی، شورش پھیلی۔ نوبت بغاوت کی پہونچی۔ انجام تخت سے معزولی و اسیری۔

"و در اثناے راہ امراے ترک ... [illegible] گرفتہ و سلطان رضیہ را با جمال الدین یاقوت حبشی [illegible]

شدہ بود گرفتہ در قلعہ تبرہندہ محبوس ساختند"

قسمت نے ایک بار پلٹا اور کھایا۔ سلطانہ کا افسوں ایک بڑے ترکی امیر، ملک اختیار الدین پر چل گیا۔ اس سے عقد بھی ہو گیا۔ لیکن آخری نتیجہ دونوں کا قتل۔ سلطانہ کی مدت سلطنت کل ۳½ سال کی۔

سلطانہ کا نام محض مثال اور نمونہ کے طور پر ہے۔ تہذیب حاضر کی زبان پر آج عزت و احترام کے ساتھ نام کس کے آرہے ہیں؟ ناموری کس کے حصہ میں آرہی ہے؟ ان کے جو شریعت اسلامی سے غداری کرنے میں ممتاز ہیں، انکے جو قانون فطرت سے بغاوت کرنے میں پیش پیش ہیں، انکے جو اپنے نام مسلمانوں کے رکھ رکھ کر اپنے عقائد میں، معاملات میں، شعار میں بالکل غیر مسلم اور نامسلمان بن جائیں! کوئی شریف خاتون آج پردہ سے باہر نکل کے تو دیکھیے دوسرے ہی دن اس کی تصویر کھلے منہ اور بے حجابی کی پوری اداؤں کے ساتھ انگریزی اخبارات میں نکل جاتی ہے یا نہیں۔ اور اسی کے ساتھ جو کہیں کسی فلم میں "کام" کرنے لگ جائے، تو پھر تصویر کے ساتھ ساتھ اس کے سوانح حیات بھی بڑے بڑے معزز انگریزی روزناموں کے صفحہ پر موجود! کوئی فرماں روا، کوئی والی ملک، کوئی بادشاہ، جتنی زیادہ زندگی کے مکمل نظام یعنی قانون شریعت میں "ترمیم" کی جرأت کرے، اسی نسبت سے اس کی "اصلاحات" کا غلغلہ برپا کرنے کو، اس کی "روشن خیالی" کا پروپگنڈہ کرنے کو، اسے "ہیرو" بنانے کو اخبارات، رسائل، نیوز ایجنسیاں سب کی سب حاضر و مستعد عمل! اور جتنا زیادہ کوئی دین پر مستقیم ہے، اسی قدر وہ مہذب دنیا میں گمنام، اور روشن خیال حلقوں میں بدنام! ہر طرف چرچے اس کی "رجعت پسندی" اور "جمود" کے، ہر زبان پر تذکرے اس کی "قدامت پرستی" اور "تنگ نظری" کے! —— الحاد کا یہ اعزاز و اکرام، فسق کی یہ عزت و احترام، "فلاں بہر لئے" [illegible] قبل، اب کسی [illegible]

بہتر رسالہ اب تک گمنامی میں کیوں پڑا رہا۔ دیوبند، ندوہ، مظاہر علوم، وغیرہ عربی کی مشہور درسگاہیں، حنفیہ کے زیر اہتمام، ہندوستان میں ایک دو نہیں، متعدد ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ان تمام مدارس کے اساتذہ و طلبہ دونوں ایک بار رسالۂ مذکور کا بغور مطالعہ فرمالیں۔ طلبہ کے لیے تو نہایت مفید ہے ہی ہے، اساتذہ بھی تماشے نفع اٹھا رہیں گے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور بدقسمتی کیا ہوگی کہ کسی کتاب کی ناقدری محض اس بنا پر کی جائے، کہ وہ ایک معاصر کے قلم سے نکلی ہے!

کفر نوازیوں کا صلہ

"ہندوستان کے ایک مشہور رسالہ 'ہندی مسلمان' (ہریجن؟) میں ایک تازہ مضمون کا اقتباس:-

"آج ہندی مسلمانوں میں ایسا نظر آرہا ہے کہ کم از کم نوے فیصدی تو ضرور ایسے ہیں، جو ہندوؤں ہی کے گوشت و پوست ہیں۔ لیکن بعض ہندوؤں سے ان کو ایسی منافرت و نفرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک جداگانہ قوم کہتے ہیں، اور انھیں آریہ اور ہندو نام سے بھی نفرت ہے۔ کبھی یہ ہندی بھائی ترکی اور ایرانیوں کی طرح اپنے اسلاف اور قومی خصوصیتوں کو بھی یاد کرینگے یا نہیں، اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے بھائیوں پر جو زیادتیاں ہوئیں، ان پر کبھی پشیمان ہونگے یا نہیں، اسکا علم تو برتر و بالا ہی کو علم ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ صورت پیدا ہوئی تو یقیناً ہمارے بھائی آریہ سماج کے مشن کو احسانمندی اور شکر گزاری سے دیکھیں گے۔"

اب تو یہ راز آپ کی سمجھ میں آگیا، کہ "اتاترک"، رضا شاہ پہلوی، وغیرہ "روشن خیال" مسلمانوں کی عنایات، آریہ سماجیوں اور ہندوؤں کی بارگاہ میں کیوں اتنی مقبول ہو رہی ہیں؟ پردہ اٹھنے سے، صریح اقبال کے بعد، اب بھی آپ کی نظر دھوکا کر رہا یا نہیں؟ ولن ترضیٰ عنک الیہود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتہم (یہود و نصاریٰ تو محض توحید سے خوش و مطمئن ہو ہی نہیں سکتے، تاوقتیکہ تو انھیں کے طریقے کا اختیار نہ کرلے) کی ہمہ گیر صداقت صرف یہود و نصاریٰ تک محدود ہے؟ مشرکین تو بدرجۂ اولیٰ اس کلیہ کے تحت میں آتے ہیں—— اور پھر یہ حسرت بھی بہت خوب ہے کہ نئے مسلمان اپنی گذشتہ حماقتوں اور جہالتوں وہم پرستیوں اور خرافات پسندیوں کو گلے لگائے اور چمٹائے کیوں نہیں رہتے؟ اور تندرستی پاکر بھی بخار کی جلن اور پیٹ کی درد کی تڑپ اور چبھن کی یاد کیوں نہیں منائے جاتے!

عجیب تجاہل

"مذہب تو انسان کو انسان سے ملاتا اور متحد کرتا ہے۔ کیا اسلام مسلمان کو صرف مسلمان سے متحد کرتا ہے اور ہندو سے جدا کر دیتا ہے؟ کیا پیغمبر کا پیام صلح صرف مسلمان مسلمان کے درمیان تھا، اور مسلموں اور غیر مسلموں یا ہندوؤں کے مقابلہ میں پیام جنگ؟ .... یقیناً یہ تعلیم اسلام کی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ خوب رہتے سہتے مجھے ایک دو نہیں بیس سال ہو چکے ہیں۔ کسی مسلمان کی زبان سے میں نے نہیں سنا، کہ اسلام، ہندوؤں کا مخالف دینی ہے؟" (گاندھی جی کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس)

خوب ہیں سوالات! جوابات سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ خود ماؤں سے چند سوالات الٹ کر کر دیے جائیں۔ اگر سارے دین، دین حق ہی ہیں، تو آخر ایک نئے دین کے ظہور کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر ظاہر ہوا بھی تھا، تو آخر اسکے پیغمبر نے اپنے ساتھیوں کے پہلے تیرہ برس تک خود کیوں شدید تکلیفیں اٹھائیں اور پھر آخر دس سال تک کیوں منکرین کے لیے تلوار کھینچی رکھی؟ فقر و فاقہ سب خانمانی بلاوطنی، کشت و خون، یہ سب کیوں گوارا رہا، جب شرک و توحید، اقرار رسالت و انکار رسالت، دونوں یکساں حق تھے؟ یہ ساری ہلاکتیں اور سارے عذاب بغیر کسی حقیقی اور گہرے اختلافات کے، محض ایک نزاع لفظی، اقرار و انکار کی خاطر تھے؟ نور مطلق نے کیا صرف دن ہی کو روشن بنایا ہے، کیا اس کی روشنگری اور روشنی بخشی رات میں فنا ہو جاتی ہے؟ عالم حقیقی کیا صرف نیکوں ہی کو جزائے خیر دیگا؟ بدوں کو بھی اس کی ہمہ گیر رحمت نیکوں کے درجہ پر کیوں نہیں رکھ دیتی؟ —— اسلام سب سے بڑا دشمن ہے، نور محض کے، خیر مطلق کے، حق خالص کے، تو یہ تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ دشمن ہوگا ہر تاریکی اور ظلمات کا، ہر بدی اور شر کا، ہر باطل و ناحق کا، خواہ وہ مجردات کی، مادی و مجسم شکل میں، انکے پرستاروں کو، جب اور جہاں کہیں بھی دیکھ پائیگا، انھیں توڑیگا، پھوڑیگا، مٹائیگا، جلائیگا، کچل کر دور پیس کر رکھ دیگا۔

ترقی پسندوں کا جمود!

"فرانس کے کسی انتخاب میں عورتوں کو اب تک بھی ووٹ دینے کا حق نہیں ہے، گو بار بار انھیں یہ حق دلانے کی کوشش ہو چکی ہے۔ چیمبر آف ڈپوٹیز نے تو ایک بار بڑی اکثریت سے یہ فیصلہ کر دیا تھا، کہ عورتوں سے یہ تفریق ہٹا دی جائے، لیکن سینٹ نے ویسی ہی نمایاں اکثریت کے ساتھ اس کو رد کر دیا، اور اس کے بعد سے ہر بار اپنے فیصلہ پر نظر ثانی سے انکار کر دیا ہے۔ اور یہ سن کر تعجب ہوگا، کہ اس فیصلہ کے اصل ذمہ دار، کنسرویٹو نہیں، ریڈیکل ہیں!...

ان چند بڑے ملکوں میں سے، جہاں عورتوں کو ووٹ حاصل نہیں، ایک فرانس بھی ہے۔ اور اس پر بھی یہ فرانسیسی سیاست میں کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں۔ بعض ادارے اسے بیدار ضرور رہے ہیں لیکن خود فرانسیسی عورتوں کو اپنے اس حق سے محرومی کی کچھ زیادہ فکر و پرواہ نہیں ہے، اور نہ انکے شوہروں اور بھائیوں ہی کو اسکا کچھ زیادہ غم ہے۔ حالانکہ فرانسیسی "فطری حقوق" کے بڑے زبردست علمبردار ہیں۔ کبھی نہ کبھی تو بہرحال فرانس میں عورتوں کو یہ حق ملکر رہیگا، لیکن فوری اور مستقبل قریب میں تو اسکی کوئی توقع ہے نہیں۔" (مسز ... کی "یورپی حکومتیں")

Mme o'o Européen Governments (ص ۲۷۳)

جرمنی، اٹلی، جاپان، کے معاملات "حریت نسواں" کے باب میں تو معلوم و معروف تھے ہی۔ فرانس بھی آزادیوں، روشن خیالیوں، ترقی پسندیوں کے اتنے دعووں اور غلغلوں کے باوجود بھی جمود پسندوں اور فرسودہ خیالوں ہی کی صف میں نکلا!

دورِ تصویر پرستی

"ہمارے زمانہ ... "

(بقیہ [illegible])

آنکھ کا شہتیر

گاندھی جی کی خدمات ملکی و سیاسی سے کسی فرد کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی ذات تنقید سے بالا ہے، اور حق کا معیار حق نہیں بلکہ ان کی ذات ہے۔ گاندھی جی دوسروں کی طرح انسان ہیں، اور انسانوں کی طرح وہ آپ نے ان غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس کا تازہ ثبوت ان کا وہ بیان ہے جو انھوں نے اخبار "ہریجن" میں شائع کیا ہے۔ آپ اپنے بیان میں فرماتے ہیں:-

"ہندوستان کی تقسیم کے شوقین جو جذبہ بنیادی طور پر کام کر رہا ہے وہ یہ عقیدہ ہے کہ اسلام اخوت و برادری کی تعلیم سے جدا ہندوؤں کا دشمن ہے۔ اسلام کسی دوسرے مذہب کا بھی مخالف ہے، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میرے پاس کسی اخبار کا ایک تراشہ بھیجا گیا ہے، جس میں ہندوستان کی تقسیم کی حمایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندو اچھوت ہیں اور ہندوؤں سے کسی خیر و بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی۔"

اس قسم کے جذبات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اسکے متعلق گاندھی جی لکھتے ہیں:

"وہ وقت بھی آ جائیگا کہ جب ہندو یہ سمجھیں گے کہ مسلمان ہندوؤں کے ازلی دشمن ہیں۔ لیکن جو اسلام ہندوازم کا تعلق ہے وہ دشمن کے ... ہوگا اور اسکے ساتھ دوستی پیدا کرے گا۔"

اسکے بعد آپ مسلمانوں سے سوال کرتے ہیں کہ:-

"کیا اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ وہ صرف مسلمانوں سے تعلق قائم کریں اور ہندوؤں کو اپنا دشمن سمجھیں؟ کیا پیغمبر اسلام کا پیغام یہی ہے کہ مسلمان صرف مسلمان کے ساتھ امن و صلح سے رہے اور ہندوؤں سے ... جنگ کرتا رہے؟"

ہمیں افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ گاندھی جی دانستہ حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان ہی ہندوؤں کے دشمن ہیں، اور اخوت کی تعلیم کو صرف اپنے ہی دائرہ تک محدود رکھنا چاہتے ہیں! اگر کسی غیر ذمہ دار شخص نے یہ لکھ دیا کہ ہندو اچھوت ہیں، تو گاندھی جی پڑھتے ہی بیتاب ہو گئے اور ایسے بے چین ہوئے کہ "ہریجن" میں فوراً مضمون لکھ ڈالا۔ حالانکہ وہ بچے نہیں ہیں، اور خوب جانتے ہیں کہ ہندو کا ایک ایک بچہ مسلمانوں کو اچھوت سمجھتا ہے۔ اور نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ صدیوں سے اس کے مطابق عمل بھی کرتا چلا آ رہا ہے۔ کیا گاندھی جی کو معلوم نہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کا ہمیشہ سے بائیکاٹ کر رکھا ہے؟ کیا وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے سائے کو بھی ناپاک سمجھتا ہے؟ کیا یہ حقیقت ان پر مخفی ہے کہ مسلمان باوجود ذلیل سمجھنے کے ہندو کو ناپاک نہیں سمجھتا، اور اسکے ہاتھ کی تمام چیزیں نوش جاں کر جاتا ہے؟ اگر یہ واقعات روزمرہ کا مشاہدہ ہیں اور گاندھی جی ان سے انکار نہیں کر سکتے، تو سوال یہ ہے کہ

(۱) گاندھی جی نے کبھی اس چھوت چھات کے خلاف آواز بلند کی؟

(۲) اس چھوت چھات اور اقتصادی بائیکاٹ کی وجہ سے کبھی انھیں یہ خیال ہوا کہ ہندو مسلمان کا ازلی دشمن ہے اور وہ حسن سلوک و مساوات کو صرف اپنی ہی قوم کے لیے مخصوص رکھنا چاہتا ہے؟

(۳) کسی مسلمان کے یہ لکھ دینے سے کہ ہندو اچھوت ہیں گاندھی جی کو اتنا بڑا صدمہ ہوا کہ انھیں اسلامی تعلیم پر شک کرنے کی نوبت آ گئی۔ مگر ہندوستان کا ۲۳ کروڑ ہندو برابر مسلمانوں کو اچھوت سمجھے جا رہا ہے، اور اسکے مطابق سختی سے عمل کر رہا ہے، اس پر گاندھی جی کو کبھی ملال نہیں ہوا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

(۴) کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہندوؤں کے ذلیل سلوک کے مقابلہ میں اگر دس مسلمان اگر یہ اعلان کر دیں کہ ہندو خود اچھوت ہیں اور انکا ہمیشہ کے لیے بائیکاٹ ہونا چاہیے، تو یہ اعلان حق بجانب ہوگا، اور اس وقت کہا جائیگا ہندوؤں کی ذلیل ذہنیت کا جواب یہی ہے جو اس وقت مسلمانوں کی طرف سے دیا گیا ہے؟ اگر نہیں تو گاندھی جی ہندوؤں کے کمینہ سلوک کی نسبت کیا فتوے صادر کریں گے؟

ہم متعدد بار اس حقیقت کا اعلان کر چکے ہیں، اور اب بھی گاندھی جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے پاک مذہب کی تعلیم کے بموجب کبھی کسی انسان کو اچھوت اور ناپاک نہیں قرار دیگا۔ مگر اس کے ساتھ ہندوؤں نے جو سلوک جائز رکھا ہے، اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان، ہندو کو اپنا دشمن سمجھے اور اسکے ایک ایک فرد سے نفرت کرے۔ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی جڑ ہندوؤں کا یہی ذلیل برتاؤ ہے، جو مسلمانوں میں غیر شعوری طور پر جڑ پکڑ چکا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کرنے کی ہزار کوششیں کی جائیں، وہ ہرگز بار آور نہ ہوں گی۔ اگر ان کوششوں کو کامیاب بنانا ہے تو اسکی واحد صورت یہ ہے کہ ہندو قوم کی تنگ نظری دور کی جائے اور وہ مسلمانوں کو اچھوت قرار دینے سے باز آ جائے۔

حیرت ہے کہ کسی مسلمان نے یہ لکھ دیا کہ ہندو اچھوت ہیں۔ حالانکہ خود اس مسلمان کا سلوک بھی ہندوؤں کے ساتھ اس کے مطابق نہ ہوگا۔ مگر گاندھی جی تڑپ اٹھے۔ اور ہندو جو کھلے بندوں مسلمانوں کو اچھوت سمجھتا اور اسکے سایہ تک سے بھاگتا ہے۔ اس پر گاندھی جی کو ذرا ملال نہیں ہوتا۔ ملال اس پر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان نے ہندوؤں کو اچھوت کیوں قرار دیدیا۔ اس پر نہیں ہوتا کہ مسلمان صدیوں سے ہندو کی نظر میں اچھوت بنا ہوا ہے۔ (زمزم)

(بقیہ صفحہ ۳)

شوق باقی نہیں رہا ہے، انھیں صرف تصویر محل کے معائنہ کا شوق رہ گیا ہے۔ ڈربی یا گرینڈ نیشنل (عظیم الشان گھوڑ دوڑیں) بجائے خود کوئی کشش انکے لیے نہیں رکھتیں۔ کشش انکی تصویر سینما کے پردوں پر رکھتی ہے۔ فلاں رقاص اگر مشہور ہے، تو وہ بجائے براہ راست اسکا کمال فن دیکھنے کے، ریڈیو کے واسطے سے حرکات کی آوازوں کو سننا پسند کرینگے ..... میں تو ذاتی طور پر، اصل کو نقل پر ترجیح دیتا ہوں"۔

اتم یورپ کے ایک نامور نقاد فنون لطیفہ (... ...) کے قلم سے ہے۔ تصویر پرستی کے دور پر اس سے بڑھ کر تبصرہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے! اور یقیناً یہ ذوق تصویر پرستی کا بڑھتا جائیگا۔ حقیقت و حقیقت پسندی سے بُعد اسی نسبت سے بڑھتے رہنا لازمی ہے۔

خواتین اسلام کی بیداری

(از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے اکبرآبادی ایڈیٹر رسالہ "برہان")

آج ہر طرف ایک شور و غل برپا ہے کہ اب مسلمان خواتین کی حالت وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔ ان میں جہالت اور رسوم پرستی مفقود ہوتی جاتی ہے اور ان کے بجائے اب روشنی، روشن دماغی، آزادی اور دنیا کی حرارت پیدا ہوگئی ہے۔ اس حالت کی تبدیلی پر اچھا ہے کہ ہم خوش ہوں اور عورتیں بھی مسرور، لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا۔ اس پر کوئی غور نہیں کرتا کہ مسلمان خواتین کی بیداری واقعی اصلی بیداری ہے یا یہ ایک مصنوعی تیاری کا نتیجہ ہے۔ کوئی پوچھے آجکل مسلمان خواتین کی بیداری کی پہچان کیا ہے، تو اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے سیاسی جلسوں کے پلیٹ فارموں پر نظر نہ آتی تھیں۔ سیرگاہوں میں انھیں کوئی بے نقاب و بے حجاب گلگشت کرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تھیٹروں اور سینماؤں میں ان کی موجودگی نظر نہ آتی تھیں۔ احباب و اغیار کی محفلوں میں انھیں بیباکانہ گستاخی کرتے نہیں دیکھا گیا۔ نہ سوسائٹی، کالجوں اور اسکولوں میں ان کی چہل پہل تھی۔ اخباروں میں ان کے فوٹو شائع نہ ہوتے تھے، ادبی رسالوں میں ان کی تصویریں پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر برق پاشی نہ کرتی تھیں۔ وہ صرف گھر کی ملکہ ہوکر رہنا جانتی تھیں۔ انھیں اپنے نسوانیت کی عفت کا پاس تھا، اپنے گھر سے باہر کسی اور میدان کی جستجو نہ تھی۔ لیکن آج حالات نے پلٹا کھایا ہے۔ زمانہ آزادی کا ہے۔ مذہب اور اخلاق کی قید و بند کو بھلا کون برداشت نہیں کرسکتا ہے تو عورتیں ہی کیوں گھروں میں بند ہوکر رہیں۔ وہ بھی آخر مردوں کی طرح انسان ہیں۔ انھیں بھی حق ہے کہ گلزار ہست و بود کا ایک ایک پھول بہ نظر عمیق دیکھیں، اس کی رنگت اور بو سے قوت شامہ کی تواضع کریں۔ اور یوں عالم ہمہ تن ایک نغمۂ شعر و موسیقی ہے، عورتوں کو بھی فطرۃً یہ حق ہونا چاہیے کہ اس کے نغموں سے کیف و سرور حاصل کریں۔ ان خیالات کی پختگی کا نتیجہ ہے کہ اب وہ دورِ جمود و جہل خواب پریشاں ہوکر نگاہوں سے غائب ہوتا جا رہا ہے اور بیداری کا اثر جتنا جتنا غالب ہوتا جاتا ہے۔ عہد حریت و آزادی کے اثرات زیادہ نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ آج مسلمان عورت کو تنگ خیالی و تنگ نظری کا طعنہ کون دے سکتا ہے۔ اب پلیٹ فارموں پر ان کی دھواں دھار تقریریں ہوتی ہیں۔ اور پس پردہ نہیں بلکہ کھلے اسٹیج پر سب کے سامنے۔ کالجوں کی رونق ان کے دم سے ہے۔ کلبوں میں ان کی خوش خلقی اور خوش تقریری کے چرچے ہیں۔ سینماؤں اور تھیٹروں کے دیکھنے کا کیا ذکر، انگلینڈ کے سابق وزیر اعظم کی لڑکی یا ہو فلم ایکٹرس بن سکتی ہے تو شریف گھرانوں کی تعلیم یافتہ مسلمان خواتین اس فخر سے کیوں محروم رہیں۔ آج گھروں میں انھیں دیکھا جا سکتا ہے، بازاروں میں وہ نہایت بیباکی اور دیدہ دلیری کے ساتھ خرام کرتی ہوئی نظر آسکتی ہیں۔ فوٹو ان کے چھپتے ہیں، مشاعروں میں شوخ غزلیں وہ سناتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ آج مسلمان خواتین نو جوہ تہذیب و تمدن کی ان تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں جو اب تک صرف خواتین فرنگ کا حصہ تھیں یا کچھ تھوڑا بہت ان کا اثر ہندو خواتین میں بھی پایا جاتا تھا۔ سُن لیا آپ نے۔ یہ ہے خواتین اسلام کی بیداری!

اس میں شبہ نہیں کہ اس دورِ تفریح میں بھی ایسی نیک دل مسلمان خواتین کی کمی نہیں ہے جو واقعی آئیڈیل مسلم خاتون کہی جا سکتی ہیں اور جنھیں صحیح معنی میں بیدار دل و بیدار مغز کہا جا سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان غریبوں کو مسلمان خواتین کی نمائندگی حاصل نہیں۔ وہ گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں اور انھیں مسلم سوسائٹی میں کوئی وقیع درجہ میسر نہیں۔ جب کبھی مسلمان خواتین کی بیداری کا ذکر کیا جاتا ہے تو مثال میں وہ خواتین پیش کی جاتی ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود جدید تہذیب و تمدن کی خصوصیات سے پورے طور پر بہرہ اندوز ہو رہی ہیں اور جن کے حسن بے حجاب کا شہرہ ہندوستان کے حدود سے گزر کر امریکہ و یورپ تک پہنچ چکا ہے۔ اس بنا پر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آپ کے نزدیک مسلمان خواتین کی بیداری کا مفہوم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ اسلامی وضع قطع، اسلامی آداب معاشرت اور اسلامی وضع قطع، اسلامی آداب معاشرت اور اسلامی طریق بود و ماند چھوڑ کر مغرب کے رنگ میں رنگی جا رہی ہیں اور ان کا میدان عمل درون خانہ کے بجائے بیرون وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلم خواتین کی یہ حالت کیا واقعی ان کی بیداری کی دلیل ہے کیا درحقیقت ان کی اس تبدیلی پر ہمیں خوش ہونا چاہیے جیسا کہ ہمارے آجکل کے مرد اور زنانے جلسوں میں اس کا اظہار کیا جاتا ہے؟ یہ صورت حال پوری قوم کی روحانی و اخلاقی موت کی نشانی ہے اور اس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

بعض لوگ عورتوں کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا عورتیں مردوں سے کم ہیں جو ایک چیز مرد کے لیے تو جائز ہو اور عورت کے لیے ناجائز۔ اس قسم کے اصحاب کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے نزدیک بھی اخلاقی و مذہبی پابندی کے لحاظ سے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شریعت اسلام نے جن بری باتوں کو مرد کے لیے ممنوع قرار دیا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی ممنوع ہیں اور جو افعال حسنہ مرد کے لیے مستحسن سمجھے گئے ہیں وہ عورتوں کے لیے بھی مستحسن ہیں۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، شراب خوری، زناکاری، غداری و بے وفائی کی حرمت میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ مرد کے لیے جس طرح اجنبی عورت پر بُری نگاہ ڈالنا حرام ہے۔ عورت کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ کسی اجنبی مرد کو بُری نیت سے دیکھے۔ یہی حال تعلیم اور معاشرت کا ہے۔ جدید تعلیم اپنے مخصوص ماحول اور نصاب کے ساتھ جس طرح مردوں کے لیے مضر ہے عورتوں کے لیے بھی اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ نقصان رساں ہے۔ اسی طرح مغربی معاشرت، مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ کپڑا زیادہ اُجلا اور صاف ہوتا ہے تو ایک معمولی سا دھبہ بھی اس میں بہت زیادہ نمایاں ہوکر اس کی حیثیت کو بگاڑ دیتا ہے۔ عورت فطرۃً آئینہ تمثال ہے اور غالبا اسی بنا پر نبوت نے اس کو قواریر (آبگینہ) کہا ہے اور انگریزی میں اسے صنفِ لطیف کہا جاتا ہے۔ اس میں اگر ذرا سی بھی بداخلاقی اور بدتمیزی پیدا ہوتی ہے تو وہ مرد سے

زیادہ اسکو پرنما کرنا ہے اور اس کی اصل شرافت و نجابت کو سچ ایک ملبہ اردل میں شامل کر دیتی ہے۔

پس اگر کوئی مصلح یہ کہتا ہے کہ جدید تعلیم اور جدید تہذیب مسلمان عورتوں کے لیے زہر ہلاہل ہے تو اسکے معنی یہ ہرگز نہیں ہو سکتے کہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے ممنوع اور مردوں کے لیے جائز ہیں۔ اور نہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو سکتا ہے کہ عورتیں مردوں سے کم رتبہ اور ان سے فروتر ہیں۔ اس عام مخالفت میں مرد و عورت کے فرق و امتیاز مراتب کا سوال اٹھانا سراسر بے موقع و بے محل ہے — جہاں تک اصل تعلیم کا تعلق ہے اس سے کوئی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ اسلام جو دین فطرت ہے وہ اس ضرورت سے کس طرح انکار کر سکتا تھا لیکن یہ ضرور ہے کہ تعلیم تعلیم کے مقصد کے ماتحت ہو جس سے پاکیزہ اخلاق پیدا ہوں۔ اچھے برے کی تمیز ہو۔ زندگی کو کامیاب طریقہ سے بسر کرنے کی راہیں معلوم ہوں۔ اور جس سے ایک انسان صحیح انسانیت کے مرتبہ علمی سے سرفراز ہو سکے۔ جو تعلیم اس مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے وہی سچی اور اصلی تعلیم ہے۔ اور اسکے استحسان اور وجوب میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور چونکہ تعلیم کا تعلق انسانی زندگی کے وظائف و اعمال سے ہے اس لیے تعلیم شروع کرنے سے قبل یہ معلوم کر لینا ضروری ہوگا کہ طبعی قوتے، فطری استعداد۔ اور اسباب، معاشرہ و معاملہ کے اعتبار سے مرد کے وظائف زندگی کیا ہیں اور عورت کے کیا۔ اگر آپ ان وظائف زندگی میں فرق و امتیاز نہیں کرتے تو اسکے صاف معنی یہ ہیں کہ آپ مرد کے مرد اور عورت کے عورت ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ انکار آپ کی فطرت ناشناسی کی کھلی دلیل ہے اور اب اس انکار کی بنیاد پر آپ کے جتنے مسائل راستہ اور عادی ہوں گے وہ سب غلط اور بے بنیاد قرار دیے جائیں گے۔ عورت اور مرد کا صنفی اختلاف و تباین تو بڑی چیز ہے آپ ایک صنف کے تمام افراد کے لیے یکساں حکم نہیں لگاتے۔ بہتیرے بچے جو طبعاً صنعت و حرفت کی طرف میلان رکھتے ہیں آپ تسلیم کرتے ہیں کہ ان سے لٹریچر میں اعلیٰ مہارت و قابلیت کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو بچے فطرۃً لٹریچر کا ذوق رکھتے ہیں ان کو سائنس اور کیمیا کی اعلیٰ تعلیم دلانا وقت کو بیکار اور ضائع کرنا ہے۔ پس جب آپ خود مردوں کی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کو نظر انداز نہیں کر سکتے تو مرد و عورت کے صنفی اختلافات کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں۔

اسلام کا طرۂ امتیاز یہی ہے کہ اس نے کسی حالت میں بھی فطرت کی صحیح صلاحیتوں اور انکے باہمی اختلافات کو ناقابل اعتنا نہیں قرار دیا۔ اسلامی نقطۂ نظر کے ماتحت تعلیم جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی۔ لیکن دونوں کی تعلیم کا مقصد جدا جدا ہے۔ مرد کی تعلیم کا مقصد ہے کہ وہ اپنے فرائض و وظائف زندگی سے بخوبی آگاہ ہو جائے اور نہ صرف واقفیت بلکہ اس میں اخلاق اور کیرکٹر کی اتنی مضبوطی پیدا ہو جائے کہ وہ بے تکلف اچھے اعمال کو اختیار اور برے اعمال کو ترک کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح عورت کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے وظائف و فرائض زندگی سے آگاہ ہو اور انکو صحیح طور پر

آپ پہلے عورت کے فرائض و وظائف حیات کی تحقیق و تنقیح کریں اور پھر اسکی روشنی میں انکے لیے ایک مکمل نصاب تعلیم کی تعیین کر دیں یہ حقیقت فراموش نہ ہونی چاہیے کہ نصاب تعلیم کی تعیین بھی ایک نہایت ضروری امر ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ طریقۂ تعلیم کے ناقابل اطمینان ہونے کے باعث تعلیم پر ایسے نتائج مرتب ہو جائیں جو تعلیم کے مقاصد کے سراسر خلاف ہوں اور بجائے کعبہ کے طرف رہنمائی کرنے کے ترکستان کی طرف لیجائیں۔

تھوڑی دیر کے لیے سنجیدگی و متانت سے اس مختصر گزارش پر غور کیجیے اور پھر بتلایئے کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے کیا واقعی وہ مسلمان خواتین کی بیداری سے تعبیر کیے جانے کا مستحق ہے۔ مرد کی تعلیم کا کمال یہ ہے کہ وہ سچا طور پر مردانہ اوصاف و شمائل سے آراستہ ہو۔ اور عورت کی تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ بالکل صحیح معنی میں مکمل عورت ہو۔ لیکن ہماری بچیوں کو انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے کیا وہ انکی تکمیل نسائیت کر سکتی ہے؟ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ مخصوص ماحول میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے جو اثرات لڑکیوں پر مرتب ہو رہے ہیں وہ اسلامیت اور مشرقیت تو کجا خود انکے جوہر نسائیت کو بری طرح پامال کر رہے ہیں۔ (باقی آئندہ)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٓئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد۔
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنو

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؎ ۲ر
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱مر

صدق لکھنو

رجسٹرڈ نمبر ۳۹۱ ایل

نمبر (۶) | دوشنبہ - ۲ - جمادی الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۰ / جون ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

کانگریسی روزنامہ "نیشنل ہیرلڈ" لکھنؤ (۲۵ / مئی ۴۰ء) کے وقائع نگار خصوصی کی اطلاع ہے، کہ

"الہ آباد میں ہندوستان کے مشہور رقاص اودے شنکر نے جو آرٹ سنٹر کھول رکھا ہے، اُس میں شاگردوں کی تعداد اب ۳۱ تک پہونچی ہے۔ اور ان شاگردوں میں گورنمنٹ بیسک ٹرینگ کالج (الہ آباد) کے دو اُستاد بھی ہیں۔ یہ اُستاد جب یہاں سے باضابطہ "اُستاد جی" بن کر واپس ہوں گے، تو افادہ و استفادہ کا حلقہ گاؤں گاؤں تک وسیع ہو جائیگا۔ اس فن مُردہ کی عظمت از سرنو زندہ ہوگی، اور روحانیت اور خوشحالی کے سبق اس سے پھر تازہ ہو جائیں گے"!

گویا سرکاری ٹرینڈ ٹیچروں کے مضامین میں، ایک مضمون 'رقص' کی ٹرینگ کا اور اضافہ ہوا، اور جہاں انگریزی، حساب، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے ذریعہ سے دماغوں کی تاریکی کو روشنی سے بدلا جاتا ہے، وہاں اب ماسٹر صاحبان باضابطہ 'ناچ' بھی ہوا کریں گے، اور شاگردوں کو طبلہ، سارنگی، ستار، کے علوم و حقائق میں ماہر، اور ناچ، گت، توڑہ، نرت، کے رموز و نکات میں اُستادِ کار بنایا کریں گے!

چھوڑیئے اسے کہ شریعت اسلامی نے اسے کس نظر سے دیکھا ہے۔ اسے تو سنیئے کہ خود "دانایانِ فرنگ" کیا کہہ چکے ہیں، کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ تحقیق تو انھیں کی ہے، کہ

"رقص کی ساری جسمانی حرکتیں ایک حد تک تعلقات جنسی ہی کی ترجمان ہوتی ہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۷، صفحہ ۱۵)

اور یہ قول بھی انھیں کی زبان سے سننے میں آیا ہے، کہ

"ابتدائی رقص کی فاحشانہ حیثیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصلاً اس کا مقصد شہوانی ہی ہے۔ یہ دعوے عالمگیر حیثیت سے تو ثابت نہیں، تاہم کسی حد تک ہر رقص تحریکِ شہوانی کا باعث تو ضرور ہوتا ہے"۔ (ایضاً، ص ۱۴)

اور یہ ارشاد کہ رقص بھی ایک قسم نشہ یا مستی کی ہے، کسی مولوی مُلّا نے کا نہیں، اُستادانِ مغرب ہی کا ہے:-

"عضلات کی وہ حرکت، جسکا سب سے بڑا مظہر عمل رقص ہے، وہ خود مستی ہی کی ایک قسم ہے، نہایت موثر و قوی"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۱۰، ص ۳۵۵)

اور اس متن کی شرح بھی یہاں کی نہیں، وہیں سے آئی ہوئی ہے:-

"جو نوجوان عورت والز کی گت ۵ منٹ تک ناچ چکتی ہے وہ بالکل ایسی ہوتی ہے کہ گویا وہ شمپین پی چکی ہے"۔ (ایضاً)

یہ فتوے تو عام ناچ سے متعلق ہیں، چہ جائیکہ مغرب کے جدید و مقبول ترین ناچ، فاکس ٹراٹ، والز، وغیرہ، جنکا لازمی جزو مرد و عورت کی ہم آغوشی ہے!

تاریخ اور تجربہ کو کہاں تک جھٹلایا جائیگا؟ مصر اور ہندوستان میں، جہاں ناچ کو مذہبی تقدس حاصل رہا ہے، وہاں کے مندروں کی کیا حالت، اخلاقی اعتبار سے ہو کر رہی؟ یونان اور روما میں، جہاں رقص کو نیم مذہبی اور نیم تمدنی اہمیت حاصل تھی، کون سے فتنے تھے جو برپا ہو کر نہ رہے۔ اور دورِ جدید میں جرمنی، فرانس، اور انگلستان میں جو کچھ گزرا، اُسکا عکس وہیں کے اہل قلم کے صفحات میں ملاحظہ ہو۔ فحش اور

رقص کا ساتھ چولی دامن کا کہاں اور کب تک رہا ہے؟ ناچنے والوں اور ناچنے والیوں کی عصمتیں کس ملک اور کس زمانہ میں بے داغ رہی ہیں؟ —— لیکن بہرحال تعلیم نسواں کہیں تعلیم ہی تک اب محدود رہ سکتی تھیں۔ "تعلیم مخلوط" چھوڑئیے، "رقص مخلوط" دیکھیے۔ کیا خوب تھا وہ "ابتدا" اور کیا خوب ہے یہ "خبر"!

"ملائیت" علیگڈھ میں

اکیڈمک کونسل، جلسہ منعقدہ ۱۲ جنوری کی تجویز:

(۱) "اس کونسل کی رائے میں مسلم یونیورسٹی ایک ایسا ادارہ ہے جو [illegible] اسلامی اور ہندوستانی [illegible] کونسل [illegible] کی کوشش [illegible] ہے۔"

(۲) "اکیڈمک کونسل [illegible] اسلامی [illegible] کی کوشش کریں۔"

ایگزیکیٹو کونسل، جلسہ منعقدہ ۱۳ فروری کی تجویزیں:

(۱) ایگزیکیٹو کونسل اکیڈمک کونسل کی رائے سے پورا اتفاق ہے۔

(۲) آیندہ تقررات کے وقت تمام ملازمین یونیورسٹی سے تحریری معاہدہ لے لینا چاہیے کہ وہ اپنے کسی قول و فعل سے کوئی ایسی بات نہ ہونے دینگے جو اس اسلامی ادارہ کی حیثیت کے منافی ہو۔

(۳) ملازمین کے مستقل ہونے کے وقت اسکا بھی لحاظ رکھا جائیگا کہ انھوں نے اس معاہدہ کو کہاں تک نباہا۔

اقتباس از کارروائی مسلم یونیورسٹی کورٹ جلسہ منعقدہ ۷ اپریل ۳۸ء:

کورٹ نے اکیڈمک کونسل اور ایگزیکیٹو کونسل کی تجاویز بالا سے اتفاق کیا اس ترمیم کے ساتھ کہ ملازمین کے لیے "آیندہ تقررات" کی قید نکال دی جائے تاکہ قاعدہ کے تحت سب موجودہ ملازمین بھی آ جائیں۔

اقتباس از مسلم یونیورسٹی گزٹ [illegible] ۳۸ء

ٹریننگ کالج میں پردہ کے پورے اہتمام کے ساتھ تربیت دی جاتی ہے اور یہ انتظام بہت ہی کامیابی سے چل رہا ہے جس سے اس امر کی امید ہوتی ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بھی [illegible] اس انتظام کو وسعت دی جائے چنانچہ انتظام کیا جا رہا ہے کہ آیندہ [illegible] میں طالبات کو پردہ کے [illegible] ساتھ تعلیم دینے کے لیے داخل کیا جائے۔ اور اس کے لیے مختلف [illegible] پردہ کی گیلریاں بنائی جا رہی ہیں [illegible] ہو گئی تو

مسلم یونیورسٹی کیسی رجعت پسندی کی بلا میں مبتلا ہو گئی ہے! قوم کی کل ایک ہی تو یونیورسٹی اور [illegible] خیالیاں! یہ بیسویں صدی میں اور یونیورسٹی جیسے اعلیٰ تعلیمی و علمی ادارہ میں "پردہ" کی دقیانوسیت! پردہ گیلری کا انتظام! یہ ایم اے کی طالبات کی، اگر یہ گریجویٹ خواتین کی "خودداری" کی، "آزادیٔ عمل" کی صریح توہین نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ اُستادوں سے، علوم و فنون کے ماہر اُستادوں سے، دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں لیے ہوئے اُستادوں سے معاہدہ اور حلف نامہ کہ وہ "شعائر اسلامی" کے خلاف نہ جائیں گے! ——— اُف!

بیسویں صدی میں یہ بے پناہ "ملائیت"! آزادیٔ ضمیر کی، علم کی خودداری کی یہ ناقابل برداشت تحقیر! تجدد کے لیے اس سے بڑھ کر صدمہ اور کیا ہو سکتا ہے!

فطرت سے جنگ

"حال میں برٹش جوتہ سازوں نے اعلان کیا ہے کہ عورتوں کے پیر روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ دو برس قبل تک عورت کے جوتہ کا اوسط ناپ ۵ ہوتا تھا، اب ۶ ہو گیا ہے۔ ۸ اور ۹ نمبر کے ناپ کے جوتے اب تک نادر سمجھے جاتے تھے، اور دونوں کا [illegible] بھی [illegible] اب بوٹ ٹریڈ ایسوسی ایشن کا بیان ہے کہ انکی مانگ عام ہو گئی ہے۔ ماہرین کا بیان ہے کہ ناپ کا یہ بڑھنا ورزش بیجا کا نتیجہ ہے۔ لیکن عورتوں کو شوق اب تک پیروں کے چھوٹے ہونے اور پنڈلیوں کی نزاکت کا ہے۔۔۔ کاریگروں نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ ایک خاص قسم کا چمڑا لگانا شروع کیا ہے جس سے دیکھنے میں جوتہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔" (اسٹیٹسمین ۲۶ مئی ۳۸ء)

تجدد کو مبارک ہو یہ کامیابی، کہ جدید عورت اگر مرد نہیں تو مردنما تو ضرور بن گئی۔ لیکن اس غریب زندگی کے ساتھ شوقِ نزاکت وہی پرانا جوں کا توں!

زود پشیمانی

ٹرکی کی مجلس کبیر ملی نے ۱۰ مئی کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا ہے، کہ یہ کوئی خلاف قانون جرم نہیں ہے، کہ عربی حروف اور رسم الخط میں چھپی ہوئی کتابیں اسکولوں، تعلیمی اداروں میں مطالعہ اور استفادہ کی غرض سے رکھی جائیں۔

ہمارے خیال میں یہ فیصلہ ہر طرح درست، مناسب اور حصول علم کی راہ میں مفید ہی ہے۔ البتہ اس مفید و مناسب فیصلہ کے بعد ہم پوچھنا صرف یہ چاہتے ہیں، کہ ان عربی حروف کی کتابوں کو جنکا کتبخانوں میں رکھنا اب جائز قرار پایا ہے آخر اب پڑھیگا کون؟

(رٹرنش پریس ایجنسی، بحوالہ مسلم ورلڈ، امریکہ، جنوری ۳۸ء ص ۱۳)

اللہ اللہ! عربی حروف میں چھپی ہوئی کتابوں کا رکھنا اب جاکر حق اسلامی ملک میں جائز قرار پایا ہے! اب جاکر یہ طے پایا ہے کہ انکا رکھنا کوئی قانونی جرم نہیں! اور یہ بدبخت ہندی مسلمانوں کی "ملائیت" دیکھیے کہ پھر بھی اس احسانِ عظیم کے شکرگزار نہیں ہوتے اور شوخ چشمی سے اس "آزاد" "اسلامی" سلطنت پر اعتراض ہی کیے چلے جاتے ہیں!

دشمن کی خوشی

ڈاکٹر جان موٹ، مسیحیت کے مبلغ اعظم اور امریکہ کی انٹرنیشنل مشنری کونسل کے صدر اپنے ایک تازہ مقالہ میں یوں گلفشانی کرتے ہیں:—

"ہماری تبلیغی جماعتوں میں یہ خیال بڑے شد و مد سے پھیلا ہوا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کام کرنا کچھ نفعوں و بے نتیجہ سا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی تو فصل کٹنے کا وقت آیا ہے۔۔۔۔ مسلمانوں کے ذہن اس وقت خلفشار اور انتشار کی حالت میں ہیں اور یہی وقت ان میں پیام مسیحیت پہونچانے کا ہے۔" (مسلم ورلڈ، نیویارک، اپریل ۳۸ء ص ۱۱۲)

لیکن یہ آرزوئیں، گزشتہ تمام صدیوں کے تجربات کے باوجود اور سالہا سال کی ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد آخر حریف کے دل میں پیدا ہی کیسے ہوئیں؟ کیا دنیائے اسلام کا رجحان، توحید سے تثلیث کی جانب کچھ ہو چلا ہے؟ سوال کا جواب بھی خود حریف ہی کی زبان سے سنیے:-

"اسلام کی جتنی گرفت کمزور ہو رہی ہے؟ پہلے پردہ اٹھنے کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ عورتوں، خصوصاً شہری عورتوں میں یہ صورت حال زیادہ نمایاں ہے۔ چنانچہ برقع اور نقاب کا رواج گھٹ گیا ہے، شادی کی عمر بڑھ گئی ہے، عورت کو شوہر کے انتخاب میں زیادہ حصہ ملنے لگا ہے۔ ترکی، تیونس اور افریقی ملکوں میں زیادہ آزادی سے شراب پی جانے لگی ہے۔ عورتوں کے کلب قائم ہونے لگے ہیں۔ تعلیم کے مطالبات بڑھتے جاتے ہیں۔ مغربی صنعت و حرفت اور تمدن جدید کے حیرت انگیز اور ان پہلوؤں کی ترقیوں نے بھی اس انتشار اور زوال کو اور تیز کر دیا ہے۔"

گویا تثلیث خوش ہو رہی ہے، کہ اہل توحید سے دینی و اخلاقی عصبیت رخصت ہو رہی ہے، وہ پیچھے عقائد نہ سہی، فرنگی معاشرت و معیشت تو بے تکلف ان کے دلوں میں گھر کرتی جا رہی ہے! ---- مبارک ہو تجدد نوازوں اور روشن خیالوں کو، کہ توحید و تثلیث کے درمیان جو خلیج ساڑھے تیرہ سو سال سے حائل چلی آ رہی تھی، وہ ان کی سعی جمیل سے اب پٹ رہی ہے، اور مغرب زدہ تجدد اسلام اور مسیحیت کے درمیان ایک پل کا کام دے رہا ہے۔ ---- یہی فخر کسی زمانہ میں مدینہ کے منافقین کو بھی تھا، کہ ہم تو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مصالحت کے سفیر ہیں!

ارتداد سے واپسی

"استنبول۔ الاہرام کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ مجلس ملی کبیر میں ایک جدید قانون پیش کیا گیا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ بے شادی شدہ مردوں پر اور عورتوں پر ۱۰ فی صدی ٹیکس لگایا جائے۔ مردوں کے لیے ۲۲ تا ۵۰ کی اور عورتوں کے لیے ۱۸ تا ۴۵ کی عمر مقرر کی گئی ہے۔ قانون کی رو سے، اس طرح حاصل شدہ رقم کو کثیر العیال غریب خاندانوں پر تقسیم کر دیا جائیگا۔"

خبر معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کر جائیے، ذرا غور کیجیے، کیا صورت حال ہوگی جس نے اس قانون کو ضروری بنا دیا ہے۔ شادی بیاہ تو دنیا کا عام دستور ہے، اور اس کا تقاضا خود طبیعت بشری میں موجود رہا ہے۔ اور پھر حکومتیں، عام معاشرتی معاملات میں دخل ہی نہیں دیا کرتیں، جب تک کہ فتنہ عام نہ ہو جائے۔ ضرور ہے کہ شادی نہ کرنے کی، ازدواج کی ذمہ داریوں سے بچنے کی، یا نکاح کو دقیانوسی قید سمجھ لینے کی رو، جو "روشن خیال" یورپ سے چلی، وہ "بزم خیال" بلاد میں بھی پوری طرح اپنا گھر کر گئی، اور ترکی کے جوان، فرنگی جوانوں کی طرح، شادی بیاہ کو وبال اور جنجال سمجھ، اپنی شہوانی پیاس دوسرے ذریعوں سے بجھانے لگے ---- کسی شیطان کا چلایا ہوا یہ فلسفہ پھیل گیا، کہ جب دودھ روز کا روز بازار میں مل سکتا ہے، تو گھر کے پالنے کا کھڑاگ مول لینا حماقت ہے ---- اور نکاح اور سفاح کا فرق دلوں دماغوں سے مٹ کر رہا! نتائج کے نکلنے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی، نکلنے تو بہرحال قطعی اور یقینی تھے، ہوا یہ کہ جلد ہی کھل آئے۔ وہ روز قوم کی آبادی جب گھٹنے لگی، اور بدنسبتی و بدنظمی کے علاوہ، جب سلسلۂ نسل خود اپنے ہاتھوں قطع ہونے لگا تو اب خود حکومت مجبور ہو گئی کہ شادی نہ کرنے پر جرمانے کر کرکے، اور شادی پر انعام مقرر کرکے، پھر نکاح کو رواج دے! ---- دنیا کے ہزارہا تجربات میں ایک یہ پھر اس تجربہ کا اضافہ ہوا، کہ طریقہ قومی فلاح و انفرادی و اجتماعی دونوں کی وہی ہے، جو ساڑھے تیرہ سو سال قبل کے امّی لقب بتائے ہوئے ہیں، اور اس کے سوا جتنی راہیں ہیں، سب کی منزلیں ہیں ناکامیاں، گمراہیاں، بربادیاں۔

۳۰ سال قبل

مدراس کی ایک نامور خاتون ہیں مسز رادھا بائی سبارائن، سنٹرل اسمبلی کی ممبر، اور اپنے صوبہ کی مشہور کارکن۔ اسٹیٹسمین میں اپنی طالب علمی کے زمانہ کے حالات قلمبند کیے ہیں، لکھتی ہیں:-

"اس وقت لڑکیوں کا زنانہ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنا بھی بہت کم تھا، مردانہ کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ پڑھنا تو بالکل نئی چیز تھی۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی بار تین عیسائی لڑکیاں پریسیڈنسی کالج کے بی اے کلاس میں داخل ہوئیں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ بڑھتی گئیں۔ اور اب تو کوئی ۲۸۰ لڑکیاں اکیلے اسی کالج میں لڑکوں کے ساتھ پڑھ رہی ہیں۔ میں ۱۹۲۰ء میں جب اپنے وطن منگلور کے گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئی تو کالج کے اسٹاف اور ساتھ کے لڑکوں سے بہت شرماتی تھی۔ کلاس میں داخل ہونے کی کبھی میری ہمت ہی نہ پڑی۔ جب تک چپراسی کی زبان سے یہ نہ سن لیتی تھی کہ پروفیسر آ گئے ہیں۔ اور ادھر وہ گئے، ادھر میں بھی فوراً باہر نکل آئی۔ میرے لیے کلاس میں سب سے الگ، ایک کونے میں ایک کرسی اور چھوٹی میز لگی رہتی تھی۔ اس پر بھی کبھی یہ ہوتا کہ جیسے کرسی بدل کر کوئی ٹوٹی کرسی رکھ دی جاتی کہ میں گر دوں، اور کبھی میرے بیٹھنے کی جگہ پر پنیں (pins) کھڑی کر دی جاتیں۔ اکثر کرسی کی گدی یا تکیہ پر گوند لگا ہوا ملتا۔ اور میں جب اس قسم کی کرسی پر بیٹھتی یا باہر جا کر چپراسی سے دوسری کرسی کے لیے کہتی، تو دونوں صورتوں میں کلاس کے لڑکے ہاتھ سے میز پیٹنے لگتے، یا پیر کھٹکھٹانے لگتے۔ میں مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتی، اور استاد درگزر کر رہتے۔" (اسٹیٹسمین ۲۶ مئی ۱۹۶۲ء)

اتنی شرمیلی خاتون کو آخر سوجھی کیا، کہ اپنی دنیا نسوانیت کو اپنے ہاتھوں آج ملیامیٹ کرنے بیٹھی ہیں؟ اور یہ رجعت پسند اور تاریک خیال انگریزی روزنامہ خواہ مخواہ اپنے صفحات ان قدامت پرستوں کی شکایت میں سیاہ کر رہا ہے!

عمل و نتائج عمل

شرمیلی خاتون کا بیان ابھی ختم نہیں ہوا۔ کچھ اقتباسات اور حاضر ہیں:-

"پریسیڈنسی کالج (مدراس) کے میرے تجربات منگلور سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ میں ہسٹری کلاس میں تو اکیلی لڑکی تھی، لیکن کل کالج میں لڑکیوں کی تعداد ۱۶ تھی۔ منگلور کالج کی طرح یہاں بھی ہم لڑکیوں کی ایک دنیا بالکل الگ تھی، اور ہم اس میں دوستی، عداوت

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

سورۂ آلِ عمران، رکوع ۱۷

(سلسلۂ صدق کے واسطے)

از عبد الماجد

۱- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

اے ایمان والو، ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ۱؎ جو (حقیقۃً) کافر۲؎ ہیں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت۳؎، جبکہ وہ لوگ۴؎ سفر کرتے ہیں کسی سرزمین۵؎ میں یا کہیں غزوہ کرنے جاتے ہیں۶؎، کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے۷؎ تو نہ مرتے نہ مارے جاتے۔ (یہ بات انکے دل میں اور زبان پر اس لیے آتی ہے) تاکہ اللہ اس بات کو اُنکے قلوب میں موجبِ حسرت بنا دے۸؎۔ اور جِلاتا اور مارتا تو اللہ ہی ہے۹؎ اور اللہ جو تم کرتے ہو اُسکو خوب دیکھ رہا ہے۱۰؎۔

۲- وَ لَىٕنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۔

اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ۱۱؎ تو البتہ وہ اللہ کے پاس کی مغفرت و رحمت اُن چیزوں سے کہیں بہتر ہے جنکو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۱۲؎۔

۳- وَ لَىٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ۔

اور تم لوگ خواہ مارے جاؤ۱۳؎ یا مر جاؤ۱۴؎ بہرصورت ضرور اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۱۵؎۔

۴- فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ۔

پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب۱۶؎ سے ہے کہ آپ۱۷؎ اُنکے ساتھ نرم رہے۱۸؎، اور اگر آپ تند خو، سخت طبیعت ہوتے تو (یہ لوگ) آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۱۹؎ سو آپ ان کو معاف کر دیجیے۲۰؎ اور آپ انکے لیے استغفار کر دیجیے۲۱؎ اور ان سے امور (خاص) میں مشورہ لیتے رہیے۲۲؎۔ پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں۲۳؎ تو بھروسہ اللہ پر رکھیے۲۴؎، بیشک اللہ محبت رکھتا ہے بھروسہ رکھنے والوں سے۲۵؎۔

۱؎ (اپنی گفتگو میں)۔ یعنی اُن لوگوں کی سی باتیں نہ کرنے لگو۔

۲؎ (اور زبان پر دعوے اسلام رکھتے ہیں) یعنی منافقین۔

۳؎ یہ برادری خواہ نسل و نسب کی بنا پر ہو یا عقائد کی۔ یعنی اپنے ہم قبیلہ مسلمانوں یا اپنے ہم مشربوں سے متعلق۔

۴؎ یعنی وہی نسلی یا اعتقادی وہی برادری والے۔

۵؎ اسلامی، دینی، مقاصد سے، اور حالتِ سفر میں وفات پا جاتے ہیں)

۶؎ (اور اس میں شہید ہو جاتے ہیں)

۷؎ (اور جہاد یا اسلامی سفر پر نہ جاتے)

۸؎ یعنی تاکہ منافقین (جن کے دل نورِ ایمان اور طمانیت ایقان سے خالی ہیں) اسو تکوینی تقدیری میں ان حسرتوں سے اور گڑھتے رہیں

۹؎ (پھر یہ کیسی جہالت کی بات ہے کہ موت یا قتل کی علت نامہ سفر یا جہاد کو قرار دیا جائے)۔ امریکی محقق ڈیفنس نے اپنی کتاب [illegible] میں لکھا ہے، کہ مسلمانوں کے اسی عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کر دینے کی عادت نے، نیز عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید معاً جنت میں داخل ہو جاتا ہے) مسلمانوں میں معرکۂ جنگ میں بڑی ہی قوت اور ہمت پیدا کر دی تھی" (ص ۳۲۶)

۱۰؎ (سو اگر خدانخواستہ منافقین کے طرزِ خیال و گفتگو کی تقلید کر دگے، تو یہ بھی سب اُس خدائے دانا و بصیر کے علم میں آتا رہیگا)

۱۱؎ (گو اپنی طبیعی موت سے لیکن مشغول ہو، سو وقت اللہ ہی کے کام میں)

۱۲؎ (حظوظِ دنیوی میں سے)۔ مفہوم یہ ہے کہ موت تو اپنے وقت موعود ہی پر آئیگی، جہاد یا سفر فی سبیل اللہ سے خواہ مخواہ نہ آ جائیگی۔ البتہ اگر مر، بحالت جہاد آ گئی، تو اجر اور ابدی زندگی کی نعمتیں بیشمار ہیں۔

۱۳؎ (جنگ میں)

۱۴؎ (طبعی موت سے اپنے وطن میں)

۱۵؎ (سو مومن کے لیے تو کوئی خوف و اندیشہ کی بات ہی نہیں۔

۱۶؎ متن میں حرف ما تاکید و حصر کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ اللہ ہی کی رحمت کا نتیجہ ہے

۱۷؎ (اے ہمارے پیغمبر!)

۱۸؎ یعنی اُن لوگوں کے ساتھ جو غزوۂ اُحد میں رسول کی نافرمانی کرکے مسلمانوں کی شکست کا سبب بنے تھے۔ نافرمان سپاہیوں کے ساتھ، عین معرکۂ جنگ میں عدول حکمی کے بعد بھی اپنے سپاہیوں کے حق میں شفقت و نرمی کا معاملہ، دنیا کی تاریخ جنگ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

۱۹؎ رسول اللہ صلعم کے حلم و تحمل، نرم خوئی، عفو و درگذر کا حال مختصراً موافقین کی نہیں، منکرین و مخالفین کی زبان سے سنیے:—

"پیغمبر کا میلانِ طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا" (ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ" جلد ۸، ص ۱۲)

"آپ نے زندگی بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا نہیں .... جب کوئی مصافحہ کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ علیحدہ کرنے میں سبقت نہ کرتے، نہ اس سے از خود علیحدہ ہوتے .... اپنے زیرِ حمایت لوگوں کی حفاظت میں بڑے مستعد تھے۔ گفتگو نہایت نرم و شیریں کرتے۔ دور سے دیکھنے والے تو آپ سے مرعوب رہتے، لیکن جو قریب سے سابقہ رکھتے وہ آپ سے محبت کرنے لگتے" (باسورتھ اسمتھ۔ "محمد اینڈ محمڈنزم" ص ۱۳۱)

"ظلم محمدؐ کی سرشت ہی میں نہ تھا" (لین پول، مقدمہ منتخبات قرآنی ص ۶۶) میور کی "لائف آف محمد" (۲۷) میں زائد تفصیل و تصریح موجود ہے۔

۲۰؎ (جہاں تک آپ کے حقوق کے تلافی کا تعلق ہے)۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل پر آپ نے خطاکاروں کو زبانی بھی تہدید نہ فرمائی۔

۲۱؎ (جہاں تک تلافی حقوق اللہ کا تعلق ہے)

۲۲؎ (حسبِ دستورِ سابق)۔ گویا اپنے نظامِ شوریٰ جمہوری میں ان سے ووٹ کا حق بھی سلب نہ کیا جائے! کیا حد ہے اس رحمت کی! آج دنیا کی بڑی سے

۱۶۰- ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون	اگر اللہ تمہارا ساتھ دے[۲۶] تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ ساتھ چھوڑ دے[۲۷] تو اسکے بعد[۲۸] کون ایسا ہے جو تمہارا ساتھ دے۔ اور صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ایمان والوں کو۔
۱۶۱- وما کان لنبی ان یغل ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامۃ، ثم توفی کل نفس ما کسبت وہم لا یظلمون	اور کسی نبی کی شان[۲۹] یہ نہیں کہ وہ خیانت کرے[۳۰]۔ اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ حاضر کرے گا اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن[۳۱]۔ پھر ہر شخص کو پورا عوض ملے گا جو اس نے کیا، اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا[۳۲]۔

بڑی آزاد جمہوریت بھی اسکی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ شوریٰ کی اہمیت بھی آیت سے صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ صاحب وحی تک کو شوریٰ سے بے نیاز نہیں۔

۲۳ (بعد مشورہ، کسی خاص امر میں)

۲۴ (اور بے تامل و توقف اس نتیجۂ مسئلہ پر عمل کیجئے)

۲۵ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ مسلمان کو قناعت و صبر کی دولت لازوال حاصل ہے، اور خودکشی سے دنیائے اسلام ناواقف ہے۔ پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں:-

"مسلمانوں میں تسلیم و رضا کے وہ اوصاف موجود ہیں جن سے دوسرے مذاہب والے ناآشنا ہیں۔ اور خودکشی تو اسلامی ممالک میں شاذ ہی خال ہوتی ہے"۔ ("ہسٹری آف دی عربس" ص ۱۲۹)

۲۶ (جیسا کہ معرکۂ بدر میں اس نے دیا)

۲۷ (جیسا کہ معرکۂ احد میں اس نے چھوڑ دیا)

۲۸ یعنی اسکے ترک نصرت کے بعد۔

۲۹ یعنی یہ شان نبوت کے بالکل منافی ہے۔

۳۰ بدر کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک سرخ جبہ غائب معلوم ہوا، اس پر کوئی بول اٹھا کہ رسول نے لیا ہوگا۔ یہ قول اگر کسی منافق کا تھا، تو اس میں رسول کی دیانت پر کھلا ہوا حملہ ظاہر ہی ہے۔ اور اگر کسی نو مسلم کی زبان سے نکلا، تو وہ اس غلط فہمی میں تھا کہ رسول کو چوری چھپے بھی حق تصرف حاصل ہے۔ آیت ہر مفروضہ کی تردید کر رہی ہے۔

۳۱ اس سے خائن کی مزید رسوائی مقصود ہے۔

۳۲ مقصود کلام یہ ہے کہ خائنوں کو تو حشر میں ذلیل و رسوا ہو کر رہنا پڑے گا۔ بجز اسکے انبیاء کا اعزاز و اکرام قطعی ہے، ایسی حالت میں کسی نبی کی جانب خیانت منسوب ہی کیسے کی جا سکتی ہے؟

(بقیہ صفحہ ۳)

کے جغرافیہ سے بجز اپنے کلاس اور ایک مختصر آرام گاہ کے واقف نہ تھے۔ میں اپنے ہی کلاس کے لڑکوں تک سے واقف نہ تھی ... میرے دل میں اپنے استاد تاریخ و معاشیات مسٹر آلکین کی بڑی عزت تھی لیکن بات چیت کبھی ان سے بھی نہ کرتی تھی۔ ایک روز انھوں نے درس میں مضمون کہا کہ "آج مجھے درجہ میں قدیم اقوام کے معاشری حالات پر کچھ دینا ہے، آپ میں ایسے بیانات بھی ہوں گے، جنکا سننا ممکن ہے تمہاری طبیعت پر گراں ہو، اس لیے اگر آج کلاس میں نہ آؤ، تو غیر حاضری معاف رہیگی"۔ آج کون اس احتیاط پسندی کو باور کر یگا، جبکہ سینما میں ہر وقت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بے پردہ منظر لڑکیوں لڑکوں سب کے سامنے رہتے ہیں! ....

ہم لڑکیاں اپنے مختصر آرام کمرہ میں، جسکی یہ حالت تھی کہ ایک آئینہ تک بھی اس میں نہ تھا، خوب مزے سے آپس میں بات چیت کرتے رہتے۔ پاؤڈر، خوشبو، چہرے کے غازہ، وغیرہ کا کوئی ذکر نہ آتا نہ تھا آپس میں خوب ہنسی مذاق رہتا۔ اسوقت لڑکیوں میں سے کوئی کہیں دیکھ لیتا، تو یقین نہ کرتا کہ یہ وہی لڑکیاں ہیں جو کلاس میں اتنی بے زبان رہتی ہیں! مجال نہ تھی کہ ہمارے ہنسی کی آواز اس کمرہ کے باہر تک جا سکے۔ .. تعلیم ہم ایک اہم و سنجیدہ فرض سمجھ کر حاصل کرتے تھے۔ تعلیم ہمارے لیے ذریعۂ تفریح نہ تھی"

یہ سب کچھ سہی لیکن جو بیج تعلیم یافتہ ماؤں ڈال گئیں، وہ آخر کب تک زیر زمیں رہتا؟ کب تک نہ اگتا؟ کب تک پھل نہ لاتا؟ شرم و حیا زیادہ سے زیادہ ایک نسل تک ساتھ دے سکتی تھی، اسکے بعد اسکے قائم رہنے کا علاج ہی کیا تھا۔ جو آج اس پر حیرت کی جا رہی ہے؟

مہاراجہ کشن پرشاد

دکن کے مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شاد کی خبر وفات روزنامہ کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اب پرانی ہو چکی۔ مہاراجہ یمین السلطنت کی وفات سے ہندوستان میں مشرقیت کا ایک ستون منہدم ہو گیا، اور اسلامی تہذیب و معاشرت کا ایک زبردست رکن اٹھ گیا۔ حسن سلوک، داد و دہش، فقیر دوستی، تواضع، انکسار، شفقت علی الخلق کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے۔ شاید ہی بہتر بتا سکتا ہے، کہ کتنے اہل حاجت کی پرورش، علانیہ بھی خفیہ بھی، اسی ایک در سے ہو رہی تھی۔ دربار مغلیہ کے بعض ہندو امراء کے حالات پڑھ کر حیرت ہوتی تھی، کہ کس طرح مسلمانوں سے گھل مل گئے تھے، مہاراجہ کی ذات انھیں روایات کا ایک عملی نمونہ تھی۔ صوفیہ کے ساتھ جو عقیدت تھی، سب کو معلوم ہے۔ اپنے کو ہمیشہ موحد کہتے رہے۔ توحید پرستی اسی سے ظاہر ہے۔ ذات محمدی کے ساتھ، نعت اور والہانہ محبت کی گواہ نعتیہ نظمیں ہیں۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہوا ہو، اور عند اللہ مومن و مسلم ثابت ہوئے ہوں۔

اسلامی نظامِ حکومت

(از سید محمد یوسف صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ایچ (علیگ)، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

مسلمانوں کی ذہنی پستی اور خود بے اعتمادی کا اس سے بڑھکر اور کون سا مظہر ہو سکتا ہے کہ آج اسلام اور اسلامی حکومت کے نظریہ کو یورپ کے بنائے ہوئے چند جا رہے پیمانوں سے ناپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وہ ذہنی غلامی جس میں کہ یورپ اپنے "بے جرم" ہونے کی بنا پر ہمیشہ گرفتار رہا ہے اور رہے گا۔ بیداری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مغربی تمدن کے سیلاب کو خودی، خود آگاہی کے ساتھ روکنے کے بجائے اس امر کی کوشش کی جا رہی ہے کہ یورپ کی "روشنی علم و ہنر" کو مسلمانوں کے سادہ اور حقائق اسلام سے بے بہرہ دماغوں پر کچھ اس طرح مسلط کر دیا جائے کہ اسلامی مسالک بھی انسانی عقل کے پیدا کیے ہوئے ناکمل اور غیر یقینی نظریات کی جنگ کے لیے میدان کارزار بن جائیں۔ مختلف اور متضاد نظریات کے عارضی عروج و زوال کی تماشاگاہ نظر آئیں۔ اور بالآخر مسلمانوں کا وہ خرمن امن و سکون جو نہ صرف برسوں بلکہ صدیوں کی تاب اور صرف ایک نظریۂ حیات کے ساتھ وابستہ رہنے سے ان کو حاصل ہوا تھا، مغرب کی برق تاباں کی نذر ہو جائے۔

اسلام اور دنیا کے دیگر مذاہب میں مابہ الامتیاز صرف یہ امر ہے کہ اسلام محض چند مذہبی رسوم و عبادتی ریاضتوں کا نام نہیں بلکہ اسلام ایک مکمل قانون حیات ہے۔ جو انسان کو طریقۂ عمل سکھانے کے ساتھ دماغی تشکیل بھی سب سے زیادہ کرتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ مسلمان ایک مخصوص "نقطۂ خیال" کا مالک بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اسلامی نظریات کو موجودہ دور کے کسی نظریہ کے تحت میں لانا ایک بڑی بنیادی غلطی ہے۔ اسلام خود ایک مستقل بالذات نظریۂ حیات ہے۔ اسکا دیگر نظریات کے ساتھ فرداً فرداً مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کو کسی دوسرے نظریہ کے ساتھ بالکل متحد نہیں قرار دیا جا سکتا۔

یہی وہ غلطی ہے جس میں آج بہت سے "مغرب زدہ" اصحاب نیز متعدد دانایان دین مبتلا ہیں۔ بلا سوچے سمجھے اس قضیہ کو ایک قضیہ مسلمہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اسلامی نظام ریاست یا تو جمہوریت (وہ جمہوریت جو اس وقت مغرب میں رائج ہے) کے تحت میں آ جاتا ہے یا فسطائیت اور اشتراکیت کے تحت میں۔ افسوس یہ ہے کہ یہ نام نہاد لوگ کہتے ہیں جو اپنے آپ کو آزادی کا پرستار کہتے ہیں اور آزادی کی "تعلیم یورپ" کی خاطر اپنی تمام دینی خصوصیات قربان کرنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔ حقیقی آزادی ذہنی اور تخیلی آزادی ہے۔ بدیشی مال کا بائیکاٹ اتنا اہم نہیں جتنا کہ بدیشی نظریات کا۔ جو قوم ذہنی حیثیت سے آزاد نہیں وہ حقیقتاً قانونی طور پر آزاد ہونے کے باوجود غلام ہی رہنے کی مستحق ہے۔ مغرب کی ہر چیز سے نفرت کرنا سب سے منافی ہے قناعت کرنا اور ہم نوالہ رہنا بالکل سے زیادہ حوصلہ اور گرفتار ہندوستان کے مدعوں کے لیے ہیں۔ چھینا جوکا بنانا کھانا وغیرہ وغیرہ۔ گر یہ بلاوجہ پارلیمنٹ کو Mother of Parliaments تسلیم کر لینا اور ہر چیز میں اسی کو نمونہ مان لینا یقیناً ایک عجیب سی بات ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر ایک قوم بجائے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرنے سے قاصر ہو اور پھر وہ آج تو سو برس سے نظام چلی آتی ہو کوئی سیاسی

نظریہ نہ پیش کر سکے تو وہ معذور ہے۔ اور اسکے لیے سوائے کوئی چارہ نہیں کہ وہ کسی بیرونی طرز حکومت کو جو اسکے حسب مطلب ہو اپنا لے۔ لیکن اگر مسلمان جو اپنے مذہب کی ہمہ گیری پر فخر کرتے ہیں اور صدیوں تک دنیا کے دور دراز بر میں اپنی سطوت کا پرچم لہرا چکے ہیں، کسی خارجی نظریہ کی طرف دوڑتے نظر آئیں تو اسکے معنی صرف ایک ہی ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ وہ اپنے ماضی کو بھول چکے ہیں۔ خودی کو کھو چکے ہیں۔ اپنے لیے خود کوئی شاہراہ عمل پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ اور صرف دوسروں کے نقش قدم پر چلنے اور انکی نقالی کرنے کو باعث نجات تصور کرتے ہیں۔

جیسا کہ مصنف الفخری نے اشارہ کیا ہے ریاست اور حکومت کی دو قسمیں ہیں۔ اول دنیوی دوم دینی۔ یہ بات نہایت اہم اور خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ حکومت دینی اور حکومت دنیوی دو مختلف نوعیں ہیں۔ جو امور ایک صنف اور ایک نوع پر صادق آتیں، کوئی ضروری نہیں کہ دوسری نوع بھی ان کا مصداق بنے۔ جمہوریت، آمریت، فسطائیت، اشتراکیت وغیرہ وغیرہ یہ سب اقسام ہیں دنیوی حکومت کے۔ دینی حکومت کسی تقسیم کی اجازت نہیں دیتی۔

دینی اور دنیوی حکومت میں سب سے بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ دینی حکومت میں اقتدار (Supremacy) کسی ذات کا نہیں ہوتا۔ بلکہ اقتدار ہوتا ہے ایک مخصوص آئین الٰہی کا، ایک مخصوص نظام عمل کا۔

اسکے برخلاف دنیوی حکومت انسانوں کی حکومت ہوتی ہے خواہ وہ ایک شخص کی حکومت ہو یا چند افراد کی یا ایک مخصوص طبقہ کی یا جمہور عوام کی۔ ہر صورت میں اتنی بات عام پائی جائیگی کہ آئین اور لائحہ عمل کی (۱) تشکیل (۲) تنفیذ، دونوں انسانی عقل کے کام ہوتے ہیں۔ دینی حکومت میں آئین اور لائحہ عمل پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ صرف اسکی تنفیذ حکومت کا کام ہوا کرتا ہے۔ تشکیل میں اسکو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کے دو شعبے ہوتے ہیں۔ ایک تنفیذی جسکو عام طور پر عاملہ (Executive) کہتے ہیں۔ دوسرے (Legislative) یعنی تشکیلی۔ جہاں تک (Executive) کا تعلق ہے وہ ہر حکومت میں خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی کیساں ہوا کرتا ہے۔ اپنے منظور کردہ قوانین کے نفاذ و پابندی میں کوتاہی کرے وہ درحقیقت حکومت کہلانے ہی کی مستحق نہیں۔ حکومتوں کی نوعیت صرف (Legislative) یعنی تشکیلی شعبہ کی نوعیت کے فرق سے بدلا کرتی ہے۔ یہی وہ شعبہ ہے جو ایک دنیوی حکومت میں سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے لیکن ایک دینی حکومت میں بالکل غیر اہم بن جاتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ دینی حکومت میں سرے سے اسکا وجود ہی نہیں ہوتا، تو بیجا نہیں۔ یہ صرف دین کے کمال و نقصان پر موقوف ہے۔ اگر دین ایک مکمل نظام عمل کا حامل ہے تو یقیناً تشکیلی شعبہ بالکل بے معنی ہے۔ جس قدر دین میں نقصان ہوگا اسی قدر تشکیلی شعبے کی وقعت میں اضافہ ہوگا۔

آزادی کیا ہے؟ آزادی نام ہے چند پابندیوں میں مقید ہونے کا۔ حکومت کیا ہے؟ حکومت کہتے ہیں اُن پابندیوں کے مجموعہ کو جو انسان اپنی فلاح و بہبود کی خاطر اپنے اوپر عائد کرتا ہے۔ ان پابندیوں یا زیادہ بہتر الفاظ

قرآن کے الفاظ میں ان "حدود" کی تلاش انسان کے لیے فطری و ناگزیر ہے - ٹھیک اسی وقت سے جبکہ انسان نے جنگلوں اور پہاڑوں کی زندگی کو چھوڑا اور باہم مل کر رہنا شروع کیا - انسان نے ان پابندیوں کی تلاش و جستجو شروع کی - اول اول ان حدود کی تعیین (Legislation) و تنفیذ دونوں کام اپنے ہی گروہ میں سے ایک سربراہ و شخص کے سپرد کیے - یہیں سے دنیوی حکومت کی ابتدا ہوتی ہے - ابتداءً ان حدود کی تعیین و تنفیذ کرنے والا (Sovereign) کہلایا - بعد میں بادشاہ بن گیا - یعنی قوانین کی تشکیل کا پورا اختیار تنہا ایک شخص نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا - اسی سے کچھ ملتا جلتا نظام آمریت ہے - جس میں ایک سربراہ درگا ہستی نہیں کے خلوص و غیر معمولی صلاحیتوں کی اکثر آبادی معترف ہوتی ہے - تمام نظام قانون کو ایک بڑی حد تک اپنی مرضی اور اپنی رائے سے چلاتی ہے اسکے مقابلہ میں ایک نظام جمہوری ہوتا ہے - جس میں تشکیل قانون کا حق جمہور خود اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں - بہرکیف یہ سب فروعات ہیں - اصل بنیادی فرق کی ایک دنیوی حکومت قانون اور لائحہ عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہوتی ہے اور اس قانون اور لائحہ عمل کی تشکیل اسکے لیے ضروری اور لابدی بھی ہوتی ہے - نیز اگر حکومت کو تشکیل قانون کا بالکل غیر محدود حق دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ اسکا ایسا ناجائز استعمال کرے جو عوام کے مفاد کے خلاف ہو - بہرحال دنیوی حکومت کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ صرف اس بنا پر ہیں کہ حکومت کی تشکیل قانون کے مسلّم حق کو کس طرح محدود کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا - ایک دینی حکومت اس ضرورت سے بالاتر ہوتی ہے - وہ پہلے سے ایک مکمل نظام عمل کی حامل ہوتی ہے - اور اسی کی تنفیذ کی وہ ذمہ دار ہوتی ہے - لہذا دینی حکومت ان تمام اقسام یعنی جمہوریت، آمریت وغیرہ وغیرہ کا قسم نہیں بن سکتی -

دنیا میں دو قابل ذکر حکومتیں دینی ہیں - اول عیسائیت کی دوم اسلام کی - عیسائی مذہبی حکومت ایک عرصہ تک قائم رہی بالآخر اپنی چند اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے دنیاوی حکومت میں تبدیل ہوگئی - عیسائیت کی سب سے بڑی کمزوری اسکا کلیسائی نظام تھا - جس نے آخرکار اس مذہبی حکومت کا خاتمہ کیا - کتب سماوی یعنی وہ قانون و نظام عمل جس کی تنفیذ کی یہ حکومت ذمہ دار تھی، عوام کی نظروں سے ایک عرصہ تک پوشیدہ رہیں - بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پوشیدہ رکھی گئیں - کتاب آسمانی کے پڑھنے اور سمجھنے اور اس سے نظام اخذ کرنے کا حق "پیران کلیسا" نے اپنے لیے مخصوص کرالیا - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مذہبی حکومت بجائے کسی آئین و قانون ربانی کی حکومت نہ رہی بلکہ پیران کلیسا کی بادشاہت بنکر رہ گئی - اس نظام کلیسا کے خلاف ارتقین لوتھر نے آواز اٹھائی اور بالآخر سیاست کو مذہب سے پیچھا چھڑانا پڑا - حکومت اور کلیسا کی علیحدگی کے بعد اب یہ عیسائی حکومت قانونی طور سے دنیوی حکومت بن گئی اور تشکیل قانون کا مصدر بجائے وحی ربانی کے عقل انسانی کی طرف منتقل ہوا -

اسلام نے شروع ہی سے اپنے اندر کسی نظام کلیسائی کی گنجائش ہی نہ رکھی - ہر بندہ کا تعلق اپنے رب سے براہ راست ہے - کسی واسطہ کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں - احکام ربانی ہر شخص کے ہاتھوں میں ہیں - اور انکی تنفیذ ہر شخص کا انفرادی فرض ہے - اس لیے اسلام میں کبھی بھی ایک لوتھر کے پیدا ہونے کا امکان نہیں - ہاں البتہ اگر خانقاہ کے چند بے عمل و بے کار ملاؤں نے مذہب کی آڑ لیکر عوام کی عقل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور "پیران حرم" بننے کے خواب دیکھنا شروع کر دیے تو یقیناً محمد بن عبد الوہاب اور مصطفیٰ کمال ضرور پیدا ہوتے رہیں گے ....

اسلام ایک تھیوکریسی (Theocracy) یعنی مذہبی حکومت ہے جو دین ہے وہی عین سیاست ہے - ایک صحیح اسلامی حکومت کو نہ تو جمہوریت کہا جا سکتا ہے نہ آمریت و نسلائیت - اس لیے کہ یہ سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب تشکیل قانون کی ضرورت درپیش ہو - اسلام تو ایک مکمل نظام عمل پیش کرتا ہے اور ایک اسلامی حکومت کا مقصد صرف اس نظام عمل کی تنفیذ ہوسکتا ہے - اسلامی حکومت کے محض تنفیذی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت لفظ "نائب" یا "خلیفہ" میں پایا جاتا ہے - امیر المومنین کا درجہ صرف ایک نائب اور عامل کا ہے یعنی اس کو تشکیل آئین کا کوئی (Constitutional) حق حاصل نہیں - اسکا منصب صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے حاکم بالادست کے احکام کی تعمیل خود کرے اور دوسروں سے کرائے - یہ ایک دقیق نکتہ ہے کہ "اسلامی حکومت" مسلمانوں کی حکومت کا نام نہیں - اگر حقیقت میں یہ نام "اسلامی حکومت" بھی کچھ موزوں و مناسب نہیں - بلکہ اسلامی روح کا خیال رکھتے ہوئے مناسب یہ ہوگا کہ اسے "اسلام کی حکومت" کہا جائے - اس لیے کہ "اسلام کی حکومت" میں اقتدار اسلامی آئین و قوانین کا ہوتا ہے - نہ کہ کسی ذات کا -

ایک اسلامی حکومت کو اس امر کی ضرورت نہیں کہ وہ ایک پارلیمنٹ یا سینٹ (Senate) قائم کرے جو شراب نوشی کو ممنوع کرنے کا قانون پاس کرے، کچھ روز تجربہ کرے، اور اسکے بعد پھر اپنے ہی پاس کردہ قانون کی تنسیخ کرے - اسلام کو اس بات کی ضرورت بھی نہیں کہ وہ اپنے اندر ایک جماعت پیدا کرے (National Convention) بلائے اور اسکے اندر جو فیض روحانی کی بدولت اکثریت کے ووٹ سے شراب نوشی کو بند کرائے - اسلامی حکومت اس بات کی محتاج نہیں کہ اسکی پارلیمنٹ (Temperance Bill) (Prohibition Bill) کی طرح کسی (Bill) پر غور کرے - اسلام میں کسی ایسی اسمبلی کی ضرورت نہیں جس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق کوئی بل پیش کیا جائے - اور (Divorce Bill) پر دھواں دھار تقریریں ہوں - اسلامی حکومت کو کوئی جدید قانون وراثت بنانے کی ضرورت نہیں - اسلامی حکومت کے پاس پہلے سے ایک مکمل قانون تعزیرات موجود ہے - اس لیے اس کا امکان نہیں کہ وقتاً فوقتاً (Amendment Bill) یعنی ترمیم قانون کے مسودے پیش ہوتے رہیں - ایک اسلامی حکومت کے لیے کسی (Money Bill) کا تخیل ہی ممکن نہیں - ایک ... کے لیے پہلے یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ زرعی پیداوار سے عشر یعنی ... بڑھائی فی صدی سے زیادہ ٹیکس وصول نہیں کرسکتی - اس ... کے لیے کبھی کوئی ایسا وقت نہیں آسکتا کہ وہ ایک (Notification) شایع کرے اور کسانوں سے پچاس فی صدی کمی لگان کے وعدے کرے اور وہ بعد میں پورا کرسکے یا نہ کرسکے ہی کیا بلکہ اس کا امکان بھی نہیں ... عارضی چھوٹ کے متعلق بھی کسی تجویز پر غور کرنے کی ضرورت پیش آئے - ... کہ عشر زمین کے رقبہ پر نہیں بلکہ درحقیقی زرعی پیداوار پر لیا جائیگا - (باقی)

البتہ جن الفاظ سے آپ کا تعلق مدت ہوئی ٹوٹ چکا تھا، پھر انکے دوہرانے سے ایک نیا لطف ملا۔ اجتماع نقیضین ارتفاع نقیضین منطق کی ان اصطلاحوں کے استعمال کی نوبت غالباً ایک مدت کے بعد آئی ہوگی ....

یہ کہتا ہوں جب عقروش وخیرالی عقل والوں سے سنتا ہوں کہ انسانی فطرت پیدا ہے مذہب کا دیا ہوا زندہ ورت یا مذہبی نہیں رہ سکتا تو میں ہنستا ہوں، اس مسکین کی عقل پر ہنستا ہوں، جو یہی نہیں جانتا کہ مذہب جس سوال کا جواب ہے، وہ سوال کا وجود انسان سے ہی انسان اور اسکے خاص جذبات و احساسات، اسکی فطرت کی گہرائیوں سے دم بدم ابھرنے والے سوالات جنکا روکنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے، ان ہی کا جواب تو مذہب ہے۔ مذہب نے جو راہ ان سوالوں کے حل کی اختیار کی ہے، اسکے سوا جو راہ بھی اختیار کی گئی، یا کی جا رہی ہے، یا آئندہ کی جائیگی تفصیلاً نہ سہی اجمالاً ہر انسان میں اسکا فیصلہ موجود ہے اور وہ جو کچھ جواب دے رہا ہے بے جانے دے رہا ہے۔ ممکن ہے لفظوں کے گورکھ دھندوں اور استعارات و تشبیہات کی بھول بھلیوں میں پھنسا کر چند دنوں کے لیے انفعالی دماغ نفوس کو بھٹکا لیا جائے لیکن فاعلانہ قوتوں کے رکھنے والوں نے ہمیشہ عنکبوت کے ان تاروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

"انسان بدل گیا ہے" جو پہلے تھا، اب نہیں رہا ہے، کیونکہ اسکا جوتا بدل گیا ہے، ٹوپی بدل گئی ہے، جس گلاس میں پانی پیتا تھا وہ بدل گیا ہے، جس گھر میں رہتا تھا، اسکا نقشہ بدل گیا ہے۔ حالانکہ انسانیت کو ان چیزوں سے کیا تعلق ہے۔ جن صفات پر انسانیت کی بنیاد ہے، اور انسان کے جن صفات پر مذہب کی تعمیر ہوئی ہے خدا کی قسم وہ لازوال اور اٹل ہیں۔ جب تک آدمی ہے، انھیں صفات کے ساتھ اسکا رہنا ضروری ہے۔ شیر کو کب تک گھاس کھلا دُگے؟ اور مچھلی کو پانی سے باہر کر کے کب تک اسکو جلا دُگے؟ زمانہ بدل گیا، اس لیے مذہب کو بھی بدلنا چاہیے" اس عام مغالطہ کے خلاف بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ جزائے خیر دے، کہ آپ نے کھل کر پہلی دفعہ اس کا اظہار کیا، میں تو مدت سے اس مغالطہ کی بربادیوں پر جل رہا ہوں"۔

دشمن کی دوستی

"شملہ۔ ۳۰ رمئی۔ پنڈت نہرو کی تبلیغ آپ والی تقریر سے یہاں حکام کو بڑی طمانیت حاصل ہوئی ہے۔ دو فقروں کا خاص طور پر اثر حکام پر پڑا ہے۔ ایک تو اس کا، کہ ہندوستانی مرجانا قبول کریں گے لیکن ہٹلر یا کسی اور حملہ آور کی اطاعت نہ قبول کریں گے۔ دوسرے اس کا کہ خطرہ کے وقت، انگریز مرد، عورت، بچہ کا تحفظ ہر ہندوستانی اپنے فخر و مسرت کا باعث سمجھے گا ..... عجب نہیں کہ پنڈت نہرو کی یہ تقریر لندن بھیج دی گئی ہو۔" (پانیر کا وقائع نگار خصوصی۔ یکم جون سنہ ۴۰ء)

پنڈت جی نے صحیح کہا یا غلط، اچھا کہا یا برا، سوال اسکا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ کوئی مسلمان لیڈر اس کا آدھا بھی کہتا، اور اس کی تقریر بھی شملہ کے اعلیٰ سرکاری حلقوں سے داد تحسین کے ساتھ لندن پہونچائی گئی ہوتی، تو اس غریب کو "آزاد" قومی پریس کے ہاتھوں کیسے کیسے سکوں کے نصیب ہوتے؟ کس زور سے ڈھول "اسلامی سرکار پرستی" "برطانیہ دوستی" "سامراج پسندی" کا نہ پیٹا گیا ہوتا! اور کوئی درجہ ملامت، تحقیر و تمسخر کا اس ناشدنی "ٹوڈی" کے لیے اٹھا رہتا!

تین افسوسناک موتیں

پچھلی پندرھویں میں تین افسوسناک وفات کی اطلاع میں آئیں۔ بھوپال میں مفتیٔ العلوم مولوی مفتی انوار الحق ایم اے نے انتقال کیا۔ مرحوم ایک مشہور عالم شمس العلماء مولانا عبداللہ ٹونکی کے فرزند اور خود بھی بڑے صاحب علم تھے۔ ایم اے ہونے کے باوجود حب دین وحب مذہب میں غرق تھے۔ مدت دراز ہوئی "اثبات واجب الوجود" کے نام سے انگریزی کی ایک کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ دینی وعلمی مشاغل آخر عمر تک جاری رہے۔ سنہ ۳۰ء میں جب فتنہ نگار اچھلا تھا، تو بھوپال سے موصوف کے خطوط ہمدردی، حوصلہ افزائی، اور علمی اعانت کے آیا کرتے تھے۔ خود عالم ہونے کے ساتھ ہی دوسرے اہل علم کے سرپرست بھی تھے۔ اللہ مراتب عالیہ نصیب کرے۔

حیدرآباد دکن میں منشی لطیف احمد مینائی انسر یار جنگ بہادر نے وفات پائی۔ مرحوم اردو کے مشہور شاعر حضرت امیر مینائی کے صاحبزادہ اور خود بھی ایک خوش فکر (اگرچہ کم گو) شاعر تھے۔ پختہ سال ادبی تھی۔ صدق کے قدردان اور صدق کے کرم فرما۔ مدتوں دولت آصفیہ میں محکمۂ امور مذہبی کی نظامت و معتمدی پر سرافراز رہے اور اپنے زمانہ میں قابل قدر مذہبی خدمات انجام دیں۔ فیاض و مخیر تھے۔ خدا معلوم کتنوں کی خفیہ اور کتنوں کی علانیہ امداد کرتے رہے۔ اللہ بہتر سے بہتر درجات توفیق فرمائے۔

تیسری موت، لکھنؤ کے پرانے ادیب و زباں دان خواجہ عبدالرؤف عشرت کی ہے۔ مرحوم کی ساری عمر خدمت زبان و ادب میں گزری۔ اردو میں اچھے، دلچسپ اور شگفتہ لکھنے والے بہت سے ہیں، رنگین فقرے اور شوخ عبارتیں لکھنے والے اچھی خاصی تعداد میں ہیں، لیکن صحیح زبان لکھنے والے، لفظوں، محاوروں، ترکیبوں کی صحت کا لحاظ رکھنے والے بہت ہی کم ہیں، صرف چند، انگلیوں پر گننے کے قابل انھیں معدودے چند میں ایک ذات مرحوم کی بھی تھی۔ بڑے باوضع، سادہ مزاج، بامروت، مشرقی تہذیب و تمدن کا ایک دلکش نمونہ تھے۔ عقائد میں پختہ، مذہبی اور دیندار۔ حق تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول کرے اور جوار رحمت خاص میں جگہ عطا فرمائے۔

(بقیہ صفحہ ۲)

حد تک بڑھ گیا کہ مداری نے تو قرآنی جنت پر صرف "حیوانی جنت" کا نقرہ چست کیا تھا، لیکن رقص کرنے والوں نے تو اس سے بھی آگے قدم بڑھایا، اور خاک بدہن ربوبیت کے چٹکلے اور گھونسوں کے لگو سے بدتر اُنکی نگاہوں میں وہی جنت نظر آئی، جسکی دید کی تمنا میں تیرہ سو سال سے مسلمان اُنکے اکابر و اماغر اس دنیا سے سفر کر رہے ہیں۔ بادشاہ دن کو اگر رات کہے تو ماہ و پروین کے دیکھنے کا بھی غلغلہ بلند کر دینا چاہیے۔ حکومت کے زمانہ کی ان پیداواروں میں اسکی کتنی اچھی مثال پائی جاتی ہے۔ مجاز و استعارہ کا لطیفہ بھی خوب تراشا گیا ہے، اس آڑ میں جس لفظ سے جب چاہیے ڈپلے اسکے دینی معنی کو پوچھ کر ....

قیامت میں شادی بیاہ نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کے مانند ہوں گے۔" (متی ۲۲:۳۰)

لے دے کر انجیل کا یہی فقرہ ہے جسکی بنا پر عیسائی سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان انسان باقی نہیں رہتا۔ بلکہ جیسا کہ بعض مذاہب میں خیال ہے کہ آدمی مرنے کے بعد کبھی گھوڑا۔ اور کبھی چوہا وغیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے نزدیک مرنے کے بعد آدمی فرشتہ ہو جاتا ہے۔ گویا سارے مجاہدات اور ساری قربانیوں کا آدمی کو قدرت کی طرف سے یہ صلہ ملتا ہے کہ انسانیت اور اسکے سارے احساسات چھین لیے جاتے ہیں۔ یہ سزا بصورت جزا ممکن ہے کہ عیسائیوں کی فطرت کے مطابق ہو، لیکن جو واقعی انسان ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس عذاب کو آخر کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ بالکلیہ سلب ہو جانا تو بڑی بات ہے، آج اگر کسی کے انسانی احساسات میں کسی قسم کی کمی واقع ہوتی ہے تو ڈاکٹروں حکیموں کے دروازوں کی وہ خاک اڑا دیتا ہے، افریقہ سے بندر پکڑے جاتے ہیں اور آدمی کے انسانی احساسات کو زندہ کرنے کے لیے بندروں کے غدود سے کام لیا جاتا ہے، کروڑوں روپے کی دوائیں انسانی احساسات کی بیداری کے لیے خرچ ہو رہی ہیں، جنکے برباد اور ضائع کرنے کے لیے عیسائی سرگرمیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس عیسائی سزائی جنت کا نام "روحانی جنت" رکھا گیا ہے اور ہمارے بدنصیب میاں اس خالص عیسائی عقیدہ کو سائنس کا کوئی اہم مسئلہ قرار دے کر قرآن کے الفاظ کو اس کے معانی سے توڑ مروڑ کر دنیا کے سامنے اس دعوے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ ہم بھی آخرت کے متعلق ان ہی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جن پر ایمان لاتے ہیں، جن پر ہمارے حکام کا ایمان ہے اور ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جن سے ہمارے آقاؤں کو انکار ہے۔

انجیل کے اس بیان کے سوا چونکہ عورت بھی یہودی اور عیسائی مذاہب میں جنت سے نکلنے کی وجہ ہے اور دنیا کی ساری مصیبتوں، گندگیوں، شرارتوں کا سرچشمہ ہے، اسی لیے بڑے بڑے پوپوں نے اپنی ماؤں اور بہنوں کو مجسم شیطان "سرخ آنا"، مطلق نجاست اور گندگی" قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ جنت جو قرب الٰہی کا مقام ہے اس کی تقدیس کے لیے عورت کا وجود چونکہ ناپاک داغ تھا، اس لیے قرآنی جنت کا جو عنصر سب سے زیادہ عیسائیوں اور عیسائی مزاجوں کو گراں بلکہ اب تو قریب قریب انگارہ کی شکل اختیار کر چکا ہے وہ "حور عین" "ہم وازواجہم" وغیرہ کے بیانات ہیں، جس میں مردوں کے ساتھ جنت میں "عورتوں" کو بھی فی ظلل علی الارائک متکئون (چھاؤں میں چھپرکھٹوں پر تکیہ لگائے) کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، بلکہ مرد بیٹوں کی جنت کو اسلام میں عورت ماں کے قدموں کے نیچے ڈال دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذہب اور مذہبی علم و عمل جو انسانیت کے ارتقاء و تنزل سے بحث کرنے والا نظام ہے جیسا کہ ہر علم کی ایک غایت اور غرض ہوتی ہے، اسی طرح اسکی غرض و غایت کو متعین کرتے ہوئے، اسلام کہتا ہے کہ جو انسان ہے وہ مذہبی عقائد و اعمال کی راہ سے نہ گدھا بنتا ہے، اور نہ گھوڑا، نہ ہاتھی، نہ فرشتہ اور نہ شیطان، بلکہ انسان بہرحال انسان ہی باقی رہتا ہے، البتہ ناکمل انسان مکمل اور اسکی ناتشفی اکی فطرت تشفی کی انتہائی منزلوں تک ارتقا کرتی ہوئی چلی جاتی ہے، اسی لیے قرآن انسان سے انسانی احساسات کے چھین جانے کا نام جنت نہیں رکھتا، بلکہ آدمی کی آنکھ جو کچھ دیکھنا چاہتی ہے وہ اسے دکھایا جائے گا۔ جو کان جو کچھ سننا چاہتے ہیں وہی سنایا جائیگا، زبان جو کچھ چاہتی ہے اُسکی

تکمیل کی جائیگی۔ الغرض انسان جو دراصل چند احساسات اور خواہشوں کا مجموعہ ہے اسکی تکمیل کی جائیگی۔ اس حد تک کی جائیگی جسکی کوئی اجتماعی یا انفرادی نظیر دنیا کے موجودہ نظام میں پائی نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ذات کی حد تک عالم آخرت کی دونوں ممالک (الجنۃ والنار) کے متعلق قرآن مجید نے تفصیل کے ساتھ ان کے موسم[1] آب و ہوا، پہاڑ، نباتات حیوانات سب کا ذکر کیا ہے اور اس لیے ہم ان ممالک میں بھی ان ساری چیزوں کو مانتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اس دنیا میں ان چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ہاتھوں سے چھو رہے ہیں، اُن مسکینوں کی عقل پر کیا آفت آئی ہے کہ جب دوسری دنیاؤں میں انھیں چیزوں کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو نہ معلوم ان کی فطرتوں میں کیا وجہ انقباض پیدا ہوتا ہے۔ نہ معلوم انکار کرتے ہیں اور مجبول یہ ایمان لانا چاہتے ہیں، لیکن جب ذات سے آگے بڑھ کر ان ہی چیزوں کی صفات کی قرآن تفصیل شروع کرتا ہے۔ مثلاً جنت کی بوتلوں کی تیاری ایسے عنصر سے ہوگی جس کی تعبیر قرآن نے قواریر من فضۃ (شیشے جو چاندی سے) سے کی ہے یا دودھ کی نہروں کے پانی کو غیر آسن (نہ سڑنے والا) قرار دیتا ہے۔ یہی دودھ جو یہاں تھنوں سے نکل کر جمع رہا ہے، نہروں میں بہنے لگا یا یہی شکر جو یہاں پھولوں کے رس سے شہد کی صورت میں تیار ہوتی ہے، مکھی کے معدہ میں تھا، یا جنت کی فضاؤں میں تیار ہوگی، یا وہاں کے میوہ دار درختوں کے پھل فصلوں اور موسموں کی قید سے آزاد ہوں گے وہ غیر ممنون (نہ ختم ہونے والے) نہ گھٹنے والے ہوں گے۔

اسی طرح کھانے کے ساتھ قضائے حاجت پینے کے ساتھ پیشاب کی ضرورت یا پسینہ کی کراہت، شباب کے ساتھ بڑھاپا، صحت کے ساتھ مرض، زندگی کے ساتھ موت، الغرض دنیا کی ہر مسرت کے پھول کے ساتھ جو کلفت کا کانٹا چھپا ہوا ہے، جب کہا گیا کہ انسانی زندگی جنت میں برائی کے ان پہلوؤں سے پاک ہوگی۔ اسی طرح جہنم کی ناری فضا کو بجائے روشن ہونے کے دھوئیں کی چھاؤں جیسی سیاہ، اسکی غذاؤں کو لایسمن ولایغنی من جوع (نہ فربہی پیدا ہو نہ بھوک کی تکلیف سے رہائی ہو) اس آگ میں بجائے کوئلہ اور راکھ ہونے کے احساسات کو تیز کرنے کے لیے تر و تازہ کھالیں آدمی میں پیدا ہونگی اور جہنمی نباتات میں اسی کی حرارت سے بالیدگی اور شادابی پیدا ہوگی وغیرہ وغیرہ صفاتی امور تو یہی لوگ جو معلوم کو چھوڑ کر "روحانی جنت" کے مجہول تخیل کی طرف بھاگ رہے تھے ایکا ایک پلٹ پڑتے ہیں اور چونکہ اس دنیا میں کوئی چیز ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر ان کے یا انکے تحقیقی اساتذہ کے علم میں نہیں آئی ہیں اس لیے بیچ اٹھتے ہیں، ہم اسی پر ایمان لا سکتے ہیں یا لائیں گے جو ہمیں پہلے سے معلوم

---

[1] سلیمان ورن شمسا ولازمہریرا" جنت کا موسم، ظل من یحموم (دھوئیں کی چھاؤں) جہنم کا موسم فی سموم (زہریلی لو) جہنم کی ہوا۔ وحمیم (آب گرم) گویا جہنم کی آب و ہوا کا یہ بیان ہوا۔ اسی طرح جنت کے میوں اور چشموں انہار، جہنم کے عین انیۃ (گرم چشمے) وغیرہ جہنم کے پہاڑ صعودا۔ اسی طرح جنات تجری من تحتہا الانہار جنتی نباتات۔ الغرض غسلین زقوم وغیرہ جہنمی نباتات، جہنم کے حشرات مثلاً سانپ بچھو وغیرہ کا ذکر حدیثوں میں ہے اور لحم طیر میں جنت کی چڑیوں کا۔ تفصیل مقصود نہیں ہے ورنہ قرآن و حدیث سے با ضابطہ ان دونوں ممالک کے جمادات نباتات حیوانات آب و ہوا . . . . کا . . . . . . پیش کیا جا سکتا ہے۔

جو ہمیں پہلے سے معلوم ہوں۔ ان ذہنی آوارہ گردیوں کا آخر کوئی علاج ہے۔ حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے عربی زبان کے جن الفاظ سے جو علم ہمیں عطا کرنا چاہا ہے، ہم اُن سے اپنے معلومات میں اضافہ بھی کرتے۔ یعنی جب ہم سے کہا گیا تھا کہ آخرت کے ممالک میں بھی جمادات و نباتات، دریا پہاڑ وغیرہ ہیں تو جو چیزیں ہم دیکھ رہے ہیں اُن ہی چیزوں کو ماننے میں ہمیں آخر عذر کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کہ یہاں تو یہ چیزیں ہو سکتی ہیں اور وہاں نہیں ہو سکتیں۔ یہ یہاں اور وہاں کا فرق کتنا عجیب ہے۔ ایک ایسا آدمی جو اس دنیا میں چند سال ہوئے آیا اور چند ہی سال بعد چلا جائیگا، وہ یہاں اور وہاں کی تقسیم آخر کس بنیاد پر کر رہا ہے۔ وہ یہاں جو کچھ ہو سکتا ہے وہاں نہیں ہو سکتا، آخر اس قسم کی مضحک منطق کی بنا کیا ہے۔ بہرحال جو کچھ دکھایا جا رہا ہے جب وہی سنوایا جاتا تھا، تو ماننے کے لیے اس سے زیادہ آسان مطالبہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن جن چیزوں کی ذات وہی بیان کی گئی تھی جو یہاں ہے [illegible] بتا رہے ہیں جنھیں نہ کسی کی آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، نہ کسی دل پر اسکا خطرہ ہوا، مثلاً ایسا شیشہ جو چاندی سے بنا ہو، یا ایسا عنصر جس میں شیشہ کی شفافیت اور چاندی کی چمک تو ہو لیکن چاندی کی کثافت اور شیشہ کی بے رونقی کا عیب نہ ہو، تو اپنے علم کے اضافے سے محض اس بنیاد پر انکار نہ کرنا چاہیے کہ جو چیز آج نہیں معلوم ہوئی ہے وہ کبھی نہیں ہو سکتی۔ جو درخت یورپ میں اُگا وہ نہیں ہو سکتا وہ ہندوستان میں بھی نہیں پھل سکتا، آخر یہ بھی کوئی منطق ہے۔ قرآن میں ان ہی صفاتی عجائبات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "لا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین" (نہیں جانتا کوئی جو چھپائی گئی ہے اُن کی آنکھ کی ٹھنڈک) بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ جنت کے ہر لمحہ میں عجیب عجیب صفات کا ظہور ہوگا وہ جو پہلے سے مختلف ہوگا۔ آیۂ قرآنی کلما رزقوا منہا من ثمرۃ قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل (جب دیے جائینگے پھل اُن جنتیوں کو تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا) یعنی ذات تو اُن پھلوں کی وہی ہوگی جو انھیں دنیا میں یا جنت میں پہلے ملی تھی، مثلاً وہ آم ہی ہوگا، سیب ہی ہوگا وغیرہ، لیکن صفاتی طور پر [illegible] دیے جائینگے وہ ملتے جلتے۔ یعنی ذات میں تو دوسرے پھل نہیں ہونگے جو انھیں پہلے ملے تھے، بلکہ صرف صورت میں مشابہت ہوگی، اور صفات مثلاً مزہ میں بو میں اور دوسری کیفیتوں میں ایسا فرق ہوگا جسے نہ کسی نے دیکھا تھا نہ سنا تھا، نہ سوچا تھا۔ اور یہ سلسلہ ہمارے تمام بیرونی و اندرونی احساسات میں جاری رہے گا۔ میں ذاتی طور پر جسمانی اور روحانی دو قسموں کا قائل نہیں ہوں بلکہ خالق کا وجود مخلوق کا وجود محض ان دو قسموں کا قائل ہوں۔ لیکن جو نہ روح کو جانتے ہیں اور نہ جسم کو سمجھ سکتے ہیں کہ واقع میں وہ کیا ہے، عرض ہے یا جوہر، خارجی حقیقت ہے یا ذہنی احساس، ان بیچاروں کی رعایت سے کہدیتا ہوں کہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کے انسانی مطالبات کی تکمیل اسی لامحدود طریقے سے ہوگی۔ مرحوم شاعر اسلام رحمۃ اللہ نے

تپش ست زندگانی تپش ست جاودانی

میں اسی طرف اشارہ فرمایا، اور میں نے اپنے اس خط میں جو یہ اشارہ کیا تھا کہ جنت سے تحویل کا کوئی خواہشمند نہ ہوگا یہ دراصل سورہ کہف کی آخری آیتوں کا ماحصل ہے۔ جس میں اہل ایمان کے لیے فردوس کی مہمان نوازی کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے لا یبغون عنہا حولا (اہل فردوس اس فردوس سے باہر نکلنا نہ چاہینگے) اسکے بعد قرآن کی مشہور آیت کلمات رب کے متعلق ہے،

قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً	بول! کہ اگر سمندر بھی خدا کے کلمات کے لیے روشنائی بنجائے تو سمندر ختم ہو جائے گا قبل اسکے کہ خدا کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اسی سمندر جیسا کسی اور

سمندر کا اضافہ کریں"۔ مدت تک میری سمجھ میں "کلمات رب" کی اس لامحدودیت کا تعلق جنت سے نہ نکلنے کی خواہش کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، لیکن اچانک معلوم ہوا کہ یکساں چیزوں سے آدمی میں تھک جانے یا اُکتا جانے کا جو جذبہ پایا جاتا ہے اسی کو پیش نظر رکھکر بتایا گیا ہے، کہ جنت میں جب صفاتی عجائبات کا ظہور کلمات رب کے ذریعہ سے ہر دن بلکہ ہر وقت بلکہ ہر لمحہ میں نو بہ نو تازہ بتازہ طریقہ سے ہوتا رہیگا تو پھر جنت کی زندگی سے اُکتانے کی آخر وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ حدیثوں میں اسی اجمال کی تفصیل مختلف تعبیروں کے ذریعہ سے کی گئی ہے جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

آدمی میں نئی نئی چیزوں کے دیکھنے کا جو بے پناہ جذبہ پایا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر کتنے ایسے ہیں جو اعزہ و اقارب سب کو لات مار کر دنیا کی سیر کے لیے نکل پڑتے ہیں لیکن چونکہ اپنے اس فطری جذبہ کا استعمال انھوں نے غلط طریقہ سے کیا اس لیے عموماً گھبرا کر جب گھر آتے ہیں، اور لوگ پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنی سیاحت کے دوران میں کن نئی چیزوں کو دیکھا تو میں نے دیکھا ہے کہ اکثر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ آخر وہی دن وہی رات وہی ستارے وہی آفتاب وہی زمین وہی آسمان جو یہاں ہیں آدمی جائے انکے سوا اور کیا دیکھے گا۔ دنیا میں چار آنکھوں والے آدمی یا تین ٹانگوں والی مرغیاں کہاں نظر آئینگی۔ مجبور ہو کر ان بیچاروں کو عموماً دروغ بیانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ ایک نئی چیز کے ذکر کے بعد انکے سفرناموں کی اکثر چیز دہرائی رہتی ہے۔ حال میں ایک سیاح سے جو سائیکل پر ہندوستان کا دورہ کر رہے ہیں گیلانی میں ملاقات ہوئی کلکتہ سے دلی تک انکے معلومات میں صرف یہ اضافہ ہوا تھا کہ پٹنے ہوتے انھوں نے دریائے سون کے شمالی پل کو الور کے قریب کی محرابوں کو گنا تھا، اور واپسی میں ڈیہری اون سون کے پل کے دروازوں کو شمار کرکے اپنے نوٹ بک میں درج کرکے اپنے سفر کی قیمت وصول کی تھی۔ اسکے سوا اس بیچارے کے پاس اور کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مئی اور جون کے اس مہینے میں سائیکل پر اس طرح مارے مارے پھرنا صحیح جذبہ کے غلط استعمال کا کتنا اچھا خمیازہ ہے۔ حالانکہ

دل من مسافر من کہ خدا اش یار بادا (اقبالؒ)

کتنے عجیب عوالم اور کتنے عجیب ممالک کا سفر آدمی کے سامنے ہے، چاہے تو آرام و آسائش کے ساتھ اس سفر سے لذت اندوز ہو سکتا ہے اور چاہے تو اپنے اس سفر کو صرف دکھ درد تکلیف و مصیبت کی دوزخ بنا سکتا ہے۔ پورا پروگرام منزلوں کی تفصیل، ہر موڑ پر بھی تختیاں لگا دیے گئے ہیں جسکا جی چاہے ان ہدایت ناموں سے نفع اُٹھائے اور جسکا جی چاہے اسکو ٹھکرا کر قدرت اور قدرت کے قوانین کی ٹھوکر کھاتا رہے، سفر سے گریز تو ممکن نہیں ہے، جسنے آج سے چالیس بیالیس سال پہلے مجھے اچانک قدرتی قوانین کے اس نظام میں لا کھڑا کیا ہے وہی یوں ہی ایک نظام سے دوسرے نظام تک میں منتقل کرتا ہوا چلا جائیگا۔ جس طرح اس دنیا میں آنے سے ہم اپنے آپ کو روک نہیں سکتے تھے، آیندہ بھی ہم اپنے کو کہیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ میں نے اس اجمالی عریضہ کی کچھ تشریح کرنے بیٹھا تھا لیکن پورا مضمون ہی ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے سخت بیزار ہوں جو یورپ کے سائنس نما علمیات فروغ مشاغیہ سے متاثر ہو کر مجاز و استعارہ کی چادر اوڑھ کر "الجنۃ والنار" کے متعلق قرآنی الفاظ کی لفظی تصدیق کے ساتھ معانی کی تکذیب پر مصر ہیں۔ العیاذ باللہ ان میں سے بعضوں کا اصرار تو

صدق کا مستقبل

خریداران و قدردانان صدق کی خدمت میں، اس سے قبل ۸ اپریل کو میری جانب سے ایک اعلان اس مضمون کا پیش کیا گیا تھا کہ صدق کو ہفتہ وار کرنے کے بعد اس کے مصارف کے پورا کرنے کے لیے خریداروں کی تعداد میں معقول اضافہ کی ضرورت ہے، اور جب تک یہ اضافہ نہ ہوگا صدق کا مستقبل سخت خطرہ میں رہے گا۔

اس اعلان کو شائع ہوئے تقریباً ڈھائی ماہ گزر چکے، لیکن افسوس ابھی تک خریداروں کی مطلوبہ تعداد پوری ہونا تو درکنار، اس کی نصف بھی پوری نہ ہوئی۔ علاوہ اسکے صدق کی نئی جلد کے آغاز کے ساتھ متعدد پرانے خریداروں کے وی پی واپس آئے، جنکا نقصان بھی دفتر کو برداشت کرنا پڑا۔ ایسی حالت میں صدق کا مستقبل پھر خطرہ میں ہے۔ جنگ کی وجہ سے کاغذ و دیگر سامان طباعت کی غیر معمولی گرانی کے باعث ملک کے مشہور اور نامی مالی ساکھ رکھنے والے اخبارات کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، غریب صدق تو اس گرانی کے اثرات کا اور بھی متحمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی آمدنی کا انحصار تمام تر خریداروں ہی پر ہے۔

خریداران و معاونین صدق کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر انکے نزدیک اس پرچہ کی زندگی ضروری ہے، اور اسکے مضامین کی اشاعت کو وہ وقت کے اہم فرائض میں تصور کرتے ہیں، تو انکو اپنی اولین فرصت میں اس کی توسیع اشاعت کی ہر ممکن کوشش عمل میں لانی چاہیے، اور ماہ جولائی کے اندر کم از کم ۲۵۰ خریداروں کا اضافہ بہرحال عمل میں آجانا چاہیے۔ بغیر اس مطلوبہ تعداد کی تکمیل کے آمد و خرچ میں عدم توازن اور مزید خسارہ کے متحمل نہ ہو سکنے کے باعث مجبوراً صدق کی اشاعت کو ملتوی کرنا پڑیگا۔

یہ اعلان بہت مجبور ہو کر، اور انتہائی مالی نزاکتوں سے متاثر ہو کر لیا جا رہا ہے۔ صدق نے اب تک ہر قسم کے خسارے برداشت کیے، و طلب منفعت کے مروجہ طریقوں سے بے نیاز و مستغنی رہ کر، خدمت دین کی امکانی کوشش کی، لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا ہے، حتیٰ کہ انھیں وجوہ سے ۲۴ / جون کے پرچہ کی اشاعت نہ ہو سکی، اور اسکے بجائے یہ پرچہ شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں خدا کے فضل سے امید ہے کہ میعاد معینہ کے اندر معاونین صدق اس تعداد کو پورا کر دیں گے، تاکہ انکو اس دین کی خدمت کرنے والے پرچہ سے محروم نہ ہونا پڑے۔

خاکسار مہتمم صدق، لکھنؤ

معاصرین اور اعزازی ناظرین کرام کی خدمت میں

صدق کی مالی دشواریوں کے پیش نظر (جو اسی اشاعت میں ایک [illegible]) کرنا پڑا ہے کہ جن معاصرین کی خدمت میں یہ پرچہ بغرض تبادلہ حاضر ہو رہا ہے انکی تعداد میں تخفیف کی جائے۔ امید ہے کہ وہ ہماری مشکلات کا اندازہ فرما کر ہمارے اس اقدام کو معاف فرمائیں گے۔

اسی طرح ان حضرات اور اداروں (جنکے نام صدق اعزازی طور یا رعایتی شرح پر بھیجا جاتا ہے) کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ انکی موجودہ میعاد کے خاتمہ کے بعد گنجائش نہ ہونے کے باعث نہ تو کسی کے نام اعزازی پرچہ جاری ہو سکے گا اور نہ رعایتی شرح پر۔

یہ اعلان اس وقت تک کے لیے ہے جب تک کہ صدق مالی مشکلات کے بھنور میں ہے۔

(مہتمم صدق۔ لکھنؤ)

(بقیہ صفحہ ۳)

دین میں لچک

"جس طرح آج ہم مسیحی عقیدۂ تثلیث اور ولادت بغیر والد کے عقیدہ کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں، جو موجودہ نسل کے مذاق کے مطابق ہے، اسی طرح ہمیں لازم ہے کہ ہر عقیدہ کو پیش کرنے میں جدید ترین تحقیقات سے مطابقت کا لحاظ رکھا کریں۔ مسیحیت کی تبلیغ میں ہماری یہ خصوصیت، مسلمانوں کی تبلیغ اسلام کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام کے عقائد میں احوال کے ماتحت ترقی کی گنجائش ہی نہیں۔ مسلمان مناظرین وقتی مصالح کا جتنا بھی لحاظ کریں، اس سے معذور ہیں کہ خود دین کے مسلمات میں کچھ رد و بدل کر سکیں" (مسلم ورلڈ نیویارک، اپریل سنہ ۴۰ء ص ۱۸۱)

کیا خوب ہے عقائد و حقائق کے اندر یہ لچک! مسیحی مبلغ کس فخر و سادگی کے ساتھ کہہ رہا ہے، کہ کیا ہمارا دین بھی مسلمانوں کا سا دین ہے، جس کے اندر کوئی ترمیم و "ترقی" ہو ہی نہیں سکتی، ہم تو ہر زمانہ میں، زمانہ کے ارتقاء کے دوش بدوش، قدم بہ قدم، اپنے "ترقی پذیر" دین کے عقائد و مسائل کو پیش کرتے رہیں گے! ——— بیشک اسلام یہ لچک اپنے اندر کہاں سے لا سکتا ہے! یہ ہمت تو تجدد ہی کو مبارک رہے، کہ حریف شکست خوردہ گر چالاک و پرفن حریف کے، ایسے ہی پست فقروں سے مرعوب ہو کر، جھٹ قرآن کے دین اور شریعت کے آئین میں کاٹ چھانٹ، ترمیم و تحریف، گوارا کر گئے، دنیا کے سامنے ایک "ترقی پذیر" و "ترقی یاب" اسلام پیش کرنے لگتے ہیں!

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:- مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

چندہ:- سالانہ للعہ ششماہی بیرون ہند سے سالانہ ... فی پرچہ ...

ہفتہ وار

صدق لکھنؤ

نمبر (۹) | دوشنبہ - یکم جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۸ - جولائی ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

ذیکا— یہ الفاظ کسی ... کے نہیں جو ان سطور کی تحریر کے وقت دارالحرب سے بپا ہے، اُس لڑائی کے خاتمہ کا ہے جو ۱۹۱۴ء سے لیکر ۱۹۱۸ء تک اپنی پوری ہولناکیوں اور قیامت خیزیوں کے ساتھ لڑی جا چکی ہے۔ اور ذکر کرنے والا کوئی بیرونی، کوئی اجنبی نہیں۔ خاص الخاص یورپ اور برطانیہ کا مشہور اہل قلم و صاحب فکر ایچ۔ جی۔ ویلز ہے۔ صلح کے وقت، معاہدہ ورسے کے وقت

"جنگ عظیم کے شروعات میں جو کچھ بھی فیاضیاں ظہور میں آئی تھیں، اس وقت تک انکا خاتمہ ہو چکا تھا۔ فاتحین کو صرف اپنے نقصانات کی فہرست یاد رہ گئی اور یہ نہ یاد رہا، کہ فریق ثانی پر بھی تو یہی گزر چکی ہے۔ جنگ کا واقع ہونا لازمی اور ناگزیر نتیجہ تھا یورپ کی متقابل قومیتوں کا، اور ان متقابل قوتوں کے اوپر کسی ترکیبی حاکم کے نہ ہونے کا۔ جنگ تو بالکل قدرتی اور لازمی نتیجہ ہے آزاد و خودمختار قومیتوں کا، جنکے رقبے چھوٹے ہوں اور فوجی وسائل زبردست ہوں۔ جنگ عظیم اگر اس شکل میں نہیں، تو اسی کے مثل کسی دوسری شکل میں بہرحال ظاہر ہو کر رہتی جس طرح بیس یا تیس سال کے بعد اسکا چھڑنا، اور کہیں زیادہ تباہ کن شکل میں چھڑنا، یقینی ہے، بشرطیکہ کوئی سیاسی وحدت اسے روکنے والی اس درمیان میں قائم ہو گئی۔" (ویلز کی "شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ" صفحہ ...)

اقتباس بالا کو ملاحظہ ہو، اور غور کے ساتھ لکھنے والا کہتا ہے کہ گزشتہ جنگ عظیم اس لیے نہیں برپا ہوئی کہ قیصر جرمنی پر جنون جنگ سوار تھا، یا برطانیہ اور فرانس کا فلاں وزیر یا روس کا فلاں امیر خون کا پیاسا ہو رہا تھا، خطا کسی خاص فرد، یا کسی پارٹی کی نہ تھی، خطا تھی تو صرف یورپ کے پھیلے ہوئے، مقبول و رائج، نظام قومیت کی یا اس نظام کی، جسکے ہوتے ہوئے، زمین کے بسنے والوں کا ایک ایک ٹکڑا، ایک دوسرے ٹکڑے سے الگ دکھائی دیتا ہے، ہر ملک دوسرے ملک کو اپنا حریف و رقیب سمجھتا ہے، ہر قوم دوسری قوم کے ساتھ مقابلہ و مسابقت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتی ہے۔ ہر خطہ زمین والا چاہا یہ کرتا ہے کہ رہیں تو ہم، بسیں تو ہم، راج کریں تو ہم، سربلند ہوں تو ہم، دولت کے خزانے زیادہ سے زیادہ سمیٹ سکیں تو ہم! —— اُس جنگ کو چھوڑیے، اس جنگ کو لیجیے۔ آج کا حال کل کے ماضی سے کچھ بھی مختلف ہے؟ آج کی انسان سوزیوں اور آتش افروزیوں کی تہ میں، بجز اس "وطنیت" و "قومیت" کے، کوئی اور جذبہ کارفرما ہے؟ —— وہی جذبہ آپ میں بھی محض دوسروں کی دیکھا دیکھی پیدا ہو چکا ہے، اور آپ اُسے اور زیادہ قوی ہی کرتے جاتے ہیں!

آگ آپ کی بہترین باندی ہے، بشرطیکہ آپ کے قابو میں رہے، اور آپ اُسکے قابو میں نہ آ جائیں۔ پانی آپ کا بہترین خادم ہے، جب تک آپ اُس پر حاکم ہیں اور وہ آپ پر حاکم نہیں۔ کھانا پکائیے، سردی میں گرمی حاصل کیجیے، پیاس بجھائیے، کشتی چلائیے، سارے کام آپ آگ اور پانی سے روزمرہ لیتے ہیں یا نہیں، لیکن وہی آگ اور پانی جہاں بے قابو ہوئے، کوئی کسر جلانے اور ڈبانے میں اٹھا رکھتے ہیں؟ —— وطن دوستی، وطن کے ساتھ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے، حیوانات تک اسکے حصہ دار ہیں۔ اسکو بس اسی درجہ میں رکھیے، اسکو بس اسکی جگہ پر رہنے دیجیے۔ اور چین اور سکھ سے زندگی بسر کیجیے۔ لیکن جہاں آپ نے اسکو حاکم بنا لیا، اسے اپنی زندگی کے نصب العین کی حیثیت سے پیش کرنے لگے، اپنی خلافت الٰہی کو بھول کر اس زمین پرستی پر

آ پڑا تو اُسے، سمجھ لیجیے کہ اُسی دن ایک عذاب الیم بھی آپ نے اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا۔ یاد رکھیے "عبرت و بصیرت کے سبب" نہ کہ تقلید و اتباع کے باعث —— ویلز بیچارہ، اپنی کم نظری سے کہتا ہے کہ مختلف قومیتوں کے اوپر کوئی اعلیٰ حکومت ترتیبی (فیڈرل) صورت میں ہونی چاہیے۔ ہماری زبان میں اسی کا نام تقویٰ الٰہی یا خوف خدا ہے!

فرانس کی شکست

"فرنچ فوج مقابلہ انتہائی بے جگری سے کر رہی ہے، لیکن حریف تعداد میں اُس سے کہیں زائد ہے"

۱۳ - جون کو تخلیۂ پیرس کے وقت اور اس کی توجیہ میں لنڈن ریڈیو سے کہا گیا۔

"تعداد فوج میں کمی، تعداد اسلحہ میں کمی، ترکیوں اور حلیفوں کی تعداد میں کمی، یہ اسباب ہوئے ہماری شکست کے"

مارشل پیتاں نے ۲۰ - جون کو بورڈو سے ریڈیو میں کہا۔ گویا فرانس کی شکست کا ایک سبب، اور بڑا سبب، خود فرانس کی زبانی سے یہ ہے کہ وہ کوشش کے باوجود میدان جنگ میں اتنے سپاہی نہ لا سکا، جو جرمن ٹڈی دل کا توڑ ہو سکتے۔ ایک بعض بیانات کے بموجب میدان جنگ میں جرمن اور فرنچ فوجوں کے درمیان تناسب دو اور ایک کا رہا ——

اپنی آبادیوں کو خود گھٹانے والے، اپنی نسل اپنے ہاتھوں قطع کرنے والے، مالتھس کے نظریات اور مس اسٹوپس کے "عملیات" پر فخر کرنے والے، ضبط حمل و تحدید ولادت کے لیے نت نئے آلات ایجاد کرنے والے، اب بھی اپنی آنکھیں اور اپنے کان بند کیے رہیں گے؟

مارشل پیتاں کے اسی نشریہ کا ایک اور حصہ بھی سننے کے قابل ہے:

"ہم اس جنگ کی شکست سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ ۱۹۱۸ء کی فتح کے بعد سے تعیش کا جذبہ ایثار کے جذبہ پر غالب آگیا تھا۔ لوگ دینے سے زیادہ لینے کی فکر میں پڑ گئے، اور محنت سے بھی جی چرانے لگے۔ نتیجہ یہ کہ آج مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا"

اس شکست نامۂ جنگ میں ہمارے آپ کے بصیرت و عبرت کے لیے بھی کوئی سبق موجود ہے یا نہیں؟

بے علم کی منطق

"کلام کا مفہوم اُس وقت تک متعین نہیں ہو سکتا جب تک نطق اس سے متعلق نہ ہو، اور نطق نام ہے مخصوص عضلات کی حرکت کا۔ اس لیے اگر ہم خدا سے کسی کلام کو منسوب کریں گے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے لیے نطق بھی لازم ہوگا جس کا تعلق کسی مادیات سے ہے" (نگار، جون ۴۰ء)

اسی لیے

"کلام مجید کو میں نہ کلام خدا نہ وحی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"

نتیجہ کو چھوڑیے، صرف استدلال کو دیکھیے۔ دلیل یہ ہے کہ چونکہ نطق نام ہے مخصوص عضلات کی حرکت کا، اس لیے خدا کو متکلم فرض کرنے سے اسکے عضلات مادی کا وجود، اور اس لیے خود اُس کا آدمی ہونا لازم آتا ہے! بہت خوب۔

لیکن اس منطق کو یہیں تک کیوں محدود رکھیے؟ کیوں نہ یہ کہیے کہ بصارت چونکہ نام ہے آنکھ کے مخصوص عضلات کی حرکت کا، اور سماعت چونکہ نام ہے، کان کے پردوں اور عضلات کے تاثر کا، اس لیے خدا کو بصیر کہہ سکتے ہیں نہ سمیع۔ اور چونکہ ارادہ نتیجہ ہوتا ہے انسان کے نظام عصبی کی فعلیت کا، اس لیے خدا کو صاحب ارادہ کہنا، اسکا صاحب اعصاب، صاحب دماغ وغیرہ ہونا تسلیم کرنا ہے، اور پھر چونکہ زندگی نام ہے، سانس کی آمد و شد کا اور قلب کی حرکت کا، اس لیے خدا کو زندہ کہنا، اُس کے لیے شرائین، خون اور آلات تنفس وغیرہ کا تسلیم کرنا ہے! اور اس طرح جتنی بھی صفات جمالیہ و کمالیہ آج تک اللہ تعالیٰ کے متعلق تسلیم کی گئی تھیں، سب سے ایک ایک کرکے انکار اسی طرح کیا جا سکتا ہے، اور پھر تمام اعراض و صفات سے معرّا محض ہوکر نفس وجود ہی کب ثابت رہ سکتا ہے؟ —— صاحب نگار کا یہ احسان کچھ کم ہے، کہ انکار، ابھی تک صرف صفت کلام سے کیا گیا ہے!

اسی سال قبل

ہنگامۂ ۱۸۵۷ء سے متعلق انگریزی میں ایک ضخیم افسانہ "مریم" کے عنوان سے ایک انگریز فلنتھورپ کے قلم سے ۱۸۹۶ء کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اُس میں ایک جگہ، شاہجہاں پور کی ایک مسلمان خاتون کی زبان سے اُس وقت کی فرنگنوں سے متعلق مکالمہ میں الفاظ یہ ادا کیے گئے:

"ارے توبہ، کوئی ان دیدہ پھٹ عورتوں کے پاس بیٹھے۔ بے مردوں کے ساتھ کے انکا گزارہ ہی نہیں ہو پاتا!" (ص ۲۰۱)

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ انکا جی اسی میں لگتا ہے کہ غیر مردوں سے ہنسے بولے جائیں، ناچے جائیں، گلے لگائے جائیں، اور نہیں تو غیر مردوں کے ہاتھ انکی کمر میں پڑے ہوں اور خود نیم برہنہ ہوں" (ص ۲۰۲)

اسکے آگے اور تصریحات ہیں، جنکا ان صفحات میں نقل ہونا دشوار ہے۔ اسکے چند صفحے بعد:—

"تم نے خوب کہی کہ میری لڑکیاں ان سے ملیں! ان کھلے منہ پھرنے والی فرنگنوں سے ملیں! جنکے ہر روز مرد ملاقاتیوں کی کوئی حد و حساب ہی نہیں۔ یہ کیا جانیں کہ غیر مرد کو دیکھ کر سر اور آنکھیں نیچی کر لینا کسے کہتے ہیں۔ اور پھر انکے ہاتھ کے ناخن کتنے نوکیلے ہوتے ہیں! جوں ہی یہ غیر مرد کے ہاتھ میں ہاتھ دیتی ہیں، اپنا ذوق و شوق اُس پر منتقل کر دیتی ہیں، اور شرم و حیا رخصت ہو کر رہتی ہے۔ اُن سے مجھے ملانا ہے تو یہی نہ کہو کہ یہ دودھ توڑ دوں۔ نہ بابا! میں باز آئی۔ میں تو کہتی ہوں کہ مردوں سے مل لے، لیکن نہ ملے تو فرنگنوں سے"! (ص ۲۰۸)

معلوم ہی ۱۸۵۷ء کے زمانہ کی ہے۔ خیالات وہ ہیں جو فرنگی نظام تمدن و اخلاق سے متعلق اُس وقت مسلمان شریف زادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ —— ترقیوں کا میدان اس اسی پچاسی سال کی مدت میں کہاں سے کہاں جا پہنچا! اُدھر وہ تمدن اپنی خصوصیات میں کتنا آگے بڑھتا رہا۔ اِدھر ہم اسکی مرعوبیت کا شکار کس درجہ ہوتے گئے!

میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد!

عجیب قدردانی

"ہم آج تخت طاؤس اور نقادوالے

عالمگیری پر توجہ دلانا مقصود تھا ہے، بلکہ فقط اُس حکیم کا تعارف مقصود ہے جو افلاطون کا ہم رتبہ! اُس سے بھی بلند تھا

علی سن ولی شناسم این گوہر دزدان حکمت را
افلاطون آہ گر بی دیدی بولانے کہ من دارم (التفہیمات)

امام عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ:- ارسطو نے افلاطون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے، الہ تانس وا انسان تالہ ہمارا خیال ہے یہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے علوے شان کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کو اپنے والد سے وہی نسبت ہے جو ارسطو کو افلاطون سے یا امام ابو یوسفؒ کو امام ابو حنیفہؒ سے حاصل ہو جاتی ہے۔"

الفاظ رسالہ نگار کے نہیں، ایک مشہور و معروف عالم دین کے ہیں، جو اپنے کو حکمت ولی اللّٰہی کے پروپیگنڈے کے لیے (تبلیغ کے لیے نہیں، پروپیگنڈے کے لیے) وقف کیے ہوئے ہیں، اس لیے کہ حضرت شاہ ولی اللہ تعالیٰ ہے کے دہلی کی خاک سے اُٹھے، اور اُسی خاک میں ملے، اور دہلی اسی محاسن و نشر میں ہے۔ تو مولانا تعارف اس حکیم کا کرا رہے ہیں، اور اس حکیم کی عظمت کا پیمانہ اُنکے ہاتھ میں یہ ہے کہ وہ

"افلاطون کا ہم پلہ یا اُس سے بھی بلند تھا!"

گویا رسولِ عربیؐ کے کسی نائب اجل اور خادم نامور کے لیے فخر و امتیاز کی سند اب یہ قرار پائی ہے کہ وہ یونان کے مشرک، عقلی آوارہ گردوں کے ساتھ مشابہت و مماثلت رکھتا ہے! اور اُس فرزندِ توحید کی "علوے شان کی طرف" بڑا سا بڑا اشارہ ایک دوسرے مشرک کے ان الفاظ میں ملتا ہے کہ "وہ خدا تھا جس نے انسان کا جنم لیا" یا انسان تھا جو خدا بن گیا! ——— دیوبند اور اہلِ سنت کو چھوڑیے، بریلی کے بڑے سے بڑے بدعتی اور "رہنما تمانی" کا تخیل بھی شرک نوازی کی ان بلندیوں تک پہونچا تھا؟

آزادوں کی غلامی

"دنیا کے ہر ملک میں خفیہ پولیس تو ہوتی ہے، لیکن اسکے علاوہ ایک اور پولیس خفیہ در خفیہ بھی ہے، جسکا پتہ بھی بجز ایک یا دو اعلیٰ افسروں کے اور کسی کو نہیں چلنے پاتا۔ اور جس کا کام انتہا سے زیادہ نازک و دشوار ہے۔ ممالک متحدہ (امریکہ) میں ایک مخصوص محکمہ ہے جسکا کام ہی صدر کی جان کی حفاظت کرنا ہے۔ محافظین کا یہ چھپا ہوا دستہ صدر کی نگہبانی، چوبیسوں گھنٹے، اس کی زندگی کے قدم قدم پر کرتے رہتا ہے۔ اس محکمہ کے لوگ، لندن، برلن، پیرس، روم اور دنیا کے ہر بڑے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں" (اسٹیٹسمین، ۱۶ – جون ۱۹۳۸ء)

جاسوسوں کی، خفیہ پولیس والوں کی نگرانی سے چپہ چپہ پر گھری ہوئی زندگی کس کی ہے؟ باڈی گارڈ کی چوکسی اور پہرہ داری سے بال بال بندھی ہوئی زندگانی کس کی ہے؟ یہ لمحہ لمحہ اندیشہ میں کس کی جان کی منائی حفاظتی بسر کر؟ ——— دنیا کے متمدن کے سب سے زیادہ آزاد ملک، قوم کے صدر کی!

با وجاہت اور فرماں روائی کبھی ہم نے بھی کی ہے۔ پوری پوری "ایمپائر" کبھی ہمارے زیر نگیں بھی رہی ہے۔ جاسوسی اور خفیہ طور و طریق سے بھی اُس وقت بھی نا آشنا نہ تھی۔ پھر کیا کبھی ابوبکرؓ خلیفہ اول کو اس سایہ میں آنے کی ضرورت پڑی تھی؟ کیا عمرؓ خلیفۂ دوم کے ارد گرد خفیہ گارڈوں کا جال بچھا رہتا تھا؟ کیا اموی فرماں روا عمر بن عبدالعزیزؒ کو خزانہ کا لاکھوں روپیہ اس مد میں صرف کرنے کی ضرورت رہا کرتی تھی؟ دونوں تمدنوں کا فرق کتنا واضح اور کیسا کھلا ہوا ہے!

عقل پرست کی بے عقلی

"الہام خداوندی کو کسی ایک یا ایک سے زائد مخصوص زبانوں میں محدود کر دینا، خدا کی صفت کو محدود کر دینا ہے۔ اور چونکہ صفات ربانی عین ذاتِ ربانی ہیں، اس لیے اس طرح گویا خدا کو محدود کر دینا ہوگا، جو عقیدۂ اسلام کے بالکل منافی ہے" (نگار، ماہ جون ۳۸ء)

نکالا ہوا نتیجہ "عقیدۂ اسلام کے بالکل منافی" ہو یا نہ ہو ——— کیا نگار کے خیال میں بھی معیارِ حقانیت، عقیدۂ اسلام سے مطابقت ہے؟ ——— مقدماتِ دلیل خود تسلیمات عقل کے کب مطابق ہیں؟ چونکہ خدا اسنے پیغمبر صرف خاص اور خاص حضرات کو بنا کر بھیجا، اس لیے وہ ساری مخلوقِ انسانی کو پیغمبر بنانے پر قادر نہیں؛ چونکہ ایمان نہ اسنے ہر زمانہ میں صرف ایک محدود تعداد میں رکھے ہیں، اس لیے خدا سب کو راہِ ہدایت دکھانے پر قادر نہیں! چونکہ خدا اسنے دن ہی کو روشن بنایا ہے، اس لیے وہ رات کو روشن بنانے پر قادر نہیں! چونکہ ابر ہی سے وہ بارش لاتا ہے، اس لیے بغیر ابر بارش پیدا کرنے پر قدرت ہی اُسے حاصل نہیں! غرض اُسکی قوت و قدرت پر تحدید تو قدم قدم پر ہے ——— یہ تاریخ دنیا میں آج تک کسی بڑے سے بڑے جاہل نے بھی نکالے ہیں؟

جاہل کا استدلال

"اس امر کا ثبوت کہ وحی کا تعلق کسی مخصوص زبان سے نہیں ہے، خود کلام مجید سے بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے، فاوحی ربک الی النحل ظاہر ہے کہ شہد کی مکھی پر عربی یا عبرانی میں تو وحی نازل ہوئی نہ ہوگی، بلکہ اس سے مراد مکھی کی وہ فہم و ذکاوت ہوگی جسکے زیر اثر وہ پھولوں کا رس جا کر چوستی ہے۔ کلام مجید کو بھی وحی کہتے ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اسکو بھی رسول کی فہم و فراست سے تعبیر نہ کیا جائے" (نگار، بابت ماہ جون ۳۸ء)

بے علمی کی منطق آپ نے دیکھ لی؟ چونکہ قرآن مجید میں لفظ وحی کا ایک جگہ استعمال شہد کی مکھیوں کے سلسلہ میں ہے، اس لیے اب جہاں جہاں، اور جس سلسلہ، جس سیاق میں بھی یہ لفظ آئیگا، اُسکے معنی وہی تمام رہیں گے! گویا ایک لفظ کے کئی کئی معنی و مفہوم نہ قرآن میں آتے ہیں، نہ لغت عرب میں، نہ اردو، انگریزی میں، نہ کسی زبان کے ادب میں! قرآن کی تفسیر و ترجمانی کا حق ایسے محقق کو نہ حاصل ہوگا، تو اور کس کو ہوگا!

نجوم کی خرافات

"کراچی سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہاں سول ہسپتال کے ایک ڈاکٹر بربید پال سے کسی جوتشی نے کہہ دیا کہ تمہارا مستقبل نہایت تاریک معلوم ہوتا ہے، کہ آج تک تم پر سخت مصائب نازل ہوں گی۔ اس دوران میں تم پاگل ہو جاؤ گے۔ اور اسکے بعد ملازمت سے برطرف کر دیے جاؤ گے۔ ڈاکٹر صاحب اس پیشگوئی سے اس قدر پریشان ہوئے کہ اُن کی نیند اڑ گئی۔ اور رفتہ رفتہ یہ پریشانی جنون کے درجہ پر پہونچ گئی۔ آخر ایک روز وحشت کا ایسا دورہ پڑا کہ اُنھوں نے خودکشی کر لی۔ ان کی جیب سے جو چٹھی نکلی ہے اُس میں اُنھوں نے صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ میں پاگل ہوں اور ملازمت سے برطرفی پر خودکشی کو ترجیح دیتا ہوں"۔

واقعہ اگر صحیح ہے تو نیا اور انوکھا نہیں۔ خدا جانے کتنے اچھے خاصے ہوش و حواس والے، پڑھے لکھے، ہر سال ایسے نجومیوں، جوتشیوں، رمالوں کے کہنے سننے میں آکر پاگل ہوتے رہتے ہیں، بیمار پڑتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے اپنا گلا کاٹ کاٹ کر رہتے ہیں۔

سنہ ۳۰ء میں لکھنؤ میں سید جالب مرحوم دہلوی (اپنے زمانہ کے مشہور روزنامہ ہمدم کے ایڈیٹر) ایسے عاقل و فرزانہ کہ دوسروں کو سیدھی راہ پر چلا دیں، لیکن جب اپنا وقت آیا، تو ایک بنگالی جوتشی کے کہے میں آ گئے۔ اُس نے کہا فلاں زمانہ، فلاں مہینہ، تمہاری زندگی کے حق میں بہت بُرا ہے۔ پیشگوئی سنتے ہی مرحوم پر دہشت سی طاری ہو گئی۔ بتلائے ہوئے وقت کے انتظار میں رہنے لگے۔ اور وقت آتے ہی ایسے بیمار پڑے، کہ پھر نہ اُٹھے۔ داد دیجیے نقاد کار آگہ و نکتہ سنجی و فطرت شناسی کی، کہ اُنھوں نے ایسے بیہودہ فن کے

سیکھنے سکھانے ہی کو سرے سے حرام قرار دیا ہے

لطف و تفریح سے سبق

انسانی طویل تاریخ کا یہ ایک ناقابلِ انکار سبق ہے کہ قومیں جب لطف و تفریح کی زیادتیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں یا انکے لطف و تفریح کے مشاغل انکی روزانہ زندگی میں ذہنی صلاحیتوں سے کوئی نسبت اور ربط قائم نہیں رکھ سکتے تو وہ زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ اسکی تازہ شہادت مارشل پیتاں نے اپنی حالیہ نشری تقریر میں فرانس کی تباہی کے ذمہ دار اسباب بیان کرتے ہوئے فراہم کی ہے۔ "سنہ ۱۹۱۸ء کی فتح کے بعد سے لطف و تفریح کا جذبہ قربانی کے جذبہ پر غالب آ گیا۔ اور باشندوں نے جتنا انہیں دیا جاتا تھا اُس سے زیادہ کا مطالبہ کیا اور جد و جہد سے اپنے کو بچائے رکھنے کی کوشش کی" (!!!)

اور اب تعلیمات جو مدارس میں ایسے "لطف و تفریح" کے مشاغل کو بڑھانے کے وسیلے ہو گئے ہیں، جن سے دماغی اور جسمانی صلاحیتیں فنا ہو جاتی ہیں — گانا، ناچ، مخلوط تعلیم، بے پردگی کی حوصلہ افزائی، مذہبی اور اخلاقی تعلیم سے لاپروائی، یہ سب ایسے ہی مشاغل ہیں — اور وہ تمام سرکاری اور خانگی ادارے جو رقص و سرود کی، جس سے صنفی جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں، حوصلہ افزائی کر رہے ہیں، اور وہ سارے نوجوان جو ملک و ملت کی خدمت کے اداروں کے باوجود ایسے اداروں کی طرف کھنچ رہے ہیں اور اعلیٰ اخلاق سے دور ہو رہے ہیں، مارشل پیتاں کے ان الفاظ کو غور سے سنیں۔

(رہبر دکن)

صدق نوازوں سے

دفترِ صدق سے پھر الحاح پر اطلاعات آ رہی ہیں، نوٹس پر نوٹس پہونچ رہے ہیں، کہ پرچہ کی مالیات کی زبوں حالی حد تحمل سے باہر ہو چلی ہے، اور کوئی صورت آمد و خرچ میں تطابق کی نہیں! اکثر اصحاب کو معلوم ہوگا کہ دوسرے اخبارات و رسائل کے بخلاف صدق کے مالیات کا بار مدیر کی ذات پر نہیں بلکہ مہتمم کی جیب پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اُنکی زیرباری کب تک گوارا کی جا سکتی ہے؟

بمبئی کے ایک مخلص نے بہت عرصہ ہوا، مشورہ دیا تھا کہ خسارہ کا بار پچیس روپیہ فی کس کے حساب سے چند صدق نوازوں کے درمیان تقسیم ہو جائے۔ یہ تجویز ۳۱- مارچ ۳۸ء کے پرچہ میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس پر عمل کی ہمت اُس وقت تو بالکل نہیں ہوئی تھی، اور اب بھی دل ہچکچا ہی رہا ہے۔ دہلی کے ایک مخلص کی طرف سے بھی پچھلے سال اسی قسم کی تحریک ہوئی تھی۔ اب مجبوراً اُس کا بھی تجربہ کرنا پڑ رہا ہے۔ صدق نوازوں کی جماعت میں اگر چند حضرات بھی ایسے نکل آئیں، جو چار روپیہ سالانہ کے سودے کو پچیس روپیہ میں خریدا کریں، تو ان شاء اللہ سالانہ خسارہ کا بڑا حصہ پورا ہو جائیگا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام، مدیر صدق خود اپنا پیش کرتا ہے، اور ایک نسخہ پچیس روپیہ کا خرید کرتا ہے۔ دوسرے کرم فرماؤں اور قدر افزاؤں کے اسمائے گرامی انہیں کالموں میں شائع ہوتے رہیں گے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ دفتر کی ضرورت فوری ہے، اس لیے عجلت بہرحال ضروری ہے۔ آج کا ایک حصہ کل کے دو حصوں کے برابر ہوگا۔

مہتمم صاحب کا اصرار عرصہ دراز سے اُجرتی اشتہارات کے قبول کرنے کے لیے ہے۔ اس عرصہ میں بارہا بیرونی تاجروں نے نرخ اشتہارات دریافت کیا۔ جواب ہمیشہ یہی گیا، کہ یہاں سرے سے گنجایش ہی اشتہار کی نہیں، شرح و نرخ کا کیا سوال ہے۔ اب پہلی بار اس وضعداری کو توڑ کر اجازت دینی پڑتی ہے، کہ ایسے اشتہارات، جو خلافِ شریعت و خلافِ تہذیب نہ ہوں، اُجرت پر قبول کیے جا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے اشتہارات اگر معمول ہونے لگے، تو حصہ مضامین جو یوں ہی مختصر تھا اب مختصر تر ہو کر رہیگا۔ لیکن پرچہ کی بقا و زیست کی خاطر یہ تلخ گھونٹ بھی حلق سے اتارنا ہی پڑ رہا ہے۔

نئی کتابیں

(۱) **تفہیمات** - حصہ اول - از مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، ضخامت ۳۵۲ صفحے - تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت عہ مجلد عہ - پتہ، دفتر رسالۂ ترجمان القرآن - مبارک پارک - لاہور

صاحب "ترجمان القرآن" مولانا ابوالاعلیٰ صاحب کا تعارف ناظرین صدق سے کرانا تحصیل حاصل ہے - انکی دقتِ نظر، نکتہ سنجی، بہترین خدمات دین کا ذکر ان صفحات میں بار بار آچکا ہے - پیش نظر رسالہ ان کے ۲۳ مضامین کا مجموعہ ہے، جو اہم دینی عنوانات پر انکے ماہنامہ میں وقتاً فوقتاً نکلتے رہے ہیں - عنوانات اس قسم کے ہیں:-

(۱) ہدایت و ضلالت کا راز

(۲) جہاد فی سبیل اللہ

(۳) آزادی کا اسلامی تصور

(۴) ایمان بالرسالت

(۵) قرآن اور سنتِ رسول

(۶) نزول عذاب الٰہی کا قانون

انداز بیان نیز طرز معنی کے بہت ہی سرسری و ناقص اندازہ کے لیے ذیل کا اقتباس، مضمون جہاد فی سبیل اللہ سے ملاحظہ ہو:-

"عموماً لفظ جہاد کا ترجمہ انگریزی زبان میں (ہولی وار) مقدس جنگ کیا جاتا ہے، اور اسکی تشریح و تفسیر مدت دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوشِ جنون" کا ہم معنی ہوکر رہ گیا ہے - اسکو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے، داڑھیاں چڑھائے، خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ جہاں کسی کافر کو پاتا ہے، پکڑ لیتا ہے، اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے، کہ بول لا الٰہ الا اللہ، ورنہ ابھی سر تن سے جدا کردیا جاتا ہے .... لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ مہربان ہیں جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجہ کی غیر مقدس جنگ میں مشغول ہیں - انکی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت اور اقتدار کے بھوکے، ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہوکر قزاقوں کی طرح ساری دنیا پر پل پڑے ہیں، اور ہر طرف تجارت کی منڈیاں، خام پیداوار کے ذخیرے، نوآبادیاں بسانے کے قابل زمینیں، اور معدنیات کی کانیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں، تاکہ اپنی حرص کی کبھی نہ بجھنے والی آگ کے لیے ایندھن فراہم کریں - انکی جنگ خدا کی راہ میں نہیں، بلکہ پیٹ کی راہ میں ہے۔ ہوس اور نفسِ امارہ کی راہ میں ہے"۔ (ص ۶۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ فہرست عنوانات سے نیز اقتباسات سے مباحث کتاب کی نہ جامعیت کا اندازہ ہوسکتا ہے نہ عمق و معنویت کا۔ کتاب عصر نامہ کے زہریلے اثرات کے حق میں بہترین تریاق ہے - اور آج اسلام کے اہم ترین مسائل کے باب میں، بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے دراندازوں نے، تردد و اضطراب کی جو فضا پھیلا رکھی ہے، اس سب کا جامع اور نہایت تشفی بخش حل ان صفحات کے اندر موجود ہے - اللہ نے دورِ حاضر کے فلسفیوں کے باب میں ابوالاعلیٰ صاحب کا سینہ خاص طور پر کھول دیا ہے، اور تجدد زدہ گروہ کے حق میں انکے قلم کی ایک ایک سطر آب حیات ہے - آئندہ مورخ جب کبھی اسلامی علم کلام کی مفصل تاریخ لکھے گا، تو کلامیات ابوالاعلیٰ کو یقیناً اس میں ایک ممتاز و اعلیٰ مقام ملیگا - اتنی گرانقدر کتاب کی قیمت کل ڈیڑھ روپیہ گویا بالکل مفت ہے - کاش ترجمہ ہوکر یورپ بھی یہ کتاب پہونچ سکتی!

(۲) **تاریخ ادبِ اردو** - مرتبۂ ادارۂ ادبیاتِ اردو - ۱۶۵ صفحے - قیمت ۱۲ر - پتہ، سب رس کتاب گھر - رفعت منزل - خیریت آباد - حیدرآباد دکن -

تاریخ ادب اردو پر جیسی مفصل و محققانہ کتاب ہونی چاہیے، وہ تو اب تک نہیں ہوسکی ہے، تاہم دو چار مختصر و محدود کوششیں اس باب میں جو ہوئی ہیں، اپنی اپنی جگہ غنیمت ہیں - اسی سلسلہ کی ایک کڑی پیش نظر رسالہ بھی ہے - طلبہ کی ضروریات کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے، اور اس مقصد کے لحاظ سے کامیاب ہے -

کتاب تین حصوں پر تقسیم ہے - حصہ اول، زبان اردو کی تاریخ اور ادب اردو کے آغاز پر ہے - حصۂ دوم میں دہلی، دکن، لکھنؤ اور پھر دہلی کے ادبی مرکزوں کی مختصر تاریخ آگئی ہے - حصۂ سوم، دَورِ جدید سے متعلق ہے، اور اسی میں اردو صحافت پر بھی تبصرہ ہوگیا ہے - دکن کی ادبی کوششوں کا ذکر قدرۃً ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے، باقی دہلی، لکھنؤ، وغیرہ کا تذکرہ بھی اختصار کی ان حدود و قیود کے اندر تشنہ نہیں رہنے پایا ہے - زندہ مصنفین کے کارناموں سے البتہ اسکے صفحات خالی ہیں -

(۳) **صراط الحمید** - جلد اول - از مولوی شاہ محمد الیاس برنی صاحب ایم اے - ضخامت ۳۵۲ صفحے - تقطیع ۱۸ × ۲۲ قیمت عار - پتہ، حکیم کمال احمد فاروقی صاحب - بیت السلام - سیف آباد - حیدرآباد دکن -

برنی صاحب کا یہ وہ مشہور سفرنامۂ حجاز و عراق و شام ہے، جو اول بار آج سے ۱۲-۱۳ سال قبل شایع ہوا تھا - اور اس پر بہت مفصل تبصرہ بھی اسی زمانہ میں سچ میں نکل چکا ہے - اب مولف کی نظر ثانی، ترمیم اور اضافوں کے بعد از سر نو شایع ہوا ہے - آخر میں ۴۶ صفحے کا مفصل ضمیمہ "قصۂ چہار درویش" کے عنوان سے (مولف اور انکے تینوں رفیقوں کی سرگذشت حیات) بالکل نیا

لہ نئی کتابوں کے پشتارے پیہم تھے، اور ناشرین و مصنفین کی طرف سے قدرۃً تبصروں کی جلدی ہو رہی تھی۔ دوسرے مضامین روک کر مجبوراً جلد جلد کتابوں کو نمٹایا گیا۔ اب بحمد للہ ذخیرہ قریب ختم کے آگیا ہے - ان شاء اللہ ایک یا دو قسطوں کے بعد کتابوں کے تبصرے زیادہ زیادہ ہفتے کے بعد نکلا کرینگے، اور مقالات و مضامین کے لیے جگہ۔

اضافہ ہے، اور اصل کتاب ہی کی طرح دلچسپ۔ آپ بیتی یوں بھی دلکش ہوتی ہے، اور پھر جب اُس میں ادب، انشا اور دردِ دل کی چاشنی بھی مل جائے، تو اس کی جاذبیت کا کہنا ہی کیا۔ فقہ و تصوف، جغرافیہ، سب ہی کچھ اس مجموعۂ اوراق کے اندر موجود ملیگا، گو برنی صاحب کی صوفیت انکی تمام دوسری حیثیتوں پر غالب نظر آئیگی، اور کتاب دلچسپ تو اتنی ہے کہ ایک بار شروع کرکے پھر چھوڑنے کو جی ہی نہ چاہیگا۔ ذاتی حالات اور دوستوں کے تعلقات و روابط کے سلسلہ میں نیز نذر و نیاز وغیرہ بعض رسوم کے سلسلہ میں یقیناً بعض مقامات دل میں کھٹک پیدا کرینگے، لیکن کام کی باتیں اتنی زائد ملتی ہیں، کہ پڑھنے والا مصنف کی رَو میں بہا چلا جاتا ہے اور ان کھٹکنے والے مقامات پر نظر کرنے اور ٹھہرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔

(۴) **مسجدِ اعظم** ۔ حصہ اول۔ از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ضخامت ۶۳۶ صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶۔ مجلد۔ قیمت ... پتہ، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام- لاہور۔

مشہور و معروف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی یہ مفصل سوانح عمری انجمن اشاعت لاہور کے ایک پرجوش رکن ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے قلم سے ہے، اور قدرۃً اس میں ہر جگہ وہ غلو موجود ہے، جو پُرجوش عقیدتمند سوانح نگار کے قلم اور زبان اور قلب میں اپنے پیر و مرشد کی عقل کل و ہادیِ سبل سے متعلق موجود ہوتا ہے۔ شروع میں فہرست مضامین بہت مفصل ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ترتیب عنوانات کسی اعلیٰ خوش سلیقگی کا نمونہ نہیں۔ حالات تاریخی ترتیب سے بیان ہوتے ہوتے درمیان میں غیر متعلق چیزیں آجاتی ہیں۔ آجکل پروپیگنڈا کا زمانہ ہے، اور سوانح نگار نے نفسیات بشری کو پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ پھر بھی کتاب کو پوری طرح موثر بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ بلکہ اگر پڑھنے والا عمیق نظر رکھتا ہے، اور سطور کے ساتھ ساتھ بین السطور بھی پڑھ سکتا ہے تو صاحب سوانح کی کمزوریاں اور لغزشیں بغیر کسی خارجی شہادت کے، خود اس پر واضح ہوتی جائیں گی۔ مخالفین سلسلہ کا ذکر سوانح نگار نے جس تلخ لہجہ میں کیا ہے، اور جیسی جیسی برائیاں انکی جانب منسوب کردی ہیں، انکے بعد، کتاب اگر تبلیغی حیثیت سے ناکام رہے، تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ علمی تحقیقات کا حصہ خصوصیت سے کمزور ہے۔ براہین احمدیہ جس کی اہمیت کا چرچا اس شدومد سے "احمدی" حلقوں میں ہوتا رہتا ہے، کہیں سے پتہ نہیں چلتا، کہ آخر اس میں کون سے عقلی یا نقلی دلائل درج تھے! یہ حصہ جون ۱۸۹۶ء تک سے متعلق ہے، باقی آٹھ سال کے سوانح غالباً حصہ دوم میں ہوں۔ کتاب بہرحال لکھی بہت محنت اور تلاش سے گئی ہے، اور جو لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں، کہ مرزا صاحب کی "روشن خیال امت" انھیں کس بہتر سے بہتر رنگ میں پیش کرتی ہے، انکے یقیناً کام کی ہے۔

(۵) **تاریخ گولکنڈہ** ۔ از جناب عبد المجید صاحب صدیقی ایم اے (استاد تاریخ جامعہ عثمانیہ) ضخامت ۳۵۰ صفحے۔ متعدد نقشوں پر ... قیمت ... پتہ، "سب رس" کتاب گھر خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

ہندوستان میں تاریخ اسلام کا ایک اہم باب تاریخ دکن ہے، اور اس عموم میں خصوصیت سلطنت گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان کو حاصل ہے۔ اس عہد کی تاریخ اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک خاص جزو ہے۔ ادارۂ ادبیات مستحق مبارکباد ہے کہ اُسکے حسن سعی سے ایک مستند تاریخ متوسط ضخامت اور خاصی تفصیل کے ساتھ، اس عہد کی اردو زبان میں وجود میں آگئی۔ جزئیات پر تحقیقی نظر کرنا اہل فن کا کام ہے۔ عام تبصرہ نگار کے نقطۂ نظر سے، کتاب کی عام خوبی اسکی سفارش کے لیے کافی ہے۔ مقدمہ کے علاوہ کتاب پانچ حصوں میں تقسیم ہے۔ حصہ اول سلطنت کی تاسیس میں، حصہ دوم سلطنت کے استحکام میں، حصہ سوم سلطنت کے عروج میں، حصہ چہارم سلطنت کے زوال میں۔ حصہ پنجم گولکنڈہ کے تمدن کے بیان میں۔ اور ان میں سے ہر حصہ متعدد ابواب میں تقسیم ہے۔ حصہ چہارم میں اٹھارواں باب "ہنادو کی سلطنت اور مادنا کی وزارت" پر، اور حصہ پنجم کا باب اکیسواں، سیاست و معاشرت پر خاص طور پر سبق آموز و بصیرت افروز ہے۔

(۶) **مکالمات حکمیہ** ۔ از حکیم محمد اسحاق صاحب۔ ۱۲۵ صفحے۔ قیمت ... پتہ، کتبخانہ حکمیہ (حکیم محمد اسحاق صاحب) وزیرآباد- پنجاب۔

رسالہ ہرمس اور فیثاغورث دو شخصوں کے درمیان، چھوٹے مکالموں پر شامل ہے۔ موضوع کلام و سیاسیات ہے، اور مصنف کا مقصد غالباً مکالمہ کے پیرایہ میں کلام، تصوف و سیاسیات کے مہمات عقائد و مسائل کی تعلیم دینا ہے، لیکن طرز بیان استعارہ منطق اور فلسفۂ قدیم کی اصطلاحات سے اس درجہ لبریز ہے، کہ اردو خواں میں شاید ہی کوئی اصل مطلب تک پہنچ سکے۔ بعض جگہ تو صاف یہ شبہہ ہونے لگتا ہے کہ تصنیف نہیں بلکہ کسی یونانی مکالمہ کا ترجمہ ہے۔ بہرحال جنھیں اس قسم کے دقیق مباحث سے دلچسپی ہے، امید ہے کہ انھیں اپنے لطف کا سامان اس رسالہ میں مل جائے گا۔

(۷) **ضمیر**۔ از جناب محمد عبد الرحمن خاں صاحب (سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ)۔ ۷۶ صفحے۔ تقطیع ۱۸×۲۲۔ قیمت ۱۲ر پتہ، مکتبۂ ابراہیمیہ۔ حیدرآباد دکن۔

کتاب درحقیقت ایک ناول ہے، جدید طرز زندگی کے اجتماعی و اخلاقی پہلوؤں سے متعلق، اور چونکہ اظہار خیال شروع سے آخر تک مکالمہ ہی کے ذریعہ سے ہوا ہے، اس لیے اسے ڈراما بھی کہہ سکتے ہیں۔ ڈراما کے افراد، لندن اور مشرق کے مقیم لندن، زن و مرد ہیں، اور گفتگو کی جائے وقوع انگلستان اور ٹرکی کے مختلف مقامات ہیں۔ ڈراما کا موضوع تمامتر اخلاقی اور اصلاحی ہے، حسن و عشق کی چاشنی بہت ہلکی بلکہ برائے نام ہے۔ نوعیت مباحث کے اندازہ کے لیے ذیل کا اقتباس کافی ہوگا۔ یہ تقریر ایک ہندوستانی طالب علم مقیم لندن، اپنے ترک دوستوں سے کر رہا ہے:-

"محض یہ سمجھ کر کہ ہم یورپ میں ہیں، ہماری سیاسی و معاشرتی زندگی بھی بعینہ یورپ کے دیگر اقوام کے مماثل ہونا چاہیے، اگر ترکی قوم اپنے آپ کو ہر خصلت میں یورپ کا تابع اور ہمخیال یعنی یورپ کا مطیع بنانا چاہتی ہے، تو سخت غلطی کرتی ہے۔

جس طرح محض لباس سے قومیت تبدیل نہیں ہو سکتی، اسی طرح دوسری قوموں کے سیاسی و معاشرتی طریقے محض انکی مشابہت کے لیے اختیار کرنے سے ایک قوم دوسری قوم کا مرد نہ و اقبال حاصل نہیں کر سکتی" (صفحہ ۹۲)

کتاب کے مصنف، دکن کے ایک ممتاز ماہر سائنس ہیں۔ انکے سے تعلیم یافتہ اصحاب کا یہ اصلاحی رنگ اختیار کر لینا، ملت کے حق میں فال نیک ہے۔ مصنف کے تبلیغی جوش و انہاک کا ایک ثبوت یہی کیا کم ہے، کہ کتاب کا انگریزی ایڈیشن بھی انھوں نے شایع کر رکھا ہے۔ جو حضرات انگریزی سے زیادہ مانوس ہوں، وہ انگریزی ایڈیشن طلب فرما سکتے ہیں۔

(۸) **باغ و لکش یا نغمۂ مسعود** - از جناب سید مسعود حسن صاحب مسعود، ڈپٹی کلکٹر، ۱۴ + ۱۸۹ صفحے۔ تقطیع چھوٹی قیمت اور پتہ درج نہیں۔ غالباً مصنف سے گھیم پور کھیری (اودھ) سے بہ آسانی مل جائے۔

مصنف ان معدودے چند خوش نصیبوں میں ہیں جنھوں نے سرکاری مشاغل کے ساتھ ساتھ، اور کچہری عدالت کے جھمیلوں کے باوجود اپنے مذاق سخن کو بھی زندہ رکھا۔ کتاب گویا انکا دیوان ہے۔ ص ۱ تا ص ۱۱۹ غزلیات ردیف وار درج ہیں۔ اسکے بعد دس بارہ صفحات نعت گوئی کی نذر ہیں۔ پھر آخر تک مختلف قطعات، نظمیں وغیرہ ہیں۔ شروع میں مختلف حضرات کے قلم سے تعارف، مقدمہ، تبصرہ ہے۔ اور خود مصنف کے قلم سے فن عروض اور فن شعر سے متعلق ایک مفصل مقدمہ "معلومات شاعری" کے عنوان سے ہے۔ مصنف کی ذہانت جگہ جگہ سے نمایاں ہے۔ اور انکا صحیح ذوق اور انکے جذبات ایمانی بہر صورت قابل قدر ہیں۔

(۹) **مول وہرم یا ملاپ کی کنجی** - (۱) ایک پیسہ کا ٹکٹ ۴۴ صفحے کا ٹکٹ بھیجکر اس پتہ سے بلا قیمت حاصل ہو سکتی ہے:- "آستانہ" ڈاکخانہ نفیر آباد۔ ضلع مشرقی خاندیس (بمبئی)

ظاہری مقصد اس چھوٹی سی کتاب کا ہندو مسلم اتحاد کا پرچار ہے۔ ابتدائی نظم "ملاپ کا منتر" کے عنوان سے اسی مقصد سے ہے۔ زبان بھی ہندی آمیز ہے، یعنی جہاں ذرا سا بھی مشکل اردو لفظ آ گیا ہے، بریکٹ میں اسکا ہندی مترادف بھی موجود ہے، اور کہیں اسکے برعکس بھی۔ یہ مقصد بھی کچھ برا نہیں، اور کتاب اس مقصد میں کامیاب بھی ہے، یعنی اتحاد مذاہب کے اصول جو کھول کر بیان کیے ہیں، وہ واقعی اتحاد پیدا کرانے والے ہی ہیں۔ لیکن صدق کے نقطۂ نظر سے تو اصل مسرت کی چیز یہ ہے، کہ وہی اصول درحقیقت عین اسلام کے اصول ہیں۔ اور اس لحاظ سے کتاب سیاسی سے بڑھ کر تبلیغی ہے۔ کتاب جوں جوں ہندوؤں کے ہاتھ میں جائیگی، ان میں نہ صرف سیاسی و قومی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کی تحریک پیدا ہوگی، بلکہ دین برحق کی صداقتیں بھی انکے اندر آہستہ آہستہ گھر کرتی جائینگی۔ مصنف کی نیت یہ ہو یا نہ ہو، نتیجہ تو انکی کتاب کے بغور پڑھنے سے یہی نکلتا ہے۔ اور اس لیے کتاب خوب پھیلائے جانے کی مستحق ہے۔

(باقی ہے)

رسید کتب

(۱) **فرہنگ اصطلاحات کیمیا** - پتہ انجمن ترقی اردو ضخامت ۱۱۰ صفحے۔ تقطیع ۱۸ + ۲۲۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، انجمن ترقی اردو دریا گنج - دہلی

کیمسٹری کی انگریزی اصطلاحات کا اردو ترجمہ۔ انگریزی حروف تہجی کی ترتیب سے۔ انجمن ترقی اردو کے بیش بہا کارناموں میں ایک اور اضافہ۔

(۲) **مشرقی کا اسلام** - ۳۰ صفحے۔ قیمت ۳ر پتہ، مولوی نصیر الدین، کتبخانہ یحیوی۔ مظاہر علوم سہارنپور۔

"مشرقی" مصنف "تذکرہ" و بانی "تحریک خاکسار" کے خیالات پر تنقیدی تبصرہ۔ آخر میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک قابل قدر مضمون معارف سے منقول ہے

(۳) **اردو ہندی** - از ایم۔ اسلم صاحب۔ ۴۸ صفحے۔ قیمت دو آنے۔ پتہ، ملک دین محمد اینڈ سنز تاجر کتب۔ بل روڈ۔ لاہور

جب ... دہلی۔ ریڈیو اسٹیشن سے کرائی ہوئی چند تقریروں کا مجموعہ ہندوستانی کے نام سے چھپا تھا، اور اسکا ذکر صدق میں نئی کتابوں کی ذیل میں چند ہفتے ہوئے آ چکا ہے۔ یہ رسالہ اسی کتاب پر ایک دلچسپ مفید و مفصل تبصرہ ہے۔

(۴) **دوشیزۂ صحرا** - ترجمہ صادق خیری صاحب ایم۔ اے ضخامت ۲۱ صفحے۔ قیمت ۸ر پتہ، کتبخانہ علم و ادب - دہلی

ایک فرنگی خاتون کے افسانہ "مقتول" کا عربی کا سلیس و شگفتہ ترجمہ۔

رسائل

(۱) **آواز نسواں** (ماہنامہ) ایڈیٹر منور جہاں بیگم وغیرہا - ۵۸ صفحے۔ قیمت بہ اختلاف کاغذ للعہ و عہ سالانہ۔ پتہ، لال کنوان، دہلی

ریویو کے لیے صرف ایک نمبر (جلد ۸، نمبر ۱۰) بابت اپریل سنہ ۴۰ء موصول ہوا ہے۔ اور جہاں تک اس ایک نمبر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، رسالہ زنانہ رسالوں میں مفید و سنجیدہ معلوم ہوتا ہے۔ راجہ غلام حسین مرحوم ایک زمانہ میں مولانا محمد علی مرحوم کے رفیق خاص اور کامریڈ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ آواز نسواں کی چیف ایڈیٹر، انھیں کی صاحبزادی ہیں۔

(۲) **اقبال** (ماہنامہ) ایڈیٹر، ظفر احمد صدیقی ایم۔ اے۔ ۲۰ صفحے قیمت للعہ سالانہ۔ پتہ، شبلی روڈ علیگڈھ

"اقبال - حلقۂ اقبال، علیگڈھ کی آواز ہے۔

اسکا مقصد ہے:-

علامہ اقبال کی پیام کی اشاعت۔

مسلمانوں کی زندگی کی تمام مشکلات کا حل اسلام کی تعلیمات میں تلاش کرنا۔ دینی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کرنا۔"

پیش نظر نمبر (جلد اول۔ نمبر ۲) اسی معیار کے مطابق ہے۔ مضامین تقریباً سب کے سب مفید اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ ایسے رسالہ کی توسیع اشاعت میں کوشش کرنا، اپنی مدد آپ کرنا ہے۔

مراسلہ

انجمن حزب اللہ

[مولوی شاہ نذیر احمد صاحب کی انجمن حزب اللہ کی اسکیم مختلف اخبارات میں شایع ہو چکی ہے۔ موصوف کے مراسلے بھی ہوئے ہیں۔ پر صدق نے مختصراً بعض مشورے پیش کیے تھے۔ موصوف نے اسکے بعد جو مراسلہ ارسال فرمایا ہے، وہ بجنسہ ذیل میں درج ہے]

جناب محترم مولوی صاحب

السلام علیکم۔ نقیر نے اسکیم "خانقاہ انجمن حزب اللہ کلکتہ" آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی، جواب بھی آپ کی طرف سے موصول ہوا تھا مگر جواب الجواب (جو ضروری تھا، بعض وجوہ کی بنا پر تحریر نہ کیا جا سکا۔ جو اب تحریر کیا جاتا ہے۔ جناب کا پہلا مشورہ کہ "اہل الرائے کا مشورہ مقدم رکھا جائے" بالکل صحیح ہے۔ لہٰذا اسکیم مذکور کے بنیادی محرکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انفرادی کام دین کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسے اسکیم کے عملاً پورے کار رہا نے سے جماعتی رنگ دیا جائے۔ اس لیے کہ فرد اکثر حالات میں کمی ضرورت کے پورے تقاضہ کو پورا کرنے کے بجائے نیک نیت ہونے کے باوجود بھی ایک محدود نقطۂ نظر پر چند افراد کو مجتمع کر کے بعض اوقات مفید سے زیادہ نامفید ہوتا ہے۔ ہمارے دین کی حفاظت، بقا کے سلسلہ میں فرد کا نہیں جماعت کا مطالبہ ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔

"بڑی بڑی چندہ والی اسکیموں کے تجربے تو "تلخ سی رہے ہیں"، جناب کے اس جملہ کے جواب میں گزارش ہے کہ ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی یونیورسٹی کا تصور ہے۔ جس میں متقدمین کے طرز پر ڈائرکٹ مجتہد پر نظری وعملی دونوں تعلیمیں دی جائیں، جو اقوام عالم اور امت مسلمہ کو نظر و استدلال سے نہیں بلکہ عمل و حال سے اور قوت یقین سے دین پیش کرے۔ زندگی کے پورے بین الاقوامی سوال پر عبور رکھتے ہوئے اس بین الاقوامی سوال کے کامل حل کی شکل میں آئین فطرت یعنی اسلام کو پیش کر سکے۔ آپ کا مدرسہ تنہا پرانا پرانا اور دین کو ایسے محض روایتی و تقلیدی رنگ میں تلقین کرنے والا واقع ہوا ہے کہ وہ موجودہ ذہن اور دین قیم کے درمیان وجہ تضاد بن کر حائل ہے۔ ضعف یقین کے باعث اور اس لیے کہ وہاں دینا کی بہت سی روایات کو ذہن میں بھر دینے سے آگے اور کوئی مقصد ہی پیش نظر نہیں حتیٰ الیقین پیدا کرنا دین کو عملی غذائے روح بنانا شاید مدرسہ کے تصور سے بڑی دور نکل گیا ہے۔ یونیورسٹی نے روٹی کے مسئلہ سے آگے بڑھنا ضروری نہ سمجھا۔ کوششیں اگر دونوں مسلکوں کو ملانے کی ہوئی بھی تو محض ایک محکمہ رسمی ضرورت کی پورا کرنے کی حد تک۔ محض بے یقین استدلال کی حد تک۔ اس سے کبھی دین زندہ ہو سکتا ہے؟

برادر گرامی، مرد مومن میں جب تک اتنا یقین نہیں آتا کہ وہ تصور کرے کہ زمین کا پورا گلوب اسکے سر پر رکھ دیا گیا ہے اور وہ اللہ اکبر کہکر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اسے لے کر کھڑا ہو گیا ہے، ہاں جب تک یہ یقین مرد مومن کے اندر نہیں آتا، وہ دین کی ضرورت کا پورا اندازہ کیا کریگا۔ یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ "کافۃ للناس" کہہ کر لوگوں کی عالمگیر حیثیت نہ حوصلہ کے سوائے سے پورا ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی فرمایا کرتے تھے جب تک کوئی شخص دیوانہ نہیں ہو جاتا تب تک اللہ کے دین کی خدمت نہیں کر سکتا۔

برادر گرامی اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ ایک وقت تھا کہ انسانی تاریخ مختلف ممالک کے مختلف اجزائے تاریخ کا نام تھی۔ مگر آج یہ منظر اب بدل گیا ہے کہ انسانی مکمل تاریخ قریباً ختم ہو کر صرف ایک بین الاقوامی برادری کا تصور گہرا ہو رہا ہے۔ تمام دنیا قریباً ایک ہی نقطہ نظر کی طرف آ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بے تار برقیوں، ریڈیو، ٹیلیفونوں اور ایسے ہی دیگر اسباب نے تمام انسانی تفکر و تدبر، تخیل و تصور کے طریقوں کو اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ اب کسی خاص ملک کا کوئی خاص نقطہ نظر قائم رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ یہ وقت امت مسلمہ کے لیے ایک ایسی تحریک کا ہے جو اسلام کے نظام اخلاقی و روحانی معاشرت و سیاست کی شکل میں پیش کرے۔ یہ اس کی ابتدا ہے۔

اب آپ سے یہ گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل اوقات کو پیش نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر مانگتے ہوئے اس اسکیم کو آگے بڑھائیں۔ دو صدیوں کی بے بصیری کے باعث تقلید کفار پر رضامندی، جاہ طلبیوں کی اطاعت، جاگیرداروں کی بے یقینی، امت مسلمہ کی عربیت و ترکیت، افغانیت و ایرانیت پر اسلامیت کے بجائے قناعت اور اقوام عالم کے لامذہب ہو کر عذاب میں گرفتار ہو کر ہل من سبیل الی الفلاح کی صدا، غرض سب پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جائے، لہجہ پیار احترام ہو وحشت و خشونت نہ ہو۔

سید ابو الاعلیٰ صاحب نے بھی کچھ نہ کچھ لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ باقی بھی کئی اہل قلم کے قلب میں اس یقین کو ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اور جاری ہے۔

اسکیم کے دو چار لاکھ روپئے کے پھیلاؤ کو ناقابل عمل مطلق تصور نہ فرمائیں۔ اصل مشکل یہ رفع کرنے کی کوشش فرمائیں کہ دینی نقطۂ نظر سے تدبر کر کے مندرجہ صدر ضرورت کے تمام پہلوؤں کو سمجھ لیں۔ آج اکثر اہل الرائے مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ دین کی حفاظت و اشاعت کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ کیا کرنا چاہیے اور کس جامعیت کے ساتھ، اسکے تمام پہلوؤں پر پوری نظر نہیں۔ ابھی گزشتہ سفر کے دوران میں فقیر کو یہ معلوم کرنے کا موقع ہوا کہ کئی جگہ ضرورت بالا کے بعض جزوں کو پورا کرنے کی شخصی مساعی عملاً بھی جاری ہیں مگر اس سے فقیر کے خطرات میں اضافہ ہوا اس لیے کہ اگر ان مساعی میں ایک جامع مرکزیت پیدا نہ کی جائے تو بڑا خطرہ ہے کہ دور عباسی کے متکلمین فرقوں کی طرح یہ مساعی کئی فرقے مستقبل میں بن جائیں۔ فردی کوشش اور وہ بھی محض استدلال سے اسکے سوائے کیا نتایج پیدا کر سکتی ہے۔

اللہم وفقنا لما تحب و ترضیٰ

دعاگو و دعا جو فقیر نذیر احمد۔ دفتر انجمن حزب اللہ
۱۳۵ پارک اسٹریٹ۔ پی۔ او۔ سرکس۔ کلکتہ

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" - مرشد آباد پیلس - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

کے قدیم مشرکوں کے قانون کو اپنے سر پر مسلط کر لیتے ہیں، اور کبھی ہونہار نئے جدید ملحدوں اور سفسطیوں کے آئین کے سایۂ عاطفت میں آ جاتے ہیں؟

ایک لغو مضمون

"دنیا کا کوئی فعل، محنت، بے اعتدالی، کا زیادہ بڑھنا، جھوٹ بولنا، یا گیت گانا، غرض کہ چوری ڈاکہ، شراب کے جام زہر کرنا، یا زاہد بن جانا، خدا تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنا، یا انکار کر دینا، مذہب کی مدح کرنا یا قدح، بزرگوں کی پند و نصائح کا شکار ہو جانا، یا گولیاں لگ جانا، کوئی چیز آپ کی صحت کو متاثر نہیں کر سکتی، جب تک کہ آپ اس کا خیال نہ کریں، یعنی خیال آپ پر چھا نہ جائے"

مضمون نیاز فتحپوری کا نہیں، ایک ایسے صاحب کے قلم سے ہے، جن کے نام کے شروع میں "مولوی" اور "حکیم" درج ہے، اور آخر میں "مولوی فاضل"، اور مضمون شائع کسی "نگار" یا "کلیم" میں نہیں، بلکہ دکن کے طبی رسالہ "حکیم دکن" کے اپریل نمبر میں ہوا ہے! ...... رسالہ کے مدیران اعزازی میں اسمائے گرامی جناب حکیم مقصود علی خاں صاحب اور حکیم کبیر الدین صاحب کے ہیں۔ کیا ان بزرگوں نے اس لغو نگاری (دینی، ادبی، اخلاقی، نفسیاتی، ہر حیثیت سے لغو نگاری) کو جائز کر دیا ہے؟ —— مضمون نویسی ابھی ختم نہیں ہوئی، ایک فقرہ اور ملاحظہ ہو:—

"اگر آپ کا خیال ہے کہ جھوٹ بری چیز ہے، اور آپ بولتے ہیں، تو اس کا اثر آپ پر ضرور پڑیگا۔ لیکن جس شخص کا یہ خیال نہیں، اور وہ صبح سے شام تک بھی جھوٹ کے دریا بہاتا رہے، اُسے کچھ بھی احساس نہ ہوگا"

گویا "ضرر پڑنا" اور "احساس ہونا" ان "مولوی فاضل" کے نزدیک باہم مترادف ہیں! —— اور کلیہ یہ ٹھہرا کہ حقائق اشیاء باطل ہیں، طبیعی اثرات کوئی وجود ہی نہیں رکھتے۔ نہ کوئی چیز صحت ہے نہ کوئی چیز بیماری، نہ کوئی نفع بخش چیز میں ہے نہ کوئی نقصان دہ چیز میں، نہ کوئی فرق ہے زندگی اور موت میں، وجود اور عدم میں! ساری کی ساری چیزیں بس خیالی ہیں، اور خیال کی محکوم و تابع!

طبی حقیقت نگاری اور دقیق نکتہ سنجی کے لحاظ سے ذیل کا پیراگراف بھی اپنی نظیر آپ ہے:—

"چائے، سگرٹ، برف، حقہ یا کوئی زہر آب آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اگر آپ کے خیال میں یہ چیزیں مضر نہیں ہیں۔ پانی آگ، ہوا، جس پر انسانی زندگی کا مدار ہے، کبھی انسان کی صحت کو متاثر نہیں کر سکتے۔ یعنی پانی کی زیادتی، آگ کی گرمی، ہوا کی کمی یا زیادتی آپ کے لیے اس وقت تک مضر رساں نہیں ہو سکتی، جب تک آپ کو ان سے اذیت کا خیال نہ ہو جائے"

گویا بیہوش اور سوتے ہوئے شخص پر گرمی، سردی، زہر، تریاق، کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہو سکتا! اور حکیم صاحب نے نہ جانے کس "خیال" کے ماتحت یہ لکھ دیا، کہ [illegible] زندگی کا مدار ہے۔ یہ مسئلہ بھی تو انکے اصول کے لحاظ سے تمامتر "خیالی" ہی ہے؟ —— اگر حکیم صاحب خود ان اصول پر کاربند ہیں، تو تعجب ہے ان مریضوں کی قسمت پر، جو انکے مطب میں حاضری دیتے ہوں!

اور ذیل کے فقرہ میں تو ان نیم حکیم نے عقلمندی، و عقل و زمانہ کا عطر نکال کے رکھ دیا ہے:—

"حضرت خلیل کا آگ بال بیکا نہ کر سکی۔ یہ واقعہ ہو یا جھوٹ، بہرحال آگ انسان پر اثر نہ کر سکے، ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ ہر انسان کا خیال اگر راسخ ہو جائے، تو نتیجہ اُس کے خیال کے مطابق ہی برآمد ہوگا۔ آپ اسے معجزہ کہیں یا کچھ اور، مگر اہل عقل اسے پختگی خیال کا نمونہ کہینگے"

خدا معلوم لوگ اپنے خیالات "جہل" کو "علم" کیسے سمجھنے لگتے ہیں!

دق اور نسائیت

"ٹیوبرکلوسس (عام فہم زبان میں، تپ دق) کا سب سے زیادہ شکار نوجوان عورتیں ہی ہوتی رہتی ہیں۔ اسباب کا علم نہیں۔ چند سال ہوئے نیشنل ٹیوبرکلوسس ایسوسی ایشن نے ۱۵۔ اور ۲۵ سال کی درمیانی عمر کی ۶۷۰ لڑکیوں کی سرگزشتوں کا مطالعہ کیا، جو صرف ایک سال کے عرصہ میں نیو یارک شہر میں مری تھیں۔ اس طرح کے مطالعے شہر ڈیٹرائٹ اور ولایت مشی گن سے متعلق بھی ہو چکے ہیں۔ یہ وفات پانے والی لڑکیاں عموماً متوسط الحال اور درجہ اوسط کی آمدنی رکھنے والوں کی تھیں۔ اس لیے ان کی موتیں افلاس کا نتیجہ نہیں کہی جا سکتیں، اور انکا صرف چند فی صدی حصہ کاروبار میں لگا تھا۔ اس لیے یہ خیال بھی قوی نہیں ٹھہرا کہ لڑکیوں کو حرفہ میں ڈال دینا، انکی صحت برباد کر دیتا ہے۔ سائنٹفک قیاس زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ لڑکیوں میں بلوغ کے وقت جو جسمی تبدیلیاں ہوتی ہیں، مع انکے صبر آزما جذباتی اثرات کے، انھیں جرثومۂ دق کا شکار خاص طور پر بنا دیتی ہیں"

(ریڈرس ڈائجسٹ، نیو یارک بابت جون [illegible])

پردہ کی مخالفت میں "روشن خیال" زبانوں سے بارہا آپ نے یہ دلیل بھی سُنی ہوگی، کہ پردہ عورتوں کی جان لے کر رہتا ہے، پردہ نشینیں ہی تو دق میں کثرت سے مبتلا ہوتی اور مرتی رہتی ہیں۔ اب خود امریکہ کی تحقیق ظاہر ہوتی ہے، کہ کثرت اموات کا تعلق پردہ سے نہیں، نفس نسائیت اور بلوغ نسائیت سے ہے! —— جس صنف کا بلوغ اتنے خطرات سے گھرا ہوا ہو، اُسے بے تامل اُس صنف کے ساتھ مقابلہ و مسابقہ میں ڈال دینا، جسکے بلوغ کو اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں، خدا معلوم اُسکے ساتھ کس معنی میں حق دوستی ادا کرنا ہے!

تندرستی اور بیماری

"مرض اگر بہت بڑھ گیا ہے، جب تو البتہ کوئی علاج [illegible]

۷. ما کان اللّٰہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ حتیٰ یمیز الخبیث من الطیب، وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء، فاٰمنوا باللّٰہ ورسلہ، وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم۔

اور یہ لوگ کفر کر رہے ہیں وہ ہرگز خیال نہ کریں کہ ہمارا انکو مہلت دینا انکے لیے بہتر ہے۔ ہم انکو صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ انکو جرم میں ترقی ہو جائے، اور انکے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

اور اللّٰہ ایمان والوں کو اس حالت پر چھوڑے رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک الگ نہ کرے ناپاک کو پاک سے۔ اور اللّٰہ مطلع نہیں کرتا غیب پر تم کو لیکن ہاں اللّٰہ انتخاب کر لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللّٰہ پر اور اسکے رسولوں پر، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو، تو تمہارے لیے ہے اجر عظیم۔

۸. ولا یحسبن الذین یبخلون بما اٰتٰھم اللّٰہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیٰمۃ وللّٰہ میراث السمٰوٰت والارض واللّٰہ بما تعملون خبیر۔

اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو بخل کرتے ہیں اس (کے خرچ کرنے) میں جو اللّٰہ نے اپنے فضل سے انھیں دے رکھا ہے، کہ یہ انکے حق میں کچھ اچھا ہے۔ بلکہ یہ انکے حق میں (بہت ہی) برا (ہے)، انھیں قیامت کے دن طوق پہنایا جائیگا اس مال کا جس میں انھوں نے بخل کیا تھا۔ اللّٰہ ہی کا اخیر میں رہ جائیگا آسمان و زمین۔ اور اللّٰہ کو جو کچھ تم کرتے رہتے ہو سب کی خبر ہے۔

۲۷ھ (لکو یہی طور یہ اعداد انکے کفر کی یادوش نیا)

۲۸ھ (اور اسلام کے دشمن ہیں خواہ علانیہ خواہ خفیہ)

۲۹ھ (اپنے آپ ہی نقصان میں رہیں گے)

۲۹ھ (از دیاد عمر و مہلت کے ساتھ ساتھ)

۳۰ھ یعنی مومنین و منافقین کے بیچ

۳۱ھ (طرح طرح کے امتحانوں اور آزمائشوں کے ذریعے)

۳۲ھ یعنی ایسی چھپی ہوئی چیزوں پر کہ فلاں منافق کون کون ہے۔

۳۳ھ (اے منافقو!) یہ منافقین کے جواب میں ہے، جو کہتے تھے کہ اگر یہ سچے پیمبر ہیں تو بھلا بتلا تو دیں کہ کون کون منافق ہے۔

۳۴ھ (بعض امور غیبیہ کی اطلاع کے لیے)

۳۵ھ (اپنے مصالح و حکم کے اعتبار سے)

۳۶ھ یہاں بھی حکم ایمان لانے کا تمام رسولوں (بہ صیغہ جمع) پر ہے۔ آسمانی [illegible] کی نظیر کسی اور مذہب میں ملیگی؟

۳۷ھ (صرف واجب کے موقع پر) ۳۸ھ یعنی ان کا شیوہ بخل۔

۳۹ھ (سانپ کی شکل میں)

۴۰ھ (اور وہی مالک الکل ہے) سو یہ لوگ درحقیقت بخل دوسروں کے مال میں کر رہے ہیں۔

۴۱ھ اسلیے اخلاص کا اہتمام قدم قدم پر رکھو۔

(بقیہ صفحہ ۳)

ہیٹ کی اہمیت

"خوش قسمتی سے اب یہ خیال مٹتا جا رہا ہے کہ دھوپ میں نکلنے سے لو لگ جاتی ہے۔ اب اس کا تجربہ ہوتا جاتا ہے کہ موسم گرما میں سپاہیوں کے تندرست رکھنے اور لو سے بچانے کا یہ طریقہ نہیں کہ انھیں بارکوں میں نو بجے دن سے پانچ بجے شام تک بند رکھا جائے، یا صبح سے شام تک سر ورکو بڑی بڑی ہیٹوں سے چھپائے رکھا جائے۔ بلکہ سپاہی دن بھر باہر رہ کر بھی معمولی محنت مشقت میں بسر کر سکتے ہیں بشرطیکہ معمولی تدابیر صحت پر عمل رہے۔" (اسٹیٹسمین۔ ۲۶ جون ۱۹۴۳ء)

اقتباس فوجی طبی کمیٹی کی ایک تازہ رپورٹ کا ہے۔ غنیمت ہے کہ ہیٹ کی اہمیت کے خلاف خود "صاحب" کی زبان گویا ہوئی۔ ورنہ اب تک "صاحب" سے بڑھ کر صاحب نما دیسی کی زبان پر ہیٹ کے وجوب کی سب سے بڑی دلیل یہی رہتی تھی کہ یہ گرمی میں ہندوستان جیسے ملک میں صحت کے لیے بہت ہی ضروری ہے اور صحت صرف سر و گردن [illegible] انگریزوں ہی کی نہیں، خود [illegible] ایک دوا کے لیے بھی بچکے! [illegible] ہیٹ کی صورت سے [illegible] اور بعد کبھی زندگی بھر لوگ نے بچے رہے!

گاندھی جی اور زکوٰۃ

"ہریجن" میں ایک سوال کے جواب میں کہ ہندوستان میں گداگری کا انسداد کس طرح کیا جانا چاہیے، گاندھی جی اس کا حل یہ لکھتے ہیں:—

"عوام کی مالی حالت میں مساوات پیدا کیا جائے۔ موجودہ وقت میں جو اونچ نیچ ہے اس کا ایک بھاری سوشل برائی کی صورت میں مقابلہ کیا جانا چاہیے۔ کسی زندہ سوسائٹی میں چند آدمیوں کے پاس سرمایہ اکٹھا ہو جانا اور لاکھوں کا بیکار رہنا ایک عظیم گناہ یا مرض ہے۔ جس کا علاج لازمی طور پر ہونا چاہیے۔"

پیغمبر علیہ السلام سے زکوٰۃ کے متعلق استفسار کیا گیا تو حضور نے فرمایا کہ یہ اس لیے ہے کہ "امیروں سے لیکر غریبوں کو دی جائے"۔ اکتناز یعنے سرمایہ کے ایک محدود حلقہ میں جمع ہو جانے کے متعلق قرآن حکیم کا یہ فیصلہ ہے کہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم (یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے جمع کر رکھتے ہیں ان کو دردناک عذاب کا پیام دے دے)۔ دولت کے صحیح مصرف کے متعلق قرآن حکیم کی تجویز یہ ہے کہ یہ قومی اور تعمیری کاموں میں صرف ہونا چاہیے۔

(ملاحظہ ہو صفحہ ۸ کالم ۲)

[illegible]

سرمایۂ اردو میں ایک قابلِ قدر اضافہ

"اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری"

(از عبدالماجد)

پڑھنے کے لیے جیسے چاہے جیسے لگے، بہرحال اردو کا سابقہ تو انگریزی کے ساتھ پڑ چکا اور تقدیرِ الٰہی کا یہ نوشتہ آج سے ڈیڑھ صدی ادھر پورا ہو چکا کہ اردو خوانوں کو کمائی اور پڑھائی میں، اوسط اور اعلیٰ امتحان میں، بڑی تجارت میں، وکالت میں، سرکاری اور نیم سرکاری عہدہ داری میں، غرض زندگی کے ہر شعبے میں مخاطب "دوست نگر" "صاحب" ہی کی زبان کا ہو کر رہنا پڑ گیا۔

حیرت ہے کہ ضرورت اتنی صریح اور واضح اور شدید بھی، مگر اب تک اردو میں کوئی قابلِ ذکر لغت موجود نہ تھا جس سے ہمارے انگریزی زبان کی طویل و عریض فرہنگ الفاظ ہی کی پوری پیمائش ہو سکے ۔۔۔ انگریزی کے کنایات، تلمیحات، محاورات، استعارات کا پوری طرح سمجھنا الگ رہا ۔۔۔ ایک ڈاکٹر فیلن کا لغت البتہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ رومن حروف میں چھپا ہوا۔ سو ظاہر ہے کہ انگریزی زبان اتنی مدت میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ بعد کے لوگوں نے تھوڑی بہت کوشش کی بھی تو کاروباری نقطۂ نظر سے اور ان کی ہمتیں بھی مدرسہ کے طلبا کی محدود ضرورتوں سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

ضرورت اور علمی حلقوں میں شدید ضرورت عرصۂ دراز سے چلی آ رہی تھی کہ انگریزی کا کوئی جامع، مبسوط نہ سہی اوسط ہی درجہ کا مفصل لغت اردو میں، اور اردو رسم الخط میں موجود ہو۔ مدتیں اسی آرزو میں گزر گئیں۔ آخر یہ جس جوان ہمت خادمِ اردو کے نصیب میں یہ سعادت ازل سے لکھی جا چکی تھی، اُنکے ہاتھوں یہ خدمت انجام پا کر رہی۔ مولوی عبدالحق اور اب ڈاکٹر عبدالحق بی اے ڈی لٹ۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو (نئی دہلی) کی ذات تو زبان کے ہر ایک کو روشناس کرانا "سورج کو چراغ سے دکھانا"! ایک عمر ہو گئی کہ اپنے کو خدمتِ اردو کے پیچھے فنا کیے ہوئے ہیں۔ فطرتِ الٰہی کی حکومت شعاری پر حرف آ جاتا اگر اتنی اہم و عظیم الشان خدمت انکے سوا کسی اور کے ہاتھوں انجام پاتی۔

آکسفرڈ انگلش ڈکشنری، اس وقت انگریزی زبان کا مبسوط ترین، جامع ترین، مستند ترین لغت ہے۔ اسکا ایک اختصار "شارٹر" کے نام سے ہے دو ضخیم مجلدات میں، اور پھر اس اختصار کا ایک "ایجاز" بھی "کنسائز" آکسفرڈ کے نام سے مکمل چکا ہے۔ اس موجز کے ایجاز کا یہ حال ہے کہ اسکی بھی ضخامت [illegible] صفحات کی ہے اور ہر صفحہ میں دو کالم۔ جملہ عنوانات (مستقل و ضمنی) کی تعداد لاکھ ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ پہنچتی ہے! ۔۔۔ ڈاکٹر عبدالحق کی ہمت اس پر مصروف اور توجہ اسی پر مستند ہو گئی کہ اس بحرِ ذخار کو اردو کے دامن میں سمیٹ لیا جائے!

کام نہ ایک شخص کے کرنے کا اور نہ چند روز میں ہو جانے کا۔ کام کا پہلا تقاضا یہ تھا کہ ایک پوری جماعت اہلِ علم و تحقیق کی ہوتی جو دوسرے مشاغل سے فارغ [illegible]

کا تعاون اور ہر طرح کی کتابوں کا ایک پورا "کتب خانہ" مہیا ہوتا، جب کہیں جا کر یہ جلیل کام کہیں انجام پا سکتا۔ اردو غریب کے نصیب میں یہ انتظامات کہاں؟ ہمت کا کمال دیکھیے کہ مولوی عبدالحق نے اپنے بیسیوں دوسرے علمی، تعلیمی، تصنیفی مشاغل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نظامت انجمن ترقی اردو کے دفتری کام کاج کے ہجوم میں "بار فارغ" "بیرون در" (OUT DOOR) دوڑ دھوپ کے ساتھ اس کام کا بھی بیڑا اٹھا لیا، اور وہی چار رفیقوں کی معیت میں اس مختصر سے سفر پر چل کھڑے ہوئے! اللہ نے وقت میں اور ہمت میں برکت دی۔ رفیق وہی ایک ایک، مگر خوب کام کے نکلے۔ خصوصاً جامعہ ملیہ کے ڈاکٹر عابد حسین۔ نتیجہ اس کتاب کی صورت میں ظاہر ہوا جس پر سرسری تبصرہ کی یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں۔

کتاب کا نام "اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری" ہے۔ ضخامت لمبی چوڑی تقطیع پر ۱۵۱۲ صفحات! اور کوئی ۲۵ صفحے دو ضمیموں کے اور ۲۰ صفحوں کا دیباچہ۔ کل ضخامت گویا ۱۵۵۰ صفحات کی۔ ہر صفحہ میں دو کالم۔ اردو کی چھپائی ٹائپ کی۔ ٹائپ جلی نہیں خفی ہے اس لیے گنجائش بہت زیادہ نکل آئی ہے۔ کاغذ اہتمام کے ساتھ باریک رکھا گیا ہے اس لیے کتاب ایک جلد میں سما گئی۔ ورنہ حقیقتہً پڑھنے کا مسالہ اتنا ہے کہ دو مجلدات سے کم کفایت نہ کرتے۔ دیباچہ کا اقتباس ملاحظہ ہو، اس سے ایک طرف تو فاضل مرتب کی کوششوں اور کاوشوں کا کچھ اندازہ ہوگا اور دوسری طرف کتاب کے کچھ خصوصیات بھی روشنی میں آ جائیں گے:۔

"کہنے کو تو یہ نظرِ ثانی تھی لیکن حقیقت میں از سرِ نو ترجمہ کرنا پڑا۔ شاید ہی کوئی لفظ ہوگا جو حک و اصلاح سے بچا ہو۔ بڑی احتیاط یہ کی گئی ہے کہ انگریزی لفظ کے لیے اردو لفظ، انگریزی محاورہ یا روزمرہ کے لیے اردو محاورہ یا روزمرہ، انگریزی مثل کے لیے اردو مثل اس طرح بٹھائی جائے کہ انگریزی کا صحیح مفہوم پوری طرح ادا ہو جائے۔ لفظ کی تشریح تو آسان ہے لیکن لفظ کے لیے ویسا ہی لفظ اور محاورہ کے لیے ویسا ہی محاورہ لانا مشکل کام ہے۔ بعض اوقات ایک ایک لفظ کے لیے بیسیوں کتابوں کے ورق الٹنے پڑتے تھے۔ بول چال یا عامیانہ الفاظ کے لیے اردو میں بھی اسی قسم کے لفظ تلاش کرنے پڑتے تھے۔ علمی اصطلاحوں کے لیے پیشہ وروں کی اصطلاحیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانی پڑتی تھیں۔ ایسی صورتوں میں اکثر اوقات کتابیں اور لغات کام نہیں دیتی تھیں۔

اسی طرح انگریزی الفاظ کے معانی کے نازک فرق بھی اردو مترادف الفاظ سے ظاہر کیے گئے ہیں۔ جن الفاظ کے مختلف و متعدد معنی ہیں، وہاں ہر معنی کا نمبر شمار دیا گیا ہے تاکہ معانی کا امتیاز صاف طور پر نظر آ جائے۔ اور ہر معنی کا فرق مثالیں دے کر ظاہر کیا گیا ہے۔ کیونکہ محض تشریح کر دینے سے نہ تو پورا مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور نہ اس کا صحیح استعمال معلوم ہوتا ہے۔"

(ص ۵ دیباچہ)

کام کی نزاکت اور دشواری کا اندازہ پڑھنے والا لگانے نہیں، لکھنے والوں
میں بھی صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جنھیں ... اب آپ ... بھی
لغت کے کام کا اتفاق ہو رہا ہے - تاہم عام خریدار بھی کام کی وسعت و
عظمت کا کچھ تو اندازہ کر ہی سکتے ہیں - اس کے لیے ایک دو نمونہ ملاحظہ ہو
انگریزی میں ایک آسان لفظ ABOUT ہے - اس ایک چھوٹے
سے لفظ کے دیکھیے کتنے معنی اور کتنے پہلو نکلتے ہیں -

(۱) اطراف میں چاروں طرف -
(۲) کسی مرکز کے گرداگرد - ادھر ادھر جیسے اپنے اردگرد -
(۳) کسی طرف - کسی رخ - آس پاس - دروازہ کے آس پاس
رہنا -
(۴) یہاں وہاں - ادھر ادھر - جابجا - ہر کہیں -
(۵) کم و بیش - تخمیناً - تقریباً - آس پاس - (تعداد پیمانہ یا درجہ کے
اعتبار سے -)
(۶) پھر کر - گھوم کر - پلٹ کر -
(۷) چاروں طرف - مخاطب ہو کر - ہر طرف پھر کر -
(۸) مشغول - مصروف - فکر میں -
(۹) متعلق - بابت - نسبت - بارے میں -
(۱۰) گھوم کر - چکر کاٹ کر - پھیر دے کر - گھوم گھام کر -
(۱۱) عنقریب - بالکل ہی - تقریباً - (ص ۲)

اس لفظ کے اصلی اور ابتدائی معنی تو وہی ہیں جو نمبر اول پر درج ہیں - باقی
تفرد میں دوسرے لفظوں کی ترکیب و امتزاج کے ساتھ، محاورہ میں جو جو
مفہوم پیدا ہو سکتے ہیں ان سب کی تشریح ص ۲ سے ص ۸ تک بیان ہوئی
ہے کتاب میں ان سب کے مقابل انگریزی کے بڑے پورے پورے فقرے
درج ہیں - یہاں نقل میں انھیں حذف کر دیا گیا کہ انگریزی عبارتوں کی چھپائی
اردو اخبار میں آسان نہیں -

ایک مثال تفحص و جامعیت کی اور دیکھتے چلیے - انگریزی کا ایک
لفظ POLE ہے جس کے دو معنی ہیں - ایک عام اور دوسرے اصطلاحی -
دونوں پہلے معنی میں عموماً تو بطور اسم استعمال ہوتا ہے - لیکن کبھی کبھی
بطور فعل متعدی بھی - اب اس لغت میں اس کے دونوں معنی عمومی و
اصطلاحی ملاحظہ ہوں - انگریزی لفظ کا عنوان مکرر دیا گیا ہے - عنوان اول
کے تحت میں :-

(۱) بانس - بلی (خیمہ) چوب - تار کا کھمبا
(۲) گاڑی کا بم
(۳) پول - ڈنڈا وغیرہ بطور پیمانہ ½ ۵ گز
(۴) بانس یا بلی کے ذریعے ڈھکیلنا یا سرکانا -

عنوان ثانی کے تحت میں :-

(۱) قطب (شمالی یا جنوبی) محور ارض کا (شمالی یا جنوبی) نقطہ،
جس کے گرد ستارے گھومتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں -
(۲) (ہندسہ) کسی کرہ کے دو دو نقطے جن پر کوئی دائرہ اس
کرہ کو قطع کرتا ہے - قطبین کرہ -

(۳) کوئی قائم نقطہ جس کی نسبت سے اور نقطوں کے محل کا تعین
ہو - ... - لفظ قائمہ
(۴) (طبع) مقناطیس کے دو مقابل نقطے یا مقناطیسی قوت کے ...
ہوتے ہیں - قطبین مقناطیسی -
(۵) برقی کارخانے یا مورچے کے منفی اور مثبت سرے -
(۶) (حیاتیات) کسی کروی یا بیضاوی عضو کے محور کا سرا -
(۷) (مجازاً) (جمع) ایک دوسرے سے متضاد اصول - اضداد - (ص ۹۸۳)

مقابل کے انگریزی فقرے یہاں بھی نقل میں نظر انداز کر دیے
گئے ہیں - سارے کتاب اول سے آخر تک تلاش و کاوش، جامعیت
ہر جہتی کے اسی رنگ میں لکھی گئی ہے - اور مستقبل کے اردو مترجموں اور مولفوں
کے لیے راستہ اس حد تک صاف ہو گیا ہے کہ اس کتاب کے قبل اس کا
تصور بھی مشکل ہی سے ہو سکتا تھا - الفاظ کی تشریح و تحقیق کے
نمونے کے لیے تو یہ مثالیں بالکل کافی ہوں گی، لیکن فاضل مرتب کا ایک
دوسرا کمال یہ ہے کہ حتی الامکان انگریزی ضرب المثل کے مقابل اردو
ضرب المثل اور انگریزی محاورہ کے مقابل اردو محاورہ کا التزام رکھا
ہے - انگریزی میں ایک مثل ہے AS STIFF AS A POKER.
لفظی معنی ہیں "ایسا سخت جیسے آگ کریدنے والی سلاخ" لیکن
اس لغت میں اس کے بجائے آپ کو اردو کی ایک مثل ملے گی "ناش
کے آٹے کی طرح اینٹھا ہوا" (ص ۸۸۹) یا انگریزی فقرہ
MAKE NO SIGN کے لیے "مس سے مس نہ ہونا" (ص ۱۱۳۹)

کتاب کی اصل غایت انگریزی خواں طبقہ اردو کی خدمت کرنا اور اسکو
نفع پہنچانا ہے - لیکن کتاب صرف انھیں لوگوں کی راہ ہموار نہیں کرتی جو
اردو میں انگریزی خیالات کو ترجمہ و تالیف کے ذریعہ سے لانا چاہتے اور انگریزی
تحریر و تقریر کو سمجھنا چاہتے ہیں بلکہ اس کتاب نے اردو میں بجائے خود
بہت سے نئے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے - اس لیے کہ انگریزی الفاظ
کی توضیح و تشریح میں مرتب نے محض موجودہ ہی فرہنگ الفاظ پر قناعت
نہیں کی ہے بلکہ جابجا نئے الفاظ بھی اپنی طرف سے تراشے اور نئی نئی
ترکیبیں ایجاد کر لیے گئے ہیں - عموماً ایسے الفاظ قوسین کے اندر حرف
"ج" (مخفف جدید) کے اضافہ سے پہچان لیے جاتے ہیں - اس قسم کے
بھی چند نمونے ملاحظہ ہوں -

IMPRESSIONABLE کے لیے "زود اثر" -
ص ۵۹۶ ک ۲ -
COLOUR BLIND کے لیے "رنگ دھا" "رنگن بھا (رنگ + اندھا)
ص ۲۰۶ ک ۱ - ABSENTEE کے لیے "غائب باش"
ص ۵ ک ۲ - AARD-VARK کے لیے "کھودسور" "زمینوک"
ص ۱ ک ۱ (زمین - خوک)

لغت اردو خوانوں کے لیے انگریزی الفاظ کے معانی کا آئینہ دار
ہے اس لیے تقدرتاً انگریزی الفاظ کے لفظ سے اسے سروکار نہیں،
تاہم جو الفاظ فرنچ، لاطینی وغیرہ کے انگریزی میں مکمل مل گئے ہیں
اور اس تقریب سے اس لغت میں بھی جگہ پا گئے ہیں (باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: (حکیم) عبد القوی
مضامین کے بارہ میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق اس پتہ پر لکھیے۔
مہتمم اخبار صدق - لکھنؤ

چندہ سالانہ [illegible]
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ [illegible]

صدق
لکھنؤ
ہفتہ وار

نمبر (۱۱) دوشنبہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۳ جولائی ۱۹۴۰ء جلد ۶

بدعہد مجرم

نیاز کا توبہ نامہ ۱۹۳۱ء میں

..... اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میرے یہ خیالات احترام اسلام و شریعت کے خلاف تھے۔ جن پر پشیمان ہوں، اس لیے میں اعلان کرتا ہوں کہ اب میں ان سے باز آتا ہوں۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ میری طرف سے ایسے مقالات کبھی شائع نہ ہونگے جن سے مذہبی شکایت کا سبب پیدا ہو۔ مجھے افسوس اور ندامت ہے کہ ان مضامین سے مسلمانوں کو صدمہ پہونچا۔ اور یہ یقین دلانے کے لیے میں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں، اپنے معاصی سے جناب باری میں اظہار برأت و استغفار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین .....

یہ اعلان معذرت، بغیر کسی تمہید یا زینت کے نگار کے آیندہ نمبر کی پیشانی پر اس طرح شایع ہوگا کہ کسی پہلو سے کسی پرچے علیحدہ نہ ہوسکے، اور ساتھ ہی اتنا نمایاں ہو کہ ہر پڑھنے والا اسے بہ آسانی پڑھ لے۔

اس اعلان معذرت کو مسلمانان لکھنؤ یا دوسرے مسلمان جس طریقہ پر مناسب سمجھیں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے علم میں لانے کے لیے مشتہر کریں۔

نگار میں آیندہ سے کسی قسم کے مذہبی مضامین درج نہ کرونگا۔

واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

نیاز فتحپوری

منکرِ قرآن کی سزا

حکومتِ اسلامی میں

(مشہور محدث قاضی عیاض مالکیؒ کا فتوے)

وقال ابن القاسم فی المسلم اذا قال ان محمدا لیس بنبی او لم یرسل او لم ینزل علیہ قرآن وانما ھو شیئ تقولہ یقتل۔

(کتاب الشفاء - جلد ۲ - قسم الرابع - باب الاول - فصل ومنہ الثالث)

امام ابن قاسم عبد الرحمن مصریؒ، امام مالکؒ کے ایک مشہور رفیق نے کہا ہے کہ مسلمان کے بابت کہ جب وہ کہے کہ محمد صلعم نبی نہیں ہیں یا رسول نہیں یا (اللہ کی طرف سے) بھیجے نہیں گئے ہیں، یا یہ کہ ان پر قرآن (اللہ کی طرف سے بطریق وحی) نہیں اترا، بلکہ انھوں نے خود اختراع کرلیا ہے، تو ایسا شخص واجب القتل ہے۔

(شارح شفاء، ملا علی قاریؒ کا اضافہ)

وھو اجماع علیہ (جلد ۲ صفحہ ۳۲۸)

اور اس سزا پر سب (یعنی مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ و حنابلہ) کا اتفاق ہے۔

جاہل کا علم

[illegible]

کو سنیے .... مرداش ربا کی اس روایت اور اسلامی روایت کا پس منظر بالکل ایک ہے ... قرآن میں ابراہیم کے باپ کا نام آزر بتایا گیا ہے اور مرداش ربا کی روایت میں تیراہ ہے .... بعد کو لوگوں نے زیب داستان کے لیے بہت کچھ اضافہ کر لیا جو مرداش ربا اور کلام مجید کی روایات میں پایا جاتا ہے" (نگار، جون سنہ ۶۰ء، صفحہ ۶۲)

کیا قرآن نام ہے "زیب داستان کے لیے لوگوں کے گھڑے ہوئے قصوں کا"؟ بولہبی جسارت اور ابولہبی جہالت سے قطع نظر کیجیے۔ کیا کسی قرآنی روایت کی تکذیب اور تکذیب نہ سہی تضعیف کی یہ بھی کوئی دلیل ہے، دلیل قوی نہ سہی دلیل ضعیف سہی کہ وہ روایت پوری یا ادھوری دوسری قوموں کی الہامی کتابوں میں، تاریخوں میں، نوشتوں میں موجود ہے؟ کیا اس جاہل کے نزدیک قرآن نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ جو بھی روایت بیان کریگا، اُس کی تائید نہ کسی تاریخ سے ہو سکیگی، نہ اُس کی شہادت میں کوئی کتبہ پیش ہو سکے گا؟ پھر آخر یہ "مرداش ربا" کے نام کی رٹ کیوں لگی ہوئی ہے؟

اس کو بھی چھوڑیے۔ خود یہ مرداش ربا آخر ہے کیا بلا؟ نیاز اس منتر کو بار بار اس طرح جپ رہا ہے کہ گویا یہ کوئی گرز البرز شکن ہے کہ اسکے پڑھتے ہی نعوذ باللہ اسلام کا دماغ پاش پاش ہو جائیگا۔ لفظ کے معنی تفسیر اعظم یا تفسیر کبیر کے ہیں۔ کتاب عبرانی زبان میں ہے، ضخیم مجلدات میں، تخمیناً ڈھائی ہزار سال قبل کی لکھی ہوئی، علماء اسرائیل و شارحین توریت کے قلم سے۔ جناب "ملا" جو بار بار اس بے تکلفی سے اسکا حوالہ دے رہے ہیں، اس کتاب کو سمجھ کر پڑھ تو یقیناً چکے ہونگے۔ سمجھ کر نہ سہی بے سمجھے ہی کئی بار اسکی تلاوت سے مشرف ہوئے ہیں؟ تلاوت کو بھی جانے دیجیے محض زیارت کب اور کہاں نصیب ہوئی ہے؟ عبرانی زبان میں تبحر نہ سہی، "حرف شناسی" کی نوبت بھی کبھی آئی ہے؟ اصل عبرانی کو بھی چھوڑیے، ترجمہ کس زبان میں مطالعہ شریف میں آیا ہے؟ یونانی میں، لاطینی میں، جرمن میں، فرنچ میں؟ اچھا یہ بھی نہ سہی، انگریزی میں؟ انگریزی کی تعلیم بھی، حضور والا نے کس یونیورسٹی میں، کس کالج میں، اتنے دن کے لیے اتنی پائی ہے کہ علمی کتابوں کے مطالب، بے تکلف نہ سہی، با تکلف ہی سمجھ سکیں؟ اللہ کے ناشکر گزار بندہ! جس کتاب کا نام اس عبارت کے ساتھ ایک بار نہیں، پانچ بار لکھا ہے اور انگریزی اور اردو دونوں حروف میں لکھا ہے، کم از کم اُسکا صحیح املا تو کسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ تفسیری کتاب کو عبرانی میں "مرداش" نہیں "مدراش" کہتے ہیں، جسکا مادہ "درش" ہے — جتنا وقت اپنے ہاتھ سے اپنی "نلائقیت" کا ڈھول پیٹنے میں صرف ہوتا ہے، کاش اسکا کوئی حصہ واقعی حصول علم میں بھی صرف کیا ہوتا!

جہل مرکب کی مثال

"قرآن کو اس معنی میں خدا کا کلام کہنا کہ اُسکا ایک ایک لفظ خدا کی زبان سے ادا کیا ہوا لفظ ہے، محدود درجہ جاہلانہ عقیدہ ہے، جس سے ایک طرف خدا کے تصور وحدانیت کو صدمہ پہونچتا ہے اور دوسری طرف رسول کی عظمت کو" (نگار بابت جولائی سنہ ۶۰ء، صفحہ ۹۴)

یہ "محدود درجہ جاہلانہ عقیدہ" آپ سمجھے کیا ہے؟ یہ عقیدہ کہ قرآن خدا کا کلام ہے؟ دلیل پہلی یہ کہ جو خدا متکلم ہو، وہ واحد کیسے ہو سکتا ہے؟ واحد ہونے کے لیے تو خدا سے نطق کی نفی، خدا سے ساکت و صامت کا وجود ضروری ہے! دلیل دوسری یہ کہ رسول نے اگر اللہ کا پڑھایا ہوا سبق دوہرا دیا تو اس میں بات ہی کیا ہوئی۔ بات تو جب ہے کہ وہ خود اپنے دل و دماغ سے گڑھ کر کوئی تعلیم، کوئی دین، کوئی قرآن پیش کرتا! —— جہل مرکب کی اس سے بڑھ کر حیرت انگیز و عبرت انگیز مثال آپ کی نظر سے کہیں گزری ہے؟

"سچ پوچھیے تو یہ رسول کی عظمت کے منافی ہے کہ جو کچھ وہ کہے، وہ خود اُس کے دماغ کا نتیجہ نہ ہو" (صفحہ ۶۴)

"اگر قرآن کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف خدا کا بنایا ہوا ہے، تو پھر اس میں رسول اللہ کا کیا کمال ہے اور خود ان کے ذاتی شرف پر اس سے کیا روشنی پڑتی ہے؟" (صفحہ ۶۶)

"کہا جاتا ہے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا دنیا میں جواب نہیں، اور اگر کوئی خدا کا کلام کہا سکتا ہے، تو واقعی اسکو ایسا ہی فصیح و بلیغ ہونا چاہیے، لیکن اس سے رسول اللہ کی ذہنی بلندی یا قوت اختراع کیا ثابت ہوتی ہے؟" (صفحہ ۶۴)

گویا نیاز خاں رسول اللہ صلعم کی عظمت کے جب قائل ہونگے جب حضور کو سرے سے منصب رسالت ہی سے برطرف کر دیا جائے! —

جون کے مہینے کے متن کفر و ارتداد کی شرح در شرح جولائی کے مہینے میں آپ نے دیکھ لی؟

"میں سمجھتا ہوں کہ رسول کی عظمت کا اقتضا یہی ہے کہ قرآن کو انھیں کا کلام سمجھا جائے" (صفحہ ۶۵)

یعنی نیاز خاں بھی قرآن، محمد کے اپنی تصنیف کی بابت بالآخر وہی سمجھے، جو ابو لہب اور ابو جہل تیرہ سو برس پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے، اور جو ہر مارگولیس اور ہر راڈویل آج بھی سمجھے ہوئے ہے!

دلیل کا کمال

"میں واقعی مسلمان ہوں" (نگار بابت جولائی، صفحہ ۵)

یہ اُس نے کہا، جسے اصرار ہے اپنی کفریات کی اشاعت پر، اور جو برابر کہے جا رہا ہے کہ قرآن کلام الٰہی نہیں، تصنیف محمدی ہے۔ آپ خوش ہونگے کہ کہنے والے نے بہر حال کسی طرح اپنے مسلمان ہونے کا اقرار تو کیا۔ لیکن ابھی خوش نہ ہوجیے، متن کی شرح بھی اسی زبان میں حاضر ہے:

"آپ کو میرے اسلام کی طرف سے صرف اس لیے شبہ ہے کہ میرے عقائد عام عقائد سے علیحدہ ہیں، لیکن عام عقائد کا اختلاف ایک شخص کو اس جماعت یا قوم سے علیحدہ نہیں کر سکتا جس میں اس کا نشو و نما ہوا ہے۔ اس لیے جب تک میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں، دنیا میں کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ مجھے ملت اسلامی کے دائرہ سے خارج کر دے، خواہ میرے عقائد کچھ ہی کیوں نہ ہوں" (صفحہ ۶)

اب فرمائیے،

ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی!

نیاز محمد خاں صاحب بہادر کے "عقائد کچھ ہی کیوں نہ ہوں" وہ جو چاہیں کہیں، جو چاہیں کریں، جو چاہیں لکھیں، جو چاہیں چھاپیں۔ مجال ہے کسی کی کہ علم منطق، دین و شریعت کی روشنی میں اُن پر گرفت کرسکے؟ وہ پیدائشی مسلمان جو ٹھہرے! اُنکے معاملہ میں کفر و ارتداد کے معنی ہی کیا؟

"رہ گیا کفر و اسلام - سو اب یہ اصطلاحیں بالکل بے معنی ہیں اور صرف مولویوں اور پنڈتوں کے روٹی کمانے کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں" (ص ۵۲)

اسے چھوڑیے، کہ نگارخانہ کی رونق کن اصطلاحوں سے ہے، اور نیاز خاں صاحب کے "روٹی کمانے کا ذریعہ" کون سی اصطلاحیں بنی ہوئی ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ اتنے دلچسپ دجل کی مثال کہیں زمانہ سے آپ کو ملیگی؟

معیار کی غلطی

"مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں شروع ہوتی ہے...... تمام چیزیں روبہ زوال ہوجاتی ہیں۔ حکام ستمگار ہوتے ہیں۔ اتنے دنوں تک اور ہندوستان کو کوئی موقع اپنے کسی جدید فن کو ترقی دینے کا نہ ملا۔ اور اسی وجہ سے کوئی نمونہ ہندوستان کے فن مصوری یا سنگتراشی کا ہم لوگوں کے سامنے نظر نہیں آتا"۔

یہ ایک غیرمسلم "صاحب فن" کے قلم سے حال میں ایک اسلامی ادبی رسالہ میں شائع ہوا ہے۔ اس پر صاحب علم مسلمان ایڈیٹر نے ایک نوٹ دینے کی ضرورت محسوس کی:

"لایق مضمون نگار کو یہاں یہ اشارہ کرنا چاہیے تھا کہ برہمنوں کے دور کے آغاز کے ساتھ خود بخود فن سنگتراشی کو سخت صدمہ پہونچا۔ بودھ کی لاکھوں مورتیاں توڑ دی گئیں.... آج ہندوستان میں بے پڑھے لکھوں کا طبقہ ان بتوں کی بربادی کا ذمہ دار مسلمانوں کو سمجھتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اہل علم اس قسم کے بھی شکوک آہستہ آہستہ دور کریں"۔

آگے چل کر غیرمسلم آرٹسٹ کے قلم سے پھر یہ الفاظ نکلے ہیں:

"اورنگ زیب کے تخت نشین ہوتے ہی جہاں تمام فنون پر آفتیں آئیں، اس ضمن میں فن مصوری بھی شامل ہوگیا...... اورنگ زیب کے صوفیانہ مزاج نے اور ایسے فنون سے اسکی خاص نفرت نے اس فن کی تباہی میں پوری مدد پہونچائی"۔

اور یہاں مسلمان ایڈیٹر کو پھر اس پر اورنگ زیب کی طرف سے صفائی پیش کرنی پڑی ہے۔ بیان نقل کرنا صداقت سے خالی نہیں۔ ایڈیٹر کی نیک نیتی بالکل ظاہر ہے۔ مسلمان فرمانرواؤں کی [illegible] غیروں کی نظر میں اس سے متعلق [illegible] ثابت کردکھانا چاہتا ہے کہ مسلمان اپنے کسی دور میں ترقی یافتہ و روشن خیال قوموں سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ لیکن بنیادی غلطی یہیں سے تو شروع ہوتی ہے۔ یہ آخر کیوں فرض کرلیا گیا ہے، کہ ترقی کا صحیح معیار وہی ہے، جو غیروں نے سمجھ رکھا ہے، اور تصویر، موسیقی، نقاشی، وغیرہ کا شمار بھی قابل فخر علوم اور قابل عزت فنون میں ہے؟ اسلام نے انھیں تخیلات و تصورات پر ضرب لگائی تھی، اور اپنا فخر سنگتراشی کو نہیں، بت شکنی کو، تصویریں بنانے کو نہیں، تصویر مٹانے کو قرار دیا تھا۔ اور غیرمسلم جب اس قسم کے واقعات تاریخ اسلامی سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالیں، تو ان پر بجائے شرمانے، جھینپنے، اور خفیف ہونے کے، انھیں تو اور فخر و مسرت کے ساتھ بڑھ کر قبول کرنا چاہیے۔

"صدائے حرم" "کیا وہ قوم بھی آج زندہ قوموں میں شمار ہونے کا حق رکھتی ہے، جو اپنے مقدس مذہب کے مرکز اول میں ایک دینی و مذہبی یونیورسٹی بھی آج تک قائم نہ کرسکی"؟

سوال مکہ معظمہ کے مشہور و قدیم مدرسہ صولتیہ کے آنریری ناظم مولوی محمد سلیم صاحب نے کیا ہے، اور اپنے نقطۂ نظر سے مفصل جواب بھی، جامعہ حرم یا مکہ یونیورسٹی کی خصوصیات، اغراض و مقاصد سے متعلق اپنے جدید سالنامہ ماہنامہ حرم کے ۲۰ صفحات میں دیا ہے۔ جواب قابل عمل ہو یا نہ ہو، کم از کم پڑھ ڈالنے کے قابل تو ضرور ہے۔ اور سالنامہ بآسانی مہتمم دفتر مدرسہ صولتیہ، قرول باغ، دہلی سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

فتنہ نگار دس سال قبل

مولانا سید سلیمان ندوی کے مکتوب مورخہ ۱۹۳۱ء کے اقتباسات

"میں تقریباً دو سال سے اجمال و ابہام کے ساتھ، یعنی اس رسالہ یا اسکے ایڈیٹر کا نام لیے بغیر اُسکے خیالات کا جواب دیتا رہا ہوں....

میں نے اس دورہ پر آنے سے پہلے نیاز صاحب اور [illegible] صاحب سے نجی طور پر خط و کتابت کی اور انکے شبہات دور کرنے چاہے، مگر نیاز صاحب نے تو ایک خط کے بعد یہ کہکر پیچھا چھڑا لیا کہ پھر کبھی اپنے مفصل خیالات لکھونگا۔ مگر آج تک انکو فرصت نہ مل سکی۔ میں نے ملاقات کی خواہش کی، مگر اس سے بھی اعراض برتا گیا....

یہ تو ان تحریرات کا حال ہے جو صیغۂ راز میں ہوئیں۔ اس فتنہ کے سلسلہ کی طرف سے اب تک جس قدر ایسے مضامین لکھے گئے، جن میں کچھ بھی وزن کا حصہ ہے، معارف یا سچ نے اسکا جواب ضرور دیا ہے۔ اور لکھنؤ ہی کے ایک [illegible] میں خود ایک دفعہ اپنے تمام سنجیدہ دوستوں کے خلاف اس دنگل میں شریک ہوا، اور دو ماہی میں دو نمبروں میں اسکا جواب چھپوایا۔ اس سلسلہ کی بعض قسطوں کا جواب کچھ ندوی عزیزوں نے سچ میں دیا۔ لیکن سخیفانہ اور رکیکانہ تحریروں کے جواب سے ہم کو کھلا اعتراف ہے کہ ہم سب عاجز ہیں۔ اور یہاں اس فن میں عمر بھر کا کمال کیا ہے۔

اسلامی اخبارات کے بعض محترم ایڈیٹروں نے جو غالباً معارف و سچ ملاحظہ نہیں فرماتے، نیک نیتی سے علماء کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ان مضامین کے جوابات دیں۔ حالانکہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلسلہ کی ہر قسط کا جواب دیا جاتا رہا ہے، اور دیا جاتا رہیگا۔ لیکن جب کسی کو تحقیق مطلوب ہی نہ ہو، تو اسکا علاج کیا؟"

(سچ - لکھنؤ - ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

* سچ نمبر میں حضرت ندوی مرحوم کی مکتوب [illegible] ملاحظہ طلب ہے۔

[illegible]

سکت الفاظ، محاوروں اور ترکیبوں کی صحت کہیں کہیں نظرثانی کی محتاج ہے۔ نظم و نثر کے جو نمونے درج کیے ہیں، وہ غرض زبان دونوں کے لحاظ سے ایک شفیق اُستاد کی ضرورت پکار پکار کر بتلا رہے ہیں۔

(۴) **اساس انقلاب** — از مولانا منصور صاحب انصاری۔
(۵) **اسلامی حکومت کی تصویر** — قیمت ۸ر و ۳ر علی الترتیب۔ پتہ: کتب خانہ فخریہ۔ امروہہ گیٹ۔ مرادآباد۔

مولوی ابو محمد عبیداللہ صاحب عرف مولانا منصور صاحب انصاری آج سے ۲۰-۲۲ سال قبل مسلمانوں کے سیاسی اور انقلابی حلقوں میں اچھے خاصے مشہور تھے، اور ان کے نام کے ساتھ ہی ایک زبردست "افغانی" کی صورت نظروں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ اساس انقلاب یا مراقبۂ نماز انکا گویا صحیفۂ فکر ہے، جس میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر کی دعوت، نماز کو مرکز فکر قرار دیکر دی ہے، اور نماز کا حقیقی مفہوم اسی انقلاب کی تیاری بتایا ہے۔ اسلامی حکومت کی تصویر فارسی رسالہ حکومت الٰہی کا ترجمہ ہے اور اساس انقلاب میں جو فلسفۂ عمل پیش کیا گیا ہے، اسکا قانونی ضابطہ ہے۔ طرز فکر کی طرح مصنف کا طرز انشاء بھی خاص ہے، ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے دونوں رسالوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۶) **پانی کی کہانی** — از مولوی فیض محمد صاحب بی اے — ۵۲ صفحے — قیمتیں
(۷) **آبدوز سرنگ** — " — ۴۸ صفحے — درج نہیں۔ پتہ: ادارۂ ادبیات اردو۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

ادارۂ ادبیات کو حیدرآباد کی مفید ترین مطبوعات میں سے اس کی مطبوعات شعبۂ سائنس ہیں، جو عام فہم زبان میں ماہانہ ہی میں نکلنی شروع ہوئی ہیں۔ آبدوز سرنگ میں آبدوز کشتیوں کی پوری تاریخ، ان کی ساخت اور ترکیب، حملے اور مدافعت کے طریقے، اور سرنگ اور ان کا طبیعی عمل سب سارے بیانات ضروری تفصیلات کے ساتھ آگئے ہیں۔ سائنس کے طلبہ کے علاوہ اخبار بینوں کے حق میں بھی یہ ایک نعمت ہے۔ پانی کی کہانی اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور آسان زبان میں، اور اس لیے زیادہ کارآمد ہے۔ اس میں پانی کے متعلق سارے سائنسی مسائل خود پانی کی زبان سے ادا کیے ہیں۔ مثلاً میری مختلف شکلیں، میرے قدرتی منبع، نباتی زندگی سے میرا تعلق، حیوانی زندگی سے میرا تعلق، میرا اثر موسم پر، میرے اجزائے ترکیبی وغیرہ وغیرہ۔ سائنس کے مبادی سے دلچسپی رکھنے والوں، اور ان مسائل کو عام فہم زبان میں پڑھنے والوں سے بے تامل دونوں رسالوں کی سفارش کی جاسکتی ہے۔

(۸) **محمد حسین آزاد** — از جہاں بانو بیگم صاحبہ — چھوٹی تقطیع ۱۹۵ صفحے قیمت ۱۲ر۔ پتہ: ادارۂ ادبیات اردو، رفعت منزل، خیریت آباد، حیدرآباد دکن۔

آزاد کے سوانح اور کلام نظم و نثر پر تبصرہ دکن کی ایک خاتون کے قلم سے نکلا ہے۔ اصل مقالہ امتحان ایم اے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اسی کو اب مستقل کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ طالبعلمانہ کوشش کے معیار سے اچھا خاصہ ہے، لیکن مستقل تصنیف کی حیثیت سے پیش کرنے میں مزید اہتمام کی ضرورت تھی۔ طرز و تعریض اور اپنے پیشرووں کی تحقیر مصنفہ کے کتاب "ابحرل" بن کر رہ گئی ہے۔ غلو کی مثالیں بھی کثرت سے ملینگی۔ اسی طرح بیانات اور بیانات میں نمایاں خامیاں ہیں۔ مثلاً پہلے تو مولانا شبلی کے ایک زمانے کے مکتوب سے یہ فقرہ کھود کر نکالا ہے، کہ آزاد تحقیق کے میدان کا مرد نہیں، اور پھر اسکی تردید میں سند پیش کی گئی ہے، حالی کے مرثیۂ آزاد سے (ص ۱۶۵) یا مثلاً آب حیات کی زبان کی داد دینے کے موقع پر حالی، سرسید، نذیر احمد کے علاوہ، نقادان و موازنہ میں اکبر کا نام بھی خواہ مخواہ لے آیا گیا ہے (ص ۲۰۳)۔ زبان بھی نظرثانی کے بعد زیادہ بہتر بنائی جاسکتی تھی۔ نوشتہ اہل قلم کی ہمت افزائی یقیناً بہت ضروری ہے، لیکن اسے بھی ادب شناسی کے اندر ہی رہنا چاہیے۔ مصنفہ میں صلاحیت اچھی ہے، امید ہے کہ تجربہ و مشق کی پختگی کے ساتھ خیالات میں توازن پیدا ہو جائیگا، اور اس وقت وہ خود اپنی ان ابتدائی کوششوں پر کچھ زیادہ فخر نہ کرینگی۔

(۹) **نور ہدایت** — از ایم اسلم صاحب ۴۸ صفحہ قیمت ۴ر — پتہ
(۱۰) **سایہ بان** — " " " "
(۱۱) **ارمغان عرب** — " " " ایم اسلم صاحب۔ بارود خانہ۔ لاہور

تینوں اخلاقی و مذہبی کہانیاں سلیس و عام فہم زبان میں ہیں۔ نور ہدایت میں ایک صحابی رسول حضرت جلیبیب کی شادی اور شہادت کی کہانی موثر انداز میں درج ہے، ایمان کو تازہ کردینے والی۔ سایہ بان میں عہد نبوی کا ایک موثر واقعہ درج ہوا ہے۔ ارمغان عرب میں خلیفۂ ثانی حضرت فاروقؓ کے واقعات زندگی قصہ کے پیرایہ میں درج ہیں۔ تینوں کتابیں اس قابل ہیں کہ لڑکوں لڑکیوں کے علاوہ بڑے بھی مطالعہ میں رکھیں۔ مصنف پنجاب کے ایک کامیاب و مشہور افسانہ نویس ہیں، وہ جب تخیل میں حقیقت کا رنگ بھر دیتے ہیں، تو تاریخی واقعات تو بہرحال واقعات ہی تھے۔

(۱۲) **فلاح مسلم** — از جناب غوث شاہ صاحب قادری — ۲۰ صفحے۔ خود مصنف سے، بیت النور، چیچل گوڑہ، حیدرآباد دکن

فلاح اُخروی و دنیوی پر ایک دردمند صاحب علم قلم سے آیات قرآنی کی روشنی میں ایک بہترین مقالہ ہے، ہر صاحب ایمان کے پڑھنے کے قابل۔ علمی، جذباتی، سب ہی عناصر اس میں موجود ہیں۔ اگر آئندہ گنجایش نکل سکی تو اس قابل ہے کہ صدق میں اسکا بڑا حصہ اقتباساً شایع کیا جائے۔

رسید کتب

(۱) **تقویم ہجری و عیسوی** — از ابوالنصر محمد خالدی صاحب ایم اے، و پروفیسر محمود احمد خاں — ڈبل فلسکیپ ۲۰۵ صفحے — قیمت درج نہیں — پتہ: انجمن ترقی اردو، دریاگنج، دہلی۔

ہجری سنہ سے عیسوی سنہ نکال لینے کی جنتری سنہ ۱ھ سے سنہ ۱۴۰۰ھ تک مفید و کارآمد، ایک جرمن کتاب سے ماخوذ۔ اردو میں تقویم عامرہ کے نام سے مولوی محی الدین مرحوم جج ہائیکورٹ حیدرآباد دکن کی تیار کی ہوئی اس

نیاز اور زبانِ خلق

(۱) موتمر مسلم نوجوانان وطن کی مجلس عاملہ کا جلسہ بمقام شاہراہ عثمانی (حیدرآباد-دکن) زیر صدارت مولوی خلیل احمد صاحب نعمانی صدر موتمر منعقد ہوا۔ ارکین کی تعداد کثیر شریک تھی۔ مجلس عاملہ نے دو قرار دادیں باتفاق آراء منظور کیں جو حسب ذیل ہیں۔......

اسکے بعد موتمر نے دارالترجمہ کے مسئلہ پر تبصرہ کیا۔ اب جبکہ دارالترجمہ کی حیثیت ثانوی ہوگئی ہے "ناظر ادبی کی خدمت کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے یہ قرار داد منظور کی" "موتمر مسلم نوجوانان دکن کا اجلاس عاملہ اس افواہ پر اپنی تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ دارالترجمہ کے ناظر ادبی کی خدمت پر مسٹر نیاز فتحپوری کا تقرر کیا جانے والا ہے جنکے مذہبی رجحانات ہر طبقہ میں بنظر نفرت وحقارت سے دیکھے جاتے ہیں اور کسی طرح اس اسلامی مملکت میں کسی جگہ حاصل کرنے کے اہل قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ موتمر کی یہ غور کردہ رائے ہے کہ اس خدمت پر جامعہ عثمانیہ کے کسی ایسے فارغ التحصیل کا تقرر کیا جائے جو اپنی ادبی خدمات کے لحاظ سے اپنی مادر جامعہ کے نام کو روشن کرتے رہیں۔

موتمر عوام مسلمین سے بھی پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ رسالہ نگار کا بالکلیہ مقاطعہ کردیں۔ نیز حکومت سرکار عالی سے توقع ہے کہ نگار کے داخلہ کو مملکت آصفیہ میں مسدود کردیگی جسکی پالیسی مسلمانوں کی مسلسل دل آزاری کا باعث رہی ہے۔ (دکن نیوز)

(۲) حیدرآباد-۳۰ امرداد-بتاریخ ۲۷ امرداد ۱۳۴۵ف روز سہ شنبہ مسلمانان دبیر پورہ کا ایک جلسہ ہوا جس میں حسب ذیل رزولیوشن منظور کیا گیا "رسالہ نگار ماہ جون ۱۹۳۶ء میں درج ہے کہ "کلام مجید کو میں نہ کلام خدا سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام سمجھتا ہوں" اس پرچہ میں اسی طرح کے اور بھی گمراہ کن مضامین ہیں۔ اس سے عام طور پر کم علم مسلمانوں اور طلبہ مدارس وغیرہ کے بد عقیدہ اور گمراہ ہونے کا سخت اندیشہ ہے لہذا یہ جلسہ اپنی مہربان اسلامی حکومت سے یہ استدعا کرتا ہے کہ رسالہ نگار لکھنؤ مرتبہ نیاز فتحپوری کا داخلہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں بند کیا جائے اس رسالہ میں عرصہ سے اس طرح کے دل آزاری کے مضامین تمام مذاہب کے خلاف شائع ہوتے ہیں" اس رزولیوشن کی ایک ایک نقل معتمد صاحب مجلس علماء دکن، صدر المہام بہادر امور مذہبی، صدر مجلس صاحب انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کی خدمت میں روانہ کی گئی اور اس فتنہ کے انسداد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ (دکن نیوز)

(۳) حیدرآباد-۳۰ امرداد-آج بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری معتمد مجلس علماء دکن نے "نحن نزلنا الذکر" القرآن" کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ ہر زمانہ میں منکرین قرآن پیدا ہوتے رہے اور اپنے اپنے کیفر کردار کو پہونچتے رہے۔ ان حشرات الارض کے شور وپکار سے اللہ کا نور نہ بجھا ہے اور نہ قیامت تک بجھے گا۔

وعظ کو جاری رکھتے ہوئے معتمد صاحب مجلس علماء دکن نے بیان فرمایا کہ مسلمانو تم یہ نہ سمجھنا کہ عمر ابن ہشام کے چیلے دنیا سے مفقود ہوگئے ماہ جون کے رسالہ "نگار" میں قرآن حکیم کے متعلق وہ ساری باتیں دوہرائی گئی ہیں جن کو انکے پیشرو نے کہا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ کھلے دشمنوں سے ملت بیضاء کو اتنا نقصان کبھی نہیں پہونچا جتنا کہ ان نام نہاد مسلمانوں سے جن کے قلوب عمر ابن ہشام کے ہمرداد عتبہ اور ولید کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں" مولانا نے دوران میں یہ بھی فرمایا کہ خدا کرے یہ خبر غلط ہو کہ اس دشمن خدا ورسول کو سلطنت اسلامیہ آصفیہ میں کوئی خدمت دی جا رہی ہے۔ ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ اس رسالہ نگار سے قطع تعلق کرے اور ارباب حکومت کو چاہیے کہ ایسے دل آزار پرچہ کو فوراً ممنوع الداخلہ قرار دے کر مسلمانوں کی عام بےچینی کو رفع فرمائیں۔

آخر میں موصوف نے وعظ کے اختتام پر کہا کہ مسلمانو! آؤ خلوص دل سے دعا کریں کہ حق تعالیٰ جلالتہ الملک آصف سابع کو بعید جاہ وجلال وبرکات وسلامت رکھے کہ جن کے عہد میمنت میں ہر قسم کے شرور وفتن سے ہم محفوظ رہیں اور حضور کی ذات گرامی حامل ملت بیضاء ہے۔ (دکن نیوز)

(۴) حیدرآباد-یکم شہر یور-ایک محضر جس پر مسلمانوں کے متعدد دستخط ہیں "دکن نیوز" کے نام بغرض اشاعت وصول ہوا ہے۔ محضر میں مسلمانوں نے حکومت سرکار عالی سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ رسالہ نگار کو ممنوع الداخلہ قرار دے۔ (دکن نیوز)

(۵) حیدرآباد-۲-شہر یور-معلوم ہوا ہے کہ رسالہ "نگار" کو حیدرآباد میں ممنوع الداخلہ قرار دینے کی کارروائی حکومت کے پیش نظر ہے۔ (دکن نیوز)

(۶) مجلس مشاورت دائرۃ الاصلاح کا یکم شہر یور کو بعد نماز عصر طریقت منزل چیلا پورہ منعقد ہوئی جس میں حسب ذیل قرار داد منظور کی گئی:—

"نیاز فتحپوری جو بظاہر مسلمان اور بحقیقت ایک پیکر طاغوت وکفر ہے اور جسکی تحریری گمراہیاں آئے دن فدایان شریعت مطہرہ کے زخمی دلوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہتی ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ مسلمان انکے قلمی فتنوں کو ایک ساعت کے لیے بھی برداشت کریں۔ کیونکہ ساڑھے تیرہ سو سالہ کی زندگی اس حقیقت کو واشگاف کرتی چلی آئی ہے کہ امت کو بیرونی دشمنوں نے اس قدر نقصان نہیں پہونچایا جسقدر اندرونی اور داخلی فتنوں سے۔ نیاز کا وجود، انکی تحریریں سب اسی دوسری قسم کے فتنوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ حمیت، غیرت، اور ناموس شریعت بیضا کی حفاظت مسلمان کی زندگی کا تنہا ثبوت ہے۔ پرستاران دین برحق کا فرض ہے کہ وہ اس امر کا ثبوت جلد از جلد دیں کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام یا قرآن حکیم کے خلاف کسی دریدہ دہن کے ایک حرف گستاخانہ کے سننے کی تاب نہیں رکھتے۔ انھیں چاہیے کہ وہ "نگار" کا پڑھنا، اسکا خریدنا یک لخت بند کردیں اور حکومت کو متوجہ کریں کہ تعلیمی اداروں میں نگار کا داخلہ فوراً بند کردیا جائے کیونکہ اسکے مطالعہ سے نئی نسل کے گمراہ ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ آخر میں حکومت کے ارباب بست وکشاد کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر نیاز کو سلطنت اسلامیہ آصفیہ میں کسی خدمت پر مامور کرنے کا خیال ہے تو وہ اسے بخیال احترام اسلام ترک فرمادیں۔ جو دشمن دین اپنی گستاخیوں کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے، سے ایک اسلامی سلطنت کیوں پناہ دے جسکا شعار اب تک حرمت اسلام پروری ہے۔ - از ترجمان الحکمہ

دشمنِ ایمان نگار

(۳) حق ۔ (لکھنؤ)

نیاز صاحب فتحپوری کا قلم اسلام اور معتقدات اسلامی کے بارے میں آج سے نہیں عرصہ سے اپنی خرافات نگاری میں ضرب المثل ہو چکا ہے لیکن جون ۱۹۶۲ء کے نگار میں تو انھوں نے کمال ہی کر دیا ہے۔ "آتش فرود" کے زیر عنوان انھوں نے صاف و صریح الفاظ میں قرآن مجید کے الہام ربانی و کلام خداوندی ہونے سے صاف انکار کر دیا ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ یہ انسان کا کلام ہے اور اس میں ہر قسم کی سُنی سنائی روایات جو تاریخی اعتبار سے غیر مستند ہیں درج ہیں۔ نیاز صاحب کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"۔۔۔۔۔۔

نیاز صاحب کے اس اعلان کے بعد ان کے اسلام و ایمان کی کیا کوئی دور سے دور تاویل کی جا سکے گی؟ اور انکا نام مسلمانوں کی مردم شماری کے رجسٹر میں کس حیثیت سے باقی رہ سکے گا؟ نیاز صاحب کو ہمیشہ سے جدت نگاری کا شوق رہا ہے لیکن افسوس کہ انکے اس دعوے میں کوئی ندرت و جدت نہیں۔ اسلام کے جتنے منکرین و معاندین گزرے ہیں، ابو جہل و ابولہب سے لیکر آج کے انگریز و دیگر متعصب مستشرقین سب یہی دعوے کر چکے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ ایک انسان کا ہے۔ ہاں نیاز صاحب اس لحاظ سے ضرور منفرد ہیں کہ انھوں نے اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے وہ دعوے کیا جو کسی بے راہ سے بے راہ مسلمان فرقہ کے کسی نام لیوا نے نہیں کیا۔

نیاز صاحب کے مضمون میں حسب معمول پیغمبروں کا ذکر بے ادبی کے انداز میں ہے۔ کہیں بھی کوئی تعظیمی لفظ انکے لیے نہیں لکھا گیا بلکہ محض رسول اللہ اور ابراہیم پر اکتفا کی گئی ہے۔ لیکن اس بے ادبی کی اس گستاخی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں جو اس مضمون میں آگے چل کر ظاہر ہوتی ہے۔ نیاز صاحب لکھتے ہیں:۔

"میں قرآن کی کسی حکایت کو محض اس بنا پر کہ اسے الہام خداوندی سمجھا جاتا ہے صحیح باور نہیں کر سکتا، کیونکہ الہام کا تعلق الفاظ سے مطلق نہیں۔ لیکن چونکہ میں رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بول سکتے تھے، اس لیے قرآن میں واقعہ ابراہیم کا پایا جانا اس امر کی دلیل تو ضرور ہے کہ رسول اللہ نے اسے جھوٹ نہیں بیان کیا، یعنی اپنی طرف سے گڑھ کے نہیں بیان کیا، لیکن اس کا اثر نفس واقعہ کی صحت یا عدم صحت پر نہیں پڑتا"۔

ایک طرف تو جناب نیاز مسلمانوں پر احسان کر کے (یا شاید اُن کے جوش سے مرعوب ہو کر) رسول اللہ صلعم کو بلند اخلاقی کا سارٹیفکیٹ عطا کرتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بول سکتے تھے، دوسری طرف ان کا دعوے بھی ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں بلکہ انسان کا کلام ہے اور ایسا کلام جس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتوں کو درج کیا گیا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر (نعوذ باللہ) کوئی جھوٹ ہو سکتا ہے کہ رسول نے اپنی تصنیف کو خدا کی طرف منسوب کر دیا اور قرآن میں ایک جگہ بھی اشارۃً یہ چیز نہ آنے دی کہ یہ میری تصنیف ہے۔ اس سے بڑھ کر کذب کی (نعوذ باللہ) مثال اور کیا مل سکتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ نیاز صاحب نے اس معاملہ میں بھی اپنے پیشرو ابوجہل و ابولہب وغیرہم کی تقلید کی ہے جو ایک طرف تو حضور مقبول صلعم کو "امین" بھی کہتے تھے اور دوسری طرف انکے لائے ہوئے قرآن کو سحر، شاعری یا اسی قسم کے دوسرے انسانی کمالات کا نتیجہ ٹھہرا کر اسکے الہامی ہونے سے انکار کرتے تھے۔ ابوجہل و ابولہب کو ہر شخص کافر و منکر سمجھتا ہے لیکن آج ہمارے امین نیاز صاحب اپنے اسی دعوے کو لیکر اٹھے ہیں اور ساتھ ہی مسلمان ہونے کی ایک نقاب بھی چہرہ پر ڈالے ہوئے ہیں تاکہ اپنی تحریر کے ان عواقب سے محفوظ رہیں جو ایسے گستاخ نگاروں کو پیش آ کر رہتے ہیں۔

آج سے چند سال قبل نیاز صاحب نے صاف و صریح الفاظ میں اپنی اس قسم کی گستاخ نگاریوں پر اظہار ندامت کیا تھا اور ایک علیحدہ توبہ نامہ شائع کر کے امت اسلامیہ سے گڑگڑا کر معافی مانگی تھی۔ قوم کے حافظہ کو شاید انھوں نے بہت ہی ضعیف سمجھا ہے، یا شاید انکے نزدیک اب مسلمانوں کے دل سے حمیت اسلامی ختم ہو گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ نیاز صاحب کو اپنے اس اندازہ کی غلطی بہت جلد معلوم ہو گی۔ اور مقامات کا ذکر نہیں، خود لکھنؤ کے مسلمان باوجود اپنے شدید باہمی اختلافات کے اتنے بے حس نہیں ہو گئے ہیں کہ اس قسم کے "نفقہ کالم" والوں کی غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ انتہائی دلآزار تحریروں سے متاثر نہ ہوں۔ مسلمانوں کا ہر فرقہ اور ہر جماعت یقیناً اسکے خلاف اظہار ناراضگی کریگا۔

(۴) مدینہ

"علامہ" نیاز فتحپوری نے جون کے نگار میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا تھا

"کلام مجید کو میں نہ کلام الٰہی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"۔

یہ تحریر نگار کے صفحات اُلٹتے وقت سرسری طور پر ہماری نظر سے بھی گزری تھی، لیکن ہم نے اسے مطلق قابل اعتنا نہیں خیال کیا تھا کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ نیاز صاحب کے مشہور توبہ نامہ کے بعد اب مذہب کے متعلق اُن کے "اجتہادات" کی کوئی کوڑی نہیں اُٹھتی ہے اور انکی کسی بات کا نوٹس لینا حقیقت میں ضیاع وقت ہے لیکن معلوم ہوتا ہے ملک میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو نیاز صاحب کے اثر کے متعلق کچھ حسن ظن رکھتے ہیں یا اپنی غیرت ایمانی سے مجبور ہو کر مذہب کے متعلق انکے ہفوات کا بھی جواب دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ انھیں میں غالباً مولوی محمد اویس صاحب رفیق دار المصنفین بھی ہیں جن کا ایک طویل مضمون نیاز صاحب کے مذکورۂ بالا "الہام" کی تردید میں معاصر "زمزم" کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر ہمیں اس لحاظ سے تو خوشی ضرور ہوئی ہے کہ اس میں نیاز صاحب کے اوہام و خرافات کی مدلل تردید کر دی گئی ہے لیکن اسی کے ساتھ افسوس بھی ہوا کہ انھوں نے خواہ مخواہ اپنا قیمتی وقت ایک ایسے شخص کا جواب دینے میں صرف کیا جو مطلق لائق اعتنا نہیں ہے اور جواب کے لیے بھی اُسکی وہ بات منتخب کی جسکا

ہوتا۔ چنانچہ میرے انتقال کے بعد میری تجہیز و تکفین عیسائی مذہب کے مطابق ہو۔"

چنانچہ دو سال بعد ۱۸۴۸ء میں واجد علی شاہ کے عہد میں جب مری ہیں تو

"حسب وصیت کوٹھی روشن الدولہ کے سامنے رومن کیتھولک گورستان میں دفن کی گئیں۔ مدفن کے اوپر ایک گول گنبد تعمیر کیا گیا، جو اب تک موجود ہے"

عہد جس شان کا تھا، عمر بھی اسی شان کی تھی ــــ آغاز جس ذوق و شوق سے ہوا تھا، انجام کفر و ارتداد پر ہوا! اور منافقت کی یہ حیرت انگیز حکایت ملت اسلامیہ کی ساڑھے تیرہ سو سالہ دراز تاریخ میں عبرت و درد کی پہلی یا آخری کہانی نہیں!

کام کی رفتار

علاقہ دور سے ایک مخلص کرم فرما تحریر فرماتے ہیں:

"انگریزی ترجمۂ قرآن کا حال بہت عرصہ سے صدق میں شایع نہیں ہوا۔ معلوم نہیں اب یہ کام کس منزل میں ہے"

بیشک بہت مدت سے اس باب میں کوئی اطلاع ان صفحات میں شایع نہیں کی گئی، کچھ تو اس لیے بھی کہ گنجایش نہ ہوگی، مگر زیادہ تر اس لیے کہ کوئی بات قابل اطلاع و گزارش تھی ہی نہیں۔ ٹائپ کا کام، کچھوے کی چال سے جس طرح جاری تھا، بدستور جاری ہے۔ ٹائپسٹ، دفتر صدق کے کوئی تنخواہ دار ملازم نہیں، محض ان کی مہربانی ہے، جو اپنی سرکاری مصروفیت سے کچھ وقت اس کام کے لیے بھی نکال لیتے ہیں، اور ایک قلیل معاوضہ انکی نذر کر دیا جاتا ہے (پورا معاوضہ دینے، یا پورے وقت کے لیے تنخواہ دار ٹائپسٹ رکھنے کی گنجایش ہی کہاں ہے؟) پھر سوء اتفاق سے ادھر وہ علیل بھی رہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان سطور کی تحریر کے وقت تک بیس پارے بھی پورے نہیں ہو پائے ہیں۔ یہ ۱۹۴۰ء تو بہرحال اسی کی نذر ہوتے نظر آتا ہے۔

پچھلے چار ماہ کی مدت میں جو رقوم اعانت اس مد میں قبول کی گئیں، حسب ذیل ہیں:-

ایک مخلص	(علاقہ دکن)	۵۰
ایک مخلص	(علاقہ مغربی ہند) علاوہ رقوم سابقہ	۲۵
ایک مخلص قومی کارکن	(علاقہ میسور)	
		۷۵

بنگال کی نقشہ نگاریاں اور انکے اسباب

ذیل کا مکتوب بنگال کی نقشہ نگاریوں سے متعلق مشہور شاعر حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کا لکھا ہوا ان کے نام کی تصریح کے بغیر دس سال ہوئے نکلا تھا۔ مرحوم کی زندگی میں ان کے نام کی اشاعت خلاف مصلحت تھی۔ اب چونکہ وہ مانع باقی نہیں، اشاعت انکے نام کے ساتھ کی جا رہی ہے:-

"یہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں، حقیقۃً یہ الحاد نہیں بلکہ محض نفس کی غفلت و سرشاری ہے۔ اس کے لیے فہمائش و تفہیم کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ ... محتسب ہمارے ہاتھ میں رہا ہوتا۔ اگر یہ ممکن ہو کہ ان لوگوں کی جیبوں سے وہ نوٹ نکلوا لیجیے جو گھوڑ دوڑ اور سنیما حال کی نذر ہو رہے ہیں، اور اس پاداش سے محروم کر دیجیے جس کی حرارت دماغ کو عیش و عشرت کے لیے ابھارتی رہتی ہے، تو خود بخود عقل آ جائیگی، اور مذہب کی اہمیت واضح ہو جائیگی۔ میں اس کا قائل نہیں کہ یہ لوگ بربنائے نافہمی اسلام کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور انکو کوئی علمی و عقلی مغالطہ لاحق ہوا ہے۔ ان پرستوروں میں کوئی بھی ایسا سعید نہیں ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہے نفس پرستی ہے اور بس۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تبلیغ کا یہ مضمون اور اسی طرح کے اور مضامین کا یہ انتظام کیا جائے کہ ہر شہر میں مفت تقسیم کیے جائیں، اور مسلمان اس طرح کے رسالوں بلکہ اس طرح کے اداروں کو مالی مدد بالکل موقوف کر دیں۔ اس کا نتیجہ ایک سال ایک ششماہی بلکہ ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پائیگا کہ عقل ٹھکانے ہو جائیگی۔ اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں جسکے سمجھنے کے لیے کچھ بہت عقل اور علم کی ضرورت ہو۔ ایسی حالت میں اگر اسلام کی مخالفت کی جاتی ہے، تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ کوئی سمجھ نہیں ہے، بلکہ کچھ اور اسباب ہیں جنکا تعلق نفس کی کھوٹ سے ہے یا اقتدار دنیوی کا خیال مانع ہے.....

اگر آپ اس سے متفق ہوں، تو ایک ایسا فنڈ کھولیے۔ میں خود بھی اس میں حصہ لینے کو تیار ہوں، اور کوشش کرونگا کہ دوسرے احباب سے بھی چندہ دلواؤں۔ کچھ دنوں تک اس فنڈ کی رو سے ایسے مضامین نکالے جائیں اور ہر شہر میں مفت تقسیم کیے جائیں اور مسلمانوں سے اپیل کی جائے کہ اس قسم کے رسالوں کو مالی امداد دینا قطعاً موقوف کریں۔ یہ نیاز صاحب کی دشمنی نہیں، انکی سب سے بڑی دوستی ہے، کہ انکی آنکھوں سے وہ پردہ دور کر دیا جائے، جس سے مذہب اور بزرگان دین کی عظمت انھیں نظر نہیں آتی۔

مسلمانوں میں صرف دو طبقے ایسے ہیں، جن میں نیاز صاحب کی تحریریں خاص طور پر کام کر رہی ہیں۔ ایک وہ جنھیں اپنے گھر کی خبر نہیں، باہر سے علوم و فنون اور کام کی باتیں چھوڑ کر صرف عیسائی نما عادتیں لیکر وارد ہو گئے ہیں۔ جب انکو معلوم ہوتا ہے کہ جس مذہب سے وہ جان چھڑا رہے ہیں اس کی مخالفت ہو رہی ہے، تو انھیں بڑی مسرت ہوتی ہے۔ دوسری جماعت بے قید نوجوانوں کی ہے جو اپنے اخلاق سوز مشاغل کا جواز شعر و ادب میں ڈھونڈتے ہیں۔ جب یہ [illegible] اسکو دیتا انکے مطلب کی باتیں کہنے لگتا ہے، تو یہ قول نیاز انکی روحیں رقص میں آ جاتی ہیں۔ ان سب کو غیرت دلانے کی ضرورت ہے اور اسی ترنم شعری نما جس میں نیاز صاحب اپنی گندگیوں اور ناپاکیوں کے اچھالنے کے عادی ہیں۔ باہر نکلے، اور [illegible] میں ان خیالات کی [illegible]"

نکاح کی اہمیت

"پچھلے ہفتہ میں ہم [illegible] مسئلہ کا ذکر کر چکا ہوں۔ آج مجھے اس کے لیے دوسرے بہترین میدان

کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور یہ میلان اپنے کنبہ اور خاندان کا ہے

"...... ہمسایہ کی مشق سب سے پہلے اپنے عزیزوں، کنبہ والوں ہی پر ہونی چاہیے ...... اور جب یہ مشق پختہ ہو جائے، تو باہر والوں کو بھی چند خاندان سمجھ کر اُنکے ساتھ ہمسایہ کا برتنا آسان ہو جائیگا۔ بغیر گھر میں اس کی مشق کیے، اور اس مشق کے پختہ ہوے باہر والوں کے ساتھ اسکا برتنا ممکن نہیں" (ہریجن ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۱)

ہمسائی تعلیم بجائے خود کس حد تک صحیح ہے، اور اسکے حدود عمل کیا کیا ہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ یہاں تعلق اسکے صرف اس پہلو سے ہے، کہ گاندھی جی اسے دنیا میں پھیلانے سے قبل، خاندان اور کنبہ کے اندر پھیلانے پر زور دے رہے ہیں۔ اور یہ بالکل صحیح طریق کار ہے۔ شریعت اسلامی نے بھی اسی طریق فطری کے مطابق، نیکی کرنے، اپنی دوستی، خدمت کرنے کی ابتدا گھر والوں سے رکھی ہے۔ قرآن مجید بار بار زور دیتا ہے قرابت والوں "ذوی القربیٰ" اور "اولوالارحام" کے حقوق پر۔ اور احادیث میں تو صراحت کے ساتھ یہ مضمون آتا ہے کہ بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر پیش آنے والا ہو۔ شریعت نے دنیا کے وسیع میدان میں قدم رکھنے سے قبل ہمارے اخلاق، دیانت و معاملات کے لیے اپنے فرزندوں کی اصلی تعلیم گاہ، حقیقی ٹریننگ اسکول خاندان ہی کو قرار دیا ہے۔ اور یہیں سے نکاح کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ نکاح ہی تو وہ رشتہ ہے، جو خاندان کو پیدا کرتا ہے۔ باپ اور بیٹے، میاں اور بیوی، بھائی اور بہن، سسرال اور میکے کے سارے تعلقات محبت کی بنیاد نکاح ہی پر ہے ——— تہذیب جدید کا یاجوج بھی اس نکتہ کو خوب سمجھے ہوے ہے۔ معاشرتی زندگی میں وہ سب سے پہلے اسی ادارہ پر ضرب لگاتا ہے، اور سب سے پہلے اسی کی اہمیت کو نگاہوں میں خفیف کر دکھاتا ہے۔ اُسکے ناول، اُسکے ڈرامے، اُسکے سینما، اُسکے رسالے، غرض اسکے پروپگنڈا کے سارے ہتھیاروں کا زور، مختلف عنوانوں اور اسلوبوں سے اسی نقطہ پر صرف ہوتا ہے، کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس تعلق کو ضعیف، اور اسے صرف ایک بازاری دنیاوی بات سطحی نظروں اور جہالت پسند دماغوں میں کر دکھایا جائے۔ بس اس کے بعد میدان صاف ہے!

تہذیب کے مرض

"ہم سب کو اسکا بخوبی علم ہے کہ ہمارے نوجوان جو فوج میں بھرتی ہوکر ہندوستان جاتے ہیں، اُن کے درمیان امراض خبیثہ کا پھیلاؤ کچھ کم نہیں ہے"

یہ بات مسٹر چرچل (موجودہ وزیر اعظم برطانیہ) نے آج سے کوئی چھ سال قبل پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں کہی تھی کہ اس میں روز بروز حالات میں ترقی کیسی ہے! "اصلاح" یہ ہوئی ہے کہ ۱۹۳۹ء کی بابت افواج ہند سے متعلق جو سرکاری رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہے، اُس میں اعداد ذیل نظر آتے ہیں:—

۱۹۳۳ء میں گورے سپاہیوں میں امراض خبیثہ کے بیماروں کی تعداد ۸ر۳۳ فی ہزار تھی۔

۱۹۳۸ء میں " " ۵ر۴۴ فی ہزار پہنچی!

یعنی پانچ سال کے عرصہ میں، روک تھام کی ساری کوششوں کے بعد، کمی نہیں بلکہ ۱۰ فی ہزار کا اضافہ! اور یہ سب کچھ اُس وقت جبکہ بیماری کے چھوت نہ لگنے پانے سے متعلق سارے آلات اور دوائیں، اور بہتر سے بہتر سرکاری انتظامات موجود

بلکہ بقول لیڈر (اور اسی سے اس شذرہ کے معلومات ماخوذ ہیں):—

"کوئی حکومت اس سے بہتر انتظامات نگرانی کے کر ہی نہیں سکتی جیسے حکومت ہند، ہندوستان میں گورے سپاہیوں کے لیے رکھتی ہے"

(۱۵ جولائی ۱۹۴۰ء)

مرض سے بڑھ کر عجیب علاج مرض سرکاری معالجین کے حسب تشخیص یہ۔ رپورٹ یہ ہے:—

"امراض خبیثہ کی روک تھام کے ناکام رہنے کا بڑا سبب ہندوستان میں یہ ہے کہ فوجی بارکوں کے باہر معاشری دلچسپیوں، رنگینیوں، خصوصاً زنانہ صحبتوں کا فقدان ہے"

کیا خوب! غالب نے شاید ایسے ہی کسی موقع پر "اہل تدبیر کی واماندگیاں" دیکھ کر کہا تھا!

آبلہ پر بھی حنا باندھتے ہیں!

مساجد میں خاکساروں کی پناہ گزینی

خاکسار "مجاہدوں" نے حکومت پنجاب سے مقابلہ کا ایک نیا طریقہ نکالا ہے کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوے پبلک سڑک اور بازاروں میں مارچ کرتے ہیں لیکن جب پولیس انکو گرفتار کرنے کے لیے پہونچتی ہے تو یہ مجاہد (جنکا مطاع مطلق "امام" ہمیشہ بیچارے "ملا" کو مسجد میں روپوشی اور خیراتی روٹی کھانے کا طعنہ دیا کرتا تھا) بھاگ کر کسی قریب کی مسجد میں روپوش ہو جاتے ہیں اور محلہ والوں کی روٹیوں پر گزارا کرتے ہیں تاکہ پولیس مسجد کے احترام کے خیال سے وہاں انکو گرفتار نہ کر سکے اور اگر پولیس نے ایسا کر دیا تو انکو پروپگنڈا کرنے کا موقع مل جائے کہ دیکھو مسلمانو! ان پولیس والوں نے مسجد میں ہمیں گرفتار کر کے "مداخلت فی الدین" کر ڈالی۔ خاکساروں کے اس طرز عمل نے ایک نیا مسئلہ یہ پیدا کر دیا ہے کہ آیا اس طرح مساجد کو بطور پناہ گاہ کے استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اسکے جواب میں خاکساروں کے حامیوں نے عجیب طرب علمی و "فقہی" موشگافیاں فرمائی ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ نماز پنجگانہ، اعتکاف و اشغال، اور نوافل و تلاوت قرآن پاک کے علاوہ مساجد دیگر مصالح اسلامیہ کے لیے بھی استعمال کی جا سکتی ہیں۔ لیکن خاکساروں کی ان حرکات کو "مصالح اسلامیہ" میں شمار کرنا اس مقدس عنوان کی بھی توہین کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ حکومت پنجاب کے ساتھ اس ٹکراؤ میں "ادارہ علیہ" کے کچھ مصالح ہوں یا علامہ مشرقی کے سمجھانے اور بتلانے ہوے اسلام کا کوئی فائدہ ہو — لیکن پوری بصیرت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوے اسلام اور اس پر ایمان لانے والی "امت مسلمہ" اس میں کوئی فائدہ اور مصلحت نہیں ہے۔ بلکہ کھلی ہوئی مضرتیں ہیں۔

ذرا حاضر حواس ہو کر سوچیے کہ "من دخلہ کان آمنا" کی غلط تاویل کر کے اپنے لوگوں کو جو قانونی مجرم ہوں یا حکومت سے خود مقابلہ کا دم بھرتے ہوں، قانون شکنی کر کے گرفتاری سے بچنے کے لیے مساجد کی پناہ لیتے ہوں، مساجد کو پناہگاہ بنانے کی اجازت مسلمانوں نے دیدی تو اسکا نتیجہ خدانخواستہ یہ ہوگا کہ بعض حالات میں مجبور ہوکر حکومت مساجد میں بھی گرفتاریاں شروع کر دیگی جس سے مسلمانوں کی سخت دلآزاری ہوگی اور اس میں بلوؤں تک کے اندیشے ہونگے — پھر اسکے نتائج یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حکومت مساجد کی تعمیر یا انکے محل وقوع کے لیے سخت اور نامناسب رویہ اختیار کرے۔

(باقی صفحہ ۵ پر ملاحظہ ہو)

رسائل و اخبارات

بقیہ مطلب

(۱) ہمدرد صحت۔ روحانی علاج نمبر۔ ضخامت ۲۰۰ صفحے۔ قیمت ۱۲؍ پتہ ہمدرد دواخانہ۔ لال کنواں۔ دہلی

دہلی کا مشہور طبی رسالہ ہمدرد صحت، اپنے مفید و عالمانہ، خصوصی نمبروں کے لیے خاص شہرت رکھتا ہے۔ ابھی اس نے مزید ہمت سے کام لے کر ایک مخصوص ہپناٹزم نمبر نکالا ہے۔ ہپناٹزم کے علمی پہلوؤں سے متعلق اردو ادب، بے شک گویا کچھ نہ تھا۔ ہمدرد صحت نے یہی بار، خاصہ ذخیرہ اپنی زبان و ادب میں مہیا کردیا ہے۔ رسالہ نو ابواب میں تقسیم ہے۔ پہلے کا عنوان ہے "نفسیاتی علاج اور تنویم، تاریخ کی روشنی میں"۔ اور اس کے ماتحت کوئی پینتیس چالیس صفحے خود مدیر کے قلم سے ہیں۔ مصر، بابل، چین، ہند سے لے کر یورپ و امریکہ تک کی ساری تاریخ تنویم کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔ باب دوم تنویم و مظاہر تنویم پر ہے، باب سوم توجہ اور خود توجہی پر، چوتھا باب تنویم کی علاجی حیثیت پر، پھر خود تلقین کا بیان، اور اسی قلم سے۔ پانچواں باب "ذاتی و شخصی مقناطیسیت" پر ہے، اور چھٹے کا عنوان ہے "تنویم کے عملی طریقے"۔ ساتواں باب "متفرقات" پر ہے، اور اسی کے ماتحت [illegible] مسئلہ بھی ایک مضمون میں درج ہے۔ آٹھویں باب کا عنوان ہے "[illegible]"، نواں "ادبیات" پر۔ یہ فہرست بجائے خود اس اندازہ کے لیے کافی ہے کہ کتنے معلومات پرچہ کے اندر جمع کردیے گئے ہیں۔ ۱۲؍ کی قیمت ہیں تو غنیمت ہے، اگر اس سے زیادہ قیمت ہوتی، جب بھی پرچہ کی حیثیت ناظرین کے مقابل قیمت گراں نہ ہوتی۔ معلومات زیادہ تر مغربی ماخذوں سے سلیقہ مندی و حسن انتخاب کے ساتھ لیے گئے ہیں، لیکن اپنے ہاں کی چیزوں کو بھی چھوڑا نہیں گیا ہے۔ البتہ جہاں اسلام کے نقطۂ نظر اور طب نبویؐ کا ذکر ہے، وہاں ضرورت اس کی بھی تھی کہ بتا دیا جاتا کہ رسول اللہ صلعم نے "روحانی علاج" کے سلسلہ میں سادہ طریق دعا کا بتایا ہے جو خود ایک عبادت ہے اور مولیٰ کے سامنے بندہ کی التجا و درخواست، بالکل مختلف ہے جنتر منتر اور "عملیات" کے طریقوں سے۔

(۲) عصمت۔ (سالگرہ نمبر) ضخامت ۱۵۲ صفحے۔ قیمت ۸؍ پتہ دفتر رسالہ عصمت۔ کوچہ چیلاں۔ دہلی۔

دہلی کا وہی مشہور و قدیم زنانہ رسالہ ہے، راشد الخیری مرحوم و مغفور کی یادگار۔ یہ سالگرہ نمبر بہت ضخیم شائع ہوا ہے، اور مضامین محض ضخامت و کمیت کے اعتبار سے نہیں، اتنا ہی کیفیت کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہیں۔ جدید اثرات سے کسی حد تک متاثر ہونا تو لازمی تھا، جیسا کہ تصویروں کی زیادتی سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم رسالہ بڑی حد تک اب بھی اپنے محترم بانی کے دور کے قدیم خصوصیات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ شروع میں مصور غم مرحوم کے ایک پرانے مضمون کی اگرچہ چند ہی سطریں درج ہیں، لیکن حسب معمول سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی۔ کپتان [illegible] الدین احمد کا مضمون "ہندوستان پر ہوائی حملے کے امکانات" پر رسالہ کے لیے باعث فخر ہوسکتا ہے، معلومات سے لبریز۔ مولوی محمد ظفر صاحب کے دو مضمون جو "خانہ داری" اور "سیرت" کے عنوان سے ہیں، ہمیشہ کی طرح اس نمبر میں بھی مفید و قابل قدر ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا افسانچہ بالکل

اور زبان کی صحت و شستگی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ متعدد مضامین اور بھی کام کے ہیں۔ پرچہ ہر شریف گھرانہ کی سرپرستی کے قابل ہے۔

(۳) بیداری (ماہنامہ) ایڈیٹر ملا واحدی صاحب۔ ۵۶ صفحے قیمت ۲؍ سالانہ۔ پتہ، دفتر رسالہ بیداری، کوچہ چیلاں۔ دہلی

دہلی کے ملا واحدی صاحب کی شخصیت خاصی معروف ہے۔ نظام المشائخ اور متعدد عام فہم و مفید رسالے نکال چکے ہیں۔ اب یہ تازہ رسالہ بیداری کے نام سے جاری کیا ہے۔ ابھی صرف پہلا نمبر موصول ہوا ہے۔ اشتہارات کی کثرت مضامین کو دبائے ہوئے ہے۔

پھر بھی جتنے مضامین ہیں، فی الجملہ خاصے مفید ہیں، اور عام فہم۔ اگرچہ تقریباً ہر مضمون کے اندر بعض افسوسناک اور کچھ غلطیاں اور بے تحقیق باتیں موجود ہیں۔ ہر کارن کا انسداد، ادب زرگری، اور تعلیم پر کیا خرچ کیا جائے، تینوں مضامین نسبۃً بہتر ہیں۔ پردہ کے مضمون میں تجدد سے مرعوبیت کی جھلک موجود ہے۔ اصلاحی پہلو اور تجربہ آموزی اور سنجیدگی، حصۂ مضامین سے گزر کر اشتہارات تک میں موجود ہیں، اور یہ آج کل کے کسی رسالہ، اور پھر تجارتی رسالہ کے لیے کوئی معمولی داد نہیں۔ واحدی صاحب کا قلم بہت زیادہ مفید ہوسکتا ہے، بشرطیکہ بعض مسائل کی مزید تحقیق کی زحمت بھی گوارا فرما لیا کریں۔

(۴) تعلیم القرآن۔ مرتبہ مولوی عبدالرحیم صاحب۔ ۸۰ صفحے۔ چھوٹی تقطیع۔ قیمت ۲؍ سالانہ۔ ۱۲؍ فی پرچہ۔ پتہ، دارالاشاعت تعلیم القرآن۔ قطبی گوڑہ۔ حیدرآباد دکن۔

حیدرآباد سے یہ جدید ہفتہ وار رسالہ قرآن مجید کی عام فہم تفسیر و تشریح کے لیے جاری ہوا ہے، اور اس کے مدیر مولوی عبدالرحیم صاحب ہیں، جن کی قومی و ملی خدمات کے غلغلے سے بسلسلۂ انجمن اسلامیہ و مدارس اسلامیہ، دکن ایک زمانہ میں گونج رہا تھا۔ رسالہ کے صرف تین نمبر ۶ و ۷ و ۸ وصول ہوئے ہیں۔ ان میں آخری پارہ کی آخری سورتوں کی تفسیر درج ہے۔ عبارت کہیں کہیں مشکل بھی ہوگئی ہے، لیکن عموماً آسان ہے۔ کام بہ حیثیت مجموعی اچھا ہے اور اعانت و حوصلہ افزائی کا مستحق۔

(۵) نوائے وقت (ہفت روزہ) ادارہ: شبیر حسین صاحب و حمید نظامی صاحب۔ ۱۲ صفحے۔ قیمت سالانہ عہ؍ پتہ، دفتر "نوائے وقت" لاہور۔

لاہور سے یہ ہفت روزہ حال ہی میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ دلکش نظر ہے۔ پرچہ کا مسلک حکیم ملت حضرت اقبالؒ کے اصول کی تبلیغ معلوم ہوتا ہے، سیاسی روش مسلم لیگ سے ملتی جلتی ہوئی۔ سیاسیات کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی بھی ہے۔

(۶) ندیم۔ بہار نمبر۔ ایڈیٹر مولوی ریاست علی ندوی۔ ضخامت ۴۵۰ صفحے، کتابت گنجان۔ متعدد تصاویر۔ قیمت عہ پتہ، رسالہ ندیم۔ گیا (صوبہ بہار)

ندیم کا بہار نمبر خزاں و بہار دونوں کے گزر جانے پر بالآخر بڑے انتظار کے بعد شائع ہوا، تو رسالہ کی صورت میں نہیں، بلکہ عظیم الشان کتابی ضخامت کے ساتھ! ساڑھے چار سو صفحے اوپر اور وہ بھی بڑی تقطیع اور گنجان کتابت کے ساتھ، کون اسے رسالہ کہیگا؟ مضمون کے لحاظ سے سب ہی کچھ اس کے اندر موجود ہے۔ ادب، تاریخ، سیاست، سیرت، مذہب، سوشلزم، افسانہ، مزاحیہ، نظم و غزل،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر - عبد الماجد

پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبد القوی۔

مضامین کے بارے میں مراسلت اڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ و دیگر انتظامی امور کے متعلق اس پتہ پر لکھیے:- مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
" ششماہی ؎
بیرون ہند سے سالانہ ششلنگ
قیمت فی پرچہ ؍

صدق لکھنؤ

نمبر ۱۶ | دوشنبہ - ۲۱ - رجب المرجب ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۶ - اگست ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

"بادشاہ سلامت کا یہ معمول مذاق تھا، کہ اکثر اوقات جب حمام سے برآمد ہوتے تو اس زمانہ میں جن بیگم صاحبہ پر نظر عنایت ہوتی اُن سے لباس تبدیل کر لیتے، اپنا ملبوس انھیں پہنا دیتے، اور اُنکی پوشاک آپ پہنتے، اور وہی پوشاک پہنے ہوئے باہر لوگوں کے سامنے نکل آتے۔ بعض دفعہ یہ بھی اتفاق ہوا کہ رات کے وقت وہ اُس گاچ کے پردہ کے اندر چلے جاتے، جو کھانے کے کمرہ کے ایک سرے پر پڑا ہوا تھا، جسکا ذکر میں کر چکا ہوں، اور وہاں سے بیگم بنے ہوئے برآمد ہوتے

کپڑے سب وہی ہوتے تھے، اور جب بادشاہ پہنتے تھے، تو بالکل بیگم ہی معلوم ہوتے تھے" (شاہ لکھنؤ - مترجمہ منشی احمد علی کاکوروی مرحوم بی اے، ال ال، بی، صلاللہ)

"بادشاہ سلامت" آپ سمجھے کون تھے؟ آپ کے اودھ کے فرماں روا شاہ نصیر الدین حیدر! "زنانیت" Feminism میں اس حد تک ترقی کے لیے، فرمائیے آج کے کتنے متجددآب و "روشن خیال" حضرات تیار ہیں؟ نصیر الدین حیدر کی بادشاہت کا زمانہ آج سے تقریباً سو سوا سو سال قبل کا ہے۔ انگلستان کے مشہور علمبردار نسائیت، جان اسٹوارٹ مل سے بھی کوئی پچاس سال پہلے — یہ کیا انصاف ہے کہ تحریک کے بانیوں، عالم نسواں کے محسنوں کی فہرست سناتے وقت آپ سب کے نام گنا جاتے ہیں، اور نظر انداز کر جاتے ہیں، تو اپنے ملک کے اس فرماں روا کو!

ہنسیے نہیں - ترقی نسواں کے آخری مارج جو یورپ آج طے کر رہا ہے، یہاں اودھ کی سرزمین پر اسی وقت طے ہو چکے تھے۔ بادشاہ کا یورپین مصاحب اپنے چشم دید حالات لکھ رہا ہے:-

"حرم شاہی کے عجائبات و نوادر میں سب سے زیادہ جو چیز اہل یورپ کے کانوں کو غیر مانوس معلوم ہوگی، وہ وہاں کے زنانہ سپاہیوں کی حالت ہوگی - میں نے خود ان مردانہ سپاہیوں کو اکثر زنانی ڈیوڑھی پر ٹہلتے ٹہلا یہ کرتے دیکھا ہے - مجھکو ان کے عورت ہونے کی ایک عرصہ تک خبر نہ تھی - اور بہت دن بعد مجھ پر اُنکی اصلی صنف کا بھید کھلا - میں ہمیشہ ان زنانہ سپاہیوں کو یہی سمجھتا رہا، کہ پست قد جوان مرد ہیں، جو ڈھیلے ڈھیلے کرتے پہنے ہوئے ہیں - کیونکہ انکی ترکیب جسمانی میں بجز قد کی پستی اور سینہ کے اُبھار کے اور کوئی مابہ الامتیاز نہ تھا - اور چونکہ مجھے ولایت میں سپاہیوں کو ڈھیلی وردی پہنے اور بقا کی ترکی طرح معمولی پھیلی دیکھنے کی عادت سی ہو گئی تھی، اس لیے جب میں نے انکو دیکھا تو کوئی اچنبھا نہیں ہوا۔ نہ اُنکی اصل حقیقت دریافت کرنے کی ٹوہ ہوئی - یہ عورتیں اپنے لانبے بالوں کا جوڑا باندھ لیا کرتیں، اور پھر اُسے سر پر رکھے پگڑی سے چھپا لیتی تھیں، باقی وردی وہی ہوتی تھی جو معمولاً ہندوستانی سپاہی پہنتے ہیں - مردوں ہی کی طرح وہ ہتھیار بھی اپنے جسموں پر سجائے ہوتی تھیں، ہاتھ میں سنگین چڑھی ہوئی، کمر میں پیٹی، شانوں پر کارتوس کا پرتلا، بعینہ وہی سپاہیانہ وضع جو اعاظم بنگال کی فوج کی ہوتی ہے۔"

(شاہ لکھنؤ - صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳)

حرم شاہی کے پہرہ چوکی کا کام یہی زنانہ فوج کرتی - دربار دولت کے صحن میں پرے جما کر یہ عورتیں قواعد کرتیں، بندوق چلاتیں، آگے بڑھتیں، پیچھے ہٹتیں، سنگینیں چڑھاتیں، نشانہ لگاتیں - غرض پوری پوری مرد سپاہیوں کی طرح ساری جنبش

کا ریپول، وغیرہ انتخاب نیا سے ہوتے تھے۔

"بادشاہ سلامت لکھرانی عورتوں کو دیکھ کے محظوظ ہوتے اور ان کو انعام دیا کرتے۔" (ص ۱۰۳)

"سجدہ" کو مبارک ہو کہ بڑی سی بڑی روشن خیالی کی سند گھر بیٹھے مل گئی! اور اب نظیر و مثال پیش کرنے کے لیے ضرورت نہ لندن جانے کی رہے گی نہ پیرس کی نہ نیویارک کی۔ ان سب کے بجائے لکھنؤ بالکل کافی ہوگا، اور لکھنؤ بھی عہد نصیر الدین حیدر کا، جب فسانۂ عجائب تصنیف ہو رہی تھی اور قصے جان عالم اور ملکہ مہر نگار کے گھڑے جا رہے تھے، اور دور دورہ کلی جادو اور نقاشوں، سازندوں اور گویوں کا تھا! ——— گویا آج کے سینما اور ڈانس، تھیٹر اور بیوٹی ہال کا ٹھیک ٹھیک نقش اول! اگلوں کے لیے پیشگی اور تیس کرتے ہیں، ان پچھلوں کے لیے وہ نگلے ہو گیا خوب تابع اور گویا خوب متبوع!

ایک مصری لیڈر کی وفات

وسط جولائی میں انگریزی روزناموں میں کلکتہ کا ایک تار نظر سے گزرا تھا کہ مشہور مصری رہنما ڈاکٹر عبد الحمید سعید نے یکم جولائی کو وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یقین تھا کہ بمبئی، کلکتہ، لاہور اور یوپی کے بعض باخبر روزنامے اور ہفتہ وار سے ضرور مفصل تعزیتی مقالے لکھیں گے، اور انہیں کا کوئی جزو صدق میں نقل کر دیا جائے گا۔ حیرت ہے کہ یہ توقع کسی طرف سے بھی پوری نہ ہوئی۔

خبر وفات اگر صحیح ہے تو حادثہ تنہا مصر کے لیے نہیں، دنیائے اسلام کے لیے ہے۔ مولانا محمد علی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ڈاکٹر عبد الحمید سعید مصر کے مولانا شوکت علی ہیں۔ جب تا حال بھی تو مقامی مجلس شبان المسلمین کے بانی اور صدر اور روح رواں تھے۔ مجلس مذکور ایک چھوٹے پیمانہ پر ہمارے ہندوستان کی مجلس خلافت مرحوم کی جانشین ہے، اور اس کی شاخیں آج مصر کے علاوہ شام، عراق، یمن، حجاز و فلسطین میں بھی قائم ہیں۔ مرحوم جامعہ ازہر کے ماہر اور فرانس کی مشہور ترین و قدیم ترین سوربون یونیورسٹی کے گریجویٹ ہی نہیں، ڈاکٹر (لاز) تھے۔ ساتھ ہی دینی جذبہ بہت سرشار، وطنیت کو وطنیت ہی کے درجہ پر رکھتے تھے اسے دینیت تک پہنچا دینے کے سخت مخالف تھے۔ مصری پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ کوئی دو سال ہوئے ہوں گے جامعہ ندوہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر "علم" کی برتری اور گستاخی سے متاثر ہو کر ایک بڑی موثر مفصل تقریر غیرت دینی پر ارشاد کی تھی، اس کا ترجمہ بھی ایک ندوی کے قلم سے رہبر دکن میں نکلا تھا۔ ایسے مخلص خادم دین و ملت کی اللہ پاک مغفرت فرمائے، اور درجات اپنے بلند سے بلند تر نصیب فرمائے۔

ایک آیت کا مفہوم

ایک کرم فرما لکھتے ہیں:—

"غزوۂ بدر کے واقعات کو بعد تنقید روایات نظم کرنے کا ارادہ ہے ان شاء اللہ۔ لہذا آپ سے عرض ہے کہ آپ نے آیت ذیل کے جو تحقیقی معنی اپنے ترجمہ میں بعد نظر ثانی و ثالث اختیار فرمائے ہوں، ان سے مطلع فرمائیے: یرونہم مثلیہم رای العین۔ سورہ آل عمران ع ۲۔ آیت ۱۳"

غزوۂ بدر کے مختصر واقعات، سب کو مسلم اور غیر اختلافی حسب ذیل ہیں:—

۱۔ مسلمان کل ۳۱۳ تھے، اور وہ بھی بے سر و سامان۔

۲۔ قریش کا لشکر ۹۵۰ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں سے ۷۰۰ شتر سوار ۱۰۰ اسپ سوار و زرہ پوش۔

۳۔ پھر مسلمان فوج سے لڑنے کے لیے گئے بھی نہ تھے۔ ان کا ارادہ تو محض قافلۂ رسد و سامان کا راستہ کاٹ دینا تھا۔ انھیں جنگ پر یک بیک آمادہ ہو جانا پڑا۔ قریش البتہ ہر طرح اسی کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔

غرض یہ کہ اسباب ظاہر کے لحاظ سے کوئی صورت مسلمانوں کی جیت کی تھی ہی نہیں۔ اب پوری آیت مع تشریحی ترجمہ کے ملاحظہ ہو۔ ان شاء اللہ کوئی سوال پیدا ہی نہ ہوگا:—

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونہم مثلیہم رای العین واللہ یؤید بنصرہ من یشاء ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار	بیشک تمہارے لیے بڑا ہے ایک نشان (اللہ کی قدرت اور رسول کی صداقت کا) دو گروہوں کے باہم (میدان بدر میں)۔ ایک گروہ (تعداد میں حقیر اور سامان میں قلیل) تو لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں، اور دوسرا کافروں کا تھا (جو) دیکھ رہے تھے اپنے کو ان سے (یعنی مسلمانوں سے) کئی گنا

اور دیکھنا بھی کیسا، وہم و گمان کی بنا پر نہیں) کھلی آنکھوں دیکھنا (کھلم کھلا مشاہدہ کرنا)، اور اللہ تائید کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی متعلق اس کی مشیت ہو (چنانچہ یہاں اس کی مشیت مومنین سے متعلق رہی)، اور یقیناً اس (واقعہ عظیم) میں بڑی عبرت (و ہدایت) ہے اہل بصیرت کے لیے (یعنی ان کے لیے جو بصیرت سے کام لینا چاہتے ہوں)

نیا پینترا

"قرآن کا کلام خدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے، یہ ہے اصل بحث جو میرے اور ہندوستان کے بعض مولویوں کے درمیان ما بہ النزاع ہے" (نگار، اگست، ص ۲)

یہ اس ایڈیٹر نے اگست کے نمبر میں لکھا، جو ابھی جون کے مہینہ میں کہہ چکا تھا کہ

"کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں" (نگار، جون، ص ۶)

یعنی امت اسلامیہ کی پہلی ہی ڈانٹ پڑتے، اور مطالبہ ہونا الگ رہا "مطالبہ" کا نام سنتے ہی، وہ "بااصول" اور "پابند اخلاق" انسان جو صراحت کے ساتھ انکار کر رہا تھا کلام مجید کے کلام خداوندی اور الہام ربانی ہونے سے، لگا گڑگڑا کر کہنے اور قبول لینے کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے بھلا مجال ہے کہ میں انکار کروں، میں تو صرف اس کا مفہوم اور اس کی نوعیت متعین کرنا چاہتا ہوں، اور اس باب میں میرا اختلاف شریعت اسلام کے کسی مسلمہ سے نہیں، صرف "بعض مولویوں" سے ہے! ——— کون کہتا ہے کہ شیواجی کے پینترے صرف اورنگ زیب ہی کے مقابلہ میں تھے اور اس کے بعد ناپید ہو گئے؟

آریہ کا نیا جنم

"اگر قرآن مجید اللہ کا کلام ہے تو پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ خود اپنے نام سے کلام مجید کو شروع کرتا ہے اور خود اپنی ذات سے خطاب کرتا ہے، جو بالکل بے معنی

"نئی بات ہے"؟ (نگار، اگست ۴۰ء)

یہ اُس مرتد نے کہا، جو اب بھی مقاطعہ کے ڈر سے لرزہ براندام کہے جایا جاتا ہے کہ

"میں بھی مسلمان ہوں، میں بھی اسلام کی خدمت کرسکتا ہوں" (صفحہ ۲ اور

"بحمد اللہ میں کفار قریش میں سے نہیں ہوں" (صفحہ ۳)

"کفار قریش" میں سے بیشک آپ نہ ہوں گے۔ لیکن اُن سے ترقی کرکے ذہنیۃً ہندو مغربیت پسند ہی سہی! بانی فرقہ آریہ سماج دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش کا رسوائے عالم باب چودھواں جس کسی کے پاس ہو (کتاب نایاب نہیں، اور اس کا جواب حق پرکاش مولانا ثناء اللہ امرتسری سے تلے تو بہ آسانی مل جائیگا) وہ خود دیکھ لے، کہ قرآن پاک پر سو ڈیڑھ سو اعتراضات۔ ایک سے بڑھ کر ایک مہمل اور گندہ ہے، جو اس کتاب میں درج ہیں، اُن میں سب سے پہلا نمبر بعینہ اسی اعتراض کا ہے یا نہیں؟ ابوجہل کا نہ سہی، دیانند سرسوتی کا سہی! اب تو سخافت نگاری اپنی انتہا کو پہونچی! اور تسفل ذہنی کی پرواز اپنے ہمجنس کے ساتھ ہوگئی! —— استہزاء و منتقیوں کے سایہ سے بچئے، اسے اور بہکنے والے کو ان مہاشہ مہاراج کا اگلا سا چانٹا مبارک ہو!

مرتد کی جسارت

"اس طرح کی حکایتیں دنیا کے تمام مذاہب کے وجود سے قبل انسان کے عہد وحشت میں بھی جہل و کم علمی کی وجہ سے رواج پا چکی تھیں، جنکو قرآن نے بھی اساطیر الاولین یا اصنامی روایتوں سے تعبیر کیا ہے" (نگار، جون صفحہ ۶۹-۴۰)

"آتش نمرود کے واقعہ کو بھی جناب نیاز تاریخی واقعہ نہیں بتاتے، بلکہ اساطیر الاولین میں شمار کرتے ہیں" (نگار، اگست صفحہ ۶۰)

پہلی عبارت خود نیاز کے قلم کی ہے، دوسری ایک شارح نیاز یا نیاز زدہ کی۔ یہاں اس بحث کو تو چھوڑ دیجئے، کہ دنیا کے "تمام مذاہب کے وجود سے قبل" انسان پر ایک عہد وحشت گزرنے کے مفروضہ پر کون سی دلیل موجود ہے؟ عقلی یا نقلی؟ اثری؟ قطعی نہ سہی، ظنی سہی؟ سردست سوال صرف دو ہیں:—

(۱) قرآن نے "جہل و کم علمی کی وجہ سے رواج پائی ہوئی روایتوں" کو 'اساطیر الاولین' ان تیس پاروں والے قرآن کے کس پارہ، کس سورہ، کس آیت میں کہا ہے۔

(۲) آتش نمرود ہو یا قرآن کی بیان کی ہوئی کوئی سی روایت یا حکایت، جو اُسے اساطیر الاولین میں شمار کرنے والے کون لوگ ہوئے ہیں؟

پہلے سوال کے جواب کے لیے تو نیاز کو مہلت آج سے قیامت کے دن تک کے لیے ہے! رہا دوسرا سوال، سو قرآن مجید میں یہ لفظ نو بار آیا ہے، اور ہر جگہ اس صراحت کے ساتھ کہ یہ مقولہ کفار کا ہے، اور کفار ہی سے کبھی بڑھ کر، کہ وہ قرآن مجید کے لیے استعمال کرتے ہیں! یقول الذین کفروا ان ہذا الا اساطیر الاولین۔ وقال الذین کفروا ان ہذا الا افک افترٰہ ... وقالوا اساطیر الاولین۔ وقس علیٰ ہذا —— ابوجہل کے اور دوسرے کفار قریش کے رٹے ہوئے آموختہ کو دہرانا، اور قرآن سے متعلق بعینہ وہی تحقیق شائع کرنا، جو دو سو سال پیشتر سے ابلیس کے شاگرد پیش کرتے چلے آئے ہیں، کام

ہو سکتا ہے صرف سابق اہلکار دفتر پولیس اور حال "محقق" نیاز محمد خاں کا! —— کوئی چور اس "دیدہ دلیری کے ساتھ" چراغ لیکر اس سے قبل کیوں دیکھنے میں آیا ہوگا!

پانی اور حیات

ایک طبی مجلس میں پڑھے ہوئے ایک ڈاکٹر صاحب کے مقالہ "پانی" کے اقتباسات:—

"زندگی کے ہر شعبہ میں پانی کی ضرورت ہے۔ کھانا، پینا، صفائی ستھرائی، غرض کوئی کام بغیر پانی کے انجام نہیں پا سکتا۔ دنیا کا ۳/۴ حصہ پانی سے گھرا ہوا ہے۔ ہمارے جسم میں بھی ۲/۳ حصہ پانی ہے۔ خون میں ۸۰ فی صدی پانی شامل ہے۔ زندگی عموماً غذا پر منحصر سمجھی جاتی ہے، اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ لیکن پانی کی معاونت کے بغیر غذا کا ہضم ہونا دشوار ہے۔ پانی غذا کو نرم بنا کر اس قابل بنا دیتا ہے کہ معدہ میں پہنچ کر تحلیل ہو جاتا ہے ... اور آنتیں غذا کو ہضم کرکے دو حصے کر دیتی ہیں، ایک وہ حصہ ہے جو غذا کا جوہر ہے، خون اس سے بنتا ہے۔ دوسرا حصہ فضلہ ہے جو خارج ہو جاتا ہے۔ خون جو مختلف نبضوں اور رگوں کی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ ہمارے جسم میں دورہ کرتا ہے، مختلف اعضاء کو قوت بخشتا ہے۔ اگر ہمارے جسم کو کافی پانی نہ مل سکے تو خون اس قدر گاڑھا ہو جائیگا کہ باریک شریانوں سے نہ گزر سکیگا۔ سچ تو یہ ہے کہ پانی حیوانات و نباتات کی زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے جسکے بغیر ایک دن بھی زندگی دشوار ہے۔" (حکیم دکن، حیدرآباد، شہریور ۴۹ف صفحہ ۱۳)

قرآن مجید میں جو پانی کو اتنی اہمیت دی گئی ہے، کہ اسے گویا زندگی (حیات) کا سبب قرار دیا ہے، وجعلنا من الماء کل شیء حی، یہ سب اسی اجمال کی شرح اگر نہیں ہے تو کیا ہے؟ —— بلکہ تو یہ لازم ہے جو سائنس کی تحقیق میں زندگی کا نئے خیر سے خود اصلی ترکیب کہنا چاہیے کہ پانی ہی سے ہوئی ہے، اور اس پر ایک شذرہ انھیں صفحات میں دو ایک سال قبل شائع ہو چکا ہے۔ "امی" کے لائے ہوئے کلام کی تصدیق و تشریح علوم و فنون کی کن کن شاخوں سے ہوتی رہتی ہے!

دو عطیات

اعانت "صدق" کے سلسلہ میں بمسرت تمام ذیل کے دو عطیوں کا اعلان کیا جاتا ہے۔

(۱) سیٹھ سلیمان دادا بھائی پادرس (رنگون والے) ۲۵ روپے

(۲) جناب عبداللطیف صاحب بذریعہ ایچ ایچ غنی سیٹھ اینڈ سنز مدراس ۱۵ روپے

جزاہم اللہ خیر الجزاء　　　"منیجر صدق"

تو سلام دینگی یہ چلمن کی تیلیاں کبتک؟

آج نہیں کل سوال خود لڑکیوں کی طرف اُٹھ کر رہیگا کہ آخر ہمارے ساتھ مساوات کیوں نہیں برتی جاتی؟ ہم سے یہ بخل کیوں روا رکھا جاتا ہے؟ کیا ہماری عصمت کوئی چھوئی موئی ہے کہ کلاس میں مردوں کی رفاقت کی برداشت کرہی نہیں سکتی؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام نام نہاد "دلائل" جو آج ہر جگہ نسائیت کی زبان پر ہیں۔

جائزہ مشرق

"دوپٹے اکثر سنہری روپہلی بیل کے ہوتے تھے طول میں انگریزی پلنگ کی چادر کے برابر، عرض میں اُس سے کم۔ یہ دوپٹہ سر پر پیچھے کی طرف پڑا ہوتا ہے۔ اور دونوں شانوں پر لٹکتے آنچل سینے پر آجاتے ہیں۔ اسکے اوڑھنے کی وضع ایسی پیاری ہوتی ہے کہ بدصورت سے بدصورت عورت بھی اوڑھ لیتی ہے تو پری معلوم ہوتی ہے، چہ جائیکہ جو عورت خود ہی پری جمال ہو، اُسکے حسن میں تو اور چار چاند لگ جاتے ہیں"۔ (شباب لکھنؤ، ص ۱۱۵)

یہ قول ایک انگریز صاحب شاہ اودھ کا ہے، زمانہ تقریباً ۱۸۲۵ء کا ہے ——

آج غیروں کے فیشن پر مرمٹنے والے اور مرمٹنے والیاں یقین کرینگے کہ کبھی صورت حال اسکے بالکل برعکس تھی؟ یعنی بیگانے خود ہمارے یہاں کے زنانہ اور مردانہ فیشن پر لٹو تھے، اور اپنے ملک میں یہاں کے طور طریقوں کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے تھے! مشرق اپنی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہمیشہ سے نہ تھا۔ اقبال فرنگ کا ستارہ، معیشت، معاشرت، اخلاق غرض زندگی کے ہر شعبہ میں شروع سے اتنے عروج پر نہ تھا!

ترقی معکوس

"مصر کے ایک ممتاز ڈراما نویس اور ایکٹر یوسف وہبی نے شکسپیر کے ڈراموں کا عربی زبان میں ترجمہ شروع کیا ہے، اور پہلا ڈراما "ہیملٹ" عنقریب عربی زبان میں پردۂ تصویر پر آجائیگا۔ اس طرح اہل مصر پہلے پہل شکسپیر کا ڈراما عربی زبان میں سنیما کے پردہ پر دیکھینگے"۔ (ایک خبر)

ایک زمانہ تھا کہ اُردو زبان سے متعلق اس قسم کی خبریں بڑے شوق سے ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں، اور مغربی زبان سے کوئی سا بھی ترجمہ ہو بس اُسکا اردو میں آجانا بجائے خود ایک نعمت اور رحمت سمجھا جاتا تھا، تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ کیسا گہرا مغالطہ اور کتنا بڑا دھوکا تھا۔ اس قسم کے سارے "لٹریچر" سے بجز غفلت پیدا ہونے اور غفلتوں کے بڑھنے کے اور حاصل کیا ہوا؟ روحانی و اخلاقی نہ سہی، مادی نفع بھی مصری قوم کو کیا حاصل ہونگے؟ سیاسی آزادی کی منزل قریب آجائیگی؟ معاشی مسائل حل ہوجائینگے؟ اصلاح معاشرت ہوجائیگی؟ سوشلزم الدین کو اوپیم "افیون" کا حکم رکھتا ہے، حالانکہ افیون کے نشہ کی تاثیر اگر ہے، تو اسی قسم کے "خیالی لٹریچر" میں، خصوصاً جب وہ بھانڈوں، نقالوں، اور "اداکاروں" کی راہ سے آئے!

تجدد دربار اودھ میں

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر اپنی تاریخ گزشتہ لکھنؤ میں لکھتے ہیں:

"نصیر الدین حیدر بس عورتوں میں رہتے رہتے اس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہوگئی تھی کہ عورتوں کی سی باتیں کرتے اور عورتوں کا سا لباس پہنتے۔ زنانہ مزاجی کے ساتھ مذہبی عقیدت نے یہ شان پیدا کردی کہ ائمہ اثنا عشر کی فرضی بیبیاں (اچھوتیاں) اور انکی ولادت کی تقریبیں جو انکی ماں نے قائم کی تھیں، اُنکو اور زیادہ ترقی دی۔ یہاں تک کہ ولادت ائمہ کی تقریبوں میں خود حاملہ عورت بن کے زچہ خانہ میں بیٹھتے، چہرہ اور حرکات سے درد حمل کی تکلیف ظاہر کرتے، اور پھر خود ایک فرضی بچہ بنتے، جسکے لیے ولادت، چھٹی اور نہان کے سامان بالکل اصل کے مطابق کیے جاتے"! (ص ۴۴، ۴۵)

لیکن آخر اس پر لاحول پڑھنے اور چھپی چھپی کرنے کی کونسی بات ہے! یہ تو عین نسائیت Feminism کا کمال ہوا۔ "روشن خیالی" کا منتہا ہے۔ زن و مرد کی تفریق تو خود دور قدامت کی یادگار ہے! —— شرر مرحوم خود ایک حد تک تجدد کے علمبردار تھے، اور اپنے زمانہ میں "بے پردگی" کے بڑے حامی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن پھر آخر فرسودہ خیال تھے۔ یہ نہ سوچے، کہ "زنانہ مزاجی" میں عیب ہی کیا ہے، اور اس میں شرم کی بات ہی کون سی ہے! وقت سے ذرا پہلے پیدا ہوگئے۔ آج زندہ ہوتے تو سمجھتے کہ جن چیزوں کو چہرۂ کمال کا داغ سمجھے ہوئے تھے، وہ تو عین حسن و جمال کے خط و خال ہیں!

نیا پیام تعلیم

اس عنوان سے ایک شذرہ پچھلے نمبر میں سپرد قلم ہوا تھا، اسی سلسلہ میں ادارہ مذکور کے ایک ذمہ دار افسر سے مراسلت بھی ہوئی تھی۔ الحمدللہ کہ صاحب موصوف کو ادارہ کے اس غلط اقدام کا احساس ہوگیا، اور موصوف نے اطمینان دلایا ہے، کہ آئندہ رسالہ کے متعلق میں ایسی غلطی کا اعادہ نہ ہوگا۔ اور مدیر صدق کی یہ توقع

"ان شاء اللہ کبھی پوری نہ ہوگی، کہ آئندہ فلاں فلاں اہل فن کے فن پر بھی نمبر نکلے گا"۔

لغزش سے محفوظ رہنا اگر بشر کے لیے ممکن نہیں، تو لغزش پر اصرار سے بچے رہنا تو یقیناً اُسکے بس کی بات ہے۔ اور یہ دلیل اُنکے نقص کی نہیں، کمال کی، اور کمزوری کی نہیں، عین جرأت و شرافت کی ہے۔

دردا و دردا و اے درد

مولوی ابو محمد صاحب مصلح، حیدرآباد دکن سے تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کی حمیت و حرارت اسلامی ہر معاند اسلام کا تیر روکنے میں سپر کا کام دیتی ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ صاحب نگار رہ گیا کوئی اور۔ انکا جواب دعا اور صحیح دوا کے سوا اور کچھ نہیں۔۔

دوا سے میری مراد یہ ہے کہ جب تک حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں نہ آجائے، اور قوانین قرآن کے اجراء و نفاذ کی قوت حاصل نہ ہوجائے آرام اور چین سے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی چیز قرآن حکیم کی تعلیم کا معنی و مطلب کے ساتھ عموم و لزوم ہے۔ اور یہ افسوس ہے کہ اس ضمن میں جو کچھ کیا جارہا ہے وہ قطعاً ناکافی ہے"

ایک سوشلسٹ سے

(از عبد الماجد)

نمبر (۱)

اودھ کے ایک عالی خاندان نوجوان جو اپنی سوشلسٹ جماعت میں ایک ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں، اُن کا ایک طویل مکتوب موصول ہوا ہے۔ چند ناگزیر لفظی ترمیمات کے بعد بعینہٖ درج ذیل ہے:—

مولانا محترم - آداب۔

میں اُن لوگوں میں ہوں جو بچپن سے آپ کے خیالات کو پسند کرتے آئے ہیں۔ پہلے میں سچ پڑھا کرتا تھا اور پھر صدق۔ اب بھی جب کبھی نظر پڑتی ہیں تو آپ کی سبھی باتیں پڑھ لیا کرتا ہوں۔ آپ کے خلوص اور سنجیدگی کا قائل ہوں۔ مگر جس بات سے اب بھی مجھے سخت اذیت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ سوشلسٹوں سے ناراض ہیں مگر اُنکے خیالات کو سمجھ کر اُن پر تنقید نہیں کرتے۔ اسی طرح عیاشی اور آوارگی پر آپ کی لاعلمی بہت زیادہ ہے۔

عام طور پر یہ خیال ہے کہ سوشلسٹ وہ لوگ ہیں جو اپنی بدمعاشی آوارگی کو چھپانے کے لیے اس نام کا لیبل لگا لیتے ہیں۔ یا وہ لوگ ہیں جو آپ کے ایسے بزرگوں کے پاک خیالات سے واقف نہیں۔ مگر کیا عرض کروں۔ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ دو چار نام کے سوشلسٹوں کو چھوڑ کر باقی جتنے ہیں سب کو اس کا لیبل لگاتے ہی وہ قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو معمولی آدمی برداشت بھی نہیں کر سکتا ہے۔

آپ اسلامی طور پر دنیا کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں زکوٰۃ خیرات وغیرہ کی بدولت۔ لیکن آپ نے کبھی مزدوروں اور مل مالکوں کے مسئلہ پر غور نہیں فرمایا ہے کہ اسلامی طور پر انکے جھگڑے کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ طبقہ وار کشمکش کا حل سوا اسکے اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ کارخانے مزدوروں کے ہو جائیں؟ اسی طرح کسانوں، زمینداروں اور برطانوی حکومت اور ہندوستانی رعایا کی کشمکش ہے۔ انکی تحریروں سے میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ ان جھگڑوں کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ لیکن اسے کون قائم کرے، اور کیوں قائم کرے؟ یہ ہو سکتا ہے کہ مل مالک زمیندار اور والیان ریاست باہم مل کر اسلامی حکومت قائم کر لیں۔ ہم لوگوں کے نزدیک ان میں یہ خواہش پیدا ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اگر آپ کے خیال میں ممکن ہے تو انکو نصیحتیں کیجیے۔ اپنا صدق اُنکے پاس بھیجیے۔ لیکن آپ تو نصیحتیں کرتے ہیں غریب مزدوروں اور کسانوں کو۔

مزدور اور کسان بھی مل کر اسلامی حکومت قائم کر سکتے ہیں، مگر اسکے لیے کوئی راستہ چاہیے۔ اس وقت جو راستہ سامنے ہے وہ ہندو مسلم اتحاد، کسان سبھا، مزدور سبھا، کانگریس، اسٹرائک، لگان بندی، ستیہ گرہ، کا راستہ ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں عملی اور نظری بہ کثرت تجربات ہیں، لوگ برابر تجربے کر رہے ہیں، اور کامیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس راہ میں کر جو حکومت قائم ہوگی، وہ عام ہندوستانیوں کی ہوگی نہ کہ اسلامی حکومت۔ آپ اگر اس پروگرام کو غلط سمجھتے ہیں، تو کوئی دوسرا پروگرام پیش کیجیے جو واقعات پر مبنی ہو اور اس زمانہ سے میل کھاتا ہو۔ اور اگر اس پر آپ کو پورا عقیدہ ہو تو تھوڑا سا عمل کر کے دکھائیے۔

عیاشی اور زنا کے بھی آپ بہت خلاف ہیں۔ مگر اس میں بھی آپ کی نگاہ ہیں راجہ صاحبان اور بہت اونچی سوسائٹی ہیں۔ آپ اوسط طبقہ کے نوجوانوں کو بھول گئے جو لڑکپن سے نوجوان اور نوجوان سے جوان اور پھر بوڑھے ہو جاتے ہیں، مگر کبھی اتنا پیسہ نہیں ہوتا کہ شادی کر سکیں، اور ساتھ ہی ساتھ آپ شہوت کی طاقت کو بھول جاتے ہیں۔ بیسواؤں پر غور کرتے وقت آپ اُن کروڑوں لاکھ عورتوں کو بھول جاتے ہیں، جو دو دو آنہ پر تین تین چار چار انڈے نوالے اکٹھا کرنے اور بوڑھے مردوں کے ساتھ عورات بسر کرتی ہیں۔ کیا انکا پیشہ شہوت اور عیاشی کی وجہ سے ہوتا ہے؟

آپ اگر صرف جرائم خلاف وضع فطرت کے اسباب پر غور کریں تو بھی زنا کا مسئلہ کافی صاف ہو جاتا ہے۔ ان پر غور کرنے کے لیے مناسب ہوگا کہ زندگی میں گھس کر زندگی کے اُن طوفانی لہروں کا مطالعہ کیجیے جو انسانی جوہروں کو بات کی بات میں بیچ بہا دیتے ہیں۔ جو شخص انسانی روح کی ان تباہیوں کو بھگت رہا ہو یا بھگت چکا ہو، اُس کی نگاہ میں کیا قیمت ہو سکتی ہے آپ کی نصیحتوں کی۔ میں آپ کو سیکڑوں صحیح واقعات سنا سکتا ہوں جن سے شہوت اور غریبی کا قریبی تعلق معلوم ہو سکتا ہے۔

غریبی کا مسئلہ تو شاید مولاناؤں کے ذہن میں بھی نہیں آتا، کیونکہ قناعت کا جوہر ان میں موجود ہے۔ لیکن آپ اُن لوگوں کو کیسے سمجھا سکتے ہیں جنکے ذہن میں ہندوستان کی ۳۵ کروڑ آبادی میں سے ۳۴ کروڑ کی برباد زندگی ہو، اور وہ محسوس کر رہے ہوں کہ قناعت کا جوہر دنیا میں کبھی اتنا نہیں پایا جا سکتا ہے کہ وہ ساری مخلوق کو خاموش کر دے۔ اور یہ کہ دنیا میں اگر ذرا سی قناعت اور بڑھ گئی بجائے امن اور اخلاق کے اور بدامنی اور بداخلاقی پیدا ہو جائیگی کیونکہ قناعت سے جتنی زمین خالی ہوگی اُس پر فوراً مل مالکان اور زمیندار اور سامراجی قبضہ کر لینگے۔ میں اور تفصیل سے لکھتا لیکن مجھے یقین نہیں کہ ان باتوں سے کوئی دلچسپی ہوگی، اس لیے خط ختم کرتا ہوں۔

مراسلہ نگار صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ مکتوب الیہ کے لیے اظہار خیال کا ایک اچھا اور مناسب موقع بہم پہنچا دیا۔ سوشلزم سے متعلق اسکا مطالعہ وسیع یقیناً نہیں، لیکن جتنا بھی کچھ ہے، شاید ناکافی و غیر وقیع نہ کہا جا سکے۔ کارل مارکس اور لینن کے خیالات، خود انھیں کی زبان سے جہاں تک انگریزی میں منتقل ہوسکے ہیں، سن لیے گئے ہیں۔ برنرڈ شا وغیرہ انگریز سوشلسٹوں سے تو اور کچھ زیادہ ہی واقفیت ہے۔ روسی تجربہ کی حکایت بعض صاحبان تجربہ ہی کی زبان سے سننے میں آ چکی ہے۔ صنفیات و شہوانیات سے متعلق مطالعہ تو ایک حد تک وسیع بھی کہا جا سکتا ہے۔

سوشلسٹ طبقہ کی قربانیاں نہ پہلے زیر بحث تھیں نہ اب ہیں۔ گفتگو صرف سوشلزم کی تعلیمات کی صداقت کے باب میں ہے۔ اور قربانیاں حق و صداقت کی دلیل کسی معنی میں بھی نہیں بن سکتیں۔ اہل باطل نے باطل کی حمایت و نصرت جب ظاہر بیں نظروں میں، ہمیشہ اہل حق ہی کی طرح جوش و غلو، حمیت و غیرت دکھلائی ہے، بت پرستوں کا جوش و خروش بت پرستی کی حمایت میں اُس سے کچھ کم ہوتا ہے جتنا اہل توحید کا توحید کے حق میں ہوتا ہے؟ ابو لولو فیروز (قاتل حضرت عمر فاروقؓ)

اور عبد الرحمٰن ابن ملجم (قاتل حضرت علی مرتضیٰؓ) نے کیا اچھی طرح جان بوجھ کر اپنے کو دوزخ کی ہلاکت میں ڈالا تھا؟ خود آج آپ آنکھوں سے کیا دیکھ رہے ہیں؟ جرمن سپاہی کس بے جگری سے لڑ رہے ہیں؟ ہندوستان میں اکالی سکھوں نے اپنے "حقوق" کی حفاظت میں، اہل سنت لکھنؤ نے "مدح صحابہ" کی خاطر، شیعیان لکھنؤ نے تبرا کی حمایت میں، خاکساروں نے اپنے جھنڈے کی نصرت میں، غرض کس نے جیل جانے، مار کھانے، گولی کھانے سے قدم پیچھے ہٹایا ہے؟ جب یہ صورت حال ہے، تو سوشلسٹ افراد کی قربانیوں کی داستان کچھ پھیکی سی پڑ جاتی ہے۔ آئندہ اگر پھر کبھی صدق میں اس موضوع پر قلم اٹھانے کا اتفاق ہو تو گفتگو صرف سوشلزم کے اصول پر رہے۔ البتہ یہ تجربہ ضرور ہے کہ جب کوئی تحریک داخل فیشن ہو جاتی ہے، تو اس میں زیادہ تر شریک ہونے والے وہی ہوتے ہیں، جو غور و فکر کی بنا پر نہیں، بلکہ فیشن یا زمانہ کی ہوا ہی کی بنا پر شامل ہو جاتے ہیں۔ سوشلزم کی تحریک اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں۔ رہا یہ کہ کوئی تحریک خود [illegible] کیوں ہو جاتی ہے، اور کیوں پھیل جاتی ہے، سو اسکے اسباب کے تجزیہ کا موقع نہیں، اسباب مختلف ہوتے ہیں، [illegible] ہو سکتا ہے کہ ان میں حق و صداقت کا عنصر بھی شامل ہو۔

یہ آپ نے سچ لکھا کہ صدق [illegible] حالات خالصۃً اسلامی اصول پر [illegible] کی دعوت دیتا رہتا ہے۔ اور اسکے تحت میں زکوٰۃ کی ادائی، صدقات کی تعلیم، جائداد کی عادلانہ تقسیم، سود کی حرمت، میراث کی [illegible] وغیرہ کی [illegible] قرضداروں کے حق میں آسانیاں، غرض اسلامی ہدایات کا نظام پورے کا پورا آ جاتا ہے۔ اور اسکے بعد وہ [illegible] کشمکش [illegible] جاتی ہے آج، عیسائیوں اور [illegible] کے علاج کی بنا پر دنیا کے سر پر [illegible] مسلط ہو گئی ہے۔ طبیب حاذق کا نسخہ پوری طرح موثر جبھی ہو سکتا ہے، جب اسکے ہر جزو، اسکی ہر تدبیر، [illegible] پرہیز، اسکی تجویز کی ہوئی غذا، غرض سب پر عمل ہو۔ اسلامی نظام حکومت قائم ہو جانے کے بعد اول تو یہ بڑے بڑے کارخانے، یہ بڑی بڑی ملیں خود ہی زیادہ نہ رہ جائینگی، اور اگر رہیں بھی تو اتنا تو بہرحال یقینی ہے کہ معاملہ "مالکوں" اور "مزدوروں" کے درمیان نہیں، بلکہ معاملت و معاشرت دونوں بھائیوں بھائیوں کے درمیان رہ جائیگی۔ جزئیات تفصیل تو احکام [illegible] کہ قلی سے اسباب اٹھوانا، کرایہ کی سواری پر قدم رکھنا اس وقت [illegible] جائز نہیں، جب تک [illegible] سے اسکی مرضی کے مطابق اجرت طے نہ کر لی جائے [illegible] مزدور [illegible] یہ تو حدیث میں صراحت ہے کہ انکی اجرت فوراً [illegible] کے حوالہ کر دو، قبل اسکے کہ انکا پسینہ خشک ہونے پائے۔ یہ [illegible] خیالی اور ذہنی نہیں، دنیا اسکا عملی نمونہ سالہا سال تک دیکھ چکی ہے۔ عثمانؓ جیسے غنی آج کی اصطلاح میں "سرمایہ دار" اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ جیسے سرمایہ دار کے دسترخوان پر بے تکلف سلمان فارسیؓ اور عمار بن یاسرؓ اور ابو الدرداءؓ اور ابو ہریرہؓ کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ — آج [illegible] کہ زمیندار [illegible] کاشتکاروں کو پیسے ڈالتے ہیں۔ حالانکہ ابوبکرؓ، و عمرؓ، و عثمانؓ، و علیؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ تو بادشاہتوں کے مالک تھے، [illegible] بڑے سے بڑے زمیندار سے کہیں زیادہ [illegible] اور حکومت و مقدرت رکھتے تھے۔ [illegible] کبھی [illegible] ملازمت [illegible] سخت گیری [illegible] جب [illegible] ہندستان [illegible] سے کم تھا؟ اسلام کے حلقہ بگوشوں

کو چھوڑیے۔ اسلام کے کتنے چپے مورخ ان بادشاہوں کے طرز عمل سے متعلق کیا کچھ لکھ گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح فطرت نے اپنے تمام شعبوں میں اختلاف و فرق مراتب قائم رکھا ہے، کوئی حسین ہوگا کوئی بدشکل، کوئی گورا کوئی کالا، کوئی دراز قد کوئی پستہ قامت، کوئی وجیہ کوئی کم رو، کوئی خوش الحان کوئی بد آواز، کوئی طاقتور کوئی کمزور — اسی طرح امارت و ثروت کا اختلاف بھی ایک حد تک ناگزیر ہے۔ کوئی امیر ہوگا کوئی غریب، کوئی حاکم ہوگا کوئی محکوم۔ سوشلزم، کمیونزم یا کوئی بھی "ازم" ہو جو اس تنوع کو مٹا دینا چاہتی ہے، دنیا کو تماشہ گاہ کثرت کے بجائے جلوہ گاہ وحدت بنا دینا چاہتی ہے، وہ فطرت سے جنگ کر رہی ہے۔ قرآن مجید کی مشہور آیت ولا تتمنوا ما فضل اللہ به بعضکم علیٰ بعض اسی جانب مشیر ہے۔ مراتب کونیہ میں شئون غیر ارادی ہیں، اختلاف و تفاوت جزو فطرت ہے۔ البتہ اسکی بنا پر ظلم و تحقیر کا حق کسی کو نہیں۔ یقیناً حقوق بشری سب برابر ہیں۔ انسان مشینوں کے پرزوں کی طرح اس کائنات کی مشینری کا ہر پرزہ اپنی جگہ پر اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے، اور بڑے پرزہ کو ہرگز چھوٹے سے چھوٹے پرزہ کی بھی تحقیر کا حق حاصل نہیں۔ بس یہ نکتہ خوب ذہن نشین کر لیا جائے تو سارے سوالات از خود رفع ہو جاتے ہیں۔

شریعت نظری نے محض نظام مادیات پر قناعت نہیں کی، اخلاقیات و [illegible] سب [illegible] نظام الگ الگ مقرر کیے، سب ایک دوسرے کو زور و تقویت پہنچانے والے۔ یہ تو فرنگیوں کا جاہلانہ فلسفہ "تنازع للبقا" (struggle for existence) کا ہے جس نے فرنگستان اور ہندوستان سب کے دماغوں پر مسلط ہو کر سرمایہ داروں، سرمایہ شکنوں سب کے نزدیک ایک مستقل مستمر صورت "کشمکش" اور "تنازع" کی [illegible] انسان کے درمیان ناگزیر بنا دی ہے۔ اسلام نے اس تمامتر غلط و گمراہ کن فلسفہ ہی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور وہ قائل "تنازع کا نہیں"، "توافق للبقا" (Alliance for existence) کے اصول کا ہے۔

اس نے جو "امت" کا تخیل قائم کیا ہے، اس میں سب ایک دوسرے کے حریف و رقیب نہیں، شریک و ہمدرد و غمگسار رہتے ہیں۔ امراء کا وجود اسکے ہاں اسلیے نہیں کہ وہ غصب کر کر کے امیر سے امیر تر ہوتے جائیں، بلکہ اس لیے کہ اپنی دولت جتنی زیادہ غرباء کے کام میں لگا سکتے ہوں لگائیں۔ بادشاہ رعایا پر "حاکم" نہیں ہوتا، محض "راعی" ہوتا ہے، نگہبان، خبر رکھنے والا، ٹرسٹی، متولی۔ حاکم صرف حق تعالیٰ ہے۔ اور تو اور بادشاہ قانون ساز تک نہیں۔ قانون ساز صرف اللہ ہے۔ اسلامی بادشاہ کا کام صرف انھیں قوانین الٰہی کا نافذ کرنا، اس انتظام الٰہی کو چلانا ہے۔ رعایا کا ہر فرد اس پر نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ اسکی ضرورت نہیں کہ فلاں امتحان پاس کر کے فلاں مقدار جائداد کا مالک ہونے کے بعد ووٹ کا حق حاصل کر سکے اور سوال پھر بھی براہ راست خود نہ پیش کر سکے

---

[1] عمر فاروقؓ خراسان سے حجاز، یمن، نجد، مصر، عراق و ایران و شام و فلسطین سے متعلق ذیل کی مشہور جرمن مستشرق کے الفاظ میں
The Caliph [illegible]

مسلمانوں کی فلم نوازی

محسن میاں صاحب ساکن [illegible] اپنے ایک عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"آج آپ کا اڈیٹوریل "ہندی ہندوستانی" پڑھا - بجا طور پر آپ نے مسلمان نیشنلسٹوں پر انکی ذمہ داری عائد کی ہے اگر آپ اسکے ساتھ ان فلموں کی جانب توجہ مبذول کراتے جو آج کل بہت بڑی حد تک ہندی کی ترویج کا باعث بن رہی ہیں - خصوصاً کانپور کا مسلمان مزدور طبقہ اس سے بہت زیادہ اثر لے رہا ہے کیونکہ کانپور کے مل مزدور کم از کم ہفتہ میں دو بار سنیما (یا تھیٹر) ضرور بائسکوپ دیکھتے ہیں - گویا ایک فرض کی طرح اسکو پورا کرتے ہیں - اسی طرح دوسری عام پبلک کا بھی بائسکوپ کے متعلق یہی رویہ ہے کہ ۶ بجے یا ۹ بجے رات کا وقت قریب ہے ... لوگ ہاتھ منہ دھو بال بنا کر سرخ پیلے کپڑے پہنے سنیما ہاؤس کی طرف چل دیے - راستہ میں ... بعض دوستوں نے اکٹھا کر لیا ... وہ لوگ ٹاکیز ہوس کی طرف چل دیے - اب انکو یہ بحث نہیں کہ "کلیا" میں ... مالکان کمپنی نے گلا گھونٹنے کے غرض سے زہر اگلا ہے - یا "رات کی بات" میں مسلمانوں کو بد تہذیب بنایا ہے - یا "آج کل کے ہندوستان" میں ہر جگہ بلکش اردو الفاظ کے بجائے ٹھیٹھ اور ٹھیٹھ ہندی الفاظ کو ٹھونس دیا ہے یا کسی تماشہ میں صاف صاف ہندو دھرم کی تبلیغ اور کرشن جی مہاراج کو دنیا کا پیدا کرنے والا ثابت کیا گیا ہے - وہ لوگ ہر تعطیلات سے پہلے ٹکٹ کے دام نکالیں گے اور ہندی پر چار میں اپنا حصہ لیں گے کیا کانپور کی سٹی مسلم لیگ کا یہ فرض نہیں کہ اس غلط راستہ پر مسلمان پبلک کو چلنے نہ دے - مسلمان مل مزدور شوقین ہوتے ہیں ان پڑھ دیہات سے آئے ہوئے سیدھے سادھے مسلمان ہوتے ہیں تعلیم کی کمی کی وجہ سے وہ لوگ بھی باہر آتے ہی اسی ڈھنگ پر لگ جاتے ہیں جس طرح انکے کانپور کے آنے سے قبل انکے دوسرے مسلمان مل مزدور بھائی کر رہے ہیں -

اس وجہ سے ضرورت اس امر کی ہے کہ سٹی مسلم لیگ اس میدان کی طرف توجہ مبذول کرے

(۱) مسلمانوں کی اصلاح رسوم

(۲) مسلمان مل مزدوروں میں فضول اخراجات کی بندش

(۳) مسلمان مسلمان میں خرید و فروخت

یہ ایسے امور ہیں کہ سٹی مسلم لیگ اسکی طرف جلد توجہ کرے تو اسکی بنا پر لوگ اس کی طرف جلد راغب ہونگے اردو کا بھی کچھ بھلا ہو جائیگا خصوصاً ایسی فلمیں تو کم از کم مسلمان نہ دیکھیں گے کہ جس میں پیسہ دے کر اپنی برائی اور ہندی کی تبلیغ ہو"

ہم نامہ نگار موصوف کے مندرجہ بالا خیالات کی پرزور تائید کرتے ہوئے نہایت افسوس کے ساتھ اسکا اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ مسلمانوں کا یہ شوق تماشہ اور یہ فلم نوازی صرف کانپور تک محدود نہیں ہے بلکہ صوبہ کے ہر شہر اور ملک کے ہر صوبہ میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ اس قسم کے تفریح اور تماشوں پر اپنی گاڑھی کمائی سے پیدا کیا ہوا روپیہ نہایت بے دردی کے ساتھ بہا رہے ہیں اور اس پر انکی نظر مطلق نہیں جاتی کہ جو پیسہ وہ اس کام میں اس اولوالعزمی کے ساتھ اٹھا رہے ہیں وہ دراصل برادران وطن انکی قومی عمارت کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے میں کام میں لا رہے ہیں - انکی زبان، انکی رسم و رواج، انکی معاشرت ان سب کی تبلیغ کی جا رہی ہے اور جھوٹے قصوں اور من گھڑت داستانوں کو تاریخی رنگ دے کر مسلمانوں پر ہندو مذہب اور ہندو کیرکٹر کی عظمت اور ہیبت قائم کی جا رہی ہے - لہذا ضرورت ہے کہ صوبہ مسلم لیگ اس کام کی طرف اپنی توجہ مبذول کرے اور اپنی کل ماتحت لیگوں کو انکی ہدایت کرے کہ وہ مسلمانوں کے "شوق تماشہ" کے مضرات سمجھا کر انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں - (حق)

اخبار صدق (لکھنؤ) کا مستقبل

یہ اخبار ہندوستان کے مشہور ادیب اور اسلامی مفکر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے - یہ اخبار صرف نام کا اخبار ہے ورنہ حقیقت میں اسکے اسلامی مضامین اور علمی مقالات اہل علم کے لیے ایک "معلم دین و اخلاق" کی حیثیت رکھتے ہیں - اسکا نصب العین یہ ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن کے استیلاء اور مغرب کی مرعوبیت سے لوگوں کو محفوظ رکھنا اور صحیح اسلامی اسپرٹ پیدا کرنا - کر ۹ کروڑ مسلمانان ہند میں نکلنے والا یہ ہفتہ وار پرچہ خریداروں کی کمی اور مسلمانوں کی ناقدری کی وجہ سے گرداب ہلاکت میں آ گیا ہے - مسلمانوں کے لیے یہ چیز انتہا درجہ کی شرمناک ہوگی اگر وہ اس اخبار کو بند ہونے دینگے - مسلمانان رنگون ورما جو سیکڑوں روپئے ریس اور لاٹری کی نذر کر دیتے ہیں، اگر وہ چار سو روپیہ کی امداد کر کے خریدار بنا دیں تو کیا مشکل ہے؟ میری مسلمانان برما سے پرزور درخواست ہے کہ جو لوگ "المحمود" کا مطالعہ کرتے ہیں وہ للہ چندہ بھیجکر "صدق" ضرور جاری کرائیں - (رسالہ المحمود - رنگون)

خریداران صدق کی خدمت میں

جن حضرات کی میعاد خریداری ختم ہو رہی ہے انکی خدمت میں عرض ہے کہ آئندہ پرچہ کی خریداری کے لیے سال آئندہ کا چندہ بذریعہ منی آرڈر جلد سے جلد روانہ کر کے دفتر کو شکرگزاری کا موقع دیں ورنہ اوائل ستمبر میں ان حضرات کی خدمت میں پرچہ بذریعہ وی - پی ارسال ہوگا -

اس لیے التماس ہے کہ اگر کوئی صاحب خدانخواستہ صدق کی آئندہ خریداری جاری نہ رکھ سکیں وہ براہ مہربانی دفتر کو نقصان سے بچانے کے لیے ایک کارڈ لکھ دیں - تاکہ دفتر کو انکی ذات سے نقصان نہ پہونچے -

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

اعزاز حاصل ہوا ہے۔" (ریویو آف ریلیجنز)

یہ پہلی اعزاز ہے جو ہمارے ایک بھائی کے گراں بہا اعزاز سے متعلق ہم سب سے لیند ہوئی، خدا کا شکر ہے کہ کوئی اعزاز تو اس قسم کی آئی ورنہ اب تک تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مغرب کے سنجیدہ علمی مشاغل ہمارے لیے سرے سے ہیں ہی نہیں، اور ہماری قسمت میں یورپ سے صرف وضع و لباس کے فیشن کا اور ناچ رنگ کا زن پرستی تک کا اتحاد و بے دینی کا سیکھنا ہی مقدر ہو چکا ہے!

شاہِ افغانستان کا حلف

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ شاہان افغانستان اپنی تخت نشینی کے وقت مجلس شوریٰ کے روبرو ایک حلف بھی اٹھاتے ہیں۔ یہ حلف نامہ اعلیٰحضرت شاہ نادر شہیدؒ کا مرتب کیا ہوا ہے۔ اسکی عبارت، ہمعصر انقلاب سے لیکر درج ذیل کی جاتی ہے:

"میں قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر خدائے عظیم کے سامنے حلف اٹھاتا ہوں کہ اپنے تمام اعمال و افعال میں خدا و ملت اور شاہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے دین مبین اسلام، استقلال افغانستان، اور حقوق ملت کی حفاظت کرونگا اور شریعت متین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اصول اساسی مملکت کے مطابق وطن کی سعادت و ترقی اور نگہبانی میں کوشاں رہوں گا۔ ہم اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس روحانیت سے اپنے لیے برکت و مدد کے ملتجی ہیں۔"

الحمدللہ! یہ مسلمان بھی کیسی سخت جان قوم ہے۔ اس بیسویں صدی میں بھی قرآن کریم کی عظمت، "خدائے عظیم" کے اسم پاک کا احترام، "دین مبین اسلام" پر چلنے کا اہتمام، اور "شریعت متین محمدی" پر قائم رہنے کا یہ عزم!

حکومت کے بنیادی اصول

اعلیٰحضرت شاہ نادر شہید نے اپنے اور اپنے جانشینوں کے لیے جو بنیادی دستور العمل تیار فرمائے تھے، اسکی بعض دفعات میں سے پہلی دو دفعات حسب ذیل ہیں:-

"(1) موجودہ حکومت دین مقدس اسلام اور مذہب مہذب حنفی کے مطابق سارا کاروبار چلائیگی۔ اس غرض سے پیش نظر کہ شریعت غرائے محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) حکومت کے نام امور میں قائم و جاری رہے، وزارت عدلیہ اور رئیس شوریٰ ملی کا یہ فرض ہوگا کہ شعبہ احتساب کو حکومت کا لازمی جزو سمجھیں اور اس شعبہ کو منظم صورت میں جاری کریں۔ دین الٰہی کے احکام کے مطابق افغانستان کے تمام باشندے بلا امتیاز قومیت و نسل بھائی بھائی سمجھے جائیں گے اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ دین و شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق افغانستان میں پردہ قائم رہیگا۔

(2) حکومت کے ملازم خواہ کسی درجہ کے ہوں، وزارت عدلیہ میں قرآن عظیم الشان پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائیں گے کہ رعایا سے کبھی رشوت یا ہدیہ نہ لینگے، پاک نفسی اور پاک دامنی کے ساتھ خلق اللہ کی خدمت بجا لائینگے۔ آج کے دن سے اپنی حکومت کے ساتھ مالی یا عملی خیانت کے مرتکب نہ ہونگے، تندہی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرینگے۔

شراب نوشی کی سزا شریعت محمدی کے مطابق دی جائیگی۔ شراب کو علانیہ یا خفیہ فروخت کرنا سارے افغانستان میں ممنوع ہے۔ کسی باشندے کو شراب بنانے کی اجازت نہیں۔ اگر کسی گھر میں شراب بنیگی یا کسی دوکان میں بیچی جائیگی تو حکومت کو علم ہوتے ہی شراب ضبط ہو جائیگی۔ اور مجرموں کو شرعی سزا دی جائیگی۔ اگر کسی ملازم حکومت کے متعلق ثابت ہوگیا کہ وہ شراب پیتا ہے تو شرعی سزا کے علاوہ اُسے ملازمت سے برطرف کردیا جائیگا۔

بیرونی رعایا اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔" (انقلاب - لاہور)

عہد خلافت راشدہ کو چھوڑیے، تابعین و تبع تابعین کا زمانہ بھی جانے دیجیے، اس بیسویں صدی میں بھی دین و دیانت، امانت و تقویٰ، بے طمعی و عصمت، کا یہ اہتمام آپ کو کس مہذب ملک کی سول سروس کے نظام نامہ میں ملیگا؟ امریکہ و برطانیہ، فرانس و جاپان، جرمنی و اٹلی، سارے مہذب ملکوں کے ضوابط و قوانین کو پڑھ ڈالیے۔ "پبلک ڈیوٹی" کا معیار ان ملکوں میں بھی بیشک بہت اعلیٰ ہے، لیکن شخصی پاکیزگی اور انفرادی اصلاح حال کے بغیر یہ اگر بالکل جسد بے روح نہیں تو اور کیا ہے؟

ترکِ اعظم کے کارنامے

(1) اتاترک نے اسلامی قانون ترکی قلمرو سے یکقلم منسوخ کر کے جرمنی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون، اور سوئزرلینڈ کا دیوانی قانون جاری کردیا۔

(2) وراثت میں عورتوں اور مردوں کو مساوی قرار دیا۔

(3) تعدد ازدواج کو قانوناً ممنوع ٹھہرایا۔

(4) مصوری، بت تراشی اور موسیقی کے معاملہ میں وہ "مذہبی یا اخلاقی نقطۂ نظر کے قائل نہ تھے" اور ترکوں کے دماغوں سے اس مذہبی خیال کو محو کرنے کے لیے" اُنھوں نے خود اپنے مجسموں کے بت بنوا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے۔

(5) مصوری کے اسکول اور کالج قائم کیے، اور مہذب اقوام کے مختلف طرز کے رقص رائج کیے۔

(6) "ترقی" نسواں کے سلسلہ میں اُنھوں نے پردہ کا کلی استیصال کیا، اور ترکی عورتوں کو آزادی کے ٹھیک اُس مقام پر لاکر کھڑا کردیا جس پر انگریزی بیبیاں اسوقت کھڑی ہیں۔

یہ ترکی مجددوں کے پیشوائے اعظم کے وہ چند زبردست کارنامے، جو رسالہ ترجمان القرآن لاہور نے اپنے جون نمبر (ص ۳۲۴) میں اُسکے کسی مخالف یا نکتہ چیں کی نہیں، ایک مداح سوانح نویس کی تازہ کتاب سے اخذ و اقتباس کرکے پیش کیے ہیں۔ غریب "جمود پسند" مسلمانوں کو سوچتے رہنے دیجیے، کہ جو شخص

قانون اسلام سے بغاوت میں اتنا دلیر و بیباک ہو، اُسے مسلمان بھی کس منہ سے کہنا درست ہوگا۔ "تجدد" کے فخر کے لیے یہ کچھ کم ہے، کہ ایک مشرقی نے فرنگیت میں اپنے کو یوں فنا کرکے دکھا دیا! اور جب "ترقی" و "آزادی" نام ٹھہرا اسی تقلید اور فنائیت کا، تو مسلک تجدد کی امامت کا حق اس سے بڑھ کر اور کس بزرگ کو حاصل ہو سکتا ہے!

نشرگاہ حیدرآباد سے

حیدرآباد جس طرح اپنے ادارے مختلف سرکاری، نیم سرکاری، غیر سرکاری محکموں اور اداروں کے واسطے سے اُردو زبان و ادب کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اسی طرح اپنے محکمہ ریڈیو کے ذریعے بھی۔ تقریریں وقتاً فوقتاً اس میں اچھی آتی رہتی ہیں۔ اچھی بہ اعتبار نفس مضمون بھی، اور بلحاظ طرز زبان بھی۔ اور اس سے معیار سازگی کے پروگراموں کا گفتار و کسی نہ کسی درجہ میں ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ابھی ایک چیز کی طرف محکمہ مذکور کو توجہ نہیں ہوئی ہے۔ دہلی ریڈیو اسٹیشن سے، کہ وہ ہندوستان کا سب سے بڑا ریڈیو اسٹیشن ہے، پابندی کے ساتھ ہر جمعہ کو صبح کی مجلس میں قرآن مجید کا ایک رکوع صاحب فن قاری کی دلکش آواز میں مع سلیس، شگفتہ ترجمہ کے آتا رہتا ہے، اور ہزاروں مسلمان بہ ہزار شوق و عقیدت سے سنتے رہتے ہیں۔ ایسے مسلمان بھی جو اور کوئی پروگرام نہیں سنتے، اس کے سننے کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ اور دہلی کے علاوہ دوسرے اسٹیشنوں سے بھی کبھی کبھی کلام مجید کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ جب یہ انتظام انگریزی نشرگاہیں بہ آسانی کر سکتی ہیں، تو نشرگاہ حیدرآباد پر تو مسلمانوں کا حق بہرحال کہیں زائد ہے۔ وہ اگر ذرا اِدھر توجہ کرے، تو اس کے لیے تو یہ انتظام کچھ بھی دشوار نہیں، اور نہ بلدۂ حیدرآباد میں خدا کے فضل سے خوش الحان اور صاحب فن قاریوں کا کچھ توڑا ہے۔ نشرگاہ کے نقصان کا اس میں کوئی پہلو ہی نہیں، اور مقبولیت کی توقع اس سے بہت کچھ ہے۔ دوسری چیز اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ حیدرآباد میں ماشاء اللہ اچھے مذہبی مقررین کی کمی نہیں، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا بادشاہ حسینی وغیرہم۔ ان حضرات سے مذہبی تقریبات کے موقع پر تو لازماً، اور یوں بھی وقتاً فوقتاً مذہبی عنوانات پر مفید و دلچسپ تقریریں کرائی جا سکتی ہیں۔

نسائیت لکھنؤ کی صدی میں

امیر اللغات، اُردو کا مشہور لغت ہے۔ بالکل ناتمام رہا۔ صرف ابتدائی دو جلدیں نکلنے پائیں۔ اس کی ردیف الف مقصورہ میں عنوان "اچھوتیاں" کے تحت میں ہے:—

"اچھوتی کی جمع۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ کے وقت میں چند کنواری عورتیں (شاید چالیس سیدانیاں) عیاذاً باللہ حضرت امام مہدی آخر الزماں کی حرموں کے نام سے ملازم تھیں۔ وہ اچھوتیاں کہلاتی تھیں۔ بادشاہ ہر روز صبح کو انھیں سلام کرتے تھے۔ اور ان عورتوں کا ایسا دور دورہ تھا کہ ایک خاندان اچھوتیوں والا مشہور ہو گیا۔ اب تک اچھوتیوں کا محلہ، اچھوتیوں کا مکان، اچھوتیوں کا باغ وغیرہ لکھنؤ میں معروف و مشہور ہیں۔" (جلد ۱۔ ص ۸۵، مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

عقیدہ و عمل جو یا جیسا کچھ بھی ہو، اسے چھوڑیئے۔ یہاں ذکر صرف اس بات کا ہے کہ اودھ کا یہ بادشاہ عورت کے مرتبہ کا قدردان کتنا تھا! —— بادشاہ ظل اللہ بادشاہ روز صبح کسی کو سلام کرے! یہ مرتبہ کوئی معمولی ہے؟ نصیب ہوا تو کس کو؟ کسی مرد کو؟ نہیں، بے بس خوش نصیب عورتوں ہی کو!

گندگی کی پوجا

عمل قوم لوط کے لیے بحمد اللہ ابھی تک ہماری زبان میں کوئی نرم و خوشنما لفظ موجود نہیں۔ انگریزی زبان میں البتہ اس کی فراغت کے لیے ایک لفظ Homo-sexuality گڑھ لیا گیا ہے۔ اس کے باب پر ایک امریکی محقق اپنے رسالہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:—

"یہ کوئی نئی چیز ہمارے تمدن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس کا وجود تو تاریخ کے قبل سے ہے۔ اور بعض تہذیبوں کے ہاں یہ عشق و محبت کا بلند ترین درجہ ہے۔ اور نظمیں، ڈرامے، افسانے، سب انھیں تعلقات کی شان میں لکھے جا چکے ہیں۔" (پولن کی "سکس کرمنل" (Pollen's 'Sex criminal' ص ۱۲۱)

"اس عادت کے گرفتاروں کی تعداد ہمارے ملک میں بہت بڑی ہے۔ بہت سے شادی شدہ ہیں۔ اور دنیا کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ لیکن دراصل وہ اپنے شوق پورا کرتے رہتے ہیں۔" (ص ۱۳۳)

"ڈاکٹر ہنجین، ایک اس عادت کے گرفتار کا قول نقل کرتے ہیں کہ تمہارا شہر نیویارک تو ہم لوگوں کے لیے جنت ہے۔ لڑکے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، اور ذرا سی توجہ سے ہاتھ آ جاتے ہیں۔" (ص ۶۹)

غلاظت کا نام لطافت رکھ دینے، گندگی سے لطف لینے والی، مسخ شدہ ذہنیت کو چھوڑیئے، اعجاز قرآن مجید کا دیکھیے، کہ حضرت لوطؑ کی زبان سے اُن کی قوم کو مخاطب کرکے دو مرتبہ یہ فقرہ کہلایا:—

انکم لتاتون الفاحشۃ ما سبقکم بہا من احد من العالمین۔ (اعراف آیت ۸۰۔ عنکبوت آیت ۲۸)	تم ایسی گندگی میں مبتلا ہو، کہ تم سے قبل دنیا جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کی

غور طلب لفظ "ما سبقکم" ہے۔ یہ نہیں کہ تم سے پہلے کسی نے کیا، نہ بعد کو کوئی کریگا، بلکہ صرف اتنا ارشاد ہوا کہ اب تک کسی نے نہیں کیا، تمہارا پیش رو اس باب میں کوئی نہیں ہوا ہے۔ —— اللہ خبیر و علیم ہے۔ بڑھ کر یہ کس پر روشن ہو سکتا تھا کہ پس رو اس بارے میں بہت سے پیدا ہونگے، بعد کی مغربی کافرانہ تہذیبیں اور ملحدانہ تمدن اپنے ہاں اس کا نہ صرف رواج ہی دینگے بلکہ اس پر فخر کرینگے، اور اس کی مدح و تحسین میں ادبی و علمی دلائل قائم کریں گے!

بزم ہمدردان صدق

پچھلی فہرست میں ہمدردان صدق کا شمار ۱۰۰ تک پہونچ چکا تھا۔ اس کے بعد ایک گمنام و بے نشان کرم فرما کے مرسلہ عــہ دفتر کو موصول ہوئے۔ ان میں سے عــہ دو خریداروں کی طرف سے چندہ تھا، اور باقی عــہ بزم ہمدردان صدق کی رکنیت کی نصف فیس! —— اللہ اللہ! خفائے نام کا یہ اہتمام، اور اخلاص کا یہ مرتبہ کہ منیجر، ایڈیٹر، غرض اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو خبر نہ ہو، بجز اللہ کے فرشتوں کے!

بہرحال یہ ملا کر بزم کے ممبران کا شمار ۱۰۰½ تک پہونچتا ہے۔

ایک سوشلسٹ سے

نمبر (۲)

مسلسلۂ صدق ص ۱۶

(از عبدالماجد)

جس طرح دین اور شریعتیں صرف دو ہی ہیں، ایک توحیدی، دوسری لاتوحیدی، اسی طرح حقیقۃً تمدن و تہذیب کی بھی دنیا میں کل دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں، وہی ایک توحیدی، دوسری لاتوحیدی۔ دین وحدت یا دین توحید صرف ایک ہے، جس طرح خط مستقیم صرف ایک ممکن ہے، اور یہ دین اپنی ایک مخصوص تہذیب، مخصوص تمدن، مخصوص قانون رکھتا ہے۔ اسکے مقابل لاتوحیدیت بیشمار رنگ اختیار رکھتی ہے، جس طرح خطوط منحنی بیشمار ہو سکتے ہیں۔ صحت صرف ایک شے کا نام ہے، عدم صحت یا بیماری کی صورتیں صدہا ہزارہا ہیں۔ لاتوحیدیت اپنے اندر باطل کی بیشمار صورتیں رکھتی ہیں، مثلاً شرک، الحاد، تحریف دین کے تمام مظاہر پر شامل ہے، اسکی تہذیبیں اور اسکے تمدن بھی کثیر اور متعدد ہیں۔ لیکن ایک چیز سب میں مشترک ملیگی یعنی اعتدال کے قانون حکمت سے ہٹا ہوا۔ مسائل حیات پر نظر، انکے اندر ہمیشہ کسی ناقص اور محدود ہی پہلو سے ہوگی۔ ہمہ جہتی نقطۂ نظر انکے نصیب میں ہوئی نہیں۔

یہ لاتوحیدی یا باطل تہذیبیں چونکہ زندگی کی غلط تفسیریں، مسائل کائنات کی غلط تعبیریں ہوتی ہیں، اس لیے انکے فتنوں اور رخنوں کے امکانات بہت زائد اور قوی رہتے ہیں۔ یہ ایک غلطی کی اصلاح دوسری غلطی سے کرنا چاہتی ہیں، گویا ایک بیماری کو دور کرنے کے لیے دوسری بیماری مسلط کر دیتی ہیں۔ اس سے غلطیوں، گمراہیوں، بیماریوں کا ایک دور و تسلسل قائم ہو جاتا ہے، اور صحت و اصلاح کی منزل جوں کی توں دور رہتی ہے۔ تقسیم دولت کے معاملہ میں بھی بنیادی غلطی یہ ساری باطل تہذیبیں کرتی آئیں اور آج بھی کر رہی ہیں۔ افراد کے درمیان دولت کی نامساوی تقسیم ایک مشاہدہ اور واقعہ ہے، اس سے تو کسی کو انکار ہی نہیں۔ سوشلزم اور کمیونزم کی لاتوحیدی تہذیب نے اسکا علاج حسب معمول سطح بینی سے کام لیکر یہ تجویز کیا کہ ذاتی ملکیت کو مٹا دیا جائے، اور دولت کو افراد کے ہاتھ سے نکال کر اسٹیٹ (حکومت) کی طرف منتقل کر کے، افراد کو اسکا مساوی حصہ دار بنا دیا جائے ——— یہ علاج بالکل ایسا ہی "عطائیانہ" ہے، جیسے کوئی عطائی کسی مریض کو شدید بخار میں جلتے بھنتے دیکھ کر غایت شفقت و ہمدردی سے یہ تجویز کرے، کہ مریض کو خارجی ذرائع سے خوب ٹھنڈا ہو پہنچاؤ، پنکھا جھلو، ٹھنڈا پانی جسم پر ڈالو، اس سے گرمی مٹ جائیگی!

شریعت اسلام نے اسکے برعکس، مرض کے اصل اسباب اور حقیقی نوعیت پر نظر کی، اور حسب معمول حکیمانہ دقت نظر سے کام لیکر نظام معاشرت ہی ایسا رکھ دیا، جس میں ایک جگہ اجتماع دولت کی نوبت ہی حتی الامکان نہ آسکے، اور اگر کہیں آ جائے، تو اسکے مفاسد تو بہرحال رونما نہ ہونے پائیں۔ ایک طرف تو اس نے ذاتی ملکیت، شخصی جائداد کا حق پوری طرح تسلیم کر کے انفرادی جد و جہد کو جاری رہنے کا پورا موقع دیا، دوسری طرف سود کو ہر صورت اور ہر حال میں حرام قطعی قرار دے کر نظام سرمایہ داری کی جڑیں کاٹ دیں، پھر ترکہ و میراث میں جائداد کی تقسیم عادلانہ رکھی۔ محروم کسی وارث کو بھی نہیں رہنے دیا۔ زرداروں پر ناداروں کی امداد فرض کر دی، یعنی یہ امداد ناداروں پر کوئی احسان نہیں، انکے ساتھ کوئی رعایت نہیں، جسے وہ قبول کرتے شرمائیں۔ یا اسکی بنا پر زرداروں میں کوئی جذبۂ افتخار پیدا ہو۔ اور ان سب کے علاوہ دولت و ثروت کو ایک امانت الٰہی کا مرتبہ دیا۔ اسراف، نمائش، نفس پرستیوں کو دین و اخلاق (بلکہ عدالت) میں مستقل جرم قرار دیا۔ اس طرح دولت کی "مساویانہ" تقسیم کی غلط کوشش کے بجائے اسکی عادلانہ تقسیم پر زور دیکر، بجائے ایک جھگڑے اور مخاصمت کی چیز کے، اُسے خلق کے حق میں ایک نعمت اور رحمت بنا دیا۔

اسلام کی حکیمانہ شان، مسئلہ دولت و ثروت سے بھی کچھ بڑھ کر، مرد و عورت کے تعلقات جنسی کے باب میں نظر آتی ہے۔ مرد کی شہوانی قوت کی اہانت کو اسلام بھولا ہرگز نہیں ہے، اسکی تو اُس نے اپنے قانون میں ہر جگہ رعایت رکھی ہے، اور اپنے نظام معاشرہ میں ہر قدم پر اسکی اہمیت تسلیم کی ہے۔ بلکہ اب تک تو اکثر ناقدوں کی طرف سے اُس پر یہ الزام ہو رہا ہے، کہ اس نے اسکی اہمیت ضرورت سے زائد ملحوظ رکھی ہے۔ اصل حقیقت کے اعتبار سے یہ دونوں الزامات بے بنیاد ہیں۔ افراط و تفریط کی ہر کجی اور کج روی سے بچ کر اس نے ٹھیک اسی نقطۂ اعتدال کو اپنا مقام بنایا ہے، جو فطرت بشری اور نظم کائنات کے عین مطابق ہے۔

ایک طرف تو اسکے احکام مردوں، عورتوں دونوں کو یہ ہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اجنبیوں پر حتی الامکان نظر نہ پڑنے دیں۔ لباس باریک تر نہیں۔ زینت اور کشش کے تمام مقامات چھپے ہوئے رہیں۔ بلا ضرورت میل جول، خلا ملا ہرگز نہ رکھیں۔ عورت اپنے جسم کا بیشتر حصہ چھپائے رہے۔ قریب کے عزیزوں یعنی شوہر کو مستثنیٰ کر کے، باپ اور بھائی تک کے سامنے بھی وضع و لباس میں احتیاط رکھے۔ ضرورۃً باہر نکلے، تو تب حیا و حجاب کے پورے لوازم کے ساتھ۔ خوشبو لگا کر غیروں کے مجمع سے گزرنا، شوخ رنگ و وضع کا برقع یا چادر جو بجائے خود جاذب نظر ہو، زیوروں کی جھنکار وغیرہ وغیرہ سب ممنوع۔ مخش تصویریں، مخش مناظر، مخش کتابیں قطعاً ناجائز۔ ناچ، گانا، ہر ایسا کھیل تماشہ جس میں فتنہ کے احتمالات ہوں، بالکل ممنوع۔ غرض کوئی ایسا عمل جس سے نفس میں خواہ مخواہ ہیجان پیدا ہو، اور طبیعت بدکاری کی جانب آمادہ ہو، خواہ اُس عمل کا تعلق لامسہ سے ہو یا سامعہ سے یا باصرہ سے یا شامہ سے، جائز نہیں۔

ایک طرف تو یہ بندشیں اور پابندیاں ہوئیں، دوسری طرف آزادیاں اور سہولتیں یہ رکھی گئیں ہیں کہ نکاح میں دشواریاں کچھ بھی نہیں، دائرۂ انتخاب نہایت وسیع۔ بجز معدودے چند سگے رشتہ داروں، مثلاً ماں باپ، بھائی بہن، چچا، ماموں، وغیرہ کے ہر مرد کا نکاح ہر عورت کے ساتھ جائز۔ نکاح کے وقت مصارف کچھ بھی نہیں۔ عورت کی طرف سے جہیز، مرد کی طرف سے رقم مہر، دونوں حسب حیثیت۔ [illegible]

گو بہ کسی فریق پر بھی نہ پڑنے پائے۔ انعقاد معاہدۂ نکاح کے لیے صرف فریقین کی رضامندی اور دو گواہوں کے سامنے بالکل کافی۔ نہ اسکی پابندی کہ عیسائیوں کی طرح نکاح صرف گرجا (مسجد) ہی میں ہوسکے اور نکاح پڑھانے والا پادری (مولوی) ہی ہو۔ نہ اسکی قید کہ ہندوؤں کی طرح نکاح پڑھانے والے صرف پنڈت (مولوی) اور پروہت ہی ہوں، اور وہ بھی کسی خاندان سے مخصوص تعلق رکھنے والے۔ نکاح سال کے ہر حصہ، اور دن اور رات کے ہر حصہ میں ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ فریقین کی جنم پتریاں ملائی جائیں اور فلاں فلاں مہورت ساعتوں ہی میں نکاح ہوسکے، یہاں تک کہ ٹھیک گھڑی اگر ٹل گئی تو برسوں سے نکاح ہی ٹل گیا! نہ نکاح کے وقت کسی مول تول کی، مہر کی ادائی یا مطالبہ کی ضرورت۔ نہ فریقین کے لیے کسی عمر کی قید۔ بہتر یہ ضرور ہے کہ فریقین بالغ عمر کے ہوں، تاکہ اپنا نفع نقصان، اپنی ذمہ داریاں پوری طرح سمجھ سکیں، لیکن جائز ہر عمر میں ہے۔ پھر اگر مرد اپنی ضرورت یا مصلحت سمجھتا ہے تو ایک وقت میں ایک سے زائد بیویاں (چار تک) رکھ سکتا ہے بشرطیکہ کسی بیوی کی حق تلفی نہ کرے گا۔ ان سب کے بعد، تعلق کو ختم کرنے کے لیے مناسب حدود اور قیود کے ساتھ دونوں کو آزادی۔ یہ نہیں کہ کچھ بھی گزر جائے، زندگی بھر ایک دوسرے سے چھوٹ ہی نہ سکیں (جیسا کہ اب تک ہندوؤں کے ہاں تھا) یا اگر چھوٹ سکیں بھی تو صرف اس وقت جب عدالت میں پوری طرح رسوائیاں اور فضیحتے ہولیں، جیسا کہ مسیحی ملکوں میں ہر روز دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔

اب ارشاد ہو کہ ان پابندیوں، احتیاطوں، اور ان سہولتوں اور آسانیوں کے مجموعہ کے بعد، قید نکاح سے باہر قدم نکال کر لذت حاصل کرنے والے اور والیوں کے لیے گنجائش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ اور اگر کوئی بدنام مصلحت بینیوں کو قدرتی رکھتے ارتکاب جرم کرتا ہی ہے، تو امت کے اندر مرض بدکاری کی مثال قائم کرتا ہی ہے، بے حیائی، فحش، امراض اخلاق اور امراض جسمانی کو پھیلا کر ساری ملت کے لیے سامان ہلاکت بہم پہنچانے پر تل ہی گیا ہے، تو اسکی سزا بھی بعد ثبوت جرم (اور ثبوت جرم ظن و قیاس سے نہیں ہوتا، چار چشم دید گواہوں کے بیان سے ہوتا ہے)۔ ایسی رکھی گئی ہے کہ دونوں مجرموں کا ایک دردناک عذاب کے ساتھ خاتمہ کر دیا جائے، تاکہ یہ زہریلا مادہ قومی جسم میں نشو و نما پا ہی نہ سکے۔ سلیم الفطرت طبائع کے لیے جس طرح اوپر کی اخلاقی، معاشرتی، اور قانونی ہدایتیں بالکل کافی وافی ہیں، اسی طرح غیر سلیم الطبع افراد کے لیے مسخ شدہ اشخاص کے لیے یہ انسدادی بھی اپنی جگہ پر نہایت ضروری ہے ——— اس نظام کے سارے اجزاء مجموعی نظر رکھنے کے بعد، خود طبعی حدود کے اندر تسکین شہوت کی ضرورت، قید نکاح سے باہر باقی کہاں رہ جاتی ہے، چہ جائیکہ غیر طبعی صورتوں کی؟ شہوت رانی کی غیر طبعی صورتیں تو فطرت حیوانی تک کے مطابق ثابت نہ ہوسکیں گی، فطرت انسانی کا ذکر ہی کیا!

مستثنٰی صورتوں کے لیے مستثنٰی تدبیریں اور مشورے بھی حدود شریعت کے اندر ہی مل جائیں گے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اتنا مفلس ہے کہ بیوی کا بار اٹھا ہی نہیں سکتا، ساتھ ہی فطری جذبات کا تقاضہ بھی ہے، ایسے شخص کو حدیث میں مشورہ دیا گیا ہے کہ مسلسل روزے رکھے، فَعَلَیْہِ بِالصَّوْم۔ تجربہ شاہد ہے کہ مسلسل روزوں سے کسر شہوت ہو جاتا ہے اور صحت کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔

اسی طرح دوسری استثنائی صورتوں کے بھی مخصوص علاج ہیں۔ حرام کاری پر مجبور ہو جانے کی کوئی صورت ہی نہیں، نہ مرد کے لیے نہ عورت کے لیے۔ اپنے زمرہ کی بیواؤں کے لیے تو نکاح ثانی کی صورت کا کھلا ہوا ظاہر ہی ہے، باقی ادنی درجہ والیوں کے لیے بھی، اسلامی معاشرہ (سوسائٹی) میں عصمت فروشی کے کوئی معنی ہی نہیں۔ اسلام نے چونکہ عورت کے سر گھر کی ذمہ داریاں، خانہ داری کا انتظام، اور نسل انسانی کی پرورش و تربیت کا بار ڈالا ہے، اس لیے کسب معیشت سے اسے بالکل آزاد رکھا ہے۔ کمانا، اور گھر والیوں کو کھلانا فرض مرد کا ہے، یعنی شوہر کا، باپ کا، بھائی کا، بیٹے کا، یا اور کسی ولی جائز اور قریب خاندان کا۔ اور جن شاذ صورتوں میں عورت ان سارے تعلقوں سے محروم ہو، وہاں اسلامی حکومت میں تو خود حکومت کی طرف سے اس کی خبر گیری کی جائیگی، اور بدقسمتی سے جہاں اسلامی حکومت نہیں، یا ابھی کیا بدنصیب عورت، محلہ کی، پڑوس کی، شریف بیبیوں کے دوسرے سلائی وغیرہ کا کوئی ایسا کام اپنی بسر اوقات کے لیے مہیا کر سکتی ہے۔ آخر ہندوستان میں جو مفلس عورتیں ہیں، کیا وہ سب کی سب اپنے جسم ہی کو کرایہ پر چلا کر ناپاک اور گندی آمدنی پیدا کرتی رہتی ہیں؟ اس انسانیت کو ذلیل و رسوا کرنے والے پیشہ میں پڑنے کی مجبور کن صورت، تو موجودہ غیر اسلامی حکومت میں بھی شاید ہی کوئی پیش آسکے، اور نظام اسلامی کے بعد تو قطعی کوئی گنجائش ہی اسکی نہ رہیگی۔ محض خیالی اور نظری مباحث پر اکتفا نہ کیجیے۔ نظر واقعات و مشاہدات پر رکھیے۔ کیا عہد خلفائے راشدینؓ میں مفلس عورتیں تھیں ہی نہیں؟ اسلامی نظام معاشی نے انکی تعداد اس میں شک نہیں کہ زیادہ سے زیادہ گھٹا دی تھی، تاہم کچھ تو تھیں ہی۔ پھر وہ تو کوئی بھی اس گندہ پیشہ پر مجبور نہ ہوئیں؟ خود آج کیا نجد میں، یمن میں، حجاز میں افلاس کا وجود نہیں ہے، یا نہیں کتنی تعداد وہاں بیسواؤں کی ہے؟ بیسوائی کی تاریخ ("ہسٹری آف پراسٹیٹیوشن") پر اسکاٹ، بلوش، وغیرہ کی تصنیف کی ہوئی متعدد کتابیں موجود ہیں، انکا مطالعہ فرمایا جائے۔ پیشہ کے اسباب و محرکات، افلاس و بے زری نہیں، عموماً دوسرے ہی دوسرے ملینگے۔ ہندوستان میں تو یہ پیشہ ——— مسلمان ناظرین کیسے یقین کرینگے؟ ایک زمانہ میں مقدس رہ چکا ہے۔ بہت سے مندروں میں "دیوداسیوں" کا وجود اب تک اس عقیدہ کو زندہ کیے ہوئے ہے۔ انگلستان، فرانس، امریکہ، اور خود سوویٹ روس میں بیسوائی کا جو زور ہے (خواہ بہ حیثیت پیشہ ہو یا محض شوقیہ اور اب تو زیادہ تر شوقیہ ہی ہے) اسکا حال ایک دو نہیں، ان متعدد تصانیف میں ملاحظہ فرما لیا جائے، جو وہیں کے محققین نے، مردوں، عورتوں دونوں نے، شائع کی ہیں۔ غریب مشرقی تو ان "طلسم ہوشربا" کو پڑھ کر محض دنگ و ششدر رہ جاتا ہے۔ کیا یہ ممالک مفلس ہیں؟ کیا افلاس یہاں حرام کاری کی جانب لاتا ہے؟ کیا یہاں اسباب موثرات میں، شراب خوری، کوکین، ہیروئن وغیرہ دوسری قسم کی نشہ بازی، مردار خوری، سور وغیرہ حرام و گندے جانوروں کو کھانا، بے پردگی، بے ستری، ہم تعلیمی، فلمی، اور انکی زندگی اکسانے بھڑکانے کا زور، فحش تصویریں، آرٹ وغیرہ شامل نہیں؟

عورت کا مفلسی کی بنا پر بجائے نکاح یا دوسرے جائز ذرائع معاش کے، عصمت فروشی پر آمادہ ہو جانا تو بڑی سمجھ سے بالا، یا مرد کا مفلسی کی بنا پر ادھر رجوع ہونا اور زیادہ بعید از فہم ہے۔ بیوی لا کر رکھنے میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے

(بقیہ ملاحظہ ہو)

بیسویں صدی کا پیکر ظلمت

(جلسۂ دیوبند میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریر کا ملخص)

اللہ تعالیٰ نے جب سے کائنات کو پیدا کیا اور حضرت آدم کو خلیفہ بنا کر بھیجا اور ان کے لیے جو ضروری تھا اسکی تعلیم دی اور انکی اولاد کے لیے جن امور کی تعلیم ضروری تھی وہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آتی رہی۔ اس دنیا میں خیر و شر حق و باطل کی معرکہ آرائی ہمیشہ ہوتی رہی ہے۔ ایک طرف ابلیس کا لشکر دوسری طرف ملائکہ کی جماعت۔ ایک جانب انبیاء علیہم السلام کی جماعت تھی دوسری طرف جادو اور جادوگروں کا گروہ۔ انکی ہمیشہ معرکہ آرائی ہوتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو پیدا کیا ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے بموجب خیر و شر کا وہی خالق ہے۔ مگر اس نے خیر کو پسند فرمایا اور شر کو پسند نہیں کیا۔ وہ خالق خیر و شر ہے مگر شر اسکے نزدیک مبغوض ہے۔ آفتاب اپنی شعاعوں سے جس طرح اجسام کو منور کرتا ہے اور اسکی شعاعیں ہر محل کی شکل و صورت اختیار کر لیتی ہیں جیسے وہ کھڑکی میں مثلاً مستطیل شکل کے روشندان سے روشنی گزر کر مستطیل شکل اختیار کرتی اور مخروطی شکل سے گزرتے ہوئے مخروطی بن جائیگی حالانکہ آفتاب ان اشکال سے بالاتر ہے آفتاب کی روشنی ہو سکتی ہے یہ اشکال پیدا ہوئیں مگر ان اشکال و تقطیعات کا وجود آفتاب میں نہیں۔ پس باوجودیکہ نور آفتاب ہی سے یہ اشکال پیدا کی ہیں لیکن آفتاب انکا مصدر نہیں۔ جس طرح نور کا مصدر ہے کہ نور اسکی ذات سے صادر ہو کر تمام عالم میں تقسیم ہو رہا ہے اسی طرح خیر و شر کی نسبت خیال فرمائیے کہ خالق تو اللہ تعالیٰ ہر خیر و شر کا ہے مگر مصدر و مخرج صرف خیرات و حسنات کا ہے۔ شرور و سیئات کا نہیں۔ شر اسکی مخلوق ہے، اس سے صادر نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے الخیر کلہ فی یدیک والشر لیس الیک خیرات تیرے دونوں ہاتھوں میں ہیں اور شر تیری طرف راہ نہیں پاتا۔ یہ مسئلہ بہت طویل الذیل اور عسیر الفہم ہے جو مسئلہ خلق افعال تک پہنچتا ہے۔ اس وقت کہنا یہ ہے کہ خیر اللہ کے ہاں مقبول و مرضی ہے اور شر و عصیان مبغوض ہیں درجہ بدرجہ قال اللہ تعالیٰ ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر وان تشکروا یرضہ لکم۔ مثلاً جس درجہ میں شرک و کفر مبغوض ہے چوری زنا اس درجہ میں نہیں۔ ہم کہینگے کہ تمام شرور و معاصی میں مبغوض ترین چیز کفر و شرک ہے جسکی نسبت اعلان فرما چکے ہیں ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ پھر کفر میں بھی مراتب ہیں بعض کفر بعض سے ابغض ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ارتداد سے زیادہ کوئی کفر ابغض نہیں ہے۔ اسلام نے کفار سے صلح کی اجازت دی ہے ہر قوم سے صلح ہو سکتی ہے دہریوں سے بھی صلح ہو سکتی لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے مرتد کو اس دنیا میں رہنے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص سامنے بندھا کھڑا ہے آپ نے ابو موسیٰ سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ بتایا گیا کہ یہ پہلے یہودی تھا اسکے بعد مسلمان ہو گیا پھر مرتد ہو گیا۔ یہ سنتے ہی حضرت معاذ نے فرمایا کہ جب تک اسکو قتل نہ کیا جائیگا میں سواری سے نہ اترونگا قرآن کریم نے فرمایا یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین یجاہدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم۔ اگر مرتد ہو جائیں تم میں سے کچھ لوگ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کھڑی کر دیگا جنکو اللہ چاہتا ہے اور وہ اللہ کو چاہتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب اور سخت ہوں وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ذرا پرواہ نہ کرینگے۔ اس آیۃ کے سب سے پہلے مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکے رفقاء ہیں جنہوں نے ایسی حالت میں مرتدین سے قتال کا فیصلہ کیا جبکہ بڑے بڑے صحابہ متردد تھے۔ حضرت عمرؓ کے سوال پر صدیق اکبر نے فرمایا کہ رسول اللہ کے زمانہ میں اگر کوئی شخص ایک رسی زکوٰۃ میں دیتا تھا تو اسکے روکنے پر میں قتال کرونگا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا۔

سب سے زیادہ ابغض ترین کفر ارتداد ہے۔ افسوس کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں اور اسلامی حکومتوں میں بھی قانون شریعت پوری طرح نافذ نہیں ورنہ ایک مرتد کی شرعی سزا اس سلسلہ کو بند کر دیتی جیسا کہ نعمت اللہ قادیانی کے رجم کے بعد پھر کسی قادیانی کو افغانستان میں دسیسہ کاریوں کی جرأت نہیں ہوئی۔ آپ پوچھیں گے کہ میں کس شخص کے متعلق کہنا چاہتا ہوں ایک نہایت گستاخ گریزپا انسان جس کا نام آپ میں سے بہتوں نے سنا بھی نہ ہوگا نیاز فتحپوری ہے جسکا ایک رسالہ نگار نکلتا ہے۔ اس سے قبل اس نے بارگاہ رب العزت کی نسبت ہرزہ سرائی کی تھی۔ مگر جب ملک میں اس کے خلاف شورش ہوئی تو اس نے تین مرتبہ توبہ نامہ شایع کیا۔ اب اس نے پھر سر اٹھایا ہے اور قرآن مجید کے متعلق بیباکانہ بکواس کی ہے۔ اس نے صاف اعلان کیا ہے کہ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ رسول اللہ کا کلام ہے۔ اور پھر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ یہ تو ابوجہل بھی کہتا تھا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ خود محمد صاحب نے بنا لیا ہے۔ نیاز یہ بھی کہتا ہے کہ اس میں بعض چیزیں بے تحقیق بھی درج ہو گئی ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ نیاز کا اسلام کیسا ہے جو کسی چیز سے ٹوٹتا ہی نہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ ایک شخص ایک مجمع میں رو رہا اور چلا رہا تھا کہ ہائے افسوس میری بیوی بیوہ ہو گئی اور میرے بچے یتیم ہو گئے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ کمبخت تو زندہ ہے اور تیری بیوی بیوہ ہو گئی اور بچے یتیم ہو گئے، یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیا تیرا وجود اور یہ کلام کرنا خود تیرے دعوے کی تردید نہیں کر رہا ہے یہی حال نیاز کا ہے کہ ایک ہی سانس میں مسلمان ہونے کا دعوٰی بھی کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے۔ قرآن میں فرمایا ہے کہ بفرض محال خود پیغمبر ہی ایک جملہ یا ایک سورہ بنا کر اگر ہماری طرف نسبت کر دے چہ جائیکہ پورا قرآن، تو اسکو منٹ کی بھی مہلت نہیں دی جا سکتی، ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لینگے اور پھر اسکی رگ گردن کاٹ ڈالیں گے، اور کوئی تم میں سے اس خدائی فیصلہ کو روک نہیں سکیگا۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین۔ اور یہی مضمون تورات سفر استثناء میں بھی موجود ہے۔ قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا۔ واذا تتلی علیہم آیاتنا بینات قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقرآن غیر ہذا او بدلہ۔ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الیّ الآیۃ۔ جب ہماری روشن آیتیں پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو کفار کہتے ہیں کہ تم اس قرآن کو چھوڑ کر دوسرا لے آؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی

مضامین:- کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو

مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

چندہ

سالانہ للعـہ

ششماہی ۲ عہ

بیرون ہند سالانہ

ششلنگ

قیمت فی پرچہ ار

ہفتہ وار صدق لکھنؤ

نمبر ۲۰ | دوشنبہ ۔ ۲۰ ۔ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۳ ۔ ستمبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

پچھلے مہاراجہ میسور کا ماہ جولائی میں انتقال ہوا، اور نئے مہاراجہ ۸ستمبر میں گدی پر بیٹھے۔ تخت نشینی کے حالات اخبارات میں مفصل آچکے ہیں۔ تخت نشینی سے ایک دن پہلے گنگا جی کا مقدس پانی کاشی جی (بنارس) سے آیا تھا۔ یہ پانی خاص پروہتوں یا مقدس اہلکاروں کی ایک جماعت، میسور سے بنارس، جا کے شمال کا سفر کرکے لائی تھی۔ جب یہ پانی آیا، تو پہلے شاہی پنڈتوں اور پروہتوں نے اس کی پوجا کی، اس کے بعد سونے کے کلسوں اور گگروں میں اسے ایک چاندی کی مرصع پالکی میں رکھ کر شاہی محل میں لایا گیا۔ مقدس پانی کا جلوس بالکل شاہانہ سواری کا جلوس تھا۔ گھوڑے، ہاتھی، سپاہی، چوبدار، سب جلو میں تھے۔ مہاراجہ آج رات رہے سے بیدار کر دیے گئے، اور پہلا کام یہ کیا، کہ ایک نیچی چوکی پر آکر بیٹھ گئے، اور محل کی بوڑھی عورتوں نے مقدس منتر پڑھنے کے ساتھ، انکے جسم پر تیل اور پانی اور مختلف خوشبوؤں کا چھڑکاؤ کیا۔ اسکا اصطلاحی نام منگل اشنان (غسل مبارک) ہے۔ اس غسل کے بعد اصل غسل معمولی پانی سے ہوا۔

اب مہاراج نے نہایت بیش قیمت زرتار اور لعل و جواہر سے مرصع پوشاک زیب تن کی، اور میسور کی شاہی خاندان کی پشتینی دیوی چمنڈیسوری کی پوجا شروع کی۔ اس کے بعد محل کے ایک اندرونی کمرے میں قدم رکھا گیا۔ یہاں پروہتوں کا ایک گروہ پہلے سے منتظر تھا۔ یہاں ایک خاص ہشت پہلو چمنیوں سے روشن کی ہوئی، جلتی دہکتی آگ کے سامنے پوجا کی بعض اور رسمیں ادا ہوئیں۔ اس درمیان میں ایک زعفرانی رنگ کا دھاگہ ان کی کلائی کے گرد بندھا رہنا لازمی تھا۔ اس سے فراغت کے بعد، خبر بھیجی گئی کہ شاہی گھوڑا اور شاہی ہاتھی، دونوں جلوس کے ساتھ ڈیوڑھی پر حاضر ہیں۔ مہاراج نے ان دونوں جانوروں کی پوجا کی، اور اسکے بعد یہ دونوں پھر اسی جلوس کے ساتھ، قریب کے ایک مندر میں بھیج دیے گئے کہ شام کو ایک بار پھر انکی پوجا ہوگی۔ اب دربار ہال خلقت سے کھچا کھچ بھر گیا۔ مہاراج آئے، اور راج گرو یعنی سنگیری کے سوامی جی کی ڈنڈوت کی، اس طرح کہ انکے قدموں کو پوجا۔ اب مہاراجہ تخت کے پاس ایک کرسی پر بیٹھے، اور گنگا جل انکے سامنے رکھ دیا۔ اب مقدس ساز (باجے) شروع ہوئے، اور ویدوں کے مقدس راگ شروع ہوئے۔ پانچ برہمنوں نے آم کے پتوں سے وہ گنگا جل لیکر اسکا چھڑکاؤ مہاراج کے سر پر کیا، اسکے بعد پانچ چھتری آئے، اور پھر پانچ ویش، اور آخیر میں [illegible]۔ جب یہ سب ہو لیا، تو مہاراجہ تخت کی طرف بڑھے، اور پروہتوں کے حسب ہدایت پہلے اس کی پوجا کی۔ اسکے بعد ریزیڈنٹ کی مدد اور ہاتھ کے سہارے سے تخت پر قدم رکھا۔ اب وہ تخت نشین ہوگئے۔ [illegible] ہونے لگے۔ [illegible] رات کو خوب چراغاں اور [illegible] آتشبازی وغیرہ۔

[illegible] زمانہ [illegible] مہاراج اور انکا خاندان خود بھی [illegible] تعلیم یافتہ۔ اس پر بھی آپ نے دیکھا کہ [illegible] کیسی کیسی مشرکانہ رسمیں شروع سے آخر تک ادا ہوئیں۔ [illegible] گھوڑے کی [illegible] پوجا، پانی کی پوجا، تخت کی پوجا، خاندانی گرو کے قدموں کی [illegible] فرضی اور [illegible] نہیں، روزمرہ کے عملی زندگی کے [illegible] متعلق ہیں۔

غصہ اُن پر کیجیے، جو ان میں [illegible]

ڈالیے۔ بیمار پر نہ کوئی ہنستا ہے نہ جھنجلاتا ہے۔ ترس اُس پر سب کھاتے ہیں، اور تیمارداری اور غمخواری کرتے ہیں۔ آپ بھی دلسوزی کو کام میں لائیے اپنی سوئی ہوئی شفقت و رحمت کو جگائیے۔ سوال اُن ہی سے نہیں آپ سے بھی ہوگا، پڑوسیوں کے بڑے حق ہوتے ہیں۔ اور میرے گھروں میں تو حیدی [illegible] پہنچانا آپ کا فرض بھی ہے اور آپ پر قرض بھی! یہ تو مشغلہ تجارت [illegible] آپ [illegible] اپنے دامن کے نیچے چھپائے [illegible]!

نزاکت پروری

ٹوکیو، یونیورسٹی [illegible] ایک زنانہ کالج سنٹرل کالج [illegible] ہے۔ اسکی طالبات کی صحت کے سلسلہ میں لیڈی ڈاکٹر [illegible] لکھتی ہیں:-

"[illegible] رکھنے والی طالبات کی یہ تعداد خاص باعثِ تعجب ہے [illegible] موجودہ ضبط کا" (سالانہ رپورٹ یونیورسٹی [illegible] جون ۱۹۴۰ء) بحوالہ لیڈر ۹ ستمبر [illegible]

گویا ایک طرف دعوے [illegible] مساوات کے حوصلہ اور ولولہ میں جسمانی اور [illegible] سے مسابقت تک اور دوسری طرف شوقِ حسن و نزاکت [illegible] کا تو یہ غالب ہے بلکہ شوق روز افزوں! [illegible] کے معنی ہیں غذاؤں اور دوسرے طریقوں سے جسم کو لاغر و نازک بنانا۔ اور انگریزی رسائل و اخبارات پڑھنے والے جانتے ہیں کہ [illegible] کا شوق کس زور و شور کے ساتھ زنانِ مغرب و مغرب زدہ میں ترقی پر ہے!

مدہوشوں کا ہوش

ٹوکیو [illegible] جولائی۔ جاپان کی آبادی میں [illegible] کمی واقع ہو رہی ہے، اسکے خلاف حکومت آبادی کے [illegible] ایک مہم جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا مقصد [illegible] کرنا ہوگا کہ نوجوان لڑکیوں اٹھارہ بیس سال کی [illegible] سے شادی کرنے میں کیا کیا رکاوٹیں اور دقتیں ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت برتھ کنٹرول (تحریک ضبطِ حمل) [illegible] پرائیویٹ کار [illegible] قانون سے یہ کہا جائیگا کہ [illegible] کسی ماں کے اولاد پیدا ہو تو اسکے لیے [illegible] مقرر کیا جائے۔ اسکے علاوہ یہی گورنمنٹ زچاؤں اور بچوں کی حفاظت کے لیے تدابیر عمل میں لائیگی۔"

استغفر اللہ اب یہ زمانہ آگیا کہ نوجوان مردوں کو نوجوان لڑکیوں سے شادی بیاہ پر آمادہ کرنے کے لیے [illegible] پڑ گئی! اور [illegible] ماں باپوں کو بچہ پیدا کرنے کے لیے بچہ پالنے کے لیے حکومت انعام اکرام کی دینی پڑی! [illegible] نظر نی!

لیکن غنیمت ہے کہ فرانس کا انجام دیکھ جاپان کو اب بھی ہوش آگیا۔ باقی یہ شرف تو ہندوستان ہی کی "روشن خیالی" [illegible] کے ساتھ مخصوص ہے کہ [illegible]

صاحب کی میلی کچیلی نظر کو بھی خلعت سمجھ کر سر اور آنکھوں پر جگہ دی جاتی ہے، اور اب تک "برتھ کنٹرول" کا لفظ اس فرزندِ بیمار کے لہجہ میں کیا جان ہے کہ گویا وہ دو اہلِ علم اور عقلاءِ وقت کا کوئی زبردست علمی کارنامہ اور تحقیقی شاہکار ہے! غرورِ علم کا نام آپ نے بارہا سنا ہوگا، غرورِ جہل کے یہ تماشے اپنے گردوپیش آنکھوں سے دیکھتے چلیے!

اعداد کی زبان

"تحریک نسائیت کے علمبرداروں کو بڑی شکایت اس کی ہے کہ موجودہ تمدن مرد کا بنایا ہوا ہے، لیکن مرد کو یہ موقع اسی لیے تو ملا کہ مرد عورت سے زیادہ طاقتور ہے۔ تجربہ سے یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورت میں جسمانی قوت کا تناسب سو اور ستر اسی کا ہے۔ مردانہ خون میں سرخ ذرات بھی زنانہ خون سے بقدر ۱۰ لاکھ کے زائد ہوتے ہیں۔ سو کوشش تو اس قوت جسمانی کی عدم مساوات کو مٹانے کی ہونی چاہیے، نہ کہ مصنوعی نزاکت پیدا کر کے عورت اس فاصلہ کو اور بڑھالے۔" (لیڈر۔ ۹ ستمبر ۴۰ء)

یہ لیڈر بھی آخر مردوں ہی کا اخبار ہے نہ؟ پھر وہی باپوں اور بھائیوں اور شوہروں کا [illegible] کا سا ظلم اور نصیحت و خیر خواہی کے پیرایہ اور سائنٹفک واقعات و اعداد کے پردہ میں خود غرضی! یہ تناسب قوت کے اعداد بھی تو آخر مردوں ہی کے بتائے ہوئے ہیں! اور اگر انکی تیاری میں سائنٹسٹ عورتیں شریک ہیں، تو وہ بھی یقیناً مردوں کے زیرِ اثر ہونگی! اور خود ان اعداد یا دوسرے اعداد کو پیمانہ یا معیار قرار دینا یہ بھی تو آخر مردوں ہی کے دماغ کی اختراع ہے! اور "آزاد" اور آزادی دوست خواتین کے لیے حجت ہی کب ہے؟

امام اشعریؒ

سرآمد علمائے دیوبند مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ محشی قرآن، اپنے ایک گرامی نامہ میں مدیر صدق کو خدمتِ قرآن کے سلسلہ میں دعائیں دینے اور مبالغہ آمیز حسنِ ظن کے اظہار کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

"امام اہل السنۃ والجماعۃ شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے حالات تو آپ نے پڑھے ہونگے کہ کتنے بڑے معتزلی تھے۔ اپنے مذہب کے کتنے بڑے داعی اور مناظر۔ لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کو منظور تھا کہ انھیں کو معتزلہ کے مقابلہ پر دینِ حق کی حمایت کے لیے کھڑا کیا جائے، اور باطل کے علمبردار کو دینِ حق کا امام بنا دیا جائے۔ کس طرح بذریعہ رویا دستگیری فرمائی۔ بار بار خواب میں حضرت نبی کریم صلعم کی زیارت ہوتی رہی۔ آخر حضور اکرم صلعم کی ایک پیغمبرانہ تنبیہ نے جو عتاب اور تلطف دونوں پر مشتمل تھی، دفعۃً حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔ آنکھ کھلی تو خیالات و جذبات کی دنیا بدل چکی تھی۔ برسرِ منبر رجوع الی الحق کا اعلان کیا، اور تمام باطل پرستوں کو چیلنج کر دیا کہ جس میں ہمت ہو میدانِ مقابلہ میں آکر قدرتِ حق کا تماشہ دیکھے۔ پھر دیکھیے آج تک اہل السنۃ والجماعۃ کی دنیا اشعریؒ کی آواز سے گونج رہی ہے۔ اس وقت سے آج تک کتنے ہی

نئی کتابیں

(۱) نثر اردو پر سر سید کے خیالات (انگریزی) Urdu Prose under the influence of Sir Syed از ڈاکٹر اس، ام، عبداللہ ایم، اے، ڈی، لٹ۔ صفحات ۱۸۶ صفحے۔ مجلد۔ قیمت ؏۔ پتہ، شیخ محمد اشرف صاحب تاجر کتب، کشمیری بازار۔ لاہور۔

موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اردو زبان و ادبیات پر انگریزی میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ کس سے کہیں کم ہے، جتنا بنگالی، ہندی وغیرہ دوسری ملکی زبانوں پر آچکا ہے۔ اور اس لیے ڈاکٹر عبداللہ نے اس موضوع پر انگریزی میں لکھ کر اردو والوں کی طرف سے گویا ایک فرض کفایہ انجام دیا۔

کتاب خاصی دلچسپ ہے۔ اور عنوان بھی اچھا ہے۔ جدید نثر اردو کی تاریخ شروع سر سید سے کرنی ہی چاہیئے۔ خود سر سید کے علاوہ انکے رفیقوں میں سے نذیر احمد، حالی، شبلی، ذکاء اللہ وغیرہ کے تذکرے، اور انکی تصانیف پر تبصرے اس میں ملینگے، خصوصاً مولانا شبلی سے متعلق تو کافی تفصیل سے گفتگو ہے۔ مصنف کی ہر رائے اور خیال سے اتفاق ضروری نہیں، متعدد مقامات پر توازن قائم نہیں رہا ہے، اور قلم بیساختہ، مبالغہ پر مائل ہوگیا ہے۔ نذیر احمد کے ترجمۃ القرآن کا شمار "بہترین تراجم" میں کرنا (ص۵۸) شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے ترجموں کی زبان کو ناقص و قابل اعتراض بتانا (ص۹۹) مولانا شبلی کو تین سو سال کے اعاظم رجال میں شامل کرنا، اور اپنے معاصرین سے بدرجہا لبند قرار دینا (ص۷۹) یہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔

بہرحال مصنف سے [illegible] اور امید ہے کہ انکی آیندہ کوششوں میں پختگی اور اصابت [illegible] ہوگی۔ کتاب ہر انگریزی داں محب اردو کی نظر سے گزرنے کے قابل ہے۔

(۲) ابن خلدون۔ تصنیف ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ ترجمہ از مولانا عبدالسلام ندوی۔ صفحات ۲۰۹ صفحے۔ تقطیع ۲۰ × ۲۶۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

ابن خلدون کی شہرت علمی حلقوں میں محتاج بیان نہیں لیکن یہ شہرت مبنی مورخ کی حیثیت سے ہے، اس سے زیادہ ہی "فلسفی" اور "فلسفہ تاریخ" کے ماہر کی حیثیت سے ہے۔ [illegible] مشہور "روشن خیال" ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین ابن خلدون پر کچھ زیادہ صحیح طور پر پڑھ سکے کہ مقدمہ ابن خلدون پر ایک مقالہ فرنچ زبان میں ایک فرنچ یونیورسٹی کے سامنے پیش کیا تھا، اور اس پر انھیں ڈاکٹر کی ڈگری ملی تھی۔ پھر چند سال بعد مقالۂ مذکور کا فرنچ سے عربی ترجمہ ہوا۔ اور اب اس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ اردو کے مشہور و کہنہ مشق مصنف و مترجم مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کے قلم سے شایع ہوا ہے۔

فرنچ سے اردو میں کسی رسالہ کو منتقل کرنا یوں ہی جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اور پھر جب ترجمہ بھی براہ راست نہ ہو، بلکہ ترجمہ در ترجمہ ہو! لایق مترجم نے اس میں شبہہ نہیں، کہ اس سنگلاخ کو پانی کرنے میں خوب خوب زور لگائے ہیں، اور بڑی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ تاہم بہتر ہوتا کہ بجائے ترجمہ کے اتنی [illegible] نفس مطالب کو [illegible] مترجم نے اپنی زبان [illegible]

ہوتا۔ کتاب فلسفۂ تاریخ کا مذاق رکھنے والوں کے کام کی ہے۔

(۳) اسلام کیسے پھیلا؟ از عبدالواحد صاحب سندھی جامعی۔ صفحات ۴۰۷۔ قیمت ۸؍ مجلد۔ پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی، لکھنؤ، بمبئی، لاہور۔

یہ سلیس و عام فہم زبان میں آغاز اسلام کی تاریخ اور رسول اللہؐ کی سیرت ہے۔ مخاطب اصلی بچے اور کم پڑھے لکھے لوگ ہیں، اس لیے زبان کے علاوہ کتابت بھی واضح و پاکیزہ رکھی گئی ہے۔ اسلام کی ضروری تعلیمات اور سیرت پاک کے اہم ترین واقعات، تقریباً سب اس چھوٹے مجموعہ کے اندر آگئے ہیں، اور وہ بھی ایک دلنشیں پیرایہ میں۔ البتہ کہیں کہیں تعلیمات کے بیان میں عدم توازن پیدا ہوگیا ہے۔ یعنی جو مسائل ثانوی حیثیت رکھتے تھے، انھیں اولیں مرتبہ پر جگہ دے دی گئی ہے۔ باب دو باب پوری طرح نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ آگ، چاند، سورج اور ستاروں کو "اللہ" آج تک کسی نے نہیں سمجھا ہے (ص۱۲) بعثت نبوی کے وقت تو دنیا میں بڑی بڑی مہذب و شائستہ سلطنتیں موجود تھیں، وہ جو وہ عام مفہوم کے لحاظ سے "جہالت" ہرگز چھائی ہوئی نہ تھی۔ ص۱۵ کی عبارت پوری بدلنے والی ہے۔

کتاب کا مطالعہ مسلمانوں سے بڑھ کر غیر مسلموں کو مفید ہوگا۔ کتاب تبلیغی حیثیت اچھی خاصی رکھتی ہے۔ اور اگر اسکا ترجمہ گجراتی، ہندی، مرہٹی، بنگالی وغیرہ میں کرکے ہزاروں بلکہ بیسیوں ہزار کی تعداد میں اشاعت کی جائے تو ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی۔

(۴) آنحضرت صلعم اور جوانی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ایم اے، ڈی لٹ (پیرس) وغیرہ۔ صفحات ۱۰ صفحے، تقطیع ۲۰ × ۲۶۔ قیمت ۱؍ پتہ، جمعیۃ مسلم نوجوانان۔ سکندرآباد دکن۔

نام عجیب سا معلوم ہوگا، لیکن اصل رسالہ کا مطالعہ بہت ہی خوشگوار ثابت ہوگا۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے "تحریک نوجوانان" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اس مختصر رسالہ نے وضاحت کے ساتھ دکھا دیا ہے کہ اس حیثیت سے بھی اگر کوئی ہستی بہترین نمونہ کا کام دے سکتی ہے، تو وہ رسول اللہ صلعم ہی کی ذات مبارک ہے!

نتیجے بجائے خود کوئی نئے نہیں۔ سیرت نبوی کے معلوم و معروف واقعات ہی مندرج ہیں۔ لیکن ندرت ادا نے لفظ لفظ میں ایک جان ڈال دی ہے، اور ایک دفعہ شروع کر دینے کے بعد بغیر ختم کیے طبیعت مانتی نہیں۔ قابل صد تہنیت اور ہزار رشک ہیں فاضل مصنف، کہ اپنی اعلیٰ تعلیم جرمنی اور فرانس اور انگلستان اور ہندوستان کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ کتاب مسلم و نامسلم سب کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے۔ مسلمانوں کا تو کوئی گھرانا اس سے خالی رہنا ہی نہ چاہیے۔ اور ایک آنہ کے رسالہ کی اشاعت ہزارہا کی تعداد میں غیر مسلموں کے درمیان کر دینا بھی کیا مشکل ہے۔ کتنی کتابیں تبصرہ کے لیے ایسی موصول ہوتی ہیں، جنکی داد دل کھول کر دی جا سکتی ہو۔

(۵) [illegible] خواجہ۔ از مولانا معین الدین صاحب اجمیری مرحوم۔ صفحات ۱۲۰ صفحے۔ تقطیع ۱۸ × ۲۲۔ قیمت ۸؍ پتہ، منیجر اخبار "معین" معین پریس۔ اجمیر۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی سوانح عمری نام کے لیے تو [illegible]

دو چار موجود ہیں، لیکن مستند حالات کسی میں مشکل ہی سے ملینگے۔ تازہ ترین کوشش اس باب میں حضرت ہی کے ہمنام، حال کے ایک ممتاز عالم کے قلم سے ہے۔ مولانا کا تبحر محتاج بیان نہیں، لیکن افسوس ہے کہ یہ تالیف ایسے وقت کی ہے، کہ جب مرحوم کا دماغ خاطر کسیر سفنور ہو چکا تھا، اور امراض نے اتنا گھیر لیا تھا، کہ آپ مستقل صاحب فراش ہو کر رہ گئے تھے۔ ان حالات میں تالیف جیسی کچھ ہو سکتی تھی ظاہر ہے، پھر بھی یہ کتاب بہت غنیمت ہے۔

حضرت خواجہؒ کے ذاتی سوانح کے ساتھ ساتھ تاریخ عہد ہی کے بعض مباحث تصوف، وشریعت کے مسائل، تعلیم و تبلیغ کے اصول پر اظہار رائے ناگزیر تھا چنانچہ یہ سب کچھ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اور بعض مقامات پر تو مصنف کا عمل خاصہ عجیب ہے اور مرتبہ کمال سے اعتبار دیکھ نکلا ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے منتسبین امید ہے کہ رسالہ کی ضرور قدر کرینگے۔ کاغذ اچھا، کتابت وطباعت صحیح و روشن۔

(۶) **خیال آفریں دماغ** — از عرش تیموری، ۵۲ صفحے۔ قیمت ۶ر، پتہ، مال ان پبلشنگ ہاؤس۔ کتاب گھر، دہلی۔

یورپ میں کچھ روز سے ایک نیا طریقہ افسانہ نگاری اور ڈراما نگاری کا نکلا ہے، جسے "تحلیلی" اور "تجزیاتی" (تجزیی؟) کہتے ہیں۔ پیش نظر تمثیل (ڈراما) جنگ کا ایک خاصہ کامیاب چربہ ہے۔ ایک خاص مذاق کے محدود گروہ کو یہ جنگ یقیناً مرغوب ہوگا، ورنہ عام ناظرین کا تو شاید ان "بے ربط" فقرہ اور "غیر مربوط" عبارتوں سے دم ہی الجھنے لگے گا۔ بعض بعض فقرے اس عالم بالکل ادبی حیثیتوں سے بہت خوب نکل گئے ہیں۔

(۷) **آسان اُردو** — مرتبہ انجمن ترقی اُردو۔ ۱۰۰ صفحے قیمت ۸ر

(۸) **اینیاء** — از نور الحسن صاحب ۶، صفحے قیمت ۸ر پتہ، معتمد انجمن ترقی اُردو، شعبہ دہلی، حیدرآباد دکن

آسان اُردو، جیسا کہ نام سے اشارہ ہو رہا ہے، ابتدائی اُردو کی ایک ریڈر (درسی کتاب) ہے، لیکن اسکے اصلی مخاطب لڑکے نہیں، بلکہ بالغ عمر کے نو آموز اُردو خواں ہیں۔ مختلف اسباق مختلف اُستادوں کے لکھے ہوئے ہیں، جو اپنے اپنے فن کے ماہر یا صاحب تجربہ ہیں۔ عام سوانحی حالات میں آٹھ سبق ہیں، اور ان میں سعدی، اکبر، تاتا، شاہ، مکسی وآں، خواجہ غریب نواز وغیرہم کے تذکرے ہیں۔ تین قصے ہیں، جنکا عنوان "سماجی کہانیاں" رکھا گیا ہے۔ پانچ علمی مضامین ہیں، بجلی، ریل گاڑی، لاسلکی وغیرہ۔ نظموں میں انیس، اکبر، حالی، اقبال، امجد وغیرہ کے کلام کا اقتباس ہے۔

دوسری کتاب انیاء ایک افسانہ ہے، لیکن زبان وخیالات کسی اعتبار سے بھی قابل داد نہیں۔ محاورات اور ترکیبیں متعدد مقامات پر غلط۔ بکالیوں میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپس میں گفتگو ہو رہی ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کتاب کا آموختہ سنایا جا رہا ہے۔ صفحہ پر رسول اللہ صلعم کے لیے "بانی اسلام" استعمال ہوا ہے، مسائل مذہبی سے بیگانگی اور مغرب زدگی صفحہ صفحہ پر نمایاں ہے۔

(۹) **لمعات سیرت** — از احسن اجمیری صاحب ۲۰۸ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، سیرت کمیٹی اجمیر

سیرت نبوی پر، فرنگی نقطۂ نظر سے ایک مبسوط تبصرہ انگریز اہل قلم امس کارلائل کے قلم سے ہے۔ سالہا سال ہوئے اس کا اُردو ترجمہ سرور انبیاء کے نام سے ہو چکا ہے۔ لمعات بھی کارلائل ہی کے مضمون کا مختصر چربہ ہے۔ زبان احسن صاحب کی اپنی ہے۔ ایک جگہ مفصل تردیدی حاشیہ بھی دیا ہے۔

(۱۰) **ترجمہ گانی محمدؐ** — از محمد حسین ہیکل مصری۔ ترجمہ از محمد حسین عرشی صاحب ۱۲۸ صفحے۔ قیمت ۱۰ر پتہ، دفتر رسالہ البیان، دامت سلمہ، امرتسر

یہ ایک وزیر مصر کے عربی رسالہ کے مقدمہ کا اُردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ براہ راست عربی سے نہیں، بلکہ اسکے فارسی سے۔ زبان خاصی سلیس ہے لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ اصل عربی کے مطابق کہاں تک ہے۔

مترجم، فرقۂ اہل القرآن کے ایک مشہور شخص ہیں۔ ممکن ہے اصل مصنف بھی اسی خیال وعقیدہ کے ہوں۔ کتاب کا اصل مقصد سیرت نبوی سے مستشرقین کے بعض الزامات کو رفع کرنا ہے، اور اس مقصد میں مصنف کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے، لیکن اس میں بھی مصنف کے جوابات اور زیادہ مضبوط ہو سکتے تھے۔ مثلاً کسی خرافات نگار کے دو اعتراضات نقل کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ رسولؐ کو صرع کے دورے پڑتے تھے، دوسرے یہ کہ رسولؐ کا نام قرآن میں اصل میں قثم یا قثام تھا جو بعد کو بدل کر محمدؐ کر دیا گیا۔ ان دونوں محض اعتراضات کے جواب میں سب سے پہلے تطویل کے صرف اس قدر کافی تھا، کہ خود مدعی سے ثبوت طلب کیا جاتا۔ ورنہ اگر محض دعوی ہی مرعوب کر دینے کے لیے کافی ہے، تو کون مجنون دو اور دو کے پانچ ہونے کا دعوی کر سکتا ہے۔

آگے چل کر مصنف نے حدیث اور کتب حدیث کی تضعیف کرنی چاہی ہے، اور مثال میں قصۂ غرانیق کو لیا ہے، اور لکھا ہے کہ

"اس سے متعلقہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح ہے، لیکن دانشمندوں نے اسکا انکار کر دیا ہے" (صفحہ ۔)

حالانکہ ان انکار کرنے والے دانشمندوں میں سب سے پیش پیش خود حضرات محدثین ہی ہیں! یہ عجیب ستم ظریفی ہے، کہ جن احادیث کو خود محدثین اپنی فنی تنقید سے رد کر چکے ہیں، انھیں کو انکار حدیث میں پیش کیا جائے!

بعد کے صفحات (صفحہ ۶۶ الخ) میں مصنف ایک اور غلط فہمی کے شکار ہوئے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے، کہ قرآن مدار ایمان معجزات پر نہیں رکھتا، کسی خارق عادت کو تسلیم کرنا شرط اسلام نہیں قرار دیتا، لیکن اس سے یہ نتیجہ کیوں نکل آتا ہے کہ معجزات نبی کو تسلیم ہی نہ کیا جائے، یا سرے سے انکے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے؟ صفحہ ۹۰ سے صفحہ ۱۲۸ تک جمع وحفاظت قرآن پر ایک باب، مترجم کے قلم سے ہے۔ اس میں بہت سے حقائق قابل قبول ہیں لیکن بعض باتیں بہت سطحی بھی۔ کتاب کے نام میں بھی سوء ادب کی جھلک موجود ہے۔

(۱۱) **احکام شب براۃ** — ۱۶ صفحے
(۱۲) **خدا کی مرضی** — ۲۱ صفحے
از مولانا احمد علی صاحب۔ ایک آنہ کے ٹکٹ پر دفتر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے مل جائیں گی۔

پہلے رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ پہلے بھی کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ دوسرے رسالہ میں حقوق شرعی کی ایک مختصر فہرست ہے، مثلاً حقوق اللہ، حقوق رسول، حقوق [illegible]

فتنۂ نگار

"نگار جون سنہ ء کے باب الاستفسار میں "آتش نمرود" کے عنوان کے تحت میں، جناب سید محمد صالح صاحب مرادآبادی کا یہ استفسار رکھکر کہ

"حضرت ابراہیم کے اس واقعہ کے متعلق کہ نمرود نے انھیں آگ میں پھینکدیا اور آگ نے کوئی اثر نہ کیا - آپ کا کیا خیال ہے - کلام مجید میں اس واقعہ کا بیان ہونا اس کا ثبوت ہے کہ یہ واقعہ سچا ہے کیونکہ یہ الہام خداوندی ہے اور الہام غلط نہیں ہوسکتا"

نیاز فتحپوری نے جو جواب دیا ہے اُسکا حاصل انھیں کے الفاظ میں یہ ہے:

۱۔ کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں، نہ الہام ربانی۔

۲۔ بلکہ ایک انسان کا کلام سمجھتا ہوں۔

۳۔ کلام مجید کو بھی وحی کہتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسکو بھی رسول کی فہم و فراست سے تعبیر نہ کیا جائے۔

۴۔ قرآن کی کسی حکایت کو محض اس بنا پر کہ اُسے الہام خداوندی سمجھا جاتا ہے صحیح یا یقینی نہیں کرسکتا۔

۵۔ کلام مجید میں اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا - اور نہ اُسے کلام مجید میں درج ہونے کی وجہ سے صحیح کہا جاسکتا ہے - عہد نبوی میں اس قسم کی روایتیں توریت و انجیل کے حوالہ سے لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے کے لیے یہود و نصاریٰ کی طرف عام طور پر بیان کی جاتی تھیں اور چونکہ توریت و انجیل کے الہامی ہونے کا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا - اس لیے رسول اللہ نے بھی ان کو محض اعتبار و بصیرت کے لیے بیان کردیا - اور اس سے کوئی بحث نہیں کی کہ وہ صحیح ہیں یا غلط -

۶۔ چونکہ میں رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے اس لیے قرآن میں واقعہ ابراہیم کا پایا جانا اس امر کی دلیل تو ضرور ہے کہ رسول اللہ نے اُسے جھوٹ بیان نہیں کیا، یعنی اپنی طرف سے گڑھ کے بیان نہیں کیا - لیکن اسکا اثر نفس واقعہ کی صحت یا عدم صحت پر بالکل نہیں پڑتا"

نیاز صاحب کے ان الحاد اور کفریات کا جو انھوں نے ان چند سطروں میں جمع کردیا ہے، ہم نہ اُن پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں نہ انکا جواب دینا چاہتے ہیں نہ اسکے متعلق کسی بحث کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک چیز پر سلف صالحین کے قلم سے آج سے سیکڑوں برس پہلے ضخیم ضخیم کتابیں لکھی جاچکی ہیں، اور وہ آج بھی موجود ہیں اور نیاز صاحب اپنے رسوخ فی الکفر کے ہاتھوں مجبور ہونگے کہ وہ اُن باتوں سے بے نیاز ہوچکے ہیں، اور غیر اسلامی ماحول نے انکو اس پر جری کردیا ہے جس سے بے خوف ہوکر اپنے کفریات کو شائع کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے پیش نظر اسوقت نیاز صاحب کا وہ [illegible] ملحدانہ فریب ہے جس میں وہ مسلمانوں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ [illegible] رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔

حالانکہ نیاز صاحب کے اس یقین میں اگر ذرہ بھی واقعیت کا تعلق ہوتا، اور اُن کو واقعی اس کا یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق و مصدوق ہیں تو وہ اپنے اس ملحدانہ عقیدہ کے باوجود کہ "کلام مجید کو بھی وحی کہتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسکو بھی رسول کی فہم و فراست سے تعبیر نہ کیا جائے" یعنی کلام مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھا جائے۔ اور اس کے قوانین و احکام کو آپ کی فہم و فراست کا نتیجہ سمجھا جائے۔

اپنے اقرار کردہ یقین کی بنا پر مجبور ہوتے کہ قرآن مجید کے کلام خداوندی اور الہام ربانی ہونے کا انکار نہ کریں اور قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور آپ کی فہم و فراست کا نتیجہ نہ ٹھہرائیں اور نہ قرآن مجید کے ان واقعات کی صحت کا انکار کریں - جو قرآن میں مذکور ہیں۔

اور یہ سب اس لیے کہ نیاز صاحب جس مقدس ذات کی طرف یہ انتساب کررہے ہیں کہ قرآن مجید اُنکا کلام ہے، اور اپنے اس یقین کا اظہار کررہے ہیں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے وہی مقدس ذات قرآن مجید کو الہام ربانی اور کلام خداوندی فرمارہے ہیں اور اسکے انسانی کلام ہونے کی نفی کررہے ہیں اور اس بات کی تبری فرمارہے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت میں اُنکا کوئی دخل ہو - نیز وہ اس کی تصدیق فرمارہے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر انبیاء کے جو واقعات بھی مذکور ہیں وہ سب حق ہیں - گر نیاز صاحب باوجود اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے الحاد اور کفر کی اشاعت کررہے ہیں - لہذا ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ نیاز صاحب کا یہ سراسر ملحدانہ فریب ہے جس میں وہ مسلمانوں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں - اور واقعہ کے خلاف اپنے اس یقین کا اظہار کررہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا سمجھتے ہیں

ذیل میں ہم اُن آیات کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہونچائے ہیں (جنکو ہم الہام ربانی اور کلام خداوندی سمجھتے ہیں اور نیاز صاحب کلام رسول اللہ سمجھتے ہیں) نقل کرتے ہیں جن میں نیاز صاحب کے الحاد و کفر کا کھلا کھلا رد ہے اور اردو ادب اور افسانہ کے شایق مسلمانوں کو جنکو اپنا ایمان اور دین محبوب ہے ہم متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل ۔۔۔ زنہار گر تمھیں ہوس نائے و نوش ہے
ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی ۔۔۔ مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

(۱) الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا، قیما لینذر باسا شدیدا من لدنہ ویبشر المومنین - (کہف ۱۶)

ہر طرح کی تعریف خدا کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کبھی نہ رکھی تاکہ خدا کی طرف سے جو عذاب شدید نازل ہونیوالا ہے ڈرائے اور ایمان والوں کو خوشخبری دے۔

(۲) اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلا ما تذکرون - (اعراف ع ۱)

(لوگو) جو کچھ (یعنی آیات قرآنی) تمھاری طرف تمھارے پروردگار کی جانب سے اتارا گیا ہے اُسکی اتباع کرو اور خدا کے سوا اولیاء [illegible] کی پیروی نہ کرو۔

(۳) انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطہرون، تنزیل [illegible]

بیشک - یہ قرآن بڑا کریم ہے جو لوح محفوظ میں ہے پاک فرشتوں کے سوا کوئی اسکو ہاتھ نہیں لگانے [illegible] - تنزیل

افبهذا الحديث انتم مدهنون وتجعلون رزقكم انكم تكذبون (واقعہ ع ۳)

کیا گیا ہے کیا تم لوگ اس کلام سے منکر ہو اور تم نے اپنی روزی یہ بنائی ہے کہ جھٹلاتے ہو

(۴) والذين آتيناهم الكتاب يعلمون انه منزل من ربك بالحق فلا تكونن من الممترين (انعام ع ۱۴)

(اے پیغمبر) وہ لوگ جنکو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے صداقت کے ساتھ اتارا گیا۔ لہٰذا آپ شک کرنیوالوں میں نہ ہوں۔

(۵) ما انزلنا عليك القرآن لتشقى الا تذكرة لمن يخشى تنزيلا ممن خلق الارض والسموات العلى (طٰہٰ ع ۱ پ ۱۶)

(اے پیغمبر) ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ مشقت میں پڑ جاؤ۔ جو خدا سے ڈرتا ہے اُسکے لیے نصیحت محض ہے اُسکو اُس خدا کی جانب سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا۔

(۶) وكذلك اوحينا اليك قرآنا عربيا لتنذر ام القرى ومن حولها وتنذر يوم الجمع لا ريب فيه

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف قرآن عربی زبان میں وحی کیا تاکہ تو مکہ والوں اور مکہ کے اردگرد رہنے والوں کو ڈرائے۔ اور قیامت سے ڈرائے جس میں کوئی شک نہیں ہے

اس طرح کی بیشمار آیتیں قرآن مجید میں ہیں۔ جو اس امر پر کھلی کھلی شہادت ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ کی طرف اتاری ہوئی ہے۔ وحی الٰہی ہے۔ اور یہی پر ہر اُس شخص کے لیے مسکت دلیل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق و مصدوق سمجھتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو کتاب الٰہی و الہام ربانی تسلیم کرے۔

(۱) وقال الذين كفروا ان هذا الا افك افتراه واعانه عليه قوم آخرون فقد جاؤا ظلما وزورا وقالوا اساطير الاولين اكتتبها فهي تملى عليه بكرة واصيلا۔ قل انزله الذي يعلم السر في السموات والارض انه كان غفورا رحيما۔ (فرقان ع ۱)

اور کافر (قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ یہ نرا جھوٹ ہے۔ جسکو اس پیغمبر نے افترا کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں انکی مدد کی ہے یہ لوگ ظلم اور (سراسر) جھوٹ کے مرتکب ہوئے اور یہ کہتے ہیں کہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں۔ جسکو کسی سے لکھا لیا ہے بس وہی صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ اے پیغمبر ان لوگوں کو کہہ دیجیے کہ یہ قرآن اُس خدا کا اُتارا ہوا ہے جو آسمان و زمین کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔

(۲) ام يقولون افتراه قل فاتوا بسورة من مثله وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صادقين۔ (یونس)

کیا لوگ کہتے ہیں کہ اسکو خود پیغمبر نے بنا لیا ہے تو آپ کہہ دیجیے کہ اسکے مثل ایک سورۃ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جسکو تم سے بن پڑے بلا لو اگر سچے ہو۔

(۳) وما كان هذا القرآن ان يفترى من دون الله ولكن تصديق الذي بين يديه وتفصيل الكتاب لا ريب فيه من رب العالمين (یونس)

یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ خدا کے سوا کوئی بنا لائے وہ ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو پہلے کی ہیں اور کتاب اللہ کی تفصیل ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

(۴) افلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا۔ (نساء ع ۱۱)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف پاتے

(۵) ولو تقول علينا بعض الاقاويل لاخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين فما منكم من احد عنه حاجزين (حاقہ ع ۲)

اور اگر پیغمبر کوئی بات ہم پر گڑھ لیتا تو البتہ ہم اُسکا داہنا ہاتھ پکڑتے اور گردن کاٹ دیتے۔ اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک نہیں سکتا۔

یہ تمام آیتیں اس امر پر کھلی دلیل ہیں کہ قرآن مجید انسان کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ انسان کی استطاعت اور انکی قدرت سے باہر ہے کہ وہ قرآن کی ایک سورۃ بھی بنا سکے، نہ رسول کا اس پر بس ہے کہ وہ کوئی بات اپنی طرف سے گڑھے اور خدا کی طرف اسکی نسبت کرے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اور جو شخص ایسا کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

(۱) ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى (نجم ع ۱)

پیغمبر اپنے جی سے نہیں بولتے ہیں قرآن میں جو کچھ ہے وہ صرف وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے

(۲) واذا تتلى عليهم آياتنا بينات قال الذين لا يرجون لقاءنا ائت بقرآن غير هذا او بدله قل ما يكون لي ان ابدله من تلقاء نفسي ان اتبع الا ما يوحى الي اني اخاف ان عصيت ربي عذاب يوم عظيم قل لو شاء الله ما تلوته عليكم ولا ادراكم به (یونس ع ۲)

(اے پیغمبر) جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان کافروں کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لا کر سناؤ! اسی میں ردوبدل کردو" تم کہدو کہ میرا یہ مقدور نہیں ہے کہ اپنے جی سے اس میں ردوبدل کردوں۔ میں تو بس اسی حکم کا تابع ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے اور آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمھیں سناتا ہی نہیں اور تمھیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا۔

یہ دونوں آیتیں اس مفہوم میں صریح ہیں کہ قرآن مجید کو رسول کی فہم و فراست سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے۔ نیز یہ کہ یہ رسول کے مقدور سے باہر ہے کہ وہ اپنے جی سے قرآن مجید میں ردوبدل کرے۔

(۱) وكلا نقص عليك من انباء الرسل ما نثبت به فؤادك وجاءك في هذه الحق وموعظة وذكرى للمؤمنين (ہود ع ۱۰)

رسولوں کی سرگذشتوں میں سے جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں۔ ان میں یہ بات ہے کہ ہم تمہارے دل کو تسکین دیدیں اور ان حالات میں تمہارے پاس "حق" پہونچا ہے اور مومنین کیلیے وعظ اور یاد دہانی ہے۔

(۲) انه لكتاب عزيز لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد۔ (فصلت ع ۵)

اور بیشک یہ قرآن عالی رتبہ کتاب ہے۔ باطل نہ آگے سے اسکے پاس آسکتا ہے نہ پیچھے سے یہ حکیم و حمید خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے

اس کھلی تصریح کے بعد کہ انبیاء کرام کے واقعات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حق ہے۔ کوئی ایسا مسلمان جسکو رسول اللہ صلعم کی صداقت پر ایمان ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو واقعات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں وہ تاریخی حیثیت نہیں رکھتے۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اور راہ پر قرآن مجید کی روشنی میں گفتگو ہے۔ دونوں رسالے ہر مسلمان کے لیے کارآمد ہیں۔ انجمن خدام الدین کے رسائل اپنی حیثیت افادی کے لیے اب یوں بھی کسی تفصیلی تعارف کے محتاج نہیں رہے ہیں۔

(۱۳) مجلس اتحاد المسلمین کی دو رسالے پر وجہد۔ از ابوسعید محمد آفاق علی خاں صاحب بی ایس سی ایل ایل بی ۳۱ صفحے۔ قیمت ۲ ر۔ پتہ: دفتر اتحاد المسلمین، بیدر منزل، بیگم بازار، حیدرآباد دکن۔

دکن کی مشہور و معروف مجلس اتحاد المسلمین اور اسکے قابل رشک صدر محترم کے کارناموں کی دلچسپ اور سبق آموز تاریخ۔ علاوہ اہل دکن کے باہر کے مسلمانوں کے بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

رسائل

(۱) مجلہ عثمانیہ (سہ ماہی) سنہ ۱۳۵۸ اردو و انگریزی ضخامت ۲۰۹ + ۱۰ + ۱۰۸

(۲) " " " ایضاً " ۲۹۰ + ۱۰ + ۶۳

سالانہ چندہ عام خریداروں سے چار روپیہ۔ پتہ: مجلہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن۔

دونوں رسالوں پر رسالہ سے زیادہ پوری کتاب کا اطلاق صحیح ہے۔ ان میں نمبر اول عید نمبر ہے یعنی اس نمبر کی جدت یہ کی گئی ہے کہ اسکے سارے مضامین رسالہ کے گزشتہ ایڈیٹروں ہی کے قلم سے نکلے ہیں۔ ایسے نمبر کے معیار کا اونچا ہونا ظاہر ہی ہے۔ شیخ چاند مرحوم کا مقالہ سودا پر تحقیق و کاوش کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ غلام دستگیر صاحب رشید کا مضمون ترقی نسواں پر اور سلیم صاحب کی مختصر نظم دختر اسلام پر دونوں بہت معنی خیز ہیں۔ اور بھی اچھے اچھے معروف و نامور نام مضمون نگاروں کی فہرست میں نظر آتے ہیں، مثلاً ڈاکٹر زور، سکندر علی صاحب وجد، بدر شکیب صاحب وغیرہم۔ حصہ انگریزی بھی معلومات اور دلچسپی دونوں کے لحاظ سے اچھا خاصہ جاذب نظر و طالب توجہ ہے۔

نمبر ( ) بھی اپنی جگہ پر کچھ کم نہیں، گو ظاہر ہے کہ سب مضامین کی سطح یکساں نہیں ہوسکتی، خصوصاً اس حال میں کہ بعض مضمون نگار ابھی طالب علم ہی ہیں۔ سائنس، ادب، افسانے، معاشیات، تاریخ و سیاسیات، ہر موضوع پر مضامین کا مجموعہ اس مجلہ کے اندر مل جائیگا۔ انگریزی حصہ خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہے۔ بہ حیثیت مجموعی رسالہ کے موجودہ کارکنوں کی کوشش ہر طرح حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں۔ اتنی ضخامت اور اس جامعیت کے رسالہ کی قیمت، فی پرچہ ایک روپیہ، کچھ بھی زائد نہیں۔

(۲) اضطراب ۔ ماہوار۔ ایڈیٹر نسیم سندیلوی صاحب۔ جلد اول نمبر اول ۴۸ صفحے قیمت سالانہ ؏ فی پرچہ ۳ ر۔ پتہ: جاپانگ ارٹ۔ نظیر آباد، لکھنؤ۔

یہ نیا رسالہ ایک نوشق کی ادارت میں ابھی نکلنا شروع ہوا ہے۔ صرف ایک اشاعت سے کوئی صحیح رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ … رسالہ کا مذاق معلوم ہوتا ہے۔ کہیں کہیں … … دوسری طرف ماہر القادری کا … … شوکت تھانوی … مضمون … شعار اصلاحی اور سنجیدہ ادبی حیثیت رکھتے ہیں۔ … نظر … ملیح آبادی … رسالہ اگر صحیح روش پر قائم رہا … اردو کے ادبی رسالوں میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا۔

(۳) تفہیم القرآن ۔ مرتبہ مولوی عبدالرحیم صاحب … صفحے

جلد اول، ضخامت ۱۰۰ صفحہ۔ ۔ سالانہ فی پرچہ بیرون حیدرآباد سے … الترتیب ۔ پتہ: دار الاشاعت تعلیم القرآن، تعلیمی گوڑہ، حیدرآباد دکن۔

دلی مسرت کی بات ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور قرآن فہمی کا مذاق بڑھتا جاتا ہے اور مختلف حلقوں سے اس باب میں اپنے اپنے ذوق و بصیرت کے مطابق مفید کوششیں ہو رہی ہیں۔ انھیں میں سے ایک قابل ذکر اور قابل داد کوشش رسالہ تعلیم القرآن کی صورت میں رونما ہوئی ہے۔ سرسری تعارف اس سے قبل ان صفحات میں ہوچکا ہے۔ حال میں کل نمبر یعنی ۱۱ موصول ہوئے ہیں۔ اور ان میں سورۂ فاتحہ سے لیکر پارۂ عم کی سورۂ والتین تک کی تفسیر آگئی ہے۔ پارۂ عم سے ابتدا اس لیے کی گئی کہ نماز میں عموماً سورتیں اسی کی پڑھی جاتی ہیں۔

تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے شان نزول و تمہیدی بیان درج ہوتا ہے اسکے بعد ایک ایک آیت کا ترجمہ، پھر ایک ایک لفظ کے لغوی معنی اور تشریح لغات۔ اسی ضمن میں صرفی، نحوی تحقیق بھی آجاتی ہے۔ پھر اسکے بعد تفسیر ہوتی ہے کہیں مختصر اور کہیں خاصی مفصل۔ تفسیر کے مخاطب عملی عام اردو خواں اور محض مبتدی حضرات ہیں اس لیے اختصار اور سہولت بیان کا التزام ایک بڑی حد تک رکھا گیا ہے۔ لیکن ہر جگہ یہ نباہ نہیں سکی ہے۔ اور کہیں کہیں مشکل نحوی اصطلاحات اور خاصے دقیق کلامی مباحث بھی آگئے ہیں۔ مبتدیوں کے لیے ضرورت شروع سے آخر تک بالکل سادہ رکھنے کی تھی۔ مولانا فراہی کے نظام القرآن کے نظریات مبتدیوں کے لیے بالکل ناموزوں ہیں۔ بس اس فروگذاشت کے سوا اور ہر حیثیت سے مفسر کی سعی قابل داد ہے۔ اور امید ہے کہ آئندہ ان شاء اللہ اسکی بھی اصلاح ہو جائیگی۔ یہ کوشش بہر صورت حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷)

نیاز صاحب کے الحاد سے تو یہ امید نہیں ہے کہ وہ اس کے بعد بھی اپنے ملحدانہ خیال سے توبہ کریں۔ لیکن کیا مسلمان اس کو برداشت کرتے رہیں گے کہ وہ ان کفریات کو پڑھتے رہیں اور اس کی اشاعت کرتے رہیں۔ حالانکہ انکے خدا کا حکم یہ ہے:۔

ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان (مائدہ۔ ع ۱) گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو۔

ولا تکونن ظہیرا للکافرین (قصص۔ ع ۱) کافروں کے مددگار نہ ہو۔

(نقیب)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

نمبر ۲۲ | دوشنبہ۔ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ۷۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

کہتے ہیں کہ ہٹلر جس ملک پر چڑھائی کا ارادہ کرتا ہے، پہلے ہی سے اپنے آدمی وہاں چھوڑ رکھتا ہے۔ دیکھنے میں کوئی تاجر، کوئی سیاح، کوئی سیاسی، کوئی ڈاکٹر، کوئی مشنری، ظاہر سب کے الگ الگ، باطن سب کے ایک، دیکھنے میں کوئی کچھ کوئی کچھ، لیکن درحقیقت سب ہٹلر ہی کا دم بھرنے والے، خیر اسی کی منانے والے، اسی کے جاسوس اور گماشتے، اسی کے ایجنٹ اور کارندے۔ اور یہ بات نہیں کہ سب اسی کے ہم قوم، ہم وطن یا ہم نسل ہوں، دوسرے دوسرے ملکوں کے منافق اور غدار، اپنی قوم سے عہد وفا توڑے ہوئے، ہٹلر سے رشتہ جوڑے ہوئے۔ ادھر ہٹلر کی فوج "ظفر موج" پہونچی، کہ ادھر یہ دوسری فوج بھی اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑی، اپنے اپنے بلوں سے ابل پڑی۔ باہر والوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا، سارے گھر کا نقشہ دم بھر میں بدل دیا۔ گھر والے گھبرا گئے، حیران و ششدر رہ گئے، سر پکڑ کر بیٹھ گئے، کہ ارے! یہ اپنے ہی ہاتھ پیر جواب دے گئے! یہ اپنے ہی غیروں سے مل گئے! اور وقت پر دغا دے گئے"! —— انگریزوں نے اس بغلی گھونسہ کا نام، اپنی جنگی اصطلاح میں "ففتھ کالم" یا "پانچوں دستہ" رکھا ہے۔ اور اس نام سے ہر اخبار بین خوب واقف ہو چکا ہے۔ ——

چھوڑیے اس "جگ بیتی" کو "آپ بیتی" کے ہوتے آپ کو ان پرائے قضیوں میں پڑنے کی ضرورت کیا؟

چوں کوے دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست؟

آج یہ تحریک کون پھیلا رہا ہے، کہ اردو کے "ان سائنٹفک" رسم الخط کے بجائے لاطینی حروف رائج ہو جائیں؟ تاکہ انگریزیت کی فوجوں کے لیے راستہ پوری طرح صاف ہو جائے۔ اس تجویز کے کون درپے ہے، کہ مسلمانوں میں بینک بازی بینک سازی کا کاروبار پھیل جائے، اور مسلمان جلد سے جلد سود کھانے اور سود کھلانے کی لعنت میں مبتلا ہو کر رہیں؟ "جواز سود" پر رسالے اور پمفلٹ کون شائع کر رہا ہے؟ مردوں عورتوں کا اختلاط، اور عورتوں میں بے پردگی، بے حجابی اور بے حیائی کی تلقین کس کے زبان و قلم کا محبوب اور دلچسپ مشغلہ ہے؟ کس کی سرگرم کوششیں ہیں، کہ اسلامی قانون دیوانی و فوجداری کے بجائے امت پر مغربیوں اور ملحدوں کے بنائے ہوئے ضوابط و تعزیرات مسلط کر دیے جائیں؟ کون اس فکر میں گھلا جا رہا ہے، کہ مسلمان اپنے تمدنی، تہذیبی، اخلاقی، خصوصیات و شعائر کو چھوڑ کر جلد سے جلد صورۃً و سیرۃً اجنبی قوموں میں ضم اور ان میں گم ہو کر رہ جائیں؟

یہ ساری کارروائیاں اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلانے والوں کے ہاتھوں ہو رہی ہیں یا نہیں؟ ان ساری تحریکوں کو چلانے والے اور پھیلانے والے، انھیں مسلمانوں پر یہ زور (واؤ مجہول سے) یا یہ زور (واؤ معروف سے) نازل کرنے والے مسلمانوں ہی کے سے نام رکھتے ہیں یا نہیں؟ —— اپنی آستین میں سانپ آپ نے کچھ کم پال رکھے ہیں؟ "تجدد" "روشن خیالی" "آزاد خیالی" کے اپنے اندر ان فراوانیوں کے بعد آپ کو ضرورت کیا ہے کہ "پانچوں کالم" کی تلاش کے لیے آپ فرانس اور ہالینڈ اور برطانیہ اور البانیہ اور ڈنمارک کی خاک چھانتے پھریں؟

گوہر بدست، و بدریا چہ حاجت ست؟

ایک مستشرق کی وفات

۲۰۔ ستمبر کو استنبول سے مشہور ہنگاری

انتقال متکلم کا ہے۔ اوپر سے صیغہ غائب کا چلا آتا ہوتا ہے، کہ یک بیک اسلوب بیان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ غائب کو مخاطب بنا دیا جائے، زور عبارت میں زیادہ پیدا ہو جاتا ہے، فصاحت زیادہ آجاتی ہے، کلام مقتضائے حال کے زیادہ موافق ہو جاتا ہے، اور ضمیروں کا انتقال غائب سے مخاطب میں، غائب سے متکلم میں برابر ہوتا رہتا ہے۔ اس صنعت کا نام صنعت التفات ہے، اور اسکی مثالیں شعراء دیوان عرب میں شاذ نہیں۔ سورۂ فاتحہ پڑھنے والا جب یوم الدین پر پہونچتا ہے، تو اپنے مالک و مولیٰ کی صفت صیغۂ غائب میں بیان کرتے کرتے، کہ وہ ایسا مہربان ہے ایسا شفیق و رحیم ہے، ہر طرح مالک و مختار ہے۔ تو بندہ کا دل شفقت و عظمت کے احساس و استحضار سے از خود اندر سے اُمنڈنے لگتا ہے اور بے اختیار وہ غیبت سے حضور کی طرف منتقل ہو کر مخاطبہ و مواجہہ ڈھونڈنے لگتا ہے۔ گویا صیغہ بدل جاتا ہے، اور بندہ "وہ" سے "آپ" پر آجاتا ہے۔ یہ تو عین فطرت بشری کی رعایت ہوئی۔ منشی نیاز محمد خاں کا اس سے قرآن مجید کے کلام الٰہی نہ ہونے پر استدلال کرنا، عجب در عجب، جہل در جہل ہے!

ایک ضروری تحریک

"ضرورت ہے کہ قرآنی کلچر، تہذیب، تمدن، سیاست اور اقتصادیات کے مستند ضابطے مرتب کیے جائیں، اور اپنی تنظیمی کوششوں میں اسکی نگرانی کیجائے کہ تمام مسلمان اپنی زندگی کو اُسکے مطابق بنائیں۔۔۔ یہ کام کون کرے۔ ایک مہم ہے مگر تمام دشواریوں کے باوجود کرنا پڑیگا ۔۔۔۔ اس کام کے کرنے کا سیدھا طریقہ یہ ہے کہ کوئی ایک صاحب ذمہ دار بن کر آگے بڑھیں، اسلامی و مغربی علوم کے ماہرین کو ایک جگہ جمع کریں۔ علماء کی اس مجلس میں کام کے عنوانات کا تعین ہو، ایک ایک عنوان ایک ایک ماہر فن کے سپرد کر دیا جائے ۔۔۔۔ ہمارے خیال میں یہ تحقیقات ذیل کے عنوانات کے تحت میں ہونی چاہیے:-

از روئے قرآن و سنت مسلمانوں کا کلچر۔

عہد رسالت سے خلفائے راشدین تک کا طرز حکومت، اُسکے اصول اور نظریوں کا تعین۔

اسلامی اقتصادیات قرآن کی رو سے اور اسکی روشنی میں جو عہد رسالت سے عہد خلفائے راشدین تک رہا۔" (منشور، دہلی)

صد شکر کہ ضرورت کا احساس، دیر ہی میں سہی مگر ہوا تو، اور وہ بھی مسلم لیگ جیسی مرکزی انجمن کے ترجمان کو۔ تجویز ہر طرح پر معقول اور ضروری ہی نہیں اشد ضروری ہے۔ لیکن اسکے لیے ضرورت ہے وقت اور سرمایہ دونوں کی۔ متعدد ماہرین فن کو مشورہ دینے والے خیالات، افکار اور رسائل کا رکے تعین کے لیے جمع کرنا ہوگا، پھر ایک عرصہ تک مراسلت و مکاتبت، ایک دوسرے کی تحقیق پر مخلصانہ تنقید، تصحیح و تکمیل وغیرہ۔

بہترین مرکز اسکے لیے مسلم یونیورسٹی ہو سکتی ہے۔ حسن اتفاق سے اس کے شعبہ فلسفہ کے صدر، نہ صرف اپنے فن کے ایک مسلم الثبوت محقق ہیں، بلکہ اسلامیات پر بھی ماشاء اللہ بہت اچھی اور گہری نظر رکھتے ہیں، یہ کام کسی سیاسی جماعت کے کرنے کا نہیں، ایک علمی مجلس ہی کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے۔ طبقۂ علماء میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ایڈیٹر "ترجمان القرآن" لاہور کی ذات اس حیثیت سے بہت ہی بلند و ممتاز ہے۔ وہ صحیح معنی میں مفکر ملت ہیں، اور ان مسائل کا مطالعہ نہایت وقت نظر سے کر چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر ایک مجلس ارکان ذیل کی مرتب ہو جائے تو انشاء اللہ یہ کام بہ آسانی اور کم سے کم وقت میں انجام کو پہونچ سکتا ہے:-

(۱) ڈاکٹر سید ظفر الحسن، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، صدر شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ (کنوینر)

(۲) مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی (لاہور)

(۳) مولانا حکیم عبد الرؤف صاحب دانا پوری (کلکتہ)

(۴) ڈاکٹر عبد الستار خیری (دہلی)

(۵) ڈاکٹر حمید اللہ، ایم، اے، ڈی، لٹ - جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد)

دو چار صاحبوں کا اضافہ اور بھی ممکن ہے۔ اب رہا سوال مصارف کا، سو راجہ صاحب محمود آباد ایک عرصہ سے خود بھی اسی قسم کی اسکیم تیار کرا رہے ہیں، اور مختلف اہل علم کو باہر سے اسی غرض سے بلوا کر رکھے ہیں، وہ بہ آسانی ان شاء اللہ اس کمیٹی کا بار اُٹھا لیںگے۔ علیگڈھ کو مرکز متعدد سہولتوں کے خیال سے تجویز کیا گیا ہے۔ اگر یہ صورت ممکن العمل نہ ہو، تو پھر مولانا ابو الاعلیٰ ہی کو ذمہ دار بنایا جا سکتا ہے۔

آیک تیسری جنس!

"عورت کا حسین و جمیل جسم دنیا کی سب سے زیادہ تغیر پذیر چیز ہے" (آنیر ۲۰ ستمبر ۴۳ء)

برطانیہ کے مشہور سنگتراش مسٹر فرینک ڈابسن نے حال میں کہا اور بالکل صحیح کہا۔ فطرت نے واقعی عورت کے جسم میں اسکے اصل کے پیش نظر ایسی ہی لچک رکھی ہے، اور پھر اپنے وسیع عملی تجربہ کی بنا پر کہا:

"زن عہد جدید کے جسم کی بناوٹ میں جہاز، موٹر، اور تازہ ترین ہوائی جہازوں کے اثرات صاف نمایاں ہیں۔ آج اسکے اعضاءِ جسم کے تیور میں اُس کی موجودہ آزادی کا عکس صاف نظر آرہا ہے ۔۔ اپنی صنعت ۔۔ مجسمہ سازی کے سلسلہ میں میری کوشش یہی ہے کہ ۔۔ مجسموں میں عورتوں کی حسن نسوانی کا بہترین مرقع پیش کر سکوں اور اس غرض سے میں نے شروع سے اب تک کے تمام حسین عورتوں کے نقشے [illegible] ہوتے ہیں ۔۔ ملاحظہ کیے ۔۔۔ قدیم زمانہ تک پہونچا۔ اُس عہد کی عورت کو نہایت حسین تھی، لیکن وہ جنس کا بل کھاتی تھی، نہ وہ اسی بن سکتی تھی، جیسا کہ آج کی عورت کر سکتی ہے۔ آج مجسم آج کی عورت کی سی پھرتی اور نزاکت نہ تھی ۔۔۔۔ میں نے سب سے پہلے کے سامنے وہ مجسمہ پیش کروایا ہے جو متعدد ماہرین و مبصرین کی نظر میں "بیسویں صدی کی حسینہ" ہے"

گویا اپنے جسم کی فطری لچک سے "آزاد" عورت نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنے جسم کے مختلف اعضاء میں، حرکات تبدیل کرنا شروع کر دیا، تا آنکہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اسکا جسم بھی بدل گیا اور آئندہ ہر دور کے حسب حال اسکا ایک حصہ ہو گیا اور آج وہ ایک ایسی نئی مخلوق وجود میں آئی جو مرد تو نہیں مگر بہت کچھ مرد کی سی ہے ۔۔۔ عورت ۔۔۔

مترجم کی جسارت

حیدرآباد سے ایک صاحب علم بزرگ ۱۴ ستمبر کے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:-

"مولوی ریاست علی صاحب کی رپورٹ لے بھیجنے تو داغ کھول رہا ہے۔ رہبر نے اسے شایع کر دیا ہے۔ صدق سے متعجب ہے کہ اتنا شایع نہیں کیا۔ مولانا شبیر احمد صاحب کی تقریر آپ نے شایع فرما دی۔ لیکن میرے نزدیک نیاز کو سنجیدگی سے منہ لگانا گویا اپنے محاذ کو کمزور کر دینا ہے۔ اس کا علاج تو یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور جس پیمانہ پر ممکن ہو اسکے "ہفوات" کا اعلان کیا جاتا رہے۔ ذلک بما قدمت یداک سے 'نیاز' کی نخوت وستم کو اور اسی سے وہ بہت گھبراتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مولوی ریاست علی صاحب کے پاس اس قسم کے معلومات کا ایک ذخیرہ ہے۔ ان چیزوں کا چھپانے رکھنا جرم ہے۔ انھیں چیزوں کی اشاعت کی ضرورت ہے جہاں تک بھی ممکن ہو۔ ورنہ جس بے غیرت کا یہ حال ہے کہ اپنے ارتداد کو وہ اعتزال اور مسئلہ خلق قرآن کی پرانی بحث میں چھپانے کی کوشش ان بیہودہ درایتوں کے بعد بھی کر سکتا ہو، وہ سنجیدہ مباحث میں تو خدا جانے کہاں کہاں نکل جائیگا"

مولوی ریاست علی صاحب، ایڈیٹر ندیم کی جس تحریر کا حوالہ مراسلۂ بالا میں ہے، صدق میں کل ہی شایع ہو چکی ہے۔ صدق کے مضامین بہت قبل سے مرتب کرنے پڑتے ہیں، اس لیے بعض مضامین کی اشاعت میں دیر ہو ہی جاتی ہے۔ رہبر دکن کے توسط سے انقلاب (لاہور) بھی شایع کر چکا ہے، اور عجب نہیں کہ حق (لکھنؤ) بھی نقل کرے۔ یو۔ پی میں کم از کم یہ روزنامہ تو اس فتنہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہے۔

اپنوں کی بیگانگی

بمبئی سے ایک اہل قلم لکھتے ہیں:-

"نگار کی فتنہ انگیزیاں جب جب شباب پر ہوتی ہیں، کوئی نہ کوئی بزرگ شامت اعمال سے بخیر بن کر معاملہ کو سنوارنے کے بجائے اور الجھا دیتے ہیں۔ سید نواب علی صاحب کا مضمون آپ نے نگار میں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ بجائے اُسے راہ راست پر لانے کے خود اسی کے آلۂ کار بن گئے۔ اُسے کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے، وہ البتہ ان سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے، خدا رحم کرے"

جی ہاں ایسے سادہ مزاج اور مرنجاں مرنج بزرگوں سے تو تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ بنیاد حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پڑ گئی تھی اور عہد مرتضوی میں، خصوصاً فتنۂ خوارج کے وقت تو ایسے نیک نفس لوگوں کی کوئی کمی رہی ہی نہیں۔ محترم مدیر معارف سے یہ تقاضا، کہ وہ سیرۃ النبیؐ کی ایک جلد مستقلاً قرآن مجید کے موضوع پر لکھنے کا وعدہ پورا فرمائیں، نگار کی وساطت سے کرنا، اور اسے اس غرض کے لیے قاصد بنانا بہت ہی خوب ہے۔ اور پھر کیا کہنے ہیں اس حقیقت سنجی کے، کہ

"نگار، صدق اور معارف کے ایڈیٹروں کو ... [illegible] ... سمجھتا ہوں ... [illegible]"

بحمل اللہ جھپٹا پر عمل کر کے پردار (؟) کی حیثیت سے نوجوانان ملت کے لیے چراغ ہدایت نہیں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے ایڈیٹری کا یہ ترنگی جھنڈا ایک ہی قومی نشان نہ بن سکے تو (الخ)"

صدق اپنی اور معارف دونوں کی طرف سے اس عزت افزائی اور قدردانی پر شکریہ پیش کرتا ہے، رہے سید نواب علی صاحب کے "دلائل" تو بقول نیاز۔

"ان پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن.... مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اور اب یہ معلوم کر کے مطمئن ہوں کہ اہل علم کی ایک جماعت اس باب میں میری ہم آہنگ ہے" (نگار، ستمبر سنہ ۳۶ء)

نیاز کی "ہم آہنگی" سید صاحب کو مبارک ہو!

حکیم الامت کی صحت

وانگمبن (جنوبی ہند) سے ایک کرم فرما لکھتے ہیں

"حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کی صحت سے متعلق جو کبھی کبھی سابق میں کوئی شذرہ نکل آتا ہے تو دریافت خیریت سے طبیعت مسرور ہو جاتی ہے۔ اب کچھ عرصہ سے اس سرور سے لطف اندوزی کا موقع نہیں ملا۔ براہ کرم مطلع فرمایا جائے کہ حضرت والا کے ارشادات عالیہ کس رسالہ میں مسلسل نکلتے رہتے ہیں۔ یعنی خانقاہ اشرفی کا آرگن کون ہے"

(۱) حضرت والا کی صحت بحمد اللہ اس تحریر کے وقت تک اچھی ہے۔ باقی ضعف وغیرہ اس عمر کے لوازم میں سے ہیں۔ ان سے نبی، ولی، کسی کو مفر نہیں۔ ضعف جسمانی وانحطاط قوت کا ذکر قرآن مجید میں جو حضرات انبیاء کی زبان سے کرایا ہے، اس میں ایک مصلحت یہی تعلیم ہے۔

(۲) رسالہ النور، تھانہ بھون۔ ضلع مظفر نگر (یو۔ پی) قیمت سالانہ ۸؍ اس میں مولانا کے ملفوظات وارشادات طریقت اور بعض طالبین وسالکین کے خطوط کے جوابات پابندی کے ساتھ رہتے ہیں، اور اکثر ملفوظات بھی۔ مواعظ مسلسل خانقاہ امدادیہ، دہلی میں نکلتے رہتے ہیں۔

ایک مراسلہ نگار سے

تاندور (علاقہ دکن) سے ایک خریدار صاحب تحریر فرماتے ہیں (ملخصاً):-

"صدق مورخہ ۸ رجولائی میں رسالہ اقبال علیگڈھ پر آپ کا یہ تبصرہ دیکھ کر کہ "اقبال، ضخامت ۲۸ صفحے۔ قیمت للعہ سالانہ) کا مقصد ہے علامہ اقبال کے پیغام کی اشاعت۔ ایسے رسالہ کی وسیع اشاعت میں کوشش کرنا اپنی مدد آپ کرنا ہے" للعہ پیشگی سالانہ چندہ رسالۂ مذکور کو بھیج دیا گیا۔ حسب معمولی چند روز کے قلیل ایک ماہ بعد رسالۂ مذکور نے اپنا ایک نمبر یعنی جلد اول نمبر ۵ صفحات ۲۴ صفحے قیمت عہ سالانہ روانہ کیا، جسکے مقاصد مسلم لیگ کے نصب العین کی ترویج واشاعت ہے۔ صدق کے بتائے ہوئے مقاصد اور اس رسالے کے مقاصد میں، علاوہ ضخامت صفحات و قیمت وغیرہ کے نمایاں فرق ہے۔ اس لیے بذریعہ اخبار ان اختلافات کی تصحیح فرما دی جائے"

ریویو صرف پیش نظر نمبر یا نمبروں کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اب اگر اسکے بعد کوئی

قرآن بہ حیثیت کلام الرحمٰن

"نگار" کے مغالطوں کا جواب

(مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، اڈیٹر رسالۂ الفرقان کے قلم سے)[1]

[نیاز صاحب اس جواب کو اگر پالیسی ترمیم اور قطع و برید کے "نگار" میں شائع کر سکتے ہوں جیسا کہ انھوں نے اگست کے "نگار" میں لکھا ہے تو ضرور شائع کریں]

قرآن پاک کے کلام الٰہی اور "الہام ربانی" ہونے سے بیباکانہ انکار کرنے والے نیاز فتحپوری نے اگست کے "نگار" میں غلط بحث کر کے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی جو پُرفریب کوشش کی ہے اس کا ذکر "الفرقان" کی اس سے پہلی اشاعت میں کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں جو دلائل مغالطے یا "شبہے" انھوں نے پیش کیے ہیں آج کی صحبت میں حسب وعدہ ان کا جواب ہمیں عرض کرنا ہے۔

عرض جواب سے پہلے ہم یہ پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ نیاز صاحب پر ملت کی طرف سے جو جرم قائم ہے وہ یہ ہے

(الف) علماء اسلام کے باوجود قرآن پاک کے کلام الٰہی اور الہام ربانی ہونے سے انھوں نے صاف انکار کیا۔

(ب) قرآن پاک کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصنیف کردہ کلام اور آپ کی فہم و فراست کا نتیجہ بتلایا۔

(ج) قرآن پاک میں امم ماضیہ کے جو واقعات اور قصص مذکور ہیں اُنکی حتمی صحت سے انھوں نے انکار کیا اور صاف کہا کہ یہود اور نصاریٰ کے یہود و نصاریٰ یہ قصے تورات و انجیل سے بیان کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سے سُن سنا کر بلا تحقیق و تنقیح انکو قرآن میں درج کر دیا ہے اور اب قرآن میں انکا درج ہونا انکی صحت و واقعیت کا ضامن نہیں

یہ ہیں نیاز صاحب کے وہ "کافرانہ ہفوات" جو انھوں نے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ جون کے "نگار" میں درج کیے اور انھیں کی بنا پر ہم نے انکو "مرتد" یا "منافق" لکھا اور انھیں کی یہی خرافات ہیں ملت کے نزدیک انکا اصل جرم۔

اسکے بعد اب انھوں نے اگست کے "نگار" میں اپنے خیالات کو جس نئے انداز میں پیش کیا ہے اور اپنے "شبہات" پیش کر کے مسلمانوں کو اپنی معصومیت کا جو یقین دلانا چاہا ہے ہمارے نزدیک وہ ان کی ایک پُرانی چال ہے جس کا تجربہ اپنے متعلق وہ پہلے بھی کرا چکے ہیں۔ اس لیے یہ توقع تو نہیں ہے کہ ہماری یہ خامہ فرسائی خود انکے دل پر کچھ اثر کر سکیگی ہاں یہ امید ضرور ہے کہ انکے ان شبہات اور

مغالطات نے جن اور جس سے مذہب سے ناواقف اور سادہ لوح لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہونگے ان شاء اللہ وہ ہمارے ان جوابات سے اطمینان حاصل کر سکیں گے اور وہی طبقہ اس وقت ہمارا مخاطب ہے۔ واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد

نیاز صاحب کے پیش کردہ شبہات یا مغالطات کا جواب شروع کرنے سے پہلے حق تعالیٰ کی "صفت کلام" اور قرآن پاک کے متعلق بطور تمہید چند اصولی باتیں عرض کر دینا ضروری ہیں جنکے بعد اس بحث کو سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو جائیگا۔ امید ہے کہ تمہیدی گزارش کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمایا جائے۔

تمہید:—

یہ تو ظاہر ہے کہ صفت کلام کے لحاظ سے خود انسان میں تین حیثیتیں نمایاں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اُس میں قوت ناطقہ یعنی گویائی کی صلاحیت اور قابلیت ہے اور اسی حیثیت سے اسکو "حیوان ناطق" کہا جاتا ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو تکلم اور تلفظ سے پہلے اسکے ذہن میں ایک مطلب اور مضمون ہوتا ہے جسکو بعد میں وہ الفاظ سے ادا کرتا ہے۔

(۳) تیسری حیثیت یہ ہے کہ وہ نطق اور تلفظ کے ذریعہ اپنے اس مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ بلاتشبیہ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی صفت کلام میں بھی تین حیثیتیں اور تین درجے ہیں —— پہلے درجہ کو بمنزلہ "قوت تکلم" سمجھنا چاہیے۔ (اور علمی اصطلاح میں اسکو مبدأ تکلم اور منشاء صدور کلام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح کہ علم کو مبدأ انکشاف کہا جاتا ہے)

تو حق تعالیٰ کی "صفت کلام" کا یہ پہلا درجہ علم اور قدرت وغیرہ کی طرح قدیم اور ازلی ہے اور اُس کی صفات حقیقیہ میں سے ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور اسکا مشہور اصطلاحی نام "کلام نفسی" ہے۔

دوسرا درجہ وہ مفصل مطالب اور مضامین ہیں جن کو الفاظ و حروف سے ادا کیا جاتا ہے اور جو کلام لفظی کا مدلول ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ میں بھی اُسکی شان ربوبیت کے مطابق یہ درجہ موجود ہے اور اسکو بھی "کلام نفسی" کہا جاتا ہے اور یہ بھی قدیم ہے۔

تیسرا درجہ ان مرتب الفاظ و عبارات اور حروف و کلمات کا ہے جن سے مضمون و مقصود ادا کیا جاتا ہے۔ اور اس درجہ کا اصطلاحی نام "کلام لفظی" ہے۔ اور اس حیثیت سے جب کسی کلام کو "کلام الٰہی" کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی مرضی اور منشاء اور اپنے احکام بندوں کے علم میں لانے کے لیے خود اس کلام کی تالیف و تنزیل فرمائی ہے۔ لیکن اس کلام کے ظہور کا محل عموماً کوئی "شے مخلوق" ہی ہوتی ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ اپنے کلام لفظی کو اپنی قدرت کے ذریعہ حامل وحی فرشتہ کی زبان پر جاری فرما دیتا ہے۔ پھر وہ رسول انھیں الہام شدہ الفاظ و عبارات ہی کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے یعنی رسولوں

[1] مولانا نے از راہ لطف و کرم یہ مقالہ الفرقان میں درج کرنے سے ہفتوں قبل صدق کو عنایت فرمایا تھا۔ ہم اور بات ہے کہ خود صدق میں گنجائش تنگی تا خیر کے بعد نکل پائی۔ (صدق)

لوگوں کو سناتا ہے ——— یہ تیسرا درجہ جس کا اصطلاحی نام "کلام لفظی" ہے اپنے وجود خارجی کے لحاظ سے حادث و مخلوق ہے (خواہ وہ وجود خارجی لوح محفوظ میں نقوش کی شکل میں ہو، یا رسول یا فرشتہ کی زبان پر الفاظ و حروف کی صورت میں)

اگر یہ تینوں درجے اور انکے باہمی فرق آپکے ذہن نشین ہو چکے ہیں تو اسی جگہ اہل سنت اور معتزلہ کے اختلافات کی حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس بارے میں عام طور پر لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ معتزلہ کا خلاف درحقیقت صرف یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی "صفت کلام" کے پہلے درجہ کے منکر ہیں یعنی ان کو اس سے انکار ہے کہ علم و قدرت وغیرہ کی طرح حق تعالیٰ کی کوئی مستقل ازلی صفت تکلم یا تکلم ہو ——— دوسرے درجہ کو وہ صرف بضمن علم تسلیم کرتے ہیں۔ غرض وہ "کلام نفسی" کے وجود ہی سے انکاری ہیں البتہ "کلام لفظی" کے وہ قائل ہیں اور اسی کے لحاظ سے حق تعالیٰ کو متکلم اور قرآن پاک کو کلام الٰہی کہتے ہیں۔ پس کلام لفظی دونوں فریق کے نزدیک مسلم ہے مگر کلام نفسی جو اہل سنت کے نزدیک قدیم و ازلی صفت ہے اس سے معتزلہ کو انکار ہے۔

پس معتزلہ کلام الٰہی کو جو مخلوق کہتے ہیں تو ان کا منشا یہ ہے کہ کلام الٰہی کا اولین مصداق چونکہ "کلام نفسی" ہے اور وہ قدیم ہے اسلیے وہ کلام الٰہی کو قدیم کہتے ہیں تو اصل اختلاف کلام نفسی کی نفی و اثبات کا ہے اور وہ حقیقی محل نزاع ہے ورنہ کلام لفظی جو "اصوات و حروف" سے مرکب ہوتا ہے اسکا حادث ہونا خود اہل سنت کو بھی مسلم ہے ——— اور جو کچھ عرض کیا گیا ہمارا اپنا ہی خیال نہیں ہے بلکہ کتب کلام میں پوری توضیح اور تشریح کے ساتھ مذکور ہے۔ چند عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔ علم کلام کی مشہور کتاب مواقف میں بیان اختلافات کے بعد فرمایا "واذا عرفت هذا فاعلم ان ما يقوله المعتزلة وهو خلق الاصوات والحروف وكونها حادثة قائمة فنحن نقول به ولا نزاع بيننا وبينهم في ذلك وما نقوله من كلام النفس فهم ينكرون ثبوته ولو سلموه لم ينفوا قدمه فصار محل النزاع نفي المعنى واثباته"

اور محقق دوانی شرح عقائد جلالی میں فرماتے ہیں "لا نزاع بين الشيخ (الاشعري) والمعتزلة في حدوث الكلام اللفظي انما نزاعهم في اثبات الكلام النفسي وعدمه"

اور شیخ شہاب الدین خفاجی حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں "لا نزاع بينهم (اي بين اهل السنة) وبين المعتزلة في حدوث كلامه اللفظي انما النزاع في اثبات النفسي"۔

ان سب عبارات کا حاصل یہی ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ میں اصل اختلاف کلام نفسی کی نفی و اثبات کا ہے ورنہ کلام لفظی کا حادث و مخلوق ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے۔

اس تمہیدی گزارش کے بعد نیاز صاحب کے شبہات یا مغالطات کا نمبروار جواب ملاحظہ ہو۔

نگار (۱) قرآن مجید کو خدا نے پیدا کیا ہے یا خدا کے ساتھ وہ خود بھی وجود میں آیا ہے، دوسری صورت فرض کرنا ممکن نہیں، کیونکہ اس طرح قرآن کو بھی خدا کی طرح قدیم ماننا پڑیگا، حالانکہ قدیم صرف ذات خدا کی ہے

اور اگر اول صورت مانی جائے تو قرآن کو "شئے مخلوق" ماننا پڑیگا، لیکن "شئے" کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ "کل شئ هالك الا وجهه" اس لیے نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن فنا ہونے والی چیز ہے اس لیے وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔

"الفرقان" - جواب عرض کرنے سے پہلے یہ تنقیح ضروری ہے کہ نیاز صاحب کی مراد قرآن مجید سے کیا ہے اگر وہ "کلام لفظی" مراد ہے جس کا وجود الفاظ و اصوات یا نقوش سے وابستہ ہے اور جسکا قیام محال مخلوقہ ہی کے ساتھ ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ خدا کا مخلوق ہے اور دوسری اشیاء مخلوقہ کی طرح یقیناً اسکے لیے بھی "بقائے دائم" نہیں ہے لیکن اسکے باوجود وہ خدا کا کلام ہے بایں معنی کہ اسکی تالیف اسی کی طرف سے ہے اور لوح محفوظ یا زبان ملک پر اس کا خلق و ایجاد یا قلب رسول میں اس کا القاء بلاتوسط کسی کے براہ راست اسی کی جانب سے ہوتا ہے اور اسی لحاظ سے اس کو "کلام خدا" کہا جاتا ہے، اور ہم جو مختلف اوقات میں اپنے قصد و ارادہ سے اسکی تلاوت کرتے ہیں یا کاغذ پر اسکو لکھتے ہیں تو یہ اسی کی حکایت ہوتی ہے جس طرح کہ جب ہم غالب کا کوئی شعر اپنی زبان سے پڑھتے یا اپنے قلم سے لکھتے ہیں تو وہ شعر ہمارا نہیں ہو جاتا بلکہ غالب ہی کا کہلاتا ہے کیونکہ ہمارا پڑھنا یا لکھنا اسی کی نقل و حکایت ہوتی ہے۔ بہرحال اگر سوال میں قرآن مجید سے مراد مذکورہ بالا "کلام لفظی" ہے تو وہ بیشک خدا کی ایجاد و تخلیق ہی کا نتیجہ ہے اور ہم عرض کر چکے کہ دوسری اشیاء مخلوقہ کی طرح اسکے لیے بھی بقائے دائم نہیں ہے لیکن اسکی وجہ سے اسکے "کلام خدا" (بالمعنی المذکور) ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا نہ نیاز صاحب نے اس کی کوئی دلیل پیش کی ہے اور نہ وہ پیش کر سکتے ہیں۔ اور اگر قرآن مجید سے انکی مراد اس کے مطالب و مضامین ہیں، یعنی "کلام نفسی" (اور اگرچہ عرف عام کے خلاف ہے لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ انکی مراد یہی ہوگا۔ کیونکہ وہ مطالب قرآن کے بھی منجانب اللہ ہونے کے منکر ہیں اور انکو بھی معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور نیز اسکے قصص کو غلط اور غیر تاریخی بتلاتے ہیں اور انکا یہ دعا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ مضامین قرآن کے بھی وہ من اللہ ہونے کی نفی کریں۔ اسلیے قیاس یہی ہے کہ اس سوال میں قرآن مجید سے انکی مراد کلام نفسی ہوگا) تو اس صورت میں ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ حادث و مخلوق نہیں بلکہ قدیم ہے ——— رہا اس پر نیاز صاحب کا یہ شبہ کہ قدیم ذات خدا ہے، تو یہ محض مغالطہ ہے۔ فی الحقیقت حق تعالیٰ کی مقدس ذات کی طرح اس کی کمالی صفات بھی قدیم ہیں۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اسی طرح اس کا علم اور اس کی قدرت وغیرہ صفات بھی ہمیشہ سے ہیں۔ اور کلام نفسی بھی اس کی صفت ہے جو قدیم ہے اور خود نیاز صاحب نے تیسرے شبہ کے ضمن میں "صفات ربانی" کی قدامت کو تسلیم کیا ہے۔

(باقی آئندہ)

مزید اراکین صدق کی خدمت میں

جن خریدار صاحبان کی میعاد خریداری ختم ہو رہی ہے اور گذشتہ نمبر میں [illegible] اطلاع دی جا چکی ہے [illegible] اپنا چندہ سال آیندہ کے لیے [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبد القوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

ہفتہ وار

صدق لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو

عبد الرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق

مرشد آباد بلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

ششماہی ؁

بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۱ر

نمبر ۲۳ | دوشنبہ - ۸ - رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ۴ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

اسلام کی مملکت میں سالانہ پریڈ کا موسم آ گیا۔ پریڈ پورے ایک مہینہ ہوگی۔ "لیمپ لائٹ" ایک چاند سے دوسرے چاند تک جاری رہیگی۔ مہینہ مشقت اور کاہلی، ضعف اور افسردگی کا نہیں، چستی اور چالاکی، ہمت اور مستعدی کا ہے۔ مسلمان بوڑھے اور جوان، لڑکے اور لڑکیاں، امیر اور غریب صبح منہ اندھیرے سے لیکر شام تک بھوکے اور پیاسے رہینگے، میاں بیویوں سے الگ رہینگے۔ صبح کے ناشتے موقوف، دوپہر کے کھانے بند، سہ پہر کی پارٹیاں ناغہ، چائے کے دور ختم، حقہ، سگریٹ، پان کے چسکے غائب، شربت کے گلاس خشک۔ مسلمان کو اپنے صبر، ضبط، ہمت کا امتحان دینا ہے ——— نمازیں آج گھٹینگی نہیں، رعایت اس باب میں کچھ بھی نہ ہوگی۔ نفلیں کچھ اور بڑھ ہی جائینگی۔ تلاوت قرآن روز اگر ایک پارہ ہوتی تھی، تو آج کئی پارے ہوگی۔ قرآن سے کچھ نہ کچھ تعلق مسلمان کو ہمیشہ ہی رہتا ہے، آج وہ بڑھ جائیگا۔ غیبت سے لطف لینا ہمیشہ ہی حرام تھا، آج یہ حرمت اور شدید ہو جائیگی۔ بیجا غصہ کا پی جانا ہمیشہ ہی واجب تھا، آج واجب تر ہو گیا۔ جود و سخا کی تاکید ہمیشہ ہی تھی، آج ہر مسلمان فیاض سے فیاض تر، ہمدرد سے ہمدرد تر ہوگا!

اسلام کی دینی حکومت جہاں کہیں قائم ہے، اب دن میں کھانے پینے کے بازار سرد رہینگے، ہوٹلوں میں سناٹا رہیگا، چائے خانے ویران رہینگے، شربت کی دوکان پر قفل پڑا رہیگا، امیروں کے باورچی خانے ٹھنڈے رہینگے، غریبوں کے چولھوں سے دھواں نہ نکلیگا۔ مسلمان دن بھر اپنے ہر جائز کاروبار میں، ہر جائز پیشہ میں لگا رہیگا۔ کمائیگا بھی اور قرآن بھی پڑھےگا، اور شام کو جب غذائی مہر ٹوٹیگی، جب فیصلہ جنگ ختم ہو کر کا ہوگا، تو دن بھر کے بعد بھی اُس وقت تنہا خوری نہ ہوگی۔ ہر مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دوسروں کو بھی کھلائیگا، پلائیگا، اپنے رب کی نعمتوں میں اسکی مخلوق کو بھی شریک کریگا، اور اسکے بعد یہ نہ ہوگا، کہ دن بھر کی مشقت کے بعد شام ہی سے تھک کر چور ہو کر پلنگ پر پڑ رہے، اور رات بھر سویا کیے۔ عشاء کی نماز ہمیشہ ہی طویل ہوتی تھی، آج کہیں زیادہ طویل ہوگی۔ گھر سے نکل، مسجد میں جا، جماعت کے ساتھ بیس بیس رکعتیں، اور پھر ہر رکعت تمامی طویل، آج اور روزانہ پڑھیگا! ——— یہ ہے امیر و غریب ہر مسلمان، لشکر اسلام کے ہر سپاہی کا عمل، خوشگوار، اور تازہ دم کر دینے والا پروگرام پورے مہینہ بھر کے لیے! سستی کاہلی، اور بدہمتی کا اسلام کے اندر گزر کہاں؟

یہ رد آمد، منین: خیبر کے معرکوں کو چھوڑیے، لیبیا کی جنگ تو ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا، اسلام کے شیردلوں اور عازی مجنوں کو مہینہ بھر بت رمضان ہی میں ناتوان سپاہیوں کو لڑائی پڑی تھی۔ ترک، غازی عثمان پاشا کی قیادت میں، قلعہ میں گھر گئے۔ زبردست و پر قوت غنیم نے محاصرہ کر لیا، رسد ختم، اور باہر کا ہر راستہ مسدود۔ بھوکے شیروں کی ہمت اور بے جگری میں ذرا فرق نہیں۔ لڑائی ختم ہوئی ہے، اور اعتراف انہوں کی زبان سے نہیں، دشمن کی زبان سے شایع ہوتا ہے، کہ ترک جو دن بھر روزہ رکھ کر لڑنے کے عادی تھے، یہ انہیں کا کام تھا، جو یوں فاقے کر کر کے مقابلہ کرتے رہے! ——— نفسی اصلاح و ضبط کا اور قومی عزم و ہمت کی بیداری کا، زندگی میں ایک نئی روح پھونک دینے کا، گرم گرم خون کی نئی لہریں دوڑا دینے کا، ایسے نظم اور کیسہ قیمت نسخہ، ماہ ... دن ... اسباب

قرآن بحیثیت کلام الرحمٰن

نگار کے مغالطوں کا جواب

(مولانا محمد منظور صاحب نعمانی - ایڈیٹر رسالہ الفرقان کے قلم سے)

(سلسلہ صدق ۲۷)

چونکہ ہمارے اس جواب کی بنیاد کلام نفسی کے قدیم اور کلام لفظی کے حادث و مخلوق ہونے پر ہے اور آئندہ نمبروں میں بھی ہم کو اس اصول سے کام لینا ہے اس لیے یہ واضح کر دینا بھی ہمارا فرض ہے کہ یہ نظریہ ہمارا اپنا اختراع نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے مشہور مسلمات سے ہے۔ کتب کلام کی صدہا تصریحات میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

شرح عقائد نسفی میں ہے "التحقیق ان کلام اللہ اسم مشترک بین الکلام النفسی القدیم ومعنی الاضافۃ کونہ صفۃ لہ تعالی وبین اللفظی الحادث المؤلف من السور والآیات ومعنی الاضافۃ انہ مخلوق اللہ تعالی"۔

اور مسامرہ شرح مسایرہ میں اسی کلام کے بارے میں اہل سنت کے مخالف فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"ومنہم المعتزلۃ قالوا کلامہ تعالی اصوات وحروف یخلقہا فی غیرہ کاللوح المحفوظ وجبریل والرسول وہو حادث عندہم ۰۰۰۰۰ وہذا الذی قالتہ المعتزلۃ لاننکرہ نحن بل نقول ۔ ونسمیہ کلاما لفظیا ولکنا نثبت امرا وراء ذلک وہو المعنی القائم بالنفس"۔

عارف جامی نے کلام نفسی کی قدامت اور کلام لفظی کے حدوث کے اس مسئلہ کو لباس اور صاحب لباس کی تمثیل سے حل کیا ہے۔ مثنوی سلسلۃ الذہب میں مسلک اہل سنت کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گر کلام حق گرفتی چوں معتزلی　　لا یزال است و ازل و لم یزل
حرف و صوت اند او ہمہ حادث　　نیست پس چوں زوال لابث
باشد آں پیش عقل خود و شناس　　مر کلام قدیم را چو لباس
وہ بدم چوں شود لباس بدل　　شخص صاحب لباس را چہ خلل

اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات میں ایک جگہ بھی لباس کی مثال دے کر مسئلہ کو اس طرح سمجھاتے ہیں

"قرآن کلام خدا است جل سلطانہ کہ لباس حرف و صوت در آوردہ بر پیغمبر ما علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام منزل ساختہ است و عباد را بآں امر و نہی فرمودہ چنانچہ ما کلام نفسی خود را بتوسط کلام و زبان در لباس حرف و صوت در آوردہ ظاہری سازیم و مقاصد خفیہ خود را بعرصہ ظہور می آریم ہم چنیں حضرت حق سبحانہ کلام نفسی خود را بے توسط کام و زبان بقدرت کاملہ خود لباس حرف و صوت عطا فرمودہ بر عباد فرستادہ است و اوامر و نواہی خفیہ خود را در ضمن حرف و صوت آوردہ بر منصۂ جلوہ دادہ است"۔

دوسری جگہ ایک اور مکتوب میں کلام نفسی کی قدامت اور کلام نفسی کے حدوث کے اسی مسئلہ کو اس طرح صاف فرماتے ہیں۔

"والحاصل کہ تبلا حق افکار منقح شدہ است کہ محل نزاع اگر حروف و کلمات اند کہ دال اند بر کلام نفسی شک نیست کہ حادث اند و مخلوق و اگر مدلولات مراد باشند قدیم و غیر مخلوق است"۔

ایک اور مکتوب میں اس سے زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ فرماتے ہیں:

"حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ از شجرۂ مبارکہ کلام حق شنید جل سلطانہ نسبت آں کلام بحق جل سلطانہ ہمچو نسبت مخلوق بود بخالق وہمچو نسبت کلام بہ متکلم و ہمچنیں کلامیکہ از حضرت جبریل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام شنید نسبت آں کلام بحضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہمچو نسبت مخلوق بود بخالق غایت ما فی الباب اں کلام نیز کلام حق است جل سلطانہ و منکر آں کافر و زندیق گویا کلام حق مشترک است درمیان کلام نفسی و کلام لفظی کہ بے توسط امرے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایجاد آں فرماید و ایں کلام لفظی نیز بہ حقیقت کلام حق باشد جل و علا پس ناچار منکر آں کافر بود"۔

ان عبارات سے مندرجہ ذیل امور بصراحت ثابت ہوئے

(۱) کلام الٰہی کا اطلاق کلام نفسی پر بھی ہوتا ہے اور کلام لفظی پر بھی

(۲) کلام نفسی قدیم اور ذات حق کے ساتھ قائم ہے اور کلام لفظی حادث و مخلوق ہے۔

(۳) کلام لفظی حادث و مخلوق ہونے کے باوجود اس معنی کر کلام الٰہی ہے کہ حق تعالیٰ ہی بلا واسطہ اس کا موجد ہے اور اسکی تالیف و تنزیل اسی کی طرف سے ہے اور اسی لیے جو شخص اس کلام لفظی کے بہ ایں معنی کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے وہ کافر و زندیق ہے۔ بلکہ عرف عام اور علیٰ ہذا عام دینی محاورات میں تو قرآن اور کلام الٰہی سے عموماً یہی "کلام لفظی" مراد ہوتا ہے کیونکہ احکام تکلیفیہ کا تعلق اسی سے ہے اور اسی کا کلام الٰہی ہونا امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا مخلوق ہے یا اسکی مرضی و منشا اور اوامر و نواہی پر اسکی دلالت ہے بلکہ اس کو کلام الٰہی اس خصوصیت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسکی نظم و عبارت کی تالیف وایجاد بھی بلا واسطہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

علامہ قوشجی شرح تجرید میں فرماتے ہیں۔

"لا نزاع فی اسم القرآن وکلام اللہ تعالیٰ بطریق الاشتراک علی ہذا المؤلف الحادث وہو المتبادر عند العامۃ والقراء والاصولیین والفقہاء والیہ ترجع الخواص من الصفات التی ہی من خواص الکلام ... وہو المتفق علیہ بین الاصولیین والفقہاء والاطلاق علی ہذا اللفظ علیہ لیس بمجرد انہ دال علی کلامہ القدیم حتی لو کان مخترع ہذہ الالفاظ غیر اللہ تعالیٰ لکان ہذا الاطلاق بحالہ بل لان لہ اختصاصا آخر بہ تعالیٰ وہو انہ اخترعہ"۔

پھر یہی علامہ قوشجی یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص اس قرآن پاک کے جو مخصوص الفاظ و عبارات میں مصاحف میں لکھا جاتا ہے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرے اور اسکو کسی انسان کی تالیف قرار دے وہ مسلم طور پر کافر اور خارج از اسلام ہے۔ فرماتے ہیں

"ومن انکر کلامیۃ ما بین دفتی المصحف انما کفر لو اعتقد انہ لیس کلام اللہ تعالیٰ بمعنی انہ من مخترعات الخلق"

بہر حال نیاز صاحب کے اس پہلے مغالطہ کے جواب میں ہم نے جو کچھ یہاں کہا ہے وہ متکلمین کی تصریحات اور اہل سنت کے مسلمات ہی کی بنا پر کہا ہے اور کتب کلام وغیرہ کی جو عبارات ہم نے اس ذیل میں پیش کی ہیں وہ صرف اسی مقصد کے لیے —— لہذا کسی صاحب کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ ہم نے یہ عبارات نیاز صاحب کو قائل کرنے کے لیے بطور دلیل و حجت کے پیش کی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ علماء سلف کے ارشادات سے اُن پر حجت نہیں قائم کی جا سکتی اور جب "قرآن" بھی اُنکے نزدیک معاذ اللہ اساطیر الاولین ہے تو بیچارے "علماء سلف" کی کیا حقیقت! ان عبارات کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہی ظاہر کرنا ہے کہ نیاز صاحب کے جواب میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف "دفع الوقتی" اور "جوابدہی" کے لیے ہمارا اپنا اختراع اور ہمارے ذہن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ علمائے کلام اور ائمہ عقائد یہ سب کچھ پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔

نگار: — (۲) "اگر قرآن شریف نام ہے اُن الفاظ یا حروف کا، جو کاغذ پر منقوش ہوتے ہیں، جو پریس کے ذریعہ سے چھاپے جاتے ہیں اور جو انسان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں، تو کلام مجید کا ہر نسخہ کلام خداوندی ہے اور جو نسخہ ان میں سے ضائع ہو جائے اُسکے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا کلام ضائع ہو گیا!"

الفرقان: — اوپر کے جواب میں تبلایا جا چکا ہے کہ جو قرآن شریف کاغذ پر لکھا جاتا یا پریس میں چھاپا جاتا ہے اور جو تلاوت کے وقت ہماری زبانوں سے ادا ہوتا ہے وہ درحقیقت نقل و حکایت ہے اس "کلام الٰہی لفظی" کی جس کی حقیقت اوپر واضح کی جا چکی ہے اور قرآن کے ان مکتوبہ یا مطبوعہ نسخوں کو اور علیٰ ہذا ہماری تلاوت کو جو قرآن مجید کہا جاتا ہے تو وہ اسی حیثیت سے، اور یہ بلا تشبیہ ایسا ہی ہے جس طرح کہ ہم دیوان غالب کے ہر نسخہ کو خواہ وہ کسی شخص کے قلم سے لکھا یا کسی پریس کا چھپا ہوا ہو "دیوان غالب" ہی کہتے ہیں —— اب اگر دیوان غالب کا کوئی نسخہ ضائع ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ غالب کا کلام ہی ضائع ہو گیا۔ اسی طرح قرآن پاک کے کسی نسخہ کے تلف ہو جانے سے "کلام الٰہی" کے ضائع ہو جانے کا نتیجہ نکالنا نیاز ہی جیسے "ارباب علم و دانش" کا کام ہو سکتا ہے۔

"نگار" (۳): — اگر قرآن پاک خدا کا کلام ہے تو اسکی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا اسکو خدا کی عین ذات تصور کیا جائے یا صفات خداوندی میں شامل کیا جائے۔ قرآن کو خدا کی عین ذات نہیں کہہ سکتے، یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن خدا ہے اور خدا قرآن ہے اس لیے لا محالہ اسے "صفت ربانی" ماننا پڑیگا لیکن چونکہ خدا کی صفت اسکی ذات سے جدا نہیں اس لیے یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ الفاظ یعنی عربی زبان بھی خدا کی طرح قدیم ہے۔"

الفرقان: — نیاز صاحب کے آخری خط کشیدہ فقرہ سے ظاہر ہے کہ یہاں "قرآن پاک" سے اُنکی مراد "کلام لفظی" ہی ہے جو عربی زبان میں دوسرے درجہ کے "کلام نفسی" کی تعبیر ہے اور عرف عام میں اسی کو قرآن بھی کہا جاتا ہے۔ اور ہم تبلا چکے ہیں کہ وہ حادث و مخلوق ہے اور "کلام نفسی" جو قدیم اور قائم بذاتہ تعالیٰ ہے وہ از قبیل الفاظ ہی نہیں چہ جائیکہ اسکو عربی یا عجمی کہا جا سکے لہذا عربی زبان کا قدیم ہونا کسی طرح بھی لازم نہیں آ سکتا۔

عقائد کی مشہور کتاب مسامرہ شرح مسایرہ میں صراحۃً مرقوم ہے —

"ان کلامہ النفسی .... ولا یوصف بانہ عبری ولا سوری ولا عربی انما العبری والسوری والعربی ہو اللفظ الدال علیہ"

یعنی "کلام نفسی" عربیت یا عبریت یا حبشیت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا، عربی یا عبرانی یا سوڈانی تو وہ الفاظ ہوتے ہیں جو کلام نفسی پر دال ہوں۔

"نگار" (۴) اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ "نطق خداوندی" ہے جو جبریل کے ذریعہ سے آنحضرت تک پہونچایا گیا ہے تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ رسول اللہ نے بھی اس کو اسی طرح نطق کیا تھا جس طرح خدا نے کیا تھا اور ہم لوگ بھی اسی طرح اسکو ادا کرتے ہیں جس طرح خدا نے ادا کیا تھا۔ گویا اس طرح گویا رسول اللہ اور ہم سب اس صفت میں خدا کے مماثل قرار پائیں گے۔ جو بالکل محال ہے!"

الفرقان: — جی ہاں اگر کسی نے آپ سے یہ تسلیم کروا لیا کہ قرآن کا ہر ہر لفظ "نطق خداوندی" ہے۔ ہم ابھی تبلا چکے ہیں کہ الفاظ قرآن یا بالفاظ دیگر "کلام لفظی" کو "کلام الٰہی" اس حیثیت سے کہا جاتا ہے کہ اسکی تشکیل و تنزیل بلا واسطہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی بلا توسط کسی شئی کے اُنکا خالق و موجد ہے۔

اور حق تعالیٰ کے لیے جو "صفت کلام" ثابت کی جاتی ہے ... "متکلم" مانا جاتا ہے تو اسکا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی نہیں ... ہماری طرح کلام وہ منہ سے بولتا ہے اور آلات نطق ... جس طرح اسکی دوسری صفات مثلاً علم و سمع و بصر ... کہ وہ بلا کانوں کے سنتا اور بلا آنکھوں کے دیکھتا اور بلا دل و دماغ کے علم محیط رکھتا ہے اسی طرح اس کی صفت کلام بھی کام و دہن سے بے نیاز ہے۔ سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ "فقہ اکبر" میں ارشاد فرماتے ہیں:

وصفاتہ کلہا بخلاف صفات المخلوقین یعلم لا کعلمنا ویقدر لا کقدرتنا ویری لا کرؤیتنا ویتکلم لا ککلامنا ویسمع لا کسمعنا نحن نتکلم بالآلات والحروف واللہ سبحانہ یتکلم بلا آلۃ وحروف۔

یعنی حق تعالیٰ کی تمام صفات حقیقت کے لحاظ سے ہماری صفات سے بالکل مختلف ہیں، اُسکا علم، اسکی قدرت، اُسکا دیکھنا اور سننا، ہمارے علم، ہماری طاقت اور ہمارے دیکھنے سننے سے بالکل مختلف الحقیقت ہے گویا کہ اشتراک اسمی کے سوا دونوں میں کوئی مشابہت اور مماثلت نہیں اور یہی حال "صفت کلام" کا ہے کہ ہم آلات اور حروف کے ساتھ تکلم کرتے ہیں اور خدا کا تکلم "بلا آلات اور بغیر حروف ہے"

بہر حال قرآن پاک کو "کلام خدا" ماننے کی خدا کی جو سے جیسا کہ سلف کا عقیدہ ہے کسی طرح بھی خدا اور بندہ ... مماثلت و مشابہت لازم نہیں آتی

میں ذیل کی چند سطور شائع ہوئی ہیں:

"جب وہ (یعنی نیاز فتحپوری) ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے، کتب خانے کی ایک الماری میں قرآن مجید کے ایک نسخہ کو رکھا ہوا دیکھ کر انھوں نے تمسخر اور جاہلانہ غرور سے قرآن مجید کی طرف اپنی چھڑی سے اشارہ کر کے ایک دوست سے کہا کہ اگر اس فرسودہ کتاب کے بجائے موسیقی کی کوئی کتاب رکھی جاتی تو وہ زیادہ بہتر ہوتی"

ہم اس پر اسکے سوا کیا کہیں کہ علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ بڑے ہی بےحیا ہیں وہ مسلمان جو اس شخص کا رسالہ خریدتے ہیں اور اللہ اور رسول کی توہین میں تعاون کرتے ہیں۔ (انقلاب)

مقاطعۂ نگار

رسالہ نگار لکھنؤ کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری اور ان کی خصوصیات سے کم لوگ ناواقف ہوں گے۔ اسلامیات کے ساتھ اُن کا تمسخر یا اُن کے ساتھ شیطان کا تمسخر بھی اکثر حضرات کو معلوم ہوگا۔ ایک مرتبہ آپ ملت کے دباؤ سے مجبور ہو کر اپنی ان حرکات سے بزدلانہ اور منافقانہ توبہ بھی کر چکے ہیں اور اسکے بعد اگرچہ یہ توبہ توڑی بھی جا چکی ہے لیکن ادھر کچھ عرصہ سے آپ نے مذہب اور مذہبیات کو اپنے دائرہ بحث سے خارج ہی کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اس طرز عمل نے اُن کے کاروبار پر بُرا اثر ڈالا اور جو دشمنان اسلام "نگار" کو صرف اس لیے خریدتے تھے کہ اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے ایک مسلمان کہلانے والے کے قلم کے تیار کیے ہوئے کچھ اسلحہ اُس[1] سے ملیں اُنھوں نے اس کی خریداری سے دستکشی کر لی۔ اس لیے اب اُنھوں نے اسلام کو پھر تختۂ مشق بنانا شروع کیا ہے اور جون کے نگار میں ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے اپنی اس "تحقیق" کا اعلان کیا ہے کہ

"کلام مجید کو میں نہ کلام الٰہی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"

اگرچہ ایسا خیال رکھنے والے دنیا میں کروڑوں موجود ہیں لیکن وہ علانیہ اپنے کو نامسلمان کہتے ہیں۔ لیکن یہ منافق یا مرتد اس اعلان کے باوجود اپنے کو ابھی تک مسلمان ہی کہتا ہے اور بدقسمتی سے مسلمان سوسائٹی ہی کا ایک فرد سمجھا جاتا ہے۔ افسوس اس دَورِ الحاد میں مسلمان اتنا بےبس ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس قدر سخت بغاوت کرنے والے کو اسلامی برادری سے خارج کرنا بھی اس کے بس میں نہیں چہ جائیکہ کیفر کردار کو پہنچانا۔ (الفرقان بریلی)

---

[1] اس اجمال کی شرح "نگار" کے اُس اشتہار کے مضمون سے معلوم ہو سکتی ہے جو کبھی کبھی تیج وغیرہ ہندو اخبارات میں شایع ہوتا ہے۔

مراسلات

مغرب زدوں کے گھر کی آواز

۱۵ - ربیع الاول کو ایک مختصر سا مقالہ "الفتح" ہفتہ وار جریدہ میں شایع ہوا ہے جس کا عنوان فاضل مضمون نگار نے "یتیم عبیدہ و رتا [illegible]" رکھا ہے یعنی یورپ زدہ حضرات گوش بر آواز ہو کر سنیں۔ کیونکہ یورپ کی مادیت و مرعوبیت نے دلوں پر اس طرح بیٹھ گئی ہے کہ اپنوں کی باتیں [illegible] کے نزدیک صدائے بازگشت سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں [illegible] وقت تک [illegible] کو نہیں جب تک ان کا امام اعظم فرنگستان حکمت نشان اسکو [illegible] نہ کرے اور انکو یہ نہ بتا دے کہ یہ چیز تو ہمارے [illegible] گھر کی [illegible] عمل ہے۔ فاضل مضمون نگار نے [illegible] مشہور یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر لغات ایشیا [illegible] جرمانوس کا قول نقل کیا ہے۔ آپ نے مصر سے [illegible] کے کسی یومیہ اخبار کے نمائندہ سے فرمایا ہے "[illegible] اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اس وقت تمام عالم کو موجودہ سیاسی کشمکش اور الجھاؤ سے نجات دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت عام طور پر مادیات کا غلبہ [illegible] یورپ تو اسکے پیش پیش ہے [illegible] لحاظ سے تمام [illegible] اور بھوکے شیر کی طرح جنگ و جدال کی حرکت بڑی تیزی سے [illegible] ہے اور ہر ایک دوسرے کو سرنگوں اور زیربار کرنے کے لیے [illegible] اسلام بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ کسی کو کسی پر محض فضیلت نہیں اور مادی تفوق ہی کوئی چیز ہے۔ تمام روئے زمین کے باشندے باہم کر بھائی بھائی ہیں اور ایک کو دوسرے پر اس وقت تک [illegible] حاصل نہیں جب تک کہ وہ عمل صالح کے جامہ میں ملبوس نہ ہو۔

آپ نے اسلام کے نظریہ کو اپنی زبان سے یوں بیان کیا ہے: انسان اور حیوان کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہے کہ انسان اپنی [illegible] طاقت کی بنا پر حکومت کرتا ہے اور حیوان مادی طاقت کے ذریعہ اپنا سکہ جماتا ہے اور موجودہ تمدن کی بنیاد تمام تر مادی تفوق اور غلبہ پر ہے۔ یورپ اور اہل یورپ کا عام نظریہ ہے کہ مادی وسائل کے ذریعہ حکمرانی کی جائے۔ بس یہی چیز ہے جو مغربی تمدن کو عرصہ سے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔

سُن لیا آپ نے اپنے پیشروؤں میں سے ایک کا قول۔ واہ رے تہذیب نوی۔ کل تک تو صاحب اسلام اور اسکے بتانے ہوئے آئین سے انکار تھا مگر آج اسی پر جان قبول کرنے کو تیار۔

فضل الرحمن سیوانی - مدرسہ بدریہ [illegible]

گزارش

جن صاحبان کی خدمت میں ختم میعاد چندہ کی اطلاع دی جا چکی ہے انکی خدمت میں گزارش ہے کہ آئندہ سال کے لیے چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ ورنہ انکی خدمت میں وی پی روانہ ہوگا۔

مہتمم

میں ذیل کی چند سطور شائع ہوئی ہیں:

"جب وہ (یعنی نیاز فتحپوری) ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے، کتب خانے کی ایک الماری میں قرآن مجید کے ایک نسخہ کو رکھا ہوا دیکھ کر انھوں نے تمسخر اور جاہلانہ غرور سے قرآن مجید کی طرف اپنی چھڑی سے اشارہ کرکے ایک دوست سے کہا کہ اگر اس فرسودہ کتاب کے بجائے موسیقی کی کوئی کتاب رکھی جاتی تو وہ زیادہ بہتر ہوتی"

ہم اس کلمہ پر اسکے سوا کیا کہیں کہ علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ بڑے ہی بیحیا ہیں وہ مسلمان جو اس شخص کا رسالہ خریدتے ہیں اور اللہ اور رسول کی توہین میں تعاون کرتے ہیں۔ (انقلاب)

مقاطعۂ نگار

رسالہ نگار لکھنؤ کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری اور ان کی خصوصیات سے کم لوگ ناواقف ہوں گے۔ اسلامیات کے ساتھ اُن کا تمسخر یا اُن کے ساتھ شبلیان کا تمسخر بھی اکثر حضرات کو معلوم ہوگا۔ ایک مرتبہ آپ ملت کے دباؤ سے مجبور ہوکر اپنی ان حرکات سے بزدلانہ اور منافقانہ توبہ بھی کر چکے ہیں اور اسکے بعد اگرچہ یہ توبہ توڑی بھی جا چکی ہے لیکن ادھر کچھ عرصہ سے آپ نے مذہب اور مذہبیات کو اپنے دائرہ بحث سے خارج ہی کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اس طرز عمل نے اُن کے کاروبار پر بُرا اثر ڈالا اور جو دشمنان اسلام "نگار" کو صرف اس لیے خریدتے تھے کہ اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے ایک مسلمان کہلانے والے کے قلم کے تیار کیے ہوئے کچھ اسلحہ اُس سے ملیں[1] انھوں نے اس کی خریداری سے دستکشی کر لی۔ اس لیے اب اُنھوں نے اسلام کو پھر تختۂ مشق بنانا شروع کیا ہے اور جون کے نگار میں ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے اپنی اس "تحقیق" کا اعلان کیا ہے کہ

"کلام مجید کو میں نہ کلام الٰہی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"

اگرچہ ایسا خیال رکھنے والے دنیا میں کروڑوں موجود ہیں لیکن وہ علانیہ اپنے کو نامسلمان کہتے ہیں۔ لیکن یہ منافق یا مرتد اس اعلان کے باوجود اپنے کو ابھی تک مسلمان ہی کہتا ہے اور بدقسمتی سے مسلمان سوسائٹی ہی کا ایک فرد سمجھا جاتا ہے۔ افسوس اس دور الحاد میں مسلمان اتنا بے بس ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس قدر سخت بغاوت کرنے والے کو اسلامی برادری سے خارج کرنا بھی اس کے بس میں نہیں چہ جائیکہ کیفر کردار کو پہنچانا۔ (الفرقان بریلی)

[1] اس اجمال کی شرح "نگار" کے اُس اشتہار کے مضمون سے معلوم ہو سکتی ہے جو کبھی کبھی تیج وغیرہ ہندو اخبارات میں شایع ہوتا ہے۔

مراسلات

مغرب زدوں کے گھر کی آواز

۱۵ ربیع الاول کو ایک مختصر سا مقالہ الفتح ہفتہ وار جریدہ میں شائع ہوا ہے جس کا عنوان فاضل مضمون نگار نے "[illegible]" رکھا ہے یعنی یورپ زدہ حضرات گوش بر آواز ہو کر سنیں۔ کیونکہ یورپ کی مادیت و [illegible] نے دلوں پر اس طرح بیٹھ گئی ہے کہ اپنوں کی باتیں ان کے نزدیک صدائے بازگشت سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں [illegible] وقت تک [illegible] نہیں جب تک ان کا امام اعظم فرنگستان حکمت نشان اسکی [illegible] نہ کرے اور انکو یہ نہ بتادے کہ یہ چیز تو ہمارے [illegible] عمل ہے۔ فاضل مضمون نگار نے [illegible] مشہور یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر لغات ایشیائی [illegible] جرمانوس کا قول نقل کیا ہے۔ آپ نے مصر سے [illegible] کے کسی یومیہ اخبار کے نمائندہ سے فرمایا ہے "[illegible] اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اس وقت تمام عالم کو موجودہ سیاسی کشمکش اور الجھاؤ سے نجات دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت عام طور پر مادیات کا غلبہ ہے اور خصوصاً یورپ تو اسکے پیش پیش ہے۔ عموماً لحاظ سے تمام [illegible] اور بھوکے شیروں کی طرح جنگ و جدال کی حرکت بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے اور ہر ایک دوسرے کو سرنگوں اور زیر بار کرنے کے لیے [illegible] اسلام ببانگ دہل کہتا ہے کہ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ مادی تفوق ہی کوئی چیز ہے۔ تمام روئے زمین کے باشندے باہم بھائی بھائی ہیں اور ایک کو دوسرے پر اس وقت تک برتری حاصل نہیں جب تک کہ وہ عمل صالح کے جامہ میں ملبوس نہ ہو۔

آپ نے اسلام کے نظریہ کو اپنی زبان سے یوں بیان کیا ہے: انسان اور حیوان کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہے کہ انسان اپنی [illegible] طاقت کی بنا پر حکومت کرتا ہے اور حیوان مادی طاقت کے ذریعہ اپنا سکہ جماتا ہے اور موجودہ تمدن کی بنیاد تمام تر مادی تفوق اور غلبہ پر ہے۔ یورپ اور اہل یورپ کا عام نظریہ ہے کہ مادی وسائل کے ذریعہ حکمرانی کی جائے۔ بس یہی چیز ہے جو مغربی تمدن کو عرصہ سے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے"

سن لیا آپ نے اپنے پیش روؤں میں سے ایک کا قول۔ واہ رے تہذیب نوی۔ کل تک تو صاف اسلام اور اسکے بنانے والے سے انکار تھا مگر آج اسی پر جان قبول کرنے کو تیار۔

مقبل الرحمٰن سیوانی - مدرسہ [illegible]

گزارش

جن صاحبان کی خدمت میں ختم میعاد چندہ کی اطلاع دی جا چکی ہے انکی خدمت میں گزارش ہے کہ آئندہ سال کے لیے چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ ورنہ انکی خدمت میں وی پی روانہ ہوگا۔

مہتمم

مذہب، کس تمدن میں رکھتی ہے؟ —— اور آج ابلیس کی ہر ضرب کتنے مختلف اور خوشنما ناموں سے، اسی تنظیم پر ہے! کہ جس وقت کسی فوج کا morale توڑ دیا، پھر اُسے زیر کر لینا، اسکی صفوں کو زیر و زبر کر ڈالنا کام ہی کتنی دیر کا رہ جاتا ہے؟

ایک آیت کے مفہوم پر نظرِ ثانی

صدق مطبوعہ میں "ایک آیت کا مفہوم" کے زیر عنوان شذرہ میں سورۂ آل عمران آیت ۱۳ کے الفاظ وأخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رأی العین کا تشریحی ترجمہ یہ کیا گیا تھا کہ "دوسرا گروہ، کافروں کا تھا جو دیکھ رہے تھے اپنے کو اُن سے (مسلمانوں سے) کئی گُنا"۔ اس پر مولوی شاہد احمد خان صاحب شروانی (ضلع علیگڑھ) نے اپنے ایک خط میں توجہ دلائی ہے کہ آیت کا یہ ترجمہ یعنی یرون کا فاعل کافروں کو ٹھہرا کر ضمیر ہُم سے بھی کافر ہی مراد لینا مشہور مفسرین میں سے کسی کے قول کے مطابق نہیں۔ لہذا تصحیح طلب ہے۔ مفسرین نے یرون کا فاعل تو مسلمانوں کو ٹھہرایا ہے اور ہُم سے مراد کفار ہیں۔ اور یا اگر فاعل کافروں کو قرار دیا ہے، تو ضمیر ہُم سے مراد مسلموں سے لی ہے۔ ایک قول کے مطابق فاعل یہود ہیں۔

موصوف قابلِ شکریہ ہیں کہ اس توجہ سے صدق کی مذاکرۂ قرآنی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس باب میں اُنکی تلاش و تفحص اور کوشش اصلاح مزید شکریہ کی مستحق۔ اُنکا یہ فرمانا بھی صحیح ہے کہ عموماً مفسرین و مترجمین دوسری طرف گئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے ناظرین صدق کو حق پہونچتا تھا کہ وہ عام متداول ترجمہ سے واقف ہو جائیں۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی عرض ہے، کہ کوئی ترجمہ جب تک قواعد زبان کے مطابق ہے اور کسی نص قرآنی یا حدیثی کے مخالف نہیں ہے، محض اس بناء پر رد نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ پہلی بار کیا گیا ہے (اور مترجم کی شخصیت تو بالکل ہی ناقابلِ توجہ رہنی چاہیے)۔ مدیر صدق کی فہم ناقص میں بعد غور و تلاش اب بھی ترجیح اُسی ترجمہ کو ہے۔ فعل یرون، فاعل کافرۃ سے بالکل متصل ہے۔ اسے یہاں سے ہٹا کر فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ سے جوڑنے میں کچھ نہ کچھ تکلف کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور پھر کم از کم ایک بلند پایہ محقق زندہ مفسر کی تائید تو اس ترجمہ کو بھی حاصل ہے۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں:—

"اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے (اور کافر اس قدر زیادہ تھے کہ) یہ کافر اپنے (گروہ) کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصہ (زیادہ) ہیں"

اور "فائدہ" میں لکھتے ہیں:—

"روایتوں میں آیا ہے کہ اس روز مسلمان تین سو تیرہ تھے۔ اور کفار ایک ہزار تھے۔ گویا کفار مسلمانوں سے تین حصہ تھے۔ اس آیت میں اسی کثرت کو بیان فرمایا ہے کہ کفار آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے کہ ہمارا گروہ زیادہ ہے۔ مگر پھر بھی انجام دیکھ لیا!"

ساتھ ہی دوسرا ترجمہ یعنی "مسلمان دیکھ رہے تھے کافروں کو اپنے سے کئی گُنا" بھی بالکل صحیح ہے۔ آیت کا جو اصل مقصود سیاق سے ظاہر ہوتا ہے (واللہ یؤید بنصرہ من یشاء، ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار) یعنی نصرت الٰہی کی زبردست قوت اور اہلِ بینش کے لیے سامانِ عبرت، یہ دونوں ترجموں سے یکساں حاصل ہے۔

تجدد کی رٹ

قلم تجدد رقم کا تازہ کلام:—

"آج ترک کے ہزاروں عیب گنا دینے کے بعد بھی اسکا کیا جواب ہے کہ اسی مسلمان فرنگی نے ملت اسلامی کے لیے اس وقت تلوار اٹھائی جبکہ ہندوستان میں صرف فتوے لکھے جا رہے تھے یا رزولیوشن پاس فرمائے جا رہے تھے، اور آج بھی ہم میں کے اپنے خلافت خانوں میں صرف "مقدمہ" سے نتیجہ اخذ کر رہے ہیں۔ اصطلاحات کی ترازو میں "مقدمہ" اور "نتیجہ" کو تولنے والے بزرگان ملت اپنے علم و فضل کی ترازو میں صرف اپنی جانماز اور تسبیح کو تول رہے ہیں۔ وہ میدان جہاد اُنھوں نے کب دیکھا ہے جس میں ایک قطرۂ کلاہ فرنگی مسلمان اپنی ملت کے لیے جان کی بازیاں لگا رہا ہے۔"

بیشک، بیشک۔ تجدد کی دنیا میں آخر اس پرانی و فرسودہ رسم کی گنجائش ہی کہاں کہ الفاظ اور معانی کے درمیان ربط قائم رکھنے کی بھی ضرورت ہے! کیا ہوا اگر "ملت اسلامی" کا "اسلامی" ہونا ہی نہیں ثابت ہوتا۔ "میدان جہاد" کا "جہاد" ہونا ہی معرض بحث میں رہ گیا، تجدد کی انشاء و خطابت کے لیے یہ امر بس کرتا ہے، کہ ایک پیراگراف کے اندر "تلوار" اور "جہاد" اور "جان کی بازی" کے الفاظ تو اکٹھے کر دیئے گئے، اور "جانماز" اور "تسبیح" اور "تقدس" اور "فتویٰ" پر طنز تو چند بار ہو گئے! ثبوت اور دلیل، معقول و منقول، استدلال و استنتاج، اُف یہ سخت جان اور نامعقول دقیانوسی ملّا! چلے ہیں ان فرسودہ حربوں سے تجدد کو قائل کرنے! انھیں سوجھتا نہیں، کہ محرم میں پُرجوش تعزیہ دار کو کوئی آج تک قائل کر سکا ہے، کہ شہید کربلا کی تعلیم کو، عمل کو، شریعت کو ان بدعات و خرافات سے کوئی دور کا بھی تعلق ہے۔ یہ ساری جرح اس "پُرجوش مجاہد" کے سامنے کیسی لایعنی ہے! وہ بس ڈھول پر زور سے چوب لگائیگا، اور اسی قوت سے اپنی چھاتی کوٹے گا، اور "تسبیح و جانماز" سے پیدا ہونے والے نتیجے کے منہ پر حقارت سے تھوک دیگا!

کون کہتا ہے کہ ان "ڈھول نوازوں" اور "اسلام کے سچے اور حقیقی مجاہدوں" کے فیشن سے، ہندوستان کا آزاد و آزاد خیال تجدد نواز محروم ہے؟

رہی مسلمان کی تقسیم "فرنگی مسلمان" اور غیر فرنگی مسلمان میں تو یہ بھی ایک شاہکار ہے تجدد کا۔ اور جب یہ راہ کھل گئی ہے، تو کیوں نہ اسی وزن و قافیہ میں اور بہت سی قسمیں بھی مسلمانوں کی ایجاد کر دی جائیں، مثلاً کافر مسلمان، مشرک مسلمان، عیسائی مسلمان، یہودی مسلمان، ہندو مسلمان، غیر مسلم مسلمان، ملحد مسلمان، اور شرط ایسے مسلمانوں کے لیے رکھی جائے نہ اسلام کی، نہ ایمان کی، نہ توحید کی نہ قرآن کی، بلکہ صرف تلوار اٹھانے کی اد

میں ذیل کی چند سطور شائع ہوئی ہیں :

"جب وہ (یعنی نیاز فتحپوری) ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے، کتب خانے کی ایک الماری میں قرآن مجید کے ایک نسخہ کو رکھا ہوا دیکھ کر انھوں نے تمسخر اور جاہلانہ غرور سے قرآن مجید کی طرف اپنی چھڑی سے اشارہ کر کے ایک دوست سے کہا کہ اگر اس فرسودہ کتاب کے بجائے موسیقی کی کوئی کتاب رکھی جاتی تو وہ زیادہ بہتر ہوتی"۔

ہم اس کلمہ اس پر اسکے سوا کیا کہیں کہ علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ بڑے ہی بےحیا ہیں وہ مسلمان جو اس شخص کا رسالہ خریدتے ہیں اور اللہ اور رسول کی توہین میں تعاون کرتے ہیں۔ (انقلاب)

مقاطعۂ نگار

رسالہ نگار لکھنؤ کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری اور ان کی خصوصیات سے کم لوگ ناواقف ہوں گے۔ اسلامیات کے ساتھ اُن کا تمسخر یا اُن کے ساتھ شیطان کا تمسخر بھی اکثر حضرات کو معلوم ہوگا۔ ایک مرتبہ آپ ملت کے دباؤ سے مجبور ہو کر اپنی ان حرکات سے بزدلانہ اور منافقانہ توبہ بھی کر چکے ہیں اور اسکے بعد اگرچہ یہ توبہ توڑی بھی جا چکی ہے لیکن ادھر کچھ عرصہ سے آپ نے مذہب اور مذہبیات کو اپنے دائرہ بحث سے خارج ہی کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اس طرزِ عمل نے اُن کے کاروبار پر بُرا اثر ڈالا اور جو دشمنانِ اسلام "نگار" کو صرف اس لیے خریدتے تھے کہ اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے ایک مسلمان کہلانے والے کے قلم کے تیار کیے ہوئے کچھ اسلحہ اُس[1] سے ملیں انھوں نے اس کی خریداری سے دستکشی کر لی۔ اس لیے اب اُنھوں نے اسلام کو پھر تختۂ مشق بنانا شروع کیا ہے اور جون کے نگار میں ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے اپنی اس "تحقیق" کا اعلان کیا ہے کہ

"کلام مجید کو میں نہ کلام الٰہی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"۔

اگرچہ ایسا خیال رکھنے والے دنیا میں کروڑوں موجود ہیں لیکن وہ علانیہ اپنے کو نامسلمان کہتے ہیں۔ لیکن یہ منافق یا مرتد اس اعلان کے باوجود اپنے کو ابھی تک مسلمان ہی کہتا ہے اور بدقسمتی سے مسلمان سوسائٹی ہی کا ایک فرد سمجھا جاتا ہے۔ افسوس اس دورِ الحاد میں مسلمان اتنا بےبس ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس قدر سخت بغاوت کرنے والے کو اسلامی برادری سے خارج کرنا بھی اس کے بس میں نہیں چہ جائیکہ کیفر کردار کو پہنچانا۔ (الفرقان بریلی)

---

[1] اس اجمال کی شرح "نگار" کے اُس اشتہار کے مضمون سے معلوم ہو سکتی ہے جو کبھی کبھی تیج وغیرہ ہندو اخبارات میں شائع ہوتا ہے۔

مراسلات

مغرب زدوں کے گھر کی آواز

۱۵- ربیع الاول کو ایک مختصر سا مقالہ الفتح ہفتہ وار جریدہ میں شائع ہوا ہے جس کا عنوان فاضل مضمون نگار نے "تہذیب جدید و اسلام" رکھا ہے یعنی یورپ زدہ حضرات گوش ہوش سے سنیں۔ کیونکہ یورپ کی مادیت و مرعوبیت کچھ دلوں پر اس طرح بیٹھ گئی ہے کہ اپنوں کی باتیں ان کے نزدیک صدائے بازگشت سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ ۔۔ وقت تک اس کو نہیں ۔۔۔ جب تک ان کا امام اعظم فرنگستان حکمت نشان اسکو ۔۔۔ نہ کرے اور اسکو یہ نہ بتا دے کہ یہ چیز تو ہمارے ۔۔۔ بھی کھو ۔۔۔ عمل ہے۔ فاضل مضمون نگار نے ۔۔۔ مشہور یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر لغات ایشیائی ۔۔۔ جرمانوس کا قول نقل کیا ہے۔ آپ نے ۔۔۔ کے کسی یومیہ اخبار کے نمائندے سے فرمایا ہے "اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اس وقت تمام عالم کو موجودہ سیاسی کشمکش اور ۔۔۔ دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت عام طور پر مادیات کا ۔۔۔ یورپ تو اسکے پیش پیش ہے۔ ۔۔۔ کے لحاظ سے تمام ۔۔۔ اور بھوکی شیرنی کی طرح جنگ و جدال کی حرکت بڑی تیزی سے ۔۔۔ ہے اور ہر ایک دوسرے کو سرنگوں اور زیر بار کرنے کے لیے ۔۔۔ اسلام ببانگ دہل کہہ رہا ہے کہ کسی کو کسی پر محض فضیلت نہیں اور نہ مادی تفوق ہی کوئی چیز ہے۔ تمام روئے زمین کے باشندے باہم کر بھائی بھائی ہیں اور ایک کو دوسرے پر اس وقت تک ۔۔۔ حاصل نہیں جب تک کہ وہ عمل صالح کے جامہ میں ملبوس نہ ہو۔

آپ نے اسلام کے نظریہ کو اپنی زبان سے یوں بیان کیا ہے انسان اور حیوان کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہے کہ انسان اپنی ۔۔۔ طاقت کی بنا پر حکومت کرتا ہے اور حیوان مادی طاقت کے ذریعہ اپنا سکہ جماتا ہے اور موجودہ تمدن کی بنیاد تمام تر مادی تفوق اور غلبہ پر ہے۔ یورپ اور اہل یورپ کا عام نظریہ ہے کہ مادی وسائل کے ذریعہ حکمرانی کی جائے۔ بس یہی چیز ہے جو مغربی تمدن کو عرصہ سے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے سن لیا آپ نے اپنے پیش روؤں میں سے ایک کا قول۔ واہ رے تہذیب نوی۔ کل تک تو صاحب اسلام اور اسکے بنانے ہوئے آئین سے انکار تھا مگر آج اسی پر جان قبول کرنے کو تیار۔

فضل الرحمٰن سیوانی - مدرسہ ۔۔۔

گزارش

جن صاحبان کی خدمت میں ختم میعاد چندہ کی اطلاع دی جا چکی ہے انکی خدمت میں گزارش ہے کہ آئندہ سال کے لیے چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ ورنہ انکی خدمت میں وی پی روانہ ہوگا۔

مہتمم

قرآن بحیثیت کلام الرحمٰن

نگار کے مغالطوں کا جواب

(مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ایڈیٹر رسالہ الفرقان کے قلم سے)

(بسلسلہ صدق [illegible])

نگار (۵) قرآن شریف جس سلسلہ سے نازل ہوا تھا وہ موجودہ ترتیب سے بالکل مختلف ہے اس لیے وہ قرآن جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے اس قرآن سے بلحاظ ترتیب مختلف ہے جو لوح محفوظ میں پایا جاتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اصل قرآن میں تغیر پیدا ہوا۔ اور تغیر پذیر چیز حادث ہے۔ حالانکہ خدا کی طرح اس کے کلام کو بھی غیر فانی ہونا چاہیے۔

"الفرقان":- ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن شریف جو مخصوص عبارتیں ہمارے سامنے موجود ہے وہ حادث ہی ہے۔ اور ثابت کر چکے ہیں کہ اس حادث ہونے کے باوجود وہ "کلام خدا" ہے۔ اس لیے نیاز صاحب کے اس استدلال پر ان کی ساری عمارت ہی غلط ہے۔

لیکن بہت عجیب و غریب "منطق" کے ذریعہ انھوں نے قرآن شریف کا حدوث یہاں ثابت کیا ہے اس سے ان کے علم و فہم اور معلومات کی وسعت کا اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ بات چیت ہوتا جا رہا ہے تاہم ایک سرسری سی نظر اس پر بھی ڈال لیجیے!

نیاز صاحب نے اس نمبر میں قرآن کو حادث ثابت کرنے کے لیے جن مقدمات سے کام لیا ہے ان میں سے ایک مقدمہ یہ ہے کہ قرآن کے نزول کی جو ترتیب ہے وہی "لوح محفوظ" کی ترتیب ہے اور اسکو انھوں نے بطور ایک مسلمہ امر کے پیش کیا ہے حالانکہ نہ یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور نہ اس پر نیاز صاحب کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کی موجودہ ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے اور یہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

نیاز صاحب نے بالکل غلط طور پر یہ فرض کر لینے کے بعد کہ موجودہ قرآن کی ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب سے مختلف ہے غالباً اپنی منطق دانی اور معقولیت کا ثبوت دینے کے لیے اس مشہور منطقی قضیہ کلیہ سے بھی کام لیا ہے کہ "تغیر پذیر چیز حادث ہے" اور اسی سے پھر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن پاک حادث ہے ـــــ حالانکہ یہاں یہ کلیہ چسپاں ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ جو کلام "لوح محفوظ" میں مندرج ہے خود اس میں تو کسی تقدیر پر بھی کوئی تغیر نہیں ہوا۔ بہرحال اگرچہ یہ صحیح ہے کہ موجودہ قرآن جو زبانی عربی ہے وہ حادث ہے لیکن اس حدوث کے اثبات کے لیے جو دلیل نیاز صاحب نے پیش کی ہے وہ ان کی علمی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لیے اچھی چیز ہے ـــــ علیٰ ہذا اس حدوث کی بنیاد پر انھوں نے "قرآن پاک" کے کلام خدا ہونے سے جو انکار کیا ہے وہ بھی محض بے دلیل ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ انکو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مسلمان اس "قرآن" ہی کو کس معنی کر "کلام خدا" مانتے ہیں یا وہ اپنے جرم کو ہلکا ثابت کرنے کے لیے جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں۔

نگار (۶):- کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف نجماً نجماً نازل ہوا ہے یعنی اس کی ہر آیت خاص وقت اور خاص حالات میں جناب رسالتمآب پر نازل ہوئی ہے جس کو اصطلاح میں "شان نزول" کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک وہ وقت نہ آیا تھا وہ آیت بھی موجود نہ تھی، اس لیے یہ کہنا کہ پورا قرآن لوحِ محفوظ میں ازل سے درج تھا بے معنی ہو جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خدا کو معلوم تھا کہ فلاں وقت فلاں واقعہ پیش آئیگا اور اسی علم کی بنا پہلے ہی سے تمام آیات لوح محفوظ میں لکھ دی گئی تھیں، تو پھر ان واقعات و حالات کے متعلق کیا کہا جائیگا جو کلام مجید میں اس انداز سے بیان کیے گئے ہیں گویا وہ قرآن کے وجود میں آنے سے پہلے ہو چکے ہیں۔

"الفرقان":- جی ہاں! قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تئیس سال کی مدت میں نجماً نجماً ہی نازل ہوا ہے۔ لیکن آپ نے یہ کس طرح لازم کر لیا کہ اس نزول سے پہلے وہ "لوح محفوظ" میں بھی موجود نہ تھا کیا ان دونوں باتوں میں کوئی عقلی تلازم ہے؟ یا اس طرح بے دلیل باتیں کرنا بھی آجکل کی "عقلیت" کا کوئی شعبہ ہے؟

رہا آپ کا یہ سوال کہ "پھر ان واقعات و حالات کے متعلق کیا کہا جائیگا جو کلام مجید میں اس انداز سے بیان کیے گئے ہیں گویا وہ قرآن کے وجود میں آنے سے پہلے ہو چکے ہیں" ـــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس ذات کا کلام ہے جس کے لیے ماضی، حال اور مستقبل بالکل یکساں ہیں، تو اگرچہ ان "واقعات" کے وجود خارجی سے بہت پہلے "لوح محفوظ" میں یہ "کلام پاک" ثبت ہو چکا تھا مگر اس وقت بھی اسکا تعلق عہد نبوی ہی سے تھا گویا "لوح محفوظ" میں جو مرقوم تھا وہ ایک پیشینی تمثیل تھی اس قرآن مجید کی جو چھٹی صدی عیسوی میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نجماً نجماً نازل ہو کر ایک مرتب مجموعہ بننے والا تھا ـــــ اب جو شخص حق تعالیٰ کے علم کو اور اس کی قدرت کو اپنے علم و قدرت کے برابر یا الگ تھلگ سمجھے تو اسکو تو اس میں استبعاد ہو سکتا ہے لیکن جن کے دل کی آنکھیں اندھی نہیں ہوئی ہیں اور جو خدا کے علم و قدرت کی بے پایاں وسعت کا یقین رکھتے ہیں انکے لیے اسکے سمجھنے اور اس پر ایمان لانے میں کوئی بھی اشکال و استبعاد نہیں ہو سکتا۔ واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

نگار (۷):- اگر قرآن مجید پہلے سے لوح محفوظ میں موجود تھا تو پھر ان آیات کے متعلق کیا کہا جائے گا جو لفظ قل سے شروع ہوئی ہیں یعنی جن میں رسول اللہ سے خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ "ایسا کہو" درآنحالیکہ اسوقت رسول اللہ کی ذات دنیا میں موجود نہ تھی اسی طرح ان دعاؤں کی کیا تاویل کی جائیگی جن کی تعلیم رسول اللہ کو دی گئی ہے کیا رسول اللہ کی پیدائش سے قبل یہ تمام دعائیں مرتب کر دی گئی تھیں۔ اور

"نگار" (۹) :- "قرآن شریف میں بکثرت ایسے واقعات اور ایسی شخصیتوں کا ذکر پایا جاتا ہے جن کا تعلق بالکل عہد نبوی سے ہے مثلاً ابولہب یا کفار مکہ اور ان کے اصنام وغیرہ۔ پھر اگر قرآن مجید ازل سے یا خلق عالم کے وقت لوح محفوظ میں منقوش تھا (جیسا کہ عام عقیدہ ہے) تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ یہ سب کچھ بصورت مقدرات طے ہو چکا تھا اور قرآن مجید کی حیثیت ایک ایسی تاریخی کتاب کی ہو جاتی ہے جس میں واقعات کے ظہور سے پہلے صرف انکے وقوع کی پیشنگوئی کی گئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔"

"الفرقان" :- اس کا جواب بھی وہی ہے جو ہم نمبر ۲ کے ضمن میں عرض کر چکے ہیں، جسکا حاصل یہ ہے کہ "نزول قرآن" سے پہلے "لوح محفوظ" میں جو قرآن درج تھا تو اسکا بھی صدق انشاء بعد میں آنے والے اس وقت اور اس احوال کے ہی لحاظ سے ہوا تھا جس وقت اور جس ماحول میں وہ بعد میں نازل ہوا اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا وہ گویا ایک پیشینی نقل تھی اس قرآن پاک کی جو چھٹی صدی مسیحی میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط اور اپنی قدرت کاملہ سے وقت نزول سے ہزاروں برس پہلے "لوح محفوظ" میں ثبت فرما دیا تھا۔ ہماری عرض کی ہوئی اس حیثیت اور پیشنگوئیوں والی "تاریخی کتاب" کی حیثیت میں جو فرق ہے امید ہے کہ جناب نیاز اور انکے مقلدین اگر غور کرینگے تو اسکے سمجھنے سے محروم نہ رہیں گے۔

"نگار" (۱۰) :- "خدا کو سمیع و بصیر بھی کہتے ہیں، لیکن اسکی سماعت و بصارت کان اور آنکھ کی محتاج نہیں، پھر کیا وجہ کہ جب اس کی صفت نطق کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد وہ "نطق" ہو جو الفاظ کا محتاج ہے۔ جس طرح اسکو سننے اور دیکھنے کے لیے کان اور آنکھ کی ضرورت نہیں اسی طرح کلام کے لیے زبان یا الفاظ سے اسے بے نیاز ہونا چاہیے اور اس صورت میں الفاظ قرآنی کو "خدا کا کلام" کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ وہ زبان و الفاظ کا محتاج ہے۔"

"الفرقان" :- نیاز صاحب نے اس نمبر میں نہ صرف یہ کہ خود ہی فرض کرلیا ہے بلکہ اپنے ناظرین کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان جو قرآن پاک کو "خدا کا کلام" کہتے ہیں تو وہ اس عقیدہ کی بنا پر ہے کہ جس طرح ہم قرآن کو اپنے کام و دہن سے ادا کرتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے نزدیک معاذ اللہ خدا نے بھی اپنی زبان، اپنے "تالو" اپنے حلق اور اپنے ہونٹوں سے اس قرآن کو ادا فرمایا ہے حالانکہ جو غیر مسلم بھی مسلمانوں کے عقائد سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ بھی بتلا سکتے ہیں کہ یہ نیاز صاحب کا محض افترا ہے، جسکو کسی طرح انکی ناواقفی یا سادہ لوحی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس "قرآن عربی مبین" کو مسلمان بس اس حیثیت سے کلام الٰہی مانتے ہیں کہ اس کی تالیف و تنزیل اور "معانی معلومہ" میں اسکی ایجاد و تخلیق بلا واسطہ کسی شئے آخر کے حق تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکے لیے کام و دہن اور حلق و زبان کی کیا ضرورت ہے؟

دراصل جو حضرات نیاز صاحب اور انکی گمراہیوں سے واقفیت رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ نیاز خود بھی اتنے جاہل اور مسلمانوں کے ایسے مشہور عام عقیدہ سے ناواقف نہیں ہیں، بلکہ وہ صرف اپنے جرم کو ہلکا کرنے کے لیے اس "تجاہل" کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور لوگوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن پاک کے "کلام خدا" ہونے سے ان کا انکار "تنزیہ خداوندی" کے نیک جذبہ کے ماتحت ہے۔ حالانکہ انکو خدا کے ساتھ جتنی "ہمدردی" ہو سکتی ہے وہ معلوم ہے۔

علاوہ ازیں اگر واقعی انکے انکار کی بنیاد اسی تنزیہ پر ہوتی تو وہ صرف خدا کے تکلم یعنی "تلفظ" یا "نطق" کا انکار کرتے حالانکہ انھوں نے نہایت صفائی اور ڈھٹائی کے ساتھ قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے سے بھی انکار کیا اور اسکو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست کا نتیجہ قرار دیا۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے اسکے بیان کردہ قصص و واقعات کو غیر تاریخی، غیر محقق اور یہود و نصاریٰ کے بیانات سے ماخوذ بتلایا اور اسی بنا پر ہم نے انکو "مرتد" یا "منافق" لکھا ہے۔

"وسیع المشرب" کے مدعی نیاز صاحب کے ایک حمایتی نے شکوہ کیا ہے کہ جب نیاز صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور بلند اخلاقی کو تسلیم کرتے ہیں اور جون ہی کے پرچہ میں صراحت لکھتے ہیں کہ

"میں رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے"

تو ان کو "مرتد" یا "منافق" اور "خارج از اسلام" کیوں کہا جاتا ہے؟

ایسے حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ "صداقت" اور "بلند اخلاقی" کا ایسا اقرار ابوجہل بھی کرتا تھا۔ حدیث کی مشہور اور مستند کتاب جامع ترمذی میں ہے، اس نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

یا محمد انا لا نکذبک و انما نکذب ما جئتنا بہ۔	اے محمد ہم تم کو جھوٹا نہیں سمجھتے، ہاں جس قرآن کو آپ لائے ہیں ہم اسکی تکذیب کرتے ہیں

تو قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی

انھم لا یکذبونک ولکن الظلمین بآیات اللہ یجحدون	بیشک یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم "آیات الٰہیہ" کا انکار کرتے ہیں

پس نیاز صاحب کا جرم اس اقرار "صداقت" کے باوجود وہی ہے جو "ابوجہل" کا تھا اور اس لیے ہمارے نزدیک انکا حکم اور انکا مذہب بھی وہی ہے جو اس قدیم دشمن ایمان کا تھا۔

اگست کے "نگار" میں خود نیاز صاحب اور انکے بعض اعلیٰ جیسے حمایتیوں نے نہایت "معصومانہ" اور "مظلومانہ" انداز میں علماء کی تکفیر کا بھی شکوہ کیا ہے۔ معلوم نہیں ان "عقلاء جاہلین" کے نزدیک "کفر و اسلام" کی کوئی متعین حقیقت بھی ہے یا نہیں۔ ہم انشاء اللہ کسی قریب ہی فرصت میں اسی موضوع "کفر و اسلام کی حقیقت" پر مفصل کلام کرینگے۔ اس سے ناظرین کرام کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ مدعیان علم و عقل "مذہبیات" میں کس قدر جاہل اور بے بصیرت ہیں۔ واللہ الموفق وہو المستعان۔

وطنیت اور اسلام

(مسلم لیگ کے ایک جلسہ میں چودھری خلیق الزماں کی تقریر)

"آزاد مسلم کانفرنس، ہندو مہا سبھا اور دوسری جماعتیں مسلم لیگ کے اس عام فہم مطالبہ پر جو "پاکستان" کے نام سے مشہور ہے جو اعتراض کرسکتی تھیں کر سکتی تھیں کر چکیں۔ بہرکیف تصویر کا ایک رخ آپ کے سامنے ہے اور آج میں تصویر کا دوسرا رخ آپ کے سامنے پیش کرونگا اور درست پیش کرنے اور اسے عرض کر دکھانے کو، آپ اس پر سکون قلب کے ساتھ غور کیجیے اور اگر اسکے بعد آپ کا ضمیر قبول کرے اور عقل ہدایت کرے تو اس پر عمل کیجیے"

اسکے بعد چودھری صاحب نے اُن اسباب کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جن کی بنا پر مسلم لیگ کو تحریک پاکستان پیش کرنا پڑی۔ چودھری صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ہندوستان میں گیارہ صوبے ہیں ان میں سے سات میں ہندو اکثریت میں ہیں اور چار میں مسلمان۔ اس لیے مرکز میں جو حکومت قائم ہوگی اس میں بھی ہندو اکثریت میں ہونگے۔ مرکزی حکومت میں ممبران کی مجموعی تعداد ۳۷۵ ہوگی جس میں ۱۲۵ نشستیں تو والیان ریاست کے لیے محفوظ ہیں اور بقیہ ۲۵۰ میں سے صرف ۸۲ نشستیں مسلمانوں کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو مسلمانوں کی وہ اکثریت کہ جو انہیں پنجاب بنگال۔ سندھ اور صوبہ سرحد میں حاصل ہے مرکز پر اثر انداز نہ ہوگی مسلمان اقلیت میں ہو جائینگے۔ چنانچہ مسلم لیگ نے اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوے کہا کہ یہ پوزیشن غلط ہے، ہندوستان میں تیس کروڑ ہندو آباد ہیں اور انکی ایک خاص ہندیت ہے خاص تمدن اور خاص مذہب ہے جسکی رو سے آج بھی اچھوت اچھوت ہیں۔ اسکے برخلاف ہندوستان میں آٹھ کروڑ مسلمان ہیں جو حاکم کی حیثیت سے، اُن کا تمدن، انکی تہذیب اور انکا مذہب ہندوؤں سے بالکل الگ ہے اس لیے اگر مسلمان کوئی اور چیز بننا چاہیں تو بھی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ اپنے مذہب میں کسی حالت میں بھی کوئی ترمیم نہیں کرسکتے اور انکا یہ مذہب انکی تہذیب میں ہے۔

چودھری صاحب نے تقریر جاری رکھتے ہوے کہا کہ "ہندو ہم سے کہتے ہیں کہ وطنیت کا اصول مان لو، اور اگر تحفظات چاہتے ہو تو لے لو، اسکی ہمیں ان سے شکایت نہیں کیونکہ اس میں انکا فائدہ ہے اور ہر شخص اپنے فائدہ کو دیکھتا ہے۔ مگر ہمیں افسوس اس وقت ہوتا ہے جبکہ آزاد مسلم لیگ پاکستان کی مخالفت کرتی ہے"۔ اسکے بعد انھوں نے فرمایا کہ ۱۹۳۷ء تک میں کانگریس سے وابستہ رہا اور آج جو لوگ کانگریس میں ہیں اس وقت انکا کہیں وجود بھی نہ تھا اور انھوں نے اسکی خاطر کوئی قربانی بھی نہ کی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں ہمارے دماغ میں پاکستان کا تخیل بھی نہ تھا۔ اور ہم کانگریس سے مل کر کام کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی غرض سے جب ہم نے پنڈت جواہر لال نہرو کو سمجھایا تو انھوں نے ہم کو فرقہ پرست سمجھتے ہوے یہ مشورہ دیا کہ "لیگ کو ختم کردو کانگریس کے علاوہ ہندوستان میں [illegible]" ہم نے پنڈت جی کو یہ سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر غرور اور نخوت کا برا ہو کہ انھوں نے ہمارے ہر نیک مشورہ کو ٹھکرادیا اور ہم نے بھی پنڈت جی کے کہنے کو نہیں مانا"۔

اسکے بعد چودھری صاحب نے فرمایا کہ جو لوگ ہماری جداگانہ ہستی کو فنا کرنا چاہتے ہیں اور جو ہمیں محض اس لیے فرقہ پرست کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے لیے تحفظات کے خواہاں تھے، اور جو یہ کہا کرتے تھے کہ کانگریس میں مسلمانوں کا وجود کافی تحفظ ہے آخرکار ۲ سال کے بعد انھوں نے خود ایک الگ جماعت قائم کی اور مسلمانوں کے لیے تحفظات کے وہ طالب ہوے۔

"پاکستان" پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں انکا میں پورے طور پر جواب دینے کیلیے تیار رہوں گا مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب دہلی میں ایک جبہ اور قبہ والے مولوی نے یہ فتویٰ دے دیا کہ "پاکستان غیر شرعی ہے" اور اسکے اسباب یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ پاکستان وطنیت کے منافی ہے۔ وطنیت اور وطن میں فرق ہے۔ وطنیت خدا کے مقابلہ میں ایک دیوی کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ مسلمان اس دیوی کی پرستش نہیں کرسکتے اور مسلمان وطنیت کا غلام نہیں ہو سکتا ہے۔ وطن سے کس کو محبت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم کو بھی ہے۔ لیکن اگر خدا اور رسول کے بیچ میں حائل ہو تو ہم اسے ٹھوکر لگا دینگے۔ ہم اول مسلمان دوم مسلمان اور آخر میں بھی مسلمان ہیں ہم ہندوستانی بھی ہیں لیکن اگر وطن کو مذہب کے بیچ میں لائینگے تو ہم وطن کو قربان کرنے میں رتی برابر بھی پس و پیش نہ کرینگے۔

فرض کیجیے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اکثریت کا فیصلہ مسلمانوں کے لیے [illegible] ہے اور نیشنلسٹ حکومت قائم ہو اور اسکا وزیر مدافعت کسی بدنیتی سے نہیں بلکہ نیک نیتی سے یہ طے کرے کہ ہندوستان کی حفاظت کے لیے جدہ پر قبضہ ضروری ہے تو کیا احادیث نبوی کی موجودگی اور اس حکم کے بعد کہ کعبہ پر کسی غیر مسلم کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہندوستان کا مسلمان وطن کی محبت میں حدیث شریف کے احکام کی خلاف ورزی کی جرأت کریگا۔ نہیں۔ اور اگر مسلمان اس کا عہد کرے کہ وہ ہندوستان کی مدافعت کے خیال سے جدہ پر قبضہ کی تائید کریگا تو وہ اپنے کو بھی دھوکا دیتا ہے اور آپ کو بھی۔ اسی طرح اگر نیشنلسٹ حکومت یہ فیصلہ کرے کہ ہندوستان کی مدافعت کیلیے افغانستان کو فتح کرنا ضروری ہے تو کیا کوئی مسلمان اسکی حمایت کریگا۔

یہی وہ چیزیں تھیں جنکو ہم لے کر اٹھے اور ہماری آواز پر مسلمانوں نے لبیک کہا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم میں دنیا بھر کی لغویات ہوں ہم گنہگار ہوں لیکن ہم بے ایمان نہیں۔ اسکے بعد انھوں نے پنڈت نہرو کے الفاظ دوہراتے ہوے فرمایا کہ پنڈت نے لیگ کو آخری ہچکی کہا تھا لیکن ہم نے کانگریس کی آواز بند کر دی کانگریسی نعروں کا ذکر کرتے ہوے انھوں نے کہا کہ "جو لوگ آزادی چاہتے ہیں وہ آزادی مانگتے نہیں تیاریاں کرتے ہیں اگر آزادی چاہتے ہو تو مرکر حاصل کرو۔ جس وقت سے جنگ چھڑی ہے اگر اس وقت سے آج تک کانگریسی لیڈروں کی تقریریں یکجا کی جائیں تو ایک ایسا مضمون تیار ہو جائیگا جو کسی حکیم کے دواخانہ میں نہیں مل سکتا۔" اسکے بعد چودھری صاحب نے فرمایا کہ "برطانیہ کی ہر چیز کو شیطانی کہا جاتا ہے۔ اس کا طرز حکومت کانگریس کی نگاہ میں سب سے بدتر ہے کیونکہ اسکا انحصار اکثریت پر ہے اور اکثریت کی حکومت سے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان اور ہندوؤں کے مفاد کو تقویت پہونچتی ہے۔ انقلاب زندہ باد کے نعرے کے بارے میں چودھری صاحب نے فرمایا کہ انقلاب اس وقت ہوگا جبکہ دہن آشرم ٹوٹ جائیگا کیونکہ اگر مسلمان ہندو

ہونا بھی چاہیں تو ہندو نہیں ہو سکتے کیونکہ تم اچھوت کو نہیں ملا سکتے تو مجھے کیا ملاؤ گے"؟

اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے چودھری صاحب نے فرمایا کہ "پاکستان کی اسکیم پر یہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے اقلیت کا مسئلہ کیونکر حل ہوگا؟ اسکے جواب میں میں کہوں گا کہ ہندوستان میں گیارہ صوبے ہیں چار میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور سات میں ہندو۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ مرکز میں ہندوؤں کی حکومت الگ ہو اور مسلمانوں کی الگ۔ ایک جگہ تم اکثریت میں ہو اور ایک جگہ ہم۔ اور اس طرح پر توازن قائم ہو جائیگا۔ یہ چیزیں ان کے دماغ میں آتی ہیں جو سیاسی شعور رکھتے ہیں۔ ہم کو خداوند تعالیٰ نے سیاسی عقل دی ہے ہم ہندوستان پر حکومت کر چکے ہیں۔ ہم نے دنیا پر حکومت کی ہے"۔

آخر میں چودھری صاحب نے فرمایا "اے آزادی کے چاہنے والو اس وقت ہندوستان میں سوائے انگریزی حکومت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر چیز کو بدل دو اور [illegible] اور ہم تم [illegible] انگریز کو نکال دیں۔ مگر تم اس پر تیار نہیں کہو [illegible] جب تک [illegible] ہندوستان پر انگریزی حکومت رہے"۔ (حق۔ لکھنؤ)

(بقیہ صفحہ ۳)

مرسل (اشتو) کے ہیں (ملاحظہ ہو [illegible] کی کتاب "جرائم ہند" The [illegible] صفحہ ۹ مقدمہ)

—— جب تہذیب و تمدن کا یہ نقشہ بیگانوں اور مخالفوں کے نہیں دوستوں اپنوں اور ہمدردوں کے قلم سے کھینچا ہوا اور یا یہ کھینچتا رہا ہو اس کی جانب ہا۔ آپ کا بیساختہ کھنچا جانا خود اپنے کو اپنی اولاد کو اپنے لڑکوں لڑکیوں کو اپنے ملک و قوم کو اس تہذیب کے سانچہ میں ڈھالنے میں لگے رہنا، آپ خود سوچیے کہ اپنے ساتھ کہاں تک حق دوستی ادا کرتا ہے!

ضروری تصحیح
(از نائب مدیر)

صدق نمبر ۲۲ میں مضمون "قرآن بحیثیت کلام الرحمن" میں ذیل کی تصحیح ناظرین کرام فرمالیں:-

(۱) صفحہ ۶ کالم ۲ کی آخری سے پہلی والی سطر میں اس فقرہ کے بعد کہ
"حامل وحی فرشتہ کی زبان پر جاری فرما دیتا ہے"
ذیل کی عبارت رہ گئی ہے:-
"یا رسول کے قلب میں اپنے اس کلام کا القا فرما دیتا ہے"

(۲) صفحہ ۷ کالم ۱ میں عبارت ذیل کے بعد
"پس معتزلہ جو کلام الٰہی کو مخلوق کہتے ہیں تو اسکا منشا یہ ہے"
یہ عبارت رہ گئی ہے:-
"انکے نزدیک کلام الٰہی صرف کلام لفظی میں منحصر ہے اور وہ مخلوق ہے' اور اہل سنت کے نزدیک "کلام الٰہی" کا اولیٰ مصداق چونکہ کلام نفسی ہے"

التماس کی پذیرائی

۱۹- ڈاکٹر حفیظ سید محمد صاحب الہ آباد ایک خریدار
۲۰- ایک مخلص کلکتہ ایک خریدار
۲۱- مولوی عبدالحمید صاحب بھٹکل ضلع کاروار دو خریدار

ضرورت ہے

دفتر کو صدق کی گذشتہ سالانہ جلدوں کی ضرورت ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس زائد جلدیں ہوں یا کوئی صاحب اپنی کوئی جلد فروخت کرنا چاہیں تو براہ کرم دفتر سے خط و کتابت فرمائیں۔

مہتمم صدق۔ لکھنؤ

رحمت عالم ﷺ

ابتدائی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچوں اور عورتوں کے لیے سیرت نبوی صلعم کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جسکے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں۔ اسی ضرورت کو سامنے رکھکر سیرت نگار نبوی سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھکر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں چھوٹے بچوں کے دارالاقامہ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اسکا ایک نسخہ ہو۔ اہل خیر کو اسکی خریداری سے انشاءاللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا۔ قیمت فی نسخہ ۸؍ ہے لیکن ۲۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائیگا۔ مجلد کی قیمت ۲؍ فی نسخہ زائد ہوگی

منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

جامعہ کا ایک مقصد

"اردو زبان کی خدمت اور ملک کے لٹریچر کو آنیوالی ضرورتوں کے مطابق بنانا" مکتبہ جامعہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ایک معمولی دکان کی حیثیت سے قائم کیا گیا تھا۔ شکر ہے کہ آج یہ ہندوستان کا سب سے بڑا ادارہ اشاعت ہے اور روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مقصد کی تکمیل اور ارباب ذوق کی آسانیوں کو مدنظر رکھ کر دہلی، لاہور، لکھنؤ اور بمبئی میں شاخیں کھول دی ہیں۔ حیدرآباد اور پشاور میں اپنی سول ایجنسیاں قائم کی ہیں۔ امید ہے کہ ارباب ذوق اس سے فائدہ اٹھا کر ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے۔

خریداران صدق

کی خدمت میں گزارش ہے کہ جن اصحاب کی میعاد چندہ ختم ہو رہی ہے وہ براہ کرم آئندہ خریداری کے لیے چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ [illegible] وی پی ارسال خدمت ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر۔ عبدالماجد

پتہ۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:۔ حکیم عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

ہفتہ وار

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔
محمد عبدالرؤف عباسی
منیجر دفتر صدق۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۲ے
بیرون ہند سے سالانہ
قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق
لکھنؤ

نمبر ۲۵ | دوشنبہ۔ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

روزہ داروں کے عالم میں موسم بہار ختم ہونے کو آگیا۔ امت کے "ریفریشر کورس" کے خاتمہ کو ایک ہفتہ رہ گیا، سپاہیوں کے قدم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوگئی۔ آخری فرصت کو غنیمت سمجھ، سیکھنے والوں اور حاصل کرنے والوں کی ہمت اور مستعدی بڑھ گئی، طلب اور تڑپ دوچند ہوگئی۔ رمضان کا مبارک مہینہ، سستی اور کاہلی پڑے رہنے اور انگڑائیاں لیتے رہنے کا مہینہ کبھی بھی نہ تھا۔ آخری ہفتہ میں چستی اور مستعدی اپنے نقطۂ کمال کو پہونچ گئی۔ مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت کا تھا (اولہ رحمۃ) تمام نیکی کے قوی کو تحریک ہوتی رہی۔ دوسرے عشرہ سے نتائج ظاہر ہونے لگے، دلوں سے زنگ دور ہوگئے، روح میں جلا آگئی (اوسطہ مغفرۃ)۔ تیسرا عشرہ نچوڑ کا ہے، رہی سہی کثافتیں بھی دور ہو جائینگی، ایک ایک فرد، اور ساری کی ساری امت نکھر جائیگی، سنور جائیگی، سدھر جائیگی (وآخرہ عتق من النار)۔——

حدیث میں آتا ہے کہ اس فوج کا سردار اعظم ﷺ آخر عشرہ میں تمامتر وقف عبادت ہو جاتا تھا۔ تعلقات خلق سے وقتی انقطاع کے ساتھ معرفت ویکسوئی پورے رسوخ خالق وقادر کے ساتھ ہو جاتی تھی!

خبر دی ہے اُس نے جسکی دی ہوئی ہر خبر سچ اور سچی ہی نکلی ہے، کہ اسی مشق وریاضت والے مہینہ (شہر الصبر) اسی رحم وہمدردی والے مہینہ (شہر المواساۃ) کے آخری عشرہ میں کوئی رات ایسی بھی آتی ہے، جو سال کی ہر رات عمر کی ہر رات سے بڑھکر قیمتی اور قابل قدر ہوتی ہے۔ ڈھونڈو اُسے آخری پانچ طاق راتوں میں۔ اللہ والے اس تلاش میں ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتے ہیں۔ اور دن بھر کی بھوک، پیاس کے ساتھ ساتھ رات

پیش کر دیتے ہیں، کہ رحمت کے فرشتے جس وقت بھی انھیں ڈھونڈھتے ہوے آئیں، غافل نہیں ہوشیار، مستعد اپنی چاکری پر کمربستہ، اپنی ڈیوٹی پر مسلح پائیں!—— جو امت ہر سال ان مجاہدوں کی منزلوں سے گزرتی ہے، دنیا کی جدوجہد میں اُسے کسی قوم سے بھی پیچھے رہنا چاہیے؟ ہنگامۂ عمل میں کسی سے بھی پچھڑ جانے، اور بچھڑ جانے کا خطرہ اُسے ہے؟

تیسواں دن! اکتیسواں دن خوشی کا دن ہوگا۔ سالانہ جشن کی تاریخ ہوگی۔ اللہ کے دربار میں اللہ والوں کے میلہ لگنے کی گھڑی آئیگی۔ یہ انوکھے میلہ والے گھروں سے نکلیں گے، فحش گیت گاتے ہوے نہیں، ایک دوسرے پر رنگ کی کیچڑ اچھالتے ہوے نہیں، پاک صاف ہوکر، نہا دھوکر، دلوں میں اللہ کا نام جپتے ہوے، زبانوں سے توحید کی بڑائی پکارتے ہوے، شہر کے باہر یا محلہ کے مرکز میں جمع ہونگے، ناچ، الٹے سوانگ دیکھنے نہیں، گھوڑدوڑ میں بازی لگانے نہیں، کارنیوال میں پانسہ ڈالنے نہیں، حمد وتسبیح کے لیے، رکوع وسجود کے لیے، توحید کی گواہی، رسالت کی شہادت کے لیے۔ آج نہ کوئی بڑا ہوگا نہ کوئی چھوٹا۔ نہ کوئی آقا اور نہ کوئی رعایا، نہ کوئی شریف نہ کوئی رذیل۔ محمود وایاز ایک صف میں کھڑے ہونگے، محلہ کے دھوبی، بہشتی، نائی، جو دسیوں کی ڈیوڑھیوں اور حویلیوں پر گھنٹوں کھڑے، اور پہروں پڑے رہتے ہیں، اور پھر باریابی نہیں ہوتی، آج بے تکلف اور بلا جھجک اُنھیں رئیسوں، امیروں نوابوں کے شانہ سے شانہ ملاے کھڑے ہوں گے، ایک ساتھ اُٹھینگے، ایک ساتھ جھکینگے، ایک ساتھ دعاؤں کے لیے ہاتھ اُٹھائیں گے!——
زبانیں ایک ہوگئی، ہاتھ پیر ایک ہونگے، قالب ایک ہونگے، عجب کیا ہے جو اس ظاہری اور خارجی یکرنگی، یک جہتی، یکسوئی سے دل اور روحیں بھی ایک ہو جائیں!

ایک آیت کی تشریح

ایک صاحب علم نے دریافت کیا ہے:

"سورۂ انفال ختم سے ایک رکوع قبل یہ آیت ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین الخ اور اس کے معاً بعد دوسری آیت ہے الئٰن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا، فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین الخ مفسرین نے دوسری آیت کو اللہ کے رحم وکرم سے تعبیر کیا ہے، لیکن مجھکو ضعفاً کا لفظ دورکر لگتا ہے کہ جب زمانۂ نبوت ہی میں مسلمانوں کے اندر کیا حقۂ قوت ایمانی نہ تھی، جسکو پروردگار عالم نے ان فیکم ضعفا سے تعبیر کیا ہے تو پھر دوسرے وقت کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور پھر جب زبانِ وحی سے یہ صراحت اس کا یقین دلایا جارہا ہے ان یکن منکم عشرون الخ تو ضعف کا ہونا کیا دل میں یہ وسوسہ نہیں پیدا کرتا کہ اس وقت بھی مسلمانوں کو وحی پر پورا اعتماد نہ تھا؟"

جن آیتوں پر سوال ہے اُن کا سب سے ابتدائی فقرہ ہے یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابھی تک مومنین، جنگ وقتال کے خوگر نہیں ہوے تھے، ابھی تک حربی زندگی سے اجنبی اور نامانوس تھے، اور جنگ کے احکام اب پہلی بار مل رہے تھے۔ خطرہ اور ہلاکت سے بچنا بالکل ایک امر طبعی ہے، جس طرح بھوک اور پیاس ہے، بلکہ شاید اس سے بھی کچھ بڑھ ہی کر۔ کوئی قوت ایمانی، عقلی حیثیت سے کیسی ہی زبردست ہو، اس طبعی جذبہ کو فنا نہیں کرسکتی، صرف مغلوب کرسکتی ہے۔ اور ابھی تو کوئی حربی تربیت ہوئی بھی نہ تھی، بلکہ ترغیب وتحریص سے جوش پیدا کرایا اور ہمت دلائی جارہی تھی۔ ایسے موقع پر ارشاد، پہلے تو ایک عام قاعدہ ہوا کہ حقیقت حال کے اعتبار سے ایک ایک مومن کامل میں دس دس کافروں سے مقابلہ کی ہمت ہونی چاہیے، لیکن ابھی تو اس سخت ڈسپلن کا آغاز ہے، ابھی تم کمال ایمان تک پہونچے کہاں ہو۔ سردست اسی قدر کافی ہے کہ ایک ایک مومن دو دو کافروں سے مقابلہ ومقاتلہ کی ہمت رکھے۔۔۔۔۔

آخر امتحان میں بھی تو نمبر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اعلیٰ ایک ادنیٰ۔ اور منتہیوں کا معیار سب ہی کہیں مبتدیوں سے مختلف ہوتا ہے۔ آزمودہ کار اور جنگ دیدہ وپختہ کاروں کے لیے نہیں، بلکہ نئے رنگروٹوں کے لیے یہ دو سے دوگنے کی ٹکر کی ہمت کوئی معمولی یا ہلکا معیار ہے؟

قرآن مجید میں اسی طریق تعلیم کی نظیریں اور بھی بآسانی ملینگی۔ ایک نمایاں مثال سورۂ مزمل کے رکوع دوم میں تہجد گزاری اور شب بیداری کی ہے۔ اصل حکم تو ثلث شب، نصف شب، اور دو ثلث شب کا ہے، لیکن ساتھ ہی تخفیف وتیسیر بھی پیش نظر ہے۔ علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم۔ جتنی بھی قرآن خوانی کی توفیق ہو جائے وہی غنیمت اور قابل قبول شمار ہوگی۔ فاقرؤا ما تیسر من القرآن۔

اور پھر ضعف (خلاف القوۃ) کا لفظ تو عام ہے، ہر قسم کی کمزوری اور کم ہمتی کو شامل۔ یہ لازمی نہیں کہ اس سے مراد قوت ایمانی ہی کی کمی لی جائے۔ سامانِ ظاہری کی کمی، تعداد کی کمی، تجربہ وتربیت کی کمی، آخر یہ سب مادی پہلو بھی تو ہمت شکنی کے ہو سکتے ہیں۔ اور آغاز احکام قتال کے وقت ان سب حیثیتوں سے کمی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ سو عجب کیا ہے کہ اپنی انہی ساری کمزوریوں پر نظر کرکے بعضوں کے دل میں خود اعتمادی وہمت درجۂ اعلیٰ پر نہ باقی رہی ہو۔۔۔۔۔ نفس بے اعتمادی یا فقدان ہمت کا تو یہاں کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ سوال صرف درجات ہمت کا ہے، ہمت دوگنے سے مقابلہ کی، یا دس گنے سے مقابلہ کی۔

آخری گزارش یہ ہے کہ جملہ مومنین کے لیے (دورِ عہد نبوی کے بھی) یکساں درجۂ ہمت وقوت ایمانی کا تو کوئی مدعی ہے بھی نہیں، نہ بلحاظ عقیدہ نہ بلحاظ واقعہ تاریخی۔ عصمت تو صرف انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ عہد نبوی ہی میں آخر مومنین کو دوسرے سخت سخت جرائم کی سزائیں ملی ہیں، حدیں جاری ہوئی ہیں، قرآن مجید ہی میں بارہا مختلف مواقع پر انداز عتاب میں ارشادات آئے ہیں۔ جب غلطیوں اور لغزشوں اور معصیتوں تک سے فطرت بشری کو مفر نہیں، تو یہاں تو کوئی معصیت تھی بھی نہیں، صرف تفاوت درجات کا معاملہ تھا۔

مشکلاتِ راہ

صدق ملاً میں ایک ضروری تحریک کے زیر عنوان ایک شذرہ اسلامی نظام حکومت کی مفصل تدوین کے باب میں سپرد قلم ہوا۔ کام کے لیے جو مجلس تجویز ہوئی تھی، اُس میں ایک نام جامعہ عثمانیہ دکن کے ایک نامور استاد ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا بھی تھا۔ موصوف اس شذرہ کو پڑھ کر لکھتے ہیں:۔

"صدق کے ایک حالیہ نمبر میں یہ عزت افزائی دیکھی کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے نظام حکومت پر کچھ لکھنے کے لیے ملک بھر میں آپ کی رائے میں جو دو چار لوگ ہیں، اُس فہرست میں ناچیز کا نام بھی شریک کیا گیا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فرمائش کنندہ کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ تعمیل کتنی مشکل ہے۔ اول تو عہد نبوی اور خلافت راشدہ دونوں کی یکساں عبارت رکھنا ہی میرے نزدیک ممکن نہیں، پھر خود "نظام حکومت" کے بظاہر معصومانہ عنوان کی تحلیل کیجیے، راعی ورعایا کے لیے دستوریات اور سیاسیات جاننے کی ضرورت ہے۔ عدل گستری اور شریعت کے باب پر کچھ لکھنے والا قانون داں نہ ہو تو وہ کیا لکھے گا؟ نظام زکوٰۃ کے اصول، معاشیات جانے بغیر لکھنے ممکن نہیں۔ پھر اس معاشیات میں مالگزاری اور خراج الگ چیز ہے، سود الگ مسئلہ ہے، محصول درآمد، عشر، [illegible]، بین الممالک تجارت، الگ امور ہیں، ٹیکس نذاری الگ معاملہ ہے، فوجی تنظیم اور مدافعت سرحدات کے مسئلہ میں ہم ہندیوں کی طرح صرف لٹھ بازی سے کیا کام چلیگا۔ نظام تعلیم کے لیے تعلیمات کے مبادی معلوم ہوں، تاکہ اُنکے متعلق مواد تلاش کیا جائے۔ "نظام حکومت" کے اندر کتنی ہی ایسی اور چیزیں ہیں۔ نفس اصول حکمرانی، قانون بین الممالک وغیرہ عنوانوں کا صرف شمار بھی یہاں ممکن نہیں۔

پورے ہندوستان میں آج کتنے لوگ ہیں جو ایمانداری سے

کہہ سکتے ہیں کہ اُنھوں نے حدیث کی متداول کتابیں صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبلؒ ہی شروع سے آخر تک پڑھی ہیں۔ خود سیرۃ ابن ہشام اور تاریخ طبری وغیرہ کے متعلقہ حصے کامل طور سے پڑھے ہوئے لوگوں کی تعداد اگر نہیں تو دو ہاتھ کی انگلیوں پر گن لی جا سکتی ہے۔ اب تو ایک بھی شخص میرے علم میں نہیں ہے جو مذکورہ بالا علوم کا بھی ماہر ہو اور ادبیات سیرت پر بھی حاوی ہو۔ پھر یہاں تو سوانح حیات لکھنی نہیں ہے، بلکہ اس مختلف موضوعوں اور عنوانوں کے متعلق جزئیات اور نکات فراہم کرنے ہیں۔ حدیث و سیرت نبویہ پر گزشتہ چودہ صدیوں سے کام کئے جا رہے ہیں، موضوع وار مواد حاصل کرنا، خاص کر نظام حکومت کے متعلق آج بھی اتنا ہی کٹھن ہے جتنا پہلے کبھی تھا۔ بعض چیزوں کے متعلق سیکڑوں کتابیں بالاستیعاب پڑھ لینے کے بعد بھی مشکل سے چند سطریں لکھی جا سکتی ہیں۔ آج کل ہر طرف ملک میں بیت المال کا ذکر ہو رہا ہے، کتنے لوگ جانتے ہیں کہ خود عہد نبوی میں شمسی، قمری مہینوں کا فرق، وصولی، گزاری و زکوٰۃ میں کیا کیا مسائل نہیں پیدا کر چکا تھا۔ یہ بھی چھوڑیئے۔ معاشیات کے ایک نہایت کٹھن اور محض متخصصین سے مخصوص بات یعنی مالیات پر عبور کے بغیر عہد نبوی کے اصول موازنہ (بجٹ) پر کیا لکھا جا سکتا ہے۔ کتنے لوگ آیت انما الصدقات للفقراء کی مالیاتی تشریح کر سکتے ہیں۔ اور اس اجمال کی توضیح کے لیے جس قسم کے نظائر و معلومات کی حدیث و سیرت سے ضرورت ہوگی، صرف اسی کی تفصیل بیان کر سکتے ہیں؟ — اسی مواد کا نکالنا تو جوئے شیر لانا ہے۔

یہ چند چیزیں بہ دوشتہ قلم سے نکلی ہیں۔ اس پر سنجیدگی سے کام شروع کرنے کے لیے خاکہ تیار کرنے بیٹھو، تو نہ معلوم اور کیا کیا سوالات پیدا ہونگے۔ مجھ میں تو اس کتاب کی ایک فصل کی ذمہ داری سہنے کے لیے تک کی ہمت نہیں۔ خدا آپ کے نامزدگوں میں طاقت و ہمت دے!"

صاحب مراسلہ نے مشکلات راہ کے باب میں جو کچھ تحریر فرمایا، اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے، اور ایک سنجیدہ اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنے والے حقیقی طالب علم کے قلم سے یہی الفاظ نکلنے بھی چاہیے۔ لیکن بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ کام ہاتھ میں لے لینے اور شروع کر دینے کے بعد اتنا مشکل نہیں رہ جاتا، جتنا شروع کرنے سے قبل عالم تخیل میں نظر آتا ہے۔ عزم راسخ و اخلاص نیت کی برکتیں بھی تو آخر کوئی چیز ہیں، والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ کوشش کرنے والوں کے لیے تو راہ یابی کا وعدہ الٰہی موجود ہے، رفع مشکلات کی سبیلیں عجیب عجیب ایسی نکلتی آتی ہیں کہ پہلے انکا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ سوچنے اور دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ کام آیا کرنے کے قابل، ہاتھ میں لیے جانے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو بسم اللہ۔ عزم و ہمت کے آگے ان شاء اللہ ہر تجھبر پانی ہو کر رہیگا۔ پھر یہ بھی ہے کہ جو اصل آئیڈیل (معیاری تخیل) ہے، اُس سے تو عملی کام ہر حال اور ہر صورت میں پست ہی رہیگا، اس سے چارہ نہیں۔ کون ایسا ایماندار اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنیوالا مصنف ہے، جو اپنی کسی تصنیف کو اپنے خیالی معیار کے مطابق لا سکا ہے؟ خصوصاً قرآن مجید کی تو کوئی بھی خدمت آج تک ایسی ہو ہی نہیں سکی ہے، اور نہ آیندہ ہوگی، جو اپنے موضوع کا پورا حق ادا کر دے۔ بس جتنا بھی بن پڑے، اُسی کو غنیمت، اور بجا طور پر غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ آخری گزارش مراسلہ نگار کے مرتبۂ علمی کے احترام واجب کے ساتھ یہ بھی ہے، کہ جن اصطلاحی جزئیات اور تفصیلات کو آج یورپ نے لازمی بنا رکھا ہے، وہ حقیقۃً لازمی تھی بھی نہیں۔ ہر فن کے اندر، بلکہ ہر فن کی شاخ اور شاخ در شاخ کے اندر اصطلاحات کا ایک سمندر ہے ناپید اکنار۔ حقائق علوم کو تعبیر سادہ الفاظ میں، بغیر ان اصطلاحات کے جنگل میں گم ہوئے کی جا سکتی ہے۔ اسلامی "نظام حکومت" کی تدوین میں مرکز تو صرف قرآن مجید کو رکھنا ہوگا، اور اسکے بعد تعامل صحابہ، تو صرف شرح و حاشیہ کا کام دینگے۔

۱۰ سوالوں کے ۴۰ جوابات

نیاز کو قرآن کریم سے متعلق اپنے جن دس سوالوں پر ناز تھا، اُنکے جواب میں ایک نہیں دو مفصل مضامین ایک جناب غوثی شاہ صاحب (دکن) اور ایک مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (بریلی) کے قلم سے، گویا دس سوالوں کے بیس جوابات تو ان صفحات میں شایع ہی ہو چکے ہیں۔ مزید مسرت کا مقام ہے کہ محترم معاصر معارف و برہان نے بھی اس طرف توجہ فرمائی، اور دونوں کے اکتوبر نمبر میں دونوں کے محترم اڈیٹروں کے قلم سے فاضلانہ جوابات نکلے ہیں۔ بشرط گنجایش دونوں ان صفحات میں بھی نقل ہونگے۔ برہان کا مضمون نسبۃً مختصر و جامع ہے۔ معارف کا مقالہ علاوہ اصل جوابات کے معترض کی شخصیت کو بھی بے نقاب کرتا گیا ہے۔ اور موجودہ حالات میں یہ کام بھی کرنے ہی کا تھا۔

ابلیسی حربے

"ہمارا طریق جنگ" ہٹلر نے ۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر ہرمان راشننگ سے کہہ دیا تھا "یہ ہے کہ ہم دشمن کو اندر ہی اندر ہلاک کر دیتے ہیں۔ اُن کو خود اُسی کے ہاتھوں ختم کرا دیتے ہیں۔ اُنکی صفوف میں انتشار و برہمی، اسکے جذبات میں تناقض، تذبذب و تعطل، خوف و ہراس، یہ ہمارے خاص الخاص حربے ہیں"۔ (ریڈرس ڈائجسٹ، نیویارک، ستمبر ۱۹۴۰ء صفحہ [illegible])

ہٹلر کا یہ طریق جنگ ہو یا نہ ہو، بہرحال ابلیس کا یہ طریق جنگ اسلام کے مقابلہ میں تو ضرور رہے۔ وہی مسلمانوں کو باہر کے حملہ سے نہیں، اندر سے ہلاک کرنا، فرزندان اسلام کے دلوں اور دماغوں کو متاثر کر دینا، خود اُنھیں میں شکوک و شبہات پیدا کر دینا، بجائے ایقان و اعتقاد کے تشکیک، ارتیاب، اعتزال، اور "روشن خیالی" کی وبا پھیلا دینا، بجائے ولولۂ عمل اور ٹھوس عملی مشاغل کے، خیالی مشغلوں اور تذبذب، تردد، بے ہمتی، افسردگی و بے عملی میں مبتلا کر دینا، اور بجائے خود اعتمادی کے دلوں پر

غیروں کی مرعوبیت، غیروں کی تہذیب و تمدن، علم و فضل، حکمت و فن، سیاست و معاشرت کا رعب چھا جانا، یہ سب کرتب اور کرشمے ہیں اسلام اور نوع انسانی کے اسی قدیم دشمن کے جدید حربوں کے!

"طلوع اسلام"

نئی دہلی سے ایک گریجویٹ کرم فرما تحریر فرماتے ہیں:

"صدق" مورخہ ۵ اکتوبر میں جناب کا شذرہ، طلوع اسلام کے فتنہ انکار حدیث سے متعلق نظر سے گزرا۔ بدگمانی کرنے کو تو واقعی کسی اسلامی رسالہ کے بارے میں بھی جی نہیں چاہتا مگر جہاں ظن اور گمان کی کوئی گنجائش نہ ہو اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ انکار حدیث کیا جائے۔ ہاں کیا تاویل کی جائے۔ طلوع اسلام کے اکتوبر والے پرچہ میں وہ مسائل کی توضیح کی گئی ہے جس کو جناب نے غنیمت شمار فرمایا ہے کیا براہ کرم اس امر پر مزید روشنی ڈالیں گے کہ وہ کس حیثیت سے غنیمت ہے۔ طلوع اسلام نے خود یہ اعتراف نہیں کیا کہ مراسلۂ زیر جواب سے متاثر ہو کر اس نے اپنے مسائل کے جسکی اشاعت پہلے شماروں میں ہو چکی ہے کسی درجہ میں بھی رجوع کیا ہے۔ کہا یہ گیا ہے کہ ہم احادیث کے بالکل ہی منکر نہیں ہیں بلکہ دین کے معاملات میں ان کی حجیت کو تسلیم نہیں کرتے پھر اگر احادیث دین میں حجت نہیں ہیں اور خود آیات قرآنی کی رو سے ان کا ماننا ضروری نہیں تو قبول اور عدم قبول میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ محض وجود کا اقرار تو غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور وجود قرآن کا اقرار نیاز فتحپوری بھی کرتے ہیں۔ رہا ان احادیث کا نہ ماننا جو نصوص قرآنی کے خلاف ہوں یہ تو تمام علمائے اہل سنت کا مسلک ہے۔ اس میں نئی بات کیا ہے۔ سوال تو صرف یہ ہے کہ جنکو مانتے ہیں انکو کس حیثیت سے مانتے ہیں۔ والسلام۔

اکتوبر نمبر کو غنیمت اس لحاظ سے کہا گیا تھا، کہ پڑھنے والوں کو وہ تکلیف نہیں ہوئی جو اس کے قبل کے بعض نمبروں میں تنقید حدیث پڑھ کر ہوئی تھی۔ پرچہ کی بعض دوسری اسلامی خدمات (اور اسکا نمونہ اس اکتوبر نمبر میں بھی موجود ہے) اس کی مقتضی ہیں کہ اسکے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ رعایت برتی جائے اور نرم سے نرم ممکن تاویل کی جائے۔ گو اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ فتنۂ انکار حدیث، وقت کے اہم ترین فتنوں میں سے ہے۔ اصول دین بیشک سب کے سب قرآن مجید نے بتا دیے ہیں، لیکن آخر انکی تفصیل و تشریح کے بغیر اسلام بہ حیثیت ایک عملی نظام کے چل ہی کیونکر سکتا ہے؟ اور یہی کام سنت رسول کا ہے۔ رسول اللہ صلعم ایک بے جان مشین نہ تھے، محض واسطۂ نقل Transmitters نہ تھے، مزکی، معلم، مبین، شارح، و ترجمان بھی تھے، آپ کے عمل و قول سے قطع نظر کر لینا، برگ و بار پر نہیں، شاخ پر بھی نہیں، دین کامل کی جڑ پر ضرب لگانا ہے۔ ضعیف و موضوع احادیث کو قوی و صحیح سے الگ کرنا، ظاہر ہے کہ چیز ہی الگ ہے، اس سے کسی کو انکار نہ پہلے ہوا نہ اب ہے۔

نئی کتابیں

(۱) **تفسیر سورۂ عبس** - تالیف مولانا حمید الدین فراہیؒ - ترجمہ از مولوی امین احسن صاحب اصلاحی - ضخامت ۴۰ صفحے قیمت ۸؍ پتہ: مکتبۂ حمیدیہ، سرائے میر - ضلع اعظم گڑھ - (یو - پی)

سورۂ عبس کی ابتدائی آیات قرآن مجید کے مشہور مشکل مقامات میں سے ہے۔ مشہور ماہر قرآنیات مولانا حمید الدین فراہیؒ نے ساری سورۃ کی تفسیر اپنے عام حکیمانہ انداز میں اس خوش اسلوبی سے کی ہے، کہ اعتراض کو لب کھولنے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ اور ضمنی لطائف و نکات جو بے تکلف پیدا ہوتے چلے گئے ہیں وہ اصل موضوع کے علاوہ، اور اس پر مستزاد ہیں۔ فصل دوم جو عصمت انبیاء اور انکے مواقع عتاب پر ہے، خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

البتہ ایک بات مولانا کے تفسیری مقالات میں عرصہ سے کھٹک رہی ہے، اور وہ اس میں بھی موجود ہے۔ مفسر موصوف ذہین بہت ہیں اور بڑے نکتہ رس۔ لیکن اسی نکتہ آفرینی کی رَو میں اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ بلا ضرورت بھی قدیم اہل تفسیر کا تخلیہ کرنے لگتے ہیں۔ اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ جہاں انکے اور انکے درمیان کوئی بھی حقیقی اور معنوی اختلاف نہیں، مولانا وہاں بھی اختلاف محسوس کرنے لگتے ہیں، اور انداز بیان ایسا اختیار کرتے ہیں کہ گویا وہ بالکل پہلی بار کہہ رہے ہیں، حالانکہ وہ بات اگلوں کی زبان سے بھی ادا ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی مولانا کے الفاظ میں اصلی صورت واقعہ یہ ہے کہ

"آنحضرت صلعم کے پاس سادات قریش بیٹھے ہوئے تھے آپ انکو تبلیغ و دعوت فرما رہے تھے اس بیچ میں ام مکتوم آگئے۔ آنحضرت صلعم کو یہ اندیشہ ہوا کہ اب یہ بدک جائینگے، اور کہینگے، تم نے چند اندھوں اور غریبوں کو طمع دلاکر اور بیوقوف بنا کر جمع کر رکھا ہے اور اب ہمارے لیے دام بچھاتے ہو۔ تو ہم اُس وقت تک تمہارے پیرو نہیں ہو سکتے جب تک تم انکو اپنی پیروی سے خارج نہ کر دو۔ ہم اشراف ان کم ظرف اراذل کی سطح پر نہیں اُتر سکتے" (ص ۱۹)

لیکن اس میں اور حضرت مجاہد تابعیؒ کی روایت ذیل میں، بجز تشریح و توضیح کے، اصلاً و معناً فرق ہی کیا ہے؟

"آنحضرت صلعم سرداران قریش میں سے کسی سے تخلیہ میں باتیں کر رہے تھے، آپ نے اُسکے سامنے اسلام پیش کیا تھا، اور توقع تھی کہ وہ قبول کر لے گا، کہ بیچ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم آگئے۔ آنحضرتؐ کی نظر پڑی تو آپ کو انکا ایسے وقت میں آنا ناگوار ہوا کہ یہ قریشی کہیگا کہ محمدؐ کے پیرو اسی قسم کے اندھے اور بہرے اور غریب و بے نوا لوگ ہیں۔ اس پر یہ آیت اُتری" (ص ۲۴)

یا مثلاً مولاناؒ کے ان ارشادات میں کہ

"اس سورہ میں یہ بتایا کہ پیغمبر ایسے لوگوں سے اصرار و لجاجت پر

جاہلیت قدیم کی بازگشت

(ہندوستانی دنیا میں بے پردگی کے لیے بیقراری۔ مسلمان پردہ نشین خواتین کے لیے سامان عبرت)

کلکتہ ۷ ستمبر۔ آج سنیچر کے روز ستیا نرائن پارک بازار میں ہندو عورتوں کی انٹی پردہ کانفرنس ہوئی جسکی صدارت مسز رادھا دیوی گوئنکا (ناگپور) نے کی۔ کانفرنس کے لیے ایک بہت ہی خوبصورت پنڈال بنایا گیا تھا۔ تقریبًا ساڑھے تین ہزار عورتیں شریک ہوئیں۔ بمبئی، دہلی، لکھنؤ، ناگپور، رانچی اور دوسرے مقامات سے ڈیلیگیٹ عورتیں شریک ہوئیں۔ پنڈال میں عورتوں کا اتنا اژدحام ہوگیا کہ بعض مردوں کو جنھیں شرکت کی اجازت دی گئی تھی عورتوں کے لیے جگہ چھوڑ دینا پڑا۔ ایسی عورتیں بھی کانفرنس میں شریک ہوئیں جو سختی کے ساتھ پردہ پر عمل کرتی ہیں۔

پریسیڈنٹ کانفرنس مسز رادھا دیوی گوئنکا سنیچر کی صبح کو ناگپور سے ہوڑہ اسٹیشن پہونچیں تو انکا بہت ہی پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ انھیں جلوس کی شکل میں ہیریسن روڈ سے زکریا اسٹریٹ لایا گیا، جہاں وہ مسٹر ڈی پی کھیتان کے مکان میں قیام پذیر ہوئیں۔ جلوس زیادہ تر لڑکیوں اور عورتوں پر مشتمل تھا۔ البتہ مرد رضاکار کچھ تعداد میں جلوس کے آگے آگے تھے ایک درجن نوجوان عورتیں جو ہند وشن کی ممبر تھیں گھوڑوں پر تھیں۔ انکے پیچھے سکھ عورتیں ننگی تلواریں لیے تھیں۔ نیشنل یوتھ لیگ کی لڑکیاں باجے بجا رہی تھیں۔ ان لڑکیوں کے پیچھے ہند وشن کی دوسری عورتیں تھیں جو جھنڈے گھما رہی تھیں۔ آریہ کنیا مہا ودیالے کی لڑکیاں اپنے کندھوں پر نقلی رائفلیں لیے ہوے ساری کائنات کو دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ اسکے بعد مارواڑی بالکا ودیالے کی لڑکیاں زعفرانی ساریوں میں ملبوس قومی جھنڈیاں لیے ہوے تھیں۔ اخیر میں بالکا سکشا سنگھا کی بنگالی لڑکیاں سرخ ساریوں میں پوری جلوہ گاہ پر رومانی افشاں چھڑک رہی تھیں، ان کے پیچھے رخ پر نقاب ڈالے ہوے مارواڑی عورتیں تھیں۔ اتنی شان وشوکت کے ساتھ پریسیڈنٹ [illegible] کانفرنس کا جلوس ہوڑہ اسٹیشن سے چل کر زکریا اسٹریٹ آکر ختم ہوا۔

کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوے صدر مجلس استقبالیہ مسز رکمنی دیوی بلا نے اپنی تقریر میں کہا "میں خود پردہ میں رہ چکی ہوں اور پردہ کے نقصانات پوری ذمہ داری کے ساتھ بول سکتی ہوں۔ جو لوگ سوشل ریفارم (معاشری اصلاح) کی وکالت کرتے ہیں میں ان سے اپیل کرتی ہوں کہ انسداد پردہ کو اپنے پروگرام میں سب سے آگے رکھیں۔ یہ بہت ہی شرم کی بات ہے کہ جہاں دوسری جماعت کی عورتیں قومی جدوجہد میں حصہ لینے کے لیے ایکدوسرے سے آگے بڑھ رہی ہیں وہاں مارواڑی جماعت کی عورتیں پردہ کو ہٹانے کی ضرورت پر بحث کرنے کے لیے جمع ہوئی ہیں۔"

پریسیڈنٹ مسز رادھا دیوی گوئنکا نے موجودہ جنگ کا ذکر کرتے ہوے کہا کہ یہ آزادی کی جنگ ہے عورتوں کو چاہیے کہ اپنی آزادی کے لیے جنگ کریں۔ عورتوں کے مدارج پر بحث کرتے ہوے مسز گوئنکا نے کہا "عورتوں کو مردوں کے برابر مدارج حاصل ہونے چاہییں۔ میرا یہاں تک خیال ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے لڑکوں سے لڑکیاں زیادہ موزوں ہیں میرے خیال میں عورتوں کی ممکن ترین اعلیٰ تعلیم دی جائے۔"

معاشری اصلاح پر بحث کرتے ہوے مسز گوئنکا نے انسداد پردہ پر زور دیا اور کہا "پردہ مذہب، معاشرت اور تہذیب جدید کے منافی ہے۔ پردہ حفاظت نہیں کرتا بلکہ شرم وحیا کو مار ڈالتا ہے۔ ایک قوم یا ایک ملک کا اندازہ اسکی عورتوں کے مدارج سے کیا جاتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتیں محض گھر کے کاموں میں لگی رہیں اور سوسائٹی کو آگے بڑھنے میں مدد نہ دیں۔" (عصر جدید)

ہندوستانی عورت

(ہندی تہذیب کا روشن پہلو۔ مس پھول کماری چوہان آف دولت پور پٹیالہ گورنمنٹ - متعلمہ اسپیشل ٹریننگ کلاس گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول جالندھر کے قلم سے)

ہندوستان کی پڑھی لکھی عورتوں میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے یا یوں کہو کہ خیال پیدا کیا جا رہا ہے کہ عورت مرد کی غلام نہیں ہے۔ انھیں وہی حقوق حاصل ہونے چاہییں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ ہندوستان میں کچھ سیاسی حقوق دیے بھی جا رہے ہیں۔ مگر میری والدہ مرحومہ چودھرانی سردار بائی جی جو کہ خود تعلیم یافتہ اور ملک کی مشہور ادیبہ ہونے کے عورت کی حقوق بازی کی جدوجہد کے سخت برخلاف تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ جب سے ہندوستان میں عورتوں کے دلوں میں آزادی خیالات کا پرچار کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانی عورت مغربی عورت کی طرح آزاد اور بیباک ہو رہی ہے اور گرہستی جیون برباد ہو رہا ہے اُنھوں نے انبالہ کے ضلع کے ایک ساہوکار اور اسکی عورت کی مقدمہ بازی کا حال اخبارات میں پڑھا تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں، ہندوستان مغرب کی تقلید کر رہا ہے، کہیں وہ مثال نہ ہو کہ

ہوکی تقلید خسرو کی تو کاریگر کوہ کن گزرا
چلا جب چال کوا ہنس کی اسکا چلن بگڑا

اُنھوں نے ہم بچوں کو کئی بار وہ کہانی سنائی تھی جو ایک مڈل پاس ہندوستانی لالہ کو صاحب بہادر کہلانے کا شوق چرایا تھا، اور مُسے لالائن کو لیڈی بنانے کا خبط سمایا تھا۔ اُسے خود کو صاحب اور گھر کی عورت کو لیڈی اور نوکر کو بہرا لوگ کہلانے کا سودا چرایا تھا۔ اور آخرکار ذلیل وخوار ہوکر اُس راہ سے واپس آنا پڑا تھا۔

والدہ محترمہ کا خیال تھا کہ مغرب میں عورتوں کو حقوق کی ضرورت ہو تو ہو مگر ہندوستانی تہذیب اور بھارت ورش کے پتی اور پتنی کے رشتہ میں آپا دھاپی اور خود غرضی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ہندوستانی عورت اپنے پتی کو دنیاوی ایشور اور مجازی خدا سمجھتی ہے ہندوستانی

عورت پتی کی محبت اور شوہر کے عشق کی دیوانی تھی۔ وہ پتی کی مردہ لاش کے ساتھ زندہ جل جانا ایک کھیل سمجھتی تھی۔ پھر وہ اپنے سوامی سے یہ، وہ، اسکا، اُسکا، تیرا، میرا، تمھارا، ہمارا کی گردان کیوں کرے۔ وہ جانتی تھی کہ ڈھیکر کروڑ روپیہ دولت تو لیجا سکتی ہے، محبت یا پیار، ڈنڈے کے زور سے یا بہاتا گنگا ندی کی ستیہ گرہی کرے نہیں خریدا جا سکتا۔ عورت کی محبت کے راستہ میں سماج کا بنا ہوا قانون تو کیا، کوہ ہمالیہ بھی سدِ راہ نہیں ہو سکتا۔ اندھیری راست کی تاریکی، آندھی کا زور، طوفان کا شور، دریائے چناب کی خوفناک [illegible]

تشریح بدن کرتی ہیں مغرب کی دُکانیں
ہیرے کے یہ بازو ہیں یہ تلوار کی رانیں
پلکیں ہیں یہ تیر اور یہ ابرو ہیں کمانیں
آمیزوں میں آئینہ ہیں جوبن کی اُٹھانیں

یہ جلوہ مذمت نہ ستایش کے لیے ہے
بیوپار کی خاطر ہے نمایش کے لیے ہے!

مگر ہندوستانی عورت تو محض پریم کی دیوانی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ پریم ایک سُریلا ساز ہے جو دو مختلف دلوں کی تاروں کے یکجا ہو جانے پر خودبخود بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ مغربی عورت کی طرح مردوں کی دنیا سے سیاسی اور تمدنی حقوق کے لیے ہاتھا پائی کیوں کرتی۔ وہ سمجھتی تھی کہ میرا کام اس دنیا میں محض ایک ہی مرد سے ہے، وہ جسکو قدرت نے میرا خاوند یا شوہر بنا دیا ہے۔ اور اسکے لیے وہ اپنے آپ کو بالکل قدرت یا خدا کے حوالہ کر دیا کرتی تھی۔

اسلام کی دنیا میں بھی اُسے خاوند طلاق دیدے تو دیدے مگر خود اُس نے اپنے مجازی خدا کو کبھی طلاق دینے کا خیال نہ کیا۔

آج دنیا والے دیہات سُدھار کا شور بلند کر رہے ہیں۔ کوئی ملک سُدھار کے لیے چیخ پکار کر رہا ہے۔ مگر بہت سی مدتیں گزر چکیں اور کئی جگ تمیت ہو گئے کہ ہندوستانی عورتوں نے من سُدھار کا گُر سیکھ رکھا تھا۔

آج ہندوستانی عورت کو جو حقوق دیئے گئے ہیں یا دیئے جا رہے ہیں وہ مردوں کے من کی موج ہے۔ وہ مغربی فلم کا کھیل دیکھنا چاہتے ہیں، دیکھیں، شوق سے، یہ اُنکے من کی موج ہے۔

آج عورت کی زبان سے جو کچھ بولا جاتا ہے وہ درحقیقت مرد بول رہے ہیں۔ درحقیقت بھارت ورش کی دیوی کی دُنیا نرالی دنیا ہے۔ وہ جہاں حسد نہیں، بیر نہیں، پریم ہی پریم ہے۔ اُسے نہ چندے کی ضرورت ہے نہ تنخواہ کی حاجت۔

(رگڑگنج۔ لدھیانہ)

بزمِ ہمدردانِ صدق

ارکانِ بزمِ ہمدردانِ صدق کی تعداد، پچھلے ہفتوں میں ۱۰۱ تک پہونچ چکی تھی، اس ہفتہ میں بھوپال کی ایک مخلص خاتون (صدق اور سچ کی قدیم کرمفرما) کے ہاں سے ایک حصہ کی خریداری کے ۲۵ روپیہ وصول ہوئے۔ گویا اب کُل تعداد ارکانِ بزمِ ہمدردان کی ۱۰۲ تک پہونچی۔

التماس کی پذیرائی

۲۳۔ جناب محمد باقر صاحب　کوہ نور (مدراس)　ایک خریدار
۲۴۔ جناب حافظ محمد عثمان صاحب　پشاور　ایک خریدار
۲۵۔ جناب عبدالرحیم صاحب　فیروزپور　ایک خریدار

اعلانِ تعطیل

عید کی سالانہ تعطیل صدق کا قدیم دستور رہے۔ اس بار بھی حسبِ معمول یہ تعطیل ۴ نومبر کو لیکر آئندہ پرچہ انشاءاللہ ۱۱ نومبر کا حاضرِ خدمت ہوگا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹرنے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

چولی - لکھنؤ

اچھے اچھے اشعار اپنے مذاق کے جمع کرنا صاحب ذوق لوگوں کا شغل قدیم چلا آ رہا ہے۔ اور ایسے مجموعے اردو میں بھی بکثرت شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر گلدستہ ان میں تازہ ترین اضافہ ہے۔ مرتب کے حسن ذوق کے لیے یہی نسبت بس کرتی ہے کہ وہ خیرآباد کے ہیں، یا مضطر مرحوم کا وطن، مولد و مدفن۔ شاعری وہاں کی آب و ہوا میں رچی ہوئی، سوزیت بچہ بچہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی۔ حسن وعشق انکے ذوق سلیم کا آئینہ ایک خاصہ دلچسپ مرقع ہے۔ ہر رنگ کے اچھے شعر اس میں نظر آجائینگے بجز [illegible] جذبات کے اشعار کے۔ البتہ سوز وگداز کا رنگ مرتب پر غالب ہے، اور یہی غلبہ اس مجموعہ میں بھی نمایاں ہے۔ فہرست مضامین اول تو [illegible] کردینی صحیح نہ تھی، دوسرے یہ کہ بجائے عنوانات کے بالمقابل صفحات کا نمبر یا ضروری تھا۔ عنوان "حسن" کے تحت میں بعض اشعار کی صحت (مثلاً اس مصرعہ "تو شعلۂ شمع انجمن میں" "شعلہ" شمع کی صحت) اور بعض اشعار کی مناسبت عنوان کے باب میں خاصی گفتگو ہوسکتی ہے۔ مرتب کا [illegible] حال بھی شستہ وفصیح اردو میں ہے، البتہ ایک آدھ لفظ نظرثانی کا محتاج رہ گیا۔ مثلاً دوسرے پیراگراف شروع میں بجائے "بیکلی زندگی" کے "آئینہ زندگی"۔ بہ حیثیت مجموعی رسالہ ہر ادبی ذوق رکھنے والے کے لیے لطف و دلچسپی کی چیز ہے۔

(۶) **یار غار** - از مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب - ۱۲ صفحے قیمت ۱ر
پتہ، جمعیۃ مسلم نوجوانان - سکندرآباد دکن

مولانا کا ایک پرانا مقالہ، جو غالباً ستمبر ۳۵ء میں صدق کے تین نمبروں میں نکل چکا ہے، اب جمعیۃ کے زیر اہتمام تقسیم عام کے لیے شائع ہوا ہے۔ بوڑھے بچے، سب کے پڑھنے کے قابل۔

(۷) **روح اسلام یا جیل و اذان** - از سید حسن آرزو صاحب
۷۲ صفحے - قیمت درج نہیں۔ غالباً مصنف ہی سے، پھلواری شریف ضلع پٹنہ کے پتہ پر ملے۔

رسالہ کی بنیاد مصنف کے ایک ذاتی واقعہ ہے۔ جیل میں اذان سے متعلق ہوئی، اور بحث پھیلتے پھیلتے سارے اصول اسلام پر تیار ہوگیا۔ کتاب کے [illegible] نام کتاب کی اسی حیثیت یگانہ کے مظہر ہیں۔ سید حسن آرزو صاحب کو دنیا اب تک ایک پرجوش قومی سیاسی کی حیثیت سے جانتی تھی، اب معلوم ہوا وہ صاحب نظر اور [illegible] بھی ہیں۔ اصل کتاب صفحہ [illegible] پر ختم ہوگئی ہے۔ اس کے بعد ایک ضمیمہ ہے، اور پھر مختلف اشخاص کی تقریظیں۔ انھیں میں ایک تقریظ مدیر صدق کے قلم سے بھی ہے۔ افسوس ہے کہ کتابت و [illegible] معنویت کی ہم سطح نہیں۔

صفحہ ۳۴ پر [illegible] "جاہلیت" کا جو نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

"[illegible] زمین کے جس حصہ دنیائی ٹکڑے کا نام ہے تاریخ اگر [illegible] ان کا نہیں دیتی، تو یہ ماننا ہی پڑیگا کہ کسی مدنی اور [illegible] زندگی کا کوئی بھی دستور کبھی موجود تک نہ تھا، اور نہ [illegible] مفہوم کا کسی کوئی پتہ بھی نہ تھا۔ جاہل، ناعہذب، وحشی، خونخوار، ظالم اور سفاک انسانوں کا ایک جنگل تھا"

یہ صحیح نہیں۔ تفصیلی تردید کا یہ موقع نہیں۔

قرآن مجید نے "اُمی" اور "جاہل" دو لفظ الگ الگ موقعوں پر استعمال کیے ہیں، اور دونوں کے مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ ترجمہ میں اس فرق کا لحاظ ضروری تھا۔

کتاب مسلمانوں کے کام کی تو ہے ہی، لیکن اس سے بڑھ کر غیر مسلموں میں تبلیغی اغراض کے لیے مفید ہوگی۔

رسید کتب

(۱) **ترک احمدیت** - ایک انگریز نومسلم کے قلم سے - ۳۲ صفحے
(۲) **اتحاد بین المسلمین** - از خواجہ عبدالغنی - ۱۶ صفحے
بلا قیمت، دفتر ووکنگ مسلم مشن، عزیز منزل، برانڈرتھ روڈ لاہور سے ملیں گے۔

خواجہ کمال الدین مرحوم کے ووکنگ مشن اور انگریزی جریدہ اسلامک ریویو سے پڑھے لکھوں میں کون واقف نہیں۔ دونوں رسالے اسی تحریک کی توضیح و اشاعت میں ہیں۔ پہلے رسالہ میں قادیانیت کی تردید اچھی خاصی ملیگی

(۳) **ہندوستان میں ہندو مسلم مسئلہ کا واحد حل** - (انگریزی) ۴۴ صفحے - پتہ دفتر رسالہ "پیغام حق" ظفر منزل، تاجپورہ - لاہور
ایک اسلامی تبلیغی رسالہ۔

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو
عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ...
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ ر

ہفتہ وار
صدق لکھنؤ

(رجسٹرڈ نمبر ل ۳۹۱)

نمبر ۲۷ | دوشنبہ - ۱۷ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

بھوت، پریت، خبیث، آسیب، چڑیل، سکے آپ قائل ہوں یا نہ ہوں، واقف تو بہرحال انکے ناموں سے اور کارناموں سے ہونگے۔ فلاں پر "شیخ سدو" آگئے، اور وہ کھیلنے لگا۔ فلاں پر "لونا چماری" کا اثر ہوگیا۔ فلاں کو "کلوا بیر" نے دبا لیا۔ فلاں کو آسیبی خلل ہوگیا۔ فلاں پر جنات آگئے، فلاں پر پریوں کا سایہ ہوگیا۔ یہ چیزیں کس کے علم میں نہیں؟ کون ان سے باخبر نہیں؟ اسکے بعد وہ انسان اپنے آپ میں کہاں۔ اب وہ چیز ہی کوئی اور۔ اچھا خاصہ، بھلا چنگا انسان اور جہاں اس پر کوئی آنے لگا، اسکے سر پر کوئی سوار ہوگیا، بس وہ اپنے قابو میں نہیں۔ اول فول بکیگا، دیوانوں کی طرح دوڑیگا، ماریگا، بلائیگا، آنکھیں نکالیگا، دانت پیسیگا، بے وجہ روئیگا، بلاوجہ ہنسیگا، اور جب تک یہ جنون کا دورہ طاری رہیگا وہ اپنے آپ میں نہ رہیگا، ہوگا کچھ اور نظر آئیگا کچھ ——— سبب باطنی و طبیعی جو کچھ بھی ہوں، علامات و آثار کا خلاصہ بس یہی ہے۔

جن اور بھوت، آسیب و خبیث کے افسانے پارینہ ہوچکے، جہلا میں پرانی ہوگئیں۔

اس دور میں جام اور ہے مے اور ہے جم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

— اب آسیبی خلل "نئے نئے ناموں سے پڑنے لگے۔ لوگوں کے دماغ نئی نئی اصطلاحوں کے ماتحت بگڑنے لگے۔ بدحواسیاں، خود فراموشیاں [illegible]

انھیں سب کے جھٹلاتے ہوئے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ "ترقی" ہم مسلمان جبھی کر سکتے ہیں، جب بے تکلف سودی کاروبار شروع کردیں، اور بینک کھولنے لگیں۔ دوسرے فرماتے ہیں، کہ جب تک ہم اپنی عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش، سینہ بسینہ لاکھڑا نہ کرینگے، ترقی کے دوڑ میں کسی قوم سے بازی لے ہی نہیں جا سکتے۔ تیسرے صاحب کا ارشاد ہے کہ اصل چیز دولت کی صحیح تقسیم ہے، جب تک سوشلزم کی بنیاد پر ملت کی از سر نو تنظیم نہیں کرتے، ہم مسلمان پنپ نہیں سکتے۔ چوتھی سمت سے صدا بلند ہوتی ہے کہ قومی فلاح کا راز "ضبط تولید" ہے، سلسلۂ توالد بند کرو، اور اپنی عورتوں کو آزادی کا سانس لینے کا موقع دو۔ ایک اور صاحب کی تبلیغ ہے کہ زندہ رہنا ہے، تو زندہ قوموں کا رسم الخط اختیار کرو، اپنے نستعلیق و نسخ پر خط نسخ کھینچ دو، اور لاطینی حروف بائیں سے داہنی طرف لکھنے شروع کردو۔ ایک اور بزرگ کا وعظ ہے کہ ہمیں روایت حدیث نے تباہ کر ڈالا، اسلام دینے رہنا اور اسلام پر قائم رہنا ہے، تو بخاری اور مسلم کے دفتروں کو آگ لگا دو ——— یہ سب اگر طبی اصطلاح میں "ہسٹیریا" نہیں تو اور کیا ہے؟ خوش اعتقادوں کی زبان میں اگر آسیب زدگی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ مال اور مالتھس، مزدک اور مارکس، دور نو کے نئے عفریت جس طرح افراد کے سر پر آجاتے ہیں، اُسی آسانی کے ساتھ قوموں اور جماعتوں کو بھی پچھاڑ لیتے ہیں۔ اور "روشن خیالی" اور "تجدد نوازی" "سوشلزم" اور "کمیونزم" کی بیماریاں جس طرح افراد و اشخاص کو توڑ دیتی ہیں، اسی طرح یہ وبائیں پوری پوری آبادیوں کی آبادیوں میں بھی پھوٹ پڑتی ہیں، اور دیکھتے دیکھتے قوم کی قوم کو تباہ کرکے رکھ دیتی ہیں۔ ترکیہ ان بلاؤں کا شکار ہوچکا، مصر انکے آگے جھک گیا، ایران ان میں مبتلا ہوچکا، عراق، شام، فلسطین، [illegible]

اس وقت دنیوی حاکم کیوں پیچھے رہ جاتے ؟ دوسری لنگڑی بگڑی زخمی خود کیسے کے بعد انگلستان میں ظلم و تغلب کے الزامات لگے، اور خیانت کے جو مقدمات [illegible] ان پر حیرت کی بات ہی کون سی رہ جاتی ہے ؟

ترقی کا معیار

"لندن ۳۰ - نومبر - امریکہ میں انتخاب صدارت کا جوش جنون اپنے پورے زور پر ہے .... مسٹر روزویلٹ کے فریق نے فریق مقابل کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ مسٹر ولکی جس میٹنگ میں جو پہنچے، اُنکا استقبال گندے انڈوں، ٹماٹروں، اور اسی قبیل کی دوسری گولیوں گولوں سے کیا گیا.... مسٹر ولکی ۳۰ ہزار میل کا دورہ کر چکے ہیں، ۵۰۰ جلسوں میں تقریریں کر چکے ہیں، اور اندازہ ہے کہ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ انسان اُنکی تقریریں سُن چکے ہیں۔" (رپورٹر)

سیاسی حریف کی تقریر کے وقت اُس پر گندے انڈوں اور ٹماٹروں اور مثل اسکے دوسری "گولیوں گولوں" کی بوچھار کرنا دنیا کے مہذب ترین ملک کی تہذیب کا کمال ہے! غریب ہندوستان ترقی کے اس معیار سے ابھی کتنا پست ہے؟ ——— اور پھر اپنے ہی انتخاب کے لیے تیس تیس ہزار میل کا سفر کر ڈالنا، اور مدح خود کے موضوع پر پانچ پانچ سو جلسوں میں تقریر کرنا، غریب مشرقی یہ ہمت اور یہ حوصلہ کہاں سے لا سکتا ہے!

پردہ کی ناگزیری

عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں ایک مقرر نے کہا کہ پردہ کی رسم جو ابتک باقی ہے، اسکے ذمہ دار خود ہمارے نوجوان لڑکے ہیں۔ زبان سے تو یہ لوگ جلسوں میں پردہ کی برائیاں کرتے ہیں، لیکن عمل سے پردہ کے دستور کو زندہ کیے ہوئے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ اسی شہر میں سودیشی نمائش کھلی ہوئی تھی، وہاں ہر حیا و شرم کی دکان پر جہاں ادھر کوئی لڑکی پہونچی، بس اُدھر سے نوجوان لڑکوں نے بھی اُسے آگھیرا۔ دوکان پر لڑکیوں کا اپنی عزت و آبرو بچا کر ٹھہرنا ناممکن تھا۔ پردہ خود بخود اُسوقت ٹوٹ جائیگا جب عورتوں کو اطمینان ہو جائے کہ اُنکی عزت محفوظ رہیگی۔

تقریر کرنے والے، یو۔پی کے مشہور ہندو قومی کارکن تھے، اور موقع تقریر الہ آباد کی ایک مشہور درسگاہ کا سالانہ اجلاس تھا۔ مقرر پردہ کے حامی ہرگز نہیں، خود پردہ شکن ہیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ مردوں کا خصوصاً نوجوانوں کا طرز عمل عورتوں کو پردہ پر مجبور کیے ہوئے ہے ——— سوال صرف اتنا ہے کہ یہ مجبوری صرف عارضی و مقامی ہے؟ مردوں کی یہ فطرت کیا کسی خاص شہری آبادی کے ساتھ مخصوص ہے؟ "آزادانہ اختلاط" کے نتائج کسی خاص حلقہ کے اندر محدود ہیں؟

علم الحیات کا فتویٰ

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک غیر مسلم استاد [illegible] سی، ایک نامور مغربی محقق حیاتیات [illegible] کو نر و مسکر کا مادہ منویہ [illegible]

کے ہوتے ہیں، ایک قسم کے وہ جرثومے سرگول ہوتے ہیں، اور اُن سے زنانی جنین کی تخلیق ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جرثومے سرنوک دار ہوتے ہیں، ان سے رحم مادر میں جنین مردانی تیار ہوتی ہے۔

یہ لیجیے، یہ سائنس والوں نے بھی شاید قسم کھا رکھی ہے کہ جو بات کہینگے "تجدد" کے خلاف ہی کہینگے! ابتک تو "تجدد پسندوں" کا دعویٰ صرف اتنا ہی تھا کہ بچہ اور بچی، لڑکا اور لڑکی اپنے وقت پیدائش ہی سے ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز ہوتے ہیں، اور اس لیے دونوں کے قوٰی کا نشو و نما بھی الگ الگ خطوط پر ہوتا ہے، اور قدرۃً دونوں کے دائرۂ عمل عمر بھر ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں۔ بیالوجی کا یہ نیا فتویٰ کہاں سے نکل آیا، کہ دونوں جنسوں میں افتراق و امتیاز کی بنیاد پیدائش کے وقت سے نہیں، اس سے بھی قبل سے پڑ چکتی ہے! دونوں کی جنسیت بھی جداگانہ ہوتی ہے! دونوں میں امتیاز رحم مادر سے قبل، صلب پدر ہی سے شروع ہو جاتا ہے!

مسالک انکار حدیث

کیمبل پور (پنجاب) سے ایک کرمفرما تحریر فرماتے ہیں :-

"۲۸ اکتوبر کے صدق میں مسند لطور خ اسلام پر [illegible] دہلی کے ایک گرمجوش کرمفرما کی تحریر اور اس پر آپ کا نوٹ نظر سے گزرے .... افسوس ہے کہ آپ کا نوٹ اطمینان کا باعث نہیں ہوا بلکہ آپ کی تحریر کی روشنی میں جو اعتراضات پیدا ہوتے ہیں وہ اور زیادہ [illegible] ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "غنیمت اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ پڑھکر دل کو وہ تکلیف نہیں ہوئی کہ جو اس سے قبل کے بعض نمبروں میں تنقید حدیث پڑھکر ہوئی تھی" اسکا صاف مطلب مدعا یہ ہوا کہ جو چیز آپ کے یا آپ کے رتبہ کے اصحاب کے دل کو کم تکلیف دہ ہو وہ دینی مستحق رعایت و اجر ہے۔ یہ تو مسلم ہے کہ توبہ و اصلاح عمل کے بعد انسان اجر و رعایت کا مستحق ٹھہرتا ہے، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ [illegible] لفظی کے باعث بھی انسان رعایت و اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "آپ از رسول اللہ صلعم کے قول و عمل سے قطع نظر کر لینا [illegible] شاخ پر بھی نہیں دین کامل کی جڑ پر ضرب لگانا ہے" کیا اس ضرب کے بعد بھی کسی کی اسلامی خدمات رعایت و اجر کی مستحق ٹھہرتی ہیں تو کیسے؟ اور حبط عمل کا قانون اگر ایسی حرکت پر بھی نافذ نہیں ہوتا، تو پھر اس کا نفاذ کس وقت آتا ہے؟"

دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے بدعقیدگی، روش و مسالک کی غلطی، گمرہی۔ دوسری چیز ہے بدزبانی، اشتعال انگیزی، بےتمیزی۔ دونوں کے احکام جداگانہ ہیں۔ افسوس بدعقیدگی پر ہوتا ہے، اور دل کڑھتا ہے۔ غصہ زبان درازی پر آتا ہے، سب و شتم اور انکار نبوت رسول دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور فقہائے حنفیہ نے اپنی تفقہ و بصیرت و دقت نظر سے اس فرق کو خوب ملحوظ کر لیا ہے۔ قرآن مجید نے [illegible]

توبہ کی آیت وطعنوا فی دینکم کی تفسیر کے ضمن میں ان شاء اللہ اسکی وضاحت کردی جائیگی۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص عقیدہ کی غلطی میں مبتلا رہے۔ لیکن پہلی تحریر میں کا دلاز، وہ نگزارش طرز ابدکو بدل دے۔ ایسی صورت میں اسکے سوالوں کا کیا جاسکتا ہے کہ بعد کی تحریریں غنیمت اور نسبتاً کم تکلیف دہ ہیں؟

حبط عمل کا خطرہ اور اندیشہ یقیناً قائم ہے۔ لیکن جس کا مومن ہونا دوسرے دلائل وشواہد سے ثابت ہو، اسکے لیے تاویل اگر وہ تاویل ضعیف ہو اور حسن ظن کی گنجائش ہر حال باقی ہے۔ حبط عمل کا دارومدار کاذ قانون پر ہے، اور اس ذی سوال کی تہیں میں گفتگو ہو سکتی ہے۔

خلافت کمیٹی کی یاد

گزشتہ جنگ کے دوران میں مسلمانان ہند نے ایک ادارہ قائم کیا تھا جسکے ذریعہ سے ان ممالک اسلامیہ کی بیش قدر خدمات انجام دی گئی تھیں جو شکست جنگ کی لپیٹ میں آگئی تھیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اسے پھر زندہ کریں۔ اور اسی عبارت یعنی تحریک خلافت کا احیاء کرکے اسے اس قابل بنادیں کہ وہ ایک بار پھر جوش وخروش کے ساتھ ممالک اسلامیہ کی خدمت کرے۔ گو علی برادران جیسی عظیم المرتبت ہستیاں ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن اسلام تو زندہ ہے، اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک ایک زندہ اور خدائی قوت کی طرح باقی رہیگا۔ (ایک اخباری بیان، از سر محمد یعقوب)

اسلام کا بین الملّی تعلق قائم رکھنے کے لیے خلافت کمیٹی کی ضرورت اول روز سے تھی، اور برابر قائم ہے۔ حیرت اس پر ہے کہ اسکا احساس سرمحمد یعقوب کو اب جاکر ہوا ہے۔ البتہ سر یعقوب کو بیان دیتے وقت یہ خیال نہ آیا کہ خلیفہ، خلافت اور خلافت کمیٹی کے نام سے خود انہیں کے وطن میں کس درجہ نفرت وبیزاری ہے، اور اس قسم کے الفاظ سنتے ہی قلم تیز دم ملامت وتعریض کے کس بے پناہ جوش سے بھر جاتا ہے! — مرادآباد کی خلافت بیزاری کے جواب میں احیاء خلافت کی ہمت مرادآباد ہی کی سرزمین کرسکتی تھی! سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ لوہا ہی کاٹ سکتا ہے!

خرافات نیاز

ناسک کے ایک مشہور صاحب علم بزرگ لکھتے ہیں:

"نیاز کے خرافات عشرہ پڑھنے کا مجھے خود تو موقع ملا نہیں لیکن اب صدق ہی میں تردید کے ضمن میں اسکے سوالات پڑھ کر حیرت ہوئی، کہ یا تو وہ دیوانہ ہے یا یہ بھی اس کا مسخرہ ہے۔ ایک لطیفہ یاد آگیا۔ جب میں منطق کی ابتدائی تعلیم پا رہا تھا، اور مغالطۂ عامۃ الورود کی تقریر پڑھی، تو تمثیلاً میں نے بھی مختلف سوالات بنا رکھے تھے۔ اور لوگوں پر اس کی مشق کیا کرتا۔ پوچھتا کہ تم دیکھتے ہو یا تمہاری آنکھ؟ اگر یہ کہتے ہو کہ تم نہیں دیکھتے بلکہ تمہاری آنکھ دیکھتی ہے، تو تم اپنے منہ سے اندھے ثابت ہوئے، اسلیے کہ جو نہیں دیکھتا یہ کہتے ہو کہ تم ہی دیکھتے ہو تمہاری آنکھ نہیں دیکھتی، اسی کو تو اندھا کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نیاز جس مغالطہ سے کلام اللہ کا کلام اللہ نہ ہونا نکالنا چاہتا ہے، اس سے تو خود نیاز کے بھی وجود سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہتا تو ہاتھ ہے اور ہاتھ نیاز نہیں ہے۔ پس جو کچھ نیاز کے نام سے لکھا ہوا ہے، نیاز کا لکھا ہوا نہیں ہے، مگر اس سے زیادہ احمق تو اسکے معتقدین ہیں۔ اور مولانا حالی کا شعر حق ہے ؎

دنیا طلب کو چاہیے ابلہ فریب ہو
دنیا پہ جب تک کہ مسلط ہے ابلہی

آپ نے آخر میں مولانا سید سلیمان سے بھی لکھوا چھوڑا لیکن کیا یہ خرافات کسی جواب کے بھی مستحق تھے؟ اگر دنیا اتنی احمق ہوچکی ہے کہ نیاز کے خرافات کو صحیح العقل انسان کا کلام سمجھتی ہے تو "ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہیے!"

قماربازی بطور عبادت

"آج دیوالی کے دن جوا کھیلنا مبارک ہے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ آج ہی کے دن شیوجی نے اپنی بیوی پاربتی سے جوا کھیلا تھا، اور اپنی ساری پونجی ہار بیٹھے تھے اور آج ہی تمام دیوتاؤں مثلاً شیوجی، پاربتی، کارتک، گنیش، نارد، راون وغیرہ نے قماربازی کی ہے۔ شیوجی آج ہی پانسہ کے قالب میں ظاہر ہوئے ہیں اور پاربتی نے آج کے دن جوا کھیلنے والوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے۔ انسان کی دنیوی زندگی کے اعمال ومشاغل کو جزء کرکے اور میں کیا؟ اور آج کے دن جوے کو مبارک قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے اعمال اور افعال میں زیادہ محتاط مستدین رہے۔"

اقتباس ایک ہندو فاضل کے ایک مضمون سے ہے، جو دیوالی اور اسکے فلسفہ پر ۲۹۔ اکتوبر کے ایک انگریزی روزنامہ میں شایع ہوا تھا۔ اپنے پڑوسیوں، ہموطنوں کی "مذہبی" زندگی آپ نے دیکھ لی؟ قماربازی جائز ہی نہیں، فلاں سالانہ تقریب کے موقع پر متبرک ومستحسن ہے! اور سند یہ ہے کہ بڑے بڑے رشی اور سادھو اور مہاتما کس گنتی میں ہیں، خود بڑے بڑے دیوتاؤں، دیویوں اور خداؤں نے اس دن جوا کھیلا ہے! اور اس تعلیم کو برحق ماننے والی کتنی بڑی تعداد پڑھے لکھوں کی آج بھی موجود ہے! یہ اسلام ہی کا قانون ہے جس نے اس مقبول ومطبوع رسم کو بے دھڑک حرام قطعی قرار دیدیا!
—— اس مثال اور اس قبیل کی بیسیوں اور پچاسوں دوسری مثالوں کے بعد بھی یہ کہنا کچھ غلط ہے، کہ اسلام ایک مستقل جہاد ہے، اور ایک مستمر نعرہ انقلاب ہے دنیا کے تمام دوسرے مذاہب وادیان کے خلاف؟

بزم ہمدردان صدق

جناب مجید علی صاحب (پتہ تو لکھا ہی نہیں، نام بھی صاف سے پڑھا نہیں گیا)

کلام اللہ

(از جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

(۲)

۱- الہام والقاء - یعنی آواز اور قاصد کے بغیر وہ بجز و بلا واسطہ وہ قلب میں ڈال دیتا ہے، یا یوں کہیے کہ وہ اس علم کو قلب میں ڈال دیتا ہے، یا یوں کہیے کہ وہ اس علم کو قلب انسانی میں پیدا کر دیتا ہے اس احادیث میں "نفث فی الروع" کہا گیا ہے۔

۲- دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پردہ کے پیچھے سے یعنی غیب سے کوئی آواز آتی ہے، جسکو نبی سنتا ہے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا۔

۳- تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ یا قاصد الٰہی نبیوں کے پاس خدا کا پیام لیکر آتا ہے، اور وہ انکو سکھاتا اور بتا جاتا ہے، یا قلب میں اتار جاتا ہے۔

نکتہ - آیت بالا کا اخیر ٹکڑا جس میں اللہ تعالیٰ کی رفعت شان اور حکمت بینی کا ذکر ہے اس موقع پر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کی بلندی اور علو و رفعت تو اس کی مقتضی ہے کہ کسی بشر کی مجال نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسکو اپنے کلام کا شرف بخشے کہ وہ علی ہے لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لیے اس کی حکمت اور مصلحت کا اقتضا یہ ہے کہ بندوں کو اپنے علم کی اطلاع بخشے۔ اس لیے اس نے اپنی رفعت اور بلندی کے باوجود بمقتضائے حکمت، وحی کے یہ تین طریقے پیدا کیے جنکے ذریعہ وہ اپنے علم و مشیت سے بندگان خاص کو آگاہ فرماتا ہے۔

احکام الٰہی وحی کے ان تینوں طریقوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوے ہیں۔ یعنی وحی بلا آواز و واسطہ۔ اور وحی بآواز غیب، اور وحی بذریعہ قاصد و فرشتہ۔ چنانچہ قرآن پاک میں انھیں آیتوں کے بعد اُن سے متصل ارشاد ہے

وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلنہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا۔ (شوریٰ)

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے دین کی روح (قرآن) وحی کی تو پہلے جانتا بھی نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا چیز ہے۔ لیکن ہم نے اسکو روشنی بنایا ہے جس سے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں

یہ آیت وحی کے اقسام ثلاثہ کو جامع ہے (تفسیر روح المعانی میں ایک قول)

اب خاص قرآن پاک کی نسبت آیتیں ملاحظہ ہوں۔ سورۂ بقر میں ہے:-

قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ۔ (بقرہ)

کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (تو وہ ہو) اس سے قرآن کی صداقت پر حرف نہیں آتا کیونکہ اس نے (اے محمدؐ) تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس قرآن کو اتارا ہے۔

وانہ لتنزیل رب العالمین

یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے

نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (شعرا)

اترا ہے اسکو روح الامین (فرشتہ) لیکر تیرے قلب پر اترا۔ تا تو عربی زبان میں خدا کا ڈر سنانے والوں میں سے ہو۔

واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرہم لا یعلمون۔ قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق (نحل ۱۴)

اور جب ہم ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم رکھتے ہیں اور خدا زیادہ جانتا ہے جسکو وہ اتارتا ہے تو یہ کافر کہتے ہیں کہ تو خدا کے نام سے بنا کر لاتا ہے (خدا پر افترا کرتا ہے) یہ لوگ جاہلیت سے ایسا کہتے ہیں (اے رسول) انکے جواب میں کہ کہ روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ اسکو اتارا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے

فاستمع لما یوحیٰ (طٰہٰ) — جو وحی کیا جاتا ہے اس کو سن۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ربانی ہے

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ (قیامہ)

اپنی زبان کو اس غرض سے قرآن کے الفاظ کو جلد حرکت مت دے کہ اسکو جلدی سے لے لے۔ ہم پر ہے اسکا یاد کرانا اور پڑھانا۔

ان تمام آیتوں سے ظاہر ہے کہ قرآن پاک فرشتۂ الٰہی کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ کے قلب مبارک پر اترا اور گوش مبارک میں بھی آیا۔ اسکے معلومات کا سرچشمہ انسانی تعصص قرآنی کی نسبت ہم کو کہنا ہے کہ کیا قرآن پاک اسکا ماخذ یہود و نصاریٰ کی سنی سنائی باتوں کو قرار دیتا ہے یا فیضان الٰہی اور تعلیم ربانی کو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے شروع میں ہے:

انا انزلنہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون۔ نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ہذا القرآن وان کنت من قبلہ لمن الغافلین (یوسف)

ہم نے قرآن کو عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھو۔ ہم تم کو اچھی طرح بیان کر کے ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں کہ ہم نے تمہاری طرف قرآن کو وحی کیا ہے اور تم اس سے پہلے ناواقف تھے۔

ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک

یہ غیب کی باتوں میں سے ہے، ہم تمہاری طرف اسکو وحی کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ہے:-

وما کنت ثاویا فی اہل مدین تتلوا علیہم ایاتنا ولکنا کنا مرسلین وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوما ما اتہم من نذیر من قبلک لعلہم یتذکرون (قصص)

اور تو مدین کے رہنے والوں میں سے نہ تھا اُن پر تو ہماری آیتوں کو پڑھتا تھا لیکن ہم ہیں بھیجنے والے، اور تو طور کے کنارے نہ تھا، جبکہ ہم نے پکارا، لیکن تیرے پروردگار کی رحمت سے تاکہ تو اُس قوم کو ڈرائے جسکے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تجھ سے پہلے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

اسی قصہ کے موقع پر خدا فرماتا ہے

نتلوا علیک من نبا موسیٰ وفرعون بالحق (قصص)

ہم موسیٰ اور فرعون کا قصہ سچائی کے ساتھ تم کو سناتے ہیں۔

حضرت مریم کے قصہ میں ہے،

ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک وما کنت لدیہم اذ یلقون اقلامہم (آل عمران ۵) — یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم اسکو تمھاری طرف وحی کرتے ہیں اور تم جب وہ لوگ اپنے قلم (قرعہ کے لیے) ڈال رہے تھے اُنکے پاس نہ تھے۔

دیکھا کہ قرآن پاک نے اپنے قصص کا ماخذ انسانی ذرائع کو نہیں بلکہ علم الٰہی سرچشمہ علم، و غیب کی طاقت کو بتایا ہے۔

آخر میں ہم ایک مسلمان کی عبرت کے لیے مولانا شبلی مرحوم کی کتاب سے ایک بیان نقل کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک زبردستی کے مسلمان نے جو بات کہی ہے وہ حرف بحرف عیسائیوں سے ماخوذ ہے اور اس کا جواب ایک جرمن کے مسلمان سے بہتر ایک نومسلم فرنچ نے دیا ہے:

"عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی کہ آنحضرت پڑھے لکھے تھے توراۃ اور انجیل سے واقف تھے اور یہ بھی کہ بحیرا راہب عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت کا یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا، کیونکہ اس زمانہ کی توراۃ، و انجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تعلیم کر سکتے تھے جو خود انکا خدا تھا۔ فرانس کا مشہور نومسلم کانٹ ہنری ڈی کاستری اپنی کتاب اسلام میں لکھتا ہے "ان روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد نے عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں کے عقائد یا ان کا حاصل کیے، کچھ زیادہ دشوار نہیں، کیونکہ اس سے اہم مقامات کی تشریح ہوتی ہے جو ہمارے قرآن اور توراۃ کی آیتوں میں مضمون ہیں، لیکن پھر بھی یہ دوسرے درجہ کی بحث ہے۔ کیونکہ گو یہ فرض کرلیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہے، لیکن یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ محمد میں یہ مذہبی روح کیونکر پیدا ہوگئی، اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا جو انکے جسم و روح پر بالکل چھا گیا؟"

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے:

"یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد توراۃ اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو۔ اگر محمد نے ان کتابوں کو پڑھا ہوتا تو انکو اٹھا کر پھینک دیا ہوتا، کیونکہ وہ انکی فطرت اور وجدان اور مذاق سے مخالف تھیں۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمد کی زبان سے ادا ہونا انکی زندگی کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور رسول مامون تھے۔" (الکلام ص ۱۳۲)

آخری سوال یہ ہے کہ خود محمد رسول اللہ صلعم نے جو مخاطب کے نزدیک صادق اور راستباز تھے اس قرآن کی نسبت کیا دعویٰ کیا ہے؟ آیا یہ کہا ہے کہ وہ میری بنائی ہوئی انسانی کتاب ہے؟ یا یہ کہا ہے کہ وہ حضرت حق اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ انسانوں کو ملا ہے۔ اس بحث کے فیصلے کے لیے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا کافی ہوگا۔

قرآن پاک کا دعویٰ — کہ وہ خدا کا کلام ہے، سورۂ بقرہ میں یہود کے تذکرہ میں ہے کہ وہ خدا کا کلام سننے کے بعد اس میں تحریف کرتے تھے،

وقد کان فریق منہم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وہم یعلمون (بقرہ) — یہودیوں میں ایک گروہ ہے جو اللہ کے کلام کو سن کر پھر اس میں تحریف کرتے ہیں اسکے بعد کہ وہ اسکو سمجھ چکے اور وہ جانتے ہیں۔

کلام اللہ سے مراد ظاہر ہے کہ قرآن پاک ہے جسکو سن کر یہودیوں کا ایک گروہ اسکے لفظوں اور معنوں میں تحریف کرتا تھا، اور اسکو اپنے غلط مقصد کے مطابق بنانا چاہتا تھا، یا اسکے خلاف غیر مقصود معنی نکال کر اس پر اعتراض کیا کرتا تھا۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہاں کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے جیسا کہ یہود اسکے مطالب میں تحریف کرتے تھے۔ مگر اس سے مسلمانوں کے استدلال میں کوئی فرق نہیں آتا، کیونکہ کلام اللہ ہونے میں توراۃ اور قرآن اور تمام دوسرے صحیفۂ الٰہی برابر کے شریک ہیں۔ جو معنی ایک کے کلام اللہ ہونے کے ہیں وہی سارے صحف الٰہی کے کلام الٰہی ہونے کے ہیں۔

سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد مبارک کو کہ جو قرآن پاک میں وعدہ کی صورت میں وارد ہوا تھا کلام اللہ فرمایا ہے۔

یریدون ان یبدلوا کلام اللہ (فتح) — وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔

یعنی منافقین جو غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے وہ چاہتے ہیں کہ ارشاد الٰہی کو بدل دیں۔

۳۔ کفار اگر پناہ گزین ہو جائیں، انکو قرآن سنا کر تبلیغ کا فرض ادا کرنا چاہیے

فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ (توبہ) — تو تم اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔

۴۔ قرآن مجید کی نسبت بار بار اعلان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اترا ہے

تنزیل من رب العالمین (واقعہ۔ حاقہ) پروردگار عالم کا اتارا ہوا۔

وانہ لتنزیل رب العالمین (شعراء) یہ قرآن بیشک پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم (زمر۔ جاثیہ) غالب اور حکمت والے خدا کی اتاری ہوئی کتاب۔

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم — غالب و دانا خدا کی اتاری ہوئی کتاب

تنزیل العزیز الرحیم (یٰسین) اس غالب رحم والے کا اتارا ہوا۔

تنزیل من الرحمن الرحیم (فصلت) رحمت والے رحیم کا اتارا ہوا۔

تنزیل من حکیم حمید (") حکمت والے خوبیوں سے بھرے ہوئے کا اتارا ہوا۔

گزارش

خط و کتابت کے وقت براہ کرم نمبر خریداری حوالہ ضرور دیا کیجیے۔

نمازِ سحر

(یہ مضمون سید ظہور احمد صاحب وحشی نے اردو مجلس (دہلی) میں پڑھا)

کل شب کو جب گھر کے کسی گوشہ میں گرمی سے پناہ نہ ملی تو میں بغل در آتش ہو کر گھر کی بالائی منزل پر پہونچا تاکہ کچھ آگے بڑھ کر اور خود ذلیل سکا حوالہ دے کر نار روزمہریر کے تمالق سے عرض حال کروں لیکن اوپر پہونچتے ہی خوشگوار ہوا کے تیز جھونکوں نے مجھے گھیر لیا۔ میری زبان بند کر دی اور میں نے دیکھا کہ دل شکایتوں کی بجائے شکرگزاریوں سے لبریز ہے۔ کیا شان ہے اس کی۔ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون۔ ہواؤں کا رخ پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان تابع فرمان ہیں اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔ من بعد ما قنطوا (جب بندے بارش سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ جل فضل بھر دیتا ہے)

میں آسمان کے اطلسی سائبان کے نیچے ایک پلنگ پر جو مجھے دعوت آرام دے رہا تھا لیٹ گیا۔ ہوا کا کوئی جھونکا بھلے لگنے سے سہلانے لگا اور کوئی انتہائی لطافت کے ساتھ سر دبانے لگا۔ طبیعت میں اعتدال پیدا ہوا۔ اعصاب نے سکون محسوس کیا۔ آنکھیں دن بھر کے نظاروں سے آسودہ ہو کر بند ہونے لگیں۔ عروس خواب جو اکثر مجھ سے روٹھی رہتی ہے آغوش کھول کر میری طرف بڑھی۔ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں رفتہ رفتہ راحت کے سمندر میں ڈوب گیا۔ عرش کی بلندیوں سے کسی نے مسکرا کر کہا جیلانی تو کم سباتا (ہم ہیں کہ ہم نے تمھیں خواب شیریں کی لذت عطا کی ہے)

چھ سات گھنٹے میں نے رات کی تاریکیوں اور خواب کے پردوں میں گزارے تھے کہ قریب کی مسجد سے موذن نے بیداری کا صور پھونکا میں تو لیٹا رہا لیکن یہ آواز سن کر دل میں ایمان کروٹیں بدلنے لگا۔ عقل کہتی تھی کہ جاگ مگر نفس کہتا تھا کہ سو۔ خواب اور بیداری میں زور آزمائی ہو رہی تھی کہ موذن کی زبان سے ایک تیر نکلا جس نے اس جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ اس نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) یہ الفاظ میرے دل میں در آئے اور دل نے خون کے ساتھ ساتھ ان کی روح کو میرے رگ و پے میں دوڑا دیا۔ میں نے جی میں کہا "نماز نیند سے بہتر ہے" نیند کی کیا حقیقت ہے ایک سجدۂ برگزیدہ، ایک زاری مقبول اور ایک یا رب مستجاب تمام کائنات سے بہتر ہے۔ ان خیالات سے دل میں ایک طرح کا سوز و گداز پیدا ہوا۔ نے کو اپنا نیستان یاد آیا۔ بچھڑے ہوئے قطرے نے تمنا کی کہ سمندر سے جا ملے۔ دانہ اپنے خرمن کی پناہ ڈھونڈنے لگا اور پھول کو آرزو ہوئی کہ ایک بار اور اپنے چمن کی شاخوں میں جھولا جھولے۔ بندے نے اپنے معبود کی طرف ایک کشش محسوس کی۔ میری بند آنکھیں بیتابانہ کھل گئیں۔ سامنے آسمان تھا — میں نے پھولوں کی پتیوں پر شبنم کے نگینے مشاہدہ کیے ہیں میں نے

مینا کار زیوروں پر ہیرے کے دہکتے ہوئے انگارے دیکھے ہیں ماہ وشوں کی عرق آلود پیشانیاں میری نظر سے گزری ہیں اور میں نے اندازہ کیا ہے کہ بلوریں گردنوں میں نصیرہ کے موتی کیسے بھلے دکھائی دیتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس وقت آسمان مجھے ان سب سے زیادہ پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ اُف وہ اُس کا ہلکا آبی رنگ اور وہ اُس کے درخشاں ستارے اور اُف گھٹتے ہوئے چاند وہ خط سیمیں حتیٰ عاد کالعرجون القدیم (چاند گھٹ کر کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے) میں نے ستاروں کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولے اب ہم آنکھیں بند کرتے ہیں تم آنکھیں کھولو۔ یہ کہتے کہتے وہ رات کی تاریکیوں میں ڈوبنے لگے۔ نور و ظلمت نے مخلوط ہو کر ایک عجیب سماں پیدا کر دیا۔ میں نہیں جانتا کہ فضا میں پریاں تھیں یا ہوا کی لہریں لیکن فضا میں کوئی مستانہ انداز کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ رات کا مزاج بدل گیا تھا۔ مشاطہ کا ذکر ہو رہی تھی۔ اب جھونکوں کی زبان پر "سو جا" "سو جا" کی لوری نہ تھی بلکہ "جاگو" "جاگو" کا ترانہ تھا۔ رات کے سیاہ پردہ سے نکل کر صبح اپنا سر اٹھا رہی تھی یا کسی کالے پہاڑ کے دامن میں ایک حور کھڑی مسکرا رہی تھی۔

آسمان سے زمین تک نور ہی نور تھا۔ ہر چیز میں روح تھی، ہر روح میں تازگی تھی۔ اس وقت دنیا کے باغ باغ نہ تھے عبادت خانے تھے۔ بلبل اذان دے رہی تھی۔ شبنم وضو کرا رہی تھی۔ سرو و صنوبر سبز عبائیں پہنے چمن کی امامت کر رہے تھے۔ گلاب قیام میں تھا یاسمین رکوع میں تھی۔ ننھے پودے خود رو اور سبزہ اپنے مصلے پر سر بسجود تھا۔ پتوں کی زبان پر تسبیح و ذکر تھا۔ بیل بوٹے اس کی تعریف میں تر زبان تھے۔ غنچہ و گل وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کے ترجمان تھے۔ کانٹے انگشت شہادت اٹھائے ہوئے تھے۔ انگور نہ تھے تسبیح کے دانے تھے۔ انجیر کے اوراق قدرت کے افسانے تھے۔ والنجم والشجر یسجدان۔ یسبح لہ ما فی السموٰت والارض۔

آسمان نے خرق والتیام کی بحث سے بالاتر ہو کر اپنے دروازے دروازے کھول دیے۔ نور کے پیکر نور کی جھولیوں میں رحمتوں اور برکتوں کے تحائف لیے ہوئے زمین پر اترے لیکن یہ تحائف اُن لوگوں کے لیے تھے جو پہلے سے آس لگائے اور دامن پھیلائے بیٹھے تھے۔ جو سو رہے تھے وہ اپنا حصہ کھو رہے تھے۔ ہر طرف روزیاں تقسیم ہو رہی تھیں تندرستی کے خلعت عطا کیے جا رہے تھے۔ نشاط اور شگفتگی کی لوٹ تھی۔ خوشی کے پھول پھیلے ہوئے تھے اور دامنوں میں گر رہے تھے۔ نسیم کو حکم تھا کہ دل و دماغ میں تازگی پیدا کرے۔ درختوں کو ہدایت تھی کہ اپنے آکسیجن سے اعصاب میں نئی روح دوڑائیں۔ روزگار بناؤ سنگار میں مصروف تھا۔ دنیا سنور رہی تھی، کائنات نکھر رہی تھی۔ اوج فلک پر رحمت کے فرشتے اونچے سُروں میں گا رہے تھے اور کرۂ ارض کو یہ پیام جانفزا پہونچا رہے تھے کہ سلام ہی حتیٰ مطلع الفجر۔

ہر منظر ایک بہار تھا۔ ہر آواز ایک نغمہ تھی۔ ہر موج ہوا شکیبا رہی تھی۔ ہر لمس میں لطافت تھی اور ہر ذائقہ میں حلاوت تھی۔ فردوس کے دریچے کھلے ہوئے تھے۔ حواس آرمیدہ روح بالیدہ۔ ایک عالم تھا کہ الفاظ میں نہیں سما سکتا۔ اور آفرینش کی رعنائیوں کا ایک مرقع تھا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔

میں اُٹھا مگر اس طرح جیسے کوئی ساغر و مینا سے سرشار ہو کر اٹھتا ہے، میں چلا مگر اس طرح جیسے ایک آہو سے رمیدہ بچ بچ کر چلتا ہے۔ ناسوتی کثافتیں دور ہو رہی تھیں۔ ملکوتی لطافتیں محسوس ہو رہی تھیں۔ میں وضو کے لیے مخصوص ہونے کے بعد اب جمنا کا پانی نہ تھا۔ آب زمزم تھا، آب کوثر تھا جو خاک کو عالم پاک کی ہمسری عطا کرتا ہے۔ میں ہاتھ پاؤں پر پانی بہا رہا تھا لیکن روح دھوئی جا رہی تھی۔ ظاہر کی آب باطن کو تاب دے رہی تھی۔ یہ وضو کی کرامت تھی۔

میں تا بہ امکان ظاہر کو آراستہ اور باطن کو پیراستہ کر کے جانماز پر آیا۔ اور فیروزی قربان کی سیدھ باندھی۔ بناء خلیل کا رخ کیا۔ حجاب کھنچ رہی تھیں، حجابات اٹھ رہے تھے۔ کعبہ اپنے سیاہ غلاف میں میرے سامنے تھا، مگر آج دل کو مکان کی تمنا نہ تھی مکیں کی آرزو تھی، مسجد کی تلاش نہ تھی مسجود کی جستجو تھی۔ نیتم و بہ اللہ۔ آزمائش کیجیے کہاں سکتے تھے کہ "اجیب دعوۃ الداع" کا امتحان لیںگے۔ شک کی بنا پر نہیں لیطمئن قلبی۔ میں نے تکبیر کہہ کر اذن باریابی حاصل کیا۔ بال بال کی زبان پر ارنی تھا، لیکن جبروت و جلال اور سطوت و کبریا کا یہ عالم تھا کہ نگاہیں سجدہ گاہ پر جم کر رہ گئیں۔ میری قدرت میں نہ تھا کہ ذات لایزال و لم یزل اور ہستی لم یلد و لم یولد کی طرف نظر اٹھاؤں۔ ہاں یہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کی ہستی نظر سے بیگانہ تھی مگر دل آشنا تھا۔ بے نقابی نقاب کا کام دے رہی تھی، شدت ظہور خفا بن گئی تھی۔ کثرت نور نے ایک ظلماتی پردہ حائل کر دیا تھا۔ صفات حجاب در حجاب ذات آفتاب زیر سحاب تصور پا شکستہ۔ تخیل تہی دامن۔ قیاس سرگرداں، وہم و گماں درماندہ، چون و چرا خود فراموش اور کیف و کم خاموش تھے۔ تحیر کار فرما۔ بیخودی طاری۔ خواب بشکل بیداری۔ زیر و بالا اور یمین و یسار انوار ہی انوار۔ میں نور کے تموج میں گم تھا کہ یکایک دل کو جنبش ہوئی۔ تمام قویٰ نے گویائی کو ترجمان بنایا۔ بے اختیار زبان پر آیا سبحانک اللھم وبحمدک میں نے بہ تقاضائے لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علیک (میں تیری وہی ثنا کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے تجویز کی ہے) قرآنی الفاظ میں اس کی حمد و ثنا کی۔ اس کے بعد دنیا و عقبیٰ کے متعلق کچھ التجائیں تھیں جن کو میں نے عجز و ادب کے ساتھ پیش کیا۔ پھر مجھے روح میں ایک خاص حرکت محسوس ہوئی۔ کچھ تھا جو میرے دل پر چھا گیا۔ زبان میری تھی لیکن الفاظ میرے نہ تھے۔ آواز میری تھی مگر بولنے والا کوئی اور تھا۔ ایک محویت۔ ایک کیفیت اور ایک حالت طاری ہوئی۔ رگ رگ میں عبدیت کا اضطراب رونما ہوا اور میں قیام سے رکوع میں آیا۔ تمام اعضا کو مصروف طاعت دیکھ کر سینہ ہم فی ہو، جو ہم کی یاد آئی۔ میں نے انتہائے عجز و ادب کے ساتھ سجدہ گاہ پر پیشانی رکھ دی۔ دل کی گہرائیوں سے تسبیح کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس وقت میرا سراپا الا لیعبدون کی تفسیر تھا۔ پیشانی زمین پر اور زمین عرش پر تھا۔ رحمت پشیمانیوں کو گلے لگا رہی تھی، مغفرت شان کرم دکھا رہی تھی۔ عجز و فروتنی کا یہ منظر بندگی کا موثر مظاہرہ تھا۔ معبود حقیقی کی بارگاہ میں بندہ سربسجود تھا۔ فرشتے اس زاری و مسکنت سے متاثر تھے اور سارے مسحور۔

دو بارہ یزدی کی یہ حاضری چند لمحے قائم رہ کر سلام و رحمت کی شکل میں ختم ہو گئی میں لگا ہر چند جہاں تھا وہیں تھا لیکن محسوس کر رہا تھا کہ حریم قدس کے دروازہ پر ہوں۔ میں ٹھہر گیا۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ دل پر ایک کیفیت طاری ہی۔ آنکھوں سے آنسو جاری۔ میرا تبارک الذی بیدہ الملک سے کچھ مانگ رہا تھا۔ میں اللہ الغنی وانتم الفقراء کے سامنے دامن پھیلا رہا تھا۔ میں ھو رب الغفور سے طالب مغفرت تھا۔ ایک تشنہ لب سمندر سے ایک بوند کا طلبگار تھا۔ اور ایک افسردہ دل بہار جاوداں سے ایک پنکھڑی کا خواستگار تھا۔ بہرحال یہ دعوت مختصر بھی اختتام کو پہنچی۔ اب آسمان و زمین کی دلفریبیاں ایک ایک کر کے رخصت ہو چکی تھیں۔ شبنم کی آب پاشیوں سے جو لوگ بیدار نہیں ہوئے تھے ان کے لیے آگ کی چنگاریاں لے کر آفتاب آ پہنچا تھا۔ مشرق سے شعاعوں کے لاٹھے تازیانے نمودار ہو رہے تھے۔ تاکہ لوگ بستر چھوڑ کر اور آسائش سے منہ موڑ کر دنیا کے کاموں میں مصروف ہو جائیں۔ میں بھی قطرات شبنم کی طرح اپنی لطافتوں کی دنیا سورج کی کرنوں میں گم کیے ہوئے نیچے اتر آیا۔ افسوس وہی گھر کے در و دیوار، وہی دماغ وہی افکار۔ لیکن اس "معراج سحری" کا اثر ہنوز دل میں محسوس کر رہا تھا۔ (منادی)

ماہنامہ "الفرقان بریلی" کا

ولی اللہ نمبر

جو $\frac{۲۲\times۲۰}{۸}$ سائز کے تین سو سے زیادہ صفحات پر ان شاء اللہ آخر دسمبر میں شایع ہوگا

متعدد مشاہیر اہل قلم و ارباب تحقیق نے بھی اس نمبر کی تیاری میں خاص حصہ لیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے تجدیدی کارناموں، الہامی نظریوں اور آپ کے انقلاب انگیز فلسفہ کے متعلق اس نمبر میں قریباً بیس مشاہیر اہل قلم اور ممتاز علماء کرام کے بصیرت افروز فاضلانہ مقالے ہیں جن میں سے ہر ایک میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کے کسی نہ کسی اہم پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت مولانا گیلانی مدظلہ کا مقالہ سوا سو صفحات پر ہے۔ جس کا عنوان ہے "اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں خدا کا ایک وفادار بندہ" مقالہ کیا ہے ایک سوختہ دل کا نالۂ نیم شبی ہے جس میں زوال حکومت مغلیہ کی پوری تاریخ کے پہلو بہ پہلو حضرت شاہ صاحبؒ کی مجددانہ جدوجہد کی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور آجکل کے ہندی مسلمانوں کے لیے کام کا پورا نقشہ بھی کھلا دیا گیا ہے۔ نیز شعرائے کرام کی کیف آور نظمیں اور حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی بعض نہایت اہم اور تاریخی تحریرات کے فوٹو بھی اس نمبر میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

کثرت اشاعت کے لیے قیمت ڈیڑھ روپیہ (ع۱) رکھی گئی ہے لیکن الفرقان کے مستقل خریداروں سے اس کی علیحدہ کوئی قیمت نہیں لی جائیگی بشرطیکہ اسکا سالانہ چندہ تین روپے (عہ) اسکی اشاعت سے پہلے وصول ہو جائے۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیے مفصل اشتہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق اس پتہ پر مراسلت کیجئے
محمد عبدالرؤف عباسی
مہتمم صدق - مرشد اپلیس گولہ گنج - لکھنؤ

ہفتہ وار
صدق
لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؎ ٕ
ممالک غیر سے سالانہ ۸
ششلنگ
فی پرچہ ۸ لاعہ

نمبر ۲ دوشنبہ - ۲۴ - شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

بات کچھ ایسی بہت زمانہ کی نہیں، ابھی ۱۹۲۴ء ہی کی تو ہے کہ ٹرکی میں "اسلامی" حکومت تھی، غیروں کی زبان پر نہیں، خود اپنی نظر میں۔ خلافت مٹ چکی تو تھی، یہ کچھ کم تھا کہ ترکیہ اپنے کو "اسلامی" حکومت کہ رہی تھی۔ ۲۴۔ اپریل ۱۹۲۴ء کو مجلس ملّی نے جو دستور اساسی منظور کیا، اُس کی دفعہ ۲ تھی :-

"حکومتِ ترکیہ کا مذہب اسلام ہے"۔

اسی قانون کی دفعہ ۲۶ تھی :-

"مجلس ملّی ذمہ دار ہے قانونِ شریعت کے نفاذ کی"۔

اور اسی قانون کی دفعات ۱۶ و ۲۶ میں یہ تھا کہ صدر جمہوریہ اور ارکان مجلس جو حلف لینگے، وہ اللہ کے نام کا ہوگا۔

دو ہی سال کے عرصہ میں یہ حال ماضی بن چکا تھا اور یہ حقیقت افسانہ۔ ۱۹۲۶ء میں "ترقی" کے نقیب نے پکار کر کہا، کہ آج سے دیوانی عدالتوں سے قانونِ شریعت منسوخ! اور اسکے بجائے سوئزرلینڈ کے فرنگیوں کا قانون جاری! دو سال اور گزرے، ۹ اپریل ۱۹۲۸ء کو قضا و قدر نے تجدد کی زبان سے یہ اعلان کرا دیا کہ

(۱) دستور کی دفعہ ۲ منسوخ۔ (یعنی اب حکومت کا مذہب اسلام نہ رہا)

(۲) دفعہ ۲۶ میں ترمیم۔ (یعنی اب مجلس ملّی کو نفاذِ شریعت سے کوئی واسطہ نہ رہا)

(۳) دفعات ۱۶ و ۲۶ میں ترمیم۔ (یعنی اب حلف میں بجائے اللہ کے نام کے صرف اپنی عزت نفس کا حوالہ دے دیا جائیگا)

پھر آگے چلتے ۱۹۳۷ء آیا۔ اور اب ارتداد یا "روشن خیالی" کی تکمیل میں جو کسر باقی تھی وہ پوری ہو گئی، یعنی یہ اعلان ہو گیا، کہ حکومتِ ترکیہ آج سے جمہوری ہے، قومی ہے، عمومی ہے، انقلابی ہے، اور خالص دنیوی یا غیر مذہبی (Secular) بھی ہے! ——— مسلمانوں کے دلوں پر جو کچھ گزر رہی ہو اسے چھوڑیے۔ دیکھیے مسیحیت کی تبلیغی دنیا اس صورت حال کا استقبال کس مسرت و شادمانی سے کر رہی ہے! امریکی مشنری صاحبان فرماتے ہیں :-

"اسلام کے قیود سے آزادی حاصل کرنے میں ٹرکی نے جو قدم اُٹھائے، اُنکی کوئی اور نظیر نہیں ملتی۔ اس نے یہ حقیقت واضح کر دی، کہ چاہے فرد ہو یا خاندان ہو یا ساری قوم ہو، اس پر خود اندرونی تحریکات کا اثر جس زور و قوت کا پڑ سکتا ہے، وہ بیرونی مؤثراتِ ترغیب، بلکہ جبر و قوت کا نہیں پڑ سکتا"۔
(مسلم ورلڈ، نیو یارک۔ جولائی ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۶۵)

اور پھر فرماتے ہیں :-

"اسلام سے یہ انقلاب آفریں قطع تعلق دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہ اتنا کامل ہوا ہے نہ اتنی غیر متوقع طور پر"۔ (صفحہ ۲۶۶)

حریف کی مسرت آپ نے دیکھ لی۔ حروبِ صلیبیہ (کروسیڈ) کی جنگی شکستوں، ہزیمتوں، ذلتوں کا بدلہ آپ نے دیکھا کہ اس نے کس طرح امن و آشتی کے تدبیروں سے آپ سے لے لیا! ظاہر بین نگاہیں کھونگی، کہ اسلام کی گردن ڈھیلی پڑ جانے سے مسیحیت کی جڑ کیسے جمنے لگیگی؟ بہتر ہے، یہی کہ اپنا جی خوش کر لیجیے۔ لیکن حریف، ہماری آپ کی طرح نادان نہیں۔ وہ دیکھ رہا ہے اور صدیوں سے دیکھ رہا ہے، کہ گمراہی کی راہ کا اصلی پتھر، نہ دہریت ہے، نہ یہودیت، نہ ہندو دھرم

نہ بودھ مت، بلکہ اسلام اور صرف اسلام ہے! —— حقیقت کے گھر میں

اسی نغمۂ مسرت کے ساتھ ساتھ، نوحۂ حسرت بھی سُن لیجیے:

"اسکے بالکل برعکس، دوسرے سرے پر افغانستان اور سعودی عرب ہیں۔ ان ملکوں میں آج تک شریعت کا تسلط قائم ہے۔ افغانستان سے تو شاہ امان اللہ خاں کی اصلاحوں کا نام و نشان بھی مٹ گیا ہے ..... دونوں ملکوں میں نہ عیسائیوں کی کوئی انجیل سوسائٹی ہے، نہ انکا کوئی مشن قائم ہے ..... دونوں ملکوں میں اسلام سے ارتداد کی سزا موت ہے۔ اور حجاز کے دستور اساسی میں تو صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ اس ملک کا مذہب اسلام ہے، اور یہاں نافذ شریعت کا قانون ہے" (ص ۲۹۶)

کام کی رفتار

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کے ٹائپ نے کا کام بحمد اللہ جاری ہے، گو اسی سست رفتاری کے ساتھ۔ سطور بالا کی تحریر کے وقت تک ۲۴ پارے ٹائپ ہو کر آچکے، اور انکی تصحیح و مقابلہ وغیرہ ہو چکا۔

۲۶ اگست کو بھوپال سے ایک صاحب کی رقم [illegible] کی اور ۲۲ اکتوبر کو ایک صاحب کی صدر کی مغربی ہند سے بڑا اعانت قبول ہوئی۔

کوئی اور نئی بات اس سلسلہ میں نہیں۔ البتہ خدمت قرآن ہی کے سلسلہ میں بعض نئی صورتیں ذہن میں آئی ہیں، ان شاء اللہ عنقریب ناظرین کرام تک یہ خوشخبریاں پہونچائی جائیں گی، وما توفیقی الا باللہ۔ خدمت لیتے بھی آپ ہیں، اور باوجود خادم کی نااہلی کے، خدمت کا شوق و ولولہ بھی آپ ہی ڈالتے ہیں۔

ہم دعا از تو، اجابت ہم ز تو
ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

منکر کی شہادت

پادری جے ایم راڈول انگلستان کے مشہور عربی دان اہل قلم ہوئے ہیں، سیل کے بعد وہی قرآن کے سب سے پرانے انگریز مترجم ہیں۔ اپنے اسی انگریزی ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اب سوال دعوے رسالت میں محمدؐ کی دیانت و صداقت کا سامنے آتا ہے۔ اگر جیسا کہ مسلمانوں کا بیان ہے، وہ واقعی امی تھے، جب تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں، کہ قرآن بقول مسلمانوں کے، ایک مستمر معجزہ ہے" (دیباچہ ص ۲۱ طبع ثانی)

اقتباس ایسے قلم کا ہے، جو نبوت محمدیہ کا، اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا کھلا ہوا منکر ہے۔ اس پر بھی وہ کہتا ہے کہ قرآن کے معجز ہونے میں کلام الٰہی ہونے میں شک کیونکر کیا جا سکتا ہے، جب پہلے رسول اللہ کے امی ہونے ہی سے انکار کر لیا جائے، باقی اگر آپ کا امی ہونا ثابت ہے، تو قرآن کا معجز اور کلام الٰہی ہونا لامحالہ لازم آئیگا —— مقابلہ کیجیے اس کھلے ہوئے عیسائی اور منکر اسلام کے قول کا اُس نام کے مسلمان کے قول سے، جس نے پکار کر کہا کہ "کلام مجید کو میں کلام خدا تو ضرور سمجھتا ہوں اور الہام ربانی، لیکن ایک درجہ انسان کا کلام بھی مانتا ہوں"!

ایک آیت کی تفسیر

ایک نیم مذہبی پرچہ میں شائع ہوا ہے:-

"قرآن حکیم نے اسلامی جنگ کا ایک مقصد یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں جنگ کر کے اُن عبادت گاہوں کو برباد ہونے سے بچائیں، جن میں کسی نہ کسی طریق پر خدا کا نام لیا جاتا ہے، خواہ وہ عبادتگاہ مسجد ہو یا گرجا، مندر ہو یا سینیگاگ، جن میں بھی خدا کا نام بلند کیا جاتا ہے، اُنکی حفاظت مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگی۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا	اگر اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے کے مقابلہ پر کھڑا نہ کر دیتا تو گرجا، عبادتخانے اور مسجدیں منہدم اور مسمار کر دی جاتیں، وہ عبادتگاہیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے

... قرآن حکیم نے کہا تھا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر مذہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کریں"۔

نیت اگر مخلصانہ ہو، لیکن افسوس ہے کہ آیت کی تفسیر بجائے تفسیر کے تحریف کے قریب پہونچ گئی۔ سورۂ حج کی جس آیت کا ذکر ہے، وہاں سیاق یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشرکین کے مقابلہ میں قتال کا حکم (اذن کا مفہوم یہاں اجازت کا نہیں، بلکہ جیسا شاہ عبد القادرؒ اور شیخ الہندؒ کے ترجموں میں ہے، حکم ہی کا ہے) اول بار دیا جا رہا ہے (وہذہ اول آیۃ نزلت فی الجہاد)۔ مقابلہ یہاں تمامتر کفر و اسلام، شرک و توحید کا ہے۔ ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا سے شروع ہی میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ بے سروسامان مسلمانوں سے مشرکین کے غلبہ و قدرت کو ہٹا کر رہیگا۔ اسکے بعد سنت الٰہی بیان ہوئی ہے کہ اس پر حیرت نہ کرو، ہمارا یہ معاملہ تو پرانی امتوں کے ساتھ بھی ہوتا آیا ہے، کہ اگر اللہ بعض (یعنی اہل حق، وہم المومنون) کے ہاتھ سے بعض (یعنی اہل باطل وہم الکافرون) کو ہٹاتا نہ رہتا اپنے اپنے زمانہ میں [فی زمنہم زمخشری، وہم فی شریعۃ کل نبی مکان متعبدہم صدم فی زمن موسی الکنائس وفی زمن عیسی البیع والصوامع وفی زمن محمد صلعم المساجد (معالم)] تو نصاریٰ کے خلوت خانے (cloister) اور گرجے (church) اور یہود کے ہیکل اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، یہ سب منہدم ہو گئے ہوتے۔ آیت میں "مندر" کا ذکر کہیں آس پاس نہیں ہے، اور نہ آسکتا تھا، مشرکین ہی سے تو مقابلہ و مقاتلہ ہے، انکے مندر کا نام سے آنے کے معنی ہی کیا تھے۔ نام پچھلی امتوں میں سے صرف اہل کتاب کی عبادت گاہوں کا لیا گیا ہے، جن میں فی الجملہ توحید موجود تھی۔ یذکر فیہا اسم اللہ میں ضمیر یا تو صرف مساجد کی طرف راجع ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، اور یا اگر سب معبدوں کی طرف ہے، تو بھی اس حیثیت سے کہ وہ کسی معاہدہ وغیرہ کی رو سے مومنین کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں لان کل ہؤلاء فی امن المسلمین۔ ورنہ یوں قاعدۂ کلی کے طور پر اسلام، قرآن سارے باطل پرستوں کی حمایت و نصرت سے پاک و بری الذمہ ہے۔

دانائی کے کلمات

"خدا کے غضب اور مخلوق کی تباہی کی کنجی [illegible]

ایسی قوموں پر ہے جن کی نسبت شہرت ہے کہ انکا نظام تعلیم نہایت ترقی یافتہ اور علم و فن کے میدان میں انکے کمالات ممتاز ہیں"

.....

"خرابی کی جڑ یہ ہے کہ ہمارے شہروں کے ظاہری مقاصد میں یورپ و قومی اقتدار کا جذبہ کارفرما ہے۔ انگلینڈ کی شہرت ہے وطن پرستی کا جوش انھیں نے خواب دکھایا۔ اپنے اوجوانیا کی ذہنیت بدل رہی ہے، اور مذہب کی شمع گل ہو چکی ہے، اس ترقی کی کشمکش میں وہ اخلاقی قوتیں کمزور پڑ گئی ہیں جن کی نشوونما ہدایت کے علمبرداروں کی ثابت قدمی سے ہوئی"....

"جب تک ہم نیک نیتی سے علم کی تلاش میں لگے رہیں گے، مذہب کی ہدایت اور باہمی مروت و حق شناسی کے راستہ پر چلتے رہیں گے اور جب تک جذبات اور خواہشات پر قابو رہیگا اس وقت تک ہماری کوششوں کی ناکامی کا اندیشہ نہیں ہو سکتا اور بفضل خدا ہمارے قدم امن و مسرت کی جانب بڑھتے رہیں گے۔"

اقتباسات والا شان ولیعہد بہادر دولت آصفیہ و پرنس آف برار کی ایک تازہ تقریر کے ہیں۔ تقریر جامعہ عثمانیہ کے سامنے، ممدوح کو جامعہ کی اعزازی ڈگری ملنے کے موقع پر ہوئی۔ تقریر کی اصل کنجی اقتباس کے پہلے ہی لفظوں میں مل جاتی ہے "خدا کا ملک، و مخلوق"۔ جس نے اس نکتہ کو پا لیا، کہ ملک، ملک انسان کی نہیں، خدا کی ہے، مخلوق رعایا کسی بادشاہ و ملک کی نہیں، صرف رب الارباب و مالک الملک کی ہے، وہ سبھی کچھ پا گیا!

"نیا نقش فرنگ"

مراد آباد (اپنے خبروں کے کالم میں)

"۱۰- نومبر، استنبول۔ آج گذشتہ کو اہل ترکیہ نے ایک ملعت نما لوگوں کا ہجوم خصوصاً نوجوان عورتوں اور مردوں کے ہجوم نے پبلک یادگاروں کی زیارت کی اور جمہوریہ کے بانی اتاترک کی پھولوں سے آراستہ تصویروں کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اس عزم کی توثیق کی کہ وہ ہمیشہ ان کے اس راستہ پر گامزن رہیں گے جو ترکی کے "لازوال سردار" کی وراثت ہے اور بطیب خاطر ملک کی آزادی، عزت اور جمہوریہ کے اصولوں کے لیے اپنی جانیں قربان کر دینگے۔ یہ موقع مرحوم اتاترک کی برسی کا موقع تھا جو تمام ملک میں سوگ کا دن منایا جاتا ہے۔"

مراد آباد۔ (اپنے اڈیٹوریل کے ضمن اسطور میں، زیب عنوان کے ساتھ)

جلسے رسمی ماتمی انقرہ اور استنبول کی تار دینے کا بھی سلیقہ نہیں، ہر جگہ وہی ایک الاپ!

آبلہ پر بھی حنا باندھتے ہیں!

ہر جگہ ذکر وہی تصویروں اور مجسموں کا، نوجوان عورتوں اور مردوں کے مخلوط ہجوم کا، ملک کی آزادی اور عزت اور جمہوریت کے اصول کے لیے جانیں قربان کرنے کا! ہندوستان میں جو خبریں پہنچی تھیں کم از کم ان میں تو نام کہیں قرآن اور اسلام کا، خدا اور رسول کا لینے آتا تھا! اتاترک کی "لازوال سرداری" یعنی ہمارا دینی ایمان لیکن مصلحت ناآشنا ترکوں نے پھر بھی خواہ مخواہ "ترکی" کی لگا دی! ان بدبخت

ہندی مسلمانوں کا منہ آخر ہم کیا کہیں، گنہگار بن چکے، جن کا یہ عالم ہے کہ اپنا "لازوال سردار" اکبر و داراشکوہ کو تو خیر کیا بناتے، اورنگ زیب تک کے لیے اس لقب کے روادار نہیں، بلکہ آج تک اپنا "لازوال سردار" عرب کے ایک امی ہی کو مانے چلے جاتے ہیں!

جواز و عدم جواز

"ہم تصاویر اور مجسموں کی نقاب کشائی کی افادیت کے قائل نہیں اس واسطے کہ ان میں ایک مشرکانہ آن پوشیدہ ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ کسی کی شہرت دوام کے لیے اسکا اپنی مخصوص خدمات کے ذریعہ زندہ انسانوں کے قلوب پر مسطور ہو جانا ہی کافی ہے۔" (رہبر دکن)

ایک روزنامہ میں یہ شرک، بدعت کی پہیلیں، گناہ و ثواب کی تلمیحیں سننے کی تاب اس بیسویں صدی میں کوئی کہاں سے لائے! حد ہی کر دی رذیل دقیانوسیت اور تاریک خیالی کی! حالت، حرمت کا اختیار اپنی طرف سے، مانا کہ ابوحنیفہ و شافعی کو، شیخین و فاروق کو نہ تھا، تو کیا ترکی کے "لازوال سردار" اور ایران کے رضا شاہ پہلوی کو بھی نہیں! — حقیر و ذلیل اہل قلم اچلے ہیں اہل صحیفہ کے کسی طرز عمل پر گرفت کرنے!

الحاد کی دوکان

نگار

اڈیٹر نیاز فتحپوری

"ہندوستان میں اپنے رنگ کا پہلا رسالہ ہے، جو برسوں سے اسلام پر بے لاگ تنقید کر رہا ہے، اور جس کے اڈیٹر کے خلاف مسلمانوں نے توہین مذہب کا مقدمہ چلانے کے لیے ایک زبردست ہنگامہ بپا کیا تھا۔ اسکے علاوہ بلند پایہ علمی مضامین، ادب و انشاء کے نہایت پاکیزہ مقالات، عام فہم و مفید معلومات، بہترین نظمیں اور تنقید عالیہ کے نمونے بھی آپ کو ملینگے۔ حجم ۱۰۰ صفحات چندہ سالانہ پانچ روپیہ

منیجر نگار، لکھنؤ

اب کی تو خبر نہیں، لیکن آج سے پانچ سال قبل تو یہ اشتہار ہندو پریس میں اسی رسالہ کے منیجر کی طرف سے علانیہ شائع ہو رہا تھا، جسکا عنوان فخر کے ساتھ ہے کہ میں برسوں سے اسلام پر بے لاگ تنقید کرنے والا پہلا رسالہ ہوں! صدق ۱۱- اکتوبر ۳۳ء میں اشتہار بار روزنامہ حق (لکھنؤ) کے تبصرہ ذیل کے ساتھ نقل ہو چکا ہے:-

"یہ اشتہار غیر مسلم اخبارات میں انھیں نیاز صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے، جو ابھی کچھ دن ہوئے قوم کے سامنے قومی مجرم کی طرح آئے تھے اور مسلمانوں سے غیر مشروط معافی مانگ کر اپنی جان بچائی تھی، مگر اسکے بعد انکا اور انکے رسالہ کا کیا طرز عمل رہا، اسکا اندازہ مندرجہ بالا اشتہار سے ہو سکتا ہے۔ یعنی اب آپ غیر مسلموں کو دعوت دے رہے ہیں، کہ آؤ مجھ غدار اسلام کے سر پر ہاتھ رکھو، اور میری حوصلہ افزائی کرو، کہ میں حد پیمائی

امیر خسروؒ

بزرگ اور درویش کی حیثیت سے

(از عبد الماجد)

نشریہ از لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن ۱۰ نومبر سنہ ۴۶ء۔

تغلق بادشاہ کا نام بھی آج کے لڑکوں نے نہ سنا ہوگا، کل کے بوڑھوں سے دل سے کوئی پوچھے! کہ آپ کی کتاب از بر تھی۔ زیادہ نہیں بس پشت ہی دو پشت اُدھر کی بات ہے، کہ کتاب مکتبوں میں چلی ہوئی، گھر گھر پھیلی ہوئی، زبانوں پر چڑھی ہوئی۔ گویا اپنے زمانہ تصنیف سے صدیوں تک مقبول و زندہ، مشہور و تابندہ ——— دستِ قدرت نے جس کی زبان میں یہ موہنی رکھ دی تھی، جسکے کلام پر یہ سند قبول کی دولت دے دی تھی، اُس کا نام تھا امیر خسروؒ۔ امیروں میں امیر، فقیروں میں فقیر۔ عارفوں کے سردار، شاعروں کے تاجدار۔ شعر و ادب کے دیوان اس کی عظمت کے گواہ، خانقاہیں اور سجادے اُسکے مرتبہ سے آگاہ۔ سرِ مشاعرہ آ جائیے، تو میرِ محفل اسے پایئے۔ خاندانِ چشت اہلِ بہشت کے لوح میں آ نکلیے، تو حلقۂ ذکر و فکر میں سرِ مسند جلوہ اسکا دیکھیے۔ اچھے اچھے شیخ دم اسکا بھر رہے ہیں، معرفت و طریقت کے خرقہ پوش کلمہ اسکے نام کا پڑھ رہے ہیں!

والدین نے نام ابو الحسن رکھا۔ شہرتِ عام کے نقیب نے امیر خسرو کہکر پکارا۔ سالِ ولادت ہجری کا چھ سو اکاون اور عیسوی کا بارہ سو ترپن۔ ترکستان کے علاقہ بلخ میں کوئی بستی ہزارہ کہلاتی تھی۔ یہ گوہر اسی کان سے نکلا۔ ترکوں کا ایک قبیلہ لاچین کے نام سے موسوم تھا، یہ جوہر اسی خاندان سے چمکا۔ والد بزرگوار کا نام تھا امیر شمس الدین محمود شمسی۔ چنگیز خاں کے زمانہ میں ترکِ وطن کر ہندوستان پہونچے۔ یہاں ایک مقام پٹیالی عرف مومن آباد تھا، وہاں آ بسے۔ پرانے تذکرہ نویسوں نے دھندلی سی نشان دہی کی ہے کہ شہر کہیں نواح سنبھل یا مضافات دہلی میں تھا۔ نئے جغرافیہ نے نقشہ پر انگلی رکھ کر دکھا دیا کہ ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے۔ شادی یہیں ہوئی، بستی کے نامور اور درویش منش رئیس اور سلطنت کے منصب دار نواب عماد الملک کی صاحبزادی کے ساتھ۔ یہیں امیر کی پیدائش بھی ہوئی۔

تاریخ خوش اعتقادی کی زبان سے روایت یہ بیان کرتی ہے، کہ پڑوس میں کوئی مجذوب رہتے تھے، صاحبِ کشف۔ لوگ خرقہ میں لپیٹ کر بچہ کو ان کی خدمت میں لائے۔ دیکھتے ہی بولے، یہ کس کو لیکر آئے، یہ تو خاقانی سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر رہیگا! ——— مجذوب صاحب کی نگاہ کشفی شاعری کی حد تک رہی۔ بچے نے بڑے ہوکر نظر دوڑائی، دیکھیں ہیں وہ کمال حاصل کیا کہ خود شاعری منہ دیکھتی رہ گئی!

تعلق عمر بھر کہنا چاہیے کہ سرکار دربار سے رہا۔ کبھی براہِ راست شاہی دربار سے، کبھی امراء سے اور سرکاریں بھی ایک دو نہیں، خلجی اور تغلق ملا کر سات بادشاہوں کی دیکھ ڈالیں۔ پھر شخصی سلطنت کی نیرنگیاں، انقلاب [illegible] قیامت خیز۔ دیس میں بھی رہے، پردیس بھی گئے، بنگال [illegible]

رُخ پر ایک بار پڑی تھی، اُسی پر جمی رہی۔ ابھی آٹھ ہی برس کے تھے، کہ معتقد باپ نے لاکر سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدینؒ کے قدموں پر ڈال دیا، بڑے ہوکر پہونچے تو بیعت کی تجدید کی۔ بیعت رسمی نہ تھی۔ ایک نسبت عشقی تھی کہ دونوں طرف سے قائم ہو گئی تھی۔ خواجہ کا مرتبہ دیارِ محبت و معرفت میں اسی سے ظاہر ہے، کہ اولیاء کرام نے، مقبولینِ انام نے، انھیں دوام کے دربار میں محبوبِ الٰہی کہکر پکارا۔ امیر کو دولت ملی محبت کی بھی، محبوبیت کی بھی۔ تذکروں کی روایت ہے کہ جس روز تجدید بیعت کی ہے، سارا ساز و سامان کھڑے کھڑے لٹا دیا ——— جو دل نثار کر چکا ہو، اُسے دولت لٹا دیتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے؟

کہتے ہیں کہ آج سے پہلے، بہت پہلے، کوئی چھ سات سو برس پہلے، باہر سے آئے ہوئے ایک امیر کبیر مسافر ایک سرا میں آکر اُترے۔ کنیزیں، خدام، زر و جواہر، بیش قیمت مال و اسباب سب ہی کچھ ساتھ۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں ایک دوسرا مسافر مفلس و مفلوک الحال دہلی سے واپس ہوتے اسی سرا میں ٹھہرا۔ رئیس کو بوئے اُنس محسوس ہوئی۔ بڑھکر پوچھا، کدھر سے آنا ہوا؟ جواب ملا، دہلی سے۔ پوچھنے والے کا اشتیاق دہلی کا نام سُن تیز ہوا۔ پوچھا اُس شہر میں ایک درویش خواجہ نظام الدین رہتے ہیں، وہاں بھی حاضری کا اتفاق ہوا تھا؟ مفلس بولا، اتفاق کیسا، اُنھیں کے پاس تو گیا تھا۔ حاجتمند ہوں، چاہتا تھا کہ کچھ مل جائے۔ میری قسمت کہ وہاں کچھ موجود ہی نہ تھا۔ پیر کی پہنی ہوئی جوتیاں پڑی تھیں، وہی میرے حوالے کر دیں، اُنھیں کو لیے چلا آ رہا ہوں۔ سننے والا اب شوق و اشتیاق سے بیخود تھا۔ بولا "خدا کے لیے وہ جوتیاں میرے حوالے کر دو، اور یہ میرا ساز و سامان سب تمہاری نذر ہے"۔

سائل دنگ و حیران، کہ جوتیوں کے عوض یہ لاکھوں کی دولت یا رئیس صاحب کہیں مجھ بے نوا سے دل لگی تو نہیں کر رہے ہیں! ادھر رئیس صاحب اپنے ہوش میں تھے کب، اور ہنسی دل لگی کی مہلت ہی اُن میں کہاں تھی؟ راوی کہتے ہیں کہ یہ سودا چار پانچ لاکھ میں پڑا، اور رئیس صاحب نے وہ پیر کی اُتری جوتیاں آنکھوں سے لگا، سر پر رکھ، پگڑی کے اندر لپیٹ لیں، اور ایک وجد کے عالم میں دہلی چل کھڑے ہوئے!

——— جوتیاں جن محبوب کی تھیں، وہ تو وہی ہیں جنھیں زبانِ خلق محبوب الٰہیؒ کے نام سے پکارتی ہے، اور امیر وہی امیر خسرو تھے، جنکا یہ فارسی شعر اُس وقت سے اب تک خدا معلوم کتنے دلوں کو، اہلِ قال کی محفلوں کو گرما چکا ہے

متاعِ وصلِ جاناں بس گراں است
گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے!

یہ رقم تو لاکھوں ہی کی تھی، وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ محبوب تک رسائی اگر نقدِ جاں کے معاوضہ میں ہو جائے تو بھی یہ سودا نہایت ارزاں ہے!

آگے چلیے، دنیا کی عمر چند سال اور کھسکی، خلجی تغلق کی بہار رخصت ہو چکی۔ دہلی کے تخت پر اب آلِ تیمور کا اقبال چمک رہا ہے۔

سخن سنج و سخن گستر بادشاہ کے حضور میں محفل سماع گرم ہے۔ جب اس شعر پر پہونچا

تو شبانہ می نمائی، بہ برکہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد!

بادشاہ کا ذہن قدرۃً شعر کے ظاہری مفہوم کی طرف گیا، اور قریب تھا کہ شاعر کی بے حیائی کا خمیازہ قوال غریب کو عتاب سلطانی کی شکل میں اٹھانا پڑتا کہ ایک مزاج دان و ادب شناس ندیم نے جھٹ ہاتھ باندھ عرض کی کہ "پیر و مرشد! غزل خسرو کی ہے، تصویر کھینچ رہے ہیں اپنے تہجد گزار شب بیدار، محبوب، محبوب الٰہی کی، کہ ساری رات کن کن اذکار، کن کن اشغال میں گزاری، کون کون سے احوال و مقامات طے کیے، کہ جاگنے کا اثر اس وقت دن تک باقی ہے! معاً عتاب لطف میں، اور ناگواری داد میں تبدیل ہو کر رہی۔
وقت کی حد و گنجائش کی رعایت سے صرف ایک شعر نمونے کے طور پر پیش کر دیا گیا، ورنہ غزلوں کی غزلیں نہیں، دیوان کے دیوان لبریز ہیں انھیں مقامات و احوال کی تلمیح سے، رموز و اسرار عارفانہ کی توضیح سے۔ ہندی کے دوہے اور ٹھمریاں ایک دو کی تعداد میں نہیں، پچاسوں اور سیکڑوں۔ سب میں یہی نقشہ جما ہوا، یہی رنگ بکھرا ہوا۔ حد یہ ہے کہ مرشد خود فرمایا کرتے تھے کہ خدا قیامت میں پوچھے گا کیا لائے ہو، جواب میں عرض کروں گا کہ خسرو کو۔ گریہ و مناجات میں ہوتے تو عرض کرتے کہ الٰہی میری مغفرت اسی ترک کے سوز دل کی طفیل کر دے! —— بڑوں کا اور مرشد کا وسیلہ پکڑتے ہوئے سب نے دیکھا ہے، چھوٹوں کے اور مرید کے وسیلہ بننے کی مثال حضرت امیر خسرو کے نصیب میں آئی!

سوز دل اور ذوق عبادت کا عالم یہ تھا کہ پچھلی رات نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو سات سات پارے قرآن مجید کے پڑھ جاتے۔ جب تک دل ایسا درد و خشیت سے چور چور نہ ہو، ہے اتنا بڑا مجاہدہ کسی کے بس کی بات؟ اودھ میں ایک بڑے رئیس کے دربار میں تھے، ماں نے دلی میں یاد کیا۔ معقول مشاہرہ پر لات مار ماں کے پاس پہونچے۔ ماں کی وفات پر پُر درد مرثیہ لکھا۔ بہ قول مولانا شبلی، اڑتالیس سال کی عمر میں ماں کی یاد میں اس طرح آنسو بہاتے ہیں، کہ گویا کوئی کم سن بچہ بلک بلک کر رو رہا ہے۔ یہ سب پرتو ہے اسی سوز و گداز کا، جس کا واسطہ دلا دلا کر خود مرشد علیہ الرحمہ اپنی نجات کے طالب رہتے تھے!

۷۲۵ھ کا ماہ ربیع الثانی تھا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ جنت کو سدھارے۔ امیرؒ اس وقت بنگال میں تھے۔ خبر وحشت اثر سنی تو بھاگا بھاگ دلی پہونچے۔ مزار پر حاضر ہوئے تو ماتمی اہل ارادت کی، روایت ہے کہ ہندی کا شعر اسی وقت پڑھا ؎

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چودیس

ماتمی لباس پہن لیا، سب کچھ لٹا دیا، خالی ہاتھ ہو بیٹھے، غم کی آگ میں جلتے، ہجر کی بھٹی میں تڑپتے، خود اپنے وقت کا انتظار کرنے لگے۔ اور چھ مہینے کی مدت پوری ہوئی کہ آخر ۱۸ شوال ۷۲۵ھ (مطابق ۱۳۲۵ء) کو خود بھی اپنے محبوب سے جا ملے —— حضرت [illegible]

کا غم اس سے زیادہ کب برداشت کر سکتی تھیں —— تجویز یہ پیش ہوئی کہ دفن مرشد ہی کی تربت میں کیے جائیں۔ احترام شریعت غالب آیا۔ پائنتی کی جانب چند گز ہٹ کر قبر بنی۔ اہل دل اپنا تجربہ یہ بتلاتے ہیں کہ آستانہ سلطان المشائخ سے پہلے اگر اس کشتۂ عشق و محبت اور مجسمۂ سوز و گداز کے مرقد پر فاتحہ خوانی کر لی جائے، تو دل کی انگیٹھی کی چنگاریاں اور تیز و روشن ہو جاتی ہیں!

بقیہ صفحہ ۲

کے ساتھ اپنے مذہب پر صرف تمہاری خاطر حملے کر رہا ہوں:

"ایمان" قریشی کی شاعری کم از کم شاعروں کی زبان سے تو آپ بہت سی سن چکے ہوں گے، بے محابا "الحاد" قریشی کی ایسی مثال اس سے قبل کیوں دیکھنے میں آئی ہو گی!

"نقش نگار"

ریاست رامپور سے ایک ماہنامہ "تصویر" نکلتا ہے۔ ستمبر میں نقش نگار کا مفصل ذکر کر کے لکھتا ہے:—

"دنیا میں ہمیشہ اس قسم کے آدمی رہے ہیں۔ یہ آزادی رائے نہیں، بلکہ نسل انسانی کی تباہی کا راستہ ہے جو آپ نے اختیار کیا ہے، اور آپ کی یہ شر انگیز مونشگافی باطنی خباثت کو صاف طور پر ظاہر کر رہی ہے۔ کیا بیجا ہو گا، اگر آپ کو ملحدی وسواس کا لقب دیا جائے، یعنی اسلامی روپ میں آپ مسلمانوں کو گمراہ کرنے بیٹھے ہیں۔ ایسے شعبدہ بازوں کا علاج زمانہ کے موافق اب بھی یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اسکو برادری سے خارج کر دیں اور کامل عدم تعاون برتیں اور ہر جگہ کے مسلمان رسالہ نگار کے بائیکاٹ کی تحریک پاس کرنے کے بعد صوبہ کی حکومت سے اسکو ضبط کرا دیں۔ حکومت رامپور سے ہماری استدعا ہے کہ رسول پاک پر اس اتہام کے سلسلہ میں نگار کا داخلہ ہمیشہ کے لیے ریاست رامپور میں بھی بند کیا جائے، جیسا کہ اور جگہ ہوا ہے۔ امید ہے کہ مذہبی دلآزاری کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا حکم ضرور نافذ کیا جائیگا۔" (صلا)

نیاز نامہ

محترم معاصر معارف اپنے تازہ نمبر میں لکھتا ہے:—

"ہماری ہدایتوں اور سعادتوں کے سب سے بڑے قیمتی خزانہ کا نام قرآن پاک ہے۔ جس پر بہ اختلاف فرق تمام مسلمانوں کا اتفاق تام اور اجماع عام تھا اور ہے کہ یہ انسانی اوہام و خیالات اور خیالی قصص و حکایات سے ابتدا تا انتہا تحریف سے آزاد، الٰہی صداقت کا نام ہے، اور اسی لیے وہ ہر خطا سے پاک اور ہر غلطی سے مبرا ہے۔ پس ہر وہ ہاتھ جو اسکی عصمت کو داغدار بنانے کی کوشش کریگا، اسکو کاٹ ڈالنا [illegible]

ہماری شاعری کی خرافات

جناب رشید احمد صاحب صدیقی ایم' اے کی ایک تقریر

حال ہی میں ایک مشاعرہ میں شریک ہونے کا حادثہ پیش آیا جس میں قریباً نصف صدی پہلے کے غزل گو شعرا بھی موجود تھے اور وہ شعرا بھی جو غزل گوئی کے دورِ جدید کی پیداوار سمجھے جاتے ہیں۔ ان بزرگوں نے ایسے ایسے شاہکار پیش کیے جنکا خیال کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں غزل کا بڑا دلدادہ ہوں۔ میں معیوب ہے کہ کہنا یا غزل گو یوں سمجھے بڑی کوتاہی ہوئی ہے۔ محدود اور لغوی معنوں میں غزل کو آپ جو چاہے سمجھ لیجیے۔ اور اصل معیار سے مجھ کو یا جس کسی کو دل چاہے برا بھلا کہہ لیجیے۔ لیکن میں تو اس کی وسیع تر تعریف کو غزل یا تغزل سمجھتا ہوں جو کسی زبان کے جوہر کا حامل اسکے بولنے والوں کے مزاج کا ترجمان اور انسانی جذبات کی رفعت و نزاکت کا آئینہ دار ہو۔ ۔ ۔

لیکن جس مشاعرہ کا میں تذکرہ کر رہا ہوں اُسکے شعرا نے تھوڑی دیر کے لیے بھی یہ خیال اپنے دل میں نہیں آنے دیا تھا کہ انکے اشعار معقول لوگوں کے اوپر کیا اثر پیدا کریں گے۔ ان شاعروں کے ذہن و دماغ معطل ہو چکے تھے وہ عشق و مزاولت سے اس درجہ مسخ اور بے حس تھے، انکے الفاظ یا فقروں کے اس درجہ عادی ہو چکے تھے کہ تازگی تنوع زندگی ... یا معرفت و بصیرت کا احساس تک نہیں کر سکتے تھے۔ اس قسم کی پیداوار کو میں خرافات کہتا ہوں۔ الفاظ یا فقروں سے بچوں یا بازیگروں کی طرح کھیلنا، مبتذل اور رکیک افعال و حرکات کے لیے اچھے اور اونچے جذبات کو بہانہ بنانا، بندھی ٹکی تشبیہ استعاروں کے ذریعہ اپنی ذہنی بے مائگی کو چھپانا، نہ اپنی عمر و صحت کا لحاظ رکھنا نہ دوسروں کی عفت و عافیت کا لحاظ، دھلے ہوئے نہیں بلکہ رتوں کے سڑے گلے لقموں کو بار بار مزے لے لے کر چبانا اور دوسروں کو شریک ہونے کی دعوت دینا، اُستادی کے اظہار میں یہ بھول جانا کہ حاضرین و سامعین میں بچے بالے، دوا بیچنے والوں اور آبرو باختہ نوجوانوں کے علاوہ پڑھے لکھے شرفا بھی موجود ہوں گے۔ مشکل ترکیبوں، بلند آہنگ فقروں یا زبان و بیان کے چٹخاروں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ لوگ انھیں غالب اور اقبال سے اونچا سمجھنے لگیں، بے وقوفی اور کور باطنی نہیں تو اور کیا ہے؟

بعض چوٹی کے شعرا سے قطع نظر دوسرے تمام اردو شعرا ایک ہی دلدل یا کیچڑ میں پھنسے یا لتھڑے نظر آئیں گے۔ زبان و بیان، ہجر و وصال، گور و کفن، کمر، دہن، ناتوانی و زبوں حالی، سب و شتم، رشک و رقابت، عشق و بیدلی — ایسا معلوم ہوگا جیسے ہر شاعر یا تو طبیب سے اپنے ناگفتہ بہ حالات بیان کر رہا ہے، پولس میں رپٹ لکھا رہا ہے، یا کسی خانقاہ ... سرسام میں مبتلا ہے۔ یا پھر ان سب کے مجموعہ بعض کسی شاعر میں نمودار ہو رہا ہے۔

اردو شاعری کی خرافات کا احساس سب سے پہلے حالی نے کیا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شاعری کو بازیگروں، بے فکروں، بزدلوں یا بیماروں کے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ شرفا و صلحا کے نقطہ نظر سے دیکھا۔ انھوں نے شاعری کو مقصدی رنگ دیا، اور شاعری کو اصطلاحات کے شکنجوں سے نکال کر اصطلاحات کی زندگی بخش فضاؤں سے روشناس کرایا۔ انکے اخلاص و اجتہاد نے اردو شاعری کی آبرو رکھ لی۔ اس سلسلہ میں ممکن ہو نظیر اکبرآبادی کا بھی نام لیا جائے لیکن میری دانست میں یہ ہے کہ نظیر حالی کا ایک ... سے موازنہ کرنا درست نہیں۔ نظیر زیادہ تر اپنے گرد و پیش کی زندگی، ہنسی، ... کی عکاسی کیا کرتے تھے۔ وہ زیادہ سے زیادہ فوٹوگرافر تھے، پینٹر نہ تھے۔ انکی اکثر نظمیں ایسی ہیں جن میں وہ خود منعکس ہو گئے ہیں، لیکن اس طور پر کہ انکی شخصیت انکی شاعری کو اور انکی شاعری انکی شخصیت کو ... نظر آتی ہے۔ حالی ایک طرف احوال کو نظر انداز نہیں کرتے تھے دوسری طرف اس کا صحیح مقام متعین کرتے تھے ... حالی کو ماضی اور مستقبل کے کن رشتوں سے کس طرح وابستہ رکھنا چاہیے۔ انکی شاعری کا constructive (تعمیری) پہلو صحیح اور مستحسب حال تھا۔

ان دونوں کی پیروی کرنے والے آج کل ... میں موجود ہیں صرف نوعیت بدلی اور رنگ بدل گئی ہیں۔ حالی مشرق، ... سے اقبال ... شاعر ہیں۔ ... اور بھی شعرا جو جدید اردو شاعری کے علمبردار ہیں حالی سے متاثر ہیں۔ نظیر کے پیرو وہ لوگ ہیں جو دنیا کی اونچ نیچ کو ترقی و انقلاب کا مرادف قرار دیتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔

شاعری ہمارے لیے ایک "میکانکی" طریقہ کار ہو گیا ہے جس میں تجربات یا محسوسات ذہنی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہماری جدید شاعری بھی اس نقص سے خالی نہیں ہے یہاں بھی سانچوں اور نقشوں ہی کا دور دورہ ہے۔ انقلاب، مزدور، سرمایہ، بھوک اپنی اپنی جگہ پر مسلم، لیکن شاعری میں انکو دخل اس لیے نہیں ملا ہے کہ ہماری زندگی یا تمدن کے یہ مطالبات ہیں بلکہ انکے سانچے بنے ہیں۔ ہم کو سوچنے کی ضرورت نہیں صرف ڈھالنے کا موقع ملنا چاہیے۔ اور نہ کلے نکالنا چاہیے!

حقیقۃً جدید شاعری کے بیشتر علمبرداروں کے محرکات بھی وہی ہیں جو قدیم دبستان کے پیرووں کے تھے۔ قدیم دبستان کا میلان جنسی تھا یا ذہنی درماندگی کا جسکا اظہار اسکے پیرو میکانکی طریقہ شاعری سے کرتے تھے۔ نئے دبستان کا بھی میلان جنسی ہی ہے۔ البتہ ذہنی درماندگی کی جگہ "آشفتہ سری" نے لے لی ہے۔ اول الذکر اگر ایک محدود دائرہ میں گردش کرتے تھے تو موخرالذکر کے یہاں نہ دائرہ ہے نہ حدود، صرف گردش ہے۔ زندگی کو سدھارنے، سنوارنے کی ان میں استعداد نہ تھی۔ ان کو فکر نہیں ہے۔ ایک سزا و جزا کا قائل تھا دوسرا صرف قیامت کا متمنی ہے۔

قدیم اور جدید اردو شاعری دونوں میرے نزدیک "سخن تکیہ" کی شاعری ہے۔ اگر ایک طرف شمع و پروانہ، جسے شیر، صحرا ... روز ازل، شام ابد، کوہ طور، غنچہ دہن، موئے کمر، چشم آہو، پنجہ حنائی، رشک و رقابت، ... اسی طرح کے ہزاروں سخن تکیے ہیں تو دوسری طرف مزدور، بھوک، ... سرمایہ دار، کفن،

آتش فشاں، روئی، روپیہ، جھونپڑا، سوالی زنجیر قسم کے تخیلے یا پیمانے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کسی اسکول کا پیرو ہو، ان محض لکیروں یا لفظوں سے نجات نہیں پا سکتا، وہ ہر پھر کر انھیں میں اسیر رہیگا۔ الفاظ، ترکیبوں اور تلمیحات کی یہی سانچہ کاری یا تشبیہ بازی اردو کی شاعری میں خرافات بنگئی ہے۔

اسکے علاوہ، اگر قدیم اسکول میں مجردات محض سے بحث تھی تو جدید اسکول میں مجاز محض کو نمایاں کیا۔ وہاں اعتقاد بالغیب کی کارفرمائی تھی، تو یہاں انقلاب موعود پر زور دیا جاتا ہے۔ باتیں ایک ہی ہیں۔ بتوں کا عالم اللہ کو معاون رہے۔ نتیجہ البتہ نیا رہے۔ یعنی ہم آپ کہیں کے نہیں رہے!!

(دکا نفرنس گزشت)

مراسلہ

اسلامی نظامِ حکومت

(از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ایم اے، ڈی لٹ، جامعہ عثمانیہ)

محترمی! سلام مسنون - تازہ صدق مورخہ ۵ رمضان المبارک آج ہی آیا۔ میرے ناچیز خط پر جناب تحریر فرماتے ہیں:

"جن اصطلاحی جزئیات اور تفصیلات کو آج یورپ نے لازمی بنا رکھا ہے، وہ حقیقۃً لازمی تھیں بھی نہیں۔ ہر فن کے اندر بلکہ ہر فن کی شاخ در شاخ کے اندر اصطلاحات کا ایک جنگل ہے، ناپیداکنار۔ حقائق کی تعبیر سادہ الفاظ میں بغیر ان اصطلاحات کے جنگل میں گم ہوئے کی جا سکتی ہے۔ "نظام حکومت" کی تدوین میں مرکز تو صرف قرآن مجید کو رکھنا ہوگا اور اسکے بعد تعامل صحابہ تو صرف شرح و حاشیہ کا کام دینگے۔"

میں سمجھتا ہوں میں اپنا مطلب بتا کر سمجھا نہ سکا۔ میں اصطلاحات کے شمول سے بحث نہیں کر رہا تھا۔ غرض یہ تھی کہ نظام حکومت میں کسی دستور کا ذکر ہوگا، کون کون سی آمدنی کا ذکر ہوگا، بیرونی ممالک سے برتاؤ کا ذکر ہوگا۔ جب تک کوئی شخص فن دستور سے واقف نہ ہو، وہ قرآن و حدیث و تعامل صحابہ سے کون چیزیں کہاں سے ڈھونڈے سمجھ نہ سکیگا۔ یہی حال اُن تمام فنون کا ہے جن کا میں نے ذکر کیا۔ میری مراد یہ تھی کہ اسلامی نظام حکومت میں جن جن قواعد کا ذکر کرنا ہے، انکی فہرست یہاں مغربی تالیفوں کی رو سے مرتب کرنی پڑیگی۔ نفس احکام ظاہر ہے کہ صرف قرآن و سنت و تعامل سلف صالح سے استنباط کرنا پڑینگے۔ یہ کام ماہر فن (فن جدید) ہی کر سکتا ہے اور مطالعہ فنون کی تعداد کے لحاظ سے مضمون کے لیے بہتر ہے۔ جامع شخص کا کام ہے۔ جتنے زیادہ شرعی احکام جتنے زیادہ مسائل "نظام حکومت" کے متعلق جمع ہو سکیں ظاہر ہے اتنا ہی اچھا، اور تالیف اتنی ہی مکمل و مفید ہوگی۔

جناب کا ارشاد درکار ہے کہ ہم شریعت کو دنیا چاہتے ہیں، یقیناً اب اسکے متعلق یہ ثبوت دینے کی ضرورت نہیں، دو گروہ سالہا سال سے شروع ہو چکا ہے۔ والاتمام من اللہ۔ ذکل امر مرہون باوقاتہا۔

صدق - "اصطلاحی جزئیات و تفصیلات" سے مراد کوئی مجرد فہرست مصطلحات تھی بھی نہیں۔ مقصودِ گزارش یہ تھا کہ "نظام حکومت" خود ایک قابل غور اصطلاح ہے۔ مغرب میں اسکا جو مفہوم عام ہو گیا ہے، اور جسے غیر محسوس طور پر ہمارے دماغوں نے بھی قبول کر لیا ہے، ضروری نہیں کہ اسلامیات میں بھی وہی مفہوم معتبر ہو۔ اور جو مبادی و مبانی، مغرب والوں کے ہاں ہر نظام حکومت کے لیے بمنزلہ اساس و بنیاد ہیں، وہی یا اسی قسم کے اسلام میں بھی ہوں۔ اور جب یہ ہے تو یہ بھی ضروری نہیں رہ جاتا کہ اسلامی نظام حکومت میں جن قواعد کا ذکر کرنا ہے، انکی فہرست مغربی تخیل کے مطابق ہی مرتب کی جائے۔

مغربی نظام تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت خارجیت کو ہے۔ اسکول اس قسم کا ہو، اسکول کی آرگنائزیشن اس طرح کا ہو۔ اسکول کی عمارت فلاں ڈھنگ کی ہو۔ کورس کی کتابیں فلاں نوعیت کی ہوں۔ اوقات تعلیم فلاں فلاں، مدت تعلیم اتنی ہو۔ وقس علیٰ ہذا۔ اسلامی نظام تعلیم کی بنیادیں اس سے کلیۃً ہی الگ ہیں۔ وہاں یہ ساری خارجی چیزیں صرف ثانوی یا ضمنی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہاں سارا زور معلم و متعلم کی شخصیت پر ہے۔ اب اگر کوئی شخص اسلامی نظام تعلیم کو مغربی سانچے کے مطابق ڈھالنا چاہے اور مغربی ٹریننگ کالجوں کی بنیادوں پر مدون کرنا چاہے تو سمجھ لیجئے اصل سے کتنا دور جا پڑیگا۔

بعینہ یہی حال سیاسیات کا ہے۔ مغربی سیاسیات میں ساری مرکزیت خارجیت کو حاصل ہے۔ دستور فلاں قسم کا ہو، اندرونی و بیرونی سیاسیات کی فلاں فلاں دفعات بطور اصول و قواعد مستقل ہوں، بین الملی تعلقات کی بنیادیں فلاں فلاں ہوں، Sanction فلاں چیز کو قرار دیا جائے، وقس علیٰ ہذا۔ اسلام میں کم از کم جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، اس کا غالب حصہ اس سے کہیں زیادہ بلکہ سب سے زیادہ اہمیت انسان کی شخصیت کو ہے۔ تعلق عبد و معبود میں کس قسم کا رہے، اور پھر بندہ بندہ کے درمیان کس قسم کا جوڑ رہے، بندہ بحیثیت خلیفۃ اللہ کے کیا فرائض ہیں، ایک کے دوسرے پر کیا حقوق ہیں، انسانی قانون سازی کی حدود کیا ہیں، اطاعت الٰہی کے ماتحت کہاں تک اطاعت مخلوق چل سکتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تو اصل زور ان مسائل پر ملیگا، اور صحیح اسلامی نظام حکومت جبھی مرتب ہو سکتا ہے، جب مرکزی حیثیت ان انفرادی و اخلاقی مسائل کی پیش نظر رہے۔ ٹھیٹھ سیاسی جزئیات خلفائے راشدین کے تعامل سے بیشک بہت کچھ مل جائینگے، اور انکی فراہمی و ترتیب بجائے خود بڑی دیدہ ریزی اور بڑی تلاش و کاوش اور عمیق و وسیع مطالعہ کی محتاج ہے، لیکن یہ تعامل بھی محض ایک ثانوی ہی حیثیت رکھیگا، اول حجت تو قرآن ہی کی تصریحات و کنایات رہینگے۔ اور قرآنی تعلیمات کو کسی مغربی نظام حکومت یا ریاست پر ٹھیک ٹھیک چسپاں کرنے میں بڑی ہی اور دور دراز کی کھینچ کھانچ سے کام لینا پڑیگا۔

سلہ آنجناب ارشاد ہو کہ چند غیر مطبوعہ مضامین گزشتہ دنوں کے ساتھ ارسال ہوئے تھے۔

نیاز فتحپوری کی فتنہ نگاری

نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار کے حالات سے ہندوستان کے مسلمان اچھی طرح واقف ہیں۔ کہنے کو تو یہ حضرت اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ہمیشہ نگار ان کا اسلام کے خلاف رہا۔ کبھی تو یہ صحابہ کرام جیسی مقدس ہستیوں پر رکیک حملے کیا کرتے ہیں۔ اور کبھی اسلام کی تعلیمات پر بیجا اور ناجائز اعتراضات کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ ان سے ایک ایسی ناقابل عفو حرکت سرزد ہوئی ہے جس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بیحد اضطراب اور بیچینی پیدا ہو گئی ہے۔ انھوں نے نگار بابت ماہ جون میں لکھا ہے

"کلام مجید کو نہ میں کلام خدا سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں۔ اور اس مسئلہ میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں"

نیاز کی اس حرکت کے خلاف تمام ملک میں احتجاجی جلسے ہوئے اور نفرت و حقارت کے ریزولیوشن پاس کیے گئے ہیں۔ لیکن اس سے کام چلنے کا نہیں۔ ضرورت ہے کہ انکا مکمل سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ اور ان کے رسالہ کا فوراً مقاطعہ کیا جائے۔ ان کی سرشت اتنی گندی ہے کہ وہ صرف سمجھا دینے سے راہ راست پر نہیں لائے جا سکتے ہیں۔

نیاز نے آج ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے وہی مسئلہ پیش کر کے انکے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کیا ہے۔ جس کے لیے ہزاروں مسلمان اپنا سر کٹا چکے ہیں اور آج بھی اس کی خاطر وہ ہر ممکن قربانی کے لیے تیار رہیں۔ اگر انھوں نے جلد اپنی اس ناشایستہ حرکت سے توبہ نہ کی تو عوام کے جذبات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام بہتر نہیں ہوگا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ مسلمانان ہند ان کی توبہ پر اب اعتماد کب کرینگے جبکہ آج سے پہلے انھوں نے انبیاء کرام پر رکیک اور کفر کے حملے کیے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے جب لعنت ملامت کی تو توبہ کی اور عہد کیا کہ آئندہ اس قسم کی تحریریں نہیں لکھینگے جس سے دنیائے اسلام کو صدمہ پہنچے۔ آج نو سال بعد انھوں نے عہد شکنی کی ہے۔ اور اسلام پر ان کا یہ حملہ گزشتہ تمام حملوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اسی لیے ہم حکومت یو۔پی سے بھی درخواست کرینگے کہ وہ جلد سے جلد انکے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائے ورنہ عوام کی بیچینی روز بروز بڑھتی جائیگی۔ جس کی آئندہ روک تھام بہت مشکل ہوگی (مجلہ سلفیہ۔ دربھنگہ)

اطلاع

جن اصحاب کی میعاد خریداری اس ماہ میں ختم ہو گئی ہے انکی خدمت میں وی پی روانہ کر دیے گئے۔ براہ کرم وصول فرما کر دفتر کو شکر گزار فرمائیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

جواب میں ہر کلمہ گو مسلمان نے یکساں حصہ لیا اور یہ دکھا دیا کہ ہر قسم کے اختلافوں کے باوجود ہماری وحدت کی یہ شہ رگ ابھی ہے نہیں کٹ سکتی۔ سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، دیوبندی، بریلوی، ندوی، امت مسلمہ یا اہل قرآن، یہاں تک کہ قادیانی و احمدی، ہر ایک نے شخص مذکور کے ہفوات پر لعنت بھیجی اور اپنے اپنے خیال کے مطابق اسکی پرزور تردید کی۔

ہمارے ملک کے ممتاز ناول نگار و ادیب مولوی ریاض حسن خاں صاحب خیال رئیس ظفرپور اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ پچھلے پرچہ سے کلام اللہ پاک کی وحی پر جو مضمون شروع ہوا ہے وہ اس قابل ہے کہ اسکو علحدہ رسالہ کی صورت میں چھاپا جائے۔ ... دوست احباب بھی ... تجویز کو ... اس طرح کیا جائے کہ نیاز نامہ ... کو کھلا کر دیا جائے جو اس کا نصب العین ہے ... اہل علم کے قلم سے نکلی ہیں۔

خدا جلد لائے وہ دن کہ اس نیاز نامہ کی اشاعت اصل سے عام ... ہو کر رہے!

پاکستان کا تخیل

بنارس، ۱۱ نومبر۔ کل بمسرم ضلع شاہ آباد میں صوبہ مسلم لیگ کی سیاسی کانفرنس کے صدر نے اپنی تقریر صدارت میں کہا

"ہمارا مقصود تو سراسر ایسی حکومت کا قیام ہے جو کلیۃً اسلامی اصول پر ہو۔ ہماری پاکستانی حکومت کو ایران اور ٹرکی کے نمونوں پر قائم نہ ہونا چاہیے، ان میں نہ خلافت ہے اور نہ ہم کوئی شخصی بادشاہت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں شریعت اسلام کی حکومت ہو۔ اور ہماری تمنا یہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومتوں پر ہماری شریعت حکمراں ہو۔۔۔۔ ٹرکی اور ایران کی سلطنتیں ہرگز اسلامی طرز کی نہیں اور ان نمونوں سے اسلامی حکومت کی بابت ہرگز دھوکا نہ کھانا چاہیے"

نظر صرف قول پر رکھیے، قائل کی شخصیت کو نہ دیکھیے ـــ نہ ہو کہ بہت سے "علمائے کرام" کو شرمندہ ہونا پڑے!

شوکت حسین پرنٹر نے تسنیم پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسے سچ مانا، یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب: (حکیم) عبد القوی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں

خط و کتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق

منشی ... گولہ گنج۔ لکھنؤ

ہفتہ وار

صدق

لکھنؤ

نمبر ۲۹	دوشنبہ۔ یکم ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۹ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۴۰ء	جلد ۶

ایک ڈراما

جس پر پردہ اٹھنے سے قبل ہی پردہ پڑ گیا!

ایک خبر:-

"حیدرآباد ۱۱ دسمبر۔ معلوم ہوا ہے کہ بروز شنبہ ۱۲ دسمبر شام کے ۶ بجے کلیۂ اناث جامعہ عثمانیہ کی طالبات حیدرآباد لیڈیز ایسوسی ایشن کلب میں ٹینیسن کا "پرنسس" نامی ڈراما اسٹیج کریں گی جس میں ارباب حکومت و سررشتۂ تعلیمات اور ان طالبات کے والدین جو اس ڈراما میں بحیثیت اداکارہ حصہ لے رہی ہیں مدعو کیے گئے ہیں۔ یاد ہوگا کہ انھیں طالبات نے اس ڈراما کو ۱۳ نومبر کے ہفتۂ تعلیم میں بھی حیدرآباد کے سامنے پیش کیا تھا۔"

(دکن نیوز)

ایک مراسلہ رہبر دکن میں:-

رہبر ملت ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ اس خبر کو بڑے ہی رنج و اندوہ سے سنیں گے کہ بروز شنبہ ۱۲ دسمبر ساڑھے ۶ بجے شام کلیۂ اناث جامعہ عثمانیہ کی طالبات جن میں کم از کم دس مسلم لڑکیاں بھی شامل ہیں "ٹینی سن پرنسس" نامی ڈراما لیڈیز کلب میں ادا کر رہی ہیں اور اس موقع پر اراکین ارباب حکومت، ارباب تعلیمات اور ان اداکاراؤں کے سرپرست۔ اس طرح کل تقریباً ۷۰ مرد مدعو ہیں!!!

مجھے معلوم ہے کہ آپ نے ہمیشہ لڑکیوں کی اداکاری اور انکے رقص وغیرہ کے شوق کی بڑی سختی کے ساتھ اخلاقی اور مذہبی بنیادوں پر مخالفت کی ہے اور مجھے کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ آپ کی بار بار کی معقول اور مدلل مخالفت کے باوجود بھی ہمارے زنانہ تعلیم گاہوں میں ذوق اداکاری برابر پیدا اور بڑھایا جا رہا ہے اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ کلیۂ اناث کی طالبات ایک منتخب اور معزز گروہ ہی کے آگے بھی اسٹیج پر آ رہی اور مشرقی اور اسلامی غیرت کو برباد کر رہی ہیں...."

مراسلۂ بالا پر رہبر دکن کا ایڈیٹوریل نوٹ:-

"واقعاً اس مراسلہ کے مضمون نے ہمیں بیحد رنج پہونچایا ہے۔ ہم ارباب حکومت سے اتنا عرض ابتدا چاہتے ہیں کہ مسلم ملت عامہ بھی قوم کی نوجوان لڑکیوں کی اداکاری اور بے پردگی کی سخت مخالف ہے اور قبل اس کے کہ بہت دیر ہو جائے وہ اس مظاہرہ کو بند کر دیں اور نہ تو خود شریک ہوں اور نہ ارباب تعلیمات اور سررشتوں کو شرکت کی اجازت دیں اس واسطے کہ من حیث الکل وہ سب نامحرم ہیں، اور زنانہ اداروں کو سختی سے حکم دے دیں کہ ڈراموں کی مشق کو درس سے نکال دیں۔"

معتمد صاحب مجلس علماء کی فوری اور برمحل کارروائی:-

"معلوم ہوا ہے کہ اس ضمن میں حضرت معتمد صاحب صدر مجلس علماء دکن نے اشد ضروری ہیں صدر صاحبہ کلیۂ اناث و صدر امور تعلیمات و مذہبی کو تار دے ... ملاحظہ جات کے نام مراسلات جاری فرمائے ہیں اور ان میں مسلمانوں کے جذبات ... کا اظہار کرتے ہوئے تحریر

فرمایا ہے کہ اگر بد قسمتی سے ارباب اقتدار اس مذموم رسم کو منظر عام پر کھینچ لائے تو پھر پبلک کا اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لینا جو اثرات پیدا کریگا اُسکی کامل ذمہ داری ارباب حکومت پر ہوگی۔

(دکن نیوز)

کلام اعلیٰ و وزرائے سلطنت کا قابل قدر احساس :-

"حیدرآباد - ۲۱ دسمبر - کلب الاسٹ کی شریف زادیوں کی جانب سے جو ڈراما "نی سنس پرنس" لیڈیز کلب میں اسٹیج ہونے والا تھا۔ سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم نائب حکومت نواب بہادر یار جنگ بہادر صدر انجمن عاملہ نے جذبات کے صحیح احساس ملی کی وجہ سے روک دیا گیا"۔ (دکن نیوز)

معتمد صاحب مجلس علمائے دکن کے "اشد ضروری" مراسلہ کے جواب میں نواب نجی کی تحریر :-

"آپ نے جس امر کے بسلسلہ مراسلہ تحریر فرمایا ہے اُسکے ضمن میں مناسب اور ضروری احکام جاری کر دیے گئے ہیں"۔

"تمام ڈراما کا ڈراپ سین" — رہبر کا مقالہ تشکر :-

"ہم سر اکبر ، نواب ، اراکین باب حکومت موصوف کو جنہوں نے اس خصوص میں فوری کارروائی ضروری خیال فرمائی ساری مسلم قوم کی ممنونیت و شکرگزاری کا یقین دلاتے ہیں۔ یہ ممنونیت و شکرگزاری کا احساس اُسوقت عام طور پر اور بھی بڑھ جائیگا جب اُسکو یہ معلوم ہوگا کہ کلب کی صدر اور اُن تمام معلمات کو جنہوں نے شریف لڑکیوں کو اداکاری سکھائی تھی اور اس ڈراما کی تیاری پر بڑی محنت صرف کی تھی اور شاید یہ توقع رکھتی تھیں کہ اراکین باب حکومت اور سامعین اُنکی اس محنت و جانفشانی کی خوب داد دیں گے اور انکے اس کارنامے سے خوش ہوں گے اور انکی ترقیوں کی راہیں آئندہ نہایت ہی ہموار ہو جائینگی۔ جب احکامات روک دینے کے موصول ہوئے تو انہیں سخت مایوسی ہوئی اور اپنے "مقدمہ" کو ایک رہبر کے خلاف سخت غصہ کی حالت میں چند ایک اُن لڑکیوں کے ساتھ جو اُنکے زیر اثر ہیں اور اُن لڑکیوں سے علیحدہ جنکا ڈراما کے خلاف احتجاج کل دکن نیوز کے ذریعہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کونسل ہال پہنچیں اور اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی مگر پھر بھی نواب صدر اعظم بہادر نے انہیں اسکی اجازت دینے سے انکار کر دیا"۔

یہ مذاق سرزمین دکن نے ، شبہ دکا تحفہ قبول کرنے میں برسوں سے پروپیگنڈے تشویق و ترغیب کے باوجود اب تک پیچھے ، بہت پیچھے ہے! اور آہ بدنصیب والدین کو اپنی صاحبزادیوں کو اسٹیج پر مردانہ اور زنانہ بھیس میں گاتے ناچتے ، تھرکتے دیکھنے کا ارمان اُنکے دل کے دل ہی میں رہ گیا۔

مولانا محمد سجاد مرحوم

قوم و ملت کے لیے تازہ و دردناک ترین حادثہ صوبہ بہار کے نائب امیر شریعت اور جمعیۃ العلماء کے ناظم مولانا سید محمد سجاد صاحب کا حادثۂ وفات ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا اِلیہِ راجعون۔ انتقال کی خبر اچانک معلوم ہوئی، قبل سے کسی علالت کی اطلاع نہ تھی، اسلیے قدرۃً صدمہ بھی اور زیادہ ہوا۔ مرحوم جمعیۃ العلماء کے بہت قدیم اور ابتدائی خدمتگزاروں میں اور خلافت کمیٹی کے دور اول کے مخلص و پرجوش کارکنوں میں تھے، اور امارت شرعیہ (صوبہ بہار) کے تو گویا بانیوں میں تھے۔ تدین، تدبر، اخلاص اور دینداری کا ایک مجسم نمونہ تھے۔ فکر و نظر، علم و عمل ، ہر اعتبار سے بہت بلند و ممتاز تھے۔ اور "نیشلسٹ" خیال کے علماء میں تو خوبیوں کے لحاظ سے اپنی نظیر بس آپ ہی تھے۔ کانگریس کے ہمدرد ہونے کے باوجود کانگریسی حکومت اور کانگریسی کارکنوں پر نکتہ چینی میں آزاد و بیباک تھے۔ اپنی اسلامیت کو کبھی وطنیت سے مغلوب نہ ہونے دیا۔ حمیت دینی و غیرت اسلامی سے دل لبریز رکھتے تھے۔ اور اس درد مند و حساس دل کے ساتھ دماغ بھی سلجھا اور گہرا رکھا رکھتے تھے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں فتنۂ ..... کی مدافعت میں بہت پیش پیش رہے۔ سنہ ۱۹۳۴ء کے مشہور زلزلۂ بہار کے موقع پر بھی مسلمان مصیبت زدوں کی بڑی ہی خدمت کی۔ زندگی کا ہر سانس، وقت کا ہر لمحہ فلاح امت، خدمت ملت کے لیے وقف تھا۔ ہر مشکل کے وقت سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتے۔ مخالف خدمات کو کوئی کہاں تک گنائے۔ آئندہ بات اب ہر اُنکی یاد آیا کریگی۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور مدارج عالیہ بلند سے بلند تر نصیب فرمائے۔

خانہ داری کی اہمیت

"گھریلو زندگی خواہ مخواہ ایک تنگ دائرہ کا نام ہے، اور وہ اُس نوجوان عورت کو جو اپنے بوڑھے عزیزوں کی خدمت میں لگی ہوئی ہے بیکار کہا جاتا ہے — ... گھر کا دائرہ اسی قدر وسیع ہے جتنا کسی پیشہ کا ہو سکتا ہے۔ عورت کے بہترین جوہر اسی میں پوری طرح کھل سکتے ہیں۔ وہ اپنے والوں کی خدمت کرکے تو خاص طور پر مگر ہر ممکن شوہر کے دل میں پیدا کر سکتی ہے، جو آج جیسی بیٹی ہے، وہی کل اچھی بیوی بن سکتی ہے"

(اسٹیٹس مین - ۱۰، نومبر سنہ ۴۰ء)

"پنڈ جیرڈ انا" نہیں ہے، ایک مغربی خاتون کا مشورہ ہے، جو ایک انگریزی روزنامہ میں چھپا ہے۔ پورا مضمون خاصہ طویل ہے، اور اسی قسم کے مشوروں سے بھرا ہوا ہے۔ —— کچھ عجب ماجرا ہے۔ جب تک گھروں کے اندر بیٹھی رہیں برابر ہوا دئے "گھریلو" زنانہ داری کی زندگی پر اگلے جاتے رہے، طعنہ تنگ نظری ، تنگ خیالی کے ملتے رہے۔ اور جب گھر والیاں پردہ کے باہر آ گئیں، جب ، بقوں میں آگ لگا دی گئی اور نقابیں پرزہ پرزہ کر دی گئیں، تو اب پھر آوازیں آ رہی ہیں (کہیں اور سے نہیں وہیں سے جہاں پہلے وہ صدائیں بلند ہوئی تھیں) کہ گھریلو زندگی کو حقیر نہ سمجھو، یہ تو نسائیت کی جان ہے، عورت کو گھر کی ملکہ بن کر تو رہنا چاہیے!

رزم میں بزم

اطالیہ کی "فوج ظفر موج" سے متعلق ایک خبر :-

"یونان پر حملہ کرنے والی فوج کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ معلوم ہوا ہے کہ اطالوی سپاہی ستار اور

طنبورے بھی ساتھ لیکر آئے تھے، تاکہ جب یونان کے
دار السلطنت میں داخل ہوں تو گاتے بجاتے داخل ہوں، مگر
اب جو پے در پے شکستیں ہو رہی ہیں، تو یونانی فوجوں کے سامان
میں یہ طنبورے اور ستار بھی مل رہے ہیں۔ جنکو یونانی سپاہی
یادگار کے طور پر اپنے گھروں کو بھیج رہے ہیں"۔

تہذیب و تمدن میں ناقص اطالوی سپاہی! یہ ہو تو مسٹر انہاک اپنی جانوں کو
"آرٹ" کے ان نمونوں، مثلاً حسن کی ان یادگاروں سے عزیز رکھے ہوئے ہیں!
مر جاتے، کٹ جاتے، انکے جسم قیمہ قیمہ ہو جاتے، مگر یہ تو نہ ہوتا کہ ستار اور
طنبورے جیسے بیش بہا آلات جنگ اور سامان سپہ گری کو چھوڑ بھاگتے!
—— واجد علی شاہی فوج کے افسانے اِن حقائق دروا قعات کا
مقابلہ کر سکتے ہیں؟

فرض شناسی کا کمال

سر ایمکل فیر ڈے (متوفی ۱۸۶۷ء) کا نام
سائنس کی دنیا میں بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ حال میں انکی فرض پرستی اور
انہماک فن کے ضمن میں ذیل کا واقعہ، ہندوستان کے ایک مشہور غیر مسلم ماہر
سائنس اور ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ متحدہ نے اپنی تقریر بعنوان "اسپرٹ
آف سائنس" میں بیان کیا:—

"جب فیر ڈے، رائل انسٹیٹیوشن میں طالب علمی کر رہے تھے
ایک روز شام کے وقت انکے استاد، نامور ماہر سائنس سر ہمفری
ڈیوی نے ان سے کہا کہ فلاں مرکب کو فوراً جا کر دیکھنا ہے
ابھی چند گھنٹوں کے اندر رات میں (ایسا) آتا ہوں۔ سر
ہمفری ڈیوی بالکل بھول گئے کہ انھیں رات ہی اپنے معمل
(لیبوریٹری) کو لوٹنا ہے۔ یہاں تک کہ ساری رات گزار کر جب
دوسرا دن ہو گیا، اور سر ہمفری حسب معمول آئے تو دیکھتے کیا
ہیں کہ فیر ڈے اسی طرح مشغول ہیں!" (لیڈر، ۱۹ نومبر ۱۹۴۰ء)

حیرت ہے کہ ہونہار شاگرد کی اس قدر افزائی کے جوش میں عالی مرتبت استاد کی
آرٹ نوازی کی داد دینی فاضل مقرر سے رہ ہی گئی!—— شاگرد بیچارہ
ادھر رات بھر کوئی دوا گھونٹتا اور گھیٹتا رہا، تو ادھر استاد محترم نے بھی تو
آج کے شغل لطیف میں رات بسر فرمائی! "سائنس" کے ماہر ہو کر "آرٹ"
کے ساتھ یہ شغف! فنون لطیفہ سے یہ ذوق، کہ اسکے آگے اپنے وعدے
اور اپنے فرض منصبی سب کو بھول جائیں! انشاء اللہ! مشرق غریب کے علما،
و اہل فن اتنا بلند معیار اپنے علم و عمل کا کہاں سے لا سکتے ہیں!

حریف کی حیرت

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا آخری (چودھواں)
ایڈیشن تو شایع ہوئے مدت ہو چکی، اب اسکے بعد سے اسکا سالانہ ضمیمہ،
سالنامہ (Year Book) کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ سالنامہ
بابت ۱۹۳۸ء میں مقالہ "مذہب" کے تحت میں ۱۹۳۶ء کے واقعات و
سوانح پر مذہبی تبصرہ کے ذیل میں ہے:—

"غیر مسیحی قوموں میں، ترک اپنے مذہب کی سرکاری معزولی پر حیرت انگیز
خاموشی کے ساتھ آمادہ ہو گئے"۔ (ص ۵۴۹)

اشارہ ۱۹۲۸ء کے ترکی حکومت کے اُسی اعلان کی جانب ہے جس میں یہ
درج تھا، کہ آج سے حکومت خالص دنیوی قرار پاتی ہے، اس کا کوئی دین
نہیں!—— "حیرت انگیز" اس خاموش انقلاب کو، یہ مسیحی تبصرہ نگار
اس لیے کہہ رہا ہے، کہ مسلمانوں، خصوصاً ترک مسلمانوں کی حمیت دینی و
غیرت اسلامی کسی زمانہ میں ضرب المثل تھی!

ترقیوں کے قدم

واقعات قتل	۱۹۳۴ء میں	۶۶۴	ہوئے تھے۔
"	۱۹۳۵ء میں	۸۲۹	تک پہونچے۔
"	۱۹۳۶ء میں	۸۹۸	کی میزان ہوئی،
"	۱۹۳۷ء میں	۹۳۳	کی نوبت آگئی،
"	۱۹۳۸ء میں	۱۰۴۱	تک شمار پہونچا۔
"	۱۹۳۹ء میں	۱۱۳۳	تک میزان آگئی!

رہزنی کی وارداتیں ۱۹۳۹ء میں ۶۷۴ ہوئیں۔ اس تعداد
نے پچھلے دس سال کا ریکارڈ توڑ دیا۔
نقب زنی کی وارداتیں ۱۹۳۸ء میں ۱۴۷۶ ہوئی تھیں، ۱۹۳۹ء
میں ۲۷۰۲ تک جا پہونچیں!
ڈاکہ کی وارداتیں ۱۹۳۹ء میں اتنی ہوئیں کہ ۱۹۲۲ء
کے اور انکی کوئی نظیر نہیں ملتی"۔

اعداد، ہندوستان کے صرف ایک صوبہ پنجاب سے متعلق ہیں، جو وہاں
کے اخبارات میں صوبہ کی سرکاری رپورٹ کے حوالہ سے شایع ہوئے
ہیں۔ اور کس صوبہ کا یہ حال نہیں ہے؟ یو۔پی، بنگال، بمبئی،
مدراس، بہار، کون سا صوبہ ان "ترقیوں" میں پیچھے ہے؟ "ترقیاں"
ایک طرف کالجوں، اسکولوں میں طلبہ و طالبات کی تعداد میں،
آزادی نسواں میں، تعلیم میں، روشن خیالی میں اور دوسری طرف
"ترقیاں" اسی تیز رفتاری و سرگرمی کے ساتھ، قتل و غارت میں،
چوری اور ڈکیتی میں، نقب زنی اور رہزنی میں!

تجدد کا عتاب

"جہاں تک رزولیوشن کا تعلق
ہے" [رزولیوشنوں سے مراد انجمن خواتین حیدرآباد کی
کانفرنس کے رزولیوشن ہیں] "انکے الفاظ میں ہم بہت
کم قوت پاتے ہیں، اور انگریزی محاورہ میں اسقدر عرض
کرتے ہیں، کہ یہ سب پانی ملا ہوا دودھ ہے —... انکے
الفاظ اور لہجہ میں کسی عزم و عقیدہ کا پتہ نہیں چلتا، اور
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ڈر ڈر کر رزولیوشنوں کے مسودے
تیار کیے گئے ہیں، اور ہر قدم پر اسکا لحاظ رکھا گیا ہے کہ
ان عبارتوں میں کسی کو خفا ہونے کی گنجائش نہ مل جائے (پیام)
بیشک بیشک، وہ زنانہ کانفرنس بھی کوئی کانفرنس ہے، جسکے رزولیوشنوں
میں کچھ دھمکیاں نہ ہوں" مخلوطیت کا پروپیگنڈا نہ ہو، بے حجابی کی
تلقین نہ ہو، مردوں کو چیلنج نہ دیا جائے، شوہروں اور باپوں پر طنز و (...)

کیا اب بھی اس جاہل مقالہ نگار کے اس دعوے کی،

"اس صورت میں الہام یا وحی سے مراد صرف وہ تاثرات ہونگے جو ایک انسان یا رسول کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، اور جنھیں وہ مروجہ زبان میں نہایت کامیابی و خوش اسلوبی سے ادا کر دیتا ہے ... قرآن مجید میں اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا، اور نہ اسے کلام مجید میں درج ہونے سے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ عہد نبوی میں اس قسم کی روایتیں تورات و انجیل کے حوالہ سے یہود و نصاریٰ کی طرف سے عام طور سے بیان کی جاتی تھیں اور چونکہ توریت و انجیل کے الہامی ہونے کا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا، اس لیے رسول اللہ نے بھی انکو محض اعتبار و اہمیت کے لیے بیان کر دیا، اس سے بحث نہیں کہ وہ صحیح ہے یا غلط"

سچائی کا ادنیٰ ذرہ نصیب ہو سکتا ہے،

مشرکین کا تو دعویٰ ہی یہ تھا کہ قرآن خدا کا کلام نہیں، اور نہ فرشتہ لیکر آتا ہے، بلکہ محمدؐ اپنے جی سے گھڑ کر اور پرانے قصوں (اساطیر الاولین) کو جوڑ کر بنا لیتے ہیں، اور جھوٹ خدا کی نسبت کر دیتے ہیں۔ اب اگر یہی بات ایک نام کا مسلمان کہتا ہے تو اس میں، اور ابو لہب اور ابو جہل وغیرہ میں فرق کیا ہے؟ قرآن مجید نے انکے اسی اعتراض کو افتراء علی اللہ (خدا پر جھوٹ باندھنا) کہکر ادا کیا ہے، اور اسکی جا بجا تردید کی ہے۔ کفار کہتے تھے،

ان ہو الا رجل افتریٰ علی اللہ کذبا (مومنون)	محمد ایک ایسا شخص ہے، جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔
ام یقولون افتریٰ علی اللہ کذبا (شوریٰ)	کیا یہ کافر کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے۔

اسکے جواب میں خدا فرماتا ہے، اے پیغمبر

قل ان افتریتہ فعلی اجرامی (ہود)	کہدے اگر میں نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے،
قل ان افتریتہ فلا تملکون لی من اللہ شیئا (احقاف)	کہدے کہ اگر میں نے اس قرآن کو خدا پر جھوٹ باندھا ہے تو تم اللہ کی طرف سے میرے لیے مالک نہیں۔

سورۂ انعام میں ہے،

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او قال اوحی الیّ ولم یوح الیہ شیء (انعام ۱۱۰)	اور اس سے بڑھکر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور جو کہتا ہے کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آئی ہے۔

کیا عجیب بات ہے کہ قرآن پاک تو افتراء کی نفی کرتا ہے، اور نام کا مسلمان اسکو رسول کے لیے ثابت کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ کفار کے اس دعوے افتراء علی اللہ کے جواب میں بیسیوں آیتیں ہیں جنکا یہاں نقل کرنا بھی مشکل ہے۔

قرآن پاک میں لفظ وحی آسمان و زمین اور بعض جانوروں اور شہد وغیرہ کی شان میں بھی آیا ہے، اس سے اس غلط نگار نے یہ نتیجہ نکالا ہے،

"وحی کے لغوی معنی اشارۂ سریع یا الہام بالسرعۃ کے ہیں، اردو میں اسکا صحیح مفہوم "برمحل سوجھ بوجھ" کے لفظ سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قوت کسب و اکتساب سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ فطری ودیعت ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں، کہ وحی "خدا کی دین" اور نتیجہ ہے اس ذہنی قوت کا جو فطرتاً انسان میں ودیعت کی گئی ہے، اور چونکہ یہ قوت انبیاء میں زیادہ پائی جاتی تھی، اور انکا ہر قول و فعل نوع انسانی کی خدمت کے لیے ہوتا تھا اس لیے یہ کہنا نادرست نہیں کہ انکی ہر بات وحی کا نتیجہ تھی، اور انکے منہ سے جو کچھ نکلتا تھا، وہ اسی اشارۂ خداوندی کے ماتحت ہوتا تھا" (جولائی ص ۵۹)

کیا ان سطروں میں جو کچھ ادا کیا گیا ہے، وہ وہی ہے، جو گذشتہ پرچہ میں بڑے عامیانہ انداز و تبختر سے اس کے قلم سے نکلا تھا۔ ذرا اس "عذر گناہ" کو اصل گناہ سے ملا کر دیکھیے، کہ مسلمانوں کی گرفت سے گھبرا کر کہاں سے کہاں پہونچا ہے۔ اسکا اصل دعویٰ تو یہ تھا

"کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں، نہ الہام ربانی، بلکہ انسان کا کلام جانتا ہوں، اس صورت میں الہام یا وحی سے مراد وہ تاثرات ہونگے، جو ایک انسان یا رسول کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، اور جنھیں وہ مروجہ زبان میں نہایت کامیابی سے ادا کر دیتا ہے"

آپ نے دیکھا، پہلے اس نے وحی و الہام کے معنی انسانی تاثرات کے بتلائے تھے، اور اب ترقی کرکے قرآن پاک کی ان آیتوں سے جن میں وحی کا لفظ ایک خاص معنی میں استعمال ہوا ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ وحی کے معنی برمحل سوجھ بوجھ کے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے، تاثرات غور و فکر کے بغیر واقعات کے انفعالی نتائج کا نام ہے، جو شاعر کے کام کی چیز ہے، اور جس کی قرآن نے اپنے سے نفی کی ہے، ما ہو بقول شاعر، یعنی قرآن شاعر کا کلام نہیں، یا یوں کہیے کہ تاثرات شاعرانہ کا نتیجہ نہیں، اور "سمجھ بوجھ" انسانی غور و فکر کا ارادی نتیجہ ہے، اگر قرآن پاک سمجھ بوجھ اور انسانی غور و فکر کا ارادی نتیجہ ہوتا تو اسکی نسبت خدا کی طرف کرکے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیا اسی افتراء علی اللہ کے مرتکب نہیں ہوئے، جس کا الزام کفار آپ پر لگاتے تھے۔

بہرحال اپنے مضمون کی دوسری منزل میں وہ مدعی نے یہاں تک تو ترقی کی کہ کسی نہ کسی معنی میں وہ قرآن پاک کو وحی و الہام ماننے پر اتر آیا، اور جسکے قلم سے ایک مہینہ پہلے یہ نکلا تھا کہ

"کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی"

اسکے قلم سے ایک ہی مہینہ کے بعد یہ نکلا،

"اس لیے یہ کہنا نادرست نہیں، کہ ان کی ہر بات وحی کا نتیجہ تھی، اور انکے منہ سے جو کچھ نکلتا تھا وہ اسی اشارۂ خداوندی کے ماتحت ہوتا تھا" (جولائی ص ۵۹)

اشارۂ خداوندی کے ماتحت جو چیز ہے کیا وہ غلط ہو سکتی ہے؟

(باقی آیندہ)

تازیانۂ عبرت

(پنجاب کے دو ہندو اخباروں کے شہادات)

(۱) لاہور میں دیوالی کی تقریب

دیوالی ہندوؤں کا ایک مشہور تہوار ہے - چنانچہ دھوم دھام سے ہندوؤں نے اس سال بھی حسب معمول دیوالی پر دیپ مالا کی - لاہور میں اس تہوار کی رونق دیکھنے کے لیے دور و نزدیک سے ہندو اور سکھ آئے ہوئے تھے - انارکلی بازار میں جہاں اس تہوار پر غیر معمولی رونق ہوتی ہے ہندو اور سکھ دیویاں بھاری تعداد میں دیوالی کی رونق دیکھنے کیلیے آ جا رہی تھیں - اس موقع پر بھیڑ بھاڑ اور ٹریفک کی مشکل سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے غنڈوں نے ان دیویوں سے فحش مذاق کرنا اور آوازے کسنا شروع کر دیے - چنانچہ تنگ آ کر دیویوں کو دکانوں میں پناہ لینی پڑی - پولیس سے اس موقع پر ان غنڈوں کے خلاف فوری کارروائی کی توقع تھی مگر پوری نہ ہوئی - میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں سے کہوں گا کہ اگر وہ اپنی ماؤں بہنوں اور استریوں کی رکھشا کرنے کے قابل نہیں تو کیوں وہ انھیں ایسے موقعوں پر اکیلی بازاروں میں نکلنے دیتے ہیں؟ اکثر دیکھا گیا ہے کہ رات کو سینما سے آنے کے وقت غنڈے بعض فحش مذاق کرنے لگ جاتے ہیں - کیا ہی اچھا ہو اگر ہندو اور سکھ دیویاں اس طرح اکیلی باہر نکلنا چھوڑ دیں - اور ساتھ ہی غیر معمولی طور پر فیشن ایبل بن کر بازاروں میں نہ نکلا کریں۔

(۲) لاہور میں دیوالی

دیوالی کی رات کو ایسے پھر انارکلی لاہور میں شرمناک نظارے دیکھنے میں آئے - قوم کے نونہالوں نے؟ اپنی بہنوں کی بے عزتی کی - تماشائیوں کی بھیڑ میں دھکے دیے گئے - مذاق کو معمولی بات سمجھا گیا - رہ رہ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوان کدھر جا رہے ہیں؟ کیا یہی تعلیم ہے جس کیلیے قوم کا روپیہ پانی کے ساتھ بہایا جا رہا ہے - اگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہمارے نوجوانوں کا اخلاق اس قدر پست ہوتا ہے تو ایسی تعلیم کا کیا فائدہ؟ کیا ضرورت اس امر کی نہیں ہے کہ اس سوال پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے - کالجوں کے پرنسپل و منتظمان دیکھیں کہ انکے کالجوں کے نونہال کس رو میں بہے جا رہے ہیں - جس قوم کے سپوت؟ پبلک تقریبوں پر اپنی بہنوں کی اس طرح بے حرمتی کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے وہ کیا خاک ترقی کر سکتی ہے - تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے - اگر ایک دفعہ دیوالی کے موقع پر ایسے مادر پدر آزاد نوجوانوں کی اچھی طرح مرمت ہو جائے تو یقیناً آیندہ سے کسی دیوی کی بے عزتی کرنے کی جرأت نہ ہو۔"

دفتر خلافت صدر خلافت کی نظر میں

...نے ترچناپلی (مدراس) جاتے ہوئے خلافت ہاؤس کا معائنہ کیا - دوران معائنہ میں دفتر خلافت کے آمد و خرچ کے گوشوارہ کا معائنہ کیا جس سے بعد طمانیت ہوئی - اسکے قبل اکثر ڈیفسٹ بیلنس (یعنی آمدنی کی نسبت خرچ زیادہ) ہوا کرتا تھا جس سے دفتر زیر بار قرض رہا کرتا تھا - الحمد للہ کہ اب حالت بدل گئی اور نمایاں ترقی حاصل ہوئی ہے - چنانچہ آج کی تاریخ یعنی بست و کیم اکتوبر ۱۹۴۰ء میں تقریباً بارہ روپیہ خازن خلافت کے یہاں موجود ہے - ایجنٹوں کے ذمہ ڈھائی ہزار روپیہ بقایا ہے اور دفتر کے ذمہ رقم واجب الادا تقریباً ۱۸۰۰ (ایک ہزار آٹھ سو اسی) روپیہ ہے - ایجنٹوں کی باقی رقم وقتاً فوقتاً وصول ہوا کرتی ہے۔

مطبع خلافت کی حالت یہ ہے کہ گویا اسکی کایا پلٹ گئی - ایسا پایا جاتا ہے کہ گویا جدید پریس خرید لیا گیا ہے - اخبار کی چھپائی اور صفائی ایسی ہے کہ روزانہ اور ہفتہ وار اردو خلافت پڑھنے کے لیے دلی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اردو اخبارات کے اسوا گجراتی زبان میں بھی ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا گیا ہے - گو کہ اخبار مذکور ابھی گویا شیر خوار بچہ ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ وہ تسلی بخش طریقہ پر نشو و نما پائیگا۔

الغرض ادارۂ خلافت، پریس اور دفتر کے ہر شعبہ میں عزیزی زاہد علی صاحب نے نمایاں ترقی کر کے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ الولد سر لابیہ بالکل ٹھیک ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ انکی ہمت اور جذبۂ خدمت قومی میں اضافہ کرے اور انھیں دارین میں سرخرو بنائے - آمین

سید مرتضیٰ عفی عنہ - صدر مرکزی خلافت کمیٹی - ۲۱ - اکتوبر ۱۹۴۰ء

بقیہ صفحہ ۳

تعریض نہ ہو بھائیوں اور بیٹیوں سے نوک جھونک نہ ہو، بلکہ اسکے برعکس اس کے خطبات میں تذکرہ بار بار "روحانیت" اور "شرافت" اور "حیا" کا ہو! ایسے پھیکے اور بے نمک جلسوں اور خطبوں سے آخر حاصل کیا؟ تجدد کو اب بھی غصہ نہ آئے، اب بھی جھنجلاہٹ اس پر طاری نہ ہو، تو آخر کیا ہو؟ تجدد بیچارہ بھی آخر کیسے اور کہاں تک غم کھائے؟ اور اب کیا ایسے موقع پر بھی اسکا قلم رنگ جمالی کے بجائے شان جلالی کا مظاہرہ نہ کر بیٹھے؟

کلامِ الٰہی

(از جناب حسینی شاہ و نظامی صاحب)

ہمارے آقا سرخیلِ مرتبتؐ نے وحی کی حقیقت و لفظوں میں بیان فرمائی قیل لی قل فقلت (بخاری) اور قرآن نے وحی کا باللفظ ہونا اِنّا انزلناہ قرآناً عربیاً سے اور کذالک اوحینا الیک قرآناً عربیاً سے ثابت کر دیا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آیات ماکان حدیثاً یفتریٰ (یہ کسی اور کی بنائی ہوئی باتیں نہیں)
ماکان ہذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ (قرآن غیر خدا کا بنایا ہوا نہیں) اور اوحینا الیک قرآناً عربیاً سے ثابت ہے کہ قرآن کو خدا نے عربی میں وحی کیا ہے۔ اسی پر مسلمان قرآن کو از الحمد تا والناس لفظاً و معنیً کلام اللہ مانتے ہیں۔ اسکے بعد کسی کا اتنا اسکے ماننے کو متاثر نہیں کر سکتا۔ بلکہ مسلمان ہر ماننے والے کو ان ہذا الا قول البشر کہنے والے کا ہمنوا تصور کرنے پر مجبور اور آج کی صدائے ان ہذا الا قول البشر کو اُس اگلی آواز کی صدائے بازگشت سمجھنے پر معذور ہے۔

(۱) قرآن خود معترف کہ قرآن باللفظ کلام اللہ ہے۔

نزل علیک الکتاب بالحق (عمران)
و ہذا کتاب انزلناہ مبارک

(انعام ع ۱۱ و ۲۰)

کتابٌ انزل الیک (اعراف)
کتابٌ انزلناہ الیک (ابراہیم)
و انزلنا الیک الکتاب الا لتبین لہم (نحل)
الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب (کہف)
و اتل ما اوحی الیک من کتاب ربک (کہف)
و اتل ما اوحی الیک من الکتاب (عنکبوت ع ۱)
تنزیل الکتاب لا ریب فیہ من رب العالمین (سجدہ)
تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم (مومن و جاثیہ و احقاف)
و انزل اللہ علیک الکتاب و الحکمۃ (نساء ع ۱۷)

قرآن سے قرآن کا کتاب اللہ ہونا ثابت۔ و مسلّم۔ اگر عقل تجویز ہی کا اس میں اتنا تصرف کہ کتاب تو خدا کی مگر عبارت نہیں۔ یعنی خدا نے کتاب دی مگر سادہ ورق دے دیا اور آنحضرتؐ نے من الیٰ آخر اس کی خانہ پُری کر دی۔ نعوذ باللہ۔ اتنی مہتم بالشان کتاب کا معرّیٰ عن العبارۃ ہونا اور عبارت کا معرّیٰ عن الالفاظ ہونا کسی ذہن یا دماغ میں بھی آ سکتا ہے؟ کیا یہ تصور محال خود محال نہیں ہے؟ قرآن کتاب اللہ ثابت ہے تو اُس کی عبارت بھی خدا کی اور عبارت جن الفاظ سے بنی وہ بھی لامحالہ خدا ہی کی ٹھہری۔ کتاب اللہ اور محل تصرف اغیار! گویا قرآن تک کو یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ کا مصداق بنانے کی مشنریانہ سعی!! مگر ایں خیال است و محال است و جنوں۔

(۲) قرآن معترف کہ قرآن خدا کا۔ مضمون خدا کا۔ اوامر و نواہی خدا کے اور قصص و امثال خدا کے۔

و لقد صرّفنا فی ہذا القرآن لیذکروا (بنی اسرائیل ع ۵) قرآن میں ساری باتوں کے بیان ہیں۔
و ننزل من القرآن ما ہو شفاء و رحمۃ (بنی اسرائیل ع ۹) شفاء روحانی اور رحمت بھی۔
و لقد صرّفنا فی ہذا القرآن للناس من کل مثل (بنی اسرائیل ع ۱۰ و کہف ع ۸)
" قرآن میں ان گنت تمثیلیں بھی ہیں۔
و کلاً نقص علیک من انباء الرسل (ہود ع ۱۰) قرآن میں اگلے پیغمبروں کے قصص بھی ہیں۔
نتلوا علیک من نبأ موسیٰ و فرعون بالحق (قصص ع ۱) قرآن میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا اصلی قصہ ہے۔
صٓ و القرآن ذی الذکر (صٓ ع ۱) قرآن میں پند و نصائح بھی ہیں۔
فاحکم بینہم بما انزل اللہ (مائدہ ع ۷) قرآن کے قوانین و ضوابط بھی ہیں۔
سنقرئک فلا تنسیٰ (اعلیٰ) ہم آپ کو قرآن ایسا پڑھا دینگے کہ کبھی بھولنے نہ پائیگے۔
انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلاً (دہر ع ۲) ان علینا جمعہ و قرآنہ ثم ان علینا بیانہ (قیامہ) آپ کے سینہ میں قرآن کا جمع کرنا اور آپ سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ جب آپ کو ہم پڑھا دیں آپ ہمارے پڑھانے کے برابر پڑھو اور آپ سے اس کا بیان کروانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

قرآن کے الفاظ اور متن خدا کے نہیں آنحضرتؐ کے ہوتے تو نفس ان علینا جمعہ و قرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کی ضرورت نہ ہوتی۔ آنحضرت کو آنحضرتؐ ہی کے الفاظ یاد کرانے اور روز روز کے پڑھانے کی ذمہ داری سنقرئک اور فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کے رو سے خدا پر تو نہ ہوتی۔ آنحضرتؐ کو آپ ہی کے الفاظ و جملے یاد کروانے کی ضرورت کیا؟ اور یہ مہتم بالشان اہتمام کیوں؟ کیا اب بھی یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ یہ سارے اہتمام آنحضرتؐ کو خدا کے الفاظ یاد کروانے کے لیے تھے۔ کیونکہ قرآن خدا کا کلام۔ خدا کا بیان اور خدا کا منطوق تھا اور اُسکو آنحضرتؐ کے سینۂ پاک میں محفوظ کروانا تھا۔

(۳) قرآن کی سورتیں خدا کی قرآن کی عبارت خدا کی قرآن کی آیتیں خدا کی۔

سورۃٌ انزلناہا و فرضناہا و انزلنا فیہا آیاتٍ بیّنات (نور) اس کے اوامر و نواہی اور قواعد ہم نے بنائے اور اسکی عبارتیں یا آیتیں ہم نے مرتب کیں۔

و اذا ما انزلت سورۃ نظر بعضہم الیٰ بعض (توبہ ع ۵)
و اذا انزلت سورۃ محکمۃ (احقاف)
تلک آیات اللہ نتلوہا علیک بالحق (بقرہ ع ۲۲۵) آیات اللہ فرمایا آیات النبی نہ فرمایا اور آیت کے معنی ہیں سارے پورے ٹکڑے کے۔
تلک آیات الکتاب والذی انزل الیک من ربک الحق (رعد ع ۱)

و اذا بدّلنا آیۃً مکان آیۃ و اللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر (نحل ع ۱۴) اپنی مصلحت کے تحت کسی عبارت کو بدلکر دوسری اُس کی جگہ رکھدیتے ہیں تو لوگ باوجود لاعلمی کے کہتے ہیں کہ محمدؐ نے قرآن بنا لیا

قرآن کے الفاظ کو الفاظ رسول تصور کرنے والے ٹھنڈے دل سے

قرآن کے سارے قوانین دیوانی و فوجداری منسوخ کرکے رکھ دیے گئے ہیں ——

آپ ان سب چیزوں پر ناخوش ہونے کے بجائے دل میں چبھن اور کڑھن محسوس کرنے کے بجائے، انھیں ارتداد کا پیش خیمہ، بلکہ عین ارتداد سمجھنے کے بجائے، الٹے ان پر خوش ہوتے ہیں، ذکر اور چرچا اس طرح کرتے ہیں کہ گویا کوئی بڑی نعمت مل گئی ہے، اور سارا زور قلم اور زور زبان، ان غداران اسلام کی حمایت و نصرت میں صرف فرمانے لگتے ہیں! اور دلیل یہ دے کے پیش کرتے ہیں، کہ فلاں دنیوی کامیابی تو حاصل ہو گئی! ذرا غور فرمائیے، کہ یہ کس قسم کا تدین، کس طرح کی اسلام دوستی ہے!! اسلامیت اگر اسی کا نام ہے، تو آخر عصبیت جاہلیت کس کو کہا جائیگا؟

گورہ شاہی شکنجہ موت

امریکہ کے ایک جدید اہل قلم ولیم لے اسمتھ ہیں، "ترک موالات" کے زمانۂ شباب میں ہندوستان آئے۔ جلیانوالا باغ امرتسر کا معائنہ خود جاکر کیا ہر پارٹی اور ہر مسلک کے لوگوں سے ملے۔ ۱۹۲۹ء میں سفر افریقہ کا، اور ۱۹۳۲ء میں فیجی، آسٹریلیا، وغیرہ کا کیا، اور ہر جگہ ہندوستانیوں ہی کے کھوج میں رہے۔ غرض یہ ۱۸۔ سال تک ہند اور اہل ہند ہی کا مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں تقریباً ۵۰۰ صفحات کی ضخامت کی کتاب (Nationalism & Reform in India) (قومیت اور اصلاحات ہند میں) کے نام سے امریکہ کی ییل (Yale) یونیورسٹی پریس سے شایع کی، اور اپنے نزدیک کاوش و تحقیق کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ۱۹۲۱ء کے مشہور واقعہ مظلومیت موپلہ کی سرگذشت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

"۱۹۔ نومبر ۱۹۲۱ء کو سو کی تعداد میں قیدی (۹۰ موپلے اور ۴ ہندی) ایک اسباب کی گاڑی میں بھر کر بلاری سے کوئمبتور روانہ کیے گئے۔ سفر کئی گھنٹے کا تھا۔ موسم بہت ہی تیز گرم تھا۔ جھلملیوں کی جالیوں پر تازہ روغن پھیرا تھا، اس لیے ان میں سے ہوا بھی کا ان ہی نہ آتی تھی۔ جب گاڑی اپنی منزل پر پہونچی ہے، تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ستر قیدی دم گھٹنے سے مرے ہیں بحق ہو چکے ہیں۔ ایک درمیانی اسٹیشن پر، انگریز پولیس سرجنٹ اینڈریوز کو جو بطور محافظ ہمراہ تھا، اطلاع دی گئی کہ مسافر مر رہے ہیں، لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی۔ بعد کو اس سے استدلال کیا، کہ میں دروازے کیسے کھولتا، قیدی مجھے زیر کر لیتے اور خود نکل بھاگتے۔

انگریز، کلکتہ کے "بلیک ہول" کو آج تک نہیں بھولے ہیں۔ اسے اپنے حافظہ میں تازہ اس لیے نہیں رکھتے ہیں کہ اس میں اتنے آدمی اتنی بیدردی سے ہلاک ہو گئے، بلکہ اس لیے کہ وہ مظلوم انگریز تھے، اور انکے ہلاک کرنے والے دوسری نسل کے لوگ تھے۔ موپلہ قیدیوں کا یہ واقعہ بھی ہندوستان میں کچھ ایسی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ اسکی ذمہ داری ایک حد تک انگریزوں پر آتی ہے۔ حکومت ہند نے حکم دیا کہ اینڈریوز پر غفلت مجرمانہ کا مقدمہ چلایا جائے۔ مقدمہ کوئمبتور کے حاکم ضلع کی عدالت میں چلا، اور دسمبر ۲۴ء میں ملزم بری ہو گیا۔ اس فیصلہ پر بڑی ناراضی پھیلی، اور تلخی اس میں کئی گنی اور بڑھ گئی، کہ یوروپین ہم قوموں نے اینڈریوز کو امداد دینی شروع کر دی تھی۔ یوروپین ایسوسی ایشن نے اسکا مقدمہ لڑنے کے لیے بہت سا چندہ اکٹھا کر لیا تھا۔ مقدمہ اگر دیانت کے ساتھ فیصل ہوا، اور اگر واقعی اینڈریوز کا قصور بجز سوءِ فہم کے اور کچھ نہ تھا، تو سراج الدولہ کی طرف سے بھی تو یہی صفائی پیش ہو سکتی ہے۔ اسکی بھی تو نیت نہ تھی کہ اتنے قیدی دم گھٹ کر مر جائیں" (ص ۳۱۷، و ص ۳۱۸)

اس الزامی جواب سے قطع نظر بجا خود بھی زنھار، ویں صدی کے اس فرضی افسانہ کو، جسکا فرضی ہونا انگریزوں کے علاوہ گوروں کو بھی تسلیم ہو چکا ہے، بیسویں صدی کے اس تاریخی واقعہ کے مقابلہ میں آخر کب تک لایا جاتا رہیگا؟

نگار کے داخلہ کی ممانعت

(ممالکت آصفیہ دکن میں)

"آخر ہماری گورنمنٹ نے "نگار" جیسے مسلم آزار رسالہ کی بندش کا حکم جاری فرماکر مسلمانوں کو ممنونیت کا موقع دیا۔ نگار کے بہت سے نسخے بڑی حیرت کی بات ہے۔ اسی اسلامی سلطنت کے مسلمانوں کی ایمان سوزی کا کام کر رہے اور صاحب نگار کو اپنی مرتدانہ گستاخیوں پر دلیر کیے ہوئے تھے۔

اب اسکا یہ ذریعہ مٹ گیا۔ اس اسلامی حکومت نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے فرض کے ادا کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کرینگے اور نگار کی خریداری سے ہاتھ اٹھالیں گے" (رہبر دکن)

لات حین مناص۔ کاش بھوپال بہاولپور، رامپور، ٹونک غیرہ جتنی چھوٹی بڑی مسلمان ریاستیں ہیں، سب مملکت دکن کے نقش قدم پر چلیں!

حریف کی سرت

"مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک، صدر جمہوریہ" [الفاظ انکی زندگی کے زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں] ایک جدید الخیال اور حقیقت میں شخص ہیں۔ ادارۂ خلافت انکے نزدیک رجعت پسندی کا ایک نشان، اور جمہوری نظامات کے لیے ایک ممکن خطرہ ہے۔ ۱۹۲۲ء میں جب عہدۂ سلطانی منسوخ ہوا، خلیفہ کا لقب، قدیم شاہی خاندان کے ایک رکن عبدالمجید کو دیا گیا۔ ہندی مسلمانوں کے لیے، جنکا دعویٰ تھا کہ خلیفہ کو مطلق الاختیار اور مقامات مقدسہ کا محافظ ہونا چاہیے، اگرچہ یہ بھی ایک سخت صدمہ کی بات تھی، تاہم وہ اسکو ٹھنڈے رہ کر پی گئے، مگر ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو جمہوریہ ترکیہ نے، جب ۲۳ جنوری ۱۹۲۴ء میں خلافت ختم...

کا جو اجلاس گیا میں منعقد ہوا، اُس نے اس فیصلہ پر صاد کیا اور اعلان یہ کیا، کہ یہ انتخاب دینی اور اسلامی معیار کے بہت کچھ مطابق ہی رہا۔

آخری وار چند ماہ بعد ہوا۔ سلطان عبد المجید معزول کرکے جلا وطن کر دیے گئے، اور خلافت ہی توڑ دی گئی۔ ہندی مسلمانوں کے لیڈر اب بھی شکست قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ۱۹۲۴ء کے اوائل میں خلافت کمیٹی نے اعلان کیا کہ ایک وفد انقرہ جا کر ترکی حکومت سے اس پر گفت و شنود کریگا۔ یہ ایک نئی بات تھی، کہ کسی ملک کا کوئی بھی ادارہ کسی دوسرے ملک کی اندرونی پالیسی میں دخل دے۔ حکومت ہند نے اس لیے یہ کہا کہ وہ جب تک خود حکام ترکیہ سے استمزاج نہ کرلے، وفد کو پاسپورٹ نہ دیگی۔ ہندوستان میں اس پر بڑا اشتعال برپا ہوا۔ لیکن یہ بین الملکی دستور کے عین مطابق تھا۔ اور یہ احتیاط اچھی ہی ہوئی۔ ترکی حکومت نے وفد کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔" (اسمتھ کی "[illegible] اینڈ ریفارم ان انڈیا" صفحہ ۲۳۲)

خلافت جیسے اہم ترین اجتماعی ادارہ کے توڑنے کا، عالم اسلام کی مرکزیت اور شیرازہ بندی کو فنا کر دینے کا، جو مجرم ہے، اسی مجرم اور ابتدائی مجرم کے حق میں "صدق" کو حیرت رہتی ہے، کہ اسلامیان ہند ایسے بطل عظیم کو ایسے "غازی" اور "مجاہد" کو اپنا "لازوال سردار" تسلیم کرنے میں تامل و تذبذب کو کیوں راہ دے رہے ہیں۔

طلاقیں نئی دنیا میں

امریکہ کے تازہ ترین اعداد سے معلوم ہوا کہ ہر ۶ نکاحوں میں سے ۱ کا خاتمہ طلاق پر ہوتا ہے (اسٹیٹسمین ۲۳ نومبر ۱۹۴۰ء)

گویا ہر چھ نکاحوں میں ایک طلاق رکھی ہوئی ہے! اور یہ تعداد صرف ان مقدمات کی ہے، جو باضابطہ عدالتوں میں پیش ہوکر وقوع طلاق پر منتہی ہوتے ہیں۔ گھر اندر اندر زندگیوں میں جتنے دلوں کا خاتمہ ہو جاتا ہوگا، بے لطفیوں، حسرت نصیبیوں اور طرح طرح کے نفسیاتی [illegible] ہوتا ہے، ان کا اندازہ کرنا اور ان کا تخمینہ شائع کرنا کس کے بس کی بات ہے! —— سنتے ہیں کہ فرنگیوں میں، اور پھر خصوصاً امریکیوں میں تو نکاح خود دولہا دلہن کی پسند سے، انکے ماں باپ کے [illegible] خوب دیکھ بھال کر، خوب خوب تجربے [illegible] کے بعد ہونے [illegible] ہوتا ہے؟ یہی ہیں کورٹ شپ اور اس سے بھی آگے [illegible] کی برکتیں؟ ان سے آخر بھلا ہمارے ہاں کی وہ اندھوں اندھیوں کی طرح کی شادیاں کیا بُری تھیں؟

تجدد کی برکت

"مسز لکشمی پتی کو حکم سزا سناتے ہوئے مجسٹریٹ نے کہا کہ چونکہ ملزمہ عورت ہے، اس لیے اسے قید محض کی سزا دی جاتی ہے۔" اس پر ملزمہ نے سوال کیا کہ سزا میں عورت و مرد کا فرق کیوں رکھا جاتا ہے؟ مجسٹریٹ نے ہنسکر جواب دیا کہ حکم لکھا جا چکا ہے۔"

مبارک ہو تجدد کو یہ کامیابی کہ اس کی برکت سے مساوات کا خیال تو مجرم عورتوں تک پہونچ گیا ہے، کہ وہ سزا میں بھی مردوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتیں! —— اور اُف! وہ دقیانوسی ظالم مرد، جو مجسٹریٹی کی کرسی پر بیٹھ کر بھی، مرد و عورت میں تفریق قائم کیے ہوئے ہے!

اتاترک کی عجیب برسی

اتاترک ترکی کے اس عہد کے بڑے محسن ہیں، اس کے نجات دہندہ ہیں، انکی دوسری برسی کی تقریب ترکی میں ابھی ابھی منائی گئی ہے مگر اسکا طریقہ کچھ عجیب ہے۔ کہتے ہیں کہ اس دن ترکی کے مردوں اور عورتوں کے جم غفیر غازی موصوف کی گلپوش و علم پوش تصاویر کے آگے جمع ہوئے اور انھوں نے قسم کھائی کہ "برضا و رغبت، اس عمومی، جمہوری اصول استقلال و کاملیت ملک کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دینگے" جنکے بانی غازی موصوف ہیں اور جن کی تقلید غازی عصمت انونو موجودہ صدر کر رہے ہیں۔ اور اس موقع پر دعائیں بھی کی گئیں۔

دعائیں کرنا تو اسلامی طریقہ ہے۔ مسلمان برسیاں اسی طرح مناتے ہیں کہ قرآن خوانی ہوتی ہے اور ثواب اس شخص کو بخشا جاتا ہے جس کی برسی منائی جاتی ہے، اسکے لیے کچھ خیر خیرات کی جاتی ہے دعائیں کی جاتی ہیں مگر میت کی گلپوش اور علم پوش تصاویر کے آگے مردوں اور عورتوں کا جمع ہوکر حلف اُٹھانا ایک ایسی چیز ہے جس سے اس وقت تک اسلامی ممالک آشنا نہ تھے۔ (رہبر دکن)

مراسلہ

مسلم یونیورسٹی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ

علیگڈھ: (ڈیلی) ایک خالص اسلامی فضا کی تشکیل کے لیے جو مساعی یہاں کے اسلامی جوش رکھنے والے حضرات اساتذہ اور طلبا کی جانب سے ۱۹۴۳ء سے عمل میں لائی جا رہی ہیں ان کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اکابر علماء دین کو یہاں تشریف آوری کی تکلیف دی جاتی ہے تاکہ وہ ہمارے دینی اور ملی مسائل کی گتھیوں کو سلجھا کر ہم کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جانب دعوت دیں۔ اس سال ہم کو اس باب میں جو کامیابی ہوئی ہے اُس پر ہم جس قدر مسرور ہوں کم ہے۔ ماہ ستمبر میں "اسلامی ہفتہ" کے سلسلہ میں متعدد علماء کرام تشریف لائے۔ حضرت مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے "اسلامی نظام حکومت" پر اپنے بصیرت افروز مقالہ سے نیز پرائیوٹ صحبتوں میں اپنے بیش قیمت افکار سے ہم کو مستفید فرمایا اور ہم میں ایک نئی روح پھونکی۔

دوسری زبردست کامیابی جو ہم کو ہوئی وہ یہ کہ ہم حضرت مولانا محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی کو یہاں تشریف آوری پر مجبور کر سکے۔ مولانا موصوف اردو، عربی، انگریزی کے زبردست مقرر ہیں اور پچھلے بیس سال سے دنیا کے بہت سے اسلامی ممالک کی اسلامی آبادیوں کی اصلاح و تنظیم اور غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ نہایت کامیاب اور شاندار طریقہ پر انجام دے رہے ہیں۔ پچھلے دو تین سال سے ہماری مجلس اسلامیات مولانا کو دعوت دے رہی تھی مگر بیرون ہند مولانا کے تبلیغی اسفار راہ میں آڑے آتے تھے۔ اب بھی تشریف لائے تو صرف ایک تقریر کے لیے مگر یہاں آتے ہی اس قدر فرمائشیں شروع ہوئیں کہ گویا اس سال ایک اور "اسلامی ہفتہ" ترتیب پا گیا۔ پہلی اور بصیرت افروز تقریر "قوانین فطرت اور قوانین اسلام" پر اسلامی تاریخ و تمدن کی انجمن کے ماتحت اور پرو وائس چانسلر صاحب کے زیر صدارت ۱۰ر نومبر کو ہوئی۔ اپنی جامع افتتاحی تقریر میں صاحب صدر نے نہایت شاندار الفاظ میں مولانا کے علم و فضل اور ان کی اُن بیش قیمت خدمات دینی کا تذکرہ فرمایا جو انھوں نے جاپان سے افریقہ تک مختلف بلاد و امصار میں انجام دی ہیں۔ یونیورسٹی یونین کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ طلبا کے علاوہ اساتذہ کی بھی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ دوسری تقریر جلسے کے لیے مولانا خاص طور سے تشریف لائے تھے "مجلس اسلامیات" کے ماتحت "تبلیغ اسلام" کے عنوان پر ۱۱ر نومبر کو ہوئی۔ اس تقریر میں مولانا نے فلسفۂ تبلیغ، منصب امت اسلامیہ، طریقۂ دعوت در تاریخ، حاضرہ اسلامی پر گراں قدر افکار پیش فرمائے اور سامعین کو اپنی بلند پایہ خطابت اور وسعت علم سے مسحور کر دیا۔ تقریر کا شکریہ ادا کرنے کا فرض ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی نائب صدر انجمن تاریخ تمدن اسلامی اور ڈاکٹر افضال حسین قادری سکریٹری مجلس اسلامیات نے ادا کیا۔ موخر الذکر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مولانا کی تقریر یونیورسٹی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح ہے۔ کرسی صدارت سے ڈاکٹر محمد رضا صاحب نائب صدر مجلس اسلامیات نے مولانا کو یقین دلایا کہ علیگڈھ ان کی تبلیغی اسکیم میں پورا تعاون کریگا۔ ۱۲۔ نومبر کو یونیورسٹی یونین کے ماتحت "مسلم طالب علم کا نصب العین" عنوان تقریر تھا۔ اس تقریر میں سائنس کی مختلف تحقیقات پر ایک عالمانہ اور محققانہ تبصرہ فرماتے ہوئے مولانا نے عرفان ذات باری تعالیٰ کو بطور نصب العین پیش کیا۔ چونکہ تقریر کے اس عنوان کے لیے وقت کم مل سکا تھا اسلیے دوبارہ ملک ہال یونین کی جانب سے ڈاکٹر عزت حسین صاحب صدیقی نے اصرار کیا کہ ۱۳۔ نومبر کو اسی موضوع پر دوبارہ تقریر ہو جسکو قبول کر لیا گیا۔ اپنی تقریر میں مولانا نے اسلامی نظریۂ علم کی مزید وضاحت فرمائی۔ تقریر کے بعد مولانا سید بشیر صاحب ناظم دینیات شیعہ نے کرسی صدارت سے مولانا کے کمالات علمی پر تبصرہ فرماتے ہوئے نہایت پر زور الفاظ میں شکریہ پیش کیا۔ تقریروں کی فرمائشیں اسکے بعد بھی جاری رہیں اور یہاں کے حضرات نے مولانا کو علیگڈھ سے رخصت ہونے کی اسوقت تک اجازت نہ دی جب تک یہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ پھر عنقریب تشریف لا کر اپنے بیش بہا افکار سے ہماری اسلامی روح کو غذا بہم پہونچائیں گے۔

تقریروں کے علاوہ حضرات اساتذہ اور طلبا سے پرائیوٹ علمی صحبتیں رہیں جن میں تقریبًا ان تمام اعتراضات کو زیر بحث لایا گیا جو جدید تصورات کے ماتحت اسلام اور نفس مذہب پر کیے جاتے ہیں حضرت مولانا نے ہر اعتراض کو نہایت عالمانہ اور مسکت انداز میں حل فرمایا۔ ایک مقناطیسی شخصیت، ایک جادو بیان مقرر، ایک صاحب کمال و متبحر عالم، جدید ذہنیت کا نبض شناس۔ یہ تھے وہ تاثرات جو حضرت مولانا تشریف لیجانے کے بعد یہاں چھوڑ گئے۔

طلبا میں ایک نئی اسلامی روح وجود میں آئی اور متعدد طلباء نے اپنی زندگیوں کو تبلیغ اسلام کے واسطے وقف کرنے کے لیے پیش کیا۔ مختلف جانب سے یہ تحریک نہایت پُر زور انداز میں کی گئی کہ جس طرح طلباء مصر میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے سید جمال الدین افغانی جامعہ ازہر کے باہر خیمہ لگا کر بیٹھ گئے تھے، حضرت مولانا بھی علیگڈھ کو مرکز بنائیں تاکہ ایک مستقل انقلاب پیدا کیا جا سکے۔ مولانا نے وعدہ فرمایا کہ وہ علیگڈھ کے طلبا کے دینی و ملی جوش کو اسلام کے لیے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے میں کوئی ممکن کوشش اٹھا نہ رکھیں گے، اور جہاں کہیں بھی رہیں گے طالبان علم کی رہبری اور رہنمائی فرماتے رہیں گے۔

محمد راشد انصاری معتمد معاون مجلس اسلامیات
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اطلاع

براہ کرم خط و کتابت و تبصرہ کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایئے

منیجر

معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی قوانین وضوابط خود اپنے عقل و تجربہ سے اخذ کرنا شروع کر دیے، اس لیے مسلمان بھی جب تک اپنے قوانین کو خود اپنے تجربہ کی روشنی میں، وضع نہ کرنے لگیں گے، ترقی کر ہی نہیں سکتے — استدلال میں لفظ "ترقی" کے اندر جو عظیم الشان مغالطہ موجود ہے، اُس سے قطع نظر قرآن کو انجیل پر قیاس کرنا ہی کب، اور کسی معنی میں بھی صحیح ہے؟ کیا انجیل میں بھی سیاسیات، اخلاقیات، معاشیات کے قوانین، قرآن کی طرح، جزئی تفصیل کے ساتھ مدون ہیں؟ کیا موجودہ انجیل، جیسے مسیحی "نیا انجیل" تسلیم کرتی ہے، کسی معنی میں بھی کلام الٰہی ہے؟ لفظاً نہ سہی، معناً بھی اسے کون کلام الٰہی مانتا ہے؟ کیا مسیحیوں کے ہاں اُسکا وہ مرتبہ بھی ہے جو ہمارے ہاں احادیث قدسیہ کا ہے؟ بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند غیر مستند اقوال و حالات کے مجموعہ کے، اور مجموعہ بھی نامعلوم ہاتھوں کا جمع کیا ہوا، وہ ہے کیا؟ بائبل پر قرآن کو قیاس کرنا، اور ایک کے لیے وہ نتیجے نکالنا جو دوسرے کے لیے نکالے گئے ہیں، اس سے بڑھ کر ظلم دین پر نہیں، خود عقل پر اور کیا ہوگا؟

عجیب دینداری

"میں اس بل کی اصولی طور پر مخالفت کرتا ہوں۔ پنجاب کے علاوہ دہلی، اجمیر اور ہندوستان کے دیگر کئی مقامات پر یہ گانے کا سلسلہ مدت سے چلا آتا ہے۔ میں عورتوں کے حق میں نہیں، لیکن میں کسی شخص کو ... کہ ان کو اس سے روکنے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پنجاب اسمبلی کو ایک اسلامی معاملہ میں دست اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

پنجاب اسمبلی کے ایک مسلمان ممبر پیر ..... صاحب نے ایک مسلمان ممبر کی اُس تحریک کی مخالفت میں فرمایا، کہ درگاہوں اور بزرگوں کے مزارات پر بازاری عورتوں کو گانے بجانے سے روک دیا جائے! گویا پیر صاحب کے نزدیک فاحشہ عورتوں کو فحش پیشوں سے روکنا، انکی آزادی میں خلل ڈالنا "مداخلت فی الدین" ہے! اور "اسلامی معاملہ" یہ ہے کہ غیرتمند مسلمان آئندہ بھی وہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہیں جو اب تک دیکھتے اور سنتے چلے آئے ہیں! —— مداخلت فی الدین کی یہ اچھوتی تعبیر آج تک کسی انسانی ذہن میں بھلا کیوں آئی ہوگی؟ مدت ہوئی، بہت مدت ہوئی، حالی نے کہا تھا

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے!

وہ اُسی وقت پستی کو حد سے گزرا ہوا سمجھ رہے تھے۔ پستی کی ان حدود تک تو اُن غریب کا شاعرانہ ذہن بھی کہاں پہونچ سکتا تھا؟

نئی ترقی

ایک نئی دنیا قائم ہے، اور اُسکے لیے نئی زمین ہے اور نیا آسمان۔ سائنس کی ترقیوں نے کائنات کا ہر شعبہ بالکل نیا کر دیا ہے۔ غربت امارت کا فرق مٹ گیا ہے۔ خیالات میں بھونچال آچکا ہے۔ مذہب کا لفظ صرف آثار قدیمہ کے سلسلہ میں کبھی کبھی سننے میں آجاتا ہے۔ ایک نئی نویلی دنیا آباد ہے۔ عقائد، اخلاق، معاشرت، ہر اعتبار سے بالکل نئی۔ سنہ بجائے حضرت مسیح کے، [illegible] فورڈ کے نام سے منسوب ہے۔ عفت، عصمت، شرم، حیا، نکاح، مہر، جدید لغت میں مہمل و بے معنی الفاظ کی فہرست میں ہیں۔ باپ بننا مرد کے لیے، اور ماں بننا عورت کے لیے جرم قرار پا چکا ہے۔ بچے بوتلوں اور مشینوں کے ذریعہ سے پیدا ہوتے اور حکومت کے خرچ سے پلتے ہیں، مادۂ تولید بوتلوں اور شیشیوں میں جمع رہتا ہے — خلاصہ ہے ایک انگریزی افسانہ Brave New World کے پلاٹ کا۔ مصنف وقت کے ایک مشہور انگریز افسانہ نویس ایلڈس ہکسلی ہیں، مشہور افسانہ نویس سے زیادہ اپنی "روشن خیالی" کے لیے۔

اس فرضی اور روشن خیال دنیا کی شخصیتیں، دنیا کو مذہب اور اخلاق کے پنجہ سے نجات دلانے والی، نئی دنیا کے نئے دیوتا اور نئی دیویاں، تمامتر طبع زاد نہیں، ہماری آپ کی جانی پہچانی ہوئی شخصیتیں ہیں، صرف روپ رنگ نیا کر دیا گیا ہے۔ کارخانۂ حیات کے عہدہ دار مختلف ہیں، کوئی منیجر ہے، کوئی ڈائرکٹر، کوئی سپرنٹنڈنٹ، کوئی کچھ اور۔ کسی کا نام ہے مارکس، کسی کا ٹراٹسکی، کسی کا فرائڈ، وقس علیٰ ہذا۔ لیکن اس نئی خدائی کا جو رب الارباب، سردار اعظم "کنٹرولر" ہے، وہ کوئی انگریز نہیں، روسی نہیں، فرانسیسی نہیں، بلکہ اسکا ترکی نام ہے مصطفےٰ! —— ہے اب بھی تجدد کو گلہ و شکوہ کا موقع کہ مردم شناس مصنف نے ترکیہ کے لازوال سردار کے کارناموں کے اعتراف اور داد میں بخل سے کام لیا ہے؟

تجدد کی قدامت پرستی

"ہندی عورت کا بہترین فریضہ یہ ہے کہ وہ نکاح میں آجائے۔ شادی، انسانی زندگی کی خوش آیند ترین حالت کا نام ہے۔ اور اسکا اہم ترین خیال یہ ہونا چاہیے کہ زندگی میں اپنے مقصد وجود کو پورا کرے، اور وہ مقصد وجود خانہ داری اور بچوں کی ذمہ داری ہے... میں چاہتی ہوں کہ عورت میں آزادی تو مغربی ہو لیکن شرم و حیا مشرقی" (ہندو - مدراس، ۸- دسمبر ۱۹۴۰ء)

یہ کسی ظالم مرد نے نہیں، پنجاب کی مشہور "روشن خیال" خاتون بیگم شاہنواز (پارلیمنٹری سکرٹری حکومت پنجاب) نے فرمایا۔ اور پھر فرمایا:-

"میں اگر ڈکٹیٹر ہو جاؤں، تو تمام موجودہ زنانہ کالج یکقلم بند کر دوں۔ اسلیے کہ ان میں نصاب درس لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایک ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بہنیں بھی پڑھی لکھی بے روزگاروں کی فوج میں داخل ہو جائیں جیسا کہ مغربی ملکوں میں ہو رہا ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ وہ ہندیوں کی ایک بہترین نسل کی پرورش میں پوری ذمہ داری کے ساتھ حصہ لیں۔ انکی اصلی جگہ گھر ہے، اسی کے لیے اُنھیں خوب تیار ہونا چاہیے....

اس سارے تعلیمی کھیڑے سے آخر حاصل کیا، جب عورت کو اتنا بھی نہ آیا، کہ کھانا اچھا تیار کر سکے اور گھر سلیقہ سے چلا سکے؟" (ایضاً)

یہ آخر خرابت کیا ہے، کہ بڑی سی بڑی "روشن خیالی" جوں جوں اٹھا بین آتا جاتا ہے اور تجربہ بڑھتا جاتا ہے، رفتہ رفتہ تجدد کی راہ سے ہٹتی ہی جاتی ہیں؟ "شادی بیاہ عورت کا اصلی مقصود زندگی ہے"۔ "عورت کی تعلیم مرد سے بالکل الگ ہونی چاہیئے"۔ "بہترین عورت وہ ہے کہ جو شوہر اور بچوں کی بہترین خدمت کرسکے"۔ یہ باتیں تو سب وہی ہیں، جو اب تک دقیانوسی بوڑھے ہی کہا کرتے تھے!

ایک خوش آیند خواب

"حضرت محمد کو خدا کا رسول مان لینے میں مجھے کوئی عار نہیں۔ وہ مجھے بدھ، کرشن، رام کی تعریف کرنے سے نہیں روکتا"۔

یہ الفاظ اُردو کے مشہور افسانہ نویس منشی پریم چند آنجہانی کے قلم سے ہیں، جو اُردو کے قدیم رسالہ "زمانہ" کے اکتوبر نمبر میں شایع ہوئے ہیں۔ ص ۲۲۹ پر اور اس عبارت پر حسب ذیل حاشیہ، اڈیٹر صاحب زمانہ منشی دیانرائن نگم بی۔ اے کے قلم سے ہے:-

"ایک پریم چند نہیں، بلکہ عام ہندوؤں کا یہی رویہ ہے"۔

ممکن ہے لوگ اسے معمولی اور چلتی ہوئی سی بات سمجھیں، حالانکہ بڑی گہری اور اہم بات ہے۔ اگر ہمارے وطنی بھائی اس حد تک قریب آجائیں، تو آج ہندو مسلم قضیہ، جسکا ہر طرف ہنگامہ گرم ہے، از خود بڑی حد تک ختم ہوا جاتا ہے، بغیر کسی بڑے سیاسی سمجھوتے کے۔ بہت عرصہ کی بات ہے، جب ان سطور کے راقم نے یہ خیال کیا تھا کہ عام ہندوؤں کو مسلمانوں سے سب سے بڑی شکایت [illegible] ہوگا، بے تعلقی سے مسلمان اس شکایت کو بالکل دور کرسکتے، اور اپنے حق سے دست بردار ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ اسکے معاوضہ میں ہندو اُنکے پیمبر کا ادب و احترام سیکھ لیں۔ زمانہ کے اس نوٹ کو پڑھ کر آج پھر وہ بھولا ہوا خواب یاد پڑگیا!

نئی تاریخ ہند

"کلکتہ۔ ۳۰- نومبر۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد کل پٹنہ واپس روانہ ہوگئے۔ وہ یہاں زیر تدوین جدید تاریخ ہند (نیو ہسٹری آف انڈیا) کے سلسلہ میں آئے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ ضخیم کتاب ۲۱ مجلدات میں شایع ہوگی، اور ہر دور ایک ماہر خصوصی کے قلم سے ہوگا۔ سرجادو ناتھ سرکار، ڈاکٹر [illegible] ڈاکٹر [illegible] جیسے ممتاز فضلاء اسکی تالیف میں شریک ہیں۔ پہلی جلد اگلی موسم گرما تک تیار ہوجائیگی"۔

اتنے لبند پیمانہ پر تاریخ ہند کی کوشش ہندیوں کے قلم سے اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے۔ دیکھیے مسلمانوں کے حصہ میں کیا آتا ہے۔

ڈومیل کا تحفہ

"مغربی تہذیب و تمدن کے لائے ہوئے تحفوں میں ڈومیل ایسی چیز ہے، جو ہندوستانیوں کے درمیان کبھی مقبول نہیں ہوا"۔ پادری اینڈریوز نے ابھی حال میں اپنے ایک مقالہ میں فرمایا (اسٹیٹسمین، ۲ دسمبر ۳۰ء)

"ڈومیل کا مفہوم آپ سمجھ رہے ہونگے؟ کسی تنازع کے تصفیہ کے

سبب [illegible] دو آدمیوں کا میدان میں طرح ہوکر ایک دوسرے پر تلوار یا بندوق یا پستول سے حملہ کرنا، جس سے ایک کی جان چلی جاتی رہے۔ لفظ کا ترجمہ انجمن ترقی اُردو کی ڈکشنری میں "بکیلی" سے کیا گیا ہے۔ برطانیہ، فرانس، وغیرہ میں مدتوں اس کا دور دورہ رہا، اور اب بھی کہیں کہیں داخل فیشن ہے ——— پادری صاحب کو حیرت ہے کہ آخر مغرب کے اور سارے تحفے تو ہندوستان نے قبول ہی کرلیے، اسے کیوں نہ کیا۔ دوسرے اسباب جو کچھ بھی ہوں، لیکن ایک وجہ تو بالکل عیاں ہے۔ یہ تحفہ آیا ہندوستان میں سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارویں کے شروع میں۔ "فرنگی" بیچارہ اُسوقت خود ایک اچھوت بنا ہوا تھا۔ کہیں اُنیسویں صدی تھوڑی سی ہی تھی، جو "صاحب" کی ایک ایک ادا باعث فخر اور واجب التقلید ہوجاتی! احساس خودی اُسوقت تک بہرحال کچھ زندہ تھا۔ دل مرعوب اور دماغ ماؤف پوری طرح ہو نہیں پایا تھا۔

اپنی کمزوریاں

ایک غیر مسلم ہفت روزہ کے اڈیٹوریل کا اقتباس:

"ہمیں افسوس کے ساتھ اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جہاں تک کیرکٹر، دیانتداری، ناجائز روپیہ وصول نہ کرنے، اپنی ضمیر کو حکومت کے زیر اثر نہ ہونے دینے والے اور بے خوفی کا سوال ہے ہندوستان کے نوّے فی صدی اخبارات اور اخبار نویس چوروں اور ڈاکوؤں، سٹے بازوں، دھوکہ دینے والوں اور قمار بازوں سے بھی بدتر ہیں۔ چنانچہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چند روپیہ کے اشتہار کے سبب ہم لوگ دو دو کالم کے ریویو کردیتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ جو کچھ کیا جارہا ہے غلط ہے۔ [illegible] دوسری طرف ولایتی اشتہارات حاصل کرنے کیلیے مشتہرین کے ایجنٹ کو رشوت تک دیتے ہیں۔ والیان ریاست کو دھمکا کر اور خوشامدیں کرکے روپیہ لیا جاتا ہے۔ میونسپلٹیوں کے انتخاب کے زمانہ کو آمدنی کا سیزن سمجھا جاتا ہے۔ سیٹھوں، ساہوکاروں اور سرمایہ داروں سے روپیہ لیکر اُنکو [illegible] بنایا جاتا ہے۔ اخبارات کے ضمیمے شایع کرکے لوگوں کی جیبیں خالی کی جاتی ہیں۔ آرٹ کے نام پر فلم کمپنیوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے۔ [illegible] سے روپیہ وصول کیا جاتا ہے"۔

غیروں سے تو زیادہ شکوہ نہیں۔ سوال اپنوں کا ہے۔ مسلم معاصرین اس قلمی آئینہ میں اپنے اپنے چہرے ملاحظہ کریں۔ قلم کی تو ایک امانت ہے۔ آخرت کی عدالت میں قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کی جوابدہی۔ وما اُبرّئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔

التماس کی پذیرائی

ڈپٹی عبد المجید صاحب فیض آباد

مولانا مناظر احسن صاحب حیدرآباد

منشی محمد رحمت اللہ صاحب "

مولانا محمد منظور صاحب بریلی

ایک مخلص گجرات

پیشین گوئی کی ہے ۔ تثلیث و ابراہیم و الآب کے قائل تھے ، اور زحل ، قمر ، زہرہ ، شمس ، وغیرہ کی طاقتوں کے معتقد تھے (ص ۲۳۴ و ۲۴۷ وغیرہ) یا یہ کہ ملائکہ ، ارواح کو ... عمل کرتے انھیں غیر فانی قرار دیا ہے (ص ...) اس قسم کے خرافات اس کتاب میں جابجا بکھرے ہوئے ملینگے ۔ ناشر آپ ہیں (مولوی حاجی مقتدی خاں شروانی) البتہ مستحق شکریہ ہیں کہ انھوں نے پہلے سارے مقامات پر توجہ شروع میں دلادی ہے ، اور سب کی مفصل نشاندہی بہ قید صفحہ و سطر کردی ہے ۔

نفس موضوع یعنی بشارت نبوی کے حد تک یہ کتاب قابل مطالعہ ہے ۔ اور حسن ظاہری ، کاغذ ، کتابت وغیرہ کے لحاظ سے تو کتاب آمد کی بہترین مطبوعات میں شمار ہونے کے قابل ہے ۔

(۳) **خنداں** ۔ از رشید احمد صاحب صدیقی ۔ صفحات ۱۸۰ ۔ مجلد قیمت ... پتہ : جامعہ دہلی (لکھنؤ ، لاہور ، بمبئی)

یہ اردو کے مشہور ظریف و شوخ نگار رشید احمد صاحب صدیقی کے چالیس ریڈیائی مضامین کا مجموعہ ہے ۔ یہ مضامین عرصہ تک دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتے رہے ہیں اور اب مکتبہ جامعہ کے حسن اہتمام سے کتابی شکل میں آگئے ہیں ۔ رشید صاحب کی پرلطف طرز نگارش اب پڑھے لکھے حلقوں میں نہ کسی سفارش کی محتاج ہے نہ تعارف کی ۔ انکا ایک خاص اپنا رنگ ہے جو دوسروں سے ممتاز اور پختہ ہوچکا ہے ۔ بغیر کسی کی آزاری اور دلشکنی کے ، پھکڑ پن اور ابتذال کے شائبہ کے ، ہجو اور ستایی سے پاک ، وہ چھوٹے بڑے اپنے پرائے ، سب کے خاکے اس عجب کھینچتے چلے جاتے ہیں کہ پڑھنے والا ہر سطر پر لطف لیتا جائے ، مسکراتا جائے ، جھومتا جائے ، اور کہیں کہیں بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑے ۔

نشریہ تیار کرنے میں مصنف کا قلم آزاد نہیں ہوتا ۔ ریڈیو بہرحال ایک سرکاری محکمہ ہے ، اور محکمہ کی طرف سے طرح طرح کی قیدیں اور پابندیاں عائد رہتی ہیں ۔ ظرافت کی بے تکلفی بھلا ان قیود کا تحمل کہاں کر سکتی ہے ۔ لیکن رشید صاحب کی سحر نگاری نے ان پابندیوں میں بھی اپنے کمال کو برقرار رکھا ۔ اور اس ضخیم مجموعہ کے ہر ہر صفحہ کو زعفران زار بنائے رکھا ہے ۔ بھرتی کا صفحہ تو شاید کوئی بھی نہ ملے ، اور بعض خاکے تو خاص طور پر دلچسپ و پرلطف ہیں ، ایسے کہ پڑھنے والے انھیں بار بار پڑھینگے ۔ کتاب عوام اور کم استعداد سواد خوانوں کے کام کی نہیں ۔ یہ عیب نہ ہی بہرحال واقعہ یہ ہے کہ "رشیدیات" سے لطف اٹھانے کے لیے پڑھنے والے کو اچھا خاصہ پڑھا لکھا ہونا چاہیے ۔ ادبی اور شخصی تلمیحات بکثرت ہوتی ہیں ۔ کتاب اس قابل ہے کہ ادب اردو کے ہر صاحب ذوق شائق یا طالب علم کے مطالعہ پر نظر رہے ۔ مکتبہ جامعہ نے اس مجموعہ کی اشاعت سے اردو کی ایک خدمت انجام دی ہے ۔

(۴) **قرآن اور اقبال** ۔ از مولوی ابو محمد مصلح صاحب ۔ صفحات ۱۹۱ صفحے ۔ مجلد ۔ قیمت ... پتہ : ادارہ عالمگیر تحریک قرآن مجید ، حیدرآباد دکن ۔

مصلح صاحب کی تحریک قرآن مجید ، خاصی مقبول و معروف ہوچکی ہے ۔ لاہور ، حیدرآباد وغیرہ مختلف مرکز قائم کرکے ... سرگرم تبلیغی کوششیں کر چکے رہے ۔ قرآن اور اقبال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ۔

رسالہ کے ابتدائی ۶۴ صفحے ، مصلح صاحب کے قلم سے اقبال پر بطور مقدمہ کے وقف ہیں ۔ ص ۶۵ سے ص ۱۹۱ تک اقبال کی نثر کے مختلف اقتباسات میں قرآن ہی سے متعلق ، نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو :-

"قرآن کا ترکی زبان میں پڑھا جانا تاریخ اسلام میں ایک نئی بات نہیں ۔ اسکی چند مثالیں موجود ہیں ۔ ذاتی طور پر میں اسکو ایک نظر کی ایک سنگین غلطی سمجھتا ہوں کیونکہ عربی زبان و ادب کا ہر متعلم اچھی طرح جانتا ہے کہ ... اگر کسی زبان کا مستقبل ہے تو وہ عربی ہے ۔ بہرحال اب اطلاعیں ... کہ ترکوں نے ملکی زبان میں قرآن کا پڑھنا ترک کر دیا ہے ۔"

(ص ...)

ص ۲۵ سے آخر تک ، اقبال کی منظومات فارسی اور اردو منظومات کے اقتباسات ہیں ، سب کا تعلق کسی نہ کسی صورت سے قرآن کے ساتھ ہے ۔ جابجا مختصر شرح و توضیح بھی مصلح صاحب کرتے گئے ہیں ۔ کتاب دلچسپ تو یقیناً ہے ، اور عجب نہیں کہ مرتب کے منشا کے مطابق مفید و موثر بھی ہو ، یعنے نوجوانوں میں اقبال ہی کے واسطے سے سہی ، قرآن کا ذوق پیدا کردے ۔

(۵) **غلامان اسلام** ۔ از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ۔ ایڈیٹر "برہان" ۔ صفحات ۱۹ + ۴۳۳ صفحات تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت مجلد ... پتہ : ندوۃ المصنفین قرولباغ ۔ دہلی

"اسلام میں غلامی کی حقیقت" کے نام سے اس کتاب کا حصہ اول عرصہ ہوا شائع ہوا تھا ۔ اور صدق میں اس پر تبصرہ بھی اسی زمانہ میں نکل چکا ہے ۔ اس میں نفس مسئلہ غلامی کی حقیقت اسلامی کا بیان تھا ۔ اس میں تاریخی حیثیت سے ممتاز ترین مسلمان غلاموں یا آزاد شدہ غلاموں کا بیان ہے ۔ ۔۔۔ دنیا میں بڑے بڑے مغالطے محض لفظی اشتراک کی بنا پر پیش آتے رہتے ہیں ۔ لفظ "غلام" بیشک مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مشترک ہے ۔ یہ کتاب اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی ہے کہ مسلمانوں کے اندر غلامی باعث ننگ ہونا الگ رہی ، باعث شرف ہوگئی رہی ہے ! بعض اجل صحابہ ان ہی غلاموں میں سے ہوئے ہیں ، اور تابعین ، اتباع تابعین اور انکے بعد کے دور میں تو غلاموں کے طبقہ میں سے اٹھنے والے مشاہیر کا کوئی شمار ہی نہیں !

مقدمہ کے بعد کتاب کے بڑے عنوانات پانچ ہیں ۔

(۱) صحابہ کرام ۔ اور اسکے ماتحت ۱۵ صحابیوں کے مفصل مستند حالات درج ہیں ۔ حضرت زید (جنکا نام قرآن مجید میں آیا ہے) حضرت بلال ، حضرت صہیب ، حضرت سلمان فارسی وغیرہم

(۲) تابعین ۔ اور اسکے تحت میں ۳۷ ایسے مشاہیر کا ذکر آگیا ہے ، جیسے حضرت عکرمہ ، حضرت نافع ، حضرت مجاہد ، حضرت سعید بن جبیر ، حضرت حسن بصری ، حضرت ابن سیرین وغیرہم ۔

(۳) اتباع تابعین ۔ اور اس فہرست میں اس مرتبہ کے ۲۶ اصحاب کے تذکرے ملتے ہیں ۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک ، ابو ...

مسلم تنظیم کی بنیاد درکار

(مسلم لیگ سے ایک مخلصانہ گزارش)

(از حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب قادری دانا پوری)

مسلمانوں میں سب سے بڑی خرابی پیدا ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے سامنے اس وقت کوئی خاص قومی مقصد باقی نہیں رہا جس سے ہماری قومیت کی شیرازہ بندی ہو۔ یعنی ہمارے سامنے اس وقت کوئی اعتقاد یا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کی مخالفت یا جسکا ترک کردینا ہم برداشت نہ کرسکیں یا جسکے لیے ہم جانی و مالی قربانی پر آمادہ ہوسکیں۔ دنیا میں ایسے ہی مقاصد کی وجہ سے قومیں بنتی ہیں اور پھر جب اُن مقاصد کی اہمیت کو ترک کردیتی ہیں تو اُنکے مقاصد مردہ ہو جاتے ہیں اور وہ فنا ہو جاتی ہیں

اسلام دنیا میں آیا تو اس کے دو مقصد تھے۔ اوّل توحید یعنی خدا پرستی قائم کرنا اور بے دینی و بت پرستی کو مٹانا۔ دوئم رسالت یعنی اتباع رسول کو دنیا سے منوانا اور اسکو دوسرے تمام احکام پر غالب کرنا

جن لوگوں نے ان دونوں باتوں کو قبول کیا اور انھیں دو باتوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا وہ مسلمان کہلائے۔ اور انھیں حضرات سے مسلم قومیت کی بنیاد پڑی۔ آگے چل کر جو عظیم الشان مسلم قومیت پیدا ہوئی اور جس نے سارے بحر و بر میں غیر معمولی انقلاب پیدا کردیا اور دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ اُسکے بانی چند غریب مسلمان تھے۔ جن میں کچھ غلام تھے کچھ مسکین [illegible] کوئی حبشی تھا، کوئی رومی کوئی ایرانی النسل۔ نہ اُنکے پاس کھانے کا سامان تھا، نہ پہننے کا کپڑا، نہ قوت تھی نہ لڑائی کے لیے سامان حرب، لیکن اعتقاد اور مقصد سے برگشتہ کرنے کو خوفناک قوتیں اور مصائب کا ہجوم آنکھوں کے سامنے نظر آرہا تھا۔ اول تو خود اُنکے آقا، جنکے یہ غلام تھے۔ اور اسکے سوا بنی عبد مناف، بنی مخزوم، بنی اسد، اور بنی زہرہ کے بڑے بڑے رئیس اور سردار تھے۔ جو دولتمند دلیر اور محارب لوگ تھے۔ جن میں کا ہر ایک اپنے کو شیر ژیاں سمجھتا تھا۔ فخر و مباہات کا عاشق، ضدی، اور صرف بات کی پچ میں خون کی ندی بہانے کے لیے تیار رہتا تھا۔

قوت کے اس بے جوڑ تقابل کے باوجود اسلام کیوں سرسبز ہوا۔ اور مسلم قومیت کیسی بڑھی اور پھیلی۔ اسکا جواب ان سابقین اولین کے حالات ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔ یہ لوگ بلاشبہہ غریب، مفلس اور بظاہر بالکل بے دست و پا تھے مگر اسکے ساتھ ان میں وہ چیز بدرجۂ اتم موجود تھی جو ہمیشہ جمعیت و قومیت کی بنیاد رہا کی ہے اور جسکے بغیر کوئی قومیت دنیا میں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ یعنی انکا ایمان و اعتقاد اپنے مقاصد کے ساتھ سچا تھا اور اپنے مقاصد پر قربان ہو جانے کی استعداد اُن میں پوری طرح موجود تھی۔ اُنھوں نے توحید کا اقرار کیا اور رسول اللہ کے احکام کی اتباع کا عہد کیا۔ یہ اقرار اور یہ عہد انکا اتنا سچا تھا کہ بڑی سے بڑی لالچ اور بڑا سے بڑا خوف، انتہائی مصیبت و تکلیف بھی اُنکو اُن دو باتوں سے متزلزل نہ کرسکی جسکا عہد و اقرار وہ کرچکے تھے۔

حضرت خباب ابن الارت کو دہکتے ہوئے کوئلے پر لٹایا گیا کہ توحید کا انکار کریں۔ ساری پیٹھ جل گئی۔ حتیٰ کہ اُسکے خون اور چربی سے آگ بجھی جلتی۔ جلتی آگ پر کباب کی طرح بدن جلتا رہا مگر زبان پر توحید ہی جاری رہی۔

حضرت بلال اور حضرت صہیب کو لوہے کی زرہ پہنا کر گرم ریت پر لٹایا گیا اور اوپر سے بھاری پتھر رکھا گیا۔ بدن جلا، پیاس سے زبان نکل آئی مگر زبان سے توحید کے سوا کچھ نہ نکلا۔

حضرت عمار بن یاسر اور انکی ماں حضرت سمیہ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ وحشیانہ حرکت کی گئی۔ حضرت سمیہ کا اسی تکلیف میں انتقال ہوگیا۔ حضرت عمار کی حالت خراب ہوگئی مگر خدا کی توحید اور رسول کی اتباع میں ثابت قدم رہے۔ خود انھیں سرداران قریش کے لڑکے جو مسلمان ہوگئے تھے اُنکو ناقابل بیان تکلیفیں اسکے لیے برداشت کی جاسکتی تھیں۔ اس اقرار پر استقامت کے ساتھ موت کا آنا بھی اُنکے نزدیک دنیا کی سلطنت سے زیادہ قیمتی تھا۔

سچا ایمان اور مقصد پر اتنا استحکام وہ چیز تھی جس نے آخر انقلاب پیدا کیا۔ ان مردان خدا سے جو ملتا تھا وہ بھی صداقت اور فدائیت کا نمونہ بن جاتا تھا۔ آخر چند ہی روز میں انکا خلوص بارآور ہوا۔ انکے مقصد کے ساتھ ایک جماعت پیدا ہوگئی جو اگرچہ مختصر تھی، غریب و مفلس تھی، بے سامان اور بے مایہ تھی۔ مگر ہر ایک ایمان میں سچا اور توحید و رسالت کے لیے ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ، ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار و آزمودہ۔ یہ وہ جماعت تھی جو توحید کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنے کو وقف کرچکی تھی۔ خدا اُنکا حامی اور خدا کے فرشتے اُنکے مددگار تھے۔

آخر نتیجہ کیا ہوا۔ اُنکے تمام ستانے والے ملعون جو مسلمان نہ ہوئے اس طرح مٹا دیئے گئے کہ اُنکی ہستی کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا، اور وہی غلام دنیا کے سردار بن گئے۔ زمین انکی تھی، آسمان اُنکا تھا، حکومت اُنکی تھی، اور دین و دنیا کی ساری عزتیں اُنکے لیے مخصوص تھیں۔

خدا اب بھی وہی ہے۔ خدا کا قانون بھی وہی ہے۔ سابقین اولین کو خدا کی طرف سے جو کچھ انعام ملا۔ خدا کی حمایت اور خدا کے فرشتوں کی امداد اُنکو حاصل ہوئی وہ اُنکے ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ اُنکے ایمان اور اُنکی صداقت و استقامت کا نتیجہ تھا۔ جب اور جس وقت مسلمان توحید الٰہی کی تائید میں کھڑے ہونگے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جب قدم اُٹھائیگا، رسول اللہ کی تعلیمات کو دنیا میں سرخرو کرنے کے لیے جب وہ قربانی پیش کرینگے ہمیشہ نصرت الٰہی کو اپنے ساتھ پائیں گے اور دین و دنیا کی ساری عزت اُنھیں کے حصہ میں آئیگی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے۔ خدا اپنے اس وعدہ کو ضرور پورا کریگا۔ اگرچہ دنیا کے تمام کافر اور اُنکی تمام شیطانی طاقتیں اسکو پسند نہ کریں اور متفق ہوکر اسکی مخالفت کریں۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں ایمان کی پہلی شرط پائی نہیں جاتی۔ جو لوگ کفر و اسلام کو برابر سمجھیں، کافر اور مسلم میں مساوات کی تعلیم دیں۔ جنکے نزدیک احکام الٰہی پر عمل کرنے والا اور ان احکام کی پرواہ نہ کرنے والا ایک درجہ رکھتا ہو، جو شرک و توحید کے مراتب کے فرق کو نہ سمجھ سکیں، اُنکے قلوب اسلام اور توحید کی خدمت کے لیے کیسے مستعد ہوسکتے ہیں، انکے اندر ایثار و قربانی کے وہ جذبات کیونکر

پیدا ہو سکتے ہیں جن کے بغیر کوئی قوم سربلند و سرفراز نہیں ہو سکتی سربلند ہونا تو بڑی بات ہے کوئی قوم ان جذبات سے خالی ہو کر باقی نہیں رہ سکتی۔

جب مسلم لیگ کا جدید دور شروع ہوا تو اس نے لکھنؤ کے جلسہ میں اپنے دو مقصد قرار دیے - ایک مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور دوسرے خود مسلمانوں کی اصلاح۔ اس میں پہلا مقصد درحقیقت دوسرے مقصد کا نتیجہ ہے۔ یعنی جب تک مسلمانوں کو اس قابل نہ بنایا جائے کہ وہ اپنے حقوق کی خود حفاظت کر سکیں، حفاظت ناممکن ہے - کوئی تدبیر کی جائے، کوئی قانون بنایا جائے، اور حقوق کے لیے کتنا ہی لڑا جائے، حفاظت پائدار نہیں رہ سکتی۔ جب تک خود مسلمانوں کو اپنے مقصد کے ساتھ شیفتگی اور اس کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ ان کے اندر نہ پیدا ہو جائے۔

یہ چیز بڑے افسوس کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے کہ مسلم لیگ نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ صرف مقصد اول سے تعلق رکھتا ہے یعنی غیروں سے اپنے حقوق لینا۔ مگر سب سے اہم کام خود مسلمانوں کی اصلاح ہے اس کے لیے نہ غیروں سے لڑنا تھا، نہ کسی قوت سے مقابلہ کرنا تھا۔ یہ چیز خود ہمارے کرنے کی تھی۔ اگر ساتھ ساتھ اصلاح کا کام جاری رہتا تو شاید مقصد اول میں بھی آج ہم زیادہ کامیاب نظر آتے۔ تحریک کے اس حصہ کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی تنظیم ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسی سے اصلاح ہوگی۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ آنکھ بند کر کے ہر مدعی اسلام کو شامل کر لینا تنظیم نہیں بدنظمی ہے۔ اس سے فائدہ نہ ہوگا نقصان ہوگا۔ جس قدر نام کے مسلمان اب تک لیگ کے اراکین اور عہدہ دار بن چکے ہیں ان کی تعداد جناب رسول اللہ کے تمام صحابۂ کرام کی مجموعی تعداد سے بہت زیادہ ہے۔ مگر اس سے اتنا بھی اب تک نہ ہوا کہ مسلمان شرابیوں کی تعداد کچھ کم ہو جاتی، مسلمان زانی مرد و عورت کچھ گھٹ جاتے، مسلمانوں کی اخلاقی حالت کچھ بلند ہو جاتی، کچھ مسجدیں آباد ہو جاتیں، حکومت کے درباروں کی رندانہ حالت کچھ بدلتی، با اقتدار مسلمانوں میں کچھ ایسے بھی نظر آتے جن کو کبھی خدا یاد آتا، اور کبھی ان کی زبانیں خدا کی تسبیح و تہلیل سے تر ہوتیں۔

اگر لیگ میں اسلامی تنظیم ہوتی اور لیگ کے اراکین غیروں سے ایک سے ایک کلمہ بھی اسلام کی حمایت میں نہ کہتے۔ اسلامی حقوق کے محافظ اور اسلامی تہذیب کے حامی محض اپنی اصلاح کر لیتے تو آج ہندوستان میں اسلام کی، مسلم قوم کی، اور مسلم قوم کی وقعت و اقتدار کی حالت دوسری ہوتی۔

یاد رکھو، مسلمان اور کافر میں اصل فرق یہی ہے کہ کافر اپنے بنائے ہوئے قانون کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا، اور مسلمان خدا اور رسول کے احکام کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا۔ مسلم لیگ کا اولین فرض ہے کہ وہ حقوق کی جارحانہ کوشش کے ساتھ احکام الٰہی کی تائید کو اپنے پروگرام پروگرام کا ضروری جزو قرار دے۔ کامیابی خدا کے ہاتھ ہے!

(عصر جدید)

مدرسۂ صولتیہ مکہ معظمہ

خدا کے گھر کا کچھ حق سمجھنے والے نیک دل مسلمانوں سے خطاب

(از مولانا محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ مقیم قرولباغ دہلی)

دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ ہندیہ مکہ معظمہ بنا کردہ مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کعبۃ اللہ کے زیر سایہ نیک دل و باہمت مسلمانان ہندوستان کی یہ وہ مذہبی اور علمی یادگار ہے جو گزشتہ ۶۶ سال سے مشترکہ طور پر آپ کی اعانت و امداد سے خدا کے گھر میں قائم ہے اور اہل حرم و مہاجرین بیت اللہ کے لیے آپ کی طرف سے اور آپ کے نام سے یہ بہترین علمی فیض جاری ہے۔

دنیا کی موجودہ فضا میں مسلمان جہاں مذہب اور اس کے احکامات سے لاپرواہ ہوتے جا رہے ہیں اور دینداری کا جذبہ کم ہو رہا ہے۔ وہاں چند سال سے زائرین بیت اللہ اور حاجیوں کی تعداد میں بھی برابر کمی ایک افسوسناک صورت حال ہے جس سے باخبر اور بیدار مسلمانوں کو بے خبر نہ رہنا چاہیے۔ مگر درپیش کے ان مجبور کن حالات کا ناگوار اثر آپ کی اس دینی و علمی درسگاہ پر بھی ہوا۔ جس کی تمام تر امداد کا ذریعہ اب تک وہی اہل خیر مسلمانان ہند رہے ہیں جو حاضری حرم کی سعادت کے ساتھ اپنی اس قومی و دینی تحریک کو بچشم خود دیکھتے اور اس کی اہم ضرورت کو محسوس کرنے کے بعد اس کی امداد و سرپرستی فرماتے تھے اور جس نے ۶۶ سال تک اپنی گراں قدر علمی خدمات سے اہل حرم اور مرکز اسلام میں اسلامی دنیا سے آنے والے ہزاروں شائقین علم کو سیراب کیا۔

مدرسہ صولتیہ حجاز مقدس میں تمام مسلمانان ہند کا واحد قومی ادارہ ہے اس لیے ہندوستان کے بلند حوصلہ اور نیک دل مسلمانوں سے قوی امید ہے کہ وہ خدا کے گھر میں اس دیرینہ علمی و مذہبی یادگار کو اپنی عالی ہمتی اور توفیق کے مطابق موجودہ مالی مشکلات سے نجات دلانے میں اپنی فیاضی اور ہمدردی سے کام لیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبد القوی
مضامین بھیجنے کے لیے یہیں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم اخبار "صدق"

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی عہ
بیرون ہند سے سالانہ ۔۔۔ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۔۔۔

ہفتہ وار صدق لکھنؤ

نمبر ۳۴	دوشنبہ - ۷ - ذیحجۃ المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۴۱ء	جلد ۶

طبیب کی موت

صبح تھی ۲۵ - دسمبر کی، اور وقت کوئی نو بجے کا، کہ خلقت کا ایک ہجوم، موٹروں سے اور گاڑیوں سے، اور تانگوں سے، اور سائیکلوں سے اتر کر پیدل رواں تھا لکھنؤ کے ایک مشہور محلہ کی تنگ گلی میں۔ محلہ جھوائی ٹولہ، شہر اور صوبہ کا مشہور دار الشفا۔ دہلی کے بعد طب یونانی کا دوسرا دار الحکومت۔ مریضوں اور زندگی سے مایوسوں کا قبلۂ امید، آج سے نہیں، پشتہا پشت سے۔ اسوقت سے کہ جب کسی کے کان میں نام بھی نہیں پڑا تھا، کسی کے ذہن میں تصور بھی نہیں آیا تھا وکٹوریہ اسپتال کا، کنگ جارج میڈیکل کالج کا! —— مریضوں کے پھیرے گلی میں روز ہی لگے رہتے تھے، اور یہی وقت تھا۔ آج کے مجمع کا رنگ سب دنوں سے الگ تھا۔ آج قدم اٹھ رہے تھے افسردگی سے، اور دل کھچ رہے تھے عبرت کی گرہوں سے۔ آج نبض دکھانی نہ تھی، نسخہ لکھانا نہ تھا، حال کہنا نہ تھا، خود حکیم صاحب کا جنازہ پڑھنا تھا، قبر میں اتارنا تھا، اور وہ جو دوسروں کے جسم کا محافظ سمجھا جاتا تھا، خود اسکے جسم کو ایک گہرے گڑھے میں دفن کرنا، تربت پر فاتحہ پڑھنا تھا! —— طبیب موت کے پنجے میں، چارہ گر قضا کے شکنجے میں! تقدیر سے تدبیر کی شکست کی بیشمار مثالوں میں لاتعداد نظیروں میں، ایک کا اور اضافہ!

طبیب ابن طبیب ابن طبیب، حاذقوں کی اولاد، حاذق کے بیٹے حاذق کے پوتے، شفاء الملک حکیم عبد الحمید لکھنوی محتاج نہ تعریف کے نہ تعارف کے۔ مشہور طبی درسگاہ تکمیل الطب کی روح رواں — ابھی خاصی صحت، سرخ و سفید چہرہ، تندرست بشرہ۔ ابھی اس مایوس کو دوا دے رہے ہیں، ابھی اس لب مرگ کو غذا کے حکم سے جلا رہے ہیں، کہ یکایک خود بیمار پڑے۔ ... اور پھر دق -

چار دن گئے اور آئے - علاج یہ ہوا اور وہ - اور انجام آخر وہی ہوا، جو اس کشمکش کا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے —— جو علاج دوسروں کا کر رہا تھا خود اسکا مرض لاعلاج نکلا - جو داستان کے لیے مشہور تھا، ایک جھپکنے میں خود اسی کی زندگی ایک افسانہ بن کر رہی! —— طب کی کتابیں ازبر کر لینے سے کیا انسان کی آئی ہوئی گھڑی کے آگے پیچھے کر دینے پر کچھ قدرت حاصل کر لیتا ہے؟ دواؤں کو پہچان لیجئے، بیماریوں کا نام جان لیجئے، فن کی اصطلاحیں یاد کر لیجئے، کیا مرگ و فنا کے قانون کی گرفت ایک ذرہ بھی ڈھیلی ہو جاتی ہے؟ کاٹھ کی پتلیوں کو کپڑے جیسے چاہیے پہنا دیجیے - نام بادشاہ، وزیر، کوتوال، فراش، بہشتی، دربان، جو جو چاہیے رکھ دیجیے۔ قوت ساری کی ساری، اختیار کل کا کل، کٹھ پتلی والے کے ہاتھ، اور اسکی مشیت کے ہاتھ میں ہے، یا زرق برق لباس والی، مختلف شاندار ناموں والی پتلیاں بھی اس میں کسی درجہ میں شریک ہیں؟ اختیار اور قوت سے مطلق یہ سب کیسے کیسے پڑے ہوئے ہیں بیچارے کس بے بسی کے ساتھ! بادشاہ اور وزیر اور کیا اور کیا ان پتلیوں ہی کو یقین ہوئے ہیں!

انتقال سے چند روز قبل، عیادت کا اتفاق چند منٹ کے لیے ہوا۔ چہرہ پر نور اور زیادہ آ گیا تھا۔ گھلتے جاتے تھے، اور اجلتے جاتے تھے۔ لب برابر ہل رہے تھے۔ نماز کی پابندی ساری عمر کی، اور تا آخر عمر میں حج و زیارت، آخر یہ نتیجہ تھوڑے ہی رکھ سکتی تھیں؟ اور پھر بالکل آخر میں موت سے کچھ ہی روز قبل، ایک ولی کامل کی نظر عنایت و شفقت اور انکے ہاتھ پر بیعت! عیادت کا بڑا وقت اس بیعت پر مبارکباد دینے میں صرف ہوا —— استغفار اور بیعت ایسے وقت میں کہ اب معصیت میں مبتلا ہونے کا کوئی موقع ہی نہیں، اور مجاہدات اضطراری ہیں کہ ساعت بساعت طے ہوتے جا رہے ہیں! اور مرشد کامل کی توجہ خاص اس پر مستزاد! حسن انجام کی بشارت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللھم اغفرہ وارحمہ۔

ماتا بیسویں صدی میں

"معلم (انسائیکلوپیڈیا) عورت کے لیے اس زمانہ میں [یعنی قدیم زمانہ میں] کوئی [illegible] [illegible] سمجھی جاتی تھی۔ سنو ورت تو یہ موجب شرم تھی" (اسکاٹ کی "انسائیکلو پیڈیا آف سیکس" صفحہ ۲۲)

دل بدل جانے کے، تعلیم بدل جانے سے کی صداقت کی ایک دو مثال عورت اگر شمال ابھی گذرے وہ دن جب ان کی ماتا ہونے کی آرزو سے اولاد بطور ضرب المثل پیش کی جاتی تھی۔ اب ماں خود اولاد کے تصور سے گھبرانے لگی، عورت کے دل میں اولاد کی آرزو و تمنا نہیں، الٹی اس طرف سے نفرت و بیزاری [illegible] —— جاہلیت عرب کی عورت اتنی ترقی یافتہ [illegible] سے تماشہ دیکھتی اور خاموش رہتی اس حال میں کہ باپ معصوم بچیوں کو زندہ دفن کرتا رہتا۔ جاہلیت فرنگ کی "مہذب" خاتون سرے سے اولاد کے پیدا ہونے ہی کی روادار نہیں، وہ منع حمل کو ادا یا تماشائی نہیں، خود اپنے ہاتھ سے قتل اولاد کا پورا سامان اپنا انتظام کرگئی، اور نہ ہوسکے تو اس کو ان کی تفریق زدہ بچے اور نہیں بھی کی!

قانون طلاق

"نئی دہلی۔ آج ہندوستانی عورتوں کی نیشنل کونسل کے اجلاس میں ایک رزولیوشن پاس کیا گیا کہ ملکی ترقی کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے کثرت ازدواج کے رواج کو بند کیا جائے۔ کونسل نے اس سلسلہ میں قانون بنانے کی کوشش کی۔ کونسل نے ایک اور رزولیوشن پاس کیا کہ ان تدابیر کے ساتھ ایک قانون بنانا چاہیے جس میں عورتوں کو طلاق کا حق دیا جائے ورنہ کثرت ازدواج کو روکنے کے قانون کا مقصد فوت ہو جائیگا۔"

ایک طرف ہندی یا ہندو عورت کا یہ مطالبہ شائع ہوتا ہے کہ اسے بھی حق طلاق ملنا چاہیے، دوسری طرف عین اسی زمانہ میں ایک ہندو فاضل پروفیسر جے۔ ایم۔ کنا دیا ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کا مضمون روزنامہ ہندو (مدراس) میں نکلتا ہے، مغرب کی جن قوموں نے اپنے ہاں طلاق کو بہت آسان بنا دیا تھا، وہ خود اب طلاق کی کثرت و قوت سے تنگ آکر قانون طلاق کو سخت بنا رہی ہیں، اس لیے کہ گھر کے گھر، خاندان کے خاندان تباہ ہوتے چلے جا رہے ہیں، رشتہ پر رشتے ٹوٹتے چلے جا رہے ہیں، حد یہ ہے کہ امریکہ کے ایک جج صاحب نے ۳۰ دن کی مدت میں نو سو مقدمات طلاق کے فیصل کر دیے یعنی ایک ایک دن میں تیس تیس طلاقیں دلا دیں!

دنیا اپنی اس افراط و تفریط کی اندھیریوں میں ٹھوکریں کھاتی چلی جا رہی ہے اور اسلام کی روح تاسف کے ساتھ مسکرا رہی ہے کہ اعتدال و توازن تو صرف میرے دواخانہ میں ہے۔ طلاق کو عام کر دینے کا نتیجہ کھلی ہوئی تباہیاں اور خانہ بربادیاں ہیں۔ طلاق کو قانونی ایچ پیچ سے روکنے کا نتیجہ بھی اسی قدر خانہ بربادیاں ہیں۔ بندشیں طلاق پر شریعت اسلامیہ نے بھی عائد کی ہیں، ایک نہیں متعدد، لیکن قانونی سے کہیں زیادہ اخلاقی۔ ایسی بندشیں جن کا تعلق انسان کے ضمیر، دیانت و تقویٰ سے ہے۔ دنیا میں ہر انسانی رشتہ بجائے خود نازک ہے، لیکن زن و شو کا رشتہ تو نازک ترین ہے، اسکے بقا و تحفظ کی قانونی بندش بڑی سے بڑی ہرگز کافی نہیں ہوسکتی، واحد کامیاب ذریعہ مرد و عورت کی ضمیر کی بیداری ہے۔ دنیا اسی نکتہ کو بھلائے ہوئے ٹھکرائے ہوئے ہے۔ اور طاغوتی طاقتیں ہیں کہ ان کی اسی بھول پر خوش ہو رہی ہیں۔

پاکستان کا نعرہ

"مسلمان کے لیے اسلام سب پر مقدم ہے، اور ہندوستان کا مفاد کا سب پر مقدم تصور کرنا مسلمان کے لیے ناقابل قبول ہے۔ مسلمان کسی تصور اور عقیدہ کو گوارا نہیں کر سکتا جو اسلامی جذبات و حسیات سے متصادم ہو" (مسلم لیگ کے ایک تازہ رزولیوشن کا اقتباس)

"ہمارا مقصود ایک تمام تر ایسی حکومت کا قیام ہے جو تمام تر اسلامی اصول پر ہو۔ ہماری پاکستانی حکومت کو ایران اور ترکی کے نمونوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا اور نہ ہم کوئی شخصی بادشاہت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان پر شریعت اسلام کی حکومت ہو، اور ہماری تمنا یہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومتوں پر شریعت حکمراں ہو۔ ترکی اور ایران کی سلطنتیں ہرگز اسلامی طرز کی نہیں اور ان نمونوں سے اسلامی حکومت کی بابت ہرگز دھوکا نہ کھانا چاہیے" (ایک مشہور مسلم لیگی کی تقریر)

مسلم لیگ والوں اور پاکستانیوں کو کیا ہو گیا ہے۔ بغیر شرمائے، بغیر جھجکے، بغیر ہچکچائے، پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ "ترکی اور ایران کی سلطنتیں ہرگز اسلامی طرز کی نہیں"، "ان نمونوں سے اسلامی حکومت کی بابت ہرگز دھوکا نہ کھانا چاہیے"، "پاکستانی حکومت کو ایران اور ترکی کے نمونوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا"، "شریعت اسلام کی حکومت ہندوستان پر، بلکہ ہماری تمنا تو یہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومتوں پر ہو"! —— بیسویں صدی عیسوی میں ساتویں صدی کے خواب دیکھنے والے احمق اور مجنوں! ایک طرف تو مولویوں ملاؤں کو برملا کہہ جاتے ہیں، اور دوسری طرف مجذوبانہ بڑ ایسی ہانکتے ہیں جو کسی مولوی ملا نے کو بھی سوجھنے کی نہیں۔ "ملا ازم" اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ ہے کوئی ملا، ان پاکستانیوں سے بڑھ کر کٹر پن زمین پر اور کہاں دکھائی دیگا؟

تجدد کی برکتیں

"تہذیب جدید کا رخ اس جانب ہے کہ زناکاری میں اضافہ ہوتا رہے۔ سوسائٹی کی نظر میں یہ جرم اب بھی ہے، لیکن اس کی جو اہمیت صدیوں سے چلی آتی تھی اس سے اب یہ جرم کہیں ہلکا ہو گیا ہے۔ اب جو شادی شدہ عورت زناکاری میں پکڑی جاتی ہے وہ برادری سے باہر نہیں کر دی جاتی۔ اس تغیر جذبات کے اسباب حسب ذیل ہیں:

(۱) کلیسا کے اقتدار اور قوت تخویف میں زوال۔

(۲) عورت و مرد کی جنسی مساوات

(۳) منع حمل کے طریقوں کی ترویج" (اسکاٹ کی "انسائیکلو پیڈیا آف سیکس" صفحہ ۱۰۳)

گویا اب خود فرنگی محققین کے نزدیک بھی زناکاری (یعنی جسے یورپ کا قانون بھی زناکاری تسلیم کرے) روبترقی ہے۔ اور یہ کوئی اتفاقی چیز نہیں،

بلکہ تہذیب جدید کا عین اقتضا یہی ہے۔ اور اس صورت حال کے اسباب، اسی زندگی محقق میں یہ ہے کہ اول تو مذہب کی ہیبت یورپ میں دلوں سے رخصت ہو چکی ہے دوسرے یہ کہ جب عورت ہر حیثیت سے اپنے کو مرد کے مساوی قرار دے چکی ہے تو آخر اسکی وجہ کیا، کہ وہ بد چلنی، بدکاری میں بھی مرد سے دب کر، گھٹ کر رہے؟ اور پھر منع حمل کے آلات اور دواؤں کے بعد رازِ فاش ہو جانے کا بھی خطرہ باقی نہیں۔ پھر آخر کیوں نہ عورت اپنے کو بازار کی سوغات بنا کر رکھے؟ وہ کھل کھیلی، اور ابھی اور کھل کھیلیگی! ——— واقعہ، اور سبب وقوع، مرض اور تشخیص مرض، دونوں آپ یورپ ہی کی زبان سے سن چکے، اب ارشاد ہو کہ یہی راہ اور یہی منزلیں اپنے ملک و ملت کیلئے بھی آپ انتخاب کر چکے تھے؟

پنجاب میں اردو

پنجاب میں کل اخبار اور رسالے ۵۲۰ شایع ہوتے ہیں، ان میں سے ۵۰۰ اردو میں اور صرف ۲۰ ہندی میں!

اسی صوبہ میں جنوری سے ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء تک نو مہینے کی مدت میں کتابیں ۸۲۱ اردو میں شایع ہوئیں اور ۱۷۸ ہندی میں!

میٹرکولیشن کے امتحان میں جو طلبہ تاریخ و جغرافیہ میں شریک ہوئے، کل ۲۷۶۹۶ تھے، ۲۳۹۲۶ نے پرچے اردو میں لکھے!

اعداد لاہور کی تازہ اردو کانفرنس میں میاں بشیر احمد بیرسٹر و اڈیٹر "ہمایوں" کی تقریر سے ماخوذ ہیں! ——— ہندی کی حمایت میں اتنے مسلسل اور زبردست پروپیگنڈہ کے بعد بھی اردو کی یہ مقبولیت حیرت انگیز بھی ہے اور امید افزا بھی۔

ایک مفید خدمت

آصف، اے اے فیضی صاحب، سکریٹری اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن، گورنمنٹ لاکالج، بمبئی (نمبر ۱) کی ایک مطبوعہ انگریزی تحریر سے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی، کہ یہ انجمن قرآن مجید کے الفاظ کا مفصل انڈکس (فہرست یا اشاریہ) تیار کرنا چاہتی ہے، اور اسکے لیے وہ مختلف نمونے طلب کر رہی ہے۔ جن صاحب کا نمونہ قابل پسند ٹھہریگا انھیں کام کے لیے تین سو روپیہ ماہوار کی ملازمت ملیگی، یعنی آخر ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء تک۔ حدیث (یعنی صحاح ستہ اور تین اور کتابوں) کا انڈکس تو انگریزی میں سنہ ۱۹۲۶ء میں تیار ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کا کوئی اچھا انڈکس افسوس اور حیرت ہے کہ ابتک انگریزی میں موجود نہیں۔ کسی ہندی مسلمان کے ہاتھوں یہ خدمت انجام پا جائے تو یہ ہم سب کی عین سعادت ہوگی۔ کام کا معاوضہ انجمن نے پانسو روپیہ قرار دیا ہے۔ جو انگریزی خواں اہل علم اس کی اہلیت اور ہمت رکھتے ہیں، وہ سکریٹری صاحب موصوف سے فوراً مراسلت شروع فرمادیں۔

برطانیہ اور فرانس

سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد سے برطانیہ کی آبادی میں ۵ لاکھ سے زائد کا اضافہ ہو چکا ہے، اور سنہ ۱۹۳۵ء کے بعد سے تو شرح پیدائش برابر روبہ ترقی ہے۔ سیاسیات کے ماہرین نے تو ایک سال اُدھر یہ حکم لگا دیا تھا کہ سنہ ۱۹۴۰ء میں شرح پیدائش گر جائیگی۔ لیکن ۱۲ ہزار سے اوپر بچے ہر ہفتہ برطانیہ میں پیدا ہو رہے ہیں!"

(سنڈے اکسپریس۔ لنڈن، ۲۶ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء، ملاحظہ ہو "صدق"۔ صفحہ ۲)

گویا ایک ہی پرتوت جنگ عظیم کے بعد فرانس اور برطانیہ دو قوموں کے جو مختلف حشر ہوئے، کیا اسکا راز اب بھی راز ہے؟ ——— فرانس "برتھ کنٹرول" (ضبط تولید) ...

رسید کتب و رسائل

(۱) **نامورانِ سیاست** - از عبدالحبیب و محمد نسیم صاحبان، ۶۶ صفحہ - قیمت ۶؍

(۲) **یارانِ میکدہ** - از عبدالشکور صاحب ایم اے۔ ۱۱۵ صفحے قیمت درج نہیں۔ پتہ، کتبہ جامعہ - نئی دہلی (لاہور - لکھنؤ - بمبئی)

نمبر(۱) آج کل کے اخبار بین ناظرین کے کام کی چیز ہے۔ ۳۲ - مختلف شخصیتوں کے، جنکے نام کثرت سے اخبارات میں آتے رہتے ہیں، ان کا تذکرہ و تعارف اس میں موجود ہے۔ ہٹلر، مسولینی، چرچل، ایڈن، اسٹالن، ابن سعود، وغیرہ۔ نمبر(۲) بارہ مزاحیہ کرداروں پر طبع آزمائی کا مجموعہ ہے

(۳) **کاغذی ناؤ** - از ملکش صاحب حیدرآبادی مدیر ماہنامہ "سب رس" ۱۱۲ صفحے - قیمت ۱۲؍ پتہ "سب رس" کتاب گھر، خیریت آباد حیدرآباد دکن

۶ - ریڈیائی مختصر ڈراموں کا مجموعہ۔

(۴) اردو پڑھنے کا قاعدہ - ۱۶ صفحے قیمت ۱؍
(۵) نماز ″ ″
(۶) حکایتیں (حصہ اول) ″ ″
(۷) (″ دوم) ″ ″
(۸) حبیب خدا ″ ″
(۹) نظمیں ″ ″
(۱۰) میونسپلٹی ″ ″
(۱۱) صدیق اکبر ″ ″
(۱۲) خط و کتابت ″ ″
(۱۳) ضلع کا انتظام ″ ″
(۱۴) قومی گیت ″ ″
(۱۵) غزلیں ″
(۱۶) ہمارا ہندوستان ″ ″
(۱۷) امی پڑھنے لگی ″ ″
(۱۸) عمر فاروق ″ ″

پتہ: کتبہ جامعہ - نئی دہلی (لاہور - لکھنؤ - دہلی)

بالغ مبتدیوں کے لیے کتبہ جامعہ کا شایع کیا ہوا، مختلف مصنفین کا مرتب کیا ہوا نہایت سلیس و مفید درسی کتابوں کا سلسلہ - علاوہ بالغ مبتدیوں کے اور بھی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں - چیزیں سب کے کام کی ہیں۔ صرف رسالہ ۱۴، قومی گیت کی آخری نظم "ہندو مسلمان" البتہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابل گرفت ہے۔

(۱۹) **تحفۂ عید الاضحیٰ** - از مولوی شاہ قمر الہدیٰ فردوسی صاحب - ۸۸ صفحے ۱ر کے ٹکٹ پر دفتر دارالہدایت، جامع مسجد، خلوہ آباد (یو-پی) سے مل جائیگا -

موضوع نام سے ظاہر ہے - عید قرباں کے ضروری مسائل کے علاوہ فضائل عشرۂ ذی الحجہ اور اسرار حج، قربانی وغیرہ پر بھی گفتگو ہے - موسم کی چیز ہے -

میری محسن کتابیں

[اس عنوان سے رسالۂ الندوہ (لکھنؤ) میں ایک سلسلۂ مضامین مختلف اصحاب کے قلم سے شائع ہو رہا ہے، ذیل کا مضمون مدیر صدق کے قلم سے اسی سلسلہ کی ایک قسط ہے]

حکم ملا ہے ایک رند خراباتی کو، ایک گمنام و رسوا نام گوشہ نشین تنہائی کو کہ وہ بھی اہل فضل و کمال کی صف میں در آئے، اور اپنا افسانہ رسوائی دنیا کو کہہ سنائے! اور یہ حکم دینے والے کون؟ ایک بزرگ[1] صورت و بزرگ صورت و بزرگ سیرت خورد[2]۔ بہتر بزرگوں اور خوردوں کو اگر لطف اسی داستان سرائی میں آتا ہے تو لیجیے تعمیل فرمائش ابھی ہوئی جاتی ہے لیکن آپ حضرات بھی تو سوچ سمجھ لیں، دنیا آپ کے حسن انتخاب کو کیا کہیگی! اسے تو پسند آتی ہیں داستانیں انھیں دیوانوں کی!

آنکھ کھلی ایک خاصے مذہبی گھرانے میں۔ باپ (اللہ انکی تربت ٹھنڈی رکھے) ایک اچھے سرکاری عہدہ دار ہونے کے باوجود، ملا مولوی اور علماء دیندار ان [illegible] عمر میں مزید برکت عطا فرمائے، شب بیدار تہجد گزار، زمانہ انیسویں صدی عیسوی کے اخیر کا۔ گھر پر مشرقی تعلیم کا چلن ایک حد تک باقی تھا۔ مولوی صاحب کے پاس بٹھائے گئے۔ قرآن (ناظرہ) کے ساتھ ساتھ اردو بھی شروع ہوگئی۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی مرحوم کی ریڈریں کچھ اس طرح مزہ لے لیکر پڑھیں کہ انکی شیرینی اب تک یاد ہے۔ اور ٹوٹی پھوٹی جو کچھ بھی لکھنی آتی اسکی اصلی بنیاد اسی [illegible] پڑ گئی۔ فارسی میں گلستاں، بوستاں، رقعات قتیل، یوسف زلیخا کے علاوہ کیمیائے سعادت بھی کچھ سمجھے اور کچھ نہ سمجھے یوں ہی ختم کر ڈالی۔ داخلہ اسکول میں ہوا۔ زبان عربی لی۔ استاد شفیق ملے۔ عربی سے جو الجھن اور وحشت نہ ہونے پائی۔ تصرف ہے انھیں بزرگوں کا۔

ابھی بچپن ہی تھا کہ ایک انگریزی تعلیم یافتہ "چچا زاد" بھائی نے شوق خواندگی کا پیدا کرا دیا۔ دل خارجی مطالعہ میں لگنے لگا۔ اخبار، رسالہ، اشتہار، کتاب، جو چھپی چیز بھی سامنے آجاتی مجال نہ تھی کہ بچ کر نکل جائے۔ اردو کے علاوہ انگریزی، فارسی، عربی میں کچھ شُد بُد تو ہو ہی گئی تھی، فقہ، تصوف، منطق، مناظرہ، ادب، افسانہ، ناول، ناٹک، طب، شاعری، سب ہی کچھ تو اس میں آگیا۔ جوش خاصا مذہبی موجود تھا، آریوں اور عیسائیوں کی مناظرانہ کتابوں پر نظر پڑی، آگ سی لگ گئی۔ تلاش جوابات کی ہوئی۔ دھن سی سوار ہوگئی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی "ترک اسلام" وغیرہ، مرزا غلام احمد قادیانی کی "سرمۂ چشم آریہ" وغیرہ، حکیم نورالدین کی "نورالدین"، مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوہ کا ماہنامہ "تحفۂ محمدیہ" اسی زمانہ کی یادگاریں ہیں۔ اور ہاں ایک نام تو ذہن سے نکلا ہی جاتا تھا، اب وہ بیچارے یوں بھی گمنام ہوگئے ہیں، مولوی احسان اللہ عباسی وکیل گورکھپور مصنف "الاسلام" "تاریخ الاسلام" وغیرہ۔ ذوق و شوق سے ساری کتابیں پڑھیں، اور اپنی بساط کے لائق کچھ لکھا لکھایا بھی۔ ادبی میدان میں شرر مرحوم اور انکے معاصرین منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ وغیرہ کا دور دورہ رہا۔

[1] مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔

[2] علی میاں سلمہ ایڈیٹر الندوہ۔

یہ دور گننا چاہیے کہ سنہ ۱۹۰۳ء سے سنہ ۱۹۰۶ء تک رہا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں پہلا تعارف "مقالات شبلی" اور "الکلام" سے حاصل ہوا۔ اور اسی وجہ سے بادہ مولانا شبلی کا چل گیا۔ تلاش انکی اور تحریروں کی شروع ہوئی۔ انھیں پڑھتا نہ تھا، تلاوت کرتا تھا۔ الندوہ والد مرحوم کے نام جاری کرایا۔ پرانے پرچے منگائے۔ تازہ پرچہ کے [illegible]۔ مولانا کے ہر مضمون کی ایک ایک سطر بار بار پڑھتا۔ فقروں کے فقرے حفظ ہوگئے۔ ترکیبیں زبان پر چڑھ گئیں۔ ہم سنوں سے کہتا پھرتا، بلکہ لڑتا پھرتا کہ علامہ شبلی اس دور کے مجدد ہیں۔ نذیر احمد، حالی، سرسید، آزاد کے ساتھ بھی حسن اعتقاد قائم رہا۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں عمر کا سولھواں سال تھا کہ میٹرک پاس کر کے لکھنؤ میں کالج میں داخل ہوا، اور اب انگریزی کتابوں پر ٹوٹ پڑا۔ اتفاق سے شروع ہی میں ایک بڑے انگریز ڈاکٹر کی کتاب سامنے آگئی، نام تھا [illegible] مصنف نے کھل کر اور بڑے شد و مد [illegible] میں آدمیت کی حمایت اور مذہب و اخلاق دونوں سے بغاوت کی تھی۔ موضوع یہ تھا کہ عصمت اور نیک چلنی کے کوئی معنی نہیں، محض پرانے لوگوں کا گڑھا ہوا ڈھکوسلا ہے۔ اصل شے صحت اور مادی راحت ہے۔ صحت کا خیال رکھ کر جو کچھ جی میں آئے کرو۔ نکاح وغیرہ کی قیدیں سب لایعنی ہیں۔ مصنف کے پیش نظر اسلام یقیناً نہ تھا، لیکن زد تو بہرحال اسلام پر پڑتی تھی۔ خیالات ڈانواڈول ہونے لگے۔ اسی زمانہ میں اتفاق سے ایک اور کتاب بھی نظر سے گزری۔ یہ ادبی تھی۔ مشاہیر عالم کے اقوال و خیالات پر۔ اس میں ایک جگہ پورے قد کی تصویر مصور پیمبر رسول اللہ صلعم کی درج تھی۔ اور نیچے سند یہ بھی تھی کہ فلاں (غالباً ویانا) کے میوزیم میں قلمی تصویر موجود ہے، یہ اسکا فوٹو ہے۔ حلیہ یہ تھا، سر پر عمامہ، جسم دوہرا، تلوار کمر سے بندھی ہوئی، شانہ پر ترکش، ہاتھ میں کمان، تیوروں پر بل پڑے ہوئے، آنکھوں سے غصہ، بشرہ سے تندخوئی عیاں، نشان رحمت [illegible] الگ رہی، مضمون نرم دلی اور پاس مزاجی کے آثار بھی یکسر مفقود۔ نیچے سند درج۔ معتبریت سے مرعوب دماغ کے لیے اب شک و شبہ کی گنجائش ہی کہاں رہ گئی تھی؟

دماغ پہلے ہی متفاوت ہو چکا تھا، اب دل بھی مجروح ہوگیا۔ ارتداد ویسے پاؤں آیا، اسلامیت کو ہٹا، ایمان کو ہٹا، خود معاند ہوگیا۔ آریت، عیسائیت، دوسرے مذاہب سے پہلے ہی سے دل ہٹا ہوا تھا، اب کھلم کھلا بے دینی اور آزاد خیالی کی حکومت قائم ہوگئی۔ الحاد کا نشہ، بیدینی کی ترنگ، "ریشنلزم" (عقلیت) سے رنگ بڑھے "اگناسٹیسزم" (لاادریت) [illegible]۔ لندن کی ریشنلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیین) کی ممبری قبول کر، سارا وقت ہیوم، مل، اسپنسر، ہکسلے، ہیگل، انگرسول، بریڈلا، بوخنر، ڈارون، اور یونان کے حکما، اور [illegible] وغیرہ کی نذر ہونے لگا۔ ان کو اتنا پڑھا، اتنا پڑھا، کہ [illegible] ان کا حافظہ مشہور ہو گیا۔ ایک اور کتاب سب سے متعلق عضویات دماغی [illegible] PHYSIOLOGY یہ ایک مشہور انگریز ڈاکٹر کی۔ اسی زمانہ میں نظر سے گزری۔ ذکر امراض عصبی و دماغی کا تھا۔ بدبخت نے مرض صرع کے ضمن میں لکھا تھا کہ اسکی علامات کو لوگ پرانے زمانہ میں "وحی الٰہی" سمجھنے لگتے تھے، اور صرع کے عام دورے دماغی تو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ وہ دنیا میں انقلاب برپا کر سکتا ہے، مذہب اور سلطنت دونوں قائم کر سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ —

ارتداد، الحاد اور اسلام بیزاری میں اگر کچھ کسر باقی تھی تو اب پوری ہوگئی۔ [illegible] نہیں جانے لگی، تو نظام میں جہاں مذہب کا خاتمہ ہوتا ہے: ہاں بجا

مسلمان کے رشیلسٹ کیونکر ہوا!

الحاد، بے دینی، یا عقلیت کا یہ دَور کوئی ۸-۱۰ سال تک قائم رہا، یعنی ۱۹۱۰ء سے وسط ۱۹۱۶ء تک۔ ایف۔ اے، بی۔ اے کی تکمیل ہوئی۔ ایم۔ اے کی تکمیل نہ ہوئی، لیکن تعلیم تو بہرحال فلسفہ لیکر پائی۔ مضمون نگاری، تصنیف، تالیف اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں جاری رہی۔ ہوتے ہوتے ۱۹۱۸ء آگیا۔ آخر سال تھا کہ ایک دوست کی تحریک پر انگریزی میں بودھ مذہب پر کتابیں دیکھیں اور دل کسی قدر ادھر مائل ہوا۔ تنہا بعد ہند و فلسفہ کا مطالعہ شروع ہوگیا۔ خصوصاً مسز بسنٹ اور بنارس کے مشہور فلسفی ڈاکٹر بھگوان داس کے انگریزی تراجم و تالیفات کے ذریعہ سے مغربیت، مادیت، اور عقلیت کا جو تیز نشہ سوار تھا، وہ بتدریج ہلکا ہونے لگا، اور دل اس کا قائل ہوگیا کہ مادی اور حسّی دنیا کے علاوہ بھی کسی اور عالم کا وجود ہے ضرور۔ بھگوت گیتا کا انگریزی ایڈیشن (مسز بسنٹ کا ترجمہ) اس حیثیت سے اکسیر ثابت ہوا۔ خدا کا نام اب قابلِ مضحکہ نہ رہا، روح اور روحانیت کے الفاظ سے نفرت و بیزاری دور ہوگئی۔ ہاں اسی درمیان میں مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کی جلد اول شائع ہو چکی تھی۔ اسے خوب شوق سے پڑھا تھا، اور اس سے بھی اچھا اثر قبول کیا تھا۔ صاحبِ سیرۃ کی رسالت پر ایمان تو اب بھی دور کی چیز تھی، لیکن مارگولیس وغیرہ کے اثر سے (نعوذ باللہ) جو ایک خدا نا ترس و ظالم خونخوار سردار کا تصور قائم ہوگیا تھا، آنکھوں سے یہ زنگ اسی سیرۃ کے مطالعہ کی برکت سے کٹ چکا تھا اور اس کی جگہ ایک خوش نیت مصلح قوم کے تخیل نے لے لی تھی۔

اب دل مسلمان صوفیہ کے اقوال و احوال میں بھی لگنے لگا تھا۔ کشف و کرامت کے ذکر پر اب یہ نہ ہوتا کہ بیساختہ ہنسی آجاتی، بلکہ تلاش اس قسم کے ملفوظات و منقولات کی رہنے لگی۔ فارسی اور اُردو کتابیں بہت سی اس سلسلہ میں پڑھ ڈالیں۔ مسلمان تو اب بھی نہ تھا، لیکن طغیان و عدوان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ محض کتابوں کے سلسلہ میں محض شخصیتوں کا ذکر یقیناً بے محل ہے۔ لیکن اتنا کہے بغیر آگے بڑھا نہیں جاتا کہ اس دَور میں دو یا تین زندہ ہستیاں بھی ایسی تھیں، جن سے طبیعت رفتہ رفتہ اور بہت تدریجی رفتار سے سہی، لیکن بہرحال اصلاحی ہی اثر قبول کرتی رہی۔ ایک اُردو کے مشہور حکیم و ظریف شاعر اکبر الہ آبادی ہیں، دوسرے کامریڈ کے ایڈیٹر اُس وقت کے "مسٹر" اور اسی درمیان میں "مولانا" ہو جانے والے محمد علی! ان دو کے بعد ایک اثر مولانا حمید الدین مفسر قرآن کا بھی پڑتا رہا۔

۱۹۱۹ء قریب ختم تھا، ایک عزیز کے پاس مثنوی معنوی (کانپوری ایڈیشن) کے چھ ضخیم دفتر دکھائی دیئے۔ (اللہ رحمت اللہ رعد کی تربت پر اپنی رحمت کے پھول برسائے) کاغذ، کتابت، طباعت کے جملہ محاسن ظاہری سے آراستہ، حاشیہ نہایت مفصل۔ چند سال ادھر توجہ بھی نہ کرتا، لیکن اب زمین پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔ معدہ کو غذا گھنٹہ اور منٹ کی پابندی کے ساتھ ٹھیک وقت سے ملی۔ مطالعہ ذوق و شوق سے شروع کیا، اور ہر ہر قدم پر شوق کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ الفاظ ملنے مشکل ہیں، جن میں اس ذوق و شوق کی کیفیت بیان کی جا سکے۔ استعداد واجبی ہی تھی، سلوک و معرفت کے نکات و اسرار الگ رہے۔ ظاہری لفظی معنی بھی صدہا اشعار کے سمجھ میں نہ آتے، لیکن انہماک کا یہ عالم کہ ایک شعر بھی چھوڑنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ اور دل بے اختیار یہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سارے دفتروں کو ایک دم سے چاٹ جاؤں۔ کھانے پینے ملنے جلنے کا ہوش نہ رہا۔ طبیعت بیقرار کہ کمرہ بند کیے بس اسی کو شروع سے آخر تک پڑھتا رہا اور ہر ہر شعر تیر و نشتر بنکر دل کے اندر پیوست ہوتا جاتا اور تشکیک، ارتیاب، عقلیت و لا ادریت کے بادل سب چھٹتے چلے جاتے۔ حاشیے علمی رنگ کے دل کو زیادہ نہ بھاتے، خصوصاً شیخ ابن عربیؒ کے نظریات جہاں آجاتے، وہاں تو دم الجھنے لگتا کہ یہ تو وہی پھر وہی افلاطون وغیرہ کے طرز کی باتیں آگئیں جن سے گھبرا کر اکتا کر میں بھاگا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے [illegible] سادے اور پر مغز حاشیے جہاں نظر پڑ جاتے، طبیعت پھڑک جاتی اور دل گواہی دے اٹھتا کہ بیشک یہ قول سچے ہی کا ہو سکتا ہے۔

مولاناؒ نے حضرت رسالتؐ کے باب میں کہا ہے کہ اس پر کسی معجزہ یا خارق عادت سے دلیل خارجی لانے کے کیا معنی، پیمبر کی تو ہر چیز بجائے خود معجزہ ہوتی ہے۔

روے و آواز پیمبر معجزہ است

بس اپنا بالکل یہی حال خود مثنوی سے متعلق تھا۔ ہر شعر خود دکھا کر شہادت دے رہا تھا کہ میں سچے ہی کی زبان سے نکلا ہوں، کسی اور دلیل و برہان کی حاجت ہی نہ تھی۔ —— مثنوی کا مطالعہ ہفتوں نہیں مہینوں مسلسل جاری رہا، اور اس ساری مدت میں ایک نشہ سا سر پر سوار رہا۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، بس اسی کی دُھن۔ اسی عالم میں کہیں مرگیا ہوتا، تو عجب نہیں کہ منکرین کے سامنے مذہب کے سوال پر جواب زبان سے یہی نکلتا کہ "وہی مذہب ہے جو مولانا ئے روم کا مذہب تھا" قرآن و رسالت تک پر ابھی ایمان پختہ نہ تھا، بس دلیل سب سے بڑی یہی تھی کہ جب صاحبِ مثنوی اس پر ایمان رکھتے ہیں تو کیوں نہ یہ دین سچا ہوگا۔

غالباً اگست ۱۹۲۰ء تھا کہ ایک عزیز کے پاس مولوی محمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمۃ القرآن پڑھنے میں آیا اور طبیعت نے اس سے بھی بہت گہرا اور اچھا اثر قبول کیا۔ مغربی راہ سے آئے ہوئے بیسیوں شبہات و اعتراضات اس ترجمہ و تفسیر سے دور ہوگئے۔ اور یہ رائے اب تک قائم ہے۔ اس بیس سال کے عرصے میں خامیاں اور غلطیاں بہت سی (بلکہ بعض جگہ تو ایسی جسارتیں جنکے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں) اس ترجمہ و تفسیر کی علم میں آچکیں، لیکن انگریزی خوانوں اور مغرب زدوں کے حق میں اس کے مفید اور بہت مفید ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں — ہدایت کا واسطہ جب اللہ کی حکمت صریح غیر مسلموں کے کلام کو بنا دیتی ہے۔ تو یہ تو بہرحال اللہ کے کلام کا ترجمہ و حاشیہ ہے۔ مترجم کی بعض اعتقادی غلطیوں کی بنا پر انکی ساری کوشش سے بدظن ہو جانا قرینِ انصاف و مقتضائے تحقیق نہیں۔

نیم مسلمان ہو چکنے کے بعد پھر پورا مسلمان بن جانا، اور ادخلوا فی السلم کافۃ کے سمت میں آجانا کچھ زیادہ دشوار نہ تھا۔ اقبالؒ کی اُردو اور فارسی نظمیں، محمد علیؒ کی نظمیں اور تحریریں (خصوصاً زمانۂ نظر بندی ۱۹۱۵ء کی) سب اپنا اپنا کام کرتی رہیں، دل میں گھر کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ مکتوبات مجددی نے اس پر پوری مہر لگا دی۔ مکتوبات کا جو امرتسری نسخہ متعدد جلدوں میں پیش نظر رہا، وہ اپنی صفائی، خوشنمائی اور کثرت حواشی کے لحاظ سے گویا مثنوی ہی کے اسی کانپوری ایڈیشن کی ٹکر کا تھا اور اثر میں شاید اس سے کچھ ہی کم۔ مثنوی سے اگر طبیعت میں ایک شورش اور تڑپ پیدا ہو گئی تھی، تو اس میں سکون اور ٹھہراؤ کتنا!

ـــہ [illegible] ایک مستقل دوسرے نفسیات۔ نفسیات میں سب سے زیادہ [illegible] مشہور استاد و فن ولیم جیمس کا سا

کلام اللہ

(۳)

از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

وحی کے اقسام

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ یہ مدعی وحی کی گرفت سے گھبرا کر جس منزل پر آکر رکا ہے، کیا یہاں بھی اسکے لیے پاؤں ٹیکنے کی جگہ ہے؟ اوپر بتایا گیا ہے کہ مدعی کی غلطی کا منشا جیسا کہ وہ ظاہر کرتا ہے، وہ آیتیں ہیں، جن میں جانوروں اور عام انسانوں، بلکہ شیطانوں تک وحی کی نسبت کی گئی ہے۔ اب ہم ان میں سے ایک ایک قسم کی آیت کو لیکر اس پر بحث کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔

وحی ربانی کی حقیقت سب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ وحی ربانی کے معنی اس وحی کے جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، یعنی کیا ہیں۔ سو معلوم ہونا چاہیے کہ وحی ربانی اس طریقۂ غیبی یا ذریعۂ غیبی کا نام ہے، جسکے واسطے سے انسان کے غور و فکر، کسب و نظر، اور تجربہ و استدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض اسکے فضل و عطا سے کوئی علم آتا ہے، اور آیات قرآنی اس پر گواہ ہیں، ہم یہاں پر انھیں آیتوں کو پیش کرتے ہیں، جن میں قصص قرآنی کی نسبت سے وحی کا ذکر ہے۔

حضرت مریمؑ کے قصہ کے بعد ہے،

ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک، (آل عمران ۵)	یہ غیب کی خبروں میں سے جسکو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔

حضرت نوحؑ کے قصہ کے بعد ہے:۔

تلک من انباء الغیب نوحیہا الیک، ما کنت تعلمہا انت ولا قومک من قبل ہذا (ہود ۴)	یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم انکو تیری طرف وحی کرتے ہیں، نہ تجھ کو اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے انکا علم تھا۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ کے بعد ہے:۔

ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک، (یوسف ۱۱)

وحی کی حقیقت کی تشریح مدعی نے اب تک کی ہے، وہ یہ ہے "ہر محل سوجھ بوجھ، نفسانی تاثر اور وجدان"۔ ہر شخص سے جس میں عقل کا کوئی ذرہ ہے، یہ سوال ہے کہ دنیا کے تاریخی واقعات کا علم کسی شخص میں برمحل سوجھ بوجھ، نفسانی تاثر اور وجدان سے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی معلوم ہو سکتے ہیں، کہ یا تو وہ کسی سے سنے جائیں، یا کسی کتاب میں پڑھے جائیں، قرآن پاک نے ان دونوں طریقوں کی نفی کردی ہے، اور یہاں پر ظاہر کردیا ہے کہ ان واقعات کا علم انسانی ذرائع سے نہیں، بلکہ غیب سے بذریعہ وحی ہوا ہے۔

انسانی ذریعۂ علم کے ان دونوں طریقوں کی نفی قرآن پاک کی حسب ذیل آیت میں ہے،

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (عنکبوت ۱۵)	اس (قرآن) کے اترنے سے پہلے نہ تو تو کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کے لیے شبہہ کی کوئی گنجائش ہوتی

اب رہا یہود و نصاریٰ سے ان گذرے واقعات کا علم! تو دوست دشمن سب کو معلوم ہے کہ مکہ کی زندگی میں یہود و نصاریٰ سے آپ کی صحبت کس طرح ثابت نہیں، اور نہ مکہ معظمہ میں انکی آبادی تھی، لے دے کر ایک بحیرا راہب کا افسانہ عیسائیوں کے پاس ہے، جس سے جیسا کہ کہا جاتا ہے، سفر شام میں اپنے چچا کے ساتھ آپ کی ملاقات چند گھنٹے کے لیے ہوئی تھی، اور جس نے آپ کو دیکھ کر آپ کے چچا کو آپ کے پیغمبر ہونے کی خوشخبری سنائی تھی، اگر دس بارہ برس کا بچہ ان چند لمحوں کی ملاقات میں ایک شخص سے وہ سب کچھ سن سکا، اور اسکو سمجھ سکا، جو قرآن پاک کی دو دفتیوں کے درمیان ہے، تو یہ فوق البشری طاقت بجائے خود آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

بہر حال اب عیسائی، ناظرین سے معلومات حاصل کرکے مسلمان "نیاز" بتائیں کہ آنحضرت صلعم نے کن یہودیوں اور عیسائیوں سے کہاں اور کب قصص قرآنی کے یہ معلومات حاصل کیے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ)

وحی کے معنی کی تعیین کے بعد جو کہ غیبی تعلیم کا نام ہے، آئیے وحی کے بعض اقسام پر غور کریں۔ مدعی نے قرآن پاک کی ان اکثر آیتوں کو یکجا کرکے جن میں وحی کا لفظ ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وحی کے معنی ہیں برمحل سوجھ بوجھ اور نتیجہ ہے اس ذہنی قوت کا جو فطرۃً انسان میں ودیعت رکھی گئی ہے (جولائی ص ۵۹)

اب آئیے دیکھیں کہ وحی کے یہ معنی کہاں کہاں صادق آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مدعی نے یہ خوب لکھا ہے

"سب سے پہلی غلطی جو وحی کا مفہوم متعین کرنے میں روا رکھی گئی ہے یہ ہے کہ وحی کو انبیاء و رسل کے لیے مخصوص سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ یہ حقیقت نہیں ..... غیر انبیاء بلکہ حیوانات و جمادات پر بھی وحی کا نازل ہونا قرآن سے ثابت ہے" (جولائی ص ۶۰)

اے کاش یہ معلوم ہوتا کہ یہ غلطی کس نے روا رکھی ہے، کیا علمائے اسلام میں سے کسی نے یہ کہا ہے، کہ یہ وحی بمعنی عام صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے، جس اختصاص کا انکو دعویٰ ہے وہ اس قسم کی وحی کے متعلق ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے۔

قرآن پاک کی آیتوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ازروئے وحی کی تین قسمیں ہیں، وحی نوعی، وحی شخصی یا جزئی، اور وحی نبوی۔ اور تینوں کے الگ صفات اور لوازم ہیں۔ سب سے پہلے وحی نوعی یا فطری کو لیجیے، جس سے مدعی کو سب سے زیادہ مغالطہ پیش آیا ہے یا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

وحی نوعی یا فطری یہ وہ وحی ہے جو آسمان و زمین اور جانور اور جمادات بلکہ ہر نوع مخلوق کو ملی ہے، اور جسکو اہل علم اصطلاح میں جبلت، یا بعض لوگ تسامح کرکے فطرت کے احکام نوعی کہدیتے ہیں، اس وحی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس نوع کے تمام افراد کو یکساں ملتی ہے، مثلاً جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ پرندوں کے بچوں کا اڑنا، آبی جانوروں کا تیرنا،

کلام اللہ

(۳)

از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

وحی کے اقسام

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ یہ مدعی وحی کی گرفت سے گھبرا کر جس منزل پر آکر رکا ہے، کیا یہاں بھی اسکے لیے پاؤں ٹکنے کی جگہ ہے؟ اوپر بتایا گیا ہے کہ مدعی کی غلطی کا منشا جیسا کہ وہ ظاہر کرتا ہے، وہ آیتیں ہیں، جن میں جانوروں اور عام انسانوں، بلکہ شیطانوں تک وحی کی نسبت کی گئی ہے۔ اب ہم ان میں سے ایک ایک قسم کی آیت کو لیکر اس پر بحث کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔

وحی ربانی کی حقیقت

سب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ وحی ربانی کے معنی اس وحی کے جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، یعنی کیا ہیں۔ سو معلوم ہونا چاہیے کہ وحی ربانی اس طریقۂ غیبی یا ذریعۂ غیبی کا نام ہے، جسکے واسطے سے انسان کے غور و فکر، کسب و نظر، اور تجربہ و استدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض اسکے فضل و عطا سے کوئی علم آئے؟ اور آیات قرآنی اس پر گواہ ہیں، ہم یہاں پر انھیں آیتوں کو پیش کرتے ہیں، جن میں قصص قرآنی کی نسبت سے وحی کا ذکر ہے۔

حضرت مریم کے قصے کے بعد ہے،

ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک، (آل عمران ۵)	یہ غیب کی خبروں میں سے جسکو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔

حضرت نوح کے قصے کے بعد ہے:-

تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک، ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا (ہود ۴)	یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم انکو تیری طرف وحی کرتے ہیں، نہ تجھ کو اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے انکا علم تھا۔

حضرت یوسفؑ کے قصے کے بعد ہے:-

ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک، (یوسف ۱۱)

وحی کی حقیقت کی تشریح مدعی نے اب تک کی ہے وہ یہ ہے "برمحل سوجھ بوجھ، نفسانی تاثر اور وجدان"۔ ہر شخص سے جس میں عقل کا کوئی ذرہ ہے یہ سوال ہے کہ دنیا کے تاریخی واقعات کا علم کسی شخص میں برمحل سوجھ بوجھ، نفسانی تاثر اور وجدان سے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی معلوم ہو سکتے ہیں، کہ یا تو وہ کسی سے سنے جائیں، یا کسی کتاب میں پڑھے جائیں، قرآن پاک نے ان دونوں طریقوں کی نفی کر دی ہے، اور یہاں پر ظاہر بھی کر دیا ہے کہ ان واقعات کا علم انسانی ذرائع سے نہیں، بلکہ غیب سے بذریعہ وحی ہوا ہے۔

انسانی ذریعہ علم کے ان دونوں طریقوں کی نفی قرآن پاک کی حسب ذیل آیت میں ہے،

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (عنکبوت ۵)	اس سے پہلے یعنی نزول قرآن سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کے لیے شبہ کی کوئی گنجائش ہو سکتی

اب رہا یہود و نصاریٰ سے ان گذشتہ واقعات کا علم! تو دوست دشمن سب کو معلوم ہے کہ مکہ کی زندگی میں یہود و نصاریٰ سے آپ کی صحبت کسی طرح ثابت نہیں، اور نہ مکہ معظمہ میں انکی آبادی تھی، لے دے کر ایک بحیرا راہب کا افسانہ عیسائیوں کے پاس ہے، جس سے جیسا کہ کہا جاتا ہے، سفر شام میں اپنے چچا کے ساتھ آپ کی ملاقات چند گھنٹے کے لیے ہوئی تھی، اور جس نے آپ کو دیکھ کر آپ کے چچا کو آپ کی پیغمبری کی خوشخبری سنائی تھی، اگر دس بارہ برس کا یہ بچہ ان چند لمحوں کی ملاقات میں ایک شخص سے وہ سب کچھ سن سکا، اور اسکو سمجھ سکا، جو قرآن پاک کی دو دفتیوں کے درمیان ہے، تو یہ فوق بشری طاقت بجائے خود آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

بہرحال اب عیسائی ناظرین سے معلومات حاصل کر کے مسلمان نیاز بتائیں کہ آنحضرت صلعم نے کن یہودیوں اور عیسائیوں سے کہاں اور کب قصص قرآن کے یہ معلومات حاصل کیے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ)

وحی کے معنی کی تعیین کے بعد جو کہ غیبی تعلیم کا نام ہے آئیے وحی کے بعض اقسام پر غور کریں۔ مدعی نے قرآن پاک کی ان اکثر آیتوں کو یکجا کر کے جن میں وحی کا لفظ ہے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وحی کے معنی ہیں برمحل سوجھ بوجھ اور نتیجہ ہے اس ذہنی قوت کا جو فطرتاً انسان میں ودیعت رکھی گئی ہے (جولائی ص ۵۹)

اب آئیے دیکھیں کہ وحی کے یہ معنی کہاں کہاں صادق آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مدعی نے یہ خوب لکھا ہے

"سب سے پہلی غلطی جو وحی کا مفہوم متعین کرنے میں روا رکھی گئی ہے یہ ہے کہ وحی کو انبیاء و رسل کے لیے مخصوص سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ یہ حقیقت نہیں ..... غیر انبیاء بلکہ حیوانات و جمادات پر بھی وحی کا نازل ہونا قرآن سے ثابت ہے" (جولائی ص ۶۰)

اے کاش یہ معلوم ہوتا کہ یہ غلطی کس نے روا رکھی ہے، کیا علمائے اسلام میں سے کسی نے یہ کہا ہے، کہ یہ وحی بمعنی عام صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے، جس اختصاص کا انکو دعویٰ ہے وہ اس قسم کی وحی کے متعلق ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے۔

قرآن پاک کی آیتوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان دوسرے وحی کی تین قسمیں ہیں، وحی نوعی، وحی شخصی یا جزئی، اور وحی نبوی۔ اور تینوں کے الگ صفات اور لوازم ہیں۔ سب سے پہلے وحی نوعی یا فطری کو لیجیے، جس سے مدعی کو سب سے زیادہ مغالطہ پیش آیا ہے یا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

وحی نوعی یا فطری

یہ وہ وحی ہے جو آسمان و زمین اور جانور اور جمادات بلکہ ہر نوع مخلوق کو ملی ہے، اور جسکو اہل علم اصطلاح میں جبلت، یا بعض لوگ تسامح کر کے فطرت کے احکام نوعی کہدیتے ہیں، اس وحی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس نوع کے تمام افراد کو یکساں ملتی ہے، مثلاً جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ پرندوں کے بچوں کا اڑنا، آبی جانوروں کا تیرنا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق
رشید آباد بلیس گورنگنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعدر
ششماہی ...
بیرون ہند سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ...

ایڈیٹر عبدالماجد
دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مینجر - حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

ہفتہ وار
صدق
لکھنؤ

نمبر ۲۵ | دوشنبہ - ۲۱ - ذیحجہ المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۰ - جنوری ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

دہلی - ۶ ، جنوری - صبح کہرا خوب پڑ رہا ہے - دن نکل آیا ۔ آفتاب بلند ہو گیا ۔ فضا اب بھی بدستور دھندلی - لیکن ریل اور جہاز اور ہوائی جہاز بھلا کہیں ان موسمی اور فضائی تغیرات سے رک سکتے ہیں - اپنے وقت مقرر پر ، "برٹش اوورسیز ایرویز" کا طیارہ اڑا ، اور ہوا میں بلند ہو کر اس نے وائرلیس سے خبر دی ، کہ اوپر کی فضا بالکل صاف ہے ، کہرے کی دبازت صرف ایک ہزار فٹ کی ہے - اب باری دوسرے طیارہ کی آتی ہے - یہ طیارہ "انڈین نیشنل ایرویز" کی ہے - طیارہ پر دو مسافر سوار ، اور دونوں اعلیٰ انگریز افسر - طیارچی ایک ماہر فن آزمودہ کار مسلمان - طیارہ اڑا ہے ، لیکن اڑتے ہی پھر زمین پر اترنے کی نیت سے چکر کاٹنے ، منڈلانے لگتا ہے - ہوائی اسٹیشن دور کچھ بھی نہیں - لیکن قبل اسکے کہ امداد کسی قسم کی پہونچ سکے ، طیارہ دھماکہ کے ساتھ زمین سے ٹکراتی ہے ، اور فوراً آگ لگ جاتی ہے - دم کے دم میں طیارہ جل کر خاکستر ، اور تینوں زندہ ہستیاں مردہ ! ———
امداد کی ساری کوششیں ناکام ، انسانی تدبیر و حکمت کی ہر طبع آزمائی بے اثر - مقتدریہ کی فرماں روائی ، شہنشاہی ، جوں کی توں قائم ، بلکہ دائم !

لندن - ۵ ، جنوری - موسم خراب ہے - لیکن آج اڑنے والی بھی تو دنیائے ہوابازی کی وہ مشہور آفاق خاتون مس ایمی جانسن (کچھ ہی مدت ہوئی) "مسز" السین بننے کے بعد پھر "مس" جانسن ہو جانے والی ہیں ، جو لندن سے آسٹریلیا تک ، لندن سے کیپ ٹاؤن تک ، لندن سے امریکہ تک ، لندن سے ٹوکیو تک اڑان کے "ریکارڈ پر ریکارڈ" قائم کر چکی ہیں ، اور نہ معلوم کتنے ماہرین فن مردوں کو مات دے چکی ہیں - انھیں موسم کی خرابی کی کیا پروا - کتنی ہی "آندھیوں" میں رہ رہ کر ، بادلوں کو پار کر کے ، نئے اوپر پہونچ جاتی رہی ہیں !

اور پھر سفر بھی اتنا کوئی بڑا اور لمبا نہیں ، کل ایک گھنٹہ کا ارادہ - پٹرول احتیاطاً اتنی مقدار میں لے لیا ، جو بجائے ایک گھنٹہ کے پورے پانچ گھنٹے کے لیے کافی ہو سکے - اب ڈر ہی کیا ۔ لاسلکی جہاز میں موجود ہی ، منٹ منٹ کی خبر زمین والوں کو مل سکتی ہے ——— مس صاحبہ زمین سے بلند ہوئیں ، اور راستہ بھول گئیں ، سمت نہ پہچان سکیں - گھنٹہ کی جگہ دو گھنٹہ ، تین گھنٹہ ، چار گھنٹہ ، یہاں تک کہ پورے پانچ گھنٹے پورے گزر گئے - پٹرول ختم ہو گیا ، اور مس صاحبہ ہوائی چھتری کے سہارے دریائے ٹیمس میں کود پڑیں ، ایک انگریزی کشتی نے دیکھا ، اور مدد کے لیے تیزی سے جھپٹی - فرشتۂ قضا کی رفتار اس سے بھی تیز تر تھی - قبل اسکے کہ انسانی امداد پہونچ سکے ، موصوفہ دریا کے آغوش فنا میں پہونچ چکی تھیں ! ———
کشتی کے کپتان جو مدد کے لیے دوڑے تھے ، خود گرداب فنا میں آ گئے ۔ ایک موٹر کشتی خود ان کی امداد کے لیے پہونچی ، لیکن کپتان صاحب اسپتال پہونچتے پہونچتے ختم تھے !

ایک ہی تاریخ میں ، لندن اور دہلی دونوں جگہ ایک ہی قسم کے عبرتناک واقعات ، چشم بصیرت کے لیے کوئی معمولی ہیں ؟ اور عبرت کے لیے تو مومن و کافر کی کوئی قید نہیں - سبق اپنی بے بسی کا ، اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ کا ، مسلم و غیر مسلم سب ہی کے واقعات موت و ہلاکت سے لیا جا سکتا ہے ——— اور یہ مشاہدہ ہے تو ان لوگوں کی بے بسی اور بے کسی کے ہیں ، جو ہر طرح زور والے ، طاقت والے ، عقل والے ، اور حکمت والے ہیں ۔ غرض اگر فرعون بھی ہیں تو "باساماں" - چہ جائیکہ ہم لوگ جو زور و طاقت سے محروم اور تدبیر و حکمت سے عاری ہیں ! ہم اگر اپنی ظاہری تدبیروں پر ذرا بھی غرہ کرنے لگیں ، تو ہم سے بڑھ کر صحیح معنی میں "فرعون بے ساماں" اور کون ہوگا ؟ وقت موعود کا آ کر رہنا حق ، لمحہ و دقیقہ کی پابندی کے ساتھ آنا برحق ، مبارک ہیں جو اس اٹل گھڑی کو یاد رکھیں ، اپنے ہر قول اور ہر عمل میں ، بدنصیب ہیں

(۳) "عورتوں کو تمام جائز حقوق دیدیے - وراثت کے معاملہ میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں کو مساوی تسلیم کیا گیا اور انکے حقوق کے استعمال کے لیے مواقع بھی فراہم کیے۔ قوم کی زندگی میں انکے کھوئے درجہ کو بحال کیا گیا۔ عورتوں نے بھی اس کا جائز فائدہ اٹھایا اور اپنی قوتوں کو جو صدیوں سے معطل پڑی تھیں، کام میں لائیں" یعنی قرآن نے جو حصہ لڑکی کا لڑکے کا نصف مقرر کیا تھا، اسے بڑھاکر دونوں کا حصہ برابر کر دیا گیا - قرآن کے قانون میں ترمیم کر دی گئی - اور مسلم خاتون پر جتنی پابندیاں عائد تھیں، انھیں دور کرکے عورت کو آزاد کر دیا گیا، کہ وہ چاہے بال روم میں غیر مردوں سے ہم آغوش ناچے، چاہے تھیٹر میں، سنیما میں ایکٹر بنے، جو چاہے کرے ---- یہ رہی آزادی [illegible]!

(۴) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اب آگے اصل الفاظ اس ہندی نقیب تجدد کے ملاحظہ ہوں:-

"الغرض اب ترکی میں کوئی پیشہ ایسا نہیں، جس میں صنف نازک مردوں کے دوش بدوش سرگرم عمل نظر نہ آتی ہو۔ لڑکے اور لڑکیاں اپنے رفیق حیات بغیر والدین کی مداخلت کے آپ تلاش کرتے ہیں۔ اور ترک عورتیں اب اس درجہ تک آزاد ہو گئی ہیں کہ آزادانہ ایسے مقابلہ حسن کا اہتمام کرتے اور ان سے منافع کثیر حاصل کرتے ہیں۔" (پیام، ۲ رجنوری، ص ک ۳)

"آزادی" کے مبتدا کی خبر آپ نے دیکھ لی! یہ ہیں "لازوال سردار" کے لازوال کارنامے کسی غیر کی روایت کے مطابق نہیں، خود پیام کی حسب روایت! بدبخت جمہوریت پسند ہندوستان! اسے ان کارناموں کی اب تک قدر نہیں! اسکے بعض منکر اب بھی اس "لازوال سردار" کے "فرسٹ کلاس" مدبر و مقنن ہونے کے قائل نہیں۔ اسلئے "ازیک خیال" اہل قلم اب بھی ایسے "غازی و مجاہد" کے نام کا جزو "رحمۃ اللہ علیہ" اور "قدس اللہ سرہ" نہیں بنائے ہوئے ہیں!

شریف گویے

"کراچی ۲۶ رجنوری - پندرہ ہزار روپیہ سالانہ کے خرچ سے سندھ کے اسکولوں میں جبری موسیقی کی اسکیم نافذ ہونے والی ہے، صوبہ اور اضلاع میں تربیت گاہیں قائم کی جائینگی، جن میں اس غرض کے لیے ۹۲۴۸ معلموں کو تربیت دی جائیگی۔ اس اسکیم سے ملاؤں کے اسکولوں کو خارج کر دیا گیا ہے تاکہ ان پر سے مذہب کوئی اعتراض نہ ہو۔" (خبر)

مژدہ ہو ہندوستان کے سارے ارباب نشاط کو، کہ آخر انکے دن بھی پھر گئے ہیں۔ جرم اور عیب اب گانا بجانا نہیں رہا، بلکہ شرم کی بات اب یہ قرار پا گئی کہ فلاں شریف زادہ ڈوم ڈھاڑیوں سے اور فلاں شریف زادی اب ڈومنیوں میراثنوں سے پیچھے ہے! ہندوستان پر ہم نے بھی کبھی حکومت کی ہے، اور دس بیس سال نہیں، صدیوں تک۔ متقی اور محتاط فرمانرواؤں کو چھوڑیے، رنگیلے رسیلے، شوقین مزاجوں کو لیجیے، انھوں نے بھی کبھی "جبری" تعلیم موسیقی کی ہمت کی تھی؟ شریفوں کو زبردستی تعلیم دے دے کر ڈوم ڈھاڑی بنایا تھا؟ گانا بجانا، قدیم جاہلی تہذیبوں اور مذہبوں کا یقیناً ایک جزو رہا ہے۔ آج وہ قدیم جاہلی اور تہذیب جاہلی جب لوٹ رہی ہے، تو لازم ہے کہ اپنے سارے [illegible]

ریڈیو کی زبان

"حکومت کا ریڈیو ڈیپارٹمنٹ ہندی کی راہ میں سنگ گراں بنا ہوا ہے۔ اس نے اردو اور ہندی سے کنارہ کشی کرکے صرف ہندوستانی کو سرکاری زبان تسلیم کیا ہے۔ مگر اسکی ہندوستانی اردو کے مترادف ہے ... ریڈیو کا علامچی "نمسکار" کبھی نہیں کہیگا۔ وہ اپنی تہذیب کے مطابق ہمیشہ "آداب عرض" ہی کہتا ہے۔"

سری سمپورنانند جی، یوپی کی سابق کانگریسی حکومت کے وزیر تعلیمات نے ہندی ساہتیہ سمیلن پونہ کے صدر کی حیثیت سے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا۔ ... ریڈیو سننے والوں کی بڑی تعداد کے لیے "آداب عرض" کا سمجھنا زیادہ آسان ہے یا "نمسکار" کا، اس سوال سے قطع نظر پوچھنا صرف مسلمانوں سے یہ ہے، کہ آپ کے ہاں کا لفظ بھی "آداب عرض" تھا؟ "آداب عرض" آپ کی اصلی تہذیب کے لحاظ سے ہے کیا بلا؟ آپ کو تعلیم تو "السلام علیکم" کی ملی تھی۔ آپ کی تہذیب کا جزو تو السلام علیکم تھا، اسے آپ نے چھوڑا۔ اپنی حکومت و اقتدار کے باوجود چھوڑا، اور رواداری و اتحاد کے غلط مفہوم سے متاثر ہوکر، ایک اردو یا ہندوستانی کا فقرہ ایجاد کیا۔ اسکا نتیجہ دیکھ لیا! اچھا ہے --- سزا ہے بیجا رواداریوں کی!

ماہ عروسی

"کیش [ایک نامور جرمن ڈاکٹر و ماہر جنسیات] کہتا ہے کہ شادی کے بعد ہی سیاحت پر نکل جانے کا دستور غلط ہے۔ جسم کی تھکن، طبیعت کا ہیجان، لمبی مسافتیں، منظر بازی، جھوٹی شرم، ہوٹلوں کی تنہائیاں سب مل ملا کر اکثر نوعروسوں پر برا اثر ڈالتی ہیں، اور شدید مرض کی جڑ قائم کر دیتی ہیں۔ اور یہ بالکل واقعہ ہے۔" (صدق [illegible])

تقریباً یہی انگلستان کے مشہور مفکر و ماہر جنسیات ہیولاک ایلز کی تحقیق [illegible] آپ [illegible] سے ہے۔

حضرت [illegible] نوجوان جو "ماہ عروسی" (ہنی مون) کے دلدادہ ہیں، اور دلدادگی کی بنیاد صرف یہ ہے کہ "صاحب" اور "میم صاحب" کو انھوں نے شادی کے بعد ہی، سب عزیزوں قریبوں کو چھوڑکر، سفر پر روانہ ہو جاتے دیکھا ہے، کبھی اس صاحب تجربہ جرمن اور امام فن انگریز کے مشورہ و ہدایت پر غور کرنے کی زحمت گوارا کریں گے؟

تجدد کی داد

"باوجود اس تعظیم کے جو اتاترک مرحوم کے بہت سے کارناموں کی میرے دل میں ہے، میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میری رائے میں انھوں نے اپنے حروف کو ترک کرکے سخت غلطی کی .... اگر کبھی وہ دن آجائے کہ مغربی دماغوں سے یہ کیڑا نکل جائے کہ انکے دماغوں کو خدا نے دوسروں سے بہتر بنایا ہے ... تو ممکن ہے وہ تو اس رسم خط کو اپنے ملول [illegible] پر ترجیح دینے لگیں .... اتاترک نے اس قسم کی جتنی اصلاحیں کیں، انکا مقصد اس سے اپنی قوم کو یورپ کی قوموں کا ہمرنگ بنانا تھا [illegible]

عید الاضحیٰ

(نشریہ لکھنؤ۔ ریڈیو اسٹیشن سے ۹۔ جنوری کی شام کو۔ وقت ۱۰ منٹ)

لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک لبیک! حاضر ہے اے میرے آقا اور مولا، آپ کا یہ بندہ، حاضر ہے، یہ گواہی دیتا ہوا کہ آپ ہر طرح کی شرکت سے ماوراء اور برتر ہیں!

روحانیت کی دنیا میں بہار کا موسم آگیا۔ کعبہ اسلام کا جغرافی مرکز ہے، اسکے جشن کا دن آگیا۔ دور دور سے، پورب سے اور پچھم سے، اُتر سے اور دکھن سے، کھنچ کھنچ کر قافلہ پر قافلے چلے آرہے ہیں۔ بوڑھے بھی جوان بھی، لاغر بھی اور پہلوان بھی، گورے بھی کالے بھی، عالم، فاضل، کامل بھی، ناداں، ان پڑھ، جاہل بھی۔ پیدل اور سواریوں پر، اونٹوں اور موٹروں اور لاریوں پر۔ اسلامی قمری سال کے بارہویں مہینہ، ذی الحجہ، یعنی عید کا پہلا ہفتہ آیا، کہ ہزاروں، بلکہ کبھی تو لاکھوں کا مجمع ہو گیا مکہ کی گلیوں میں، حرم شریف کے لق و دق صحن اور بڑے بڑے دالانوں میں۔ لبیک لبیک کی صدائیں ہر طرف بلند، ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے، ہر پستی میں اُترتے ہوئے، سواری پر سوار ہوتے ہوئے، مسجد کا رُخ کرتے ہوئے، ہر طرف یہی ذکر، یہی فکر۔ احرام کی چادریں شانوں پر، توحید کے نعرے زبانوں پر۔ ۸۔ تاریخ سے لیکر ۱۳ تک مکہ اور منیٰ میں، عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کا ہجوم، تکبیر و تہلیل، طواف و قربانی کی دھوم۔ زائروں کا اژدہام، ابھی کوچ ابھی مقام۔ صفا و مروہ کے درمیان لپکتے جاتے ہیں، دوڑتے جاتے ہیں، عرفات کے چٹیل میدان میں اپنے گناہوں کو یاد کرتے جاتے ہیں، گڑگڑاتے جاتے ہیں۔ کعبہ کے گرد گھوم رہے ہیں، چکر پر چکر لگا رہے ہیں، منیٰ میں قربانیاں کر رہے ہیں، شیطان کے کھمبوں پر کنکریاں برسا رہے ہیں، توحید کا کلمہ ہر حال میں پڑھتے ہوئے، رب کا نام ہر آن جپتے ہوئے ——— یہ احکام ہوئے مرکز تک پہونچ جانیوالے خوش نصیبوں کے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ بڑائی آپ ہی کی ہے، صرف آپ ہی کی ہے، کوئی آپ کے سوا معبود نہیں، کوئی آپ کے سوا مطلوب نہیں، بڑے صرف آپ ہیں، موصوف آپ ہیں، کمالات ہر قسم کے جمع صرف آپ کی ذات میں، آپ کی صفات میں۔ ۹۔ تاریخ کی فجر کی نماز سے یہ تسبیح شروع ہو گئی، اور جاری رہیگی اسکی گونج ہر فرض نماز کے بعد ۱۳ ارکی عصر تک، گویا ۲۳ نمازوں کے ساتھ، اور دس تاریخ کو صبح سب چھوٹے بڑے مل کر عید کی نماز پڑھینگے، شہر سے باہر عیدگاہ میں، اور اس نماز میں بھی ہر مرتبہ سے کئی کئی بار زائد تکبیر کہینگے۔ جسم کی صفائی کے ساتھ، لباس کی ستھرائی کے ساتھ نماز پڑھنے جائینگے، امیر و غریب، آقا و خادم، ایک دوسرے کو گلے لگائیں گے۔ روح کی بالیدگی کے ساتھ، قلب کی پاکیزگی کے ساتھ واپس آئینگے، اللہ کا نام پکارتے جائیں گے، توحید کی منادی کرتے آئینگے۔ یہ کون بتلائے کیا کیا لینگے کیا کیا پائینگے، کیسی کیسی دولت اپنے ساتھ لائیں گے۔ پیسہ والے اپنے ہاتھوں قربانیاں کرینگے اور ذات کی لذتوں میں، خوان کی نعمتوں میں اپنے سے بدتر، مفلسوں، غریبوں، عزیزوں، قریبوں کا حصہ شامل رکھیں گے ———

یہ آداب ہوئے مرکز سے دور، عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں بسنے والوں کے! آج جشن ہے کعبہ کا۔ دنیا تک کے اُس مرکز کا، اسکی شرکت سے محروم نہ اس واسطے رہیں دور رہنے والے۔

کہتے ہیں کہ آج سے قبل، بہت قبل، جہاں آج ملک عراق ہے، وہاں ایک ملک آباد تھا کالڈیا یا کلدانیہ نام۔ اپنے وقت میں نہایت مہذب و متمدن۔ اُسکے مہذب ترین و متمدن ترین شہر اور پایہ تخت کا نام تھا اُر۔ اسکا پورا پتہ آج کے نقشہ میں چلانا ہو تو عالم خیال میں خلیج فارس سے بغداد کی طرف چلیے۔ آپ چلے۔ لیجیے اب آپ آدھا فاصلہ طے کر چکے۔ اب دریائے فرات آپ کے بائیں ہاتھ پر ہے۔ کوئی دس میل کے فاصلہ پر کہ آپ اُر کے کھنڈروں میں پہونچ گئے۔ یہیں ایک شریف و معزز گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ نام ابراہیم رکھا گیا۔ یا حسب روایت توریت پہلے ابرام اور بعد کو ابراہام۔ سال پیدائش آرکیالوجی (اثریات) کے مشہور ماہر سر چارلس مارسٹن کی تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ قبل مسیح تھا، یعنی آج سے ٹھیک چار ہزار ایک سو سال قبل۔

فنون لطیفہ میں نقاشی، سنگتراشی جو درجہ آج رکھتے ہیں، یہی شہرت بھی حاصل تھا، کہ یہ فنون لوازم تمدن میں سے ہیں۔ مذہب شرک تھا، پرانی اصطلاح میں بتپرستی، دیوتاؤں کا تعدد حال کے بول چال میں۔ اثریات عراق کے ایک اور ماہر سر لیونارڈ وولی کا بیان ہے کہ اُر کا مذہب جلی ترین شرک تھا۔ جن دیوتاؤں کے نام ہم تک پہونچے ہیں، انھیں کی تعداد پانچ ہزار ہے! سنگ تراشی کو بت تراشی میں منتقل ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ بچہ کے والد، جن کا نام توریت میں آیا ہے تارح اور قرآن میں آذر، خود ایک بڑے آرٹسٹ (صناع) تھے۔ اور خاص آرٹ یا صنعت سنگ تراشی اور بت گری تھی۔ پتھر کی مورتیں اس کاریگری، اس ہنرمندی سے بناتے، کہ دیکھنے والے واہ واہ کرنے لگتے۔ بچہ کی فطرت سلیم تھی۔ جسم کی آنکھ نے یہ منظر دیکھا، تو بغاوت کی ٹھان لی۔ روح کی آنکھ نے توحید کی جھلک دکھادی، ضمیر کی آسمانی قوت نے، غیب کا اشارہ پا، زبردست روحانی انقلاب کی ٹھہرالی۔ اُٹھے، بڑھے، بولے۔ چلے، ہنسے گئے، پھر ستائے گئے، ہٹائے گئے، مٹائے گئے۔ وطن چھوڑا، رُخ مغرب کی جانب کیا۔ شام پہونچے، فلسطین کی وادیاں طے کیں، مصر کی سرزمین چھانی۔ قدم اُس ملک میں رکھا، جو خشک تھا اور ایک ریگستان بے آب و گیاہ۔ آسمانی روشنی کی ایک تڑپ نے نشاندہی کی، کہ یہی تو وہ زمین ہے، جسکے لیے ازل سے رشک آسمان ہونا، کائنات انسانی کا روحانی مرکز بننا طے ہو چکا ہے۔ سیاحی کے قدم رُک گئے۔ مسافرت نے وطن گزینی کی شان پیدا کر لی۔ مصری بیوی شاہزادی تھیں، ان سے صاحبزادے تولد ہوئے۔ نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ پرورش لاڈ سے، پیار سے ہوئی۔ پلے، بڑھے، بڑے ہوئے۔ باپ کا ہاتھ بٹانے، ماں باپ کے کام آنے لگے۔

اِدھر زمین پر یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر باپ کو خواب میں حکم آسمان والے کا پہونچا کہ بیٹے کو ہماری راہ میں قربان کردو۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسانی قربانی کا دستور اسوقت عام تھا، دیویوں دیوتاؤں کے استھانوں پر انسانوں کی بھینٹ آئے دن چڑھتی رہتی تھی۔ لیکن بیٹے، اور اکلوتے بیٹے کی قربانی کس باپ نے

کا ضرورت قربانی کس باپ سے ہوئی تھی؟ ابراہیم سے عشق و محبت کے بہت سخت سخت امتحان ہوئے اور کڑیاں عبدیت و عبودیت کی بہت سی جھیلے ہوئے، امتحان کامیابی کے ساتھ بہت سے دیے ہوئے تھے۔ پر یہ آزمائش سب سے بڑی سب سے کڑی تھی ——— ایسا امتحان تو صرف موحد ہی کا ہو سکتا تھا۔ یہ ہمت، یہ حوصلہ، یہ حوصلہ صرف موحد ہی کر سکتا تھا۔ اللہ اللہ! کیا سخت گھڑی تھی وہ گھڑی جب بوڑھے باپ نے اُس وقت کے اوسط عمر کے حساب سے، بڑھاپے کی عمر کے باپ نے اکلوتے دلبر کو، نوجوان، سبزہ آغاز لخت جگر کو زمین پر لٹایا! اپنی آنکھ پر پٹی باندھی اور چھری پھیر دی۔ ابراہیم نے جس دعوے کا اعلان کیا تھا، کیا تھا، اور جب کائنات کی ساری فضا مشرکانہ تھی کہا تھا کہ میں موحد ہوں، میں مسلم ہوں، میں اپنا سب کچھ سونپ چکا ہوں اپنے مالک حقیقی کے۔ بیٹے کو ذبح کر چکا ہوں، میرا اپنا کچھ بھی نہیں، نہ جان اپنی نہ اولاد اپنی، سب کچھ اُسی ایک بے نیاز کی۔ امتحان اسی دعوے کا تھا!

چھری چلی - لیکن اسمٰعیل کے حلقوم پر نہیں، ایک دُنبے کے گلے پر۔ امتحان عاشق صادق کا، بندۂ مسلم کا، پورا پورا ہو چکا تھا۔ ایک دُنبہ غیب سے لاکر اسمٰعیل کی جگہ پر رکھ دیا گیا تھا۔ بشارت ملی، کہ تمہاری قربانی قبول ہو گئی۔ اس مقبولیت کی یادگار دنیا میں مستقل اور پائدار کر دی جائیگی۔

جشن آج کعبہ کا ہو رہا ہے۔ یہ ہفتہ ہفتۂ کعبہ منایا جا رہا ہے۔ کیسے ممکن تھا کہ یاد تعمیر کعبہ کی دلائی جاتی، اور معمار کعبہ کو بھلا دیا جاتا! ابراہیم توریت اور قرآن دونوں کی زبان میں اللہ کے دوست اور خلیل، وہ تھے کہ اُنھیں نے اور اُنکے اکلوتے لخت جگر گوشہ اسمٰعیلؑ نے مل کر یہ کی۔ یہ اینٹ بنائی تھیں، بنیادیں اُٹھائی تھیں، پتھروں کی ڈھلائی کی تھی، چنائی کی تھی۔ عمارت جب تک زندہ ہے، معمار بھی مردہ نہ ہونے پائیگا، نہ اسکا کام، نہ اسکا نام۔ روایتوں میں آیا ہے کہ واقعۂ قربانی کے وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر ۱۳ سال کی تھی، اور یہ تصریح تو توریت میں موجود ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم کا سن ۸۶ سال کا تھا۔ یہ دونوں حساب اگر صحیح ہیں، تو ۲۱۶۶ء سے ۹۹ سال گھٹا دیجیے۔ اور واقعۂ قربانی کی تاریخ ۲۰۶۷ ٹھہرتی ہے۔ یعنی آج سے چار ہزار ایک سو سال قبل!

وہ دن ہے اور آج کہ ہر سال کی وہ قمری تاریخ آئی اور ادھر ابراہیمی کا نام لیوا، مسلمان روئے زمین کے جس حصہ پر بھی آباد ہوا، قربانی کے جانور کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ جانور اچھے سے اچھا ڈھونڈھ کر لائیگا۔ جانور حرام نہ ہو، گندہ نہ ہو، اندھا، لولا، لنگڑا نہ ہو۔ حلال ہو، پاکیزہ ہو، تندرست چلا چنگا ہو۔ جانوروں میں شرافت کا بھی ایک معیار ہوتا ہے۔ شریعت نے شرافت نامزدگی صرف چند جانوروں کی معتبر مانی ہے، اور وہ معلوم و معروف ہیں ان میں سب سے بڑا جانور اونٹ اور سب سے چھوٹا بکری۔ مسلمان انھیں اچھے داموں، اپنی حلال، پاکیزہ کمائی سے خرید کر لائیگا۔ کھلائیگا، پلائیگا، اپنے سے ہلائیگا، اور جب وقت آجائیگا، تو ہمدردی اور خشونت سے نہیں، عبدیت اور عبودیت کے جذبہ سے مغلوب ہوکر اپنے اور اُنکے دونوں کے خالق و مالک کو یاد کرکے، بیٹھے ہوئے اس زمین پر قبلہ رُخ کرکے لٹائیگا کہ اے ہمارے مالک، روحی قبول کر ہماری قربانی جس طرح تو نے قبول کی قربانی اپنے خلیل اور اُن کے ——— مبارک ہے وہ انسان جو دل کا،

بہت دُور کا بھی تشبہ پیدا کر سکے ابراہیم خلیلؑ سے۔ مبارک تر ہے وہ قربانی کا جانور جو برائے نام سہی، کوئی تو نسبت قائم کر سکے اللہ کے ذبیح اسمٰعیل سے!

گلے پر چھری پھیرنا جائیگا، اور کہتا جائیگا، انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ میری ساری توجہ کا مرکز، میری ساری عبودیت کا قبلہ تو اے قبلۂ حاجات صرف آپ ہیں! زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے! مجھے اور کسی سے غرض کیا؟ میں اپنا رشتہ تو سب سے توڑے ہوئے ہوں، صرف آپ سے جوڑے ہوئے ہوں ——— اسوقت بھی نیت صرف آپ سے تقرب کی ہے۔ تعمیل آپ ہی کے حکم کی ہے! ——— عید قرباں یادگار ہے دنیا کے اوّل المسلمین کی، ایک قدیم ترین موحد کے ایثار کی، حق ہے کہ توحید ہی کا رنگ جھلکے اسکی ایک ایک شان سے اسکی ہر ہر آن سے۔ اسلام کی جنتری میں جشن صرف دو ہیں، عید اور بقرعید۔ اور دونوں کا مقصد ہے امت کی مرکزیت اور شیرازہ بندی۔ ایک یادگار ہے نزول قرآن کی، دوسری یاد دلاتی ہے کعبہ کی تعمیر کو کعبہ کے معمار کو!

(بقیہ صفحہ ۴)

"اور خواہ یورپ کی عیسائی قوموں کو مسلمان نظر آتے ہیں اُنکی دشمنی قائم رہی۔ اس لیے ظاہری شکل میں اگر وہ نہیں یہ نظر آنے کہ یہ لوگ اپنی پرانی حالت کو خود ہی بدل رہے ہیں اور یورپ کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں، اُنکی منافرت ترکوں سے کم ہو جائیگی"

یہ سر شیخ عبدالقادر نے اردو کانفرنس (گورکھپور) کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا۔ (ہماری زبان، دہلی یکم جنوری ۳۶ء) ——— گستاخ دہرزہ باد ہندی مسلمان! جاہل ہے غازی مجاہد "لاتزال سردار" پر اعتراض کی زبان کھولے! کہتا ہے اُنھوں نے عربی حروف کو مٹا دینے اور لاطینی حروف کے رواج دینے میں غلطی کی۔ گویا اس عظیم المرتبت فوق البشر انسان کو اتنی بھی سمجھ نہ تھی جتنی ہندی غلاموں کو ہے! اور پھر فرنگی وضع قطع ہونا جا بجا بلنے پر، نصرانیوں سے تشبہ اختیار کر لینے پر بھی نکتہ چینی! گویا ساتویں صدی عیسوی آج بیسویں صدی پر بھی حکمراں ہے! ——— تو کیسے خطبۂ صدارت کانپور میں پڑھ دیا گیا، اور صبر و سکون سے سُن لیا گیا، ایسا نہ ہو کہ اس مثال سے خوش ہو کر انجمن ترقی اردو والے کہیں خدانخواستہ ایسا ہی جعت پسند صدر منتخب کر لیں کے آیندہ اجلاس مراد آباد میں کرڈالنے کی ہمت کر سکے۔

(بقیہ صفحہ ۵ کالم ۱)

خدا کی طرف، رسول کی طرف، اور عام انسانوں کی طرف کن کن معنوں میں ہوتی ہے۔ دریہ نگار کی خدمت میں آخری گزارش یہ ہے کہ دنیا بہت آگے نکل چکی ہے، علم بہت کچھ سیکھ چکا ہے، ان کو تجربہ ہو چکا ہے، کہ کاغذ کا جعلی سکہ بنانا آسان، مگر اسکا چلانا بہت مشکل ہے۔ جعلی کا غذی سکہ! اس تجربہ سے اُنکو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ والسلام

تصحیح ۲۴

ص ۔ پیراگراف ۳ ۔ سطر ۱ میں "ابلتے جاتے تھے" غلط۔ "ڈھلتے جاتے تھے" صحیح۔

التماس کی پذیرائی

[illegible]

کلام اللہ

(۴)

(از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

غرض رویائے صادقہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ شرحِ صدر بھی اسکا ایک کارآمد ہے، اور اسکی اعلیٰ قسم یہ ہے کہ فرشتہ کا تمثل اُسکے سامنے ہوتا ہے، اور منادیٔ غیب اُسکو سنائی دیتی ہے، جیسا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کے تذکرہ میں قرآن میں ہے۔ مگر قرآن پاک میں اس وحی کا ذکر صرف انبیاء کے تعلق سے ہے۔ یعنی انکی خاطر یہ اطلاع دوسروں کو دیگئی، اس لیے اس کا تعلق کسی خاص جزئی واقعہ سے ہے، نہ کہ عموم تبلیغ امت سے، اور اسی لیے ہمنے اس کا نام وحی شخصی اور وحی جزئی رکھا ہے۔ مگر آپ پھر بھی یہ دیکھیں کہ "بر محل سوجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا یہاں بھی کوسوں پتہ نہیں۔

وحی نبوی

اب آیئے اس وحی نبوی پر غور کریں جو کتاب الٰہی کے نزول کا ذریعہ ہے، کہ اسکی نسبت قرآن کا فیصلہ کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ بحث پہلے نمبروں میں گزر چکی ہے، مگر اقتضائے مقام کی وجہ سے اسکا اعادہ موزوں ہے۔ قرآن پاک نے وحی نبوی اور کلام الٰہی کے اقسام کا ذکر اس آیت میں کیا ہے،

وماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (شوریٰ - ۵)

اور کسی بشر کی تاب نہیں کہ اللہ اس سے دوبدو کلام کرے، لیکن یہ کہ وہ الہام کردے، یا پردہ کے پیچھے سے بات کرے، یا کوئی قاصد بھیجے جو اللہ کے حکم سے اسکو جو چاہتا ہے اسکا پیام اس کو پہونچا دے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ کلام اللہ پاک نے ان میں سے اپنے نزول اور وحی کی کیا صورت بتائی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے،

قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علیٰ قلبک باذن اللہ (بقرہ)

کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (تو وہ ہوا اس قرآن کی صداقت پر حرف نہیں آتا) کیونکہ اسنے (اے محمدؐ) تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس قرآن کو اتارا ہے۔

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک (شعراء)

یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے، اسکو روح امین فرشتہ لیکر تیرے قلب پر اُترا۔

قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق (نحل)

(اے رسول انسے کہدیں) کہ روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سچائی کے ساتھ اسکو اُتارا ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ علمہ شدید القویٰ (نجم)

یہ رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ تو وحی ہے، جو اسکو کیجاتی ہے، اسکو بڑی قوتوں والے نے سکھایا ہے۔

انہ لقول رسول کریم وما ہو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاہن قلیلا ما تذکرون تنزیل من رب العالمین ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین (حاقہ)

بیشک یہ قرآن ایک بزرگ پیغام رساں کا بولا ہوا ہے کسی شاعر کا بولا ہوا نہیں، تم بہت کم یقین کرتے ہو، اور نہ کسی کاہن کا بولا ہوا ہے، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔ یہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اور اگر یہ رسول ہم پر زبردستی بنا کر کچھ باتیں کہہ دیتا، تو ہم اسکا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اسکی رگ گردن کو کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی اسکا بچانے والا نہ ہوتا۔

ان آیتوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اسی قسم کے باطل خیالات لوگوں کی تردید کی گئی ہے، جو پیغمبر کے سامنے بھی گزرے ہیں، جو قرآن پاک کے "نفسانی تاثرات" اور "سمجھ بوجھ" کے ہونے کے قائل تھے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ شاعر کا کلام نہیں کیونکہ وہ سراسر نفسانی تاثرات کا نتیجہ ہوتا ہے، اور نہ کسی سیانے کاہن کا کلام ہے، جو خوب سمجھ بوجھ کر اپنے کلام کو جوڑ توڑ کر سناتا ہے، بلکہ ایک بزرگ پیغام رساں کی زبان سے ادا ہوا، اور جو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، ساتھ ہی یہ دھمکی ہے کہ اگر یہ رسول اپنے نفسانی تاثرات و ذاتی سمجھ بوجھ سے کچھ کلام گھڑے تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اسکو وہ سزا دیں کہ اسکو کوئی نہ بچا سکے۔

اللہ اکبر جس کلام کی یہ شان ہے، وہ ایک مدعیٔ اسلام کی نظر میں محمد صلعم کا نفسانی تاثر اور انسانی سمجھ بوجھ قرار پائے۔ العیاذ باللہ!

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے،

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین، وما صاحبکم بمجنون، ولقد رآہ بالافق المبین، وما ھو علی الغیب بضنین، وما ھو بقول شیطٰن رجیم، (تکویر)

بے شبہ یہ ایک بزرگ پیغام رساں کا کلام ہے جو قوت والا ہے، عرش والے خدا کے یہاں ذی مرتبہ ہے، اسکا کہا مانا جاتا ہے، اور وہ امانت دار ہے، تمہارا یہ رفیق (یعنی رسولؐ) دیوانہ نہیں، اس نے اس پیغام رساں کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا، وہ غیب کی باتوں کو (جو اسکو بتائی جاتی ہیں) چھپاتا نہیں، اور نہ یہ شیطان راندہ گئے کا کلام ہے۔

اس سے زیادہ تصریح کیا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے جبریل کے دل میں اسکو ڈالا، اور جبریل نے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر نازل کیا، اور محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اسکو بندوں تک پہونچایا۔ نہ یہ وحی فطری و نوعی ہے، اور نہ شہد کی مکھیوں کی طرح نوع انسانی کے تمام افراد اس میں شریک ہوتے، نہ وحی شخصی ہے، ورنہ تمام انسانوں کے لیے قابل تسلیم نہ ہوتی بلکہ وحی نبوی ہے جو روح القدس کے ذریعہ نبی پر اُتری، اور اسکے واسطہ سے واجب العمل ٹھہری۔

وحی شیطانی

اب ایک چیز وحی شیطانی رہ گئی، جس کا اس نام کے سوا اور کوئی قائل نہیں۔ قرآن پاک میں بھی بے شبہ ایک دو جگہ ہے،

وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الیٰ بعض زخرف القول غرورا (انعام ۱۴)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنالیے، انسانوں اور جنوں کے شیطان جن میں کے بعض بعض کے ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لیے وحی کرتے ہیں،

تعارت میں محمد علی کا دل ہے۔ دل کی تصویر اور داستان ہے۔ دل کا آئینہ اور تاریخ ہے۔ دل کا قول اور عمل ہے۔

اور غریب میں یہ بات ایک عادت سی ہو گئی ہے کہ جو چیز خود کو اثر کرے وہ قوم کے موثر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "شبنم" صاحب کے "سیمین بولیٹین" میں گجرات کے مسلمانوں کے قومی احساس اور علم کی غرض سے یہ ضمنا اور انوکھی ڈائری یعنی تعارت گجراتی لباس پہنا شایع ہوا۔ یہ ایک قلمی خدمت ہوئی جو مستحق جزا اور لایق شکر تھی۔

بلا مبالغہ قاسم بیگ مرزا صاحب کی دوڑ دھوپ اور خوب جو ناکا وکی بھی داد دی جانے کہ غریب نے جو اخباری دنیا پر روشن کیا۔ وہ کتابی صورت میں شایع کرنے کی انکو سوجھی اور یہ بھا ٹکری جو ان کی بھی۔ یہی ان کی خوش پسندی کی بنا پہ گجراتی مسلمانوں کی دلی داد کے مستحق ہیں۔

زمانہ پہ نظر کرتا ہوں تو یہ کتاب کی اشاعت بالکل برمحل ہے۔ ہر چیز کی اہمیت اسکے وقوع پر اور مضمون کی اثر اسکی ضرورت پر ثابت ہوتی ہے۔ ہر دو پہلو سے مرزا قاسم بیگ کا یہ کام برمحل اور با موقع ہے۔

سطور بالا میں ہم دیکھ چکے کہ ایک آئیڈیل مسلمان لیڈر کی دلی دست کا یہ نظری مطالبہ ہے اور مطالعہ نگار بھی اپنے فن میں ماہر اور اسپنے معروف دوست کا رفیق ہونے کے اتفاق سے مطالعہ بھی بلاشک وشبہ آئیڈیل ہوا ہے۔ بہترین لیڈر کیسا ہونا چاہیے۔ وہ بہترین طریقے سمجھنے کے لیے ان اوراق میں بہترین موقع دیا گیا ہے۔

آج سے پچیس سال قبل کا زمانہ مسلمانوں کے لیے سخت مصیبتوں کا وقت تھا۔ جس وقت کہ خفتہ قوم کے بعض جاگنے والوں کو اسکا احساس ہوا تھا کہ وہ قوم کو اپنی نیند سے ہوشیار کریں۔ ہوشیار ہونے والے بہت کم تھے اور بہت ہی کم تعداد میں جگا سکے۔ آدا اس سے بھی بد تر اپنی قوم کی "آج" ہے کہ جب قوم جاگ چکی ہے اور گامزن ہونے کو تڑپ رہی ہے تو جگانے والے سو رہے ہیں۔ آہ! وہ "کل"! جب رہنما تھے تو پیرو نہ تھے، اور آج جب پیرو ہیں تو رہبر نہیں ملتے۔ یہ دونوں متضاد مایوسیوں کے درمیان کا امید افزا زمانہ جو تھا اسی میں محمد علی نے کامیاب لیڈری و رہنمائی کی۔ اس زمانہ کے رہنماؤں کی اسکے پیروؤں کی اور انکے کاموں کی یاد داشت آج کی بے بسی کس مپرسی کی حالت میں ہم کو راہ ہدایت دکھانے اور ہم میں ضروری رہنمائی کی روح پھونک دینے کے لئے کافی ہے۔ یہی باتیں ہیں جس وجہ سے میں نے کتاب کو برمحل اور با موقع کہا ہے۔

ہاں! یہ آئیڈیل رہنمائی بے نقاب ہے اور اپنی سب آرائشوں کے ساتھ چمک رہی ہے۔ قوم کا کامیاب اور ممتاز لیڈر اپنے تمام عیوب اور خوبیوں کے ساتھ یہاں حاضر ہے۔ بہت سی خوبیوں والے محمد علی میں کچھ عیب ضرور تھے، عجلت، بیصبری، غصہ، اور ضد، مثال کے طور پر انکے اعلیٰ خیالات کا ترجمہ تھے اور عیب بھی۔ ہارنا پڑے لیکن پیچھے ہٹنا پڑے داغ لگے یا ثابت قدمی نہ رہے وہ کبھی گوارا نہ کرسکتے تھے اور ایسے وقت نہ کہنے کی باتیں کہتے اور نہ کرنے کے کام کر جاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ عاشق کا عزم ایسے ہی رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ جیسکے بغیر سچے عشق نا سیاز

لیڈر کی ایک ہی خوبی میں ہو سکتا ہے۔ اور وہ تھا خلوص، سراپا خلوص تھے۔ عشق کا ایک جزو خلوص ہے اور جہاں عشق ہو وہاں خلوص کا ہونا ضروری ہے۔

جہاں اخلاص ہو وہاں اس کے عیوب بھی قوم کو اپنے لیڈر کی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتے ہیں اور قوم میں لیڈر کی عزت سے اتفاق پیدا کرتے ہیں کیونکہ عیب یعنی ادھورا پن انسان کی خاصیت ہے۔ قوم سمجھتی ہے کہ انکا سردار انکے جیسا ہی ایک بشر ہے کوئی فرشتہ نہیں ہے تو وہ بلا کسی جھجک کے اسکی طرف دوڑتے ہوے چلے آتے ہیں اور بلا کسی چون و چرا کے اسکی پیروی کرتے ہیں۔ وہ اسے اپنا سردار تسلیم کر لیتے گیا پھر عیوب کی حاضری یعنی غرور کی غیر حاضری اور اسکے ساتھ ہی مصرے گزری ہوئی زندگی اور مصنوعی رعب و حشمت کی بھی غیر حاضری۔ جہاں ایسا قابل تقلید رہنما ہو وہاں قوم رہنما ہیں اور رہنما قوم میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محمد علی کے عیوب کی وجہ سے محمد علی پر قوم کی طرف سے طعنہ زنی بھی ہوا کرتی تھی، لیکن یہ کہنا بھی ضروری ہوگا کہ قوم کی اس طعنہ زنی سے محمد علی کا قوم کے ساتھ جو قریبی رشتہ تھا وہ کبھی ٹوٹنے نہیں پایا۔

ان عیوب کے ساتھ دلی اور دماغی، قلمی اور زبانی، قومی اور دینی قابلیت اور خصوصیات کا یہ معجون مرکب قوم کے لیے اگر حیدری علاج ثابت ہوا ہو تو اس پر تعجب کی بات ہی کونسی تھی؟ محمد علی نے اپنی ان ممتاز صفات کے ساتھ قوم کو اپنی زندگی کی ایک آس بنائی اور قوم کی وہ مستقبل کی آس بنے۔ قوم کے اور انکے درمیان ایک کامل اور مضبوط رشتہ قائم ہوا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے چولی دامن کا ساتھ ہو گئے۔ یہ تھی محمد علی کی قابل تقلید لیڈری جو قائمی اور دوامی ہو سکتی تھی۔

اس لیڈر نے حسب موقع کبھی ایڈیٹر و مقرر بن کر کبھی شاعر و مصنف ہو کر کبھی صدر کی کرسی پہ بیٹھ کر تو کبھی جیل جا کر کبھی خادم (کعبہ کا) ہو کر تو کبھی خلافتی بنکر کبھی آبادو آزاد ہو کر تو کبھی برباد و پریشان ہو کر خفتہ قوم کو اسکے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑا اور جگایا کھڑا کیا اور ثابت قدم بنایا، راہ سجھائی اور منزل پہ گامزن کر دیا۔ جیسا کہ ایک مخلص لیڈر کو ہونا چاہیے ویسے ہی محمد علی رہبر بھی تھے اور رفیق بھی، معلم بھی تھے اور رہنما بھی، مختصراً کہیے تو گفتار بھی تھے اور کردار بھی۔

اتفاق کی بات ہے کہ آج بھی قوم ایک محمد علی کے پیرو ہو کر رہی ہے ایسے موقع پر یہ دعا مانگنی برمحل ہوگی کہ خدایا! محمد علی کا زمانہ، اس محمد علی کا رعب، محمد علی کے عیوب اور اگلے محمد علی کی دیوانگی اس محمد علی کو بخش دے!

زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کتابی لباس کی کامیابی چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ایسی کتاب پڑھ کر عمل پیرا ہونے کی پروردگار توفیق عطا فرمائے۔

ایک گزارش ضروری معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ رسمی طور پر یہ بیان کتاب کی ابتدا میں لگایا جائیگا لیکن پڑھنے والے اس رواج پر عمل نہ کریں۔ اتنا میں ان سے چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کتاب کے پڑھے جانے کے بعد پڑھا جائے تو مفید ہو جائے۔

خاکسار ستا دی

مسلم گجرات پریس۔ بھاگا تالاب روڈ۔ سورت

نمبر ۳۶ | دو شنبہ ۔ ۲۸ ۔ ذیحجہ المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

پچھلی عیسوی صدی کے ثلث آخر کے مشاہیر یورپ میں ایک صاحب پروفیسر ابرٹسن اسمتھ ہوئے ہیں۔ کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کے استاد تھے، اور عرب و متعلقات عرب پر انکی تحقیق آج تک سند چلی آتی ہے۔ سامی مذاہب پر سند فاضلانہ لکچر دیے۔ انکا مجموعہ بعد کو Religion of The Semites سامیوں کا مذہب کے عنوان سے شائع ہوگیا۔ باب دوم کے آغاز میں لکھتے ہیں:۔

"جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے ادیان قدیم کو بجاے مجموعہ معتقدات و مسائل کے ایک رواج یا دستور کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ قدیم مذہب ایک جزو ہوا تھا اُسی نظام معاشرت کا جسکے ماتحت اسکے پیرو رہا کرتے تھے۔ اس لیے قدیم مذاہب کے ساتھ لفظ "سسٹم" کا استعمال صرف اسی معنی میں درست ہے جیسے کسی "سیاسی سسٹم" کا ذکر کیا جاتا ہے، نہ اس معنی میں کہ ان مذاہب کے کچھ مخصوص عقائد اور اصول تھے۔ عام طور پر یہ سمجھیے کہ مذہب نام تھا چند اعمال و رسوم کا جنکے صحیح ادا کرنے پر مدار تھا دیوتاؤں کی خوشی اور ناخوشی کا ۔ اور ان مراسم میں شرکت پر ہر شخص اس بنا پر مجبور تھا کہ وہ پیدا اُسی خاندان یا اُسی قبیلہ میں ہوا ہے، یا یہ کہ اُسے فلاں مرتبہ یا منصب حاصل ہے۔ اپنے ارادہ اور پسند سے مذہب اختیار کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ مذہب تو گویا ورثہ میں مل جاتا تھا جیسے اور خاندانی رسم و رواج چلتے تھے۔ اور ہر فرد کو کم و بیش مذہبی ہونا ہی پڑتا تھا، جیسے آج ہر شخص کو کم و بیش تمدن کا خیال رکھنا ہی پڑتا ہے" (صفحہ ۲۹)

گویا دین جاہلی کوئی جسم متحرک، نامی، زندہ تھا ہی نہیں، ایک جامد سرد لاشہ تھا۔ ایک مجموعہ تھا دستوروں، رسموں، رواجوں کا۔ نہ عقل سے کوئی تعلق تھا، نہ عقل اعلیٰ یا وحی سے۔ ہر قوم یا قبیلہ میں ایک بنا بنایا سانچہ، کچھ عقائد و رسوم کا پشتہا پشت سے چلا آ رہا تھا، قوم یا قبیلہ میں جو بچہ آنکھ کھولتا، وہ طبعاً و اضطراراً اُن ہی آبائی رسوم و عقائد کی راہ پر پڑ لیتا۔ دخل نہ اس میں کسب و اختیار کو ہوتا نہ غور و تدبر کو۔ اسی لیے اس جاہلی تخیل میں کسی نئے مذہب کے قبول و اختیار کرنے اور قدیم مذہب کو ترک کرنے کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ ــــ

دانایان فرنگ تو اس نتیجہ تک اب پہونچے ہیں۔ قرآن ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے، اس ذہنیت کو دین جاہلی کے سلسلہ میں ما وجدنا علیہ آباءنا، ما الفینا علیہ آباءنا، ما سمعنا بھذا فی آبائنا الاولین وغیرہ مختلف عنوانات کے ذریعے روشناس کر چکا ہے۔

تیرہ سو برس کے بعد ہوا پھر وہی چلی ہے۔ "روشن خیالوں" نے دین کو ایک "موروثی" "آبائی" چیز سمجھ لیا ہے۔ اور دین کی زندہ حقیقت کو "قوم" کی مردہ جمعیت کے اندر گم کر دیا ہے۔ مذہب کا جاہلی تخیل نئے سرے سے زندہ ہوا ہے۔ بس مسلمان کے گھر میں پیدا ہو جانا اور مسلمان کا سا نام رکھ لینا بالکل کافی ہے۔ قانون اسلام کے بہترین شارحین اور ..... پر دل کھول کر مضحکہ کیجیے، احادیث رسول و رجال کی جانچ پڑتال میں عمریں صرف کر دینے والے محدثین بلکہ رسول کے صحابیوں تک پر بازاری زبان میں پھبتیاں کسیے، اقوالِ رسول کی حجیت سے انکار کر دیجیے، قرآن کی تعلیمات سے بے کھٹکے انکار کرتے چلے جائیے، بیشک جائیے کہ اسلام کا قانون سود قابلِ ترمیم ہے، شریعت کا قانون وراثت قابل تنسیخ ہے، ضابطۂ فوجداری ناقابل عمل ہے، قرآن کے زبان کو، قرآن کے رسم الخط کو بس چلے تو جرم قرار دیجیے، رسول کی زبان میں اذان اور نماز دونوں کی ممانعت کر دیجیے، گھر کی عورتوں کو بے نقاب اور بے حجاب ...... لباس نیم برہنہ پہنائیے، ان کے جسم کی ستر ....

زبان ترکیبیے لگا نے کو، بجائے گانا پچنے کو، ادا کاری کو مقتضائے تعلیم کا جزو بنا کر فرمانے: پن پر نہیں اپنے وطن پر کیجیے، اور جب کوئی احتساب پر آمادہ ہو تو اسکے منہ پر کھنکار کر پیچیے کہ "تم ہوتے کون ہو ہمارے ایمان [illegible] اسلام میں [illegible] اپنے دادا کے ہمارے عقائد پر جرح کرنے [illegible] نام تعلیمی بالی سے عبد التواب ہے، ملو درشا ہے اور [illegible] کام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کرے کرنے [illegible] دور کر سکتے ہیں اگر یہ کہا طرف [illegible] پیدا ہو جانے والے سے شوریدگی طرح ایک [illegible] ہے کہ مسلمان کے گھر میں بھی [illegible] رہتا ہے! — پھر کو [illegible] کیا حاصل ہوا ہوگا؟

کام کی رفتار

اس عنوان کے ماتحت بہت عرصہ سے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ ٹائپ کا کام ان سطروں کی تحریر کے وقت تک ۲۶ پاروں تک ہو گیا ہے۔ اب کل چار پارے باقی ہیں۔ آخری پارہ سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ ٹائپ اور پھر مقابلہ و تصحیح میں ابھی دو تین مہینے کیا کم لگیں گے۔ اسکے بعد کی منزل یعنی طبع و اشاعت کا مرحلہ ابھی بدستور دور۔

انگریزی کے کام سے فی الجملہ فرصت ملنے پر کچھ روز سے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں اردو میں بھی خدمتِ قرآن مجید کی ہمت کر لی گئی، اور کام تھوڑا تھوڑا شروع بھی کر دیا گیا۔ ان شاء اللہ ایک پارہ کے مسودہ کی تکمیل پر اسے صاف کرا کے ہندوستان کے چند مستند اہل الرائے حضرات کی خدمت میں مشورہ و استفادہ کے لیے بھیج دیا جائیگا، اور آئندہ پاروں میں وصول شدہ اصلاحوں سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی جائیگی — ملیت اپنے نزدیک انگریزی کے کام کی تھی نہ اردو کے کام کی ہے۔ جس حکیم مطلق نے پہلی خدمت کی ہمت و توفیق دیدی، اور اسکے اسباب فراہم کر دیے، اسی کے فضل و کرم پر نگاہ اس دوسری خدمت کے لیے بھی ہے۔

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو

پچھلے ہفتہ انگریزی کام کے سلسلہ میں امداد ذیل قبول کی گئی:-

۱۷- جنوری ۱۹۴۸ء ایک ہدیہ کرم فرما۔ جالنہ۔ دکن۔ ۵ ؎

اسلامی نظام حکومت

اسلامی نظام حکومت پر ایک مبسوط تالیف تیار کرنے کی تجویز صدق ۱۹۲۲ میں، اور اسکے بعد متعدد نمبروں میں آچکی ہے۔ شکر ہے کہ نام لیتے اسلامی اداروں میں سے مسلم لیگ کی عملی توجہ اس جانب ہوئی، اور صوبۂ سندھ کی صوبہ مسلم لیگ کی تحریک پر ایک مستقل مجلس اس غرض و مقصد کے لیے مرتب ہو گئی۔ ابتدائی مجلس شوریٰ کی نشستیں ۴- ۵- جنوری کو دار العلوم ندوہ (لکھنؤ) کی عمارت میں ہوئیں۔ اس میں مسلم لیگ کے نامی کارکنوں، مثلاً چودھری خلیق الزماں اور نواب محمد اسمٰعیل خاں، مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی، اصفہانی اور قوم کے بعض نامور رئیسوں، مثلاً نواب صاحب چھتاری کے علاوہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب [illegible] بھی

شرکت فرمائی۔ دو روز کے بحث و مباحثے کے بعد طے پایا کہ نظام اسلامی پر ایک ایسی جامع کتاب تیار کی جائے۔ جس میں سیاسیات، معاشیات، معاشرت سے متعلق اسکی کمل تعلیمات آجائیں، اور اس غرض کے لیے ایک کمیٹی مصنفین کی بنا دی گئی ہے۔ کمیٹی کے ناظم مولانا سید سلیمان صاحب منتخب ہوئے ہیں، اور توقع ہے کہ انکی اور مولانا ابو الاعلیٰ صاحب کی شرکت نگرانی بہ حیثیت کا ہوگا، تو تحقیق اور ذمہ داری کے اعلیٰ ہی معیار پر ہوگا۔ امید قوی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو طبقہ علماء میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور مولانا حکیم عبد الرؤف دانا پوری اور جدید طبقہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، شیخ الجامعہ اور ڈاکٹر سید ظفر الحسن صدر شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور ایسے کے دو حضرات جلیل القدر مشیروں کا تعاون اور اشتراک کامل ان شاء اللہ حاصل رہیگا۔

ذبح گاؤ اور معاشیات ملک

ہندوستان کے مویشیوں کی ترقی و اصلاح کے لیے از بس ضروری ہے، کہ گوشت کے کاروبار خصوصاً گائے کے گوشت کے کاروبار کو پورا فروغ دیا جائے۔ اس لیے کہ

اول تو اس گوشت کے کاروبار کو ترقی دینے سے تندرست، جوان جانوروں کا تازہ گوشت کھانے کو ملیگا، اور ناکارہ، ردی، بوڑھے بیمار جانور کٹنے سے بچ جائیں گے۔

دوسرے اس سے مویشیوں کی کثیر نسل قابو سے باہر ہونے پائیگی، اور جو مویشی زندہ رہینگے انکے کھانے چارے کا معقول انتظام باقی رہیگا۔

تیسرے اس سے عوام کو، جو اب تک محض نباتی خوراک پر بسر کر رہے ہیں، مقوی پروٹین (اجزاء لحمیہ والی) غذا ہاتھ آئیگی۔

چوتھے، اس سے ایک نیا مال تجارت بیرونی ممالک کے لیے بھی ہاتھ آجائیگا۔

پانچویں، اس سے چمڑے اور کھال کی تجارت خوب چلیگی، جو قوم کی کاروباری زندگی اور بیرونی تجارت کی اہم ترین چیزیں ہیں۔

ذبح گاؤ کی تائید، ترغیب، ترویج، تشویق، میں یہ دلائل نہ کسی مدیر صدق یا کسی اور مسلمان کے طبعزاد ہیں۔ بنگال کے ایک ہندو فاضل ڈاکٹر مکھرجی کا نام، ڈی۔ ایس، ایم۔ ایس۔ سی، پی۔ ایچ۔ ڈی کے قلم سے نکلے ہیں، اور Animal Husbandry in India (گلہ بانی یا مویشی پروری ہندوستان میں) کے عنوان سے انگریزی کے مشہور ماہنامہ ہندوستان ریویو (پٹنہ) کے دسمبر نمبر میں، جسکے ایڈیٹر خود ایک بڑے نامور ہندو ہیں، شائع ہوئے ہیں!

چند اور اقتباسات بھی اسی مضمون کے ملاحظہ ہوں:-

"ہندوستان کے مویشیوں کی راہ میں تین موانع حائل ہیں۔ ایک یہ کہ انکی ذات ہی کمزور ہوتی ہے، اور یہ کارکردگی کے اعلیٰ معیار تک پہونچ ہی نہیں پاتے۔ دوسرے یہ کہ ناکافی اور گھٹیا خوراک نیز بیماریوں سے بچاؤ کے ناکافی انتظامات کے باعث انکی صحتیں خراب رہتی ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہندوؤں کے دل میں ذبح گاؤ کے خلاف جو تعصب بیٹھ گیا ہے، اسکی بنا پر جو جانور بھی پیدا ہو جاتے ہیں، انھیں زندہ چھوڑے رکھا جاتا ہے، انکی عمر طبعی کے پہونچنے اور ناکارہ ہو جانے تک۔ اس سے انکی تعداد بھی ضرورت سے زیادہ [illegible] اور بوڑھے [illegible] تک زندہ بھی رہتے ہیں۔

اور پھر لکھتے ہیں :-

"مواشی پروری کا تیسرا بڑا مقصد گوشت کا حصول ہے۔ یہ مقصد ہندوستان میں نہایت ہی محدود پیمانہ پر حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ ہندوؤں کے ہاں تو گائے کا گوشت ممنوع ہی ہے، اور مسلمان اسکا استعمال اس لیے بہت کم کرتے ہیں کہ وہ ہوتا ادنیٰ درجہ کا ہے چنانچہ انکی کوئی ذات یا نسل ایسی ہے ہی نہیں، جو مخصوص گوشت کے حصول کی غرض سے تیار کی جاتی ہو، بلکہ عموماً وہ بالکل بوڑھے اور ناکارہ جانور ہوتے ہیں، جو گوشت کے لیے کاٹے جاتے ہیں۔"

اور پھر ایک جگہ اور لکھتے ہیں :-

"ہندو آبادی کی غذا میں گائے کے گوشت کے داخل کرنے کا تو کبھی عرصہ تک خیال ہی نہیں ہو سکتا، لیکن غیر ہندو، خصوصاً مسلم آبادی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر گائے کا گوشت اچھی قسم کا ملنے لگے اور قیمت بھی معتدل کر دی جائے، تو ان کا غالب حصہ اسے اپنی غذا کا جزو بنا لے۔"

یہ تصریحات، علمی تصریحات، کہیں کسی مسلمان فاضل کے قلم سے نکلی ہوتیں تو ——— نتائج کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!

پرانی حقیقت نئی زبان سے

"مولانا محمد علی جیسا فرزند ہندوستان پھر شاید پیدا کر سکیگی۔ انکا طرز عمل ہندوستان کی دونوں قوموں کے لیے نہایت مفید تھا۔ میں ابتداءً ایک گم کردہ راہ تھا مگر پھر راہ پر آگیا۔ میں نے ہندوستانی سیاست سے متعلق صحیح راستہ مولانا محمد علی ہی کے اشارہ پر اختیار کیا تھا۔ مجھکو پورا یقین ہے کہ آج اگر پھر ہندوستانیوں کے لیے کوئی فلاح و بہبود کا دور آ سکتا ہے، تو اسکی صورت یہی ہوگی کہ ہم لوگ مولانا محمد علی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں، اور ہندو مسلم اتحاد کے اس مبارک رشتہ کو جو مولانا کا سب سے بڑا مشن تھا اسلوبی سے ... پھر آخر اتحاد کی صورت کیا ہے؟ بس یہی کہ مسلمان اپنے مذہب اور کلچر کے ساتھ زندہ رہیں اور ہندو بھی اسی طرح اپنی روایات کے ساتھ باقی رہیں، اور پھر آپس میں برابری کا اتحاد ہو۔ یہی چیز ہے جو مولانا مرحوم نے پیش کی تھی۔"

مشہور اشتراکی اور انقلابی لیڈر، ایم، این، رائے نے کلکتہ میں ۴ر جنوری کو یوم محمد علی کے موقع پر کہا ہے ——— گویا محمد علی کی زبان سے نکلا ہوا کلمۂ حق، کہ ہندو مسلم اتحاد صرف یہی ممکن ہے کہ جب مسلمان اپنے دین اور اپنی تہذیب کے ساتھ زندہ رہیں، اور ہندو اپنے رسوم و روایات کو قائم رکھیں، جو اُس وقت "فرقہ واریت" (کمیونلزم) سمجھ کر مردود قرار دیا گیا تھا، اب "قوم واریت" (نیشنلزم) اور اشتراکیت اور انقلابیت کی دنیا اُسی نقطہ کی طرف کھنچتی چلی آ رہی ہے!

عصمت کی بے قدری

انگریزی پڑھے لکھوں میں ہیولاک ایلس Ellis کے نام سے کون واقف نہیں؟ سنجیدہ مفکر بھی اور جنسیات کا امام بھی۔ اپنی آخری کتاب Sex in Relation to Society کے دیباچہ میں لکھتا ہے :-

"نتیجہ یہ ہے کہ انگلستان اور امریکہ دونوں ملکوں میں تعلیم یافتہ اوسط طبقہ میں مرد تو زیادہ عفیف ہونے لگے ہیں (یعنی ناجائز تعلقات کی طرف انکا میلان کم ہو گیا ہے) لیکن عورتیں عفیف (یعنی شادی کے وقت باکرہ) بہت کم پائی جانے لگی ہیں۔" (ص۶)

عورت کی داستان ترقی کی روداد خود ایک متجدد پسند بلکہ تجدد آفریں روشن خیال علمبردار حریت نسواں کی زبان سے آپ نے سن لی؟ ——— انھیں محققین کی زبان سے یہ بھی سننے میں آچکا ہے کہ بہت سے وحشی قبیلوں میں شادی سے قبل دوشیزگی، عورت کے لیے لازمی ہی نہیں۔ اُس دَور توحش کے، اور اس دور تمدن کے ڈانڈے مل جانے میں کیا اب بھی کچھ دیر ہے؟

"جموّ کا درس

"میں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا مخالف نہیں ہوں، لیکن میں اتنا ضرور سمجھتا ہوں کہ بنی نوع انسان کی موجودہ ضروریات عورتوں کے لیے اس طرح کی اعلیٰ تعلیم کا تقاضا نہیں کرتیں جو موجودہ نصاب تعلیم کا وجہ امتیاز ہے اور اس نقطۂ نظر سے میری خواہش یہ ہو کہ عورتوں کا نصاب تعلیم مردوں کے نصاب تعلیم سے بنیادی طور پر مختلف ہونا چاہیے تو اس میں نا گوار کوئی قباحت نہیں۔"

عالی جناب سید عبدالعزیز، وزیر عدالت مملکت حیدرآباد نے معلمین و اساتذہ کی ایک سالانہ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں فرمایا۔ اور لفظ بلفظ صحیح فرمایا۔ پیچھے، تعلیم مخلوط الگ رہی، وزیر صاحب نصاب تعلیم تک کے مخلوط و مشترک ہونے کے روادار نہیں! ——— نگاہیں منتظر ہیں، بہت منتظر ہیں کہ "جمود و قدامت" کے اس مظاہرہ پر ایک معلوم و معروف معاصر کے تبصرہ کی! عجب نہیں کہ ایسے ہی موقع کے لیے ہو یہ مقولہ کہ کبھی سکوت، بیان سے کہیں زیادہ بلیغ ہوتا ہے!

ایک نیا سنگم!

"یہ حکمت [یعنی حکمت ولی اللّٰہی] جس طرح مسلمانوں کے دو معروف فلاسفروں یعنی شیخ اکبر ابن عربی اور امام ربانی مجدد سرہندی کے متبعین کو مطمئن کر سکتی ہے، اس سے زیادہ ہندو فلاسفی کے مختلف اسکولوں کے نظریات کو گیتا کے اسلوب پر جمع کر رہی ہے۔ جس قدر اہل علم ولی اللہ فلاسفی میں تبحر حاصل کریں گے، وہ اپنے ہم خیال ہندوستانیوں پر ہندو ہوں یا مسلمان کیساں اعتماد کریں گے۔" (رسالہ "یادگار شیخ الہند" ص۱۳)

ولی اللّٰہی بیت الحکمت کی "حکمت" آپ نے خود صاحب تحریک کی زبان سے سن لی؟ ——— کون کہتا ہے، کہ حضرت مسیح کا نام لے لے کر شرک جلی میں مبتلا رہنے میں مسیحی منفرد ہیں؟ آخر ایک مسلمان رہنما بھی تو اسی دم خم کا نکل ہی آیا کہ وہ ایک نیا سنگم بنائیگا کفر و اسلام کا، توحید و شرک کا اور کہیں تک پہونچائیگا اس مشن کو جو اکبر و دارا شکوہ نا تمام چھوڑ گئے تھے، اور زبان سے نعرہ لگا جائیگا برابر ایک مشہور محدث، مفسر و خادم دین کا!

"ہم اس پریشاں خیالی کو دُور کرنے کے لیے ان جماعتوں کو کانگرس کے اندر ایک مستقل پارٹی کی صورت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، جس کے لیے ولی اللہ فلاسفی سے بہتر نصب العین نہیں مل سکتا۔" ص۸

ایک نام کے ندوی کا دوسرا پیام[1]

ندوہ کی برادری کے نام

(خطبۂ صدارت جلسہ انجمن طلبۂ قدیم ندوہ، ۲۱ دسمبر ۱۹۵۰ء)

آٹھ سال بعد یاروں کی طبیعت پھر لہرائی، اور ایک زندہ دلوں نے اس سے بھی بڑھ کر دل لگی کی ٹھہرائی۔ جو ندوی محض نام کا، اور جسکی ندویت نری ادعائی، انتہا اللہ! اُسکے نصیب میں یہ سرفرازی! ۱۹۴۲ء میں یہ ما لا کیم غنیمت تھا کہ صدارت محض استقبالیہ کی رہی، ۱۹۵۰ء میں آپ نے صدارت اصل جلسہ کی! ——— ایک ناچیز کو اپنی ستم ظریفی کا ہدف بناتے وقت اللہ کے ان نیک بندوں نے اتنا نہ سوچا، کہ باہر کی دنیا اسکے اس حسن انتخاب پر کھل کھلا کر ہنس نہ پڑے، تو آخر اُنکا کوئی کیا کرے؟

بزرگو اور عزیزو، بڑے اور چھوٹے بھائیو!

آج آپ مدتوں کے بعد پھر یہاں اکٹھے ہوئے ہیں، جہاں آپ کی عمر کے بہترین اور خوشگوار حصے گزر چکے ہیں۔ کسی کے صرف چند مہینے اور کسی کے سالہا سال۔ کوئی بچپن میں آیا ہوگا، اور جوان ہو کر نکلا ہوگا۔ کوئی مبتدی کی حیثیت سے داخل ہوا ہوگا، اور عالم و فاضل ہو کر رخصت ہوا ہوگا۔ آج بے اختیار یاد آ رہے ہونگے وہ پرانے ہمنشین اور اُنکی صحبتیں۔ وہ زمانۂ معصومیت کے شوق اور نوجوانی کی ہمتیں! وہ بےفکری کی ہنسی اور چہچہے، وہ نوعمری کے عزم و ولولے! وہ طالب علمی کی راتیں اور اُن میں جاگا جاگیاں، وہ آپس کی نوک جھونک اور پھر ہمدردیاں، اور غمگساریاں! وہ یہاں کے صحن اور میدان کے کھیل کود، وہ یہاں کی مسجدوں کے رکوع و سجود! وہ امتحانات کی کامیابیاں اور کبھی ناکامیاں، وہ اُستادوں کی شفقتیں اور کبھی جھڑکیاں! دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر، عملی زندگی میں قدم رکھ کر، فکر معاش کی دلدل میں پھنس کر، اب قدر ہو رہی ہوگی یہاں کی آزادیوں کی، بےفکریوں کی، خوش نصیبیوں کی! آہ! کیسی مٹھاس تھی اُس وقت کی تلخیوں میں، اور کتنی لذت تھی اُس سن کی بدمزگیوں میں! ——— کاش وہ زمانہ پھر آتا! کاش بس میں رہا ہوتا پھیر لانا گئے ہوئے سن کا، گزرے ہوئے دن کا! کاش ممکن ہوتا زمانہ کی گھڑی کی سوئی کو اُلٹا گھما دینا!

یہ حسرتیں تو اب زندگی کے ساتھ ہیں، لیکن برادران کرام! ماضی کیسا ہی خوشگوار ہو، اُسکی یاد کیسی ہی پُرلطف سہی، فکر کی چیز تو ماضی نہیں، حال و مستقبل ہے، اور اصل دولت خودشناسی کی دولت ہے

روزہا گر رفت گو رو باک نیست

تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست!

نہ ہو کہ جب یہ حال بھی ماضی بن جائے اور آیندہ، 'گزشتہ' میں تبدیل ہو جائے، تو ہم آنسو بہائیں اس وقت کی فرصتوں پر، اور سینہ کوبی کریں آج کی غفلتوں پر! ساری خرابیاں تو پیدا ہوتی ہیں اپنے کو بھلا دینے سے، اپنے کو پہچان لیجیے، اپنے مقام کو جان لیجیے، عرفان نفس کا سبق حاصل کر لیجیے، تو ابھی ساری مشکلیں حل ہوئی جاتی ہیں۔

ندوہ یا دارالعلوم ندوہ نام در و دیوار کا نہیں، اینٹ اور چونے کی عمارت کا نہیں، دفتر نظامت کے کاغذات اور رجسٹروں کا نہیں، کتب خانہ یا دارالاقامت کا نہیں، نام ہے چند مقاصد کا، ایک متعین پروگرام کا، ایک بلند نصب العین کا۔ آپ اگر ندوی ہیں، تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ نے ندوہ کے اُس پیام کو قبول کر لیا۔ اُس آواز کے آگے اپنا سر جھکا دیا۔ ندویت کوئی مادی ڈپلوما یا کاغذی سند نہیں، نام ہے اُس نسبت کا، اُس رشتہ کا، اُس رابطۂ قلب کا، جو آپ نے مقاصد ندوہ کے ساتھ قائم کر لیا ہے۔ ندوی ہوتے ہی آپ کے جزو زندگی بن گئے یہ مقاصد ندوہ، اور فرض ہو گیا آپ پر ان مقاصد پر اعتقاد و عمل، اُنکی تبلیغ و ترویج، اُنکی نشر و اشاعت۔ اب آپ لوگوں سے ملیے انکے لیے، اُلجھیے انکے لیے، کھنچیے انکے لیے، جھکیے انکے لیے، تنیے، سمٹیے، غرض یہ کہ جیجیے انکے لیے!

مقاصد کی فہرست کچھ بہت طویل نہیں۔ پھیلانے کی جگہ سمیٹنے پر، اور بسط کے بجائے ایجاز پر آیئے، تو کُل دو لفظوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام کی خدمت اور دین کی نصرت۔ توحید کی حمایت اور ناموس رسولؐ کی غیرت۔ اسی کی شان سے جینا، اسی کی آن پر مرنا۔ فلا تموتن الا و انتم مسلمون۔ یہی مقصد ہے اور یہی قبلۂ مقصود، اور یہی نظر کا منتہیٰ۔ باقی جو کچھ ہے سب اسی متن کی شرح، اور پھر شرح کا حاشیہ۔ درس و تدریس کے مشغلے، عمارتوں کے سلسلے، تصنیف و تالیف کی الماریاں، وعظ و تذکیر کی سرگرمیاں، سب اسی مقصود کے ماتحت اور اسی کے تابع، سب اسی مطلوب کے وسائل اور اسی کے ذرائع۔

دین کی نفس خدمت میں یہ نہیں کہ ندوہ منفرد ہو۔ دین کی خدمت ندوہ کے وجود میں آنے سے پہلے بھی ہو رہی تھی، اب بھی ندوہ کے حدود سے باہر ہو رہی ہے۔ دہلی، لکھنؤ، دیوبند، سہارنپور، وغیرہ وغیرہ کی درسگاہیں پہلے بھی معطل نہ تھیں، اب بھی خاموش نہیں ہیں۔ کہیں تجوید سکھائی جا رہی ہے، کہیں رجال پر جرح و تعدیل ہو رہی ہے، کہیں سے فقہ کے مفتی نکل رہے ہیں، اور کہیں دیہات کے لیے مبلغ و مناظر ڈھل رہے ہیں۔ یہ سب خدمتیں اپنی اپنی جگہ اہم ہیں، اور مستحق اجر بھی، قابل قدر بھی۔ لیکن ندوی کا دائرۂ عمل ان سب سے کچھ الگ سا ہے۔ اسکا مقابلہ ہے وقت کے سب سے پُرقوت اور سب سے پُرشوکت فتنہ سے! سانپ مار کر تڑپا دینے والے بچھوؤں سے نہیں، ایک مسلم نگل جانے والے اژدہے سے! اسکا کام ہتھیلیوں میں گڑی ہوئی پھانسیں اور تلوؤں میں چبھے ہوئے کانٹے نکالنا نہیں، اسکا کام ہے جسم ملت کو محفوظ رکھنا سکتہ کے صدمہ سے، قلب کے اوپر حملہ سے! فتنہ کا نام دجالیت رکھیے یا فرنگیت، بہرحال ہے وہ فتنۂ قیامت! ترکی اسکا شہید، ایران اسکا قتیل، مصر اسکا شکار، ہندوستان میں اسکے پھیلنے کے راستے بےشمار۔ کہیں وہ آ رہا ہے یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں کی راہ سے، کہیں قدم جما رہا ہے مختلف کانگرسوں، کانفرنسوں کے بھیس میں۔ اخبارات اور رسالے اسکے نقیب۔ سینما اور ریڈیو اُسکے وکیل۔ کہیں وطن پرستی کا نقاب اسکے چہرہ پر پڑا ہوا، کہیں وہ "تجدد" کے پردہ میں جلوہ نما، کہیں لاطینی حروف کا پروپیگنڈا۔ کہیں شور نسائیت اور بےپردگی کا برپا۔ غرض خدا معلوم کتنے اسکے نام ہیں اور کتنے مظاہر۔ سچے ندوی کی زبان جب کھلیگی اسی حملہ کے جواب میں، اسکا قلم جب اُٹھیگا اسی حریف کی تردید میں۔ مقابلہ جب ہوگا اسی عدو مبین سے، اسی الد الخصام سے!

---

[1] پہلا پیام دسمبر ۱۹۴۲ء میں [illegible] صدر استقبالیہ ادا ہوا تھا۔

قرآن

حیاتِ انسانی کا بہترین دستورالعمل

(از جناب سید ابو الہدیٰ صاحب نوری صدر جمعیۃ مسلم نوجوانان، سکندرآباد دکن کی ایک تقریر جو جلسۂ یوم القرآن میں پڑھی گئی)

دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

خدائے قدوس کا وعدہ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا۔

رب العزت نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ دین اسلام جملہ مذاہب عالم پر غالب رہیگا اور اللہ تعالیٰ کبھی مومنوں پر کافروں کو غلبہ پانے کا موقع نہ دیگا۔ اس سے بھی زیادہ صراحت اور واضح الفاظ میں دعویٰ کیا ہے وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون، نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ مسلمانوں کو بشارت ہے ورنہ صرف جنت کی بشارت ہے بلکہ ہم دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے مددگار و معاون ہیں" – تو آنکھیں یہ دیکھنے کی اور کان یہ سننے کے منتظر تھے کہ دنیا کی حکمرانی مسلمان ہی کر رہے ہونگے لیکن اسکے برعکس آج مسلمانوں کا دین ہر جگہ مغلوب اور غیروں کا تسلط نظر آ رہا ہے۔ کس قدر حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ ان بشارتوں اور وعدوں کے باوجود مسلمان پستی اور تنزل کی گہرائیوں میں دم توڑ رہے ہیں۔ غیر حاکم ہیں یہ محکوم، غیر غنی ہیں یہ رعایا، غیر آقا ہیں یہ غلام، غیر صاحب ثروت ہیں یہ مفلس و نادار۔ آخر اس انقلاب کی وجہ؟ اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کی وجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ مدعیان اسلام احکام اسلام پر عامل نہیں ہیں اور وہ اپنے دستور العمل کو فراموش کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں مسلمانوں کی سربلندی و سرفرازی کا یہ وعدہ فرمایا ہے وہاں "ان کنتم مؤمنین" کی شرط بھی ظاہر کر دی ہے اور ساتھ ہی فرما دیا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ "اے ایمان والو اگر تم دین سے انحراف کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سروں پر مسلط کرنے کے لیے ایک ایسی قوم لے آئیگا جو اللہ سے محبت کریگی اور اللہ اس سے محبت کریگا۔"

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے قرآن کو اپنا دستور بنائے رکھا فی الواقع وہ دنیا کی آقائی کرتے رہے اور جب اسے فراموش کیا قعر مذلت میں جا گرے۔ آج مسلمانوں پر زوال و انحطاط کی جو گھٹا چھائی ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے تمسک بالقرآن سے اعراض اختیار کر لیا ہے۔ فی زمانہ ایسے مسلمانوں کی تعداد انگلیوں کے برابر ہے جو قرآن سے روشنی و ہدایت حاصل کرتے ہوں اور ضروری سمجھتے ہوں کہ انھیں قرآن کی روشنی میں قدم اٹھانا چاہیے اور اسی کو اپنا دستور العمل بنانا چاہیے۔ اگر آج بھی مسلمان اس طرف متوجہ ہو جائیں تو اللہ کے وہ حوصلہ افزا وعدے اسی طرح پورے ہو سکتے ہیں جس طرح قرون اولیٰ میں پورے ہو چکے ہیں اور جن کی تکمیل نے ایک دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

قرآن کی ماہیت

قرآن مجید ایک ایسی یزدانی کتاب ہے جسکے لیے نہ تو کسی تمہید و پیش لفظ کی ضرورت ہے اور نہ بیان لکھنے کی ضرورت کہ اسمیں کیا ہے، اسکو کس طرح پڑھا جائے اور اس سے کس قسم کا استفادہ کیا جائے۔ اس یزدانی کتاب میں نہ صرف جملہ علوم و فنون، اسرار و رموز اور نفوس بشریت کی فلاح و ترقی کے راز ہائے سربستہ کا انکشاف کیا گیا ہے جو اسکے ماننے اور پڑھنے والوں کے دل و دماغ میں اسکے متعلق پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس برہانِ ربانی میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ کیا ہے، اس سے کس طرح ہدایت و فلاح حاصل ہو سکتی ہے، کن افراد کے لیے یہ باعث حکمت و موعظت ہے، اس پر کس حد تک غور و خوض کرنا چاہیے اور اسکے اوامر و نواہی کن فوائد و عوائد کے موجب ہیں۔ یہ اور اس قسم کے تمام سوالات کا مدلل و معقول جواب قرآن ہی میں مل جاتا ہے۔ قرآن اپنی ماہیت اور نوعیت پر خود روشنی ڈالتا ہے اور اپنے اوامر و نواہی کا فلسفہ خود ہی بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے قارئین سے یہ نہیں چاہتا کہ اسکے احکام کی تعمیل بلا سوچے سمجھے اندھا دھند کی جائے بلکہ وہ بار بار سوچنے سمجھنے اور غور و فکر سے کام لینے کا حکم دیتا ہے۔

قرآن درحقیقت نور مبین اور سرچشمۂ ہدایت ہے جس سے ہر شخص بلا امتیاز کسب ضیا و ہدایت کر سکتا ہے۔ یا ایہا الناس قد جاءکم برہان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا۔ قادر مطلق آیت مذکورہ میں نہ صرف اپنی توحید ہی پر نہیں بلکہ بنی نوع انسان پر احسان جتا رہا ہے کہ ہم نے ایک ایسی برہان بھیجی ہے جس سے گمراہی و ضلالت کی گھاٹیوں سے نکل کر مقصد حیات حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے وانہ لتنزیل من رب العالمین۔ "فی الحقیقت یہ قرآن اسلیے نازل کیا گیا جو تمام عالموں کا پروردگار ہے" اس مختصر آیت کے ذریعہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ قرآن اتنی عظیم اور عدیم المثال ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہے جسکا خفیف سا تصور بھی ذہن انسانی میں نہیں آ سکتا اور اسکے ساتھ ہی فرما دیا ذلک الکتاب لا ریب فیہ "یہ وہ کتاب ہے جسکے کلام الٰہی ہونے میں کسی کو شبہ کی گنجائش نہیں" یہ نہ صرف اس لیے فرمایا گیا کہ ابتدا میں کفار و مشرکین عناد و مخالفت کی وجہ سے اسکو سحر و شاعری سمجھتے تھے بلکہ آج بھی ایسے افراد موجود ہیں جو اس پیام ربانی کو رسول خدا کی تصنیف قرار دیتے ہیں اور اسے یزدانی کتاب تسلیم کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ گویا اس مختصر و جامع آیت سے اللہ تعالیٰ ہر زمانہ اور ہر عہد کے منکرین کا شک رفع فرما چکا ہے اور صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ یہ یزدانی کتاب عیب و اشتباہ سے بری ہے اور منجانب اللہ نازل ہوئی ہے۔ اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے، وما کان ہذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتب لا ریب فیہ من رب العلمین "یہ قرآن اس قسم کی کتاب نہیں ہے کہ خدا کے سوا کوئی اسکو اپنی طرف سے بنا لائے وہ تو پروردگار عالم کی طرف سے ان سب کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس میں انھی سب کتابوں کے احکام کی تفصیل ہے۔" پس اس کتاب کے آسمانی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

قادر مطلق نے جو کتاب قرآن کے نام سے نازل کی ہے وہ ایک معجزہ بنا کر نازل کی ہے اسکا سب سے بڑا معجزہ یہی ہے کہ وہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں حیات انسانی کا دستور العمل ہے۔ اسکے نزول سے آج تک تقریباً چودہ سو سال کی

مدت گزر چکی ہے اور اس طویل مدت میں زمانے نے صدہا ہزار رنگ بدلے انقلاب کی بیشمار لہریں اٹھیں ذہنیتوں اور خصلتوں میں تغیرہائے عظیم پیدا ہوئے لیکن کبھی اس قانون الٰہی کے نفاذ میں کوئی دقت و دشواری پیش نہ آئی حالانکہ اس مدت میں بیشمار انسانی قوانین وضع ہو ہو کر منسوخ ہو گئے۔

آج دنیا میں جتنی قومیں موجود ہیں اتنے ہی قوانین موجود ہیں۔ بڑے بڑے مدبر، مقنن اور سیاست داں سر جوڑ کر ان قوانین کو وضع کرتے ہیں لیکن تھوڑی مدت بھی گزرنے نہیں پاتی کہ وہ قطعی بیکار ہو جاتے ہیں اور انکے نفاذ میں صدہا دشواریاں پیش آنے لگتی ہیں۔ مگر اسلام کے سیاسی۔ معاشرتی۔ تمدنی مالی اور ملکی تمام قوانین اس درجہ مکمل ہیں کہ گزشتہ تیرہ صدیوں کے اندر نہ انکے نفاذ و عمل سے کائنات انسانی نے کوئی سختی محسوس کی اور نہ آئندہ قیامت تک محسوس کر سکیگی۔

اگر دیگر مذاہب عالم پر سرسری نظر ڈالی تو یہ امر بخوبی واضح ہو گا کہ اسوقت دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو اپنا مکمل قانون رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مذاہب کے قوانین میں ضروریات کے مطابق ترمیم کرنی پڑی اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے لیکن اسلامی قانون ہر زمانہ اور ہر فضا میں انسانی تغیرات سے بے نیاز رہا۔ اسکے یزدانی اور عالمگیر قانون ہونے کا یہ کتنا بین ثبوت ہے کہ اس میں آج تک شوشہ کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مختلف آب و ہوا اور مختلف فضا میں مختلف اسلامی حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ ہسپانیہ سے لیکر چین تک متعدد اسلامی خاندان عرصۂ دراز تک حکمراں رہے تمام حکومتوں کا قانون یہی قرآن رہا۔ اور سب نے پوری کامیابی و کامرانی کے ساتھ حکومت کی۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس کا زمانہ ایسا گزرا ہے کہ دنیائے اسلام میں صرف قرآن کے سوا حدیث و فقہ کی بھی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین، عہد زبیری، عہد امیر معاویہ اور عہد بنو امیہ میں اسلامی سلطنت کے حدود ملک عرب سے متجاوز ہو کر نصف کرۂ ارض تک وسعت پذیر ہو چکے تھے اور بالخصوص بنو امیہ کی حکومت و سلطنت تو اتنی عظیم الشان اور وسیع حکومت تھی جس سے بڑی حکومت آج تک دنیا میں قائم نہیں ہوئی اسوقت بھی یہی ایک قرآن دستور العمل تھا۔ ۱۴۵ھ تک مسلمانوں کے پاس سیاسیات و معاشیات، تہذیب و تمدن۔ تاریخ و ادب جو کچھ تھا وہ صرف قرآن تھا۔

دنیا میں لاتعداد کتابیں معرض وجود میں آئیں اور انھیں بڑے سے بڑا تقدس کا درجہ بھی حاصل ہوا مگر جو جامعیت اور کمال و عظمت قرآن کریم کو حاصل ہوئی وہ اور کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔ ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک جملہ کتابیں مل کر صرف اس ایک کتاب کی ہمسری نہ کر سکیں۔ اللہ نے دنیا والوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے جو کتاب نازل کی تھی وہ یہی قرآن ہے چونکہ یہ آسمانی کتابوں میں آخری کتاب ہے اس لیے اس میں وہ تمام چیزیں پورے کمال و جامعیت کے ساتھ مرکوز کر دی گئی ہیں جو آخرت تک انسانی فلاح و بہبود کی کفیل ہیں چنانچہ خدائے قدوس نے الیوم اکملت لکم دینکم کے الفاظ میں اس حقیقت کو واضح فرما دیا ہے کہ اسکے بعد ہدایت و عمل کے لیے انسان کو کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ اسی کو دستور العمل بنایا جائے۔

قرآن اور رحمت ربانی

یا ایہا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین۔ "اے لوگو تمہارے پروردگار نے ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو حکمت و موعظت ہے اور دلوں کی بیماری کے لیے نسخۂ شفا ماننے والوں کیلیے رحمت ہے"

ماہرین نفسیات بتائینگے کہ دل کی بیماریوں سے انسانوں پر کس قدر مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ امراض قلبی ہی کا نتیجہ تھا کہ انسان مسجود ملائکہ اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود کائنات کی ارذل ترین مخلوق کے آگے سربسجود ہو گیا۔ کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ظلم و ستم، جبر و جور کا بازار گرم اور فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ انسانیت پستی و ذلت کی انتہائی گہرائیوں میں دم توڑنے لگی تھی۔ گناہ۔ بدنیتی۔ بددیانتی۔ بدکاری۔ کینہ حسد و بغض۔ عداوت کبر و نخوت وغیرہ انسانی دلوں میں گھر کر چکے تھے۔ عدل و انصاف۔ امن و رواداری۔ نیکی اور بھلائی کا دنیا سے نام و نشان مٹ چکا تھا اور اس تاریخی حقیقت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ اسوقت اسی نسخۂ شفاء سے تمام امراض دور ہو کر قلب انسانی کو شفاء حاصل ہوئی اور جب قلب انسانی کو شفا حاصل ہوئی تو گویا ہدایت مل گئی اور اللہ کی رحمتیں نازل ہونے لگیں اور جس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں کیا کوئی اسکی کامیابیوں اور فائز المرامیوں کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے قرن اولیٰ میں جو بزرگ اس نسخۂ شفاء سے استفادہ کیے انکے قلب آئینہ کی طرح پاک ہو گئے اور امراض قلبی کا دور ہونا تھا کہ انکے قدم صراط مستقیم پر جم گئے ان میں وہ ساری خوبیاں پیدا ہو گئیں جو انسانی ترقیوں کی ضامن ہیں یعنی ان میں جہاد بالنفس والمال کا انتہائی جذبہ پیدا ہو گیا۔ اتفاق و اخوت کی بے پناہ قوت عود کر آئی صبر و استقلال کے جوہر پیدا ہو گئے اور اللہ پر وہ بھروسہ کرنا محنت و کوشش عقل و خرد سے کام لینا سیکھ گئے تنازعہ کی قوتیں نابود ہو گئیں اور وہ راہ ترقی پر گامزن ہو کر حکومت و اقتدار کی ان بلندیوں پر پہونچ گئے جسکا رب العزت نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ یہ رحمت الٰہی نہ تھی تو اور کیا تھا کہ وہی فلاں ان نبیؐ جنکے پاس تن ڈھانکنے کے لیے پورا میسر نہ تھا، دیبا و حریر کے توشہ خانوں کے مالک بنگئے جنکے کھرے ..... چٹائی نہ تھی ایران کی بیش بہا قالینیں انکے جوتوں کی جولانگاہ بنگئیں۔

قرآن اور اس سے غفلت کے نتائج

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سب کچھ سمجھا کر اور ہدایت دے کر قرآنی احکام کے اتباع کا حکم دیا اور واضح فرما دیا ومن اظلم ممن ذکر بآیات ربہ فاعرض عنہا۔ "جس نے قرآنی احکام و آیات سے انکار کیا اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا"

یعنی قرآن بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی کے لیے نازل کیا گیا پھر بھی اگر کوئی عمل نہ کرے تو وہ دنیا میں بھی ان تمام سربلندیوں اور سرفرازیوں سے محروم ہوگا جو اتباع قرآنی کی صورت میں اسے حاصل ہوتیں اور آخرت میں بھی مبتلائے عذاب ہوگا۔

من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی۔ جس نے ہماری یاد ترک کی اور قرآن کے اوامر و نواہی سے بے پرواہ رہا اسکی ساری زندگی بےچینیوں اور بیقراریوں میں گزریگی افلاس و تنگدستی اور معاشی فکریں دامنگیر رہینگی۔ اور روز قیامت بھی ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (باقی آئندہ)

پیشہ ور مسلمانوں سے

آرہ میں بہار پراونشل جمعیۃ المومنین کے اجلاس میں صدر منتخب مولانا حکیم عبدالواحد صاحب نے خطبۂ صدارت پڑھا ہے۔ اُس میں افسوس ہے کہ احساس کمتری کے عناصر بہ افراط موجود ہیں۔ ہم مومن بھائیوں کی حرکت کو حیرت و تعجب کے ساتھ ایک مدت دراز سے دیکھ رہے ہیں، وہ خواہ مخواہ بعض ذلیل قسم کے نسلی مسلمانوں کے تفوق سے متاثر ہوکر یہ شور بلند کر رہے ہیں کہ انھیں عام طور پر ذلیل سمجھا جاتا ہے! اور خود یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان میں پارچہ بافوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے! ساڑھے چار کروڑ تو انکی تعداد ہے، قصابوں، نجاروں، نائیوں، دھوبیوں ... کی تعداد بھی سب کو ملا کر کافی ہوگی۔ پھر وہ کونسی نسلی خاندان ہے جو نو کروڑ مسلمانوں کی تعداد، بہرحال اتنی ہوگی کہ انھیں انگلیوں پر گن دیا جا سکے تو اکثریت پیشہ ور اقوام انھیں کس طرح تباہ کر سکتی ہے۔ مگر اکثریت جسے بقول انصاری بھائیوں کے اقلیت ذلیل سمجھتی ہے اتنی زیادہ ہے کہ اس نے چند "سیدوں" کی ذہنیت پر ماتم کرنے کو غلط دماغ داخل کر لیا ہے۔ اقلیت کی ذہنیت پر ماتم مہرانی کی نئی قسم ہے۔ جس کی ایجاد کا فخر انصاری بھائیوں کو حاصل ہوا ہے۔

ایک دفعہ احساس کمتری کے جذبہ نے آہنگروں کو بھی احتجاج پر ابھارا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ ایک عام جلسہ میں آہنگروں اور نجاروں کی طرف سے عام مسلمانوں کی ذلیل ذہنیت اور افسوسناک روش کی مذمت کی جائے۔ راقم الحروف کو اس قسم کی تجویز بنانے اور اس پر تقریر کرنے کی ہدایت کی گئی مگر جلسہ میں جب سب آہنگر اور نجار تجویز پر تقریر سننے کے لیے چشم براہ تھے تو راقم الحروف نے ان الفاظ میں حاضرین کو مخاطب کیا:-

"اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا زور ہے، مسلمانوں کو بدنام کرنے کی مختلف چالیں چلی جا رہی ہیں، اسلامی خصوصیات کو مٹانے کا دشمنان اسلام نے عزم کر لیا ہے! آریوں اور عیسائیوں سے جب اسلامی مساوات کا مقابلہ نہ ہو سکا تو انھوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی نئی چال اختیار کی۔ انھوں نے کہا دیکھو عام مسلمان آہنگروں اور نجاروں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ پارچہ بافوں اور رنگسازوں کو کمینے کہکر پکارتے ہیں۔ اب دکھاؤ کہاں ہے اسلام کی مساوات جس پر مسلمانوں کا عمل ہے! یہ ہے مخالفین کی چال جس کا سمجھنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ یہاں تمام آہنگر اور نجار جمع ہیں۔ وہ ذرا بتائیں تو۔ انھیں کونسا مسلمان ذلیل سمجھتا ہے؟ دیکھو تمہاری مسجد کے امام ایک نجار ہیں اور سب لوگ انکی عزت کرتے ہیں۔ رہا دیہات اور قصبات کا معاملہ، سو ایمانداری سے بتاؤ کہ وہاں ہندو تمھیں ذلیل سمجھتے ہیں یا مسلمان؟ (آوازیں۔ ہندو ہندو) اگر کسی گاؤں کے مسلمان ہندوؤں کی دیکھا دیکھی آہنگروں اور نجاروں کو ذلیل سمجھتے ہیں تو وہ قابل رحم ہیں۔ جس طرح انھوں نے تعزیہ پرستی، قبر پرستی، مزارات پرستی اور اولیاء پرستی ہندوؤں سے سیکھی ہے! اسی طرح یہ ذلیل ذہنیت بھی انھیں سے مستعار لی ہے۔ تم انھیں کہتے ہو کہ فلاں رسم کو چھوڑ دو کہ اس کا تعلق ہندوؤں سے ہے۔ اسی طرح تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ اہل حرفہ کو ذلیل سمجھنا قطعاً غیر اسلامی حرکت ہے اسے فوراً ترک کر دو۔ مجھے بتاؤ [illegible] کونسا مسلمان ہے جو پیشہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو ذلیل سمجھتا ہو؟" (آوازیں کوئی نہیں، مسلمان سب بھائی بھائی ہیں)۔

ان الفاظ کے بعد فضا ہی بدل گئی۔ آہنگروں اور نجاروں کو بھی اطمینان ہوگیا۔ ورنہ اگر انصاری بھائیوں کی طرح غلطی کرکے احساس کمتری کا ثبوت پیش کر دیا جاتا تو ہمیشہ کے لیے ایک اور فتنہ کھڑا ہو جاتا۔ اور آہنگروں اور نجاروں ہی میں بہت سے لیڈر نکل آتے جو ہاتھ گرم کرنے کی خاطر اس خطرناک تحریک کو ہاتھوں میں لے لیتے اور ہر سال جلسے اور کانفرنسیں کرکے مسلمانوں کے مظالم کا رونا روتے رہتے۔ (زمزم)

مسلمہ کا غیر مسلم شوہر

پچھلے دنوں کلکتہ ہائیکورٹ میں ایک نہایت تشویش انگیز فیصلہ سنایا گیا جسکی طرف ہم مسلمان علماء، سیاسیین اور اصحاب قوانین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ کلکتہ میں ایک غیر مسلم عورت نے جسکا شوہر انگلینڈ میں ہے مفتی ظہیر (ڈپٹی مسجد ناخدا) کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اسکے بعد اس نے اپنے شوہر کو لکھا کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ اگر تم بھی اسلام کے سایۂ عاطفت میں آجاؤ تو بسم اللہ ورنہ مجھے آزاد سمجھو۔ اس پر شوہر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دعویٰ کیا کہ تم بدستور میری اہلیہ ہو۔ معاملہ عدالت تک پہونچا۔ مسٹر جسٹس ایجلی (کلکتہ ہائیکورٹ) نے یہ فیصلہ دیا کہ مدعیہ کا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ اس سے پیشتر انگریزی عدالتوں نے ہمیشہ مسلمانوں کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ وہ اپنے قانون شریعت کے مطابق عمل کریں۔ لیکن مسٹر ایجلی یہ کہتے ہیں کہ اگر اس قسم کا حق تسلیم کر لیا جائے تو یہ تساوی عام قانون اور پبلک پالیسی کے خلاف ہوگا۔ اسکے ساتھ ہی فاضل جج نے یہ بھی لکھا کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے۔ نہ اسلامی شریعت نافذ ہے۔ اس لیے یہاں تو برطانوی ہند ہی کے قوانین پر عمل کیا جائیگا۔

ظاہر ہے کہ جو صورت حال اس فیصلہ کے بعد پیدا ہو گئی ہے وہ بیحد خطرناک ہے۔ یعنی ایک مسلمان عورت کو ایک دنیوی قانون مجبور کر رہا ہے کہ وہ شریعت غرّائے اسلامی کے بالکل خلاف ایک غیر مسلم شوہر کی بیوی بنی رہے۔ یہاں خدائی قانون اور سرکاری قانون کا تصادم ہوتا ہے۔ اب تک ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کے پرسنل لا پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اور نکاح و طلاق وغیرہ کے مسائل میں کبھی قانون ملکی کی طرف سے مداخلت نہیں کی گئی لیکن جسٹس ایجلی کے اس فیصلہ کے بعد ہمیں اندیشہ ہے کہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی ایسے فیصلے ہونے لگینگے۔ اس لیے ہم حضرات علماء اور مجالس وضع قوانین ہند کے مسلمان ممبروں کی توجہ اس ضروری امر کی طرف متوجہ کراتے ہیں۔ وہ جلد سے جلد متحرک ہوں اور شریعت اسلامی میں قانون انگریزی کی اس ناواجب اور شرمناک مداخلت کو ہمیشہ کے لیے دور کرنے کی فکر کریں۔ اگر ممکن ہو تو نور جہاں بیگم (مذکورہ نو مسلمہ) کی طرف سے اس مسئلہ کو پریوی کونسل تک پہونچایا جائے۔ اور نہ صرف اس شریعت کش فیصلہ کو بدلوایا جائے بلکہ آیندہ قانون سازی کے ذریعہ سے اس قسم کے تصادم کو غیر ممکن بنا دیا جائے۔

(انقلاب)

اور عصبیت و قومیت کا ہرگز قائل نہیں ہو سکتا جو عرب کو عجم سے، ترک کو انگلستان سے یا افغانی سے ہندی کو جدا کر دے" (ہمدرد۔ ۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء)

الغرض مسلمانانِ ہند کے سب سے محبوب اور محترم سردار محمد علیؒ کے ہیں۔ اور ہمدرد کے اُس پرچہ میں نکلے، جسکے بعد کوئی پرچہ ہمدرد کا نہ نکلا۔ بار بار یورپ جانے کے بعد ایک بار مئی ۱۹۲۸ء میں محمد علیؒ پھر یورپ گئے تھے بیمار ہو کر اپنے علاج کے لیے۔ وہ مہینوں یورپ میں رہ کر ترکی، شام اور عراق کی راہ سے دسمبر میں ہندوستان واپس آئے تھے۔ تازہ ترین تجربہ و مشاہدہ سے ہوئے۔ جو حالات و مرض کے یہ محض خبر اور سماع کا درجہ رکھتے ہیں، انکے لیے چشمدید تھے۔ اپریل ۱۹۲۹ء میں ہمدرد ہمیشہ کے لیے بند کیا (اور اسکے کچھ ہی دن؟ کوئی پونے دو برس) اور اسی کے آخری نمبر میں الوداعی مضمون میں اخبار کے یہ الفاظ سپردِ قلم فرما گئے ——— آخر عمر میں بہت کچھ کھو کر سیکھنے کے بعد، بڑے پرتلخ تجربے اٹھانے کے بعد، آخری عزم یہی قائم کیا تھا، کہ باقی حصہ عمر وطنیت کے اس تحفہ ملعون کو جس نے ترکی اور شام اور ایران کو تو تباہ ہی کر رکھا تھا، اور جو ہندوستان میں افغانستان میں پھیلانی شروع کر دی تھی، یورپ ہی نے ایسی کرنے دیا اور تجدد کے خلاف جہاد کرنے میں گزار دیں۔ شدید بیماریوں اور پھر موت سے مہلت پانی نصیب میں نہ تھی۔ تندرست اور زندہ رہ گئے ہوتے۔ تو عجب کیا کہ ہندوستان یا کم از کم اسلامیت کا نقشہ آج کچھ اور ہی ہوتا!

اسلامی نظامِ حکومت کی تدوین

(ایک صاحب علم حیدرآباد سے صدق ۲۳ کو پڑھ کر، اسلامی نظامِ حکومت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:—

"ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے تبادلۂ خیال سے آگو ارصورت اختیار کرلی ہے۔ اس موضوع پر جدید علمی کتابوں سے حوالات و تنقیحات قائم کرنے میں مدد لینی تو لازمی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان سے استفادت نہ کیا جائے ــــ آپ نے خود بھی جدید ماہرین فن اور ماہرین علوم دین کے تعاون سے کام کی تکمیل کی تجویز پیش کی تھی۔

خلطِ مبحث سے بچنے کے لیے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دو مقصد الگ الگ ہیں۔ ایک تو ہے مسلمانوں کی سیزدہ صد سالہ، خصوصاً خلافتِ راشدہ کے دورِ حکومت کی سیاسی، معاشی، و معاشرتی مکمل تاریخ۔ اسکے لیے ضرورت ہے بے شبہ بہت سے کتبخانہ کی اچھی چھان بین، بڑی دیدہ ریزی کی اور بہت سے اہلِ علم کے تعاون کی۔ لیکن اس سے جو چیز ہاتھ آئیگی، وہ موجودہ دور کے "علمی" مذاق کے معیار سے کیسی ہی قابل قدر ہو، ٹھیٹھ اسلامی نظامِ حکومت کی تفسیر و تعبیر نہ ہوگی۔ دوسری چیز ہے اصل اسلامی طرزِ حکومت کو سمجھنا۔ سو اسکے لیے صرف قرآن مجید میں غور و تدبر کافی ہے، یا سنتِ رسولؐ سے اسکی تشریح و تفصیل کے۔ حسبنا کتاب اللہ اسی موقع کے لیے ہے۔ کتاب و سنت نے جن مسائل سے بحث ہی نہیں کی ہے، وہ حقیقۃً اس قابل ہی نہیں کہ انھیں مسائل کا درجہ دیا جائے۔ یہ تو آج کا غلط ماحول، ناقص فضا ہے، جس نے انھیں مسائل کی اہمیت دے رکھی ہے۔ اور اصل کام تو اسی فضا کو بدلنا، اسی ماحول میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ جب صحیح فضا قائم ہو جائیگی۔ تو آجکل کے مہتم بالشان مسائل خود اسوقت قابلِ مضحکہ نظر آئینگے۔ اسلامی نظامِ حکومت کی تدوین کا کام اصلاً اُن لوگوں کے کرنے کا ہے، جو تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کی نعمتوں سے سرافراز ہیں۔ ضمناً و تبعاً دوسری قسم کے اہلِ علم سے مدد لی جا سکتی ہے، اور لی جانی چاہیے۔ مقصود گزارش صرف اسقدر ہے کہ اصل اور فرع، اور پھر فرع اور فرع کے درمیان فرقِ مراتب بہرصورت ملحوظ رکھنا چاہیے۔

لڑکوں کا بڑھاپا

"محمود آباد ہوسٹل یونین (لکھنؤ یونیورسٹی) کا سالانہ مباحثہ زیرِ عنوان "یونیورسٹی کی طالبات سوسائٹی کے حق میں ایک نعمت ہیں" بہت دلچسپ ثابت ہوا۔ زنانہ ہوسٹل کی وارڈن مسز واسنجو، مس تزئین حبیب اختر اور خود اس جلسہ کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے تحریک کی مخالفت بڑے شد و مد سے کی۔ زنانہ ہوسٹل اور زنانہ دارالاقامہ کی طالبات، کالج کی لڑکیوں کی بڑی تعداد بھی اخلاقی کمک کے لیے آگئی تھی۔ اس پر بھی اکثریت کے ووٹ انھیں نہ حاصل ہو سکے اور اصل تحریک منظور ہو گئی"۔ (پاینیر)

خبر میں اسکے بعد یہ کچھ درج نہیں کہ "دقیانوسیت" اور "رجعت پسندی" کے اس مظاہرہ پر "شرم شرم" کے نعرے کتنے بلند ہوئے، اور طنز و تحقیر کے آوازے کتنے کسے گئے۔ ـــ مسلاے عام ہے "اسینی مٹیا بیوس" یونیورسٹی پر روشن خیال "وتجدد نواز حلقوں سے تبصرہ کے لیے" اور شاید تبرے کی بھی!

شیطانی آواز

"وہ ایک شیطانی آواز ہے جو خواتین کو بہلانے کے لیے ہندوستان کے بعض حلقوں میں اُٹھائی جا رہی ہے کہ جو لوگ انھیں گھر میں رہنے کی تعلیم دے رہے ہیں اپنے مردانہ اقتدار کو قائم رکھنے کی تمنا میں ایسا کر رہے ہیں! خواتین کو یاد رکھنا چاہیے کہ مردانہ اقتدار فطری ہے اور اس کا ثبوت یہی ہے کہ جب کبھی مردانہ اقتدار خودغرض اور نا شیریں بنگیا تو اس نے عورتوں کے حقوق اور انکے مردوں کے ساتھ برابری کی صدا بلند کی اور انھیں اپنا "ہمدوش" کر لیا۔ اور جب اس میں تقویٰ اور طہارت پیدا ہوئی تو اس نے ان سے پردہ کرنا چاہا اور انھیں گھروں میں بھیج دیا۔ خواتین نہ اپنی مرضی نہ اقتدار سے گھروں سے باہر آئیں اور نہ اپنی مرضی و اقتدار سے گھروں میں گئیں! انھیں مرد کی شیطان زدہ آواز سے بچنا اور حقیقی موقف پر قائم رہنا چاہیے۔ انھیں اپنی عقل سے محسوس کرنا چاہیے کہ وہ مردوں کے برابر بنائی نہیں گئی ہیں اور جان لینا چاہیے کہ جو آواز انھیں برابر کہہ رہی ہے وہ طاغوتی ہے"۔

یہ صدا سے تجدد کو شیطانی اور طاغوتی قرار دینے والی آواز کہیں اور سے نہیں، نظامی حیدرآباد ہی سے بلند ہوئی ہے۔ عین تجدد کے گڑھ سے! ـــ پرانی مثل "ہر فرعونے را موسیٰ" کا کوئی مصداق اس سے بڑھ کر دلچسپ اور کیا ہوگا؟ اللہ نے پھر ایک بار سچ کر دکھائی عارف رومؒ کی بات ـــ

ہر کجا دردے دوا آنجا رود	ہر کجا فقرے نوا آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود	ہر کجا پستی ست آب آنجا رود

ایک نامہ گمنام ندوی کا دوسرا پیام

ندوہ کی برادری کے نام

نمبر (۲)

محترم بزرگوں اور اُستادوں سے قطع نظر براہِ راست اپنی جماعت کی طرف آئیے۔ طلبہ قدیم یا اولڈ بوائز، یا اگر اسکا لفظی ترجمہ پسند ہو "بوڑھے لڑکے"۔ اور پیر محفل اپنے جانے پہچانے سید الطائفہ سید سلیمان کو پائیے۔ وقت کے ہرفن کے مقابلہ آج ان سے بڑھ کر کس نے کیا ہے؟ اور ملت کی ہر اجتماعی ضرورت کے موقع پر ان سے بڑھ کر کون کام آیا ہے؟ سیرت سرورِ کائنات میں اپنے مخصوص کمالات میں، وقت کے وزیر انھوں نے تیار کر ڈالے۔ فتنۂ انکارِ حدیث کے مقابلہ میں انکا قلم آج تک شمشیرِ قاطع۔ اسلام کا پیام ہزارہا ہزار نوجوانوں کے دلوں تک انھیں نے پہونچایا۔ شکوک و شبہات کی دلدل سے ہزارہا تعلیم یافتہ انگریزی خوانوں کو انھوں نے نکالا۔ خود آپ کے اسی فخرِ نیاز مندیات کا جو ایک معلوم و معروف نسونا رہا ہے، اُسکے منزلوں کا تو سب سے بڑھ کر انھیں نے کیا۔ اور پھر اسکے ساتھ اسکے رفیقوں، شاگردوں کی جو سرگرم اور کارکن ایک پوری جماعت موجود ہے، قابل فخر بھی اور قابل قدر بھی۔ وہ بھی آخر سب ندویوں ہی کی ہے، یا کسی اور کی؟ دار المصنفین کے کارنامے ہندوستان ہی سے نہیں، ماشاء اللہ بیرونِ ہند سے بھی داد حاصل کر چکے ہیں، لیکن خود یہ ادارہ اگر اور ندویوں ہی کا ساختہ پرداختہ اور ندوہ ہی کا ایک پرتو نہیں تو اور کیا ہے؟ اور وہاں کے مشہور و معروف منیجر صاحب جنکے ورود "مسعود" سے ہم اسوقت بھی سرفراز ہو رہے ہیں، بہ حیثیت "قوال" جیسے بھی کچھ ہوں، انکے "فعّال" ہونے اور ملی معاملات میں انکی زبردست عقلیت سے کسی منکر کو بھی انکار ہے؟

اعظم گڈھ ہی کے ایک گوشہ میں ایک چھوٹے سے قصبہ میں خدمت قرآن کا جو کام انجام پا چکا یا اب پا انجام پا رہا ہے، اور وہاں کی زندگی کی قابل رشک صفائی اور سادگی، یہ سب آپ کے ندوہ ہی کا فیض ہے۔ ندوہ کے پڑوس کلکتہ میں گرام بھی کس طرح آپ کے ندوہ ہی کی علمی نورانیت سے جگمگا رہا ہے۔ حیدرآباد کی اہم علمی، دینی، تصنیفی زندگی میں ندوہ کا جو ہاتھ ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ جواں مرگ عبد الرحمن نگرامی مرحوم جیسے جوان صالح اور جامع علم و عمل فرزند کیا ہر مدرسہ کے نصیب میں ہر روز آتے رہتے ہیں؟ دکن، بمبئی، دہلی، پنجاب، بہار، یو۔پی، بنگال، ہندوستان کے مختلف علاقوں کی تعلیمی اور تدریسی زندگیوں میں آپ کے دار العلوم کا عنصر کہاں موثر نہیں؟ صحافت جہاں کہیں بھی ندویوں کے ہاتھ میں ہے، خصوصاً علیگڈھ اور بمبئی، اپنی متانت، شرافت کا امتیاز قائم کیے ہوئے ہے۔ جامعہ ازہر جیسی دنیائے اسلام کی ممتاز ترین درسگاہ پر جو گہرا اور عظیم الشان نقش آپ کے ایک بھائی ابھی حال ہی میں چھوڑ کر گئے ہیں، وہ ہمارے اور آپکے فخر کیلیے بس ہے۔ دین کی تڑپ اور تبلیغِ دین کی دھن کی مجسم مثال دیکھنی ہو، تو، اللہ انھیں نظرِ بد سے محفوظ رکھے، اور انکے اخلاقی صلاحیتوں کو پختہ سے پختہ تر کرے، اسی مجمع کے اندر علی میاں کو دیکھ لیجیے۔ خود دار العلوم اور مجلس ندوہ کو سمجھنا چاہیے کہ سو قسمت مالک عرصہ سے آپ ہی کی برادری

کے لوگ چلا رہے ہیں۔ ناظم ندوہ ندوی، معتمد تعلیم ندوی، مہتمم دار العلوم ندوی! وقس علیٰ ہذا۔ پھر مدرس، تاجر کی جگہ تاجر، طبیب کی جگہ طبیب، ایڈیٹر کی جگہ ایڈیٹر، غرض اجتماعی زندگی کا کون سا شعبہ ہے، جہاں آپ کے بھولے بندوں کو ایک نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل نہیں؟ اور ندویت ان سب میں مشترک۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جنھیں براہِ راست اسلام کی خدمت کے موقعے حاصل نہیں۔ یہ اپنے مختلف عہدوں اور منصبوں سے اہل اسلام کی خدمت کر کے بالواسطہ اسلام ہی کے خادموں کی فوج میں داخل ہیں۔ مقصود ان مثالوں کے پیش کرنے سے، ان ناموں کے یاد دلانے سے اپنی جماعت کی بڑائی جتانا نہیں، اپنوں کو چمکانا نہیں، صرف جذب نسبت اور نعمت کے ادائے شکر کے ساتھ اپنے کو ان فرائض کی طرف اور زیادہ متوجہ کرنا ہے۔

کوئی کہاں تک گنتا رہے، کوئی کہاں تک سنتا رہے، ایک ایک نام کو، ایک ایک کے کام کو۔ بحمد اللہ آپ ہی کے خادم کیے ہوئے دینی ماحول کی برکت اور تبلیغی فضا کا اثر ہے کہ یا جو جیوں اور ماجوجیوں کی زد آج جہاں کہیں بھی اور جب بھی دین پر پڑتی ہے، یہ آپ کا ندوہ ہی ہے کہ سب سے پہلے تڑپ اُٹھتا ہے، اور پہلی ہی آواز پر آپ کے ارکان، اساتذہ، طلبہ، سب کے سب، دوسروں کا انتظار کیے بغیر جوانمردانہ باہر نکل آتے ہیں، اور بے دھڑک ڈٹ جاتے ہیں۔ کا تمثیلاً پھر وہی کے مصداق، السابقون الاولون کے مرتبہ سے سرفراز! اس کا عالی کوئی آج فتنہ فروش کے دل سے پوچھے، جس کی مرتدانہ نیت تنگ ہو کر اب رسوائے عالم ہو چکی ہیں۔ اسکے ہر حربہ کو کُند کر دینے والی جماعت سب سے بڑھ کر یہی ندوہ کے فرزندانِ قدیم و جدید کی نکلی۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء،

اپنے چھوٹے بھائیوں، یعنی موجودہ طلبہ کی مشکلات کا اندازہ کیجیے۔ انکی کڑی آزمائشوں کو نظر میں رکھیے، شہری زندگی کے عام فتنے اور بلائیں، جو ہر بڑے مرکز کی طرح، اس شہر پر بھی مسلط ہیں، انھیں چھوڑیے۔ صرف یہ دیکھیے کہ یہ کس سن میں اور کہاں رہ رہے ہیں؟ انکے پڑوس، عین پڑوس میں کون سی عمارتیں، عظیم الشان، لق و دق عمارتیں ہیں؟ یہاں کے دن گذرتے رہتے ہیں، اسٹرائکوں، مطالبوں، مظاہروں کے نعروں میں، اور راتیں بسر ہوتی رہتی ہیں سنیما اور گراموفون اور ریڈیو کے نغموں میں؟ آپ کے عزیز اگر اس فضا اور اس ماحول میں بھی، اپنا تقویٰ اور اپنی شرافت قائم رکھے ہوئے سکون و یکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیم و تدریس میں مشغول ہیں، تو اسے اللہ کی رحمت اور فضل و کرم کے بعد، اور کس چیز پر محمول کیا جائے، بجز آپ حضرات کے اسوۂ حسنہ کے، بجز آپ حضرات کی قائم کی ہوئی روایاتِ اسلامیت و شرافت کے؟

خطبہ "اولڈ بوائز" کے جلسہ کے حدود سے بڑھ چلا۔ سامعہ نوازی کی جگہ سامعہ خراشی دیر تک ہو چکی، اور عجب نہیں کہ سامعین کی جبینِ تحمل پر بل پڑنے لگے ہوں۔ ساری گفتگو چلی تھی اس پر کہ خود شناسی پیدا کیجیے، اپنے کو پہچان لیجیے۔ اپنی اس خودی کو قائم رکھیے، زندہ رکھیے، اپنی اس روشنی کو مدھم نہ ہونے دیجیے۔ اور وہ خودی ہے کیا؟ فلسفۂ خودی کے مشہور اسرار شناس اقبال کے الفاظ میں :-

خواہشِ ما دور باید از ترکِ فرنگ!

ندوہ کی خودی، ندویت، بس اسی "ترکِ فرنگ" کا دوسرا نام ہے۔

درگزر از جلوہ ہائے رنگ رنگ

خویش را دریاب از ترکِ فرنگ

ماضی وحال کا سرسری جائزہ ہوچکا۔ اب مستقبل کے لیے پیام مختصر لفظوں میں سُن لیجیے، اور یہی مقطع کا بند ہے۔

سب سے پہلی عرض یہ ہے کہ ندوہ آپ کا ہے، آپ بھی ندوہ کے ہو جائیے۔ اسے اپنا سمجھیے، اسے اپنی زندگی کا ایک جزو بنا لیجیے۔ کارکنوں پر نکتہ چینی سے بڑھ کر آسان اور نفس کو خوش کرنے والا کوئی مشغلہ نہیں۔ کیا اچھا ہوتا، کہ ہم بجائے اسکے خود اپنی ذمہ داریوں کی فکر میں لگ جاتے۔ خود ہم نے آج تک کارکنوں کو کیا مدد دی؟ اپنے وقت عزیز کا کتنا حصہ ندوہ کے کاموں کے لیے نکالا؟ اپنی آمدنی میں سے اپنے اس عزیز دارالعلوم کو کس حد تک شریک کیا؟ اپنے صاحب اثر عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو اس کی اعانت پر کہاں تک توجہ دلائی؟ غرض یہ کہ اپنے ندوی ہونے کے فرائض کہاں تک ادا کیے؟ ——— "جرمنی، جرمنوں کے لیے" "ہندوستان ہندوستانیوں کے لیے" ان دونوں کے نعرے آپ نے بارہا سُنے ہونگے۔ آپ کا نعرہ اسی ندویت وتاقیہ میں یہ ہونا چاہیے "ندوہ ندویوں کے لیے"۔ بہ لحاظ حقوق بعد کو، بہ لحاظ فرائض پہلے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی اس انجمن پر دل سے توجہ کیجیے، اس میں از سرِ نو روح پھونکیے۔ اسے فعال بنایئے۔ کوئی انجمن اس طرح زندہ نہیں رہ سکتی، کہ بس سال میں ایک جلسہ کر ڈالا، اور سال بھی ایسا جو کبھی ۱۲ مہینے کے بعد آیا، کبھی ۲۴ مہینے کے بعد، اور کبھی اسکے بھی بعد! اس باب میں سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اُن طلبہ پر جو مرکز میں مقیم ہیں، اور دارالعلوم یا دفتر ندوہ سے کسی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ ان میں بعض پیکر عمل بھی ہیں، اور انکی معمولی سی توجہ دستندہی اس مشکل کو حل، اور اس داغ کو انجمن کے دامن سے دور کر سکتی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ انجمن کے باضابطہ نظام سے قطع نظر یوں بھی ہر ندوی کو دوسرے ندوی کے ساتھ ایک مکمل نمونہ ہونا چاہیے اخلاص وہمدردی کا، شفقت ورحمت کا، عزیزداری اور بھائی چارہ کا۔ مواخاۃ ویکجہتی کے لیے رشتۂ ایمانی خود کیا کم ہے۔ اس دستاویز پر تو ندویت کے بعد ایک مستحکم مُہر توثیق لگ جانا چاہیے۔ مشہور ہے کہ زلیسن برادری کی ہر فرد، ایک دوسرے کے حق میں اپنے نفس سے بڑھ کر ہوا خواہ ومخلص ہوتی ہے۔ اپنے اخلاص ویگانگت کے ایسے مکمل نمونے پیش کیجیے، کہ زلیسنیوں تک کو آپ پر رشک آنے لگے۔ اور مثنوی کے اس مصرعہ،

مومناں آئینۂ یکدگر اند

کی قرأت آپ کے نسخہ میں

ندویاں آئینۂ یکدگر اند

ہو جائے۔ طالبعلمی کے زمانہ میں عصبیت وطن وغیرہ کی کچھ نہ کچھ مضر ہوتی ہے، اور کہیں تو مستقل صوبہ دار ترقیاں قائم ہو جاتی ہیں۔ اور لاڈ ہو اسے دور کرنے کی کوشش کیجیے کہ ہر عصبیت گم ہو کر رہے ندویت کی عصبیت میں۔

ترتیب کے لحاظ سے چوتھی اور آخری، لیکن اہمیت کے اعتبار سے سب سے مقدم گزارش یہ ہے کہ اپنی خودی کو خود فراموشی سے نہ بہلیے۔ اپنی خودی کو عزیز، اپنی ندویت کو ہمہ وقت بیدار رکھیے۔ ندویت نام ہے تلمیذ، زبان سے، قلب سے، جہاد فی سبیل اللہ کا، افرنگیت سے کفر کا، اپنے پر ایمان واعتقاد کا۔

اے اسیرِ رنگ پاک از رنگ شو

مومنِ خود کافرِ افرنگ شو

دانی از افرنگ واز کارِ فرنگ

تا کجا در قید زنّار فرنگ

آپ کے درس ندویت کی بائے بسم اللہ بھی یہی تھی اور تائے تمت بھی یہی۔ یہی مبدا اور یہی منتہا۔ چاہیے کہ یہی آپ کا مقصد وجود رہ جائے۔ یہی اُسکی غایت زندگی بن جائے۔ زبان پر جاری یہی قال رہے، دل پر طاری یہی حال رہے۔ اللہ کی وسیع دنیا میں چلیے پھریے، اٹھیے بیٹھیے، لیکن خیال یہ جاری رہے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کہ آپ ہیں اللہ کے سپاہی۔ پُتلے بن جایئے غیرتِ دینی کے، پیکر ہو کر رہ جایئے حرارتِ ایمانی کے۔ بگڑ جایئے اُس سے جو آپکے دین کے ساتھ تمسخر واستہزاء کا قصد کرے۔ لڑ پڑیے اُس سے جو آپ کے آقا وسردار کے ناموس سے گستاخی کی جرأت کرے۔ آنکھیں نکال لیجیے اُس کی جو آپ کے قرآن کی طرف ترچھی نظروں سے دیکھے۔ تعلقات عمر بھر کے توڑ لیجیے اُس بدبخت سے جو ارتداد کی راہ کھولنا چاہے۔ یہی آپ کی جماعت کا سب بڑا تمغۂ امتیاز ہے اور سب سے بڑا شرف وافتخار!

کریم وکارساز! مالک ومولیٰ! چلا اپنی مرضیات پر ہم سب کو، ہمارے بڑوں کو اور چھوٹوں کو، ہمارے دوستوں کو، عزیزوں کو، ہمارے رفیقوں کو، شریکوں کو۔ لبریز کردے ہمارے سینوں کو اپنے دین کی عصبیت سے، اپنے محمدؐ کے نام کی غیرت سے! دُنیا تُل جائے تجھ سے بغاوت پر، غداری پر، ہم کو استوار رکھ اپنے رسول کی اور اپنے کتاب کی وفاداری پر! جئیں تو تیری عظمت کے نعرے لگاتے ہوئے، دم توڑیں تو تیری توحید کی شہادت دیتے ہوئے، اور اُٹھیں تو تیرے نام کا کلمہ پڑھتے ہوئے! رفیق اور ساتھی ساتھ چھوڑتے رہیں، ہٹتے رہیں، کٹتے رہیں، ٹوٹ ٹوٹ کر دشمنوں سے ملتے رہیں، پر ہمارا قدم نہ ڈگمگائے، ہماری ہمتوں میں، وفاداریوں میں فرق نہ آئے۔ جب وہ ناگزیر وقت آئے کہ سارے سہارے بودے نکلیں، اور سارے آسرے دغا دے جائیں، تو اُس وقت بھی دل کے اندر بسا ہو تیرے قرآن کا بتایا ہوا دین، اور روح کی گہرائیوں میں، جا ہو تیرے رسولؐ کا لایا ہوا آئین، اور لب وزبان پر آخری سانس کے ساتھ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دو استفسارات

رشید احمد صاحب صابر، دنگلن (جنوبی ہند) سے لکھتے ہیں:۔

(۱) "صدق ۲۶ جلد ۵ میں آپ نے تفسیر سورۂ والشمس مصنفہ مولانا حمیدالدین فراہیؒ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ لقب "امام" کا لانا خود مصنف کے قلم سے ہو یا مترجم کے، دونوں صورتوں میں حیرت انگیز ہے"

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے وعظ حقیقۃ الصبر میں ص۲۶ سے ص۳۰ تک حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ بجائے مسند وتقیہ لقب ... (باقی صفحہ پر)

مراسلہ

تجدد کا رجز

(از جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی بی اے ایڈیٹر روزنامہ پیام، دکن)

نمبر (۱)

مکرمی

"تجدد کا دور مراسلہ" ایک ذاتی عریضہ تھا جسکو آپ نے شائع فرما دیا [یہ آج معلوم ہوا کہ جو مراسلہ کسی مدیر کو اسکے پرچہ ہی کے کسی زیر بحث مضمون سے متعلق لکھا جاتا ہے، اور اس پر کوئی علامت کسی قسم کی بھی اسکے ذاتی ہونے کی درج نہیں، اُس کا شمار بھی نج کے اور شخصی خطوط میں ہوتا ہے! ———— بیشک وہ تجدد ہی کیا، جو صحافت کے مسلمہ اصول تک میں "انقلاب" نہ برپا کردے! صدق] اب یہ تجدد کا نمبر ۲ مراسلہ ہے اور وہ بھی ذاتی ہے لیکن اگر آپ اسکو بھی شائع کر دینگے تو مجھے شکایت نہ ہوگی ———— اس لیے کہ میں آپ کا اداشناس ہوں [اگر وہ خط بھی "ذاتی" اس معنی میں تھا جس معنی میں یہ خط "ذاتی" ہے تو یقیناً شکایت اسکے بھی "صفاتی" بنا دینے سے نہ ہوئی ہوگی۔ اور اس یقین کے لیے تو آپ کی "اداشناسی" کی بھی ضرورت نہیں۔ صدق]

آپ بحث کے ہر پہلو کو بار بار مولانا شوکت علی صاحب مرحوم اور میرے اختلافات تک ضرور پہونچا دیتے ہیں [تضحیک، تعریض، توہین، استہزاء کے لیے جبکہ اس کا تعلق کسی خادم دین و ملت کی ذات سے ہو، تجدد کے لغت میں یقیناً سب سے زیادہ پردہ پوش لفظ "اختلافات" ہی کا ہے! صدق] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس اس زبان درازگُتّے کو مارنے کے لیے یہی سب سے موٹا ڈنڈا ہے [مولانا شوکت علی مرحوم کی جسامت کی رعایت سے "موٹے ڈنڈے" کا مضائقہ نہیں، لیکن "زبان درازگُتّے" کی ترکیب پر قاضی صاحب ذرا سکون و اطمینان کے وقت ازسرنو غور فرمائیں۔ شاعر کے قلم سے جب نا شستہ، سست اور ادیب کے قلم سے ترکیبیں جب غیر ادیبانہ نکلنے لگیں، تو یہ نشان اُنکے توازن طبع و یکسوئی دماغ کا تو بہرحال نہیں۔ صدق] لیکن میرا ضمیر اس معاملہ میں دو وجوہ سے مطمئن ہے۔ اول یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں مجھ سے کافی انتقام لے لیا تھا۔ کیا آپ بھول گئے کہ اُنکے اخبار کے صفحات پر میں بھانڈ اور مداری بنا کر نچایا جا چکا ہوں [یہ حوالہ اگر صحیح بھی ہو تو سوال تو مولانا شوکت علی کے "بہت کافی سخت جوابات" کی بابت تھا، نہ کہ اُس اخبار کی تحریروں کی بابت، جو اُنکی نگرانی میں نکلتا رہتا تھا۔ کیا قاضی صاحب کا ضمیر ایسی شہادت دیتا ہے کہ مولانا اور اخبار خلافت مترادف تھے؟ ان غریب کو بیسیوں مضامین کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ کیا تجدد نے تمدن کے بھی کوئی نئے معنی ایجاد کرلیے ہیں؟ صدق] پھر جب مولانا خود انتقام لے چکے تو اب آپ کی یہ وکالت محض بے معنی ہے۔ اسکے علاوہ سب سے زیادہ میرے ضمیر کے لیے باعث طمانیت یہ واقعہ ہے کہ مولانا کے انتقال سے پہلے میرے اُنکے درمیان صفائی ہوچکی تھی اور ہم دونوں نے گزشتہ واقعات کو بھلا دیا تھا [جناب گویا آپ کی اُنکی ذاتی تھی! "دشنام سربازار، معذرت پس دیوار" کی اس سے بڑھ کر [illegible] مثال کیا ملے گی [illegible] اخبار کے صفحات

میں اور "صفائی" ہو صاحب پیام کے خلوتکدہ میں! صدق] تاہم یہ تو شاید مرحوم کو بھی معلوم تھا کہ اُنکے بعد بھی ایسے "چست گواہ" موجود رہیں گے جو ہر معاملہ میں گڑے مُردے اُکھیڑا کرینگے [یہ فقرہ بھی آپ نے اسی مفروضہ کی بنا پر تحریر کیا ہے، کہ مولانا کی نسبت پر پیام کے مسلسل حملے گویا محض ایک پرائیوٹ اور ذاتی حیثیت رکھتے تھے، جن سے مسلم پبلک کو کوئی تعلق ہی نہ تھا! یہ غلط فہمی اگر دور ہوسکے، تو اچھا ہے۔ صدق] اور اپنے زورِ قلم کا برا اصلی جوہر اسی کو سمجھینگے کہ جب عبدالغفار اُنکی رائے کی غلطی — فلاں کے خلاف کوئی حرف لکھے [خواہ وہ "حرف" خادمانِ ملت کے لیے کیسے ہی توہین آمیز اور خود شعائر اسلامی کے حق میں کیسے ہی فتنہ انگیز ہوں۔ صدق] اُسی وقت دنیا کو یاد دلا دیا جائے کہ لوگو! دیکھ لو یہ وہی مردود ہے جس نے مولانا شوکت علی کو برا کہا تھا! [ناظرین صدق کو آخر اسقدر ضعیف الحافظہ کیوں فرض کر دیا گیا ہے؟ آپ نے لکھا تھا کہ تعریض اور تنقید کے درمیان فرق باقی رکھنا چاہیے۔ اس پر صدق نے عرض کیا تھا کہ اس توازن کے تقاضا صرف آپ کے "لازوال سردار" ہی ہیں! غریب شوکت علی بھی اسکے کسی درجہ میں مستحق ہوسکتے تھے، جن پر مسلسل حملوں سے پیام کے فائل لبریز ہیں؟ صدق کی ہر بات کو اس رنگ میں پیش کرنا تجدد ہی کی انشا کی صداقت کو اور رُلا دیا جیسے نقاب کررہا ہے۔ صدق] اس تمام شدت و حدت کا بہت ہی عجیب پہلو یہ ہے کہ جناب نے مصطفےٰ کمال کے "تھرڈ کلاس آدمی کہے جانے کو تو نہ صرف گوارا فرمایا بلکہ آج تک کہنے والی کی تائید میں اپنا زورِ قلم صرف فرما رہے ہیں [یہ عقدہ آج تک حل نہ ہوا کہ کسی دنیوی مدبر کو اسکے افلاس تدبر و تہی مائگی کی بنا پر "تھرڈ کلاس" کہہ دینا کیا کوئی گالی ہے؟ کچھ اُسکی عزت پر حملہ ہے؟ اُسکے پرائیوٹ چال چلن کی پردہ دری ہے؟ آخر کیا ہے، جو تجدد کے پڑھے ہوئے ممبر اسیر کو آج تک اترنے نہیں دیتا؟ شکایت تو مولانا ابوالاعلیٰ سے یہ ہونی چاہیے تھی کہ جرائم کی شدت و نوعیت کو دیکھتے ہوئے اُنھوں نے جرم کے لیے ضرورت سے زیادہ نرم و ملائم لفظ استعمال کیا۔ صدق] لیکن اگر کوئی شخص کسی معمولی ہندوستانی لیڈر حتیٰ کہ [بہت ہی پُر لطف، عجیب و معنی خیز ہے یہ "حتیٰ کہ"! استغفل و مذات کی انتہائی گہرائیوں کے اظہار کے لیے اس سے بلیغ تر پیرایہ اور کیا ہوسکتا تھا۔ صدق] ظفر علی خاں صاحب کی پبلک زندگی پر بھی اشارةً کچھ عرض کرنے کی جرأت کرے تو وہ آپ کی نظر میں قابل تعزیر قرار پاتا ہے [بنیادی مرکزی نقطۂ نظر پر آپ اب آگئے۔ تجدد کی بارگاہ میں قابل عزت (شاید قابل پرستش) صرف دنیوی کامیابی، مادی فتحمندی، اقبالمندی ہے۔ اور اس لیے "لازوال سردار" قابل صد عزت و تکریم۔ ٹھیک یہی معیار، جو "صاحب" کے ہاں عزت و تکریم کا ہے! اور جسکی بنا پر فرنگی مورخین کے نزدیک حضرت عمرؓ کا مرتبہ، حضرت عثمانؓ و علیؓ کا تو ذکر ہی نہیں، حضرت ابوبکرؓ، بلکہ خود رسول اللہ صلعم سے اعلیٰ و افضل ہے! صدق غریب کے نزدیک تھوڑی بہت عزت کے مقدار اسلامی ہند کے خادم اپنی پھٹی ہوئی بوسیدہ وردیوں، ٹوٹے پھوٹے زنگ خوردہ ہتھیاروں کے باوجود بھی ہیں! صدق] ہندوستان کے ایک اخبار نویس اور ایک سیاسی لیڈر کے حق میں یہ گرمجوشی اور ترکوں کی قوم کے ہیرو کے متعلق یہ بے تکلفی! [اسے کیا کہیے گا کہ وہ اخبار نویس یا سیاسی لیڈر ہر حال میں مسلمان ہے، اور بالعموم برسرکار رہا ہے اسلام کی خدمت کے لیے۔ محض "قوم کا ہیرو" نہیں ہے، نہ "ترکی قوم" کا، نہ جرمن قوم کا، نہ روسی قوم کا، نہ جرمن قوم کا! یہاں اس لیڈر کی عزت

اسلام کی عزت ہے، وہاں اُس "میرو" کی تنظیم "قوم" کی تنظیم ہے۔ تجدد کی تنظیم ہے لادینی کی تنظیم ہے۔ صدق] مولانا! غصہ کی گفتگو میں توازن باقی نہیں رہتا۔ غصہ کی یہی پہچان ہے۔ [لیکن یہاں تو ایسے اہلِ قلم بھی پڑے ہوئے ہیں جنکے ہاں "توازن" بغیر غصہ کے بھی مفقود رہتا ہے۔ اس مستقل عدم توازن کو پہچان کس چیز کی قرار دیا جائے؟ صدق] ظفر علی خاں اگر آپ کی بارگاہ سے قصیدوں کے مستحق ہیں [جی نہیں، قصیدوں کے مستحق تو حضرتِ اسلام کے بانی ہو سکتے ہیں۔ صدق] تو اسے کاش کہ بیچارہ مصطفےٰ کمال بھی زیادہ نہیں صرف ایک ہی حرفِ خیر سے سرفراز کیا جاتا! [اسے کاش اس "بیچارہ" کی اسلامیت کے ثبوت میں اس طویل مراسلہ میں دو ہی چار واقعات کی جگہ نکال لی جاتی! صدق]

آپ کے حقیقی احساسات کی ترجمانی کرنا ہی سب سے بڑی خطا ہے [اور آپ کی عدالت میں سب سے بڑھ کر جرم تجدد کے نقشہ کے بے نقاب کرنے رہتا ہے۔ صدق] جس کی بنا پر کبھی مرحوم و مغفور مولانا شوکت علی کو ہیرو بنا کر مجھے شہہ دی جاتی ہے۔ اور کبھی ظفر علی خاں آپ کی بساط کے "پیدل" بنائے جانے کی عزت حاصل کرتے ہیں! [تجدد کی تبلیغ کا یہ گُر بہت خوب ہے کہ کبھی تجدد کے اصل خیالات، عقائد کی ذمہ داری براہِ راست اپنے اوپر نہ لی جائے، بلکہ ہمیشہ کسی مشہور شخصیت کی آڑ میں اپنے کو رکھا جائے، اور جو گستاخ اس طلسم کو توڑنا چاہے اسکو آخر اس پر کیسے صبر کرے کہ اس پر پھیرے گئے ہو سے؟ صدق] ابھی تو بہت سے بڑے ان مظالم باقی ہیں جن پر میں تنقید کر رہا ہوں اُن سب کے نام لیجیے —

تا آنکہ نوبت یہاں تک پہونچے کہ اجی! اس مردود نے تو ایک دفعہ ہمارے محلہ کے داروغہ پر بھی تنقید کی تھی! یاد نہیں آپ کو! — [محلہ کے داروغہ پر تنقید تو یاد نہیں، البتہ یہ یاد ہے کہ ایک مرتبہ لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک طالبعلم کے مرتد ہو جانے کا چرچا اخبارات میں ہوا تھا۔ سب مسلمان اخباروں نے اس پر لے دے کی تھی اُس وقت بھی یہ شرف صرف پیام ہی کے حصہ میں آیا تھا کہ اُس نے اُلٹے ان اخبارات کو ڈانٹا تھا، اور بالواسطہ حمایت وحوصلہ افزائی ارتداد کی کی تھی۔ صدق] ایک پورا بھی کھاتہ بنا لیجیے کہ کس کس کو میں نے کیا کیا کہا ہے اور ہر ہفتہ اس کالم کے لیے محفوظ کر دیجیے۔ اجازت ہو تو "جمہور" "صباح" اور "پیام" کے تمام پرانے فائل خدمت میں ارسال کر دوں؟ ["پیام" کے تازہ نمبر ہی بروقت پہنچ جایا کریں کہ نئی "ریسرچ" کی زحمت گوارا کی جائے؟ غالب کے سے امتی پر اتنی تو بہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور بہت پرانی تحریروں کی ضرورت تو اس لیے بھی نہیں، کہ اس وقت "تجدد" اور روشن خیالی کے اتنے ملبے، روشن کہاں ہو چکے تھے۔ صدق]

(باقی آئندہ)

ع حیدرآباد کے حکومتی مذہب کی اہمیت تسلیم ہے لیکن متمدن ممالک کبھی بھیڑ نہ رہیں گی... حیدرآباد میں ذمیوں کے ساتھ جتنی رعایتیں کی جا رہی ہیں اتنی شاید ہی دیگر ممالک عالم میں غیر سرکاری مذہب کے پیروؤں کے لیے کبھی روا نہیں رکھا گیا۔ اگر غیر مسلم طلبہ کو جبراً دینیات اسلام کی تعلیم دی جاتی — اور ایسا کرنے کے لیے بھی ہمارے پاس آکسفورڈ و کیمبرج کی مثال و مستند نظیریں موجود ہیں جہاں عیسائی و غیر عیسائی جملہ طلباء کے لیے انجیل کی تعلیم اب تک لازمی ہے تو پھر ایک حد تک شکایت کی گنجائش تھی۔ شعبۂ دینیات کی شرکت کسی غیر مسلم طالبعلم کے لیے ضروری نہیں ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ حکومتیں ہر جگہ حکومتی مذہب کی تعلیم و ترقی میں حصہ لے رہی ہیں... جامعہ عثمانیہ میں بد گمانی نہ رہے جبکہ مذہبی ہندو ادبیات کی تعلیم کا بندوبست تو ہے اور روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے، قرآن و حدیث و فقہ کو وہاں سے خارج کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسی بوالعجبی ہوگی جسے آصفجاہیوں کے دور میں روا نہیں رکھا جانا چاہیے۔ (دکن ہیرالڈ)

دینیات اور تعلیم دینیات

(مملکتِ آصفیہ میں یہ خبر گرم ہونے پر کہ جامعہ عثمانیہ کا شعبۂ دینیات توڑ کر ایک نیم خانگی ادارہ دارالعلوم نظامیہ سے ملحق کر دیا جائے گا، مجلس قدیم دارالعلوم نے ایک مفصل محضر امیر جامعہ کی خدمت میں پیش کیا ہے، اسکے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔)

ہمیں یہ تفصیل سے بیان کرنے کی حاجت نہیں معلوم ہوتی کہ جب سے دنیا کی تاریخ قلمبند ہوئی ہے یہی پتہ چلتا ہے کہ ہر حکومت کا ایک سرکاری مذہب اور اس سرکاری مذہب کی سرکاری سرپرستی ہونا ایک مسلمہ بین الاقوامی قاعدہ اور ایک ہمہ گیر کلیہ رہا ہے۔ اور حکومتی مذہب کا انتظام، مقتدایانِ مذہب کا تقرر، ان کی معیشت کا تعین بہت بڑی حد تک سرکاری طور پر عمل میں آتا رہا ہے۔ اسی طرح حکومتی مذہب کے پیروؤں کی اولاد کی مذہبی تعلیم و تربیت کے لیے بھی حکومت ہی کی طرف سے انتظام ہوتا ہے۔ چنانچہ برطانیہ میں کلیسائے انگلستان کے پیروؤں کے جملہ مذہبی امور اور بچوں کی مذہبی تعلیم کا بندوبست بڑی حد تک سرکاری طور پر حکومت کے خزانہ ہی کے اہتمام سے ہوتا ہے۔ ہالینڈ، اٹلی، جرمنی، یونان غرض ہر جگہ یہی نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ روس میں بھی جہاں کا حکومتی مذہب "الحاد" ہے، وہاں بھی اس مذہب کی سرکاری سرپرستی اور تلقین زور و شور سے ہوتی ہے۔

انگلستان کی جامعات (بالخصوص آکسفورڈ و کیمبرج) میں ایک شعبۂ دینیات ممیز ہوتا ہے جہاں ڈاکٹریٹ تک تعلیم ہوتی ہے۔ کالجوں کے ساتھ گرجاؤں اور طعام خانوں میں عبادتوں اور دعاؤں کو اب بھی غیر ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ شہنشاہیت برطانیہ میں عیسائیوں سے بہت زیادہ غیر عیسائی ہیں۔ کلیسائے انگلستان کے متبعین کی تعداد تو اور بھی کم ہے۔ اسکے باوجود بادشاہِ برطانیہ کو تخت نشینی کے وقت جو حلف اٹھانا پڑتا ہے وہ صرف کلیسائے انگلستان کی حفاظت و دیانت کا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ برطانوی ہند میں جہاں ہر فرقہ کے عیسائی ملا کر بھی مشکل سے دو تین فی صد ہوتے ہیں۔ کلیسائے انگلستان کے پادریوں، گرجاؤں اور قبرستانوں کے مصارف حکومت کی طرف سے ادا ہوتے ہیں اور دستوری قانون میں بھی اسے ایک محفوظ مسئلہ قرار دے کر مقننہ کی دسترس سے باہر رکھا گیا ہے۔

حیدرآباد کی حد تک جامعہ عثمانیہ اور تعلیم دینیات ہی کے سلسلہ میں باب حکومت میں ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ کو "بالاتفاق قرار پایا کہ چونکہ اس سلطنت کا مذہب سنی الحنفی ہے اس لیے مدارس سرکاری میں سب سے مقدم حنفی مذہب کے عقائد کی تعلیم دی جانی چاہیے"۔ جس پر ۱۱ رجب ۱۳۴۳ھ کو فرمان خسروانی شرفِ صدور لایا کہ قدیم الایام سے یہ مسلمہ امر ہے کہ اس ریاست کا مذہب سنی الحنفی ہے تو سرکاری مدارس میں حسب عملدرآمد صرف فقہ حنفی کی تعلیم دی جاتی رہے۔ البتہ دوسرے فرقہ والے مسلمان و غیر مسلم طلبہ کے لیے مسلمان و غیر مسلم طلبہ کے لیے یہ تعلیم لازمی نہ ہوگی بلکہ جہاں کہیں سنی طلبہ کے لیے مذہب حنفی کی تعلیم مقرر ہو وہاں مذہبی تعلیم کے توازن میں مساوات قائم رکھنے کے لیے دوسرے طلبہ کے لیے جو اس جماعت میں پائے جاتے ہیں عام اخلاقیات کی تعلیم مہیا کر دی جاتی رہے"۔ یقیناً حکومت آصفیہ

(بقیہ صفحہ ۵)

مرقوم ہے اس لیے آپ کا اظہار حیرت سمجھ میں نہ آیا۔

(۲) نظر بد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ یعنی اس پر مسلمانوں کو عقیدہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟"

(۱) عدم التفات ایسی چیز ہے جو اکابر کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے۔ بظاہر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت خاکسار لکھنے کے وقت حضرت مولانا کا ذہن ادھر منتقل نہیں ہوا۔ اس لقب کے استعمال میں فی نفسہ کوئی خرابی ہے بھی نہیں، صرف التباس کی بنا پر احتیاط ہے۔ اس لیے کہ شیعی عقیدہ میں لفظ امام ایک اصطلاحی معنی رکھتا ہے (امامت شیعہ فرقہ کے ہاں ایک مستقل خداداد منصب ہے مثل نبوت کے، گو اس سے کسی قدر کمتر) اور سیدنا حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ اسے لگانا اسی معنی کے ساتھ التباس و اشتباہ پیدا کر دیتا ہے۔ ورنہ اگر التباس کا اندیشہ نہ ہو اور قرینۂ مقام سے مراد صرف تعظیم ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ لفظ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہیں کمتر درجہ کے حضرات کے لیے بھی بالکل جائز ہے۔ لفظی معنی کے لحاظ سے ہر واجب التکریم شخص امام (سردار، پیشوا، استاد فن) ہے۔ اور اس لحاظ سے حضرتؓ کا رتبہ محض امام کیا معنی امام الائمہ کا ہے۔

(۲) نظر بد سے متعلق حدیث و آثار میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ قرآن مجید کی بھی بعض آیتوں میں اشارے اس جانب ملتے ہیں، مثلاً سورۂ یوسف میں جہاں حضرت یعقوبؑ اپنے فرزندوں کو مصر کی شہر پناہ میں طریق داخلہ کی نصیحت فرماتے ہیں۔

مراسلہ نگار کا تیسرا سوال ان شاء اللہ آئندہ پرچہ میں درج ہوگا۔

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل خریداریوں کی میعاد اسی ماہ فروری میں ختم ہو رہی ہے، براہ کرم ختم ماہ سے پہلے پہلے چندہ ارسال فرما دیا جائے۔ ورنہ مارچ کا پہلا پرچہ وی۔ پی ارسال ہوگا۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع کر دیں تاکہ وی پی نہ بھیجا جائے ورنہ بلاوجہ دفتر کا نقصان ہوگا۔

خریدار نمبر ۲۳۸ و نمبر ۳۰۰ و نمبر ۴۶۷ و نمبر ۵۶۸
نمبر ۵۹۲ و نمبر ۵۸۳ و نمبر ۶۰۲ و نمبر ۶۰۳
نمبر ۶۰۴ و نمبر ۶۰۶ و نمبر ۶۰۷ و نمبر ۶۵۶
نمبر ۶۵۹ و نمبر ۶۶۰ و نمبر ۶۶۲ و نمبر ۶۶۳
نمبر ۶۶۴ و نمبر ۶۶۵ و نمبر ۶۶۷ و نمبر ۶۶۸
نمبر ۶۶۹ و نمبر ۶۷۰ و نمبر ۶۷۱ و نمبر ۶۷۲
نمبر ۶۷۳ و نمبر ۶۷۴ و نمبر ۸۶۰ و نمبر ۸۷۵

ایمان کی بے پناہ قوت

(ایک مصری اہل قلم نعیم آفندی کے قلم سے)

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم نے جنگوں میں کبھی کثرت تعداد یا جنگی ساز و سامان کے بل پر کامیابی حاصل نہیں کی بلکہ ہماری ساری کامیابی اس بات کی بنا پر ہے کہ جو ہمارے دلوں پر چھا گئی ہے۔" (آپ کا مطلب ایمان سے تھا) حضرت عمرو بن العاص سے دریافت کیا گیا کہ "آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ آپ محض چار ہزار فوج سے مصر کی مہم کو سر کر لیں"۔ آپ نے فرمایا کہ "گو ہم چار ہزار تھے مگر ہم میں سے ہر ایک کو اپنی فتح و نصرت کا یقین تھا۔ آخر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی اور ماشاء اللہ تعالیٰ نے بہت سے ملک ہمارے ہاتھوں فتح کرائے"۔ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ فتح شام کے موقع پر برہنہ تن ہو کر حملے کر رہے تھے۔ ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ "خدارا اپنے کو بچائیے"۔ حضرت ضرارؓ نے فرمایا: "کیونکر کیا اپنے کو جنت سے بچاؤں؟"

جنگ بدر میں بڑا گھمسان کا رن پڑ رہا تھا، ایک صحابی نے ایک جگہ سے تلوار کا قبضہ پکڑ لیا اور بلند آواز سے کہتے ہوئے آگے بڑھے "افسوس کا مقام ہوگا اگر یہ جانتے ہوئے کہ میرے اور جنت کے درمیان میری زندگی حائل ہے میں اپنے کو جنت میں نہ پہنچاؤں"۔ یہ کہکر آپ تیروں اور نیزوں کی باڑھ میں نکل پڑے اور سینہ کو سامنے کر دیا۔

جنگ قادسیہ میں جسکی ہولناکی سے کون واقف نہیں بلے پناہ ایرانی فوجیں سخت گیر رستم کے زیر کمان تھیں اور ان کے آگے آگے سلاح پوش ہاتھیوں کی ایک قطار تھی جس نے مسلمانوں کی پیادہ اور سوار فوج کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ لشکر پر رعب و ہیبت چھا گئی۔ گھوڑے بھڑکنے لگے۔ نیزے اور تلواریں ان ہاتھیوں کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آتی تھیں۔ اس موقع پر جنگ قادسیہ کے نامور نبرد آزما حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بلند آواز سے کہا "کون ہے جو اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کرنا چاہتا ہے"۔ یہ سنتے ہی ہر جانب سے شہسوار جھپٹ پڑے اور ہر صف کے بہادروں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ حضرت قعقاع اور انکے ساتھی پیادہ ہو گئے۔ تلواریں سونت لیں ہاتھیوں کی کوہ پیکر دیوار کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ اور تاک تاک کر انکی سونڈوں اور سُکوں پر وار کرنے لگے۔ پھر کیا تھا۔ جو وہ چاہتے تھے وہی ہوا۔ انھوں نے ہاتھیوں اور فیلبانوں میں ایک تہلکہ اور زلزلہ ڈال دیا اور رن میں آگ ایسی لگا دی کہ اس میں سارے ایرانی جل بھن کر بھسم ہو گئے۔ رستم مارا گیا۔ اور اسکا لشکر نہ مٹنے والی اسلامی روح شجاعت کے سامنے تباہ و برباد ہو گیا۔

یہ تھی اسلام کی اس روح معنوی کی تابانی اور نور ایمان کی برق فشانی جس سے مسلمانوں کے دل معمور تھے جو خشک اور بے آب و گیاہ جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا کے چپہ چپہ تک پہونچ گئی تھی۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیا جائے

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر ہو: محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۔۔۔
بیرون ہند سے سالانہ ۔۔۔ ششماہی ۔۔۔
قیمت فی پرچہ ۔۔۔

صدق
لکھنؤ

نمبر ۳۸ | دوشنبہ ۔ ۱۳ ۔ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۰ ۔ فروری سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

(۱) دور حاضر کے ترقی یافتہ مرد اور عورت کے درمیان، تحقیق جدید کی رو سے، کچھ فرق ہے؟ اگر ہے، تو کس قدر؟

(۲) فرق اگر ہے، تو طبعی اور فطری کس قدر، معاشرتی حالات کی بنا پر کس قدر، اور تعلیم وتربیت کی بنا پر کس قدر؟

(۳) ان طبعی، معاشرتی، اور درسی اختلافات میں تخفیف یا اضافہ کی کس حد تک گنجائش ہے؟

تنقیحات پیدا کیے ہوئے کسی جمود پسند مشرقی کے نہیں عصر حاضر کے ایک نامور سائنٹسٹ اور مشہور "روشن خیال" ڈاکٹر الحاد نواز یاکوئی پروفیسر جوآئین ہسٹے کے ہیں۔ جوابات بھی انھیں کے قلم سے ملاحظہ ہوں:—

"حمل قرار پاتے ہی مرد وعورت دونوں کی بناوٹ الگ الگ شروع ہو جاتی ہے، "کروموزوم" کی تعداد کے لحاظ سے۔ یعنی ان ذرات کے لحاظ سے جنکی بابت پچھلے دس سال کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ وراثت کے عامل اور صفات وامتیازات پیدا کرنے والے یہی ہوتے ہیں (Essays in Popular Science ص ۶۳)

فرق بہت کچھ ہے۔ اتنا زائد کہ دونوں جنسوں کے کامل مساوات کے کوئی معنی ہی نہیں"۔ (ص ۶۳)

سنہ ۱۹۲۳ء میں بورڈ آف ایجوکیشن کی طرف سے کمیٹی مقرر ہوئی تھی ثانوی اسکولوں میں لڑکوں لڑکیوں کے نصاب درس کی تحقیق کے لیے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ میں یہ تھا کہ مرد وعورت کے قوائے دماغی میں بہت ہی کم فرق ہے، لیکن

"دماغوں پر عام تو مزاج ہوتا ہے، اور مزاج کے لحاظ سے دونوں جنسوں میں بنیادی فرق نہ صرف آج موجود ہے بلکہ موجود رہیگا صدیوں تک نہیں ہزارہا ہزار، لاکھوں سال تک"۔ (ص ۶۳)

اتنا ہی نہیں، بلکہ آگے اور دیکھیے:—

"میں تو اس پیشگوئی کی جرأت کرتا ہوں کہ دونوں جنسوں کے درمیان فرق، رفتار ارتقاء کی بنا پر کم نہ ہوگا بلکہ جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا ہے اور حال میں جاری ہے مستقبل میں رسم ورواج کے ذریعہ یہ فرق نمایاں ہوتا رہیگا"۔ (ص ۶۳)

ان روشن خیالی پر فخر کرنے والی بہنیں اور بھائی بہلے خدا غور کریں، کہ "ہم جیت پسند" اور "جمود پرست" اس سے زیادہ کچھ بھی کہتے ہیں جتنا اس نامور برطانوی سائنٹسٹ نے کہہ دیا ہے؟ اور یہ شہادت کوئی منفرد ہے؟ کتنی اور شہادتیں، کتنی بار انھیں صفحات میں دوسرے مشاہیر کی نہیں پیش ہو چکی ہیں۔ تاریخ کے فاضلوں کی، بیالوجی کے ماہرین کی، سوشیالوجی کے محققین کی؟ خلاصہ سب کا یہی کہ مرد اور عورت گو انسانی حیثیت سے مشترک ہیں (اور اسی بنا پر شریعت نے انسانی حقوق دونوں کے یکساں تسلیم کیے ہیں) لیکن دو الگ الگ جنسیں ہیں۔ دونوں کے قوٰی الگ، میلانات علیحدہ، صلاحیتیں جداگانہ۔ اور اسی بنا پر دونوں کے میدان عمل ایک دوسرے سے مختلف، دونوں کے فرائض جداگانہ۔ [illegible] دونوں اپنی جگہ پر بڑی چیز، اور بغیر دونوں کے اشتراک [illegible] ہو سکتا۔ اور پوری طرح اسکی پرورش تا ہم سمجھا

معراج و اسرار معراج

نمبر (۱)

(فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی وہ پُر کیف و محققانہ تقریر جو ۲۷ رجب [illegible]ھ کو نشرگاہ حیدرآباد سے نشر ہوئی)

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ — یہ صحیح ہے کہ معراج اور معراجی تجربات و مشاہدات کا چرچا اب صرف مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہر سال وہی اس واقعہ کی یادگار منایا کرتے ہیں۔ ان ہی کی حکومتیں اس دن تعطیل دیتی ہیں۔ اسلامی ممالک میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ گو جیسا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا کہ "ما کنت بدعاً من الرسل" (میں رسولوں میں کوئی نیا نہیں ہوں) بلکہ مصدقاً لما معکم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یعنی خدا کے برگزیدوں کے ذریعہ سے جو خیر دنیا کی سمجھائی گئی اور لازوال صداقتیں دنیا میں تقسیم ہوئی تھیں انکی تردید و تکذیب نہیں، بلکہ ان پر تصدیق کی آخری مہر ثبت کر کے محفوظ کر دینا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم کام تھا۔

سچ پوچھیے تو معراجی مشاہدات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس راہ سے جو بھی گزرے تھے انھوں نے جو کچھ دیکھا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آیا اور آپ کو بھی اس راستہ سے گزرنا پڑا تو ظاہر ہے کہ جو کچھ پہلوں کے سامنے آیا تھا طبعاً ناگزیر تھا کہ وہ آپ کے آگے بھی آئے۔

مگر جس طرح بہت سے دینی تجربات اور مذہبی حقائق جو بھلا دیے گئے تھے یا قریب تھا کہ بھلا دیے جائیں وہ نبیوں کے خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت آج زندہ ہیں۔ تعجب نہ ہونا چاہیے اگر مذہبی ماورائی حیرت انگیز تجربہ جسکا نام معراج ہے وہ بھی آج محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام ہی سے زندہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ابد تک زندہ رہیگا۔ شاید عوام کو نہ معلوم ہو لیکن جاننے والے تو جانتے ہیں کہ مغربی ممالک ہوں یا مشرقی ان میں جس قسم کے بھی جو مذاہب و ملل پائے جاتے ہیں انکے بھولے بسرے مذہبی ذخیرے کسی نہ کسی شکل میں اس تجربہ کے ذکر سے اب بھی خالی نہیں ہیں۔ عیسائی و یہودی ادبیات میں اخنوخ نبی کی کتاب "یوحنا کے مکاشفات" "پولس کی رویا" کتابوں کے سوا وصیت نامہ ابراہیم جسکے متعلق قدیم ہی نہیں بلکہ جدید محققین بھی معترف ہیں کہ مسیح علیہ السلام سے صدیوں پہلے کی کتاب ہے۔ اس میں تو کلیات ہی نہیں بلکہ معراجی واقعات کے جزئیات کا بھی ایک ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ فرشتہ کے ساتھ براق نامی سواری پر حضرت ابراہیم کی آسمانی سیاحت اس سلسلہ میں گذشتہ روحوں خصوصاً آدم علیہ السلام سے ملاقات، آدم کا اپنی اولاد کی نیک روحوں کو دیکھ کر خوش ہونا اور بدوں کو دیکھ کر رنجیدہ ہونا، ان تمام چیزوں کا ذکر موجود ہے۔ اور یہ تو مغربی ممالک کے مذاہب کا حال ہے۔ اندرا لوکا گمن نامی کتاب ہندوؤں میں پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی کچھ اسی قسم کی آسمانی سیر کو ارجنا ملاقات زردشت کی روح اور ویراف نامہ [illegible] ہوتی ہے وغیرہ۔ کہا جاتا ہے کہ بودھی لٹریچر میں بھی اس قسم کی آسمانی سیر و سفر کا ذکر پایا جاتا ہے۔

بہر حال ایک ایسا واقعہ جس کا ذکر قرآن کے سوا تیس چالیس صحابہ سے حدیث کی صحیح و معتبر کتابوں مثلاً بخاری، مسلم وغیرہ میں ہو اور نسلاً بعد نسلٍ موروثی طور پر یہ تواتر ہم تک پہونچا ہو ہم تو اسکے ماننے پر اسلیے مجبور ہیں لیکن مسلمانوں کے سوا دنیا کی دوسری قوموں کے لیے بھی یہ واقعہ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اور ایک معراج کیا تمام اسلامی حقائق کا یہی حال ہے کہ بجائے نئی باتوں کے زیادہ تر لوگوں کو انکے بزرگوں کا بھولا ہوا واپس دلایا جاتا ہے جسکے یقین سے محروم ہو کر شک بلکہ بعض دفعہ تو انکار تک کے لوگ شکار ہو چکے تھے۔

مگر جہاں معراجی واقعات کا ذکر ان ادیان و مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے صرف اسکی حیثیت ایک واقعہ کی ہے باقی یہ بات کہ "یہ واقعہ" آیا اچانک یوں ہی بلا وجہ کسی کے ساتھ پیش آ جاتا ہے یا اسکا بھی تعلق قدرت کے کچھ مقررہ قوانین سے ہے، اور یہ کہ یہ کوئی لازمی واقعہ ہے یا دوسرے بھی اس سے اپنی زندگی کی راہوں میں نفع اٹھا سکتے ہیں۔ شاید قرآن کے سوا اور کسی دوسری کتاب میں میرے علم کی حد تک اسکی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی جس مشہور آیت میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منصب رسالت سے زیادہ عبدیت اور بندگی کے پہلو سے ہے۔ یعنی یتیمی و اسیری و غربت کے جن دردناک مصائب سے بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنا پڑا اور جوانی میں ایک نہیں بلکہ متعدد پلے پوسے بچوں کی موت کا داغ، لوگوں کا اس پر "ابتر" یا بے نسل ہونے کا آپ پر طعنہ، ان سے قطع نظر نبوت کے بعد آپ کو اور آپ کی وجہ سے آپ کے ساتھیوں کو مسلسل، کم از کم دس سال تک جن حالات سے گزرنا پڑا حتیٰ کہ بالآخر اسکی انتہا شعب ابی طالب کے واقعہ پر جا کر ختم ہوتی ہے کہ مہینہ دو مہینے نہیں کامل ڈھائی تین سال تک مکہ والوں نے آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے کلی مقاطعہ کرایا۔ زندگی کے تمام ذرائع بند کر دیے۔ پھر اسکے بعد آپ پر اور آپ کے رفقاء پر انکی عورتوں اور بچوں پر جو کچھ گزر رہی تھی اور ان لوگوں کے کرب و بے چینی کا آپ کی نرم و پر گداز روح اور جسم فطرت پر جو اثر پڑتا تھا، لیکن جسکی حضرت سے یہ واقعات پیش

۱۳۵۹ھ کے [illegible] رسالہ صدق کی اشاعت کے خیال سے انکی [illegible] کا ادارہ نے مقالہ رکھدیا

آ رہے تھے اور بغیر کسی انقطاع کے یہ "سنا سچا" ہلکا مسلسل پیش آ رہے تھے، بجائے پہنچنے کے اسکی طرف آ آ کر پڑھتا، بڑھتے ہی چلا جاتا، ہر چھوٹے کیو ہو کر رہ جاتے سنگے اپنے کو ڈال دنیا ....

اگر اس ہستی کی تعبیر میں آپ کے سامنے "معراج کی بلندی پیش ہوئی اور جو سب سے زیادہ گمراہ تھا اگر اسی کو سب سے زیادہ اونچا کیا گیا تو آخر سوچنا چاہیے کہ اسکے سوا دوسری صورت کی گنجایش ہی کیا تھی۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ معراجی مشاہدات" کا اگر حضور ذکر بھی نہ فرماتے تو جو آپ کے حالات سے واقف ہیں انکو یوں بھی اس واقعہ پر یقین کرنا چاہیے تھا۔ خود قرآن نے جن الفاظ میں اس واقعہ کی تعبیر کی ہے اُس کا حاصل یہی ہے کہ جس نے سب سے الگ ہو کر "الاصم الاعمیٰ" (بہرے اندھے) کے آگے نہیں بلکہ "السمیع البصیر" شنوا و بینا کے آگے اپنے کو ڈال دیا تھا۔ وہ دیکھنے والے سننے والے انسان سے جب اسکی توقع نہیں ہو اپنے گرنے والے کو وہ یوں ہی پڑا رہنے دیگا۔ تو تمام رحم کرنے والوں سے جو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا "ارحم الراحمین" ہے یقیناً اس کی ذات ایسی سنگدلی اور بے دردی کے الزام سے پاک ہے۔ بلکہ اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اس نے رات کو اس لیے سیر کرائی تا کہ اپنی نشانیاں اُسے دکھائے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۳)

مضامین محرم

سید قمرالدین صاحب بہادلپور سے لکھتے ہیں :-

"صدق ۲۰ر جنوری میں عید الاضحیٰ پڑھا۔ اللہ اس سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۱۰ر ذی الحجہ اور ۱۰ر محرم کے واقعات میں فرمانبرداری اور اعتقادی مماثلت کے علاوہ جغرافی مماثلت بھی ہے۔ مہربانی فرما کر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کچھ تحریر فرما دیں تاکہ مسلمانوں کو فرماں برداری اور اصول کی خاطر حضرت ممدوح کی طرح ایثار، قربانی اور صبر کرنے کا سبق ملے۔ اور اس واقعہ کے متعلق جو خرافات جاری ہو گئی ہیں، انکا ازالہ ہو سکے۔"

افسوس ہے کہ یہ مراسلہ دیر میں یعنی آخر ذی الحجہ میں وصول ہوا۔ صدق کے مضامین بہت قبل سے مرتب کرنے پڑتے ہیں۔ اس لیے اگلی عاشورہ محرم پر لکھنے کا تو کوئی موقع نہیں رہا۔ ان شاء اللہ آئندہ اگر خیال رہا تو ضرور اس موضوع پر بھی کچھ گزارش کر دی جائیگی۔

مضامین حدیث

مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاد نظام کالج حیدرآباد سے تحریر فرماتے ہیں :-

"صدق [illegible] میں انکار حدیث کے سلسلہ میں آپ نے حدیث شریف کی حجیت دینی اور تاریخیت پر پہلے مضامین میں بعض کو نیا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون "سنت" دوبارہ اشاعت میں لانا ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کچھ مدت تک ایک مستقل عنوان قائم کیا جائے، اور بعض معرکۃ الآرا مضامین کا انتخاب شایع ہوا کرے جو مطلوبہ پہلوؤں پر حاوی ہو۔ وہ حصہ ان مضامین کے شامل [illegible] ہوں۔ جدید مضامین میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا [illegible] مضمون ہے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے توسیعی لکچروں میں یہاں کے باغ عامہ میں پڑھا گیا۔ اسکا انگریزی ترجمہ بھی یونیورسٹی کی ریسرچ جرنل میں شایع ہو گیا ہے۔ ترجمان القرآن میں بھی پچھلے سال مضامین کا ایک سلسلہ شایع ہوا ہے۔"

ان مناسب مشوروں کا دلی شکریہ۔ حسن اتفاق سے اس مکتوب کے بعد ہی مولانا گیلانی کا اصل مقالہ تدوین حدیث موصول ہو گیا۔ وہ جامع بھی ہے اور دلچسپ بھی، اور پُر مغز و محققانہ بھی۔ غرض ہر اعتبار سے اس قابل ہے کہ ناظرین صدق کی خدمت میں تمام و کمال پیش کر دیا جائے۔ ان شاء اللہ ایک دو نمبر کے بعد سے یعنی مولانا ممدوح کا دوسرا فاضلانہ مقالہ معراج (جو ان شاء اللہ آیندہ نمبر میں ختم ہو جائیگا) ختم ہوتے ہی شروع ہو جائیگا۔ افسوس ہے اور یہ افسوس بہت زیادہ رہتا ہے کہ صدق اپنی بہت ہی محدود و مختصر گنجایش کے باعث بہت سے قابل قدر مضامین و مقالات کی اشاعت کی سعادت سے محروم ہی رہتا ہے۔

ایک عیسائی مبلغ کا قبول اسلام

لکھنؤ، ۲۷- جنوری۔ ریورنڈ ایم۔ پال نے جو ایک مشہور و معروف عیسائی مبلغ ہیں مسلم کلب نذر باغ لکھنؤ کے دفتر میں اسلام قبول کیا۔ اور آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ میں ایک پُرانا عیسائی مبلغ ہوں اور میں نے اپنی زندگی میں بہت سے مسلمانوں کو دائرہ عیسائیت میں داخل کیا ہے۔ میں قرآن کریم کی تلاوت اس نظریہ سے کیا کرتا تھا کہ اسکے نقائص مسلمانوں پر واضح کروں۔ لیکن قرآن کریم کے گہرے مطالعہ سے میں محسوس کرنے لگا کہ میں اسکے مطالعہ میں خاص دلچسپی لے رہا ہوں آخر کار، اسکی حیرت انگیز تعلیمات نے میرے دماغ کو روشن کر دیا۔ اور میرا روحانی تخیل بہت بلند ہو گیا۔ تاہم میں اس کشمکش و پیچ میں مبتلا رہنے لگا کہ کس طرح اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کروں۔ لیکن آج رات کو خدا کے مقدس کلام نے میرے اندر جرأت پیدا کر دی کہ آپ حضرات کے سامنے انتہائی مسرت و انبساط کے ساتھ قبول اسلام کا اعلان کر رہا ہوں اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرے دائرہ اسلام میں شامل ہونے اور عیسائیت سے تائب ہونے کے گواہ رہیں۔ میں اپنی گذشتہ زندگی پر انتہائی ندامت کا اظہار کرتا ہوں کہ میری سابقہ زندگی کے قیمتی لمحات ضائع گئے۔

آپ نے اعلان فرمایا کہ ۲۰ر فروری کو پھر مسلم کلب نذر باغ میں اپنے اسلام لانے پر تقریر کریں گے۔

(اورینٹ پریس آف انڈیا)

مراسلہ

تجدد کا رجز

از جناب قاضی عبد الغفار صاحب مرادآبادی بی اے ایڈیٹر روزنامہ "پیام" دکن

نمبر (۲)

اس دفعہ تو آپ نے — غالباً بطور تنبیہ —— نیاز فتحپوری کا بھی نام لکھ دیا ہے "تاکہ انکا حشر جو کچھ ہوا اُسکو دیکھ کر میں بھی کانپ جاؤں — تو کیا مارا تاڑی کا نیا! اگر مجھے اتنا عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ مجھے اس منزل تک پہونچانے میں ابھی بہت دیر لگیگی — [[illegible] پہلے ہو رہی ہے کہ "تجدد" کا قدم ابھی ارتداد سے پیچھے بہت پیچھے ہے — ہمت کی رفتار اگر تیز ہو جائے تو "پیام" [illegible] بن جاتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے؟ صدق] البتہ اس تشدد کا یہ کارنامہ ہر وقت میری نظر کے سامنے ہے کہ آپ کی جیسی "شہنشاہیت" کی "خشکی" اور سخت گیری ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں کو ہزار در ہزار "فتنۂ ارتداد" کی گود میں دھکیل رہی ہے! [مبارک ہو تجدد کو، [illegible] "ہزار در ہزار" علیگوں کی فوج ظفر موج! - - - یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔ کسی کے حصہ میں مذہب و دین کی "خشکی" آئی، اور کسی کے نصیب میں "تجدد" کی تری! اس میں آپ کی خفگی کی کیا بات ہے!

نہ ہر دارو و رسم قلندری تو جاہ و ملک سکندری

اگر این خوش است تو بر فوری اگر آن بدست مرا سزا! صدق]

گر جو آپ کی شکست ہے اُسکو آپ اپنی فتح سمجھ رہے ہیں! [واذا قیل لہم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون - صدق] "طلق اللسان" اقتدار ہمیشہ یہ دھوکا کھایا کرتا ہے! میں جانتا ہوں کہ آپ اس بات کا تعین کرنے کے لیے تیار نہ ہونگے لیکن یہ بھی کہتا ہوں کہ میں شخصی طور پر ہمیشہ آپ کے علم و فضل کا احترام کرتا رہا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا لیکن اسکے یہ معنی کبھی نہ ہونگے کہ میں آپ کے یا آپ کے دوستوں کے خیالات اور آپ کی آراء پر تنقید کرنے کے حق سے دستبردار ہو جاؤں۔ علم و فضل کی یہ بیجا شہنشاہیت —— جو اب ایک مرید و مومن کی شکل اختیار کرتی جاتی ہے — نہ میں نے کبھی گوارا کی نہ گوارا کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کی عدالت مجھ جیسے بے گناہ ملزم کو سزا دینے پر تلی ہوئی ہے تو محض گڑے مردے اُکھاڑنے سے یہ کام انجام نہیں پا سکتا! [لیکن دین تجدد کی تبلیغ بھی تو محض چند مشہور و مقبول "مجدد دین" کی شہرت سے فائدہ اٹھانے سے پوری پوری نہیں ہو سکتی۔ دار و خطر سے یہ خوف و ہراس اور یہ درخواست احتیاط آخر کب تک نبھ سکیگی؟ صدق] "تھوڑا بہت" ماضی ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر اخبار نویسی کا دار اب اسی بات پر ہے کہ ہر عمر و بکر کے ماضی کو سرمایۂ بحث بنایا جائے تو مجھے بھی حق ہے کہ میں یہ عرض کروں کہ

"جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو وہ پہلا پتھر مارے"!

[پچھلے مراسلہ میں ایک جگہ "در صفت خود میگوید" کے موقع پر یہ ارشاد ہوا تھا کہ "نوک ذرا تیز تھی" اسکی ترقی کرکے قلم میں شمشیر کی برش اور خنجر کی روانی ہو گئی۔ صدق] میں نے اس عرض نیاز میں تمام ایسی باتیں کہہ دی ہیں جو غصہ تیز کرنے والی ہیں) — [یہ انداز تو کچھ ان لوگوں کا سا ہے کہ پہلے خود ہی غصہ سے چور ہو گئے۔ یہ بھی کوئی فن سپہ گری ہے کہ اپنے وار کے زور میں خود اپنا ہی جسم زمین سے الگ لگ جائے! صدق] میں یہ چاہتا ہوں کہ "مکمل سرکاری خود نو صفائی" بن جائے [لیکن دعا نامہ جب خود "اقبالی مجرم" ہے تو اب "صفائی" کا سوال ہی کہاں باقی ہے؟ صدق]

آپ صدق کے صفحات پر لکھے جایئے اور میں ہر مجبوری کے ڈاکخانے کے وسیلہ سے اپنے معروضات پیش کرتا رہوں گا فقط [بہتر بہت بہتر۔ ہم آپ کے "سر دوستاں سلامت" رہنے کی تمنا شاعرانے [illegible]

صدق

تجدد کی انشا نے اردو میں زبان اور نئی صفتیں پیدا کر رکھی ہیں، اُن ہی سے ایک نئی صفت "گریز" بھی ہے اور قاضی صاحب اس میں وہ انشاء نہیں کہ اس فن میں امام وقت ہیں۔ سوال متعین طور پر یہ کیا گیا تھا کہ آپ نے جو ہندی لیڈروں سے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ انھوں نے آپ کو تربیت [illegible] جوابات، ویسے ہی سویرا کرم ان میں صرف ذرے مناق جو آپ کی [illegible] گئی کہ صرف سب سے زیادہ رہے ہیں یہ ارشاد ہو جائے کہ وہ حضرات کب اور کہاں کہاں یہ جوابات دیے ہیں۔ اس مطالبہ کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ شوکت علی نہ سہی، اُنکے زیر نگرانی جو اخبار نکلتا تھا اُس نے تو لکھا تھا! (حالانکہ شعر بیانات کی بارش اُن پر بہ حیثیت ایڈیٹر خلافت مطلق نہ تھی، بلکہ تمام تر پبلک لیڈر کی حیثیت میں تھی!) رہے ظفر علیخاں تو وہ بیچارے شمار و قطار میں! (گویا اُنکی اہمیت و غیر اہمیت بھی زیر بحث تھی!) ——

نئی صفت گریز کی اس سے زیادہ دلچسپ مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی! خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ اصل بحث شروع یہاں سے ہوئی تھی کہ آپ کے "لازوال سردار" کے آخر وہ کیا کارنامے ہیں، جن پر ملت اسلامیہ کسی درجہ میں بھی اسکی شکر گزار ہو سکتی ہے؟ کیا یہ کہ خلافت اسلامیہ، تیرہ سو سال کے بعد پوری طرح توڑ کر رکھ دی گئی؟ کیا یہ حکومت کا دین بجائے اسلام کے لادینی قرار پا گیا؟ کیا یہ کہ ساری قوم کے جسموں سے رسول کا اور صدیق کا اور فاروق کا لباس اتروا کر فرنگیوں اور فرنگنوں کا لباس بہ جبر پہنا دیا گیا؟ کیا یہ کہ فحش اور بدکاری کی اشاعت عام ہو گئی؟ کیا یہ کہ شراب خواری جرم نہ رہی؟ کیا یہ کہ تعدد ازدواج قانوناً ممنوع ہو گیا؟ کیا یہ کہ نماز کسی مسجد میں قرآن کی زبان میں نہیں پڑھی جا سکتی؟ کیا یہ کہ اذان عربی میں نہیں دی جا سکتی؟ کیا یہ کہ تقسیم جائداد اب شریعت کے مطابق نہیں ہو سکتی؟ کیا یہ کہ "لازوال سردار" نے اپنی منکوحہ صاحبزادی کے ساتھ [illegible] کرنا شروع کر دیا؟ کیا یہ کہ سارے عالم اسلامی کے لیے جو مشترک رسم الخط تھا اُسکا لکھنا جرم قرار پا گیا؟ کیا یہ کہ ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری دونوں سارے کے سارے قرآن کے بجائے جرمنی اور سوئزرلینڈ سے لے لیے گئے؟ ——

کیا فرنگیت کے اس نقال اعظم کو اگر ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ترجمان القرآن نے اسکے اجتہادِ فکری سے بکری کی بنا پر، اور "پیام" کی بے پناہ قوتِ طنز و تعریض سے بے نیاز ہو کر، تھرڈ کلاس آدمی لکھ دیا، تو بجز جرم حق گوئی کے اور کسی خطا کا ارتکاب کیا؟

"پیام" کا دلیر و بیباک اور انشاء پرداز ایڈیٹر اس قسم کے سوال تک پی گیا ——

گویا یہ بحث کبھی چھڑی ہی نہ تھی —— اور رجز یہ پڑھنا شروع کر دیا کہ مجھے نیاز فتحپوری نہ سمجھ رکھنا، میں دوسروں کی کہانی کے اسرار و خفایا سے واقفیت رکھتا ہوں، شوکت علی کی یوں خبر لے چکا ہوں، ظفر علیخاں کی ہستی ہی کیا ہے، وہی تو ایک ہندوستانی لیڈر [illegible] "حسرتی" کو ظفر علی خاں کا مخالف [illegible] نہ! دشمن مانگ خدا ——

مساوات قائم کر دی جائے۔

اقتصادی مساوات کی تحریک بھی غیر معلوم مدت سے دنیا میں جاری ہے لیکن ایک وقت یونانیوں میں اسکا بڑا زور ہوا تھا۔ دوسری دفعہ ایران کے مزدکیوں نے تقریباً ڈیڑھ سو برس تک پوری قوت سے اسکو جاری رکھا، مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ سارا ملک تباہی میں مبتلا ہو گیا۔

یہی تحریک کچھ اصلاح کے ساتھ اب سوشلزم کے نام سے تقریباً یورپ کے کل ممالک میں زور پکڑ رہی ہے اور یہی تحریک کچھ تبدیلی کے ساتھ بالشویزم کے نام سے روس کے نظام حکومت کی بنیاد بنی ہوئی ہے۔

میں نہایت اختصار کے ساتھ عرض کرونگا کہ مساوات حقیقی یا اقتصادی مساوات کی تحریک جس قسم کی بھی ہو، غیر فطری، غیر مستقل اور سخت مضر ہے۔ اسلام ایسی تحریکوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام نے جس قسم کی مساوات قائم کی ہے وہ اور چیز ہے، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

اقتصادی مساوات کو اصول قرار دینے کی سب تک دو صورتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ملک کے جمیع اموال قابل انتفاع میں اباحت مطلقہ ہو یعنی جس شخص کو جس چیز کی حاجت ہو اسے کوئی اس کو روک نہ سکے، جیسا کہ مزدکیوں کا اصول تھا۔ اس صورت کا تجربہ ہو چکا کہ اباحت مطلقہ کے ساتھ نظم ناممکن ہے اور نظم نہ ہو تو تباہی لازم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ملک کی کوئی قابل انتفاع چیز کسی کی ملک خاص نہ ہو، نہ مباح مطلق ہو، بلکہ سب چیزیں اہل ملک کا مشترک مال ہوں جیسا کہ سوشلزم اور بالشوزم کا مشترک اصول ہے۔ اس صورت میں نظم حکومت ممکن ہے، لیکن اسکا استقلال ناممکن ہے اس لیے کہ ملک کی پوری قوت اور ساری دولت عملاً حکومت اور فوج کے اقتدار میں ہو جائیگی۔ گو قانونی الفاظ میں کتنا ہی محدود کیا جائے، اور رعایا کی ساری قوت مسلوب ہو جائیگی۔ اتنی بھی نہ رہیگی جتنی سرمایہ داروں کے نظام جمہوریت میں رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کی باگ جب تک ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی جو انصاف پیشہ ہوں اور قانون کا اتباع کریں، نظم قائم رہیگا، لیکن اگر ارباب حکومت و فوج قانون توڑنا چاہیں تو رعایا مسلوب الاختیار ہوگی، اور حکومت کے غیر قانونی افعال کی مزاحمت اتنا بھی نہ کر سکیگی جتنا سرمایہ دار ملک کی رعایا کرتی ہے۔

سوشلزم اور بالشویزم کی تحریک کا نتیجہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوری طور پر غرباء اور مزدور پیشہ لوگوں کی حالت سنبھل جائیگی اور انکو بہت سے مصائب سے نجات حاصل ہو جائیگی اور یہی چیز ہے جس سے یہ تحریک آبادیوں کے کثیر حصہ کی کشش اور دلچسپی کا باعث بنی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ تحریک [illegible] کی سخت تباہی اور بربادی کا سبب بنیگی۔ ملک کی تمام مادی اور اقتصادی قوت کو ایک جگہ جمع کر دینا اور افراد ملک کو بالکل مفلوج بنا دینا سخت خطرناک طریقہ ہے۔ یہ کہنا کہ ملک کی جمع شدہ قوت و دولت قانوناً ملک کے افراد ہی کے قبضہ میں رہیگی بڑا سخت دھوکا ہے۔ روس کی تحریک ابھی ابتدائی منزل میں ہے اور ابھی تک انہیں لوگوں کے قبضہ میں ہے جو مخلص تھے اور اپنے اصول کی راہ میں ہر طرح کے ایثار و قربانی کے لیے تیار تھے۔ لیکن انکے ایثار و قربانی سے تحریک کے خطرناک پہلو کا سدباب نہیں ہو سکتا۔

مساوات قائم ہو جائے تو یہ چیز دنیا کے لیے مفید نہیں ہو سکتی، مضر ہوگی اور فطرت الٰہی کے خلاف ہوگی، دنیا کا تمام کام اختلاف مراتب کی وجہ سے چل رہا ہے۔ اقتصادی فرق ہی وہ چیز ہے جسکی وجہ سے انسان بہت سے مشکل اور خطرناک کام انجام دے سکتا ہے، اسی فرق کی وجہ سے انسان سخت دماغی اور جسمانی جد و جہد پر مجبور ہوتا ہے اور یہی جد و جہد اور مسابقت ہر قسم کی علمی و صنعتی ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔ فرق مراتب اور مالی امتیازات مٹا دیے جائیں تو عملی و علمی کاموں کی تکمیل بالکل ناممکن ہو جائیگی۔

اسلام نے حقیقی مساوات کی تعلیم نہیں دی ہے نہ اسکو قبول کیا اور جو لوگ [illegible] حضرت ابوذر کی روایت سے حضورؐ نے فرمایا [illegible] ہر مسلمان کے لیے لازمی [illegible] ہر حاجت مند [illegible] کا سامان قائم کر دیا۔ حتیٰ کہ حکم دیا [illegible] آدم سفر میں ہو تو اپنے میں سے ایک کو امام بنا لو۔ امیر اور عامی کے [illegible] تبادیے، افراد و اشخاص کی ملکیت کو جائز تسلیم کیا۔ جائداد منقولہ میں بھی اور غیر منقولہ میں بھی اور اسی بنا پر کسی پر زکوٰۃ فرض ہوئی، کسی پر نہیں، کسی کو زکوٰۃ لینے کی اجازت دی، کسی پر حرام کیا، کسی پر حج فرض کیا، کسی پر نہیں کیا۔ اسی کے جواز پر فرائض کا قانون لازمی قرار دیا۔ کسی شخص کا مال بغیر اجازت جبراً لینا ناجائز کیا۔ حلال مال کے حصول و طلب کی رغبت دلائی، تجارت، زراعت، ملازمت، صنعت و حرفت اور مال جمع کرنے کے لیے سارے حلال وسائل کی ترغیب دی۔

یہ ساری باتیں اس پر دال ہیں کہ اسلام نے انسان کے فرق مراتب کو جائز رکھا ہے اور اسکے ملحوظ رکھنے کی تاکید کی ہے۔ سرمایہ داری کو جائز رکھا ہے اور نظام اسلامی نظام نے بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے، باوجود اسکے سرمایہ داری کے مذموم اثرات کو روکنے کا ایسا کامل انتظام کیا ہے، جو نہ سوشلزم سے ہو سکتا ہے نہ کمیونزم سے۔ (باقی دیگر)

ایک نیک کوشش

یو۔پی کی مسلم لیگ کا یہ اقدام ہر مسلمان کی شکرگزاری کا مستحق ہے کہ اس نے اسلامی نظام حیات کی ترتیب کے لیے کمیٹی مقرر کر دی ہے جسکے ارکان میں ملک کے سربرآوردہ ترین علماء ہیں اور انکی امداد کے لیے جدید علوم کے ماہر بھی شامل کیے گئے ہیں تاکہ اسلامی نظام حیات کا ایک ایسا نقشہ تیار ہو جائے جو اسکی فلسفیانہ تشریح بھی کر سکے، وقت کے معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور بین الاقوامی ضروریات و تفصیلات پر بھی حاوی ہو، اور یہ بھی بتلا سکے کہ مسلمانوں کے موجودہ تمدنی حالات پر اسلامی نظام حیات کا اطلاق کس حد تک اور کس طرح ہو سکتا ہے۔

اس کمیٹی کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا ہے اور اس نے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ذمہ سیاست و حکومت اور معیشت و اقتصاد کے متعلق مغربی نظریات فراہم اور سوالات و مباحث قائم کر کے مولانا سید سلیمان ندوی کی خدمت میں روانہ کرنے کا اہم کام لگایا ہے۔ اس کمیٹی میں مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ابو الاعلیٰ [illegible] اور مولانا آزاد سبحانی وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء دین کے علاوہ

کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہندوؤں میں نام لکھائیں"۔

اشتہار کے مضمون کی لغویت و خرافیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ احرام حج کی نقل کرنے والے وارثیوں کے لباس کو ہندو سادھوؤں کا لباس بتا دیا ہے! اور گائے کے کباب ذوق و شوق سے کھانے والے وارثیوں کو گائے ماتا کی پرستش کرنے والا ٹھہرا دیا ہے! لیکن سوال خود وارثی فقراء سے ہے کہ آخر اغیار کو انھیں شامل کر لینے کے ارادہ کی بھی جرأت کیسے ہوئی؟ اسلام کے کسی کمزور سے کمزور بازو پر بھی کفر کو حملہ کا حوصلہ ہی کیسے پڑا؟ ذرا غور کریں، اپنے اندر خود تو کوئی ایسی کمزوری موجود نہیں؟ اور اگر خدانخواستہ انکے اندر کوئی ضعف ہے تو چاہیے کہ علماء جلد اس ننگ اسلام و ننگ تصوف طبقہ کے لیے "وارثی" کے بجائے "لاوارثی" ہونے کا اعلان کر دیا جائے!

قانون اسلام کی طرف

"منو بھگوان (جو ہندو دھرم شاستر کے مصنف تھے) نے ہندو عورتوں کے لیے جو ظلم و جبر جائز رکھا اور ہندو دھرم شاستر کے مطابق ہندوؤں نے اپنی عورتوں پر پچھلے ہزار سال میں جو ستم کیے، انکو اخلاق اور انصاف پسند حلقوں میں ننگ انسانیت قرار دیا جا سکتا ہے .... ہندوؤں میں عورتوں پر کیے جا رہے ہیں اس ظلم کا سب سے بڑا سبب ہندو قوم میں طلاق کا نہ ہونا ہے۔ اگر ہندوؤں میں طلاق قانوناً جائز قرار دی جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندو مذہب اپنی عورتوں کی موجودہ شوہر پرستی اور پاکیزگی سے ایک حد تک محروم ہو جائیگا۔ مگر طلاق کے رواج پانے کی صورت میں اس ظلم اور ستم کا بھی خاتمہ ہو جائیگا جو ہندو گھروں کے اندر معصوم اور بےگناہ عورتوں پر کیا جا رہا ہے اور جسکے باعث ہزارہا ہندو عورتیں اپنی جان دے رہی ہیں" (ریاست)

خدائی قانون حیات کو چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کرنے والوں کے پچھتانے اور رشک کرنے کی یہ کوئی نادر مثال نہیں۔ نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ، حج، جمعہ، تعدد ازدواج، حرمت خمر، حرمت سود، نقاب و حجاب، تقسیم وراثت، ختنہ، بڑے چھوٹے خدا معلوم کتنے اسلامی مسائل ایسے ہیں کہ انکی جانب آج غیروں کی حریصانہ نظریں بےاختیار پڑ رہی ہیں، اور انکی خوبیوں اور فضیلتوں کا اعتراف آئے دن اک نئے رنگ سے نئے ڈھنگ سے ہوتا رہتا ہے۔۔۔ طلاق بھی انھیں مسئلوں میں سے ہے، جن پر ابھی کل تک ہماری "روشن خیالی" شرما رہی تھی، اور ہمارا "روشن خیال" طبقہ طرح طرح کی تاویلوں سے اس کے جواز ہی پر پردہ ڈالے دیتا تھا۔

اسوۂ حسینی

ایک نام کے مسلمان نہیں، حقیقی اسلامی زندگی کے ترجمان "نیشنلسٹ" پرچہ کا اقتباس:۔

" داعیٔ اسلام کی سیرت شاہد ہے کہ اسلام اور غلامی کا کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ خلفائے راشدینؓ کے کارنامے گواہ ہیں کہ اسلام محکومی اور غلامی کے خلاف دنیا کی سب سے بڑی بغاوت ہے۔ اس ثبوت کی آخری کڑی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ہے۔ یزید کی حکومت کا نظام عدل و انصاف کے عناصر سے یکسر خالی تھا۔ اسکی حکومت میں عدل و امن کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اسکے باوجود یزید کی خواہش تھی کہ حضرت امام اسکے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اور انسان کی ظالمانہ حکومت کے سامنے سر جھکا دیں۔ لیکن حضرت امام نے شہادت منظور کی۔ اور آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ اسلام اور ظلم کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ خدا کی حکومت میں انسان کی حکومت قطعاً گوارا نہیں کی جا سکتی"۔

بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ لیکن نتیجہ جو راقم مضمون نے نکالنا چاہا ہے اور خود انھیں کے کرر غور کا محتاج ہے۔ معرکۂ کربلا "ملکی" اور "وطنی" لڑائی کسی دور کے معنی میں بھی نہ تھی۔ جنگ محض اصول کی تھی، ایک طرف سے مقصد ٹھیٹھ اسلامی حکومت کا قائم کرنا تھا، دوسری طرف حکومت نام کی مسلمان تھی، لیکن حقیقتہً اسلام و غیر اسلام کا مجموعہ۔ پس واقعۂ شہادت سے استشہاد اگر کیا جا سکتا ہے، تو صرف خالص اسلامی نظام حکومت کے مطالبہ کی حمایت میں، نہ کہ آجکل کی رسمی و اصطلاحی "سیاسی محکومی و غلامی" اور "وطنی آزادی" کے سلسلہ میں ـــــ دونوں تصورات کے درمیان جو آسمان و زمین کا فرق ہے، کم از کم اہل علم و نظر سے تو توقع ہے کہ اسے نظر انداز نہ ہونے دینگے۔

محمود پاشا مصری

" قاہرہ۔ ۱۴ر فروری۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مصر کے سابق وزیر اعظم محمد محمود پاشا ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۹۱۹ء میں آپ زغلول پاشا وغیرہ کے ہمراہ مالٹا میں جلا وطن کیے جا چکے تھے۔ جون ۱۹۲۹ء میں آپ شاہ فواد کے ہمراہ لندن گئے تھے اور برطانیہ سے مصر سے فوجیں ہٹانے کے بارے میں معاہدہ کیا تھا۔"

خبر میں ہندوستان والوں کی مزید دلچسپی کی چیز یہ ہے، کہ مرحوم ہمارے مولانا محمد علیؒ کے خاص دوستوں میں تھے آکسفرڈ میں ساتھ رہ چکے تھے اپنے یورپ کے کسی سفر (غالباً ۱۹۲۸ء والے سفر) میں مولانا جاتے وقت انکے مہمان بھی کچھ دن کے لیے رہے تھے۔ آکسفرڈ سے بلند ترین علمی اعزاز ڈی، سی، ال بھی پائے ہوئے تھے۔

تدوین نظام اسلامی

ایک ایم، اے حیدر آباد سے لکھتے ہیں:۔

" اخبارات میں یو، پی مسلم لیگ کی اسلامی پروگرام کمیٹی کی روداد پڑھی۔ اسلامی تعمیری پروگرام کی صورت میں جو خاکہ تیار ہو رہا ہے اسکا کچھ حال آپ کی زبان سے معلوم ہو تو مسرت اور وضاحت دونوں کے مطالبات پورے ہونگے۔ بحمد اللہ کہ کام کا پہلا قدم آگے بڑھنے کے لیے اٹھا۔ ان شاء اللہ العزیز اسکی رفتار اب تیز ہوگی۔

حیدر آباد میں بعض علماء ایسے ہیں جنکی نظر بہت وسیع ہے۔ ان سے اس کام کے سلسلہ میں مختلف منزلوں پر حسب ضرورت کام لیا جا سکتا ہے، مثلاً مولانا سید شاہ محمد صاحب شطاری (صدر مدرسہ نظامیہ) یا مولوی رحیم اللہ صاحب نائب مفتی صدارت العالیہ وغیرہ

معراج و اسرارِ معراج

نمبر (۲)

لوگ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ سے کچھ بھی مراد لیں لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح ہمارے کرۂ ارض کی مرکزی سجدہ گاہ کعبہ تھی اسکو جب بلندی عطا کی گئی ہے تو عالم شہادت و محسوس کے بالمقابل عالم غیب و نامحسوس معبود، یہ بڑی سی جگہ کا جو بعید ترین آخری نقطہ تھا۔ جسکی تعبیر قرآن ہی میں دوسری جگہ "ادنیٰ الاعلیٰ" سے کی گئی۔ اور بتایا گیا کہ "الافق الاعلیٰ" کے بعد پھر کائناتی و آفاقی موجودات سے نہیں بلکہ ہو سلسلہ کے ذات (رب) کا مقام شروع ہو جاتا ہے۔ اور شہادت و غیب کے ان ہی دونوں مرکزی نقطوں کے درمیان خدا کی بڑی اور چھوٹی نشانیاں یا آیات صغریٰ (عالم شہادت و محسوس) اور آیات کبریٰ (عوالم غیب) واقع ہیں۔ اور دونوں آپ کو ہر قسم کے عوالم کا سیر کرا دی گئی۔ اگرچہ سورۂ "اسریٰ" میں تو نہیں لیکن "النجم" میں آپ کے ان روحی مقامات کو بھی بیان کیا گیا ہے جہاں خلوتات سے آگے بڑھ کر "دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" تک آپ پہنچے۔ بہرحال اس سلسلہ میں گزرے ہوئے واقعات، آنے والے حادثات بھی اسکو ایک خاص نقش میں دکھائے گئے۔ اور اس عالم کے بچے قوانین فطرت سے غیر مرئی اور نادیدہ مثلاً استعارے ان کا بھی معائنہ کرا دیا گیا۔ ایسے عالم سے بھی گزرے جہاں اس دنیا کی چیزیں صفات کے رنگ میں نظر آتی ہیں۔ وہاں کسی شے کی ظاہری لیکن وجود کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ اسی بنیاد پر سمجھا جاتا ہے کہ انسانی فطرت جو ملکوتی اور حیوانی صفات کا مجموعہ ہے جب اپنے ملکوتی پہلو کو حیوانی پہلو پر غالب کرلیتی ہے تو غیب کے اس عالم میں جسکا اصطلاحی نام مثال ہے یہ صورت نظر آتی ہے کہ آدمی کسی جانور (چوپایہ) پر چڑھا ہوا ہے اور جبکہ حیوانی صفت غالب ہوتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ خود کوئی جانور اس پر سوار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے مثال تک براق کی سواری پر گئے۔ آگے براق چھوڑ دیا گیا اور معراج (سیڑھی) آئی۔ اس پر آپ نے دوسرے غیبی مقامات کی سیر کی اور گزرے ہوئے پیغمبروں سے ملاقات ہوئی۔ بعض آنے والے حوادث مثلاً دجال وغیرہ کو بھی آپ کو دکھایا گیا۔ جنت و دوزخ کی بھی آپ نے سیر کی۔ اسلام آپ کی خدمت میں دودھ کی شکل میں پیش ہوا۔ جسے آپ پی گئے۔ اور منسوخ مذاہب پانی کی شکل میں۔ اسی طرح شروع میں جو تحریکیں جوش و خروش سے اٹھتی ہیں اور آخر میں بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی ہیں شراب کی شکل میں پیش ہوئیں۔ آپ نے دونوں سے انکار کیا۔ آپ کے سامنے وہ درخت بھی آیا جسکا ذکر دوسرے مذاہب میں جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا تھا پایا جاتا ہے۔ یہ کہا گیا تھا۔ یہ فرماتے ہوئے کہ اس درخت سے جنت کی نہریں اور اسی سے فرات و نیل، سیحان جیحان کو بھی میں نے نکلتے دیکھا۔ ارباب تحقیق نے لکھا ہے کہ یہ اشارہ ہے کہ محسوس و نامحسوس عوالم کا رشتہ اتحاد جس اشتراکی وجود کے ساتھ قائم ہوا ہے یہ وہی شجرۂ الکون یا درخت ہستی ہے۔ اسی لیے نور حسن و برکاتِ ربانی جو "کل یوم ھو فی شان" کے سرچشمہ سے ہر لمحہ صادر ہو کر عالم میں

تقسیم ہو رہے ہیں انکو رنگا رنگ بوقلموں شکلوں میں اسی درخت پر چھائے ہوئے آپ نے پایا۔ مختلف پرندوں اور پتنگوں کی شکل میں وہ آپ کو نظر آرہی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام اسی حد تک آپ کا ساتھ دیا۔ آگے جب کائناتی اور آفاقی سلسلہ ختم ہو گیا تو جیسا کہ کہہ چکا ہوں صرف "وہ" اور اسکا بندہ رہ گیا تھا۔ بہرحال اس قسم کے واقعات چونکہ آپ کے ساتھ متعدد بار پیش آئے، اس لیے شیخ اکبر (ابن عربی) نے تو تیس اور امام شعرانی نے چونتیس تک تعداد بیان کی ہے۔ عموماً محدثین کی اکثریت کم از کم دو دفعہ کی قائل ہے۔ اس لیے کہ یہ واقعات مختلف شکلوں میں مختلف زمانوں میں پیش آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک تاریخ و وقت یا بیان کے اجزاء کا اختلاف۔ پھر یہ کہ خواب میں ہوا یا بیداری میں، یہ روحانی کیفیت تھی یا جسمانی، حالات کی اس نیرنگی کے سبب بے معنی اختلافات ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو سر چیز میں کامل اتحاد اور معراجی مشاہدات کے سلسلہ میں تمام پیغمبروں کا امام بنا کر آپ سے اسی مقام محمود کا اعتراف کیا گیا تھا) چونکہ اس راہ والوں کے آپ امام ہیں اس لیے معراج کے سلسلہ میں بھی آپ پر وہ ساری کیفیتیں گزریں جو اس راہ میں گزر سکتی ہیں۔ آپ کو وہ سب کچھ بھی دکھایا گیا جو دوسروں کو دکھایا گیا تھا۔ اور وہ بھی جس میں دوسروں کا حصہ نہ تھا۔ اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ روحانی اور منامی یعنی خواب والی یا صرف روحانی معراجیں تو دوسروں کو بھی ہو سکتی ہیں لیکن عالم محسوس سے نامحسوس عالموں کی طرف ایسی سیر جس میں دیکھنے والے کا وجود اسی عالم کا رنگ اختیار کرلے۔ گیہوں کی روٹی خون بن کر آنکھ میں آنکھ، جگر میں جگر، گوشت میں گوشت، ناخن میں ناخن بن جاتی ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے تو "تجسید ارواح اور تروح اجساد"[۱] کے نظریہ کا ان لوگوں کو انکار نہیں کرنا چاہیے جنھیں کسی ایسی راہ کے تجربات سے سابقہ نہیں پڑا ہے۔ ہستی کا یہ غیر محدود نظام اور "یک مختلف طبقات و عوالم کے مختلف آثار سے جو" واقف ہیں انکو ان لوگوں پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے جو اس راہ کے محرم اسرار ہیں۔ اکبر مرحوم نے سچ فرمایا ہے

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے عقل و عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

جسے ریڈیو کے قوانین کا تجربہ نہیں ہے اسکو جھٹلانا نہ چاہیے اگر کہا جائے کہ حیدرآباد والے لندن والوں سے بول سکتے ہیں۔ خیر یہ سب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزرا۔ اور مسلمان عموماً ان کی تفصیلات سے کم و بیش واقف ہیں لیکن جو ہر پہلو کے حساب سے ہمارے لیے نمونہ اور اسوہ ہیں۔ کاش اس پہلو کو بھی اپنی زندگی کی ان تلخیوں کے متعلق جنھیں عقلی تدبیریں ہٹا نہیں سکتیں ہم نمونہ بنائیں اور بجائے یاس و ناامیدی کے انگاروں پر لامحالہ لوٹ پوٹ رہنے کے، ان تلخیوں کو اپنی عبدیت و تسلیم و رضا کا ذریعہ بنا کر دنیا کی ہر پستی کو اپنی بلندی و عروج کا زینہ بناتے رہیں تو معراجی آیتیں قدرت کے جن قوانین کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کوئی وجہ نہیں کہ حضور کے غلام

---

[۱] روح کا جسد بننا یعنی اتنا پا کرنا اور جسد کا روح بننا" اسکی ... عربی ...

کو بھی اپنے اپنے ظرف و مقام کے مطابق انھیں مصائب و آلام سے جنھیں ہم بیہودہ ضائع کر رہے ہیں، ہم بھی انکی قیمت نہیں حاصل کر سکتے۔ لیکن سکے حکیم الشعراء (حضرت امجد) پر یہ حقیقت جو کھلی ہے کہ

لا رہی ہے جب سے لطفِ خاکساری
تنزل میں ترقی کر رہا ہوں۔

خدا کرے ہم سب پہ کھل جائے اور زندگی کے وہی حوادث اور نامرادیاں جو آج ہماری بربادی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں، اگر اسکے متعلق صبر اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کریں تو وہی مومن کی معراج کا وسیلہ بن سکتی ہیں۔ بہرحال

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

(بقیہ صفحہ ۳)

مولانا عبد القدیر صاحب صدیقی، مولانا محمود حسن ٹونکی صاحب، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، ان بزرگوں سے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ علاوہ ان کے نوجوانوں میں بعض ایسے ہیں جو ان امور سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جنھیں اسلامی زندگی میں کچھ بصیرت حاصل ہے، اور جذبۂ تبلیغ سے بیتاب ہیں۔ چنانچہ چند نام اور پتے لکھتا ہوں۔

چنانچہ آگے چار نام درج ہیں۔ ان میں سے دو تو اچھے خاصے جانے بوجھے ہوئے لوگ ہیں۔ اللہ انکی ہمتوں میں برکت عطا کرے۔ کام کا اصل تعلق مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے ہے۔ امید ہے کہ انکے دفتر کی یادداشت میں یہ سب نام ضرور ٹانک لیے جائیں گے۔

خوش فہم کی نافہمی

"لاہور یکم فروری۔ بسنت کی تقریب میں طلبہ کے ایک مشترکہ مجمع میں تقریر کرتے ہوئے سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب نے کہا کہ پاکستان، خالصستان وغیرہ ہندوستان کی تقسیم کی ساری تجویزیں لغو و بیمعنی ہیں۔ یاد رہے پنجاب پر کوئی دوسری حکومت نہیں قائم ہو سکتی بجز پنجابیوں کے۔" (ایسوسی ایٹڈ پریس)

سر موصوف کی خوش فہمی اب تک مشہور و مسلّم تھی۔ تقریر کی رپورٹ اگر صحیح ہے تو اسے اس شہرت کے ساتھ کیونکر مطابقت دی جائے؟ اس آئینی اور قانونی بحث کو چھوڑیے، کہ کوئی مسلم لیگی مسلم لیگ کی پیش کی ہوئی اسکیم کی مخالفت کر کیونکر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان قائم ہو یا نہ ہو، یہ مسئلہ کہاں سے چھڑ گیا، کہ پنجاب پر حکومت پنجابیوں کی ہو یا پردیسیوں کی؟ کیا کوئی فریق اس کا بھی مدعی ہے کہ پنجاب پر حکومت دکن کے مرہٹوں کی، مدراس کے مدراسیوں کی، کامروپ کے آسامیوں کی قائم ہو جائے؟ اور پھر پاکستان کے بعد پنجاب اپنی موجودہ ہیئت کے ساتھ باقی ہی کب رہتا ہے، جو سوال اس پر اڑیوں یا بنگالیوں کی حکومت کا پیدا ہو؟

گزارش

براہ کرم خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کیجیے۔ — منیجر

مراسلہ

ایک بزدل دہری

دسمبر گذشتہ کے "نگار" میں ایک صاحب نیاز فتحپوری سے دریافت کرتے ہیں:

"آپ کی طرف سے علماء یا کم از کم علمائے اسلام کو سب سے زیادہ شکایت یہ ہے کہ جب آپ مسلّمہ عقائد اسلام کے قائل نہیں ہیں تو آپ اپنے کو مسلمان کیوں کہتے ہیں؟ کیوں نہ آپ اس کا اعلان کر دیں کہ آپ مسلمان نہیں ہیں؟ اسکے بعد غالباً پھر کوئی شکایت باقی نہ رہیگی۔ سید سلیمان ندوی اور عبد الماجد دریابادی وغیرہ کی برہمی کا زیادہ تر سبب یہی ہے۔ کیا آپ "نگار" کے ذریعہ جواب دینے کی تکلیف گوارا فرمائینگے؟"

نیاز فتحپوری استفسار بالا کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"سید سلیمان اور انکے شرکاء نے پبلک کو میرے خلاف ابھارنے کے لیے جس قدر کذب و فریب سے کام لیا ہے اسکا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مجھ سے وہ باتیں منسوب کیں جو کبھی میری زبان سے نہ نکلیں۔ میں صاف صاف کہتا ہوں کہ رسول اللہؐ کو میں بہت بڑا انسان سمجھتا ہوں، انکے اخلاق کی بلندی کا قائل ہوں لیکن سید سلیمان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ میرے دل کی بات نہیں.....

حالانکہ میں خدا اور رسولؐ کا اتنا ہی احترام کرتا ہوں جتنا وہ۔ اُن کو یا کسی کو کیا حق ہے کہ وہ مجھے مسلمان نہ سمجھے؟ اور میں کیوں ترک اسلام کا اعلان کروں، جبکہ میں عقائد اسلام کو اُن سے بہتر سمجھتا ہوں" (نگار۔ دسمبر صفحہ ۶۹)

اوپر کے الفاظ میں نیاز صاحب نے خدا اور رسول کے احترام کا اعلان کیا ہے۔ اب آپ "نگار" کے اسی پرچے کے ایک عنوان "خدا کا ماضی، حال اور مستقبل" کی چند سطریں بھی ملاحظہ فرمائیے:-

"دوسری دنیا کا ذکر تو خدا کے اُن پرستاروں کے لیے چھوڑ دو، جنکے لیے وہاں محلات کھڑے کیے گئے ہیں.........

......ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا کا کوئی وجود ہے تو وہ بیحد ظالم ہے...

آج معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اپنے تئیں کو اور بھی چھپا رکھا ہے لیکن خدا کی عدم موجودگی میں بھی ہر چیز اپنی جگہ پر بدستور جاری و ساری ہے۔

کتاب تخلیق ہم کو بتاتی ہے کہ انسان کو خدا نے اپنے نمونہ پر بنایا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کو خود انسان کے جذبۂ خوف نے پیدا کیا۔

کیا خدا کا کوئی وجود ہے؟ بہت سے متمدن دماغ آج بھی اسکا جواب اثبات میں دینگے، لیکن جب سائنس کی ایجادیں ذہن انسانی کا گوشہ گوشہ اپنی روشنی سے منور کر دینگی اُس وقت

بھی کوئی دماغ اسکا جواب اثبات میں دیگا؟"

اوپر کے الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ دہریت اور الحاد کی کھلی تبلیغ ہے۔ جس سے خدا اور خدا پرستی کا بھی کھول کر مضحکہ اڑایا ہے۔ نیاز صاحب اسکا زیادہ سے زیادہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ "یہ اُنکے اپنے الفاظ نہیں، بلکہ کسی دوسرے مضمون نگار کے ہیں۔" مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ اپنے رسالہ میں اس قسم کے اسلام سوز مضامین شایع کر دیتے ہیں، تو وہ لازماً آپ ہی کے دل و دماغ اور اعتقاد و خیال کے آئینہ دار سمجھے جائینگے۔ پھر جب آپ قرآن کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کرتے، خدا کی ہستی کے قائل نہیں، اس حالت میں آپ احترام رسولؐ کا لاکھ ڈھنڈورا پیٹیں، نتیجہ وہی نکلیگا جو بقول آپ کے سید سلیمان ندوی نے نکالا ہے۔ یعنی احترام رسولؐ کا دعویٰ آپ کے دل کی بات نہیں۔

دہریت اتنی بُری نہیں، جتنی منافقت، مگر جب یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں، تو اسلام کے نزدیک یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ ایک منافق شخص کسی سوسائٹی یا مذہب کو جو نقصان پہونچا سکتا ہے، وہ کھلے مخالفوں سے ممکن نہیں۔ علمائے اسلام نے آپ سے یہی مطالبہ ۱۹۳۱ء میں کیا تھا، کہ آپ "مارآستین" نہ بنیں، بلکہ کھلے طور پر ترک اسلام کا اعلان کر دیں۔ مگر اس زمانہ میں آپ نے بڑی ہی بزدلی کے ساتھ یہ عہد کیا تھا:-

"آیندہ میری طرف سے ایسے مقالات کبھی شایع نہ ہونگے جن سے مذہبی شکایات کا سبب پیدا ہو۔ مجھے افسوس ہے اور ندامت ہے کہ ان مضامین سے مسلمانوں کو صدمہ پہونچا اور یہ یقین دلانے کے لیے میں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں اپنے معاصی سے جناب باری میں اظہار برأت و استغفار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین "

یہ توبہ منافقت کی توبہ تھی، مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کا ایک ڈھنگ تھا۔ دس برس گزرنے کے بعد اب نہ ہی نیاز ہے، نہ ہی "نگار" ہے، نہ ہی قرآن کی توہین اور وہی خدا کا انکار!

رسالہ "معارف" سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ شہریار دکن نے ایک برس کے لیے اپنی ریاست میں "نگار" کا داخلہ بند کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ دوسرے مسلمان والیان بھی اپنی اپنی حدود میں اس زہریلے پرچہ کا داخلہ ممنوع قرار دیدیں۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اس منافق اور بزدل دہری کے رسالہ کا مکمل بائیکاٹ کر دیں، ورنہ یہ مسلمانوں کا خون چوس چوس کر پرورش بھی پائیگا اور اُن پر نیش زنی بھی کریگا۔

محمد اقبال سلمانی - امرتسر

وطن پرستی

بمبئی کے ایک اجتماع میں ڈاکٹر رادھا کمد مکرجی نے "ہندوستان کے بنیادی مسائل" پر ایک تقریر کی ہے۔ تقریر کا سارا زور اس پر صرف کیا گیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا مقدس ملک ہے اور ہر شہر اور صوبہ کا رہنے والا ہندوستانی ہے۔

جہاں تک وطن پروری کا تعلق ہے مسلمان اپنے وطن ہندوستان سے پوری محبت رکھتے ہیں اور اسکی ترقی اور خوش حالی میں اپنی خوش حالی سمجھتے ہیں کہ وہ ناغ وطن کا فرض انجام دیں۔ اغیار کے تسلط کو کمزور کریں اور ملک کی ترقی و فارغ البالی کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیں۔

مسلمان بلاشبہ وطن پرور ہے "وطن پرست" نہیں ہے۔ وہ تو خدا کے سوا اولیاء اور پیغمبروں کی پرستش کو بھی کفر اور شرک سمجھتا ہے۔ وہ آفتاب و ماہتاب کو اپنا آقا سمجھتا ہے کہ ساری مخلوق اور تمام انسان صرف ایک اللہ کے غلام ہیں اور باقی ساری کائنات انسان کی خادم اور غلام ہے۔ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز انسان کے لیے بنائی گئی ہے، انسان کائنات کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ اور یہی وطن پرستی اور وطن پروری کا وہ بنیادی فرق ہے جہاں سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ اور جن سے اسلام کے تصور حیات اور ضابطۂ اخلاق کا کمال نظر آتا ہے۔

رادھا کمد مکرجی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہر صوبہ کا رہنے والا ہندوستانی ہے، پنجابی یا بنگالی نہیں ہے۔ پنجابی، بنگالی، مرہٹی، گجراتی، مدراسی سب ہندوستانی ہیں۔ اگر ہندوستان کو تقسیم کر دیا گیا تو یہ ہندوؤں کے مقدس عقیدے پر ایک زبردست حملہ ہوگا جسے کوئی ہندوستانی برداشت نہیں کر سکتا۔

مکرجی نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عام بات ہے جو عام طور پر بلا غور و فکر کہہ دی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک بنگالی ہندوستانی کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہندوستان اسکا وطن ہے۔ لیکن وطن سے مراد کیا ہے۔ کیا زاد بوم اور پیدایش کی جگہ؟ اگر ایسا ہے تو ہندوستان کا کوئی شخص چار گز زمین سے زیادہ کو اپنا وطن نہیں بنا سکتا کیونکہ اُسکی پیدایش زمین کے اتنے ہی حصہ پر ہوئی ہے۔ اگر وہ اسپر قناعت نہیں کرتا ۔۔۔۔ تو اب سوال کشادہ نظری اور بلند ہمتی کا رہ جاتا ہے۔ وہ جس طرح گھر سے محلہ، محلے سے شہر کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور شہر پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ پورے ہندوستان سے اپنا رشتہ قائم کرلیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ رفتار ہندوستان کے حدود پر جاکر رک جائے۔ وہ کیوں نہیں کہدیتا کہ ساری دنیا اُسکا وطن ہے اور تمام انسان اُسکے بھائی اور ہم وطن ہیں ۔۔۔۔۔ بس اسلام یہی کہتا ہے کہ ساری دنیا انسان کا وطن ہے اور سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جغرافیائی حدود انسان قائم کرتا ہے۔ اور جب اس تقسیم کی بنا پر خونریزی ہوتی ہے تو سر پکڑ کر روتا ہے! رادھا مکرجی نے نہایت صفائی کے ساتھ فرمایا ہے کہ "ہندوؤں میں مادرِ ہند ایک دیوی کی طرح پوجی جاتی ہے۔ تمام ہندوستان کی پوجا جغرافیائی حیثیت سے ہندو مذہب کا ایک لازمی جزو ہے جس ملک کو عام ہندو اپنا ہند سمجھ کر پوجتے ہوں اس میں مداخلت کا کسی کو بھی اختیار نہیں" - مگر ایک مسلمان ہندوستانی کہلاکر اور ہندوستان سے محبت کرتے ہوئے بھی اس مشرکانہ نظریہ کا قائل نہیں ہو سکتا۔ وہ زمین کو اپنا خادم سمجھتا ہے مخدوم نہیں سمجھتا۔ اور اسکے نزدیک ہندوستان اور ایران کی زمین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ زمین کا ہر حصہ خالق کردگار ہی کی [illegible] [illegible]

ہے! البتہ وہ ہندوستان کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھیگا، اور جارحانہ قوم پرستی قوم پرستی کے حملوں سے اسے بچائیگا۔ کیونکہ ایسی حالت میں وہ ہندوستان کو مظلوم سمجھیگا۔ اور مظلوم کی حمایت و امداد کرنا اُس کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہوگا! (زمزم، لاہور)

قرآن

حیات انسانی کا بہترین دستور العمل

جناب حسام الدین صاحب غوری صدر جمعیۃ مسلم نوجوانان سکندرآباد کی ایک تقریر

نمبر (۲)

دیکھ لیجیے کہ بحیثیت مجموعی دنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ پسماندہ قوم اگر کوئی ہے تو وہ مسلمانوں کی قوم ہے - مسلمانوں کی اکثریت افلاس اور تنگدستی اور معاشی افکار میں مبتلا ہے - انکی زندگیاں بے چینیوں اور بے قراریوں کے لیے وقف ہو چکی ہیں اور یہ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ مسلمان قرآن کے اوامر و نواہی سے غافل ہو چکے ہیں اور اللہ کا فرمان پورا ہو رہا ہے -

بہت ممکن ہے کہ یہاں آپ یہ سوال کریں کہ آخر دیگر اقوام احکام قرآنی پر کونسا عمل کر رہی ہیں جو وہ سرفراز و سربلند ہو چکی ہیں - حقیقت یہ ہے کہ نظام تمدن کے لیے قرآن ایک بہترین دستور العمل ہے - اس میں ارتقاء انسانی کے لیے تمام اصول واضح کر دیے گئے ہیں اور دونوں راہیں انسان کے لیے کھول دی گئی ہیں - جو صراط مستقیم پر چلیگا وہ ترقی حاصل کریگا اور جو اس سے گریز کریگا وہ یقیناً زوال و انحطاط کی پستیوں میں گرتا چلا جائیگا - مسلمان جس وقت تک قرآن پڑھتے اور اس سے ہدایت حاصل کرتے رہے انھوں نے محیر العقول ترقیاں کیں لیکن جب انھوں نے اسے بھلا دیا پستیوں میں جا گرے اور دوسری اقوام انھیں اصولوں کو اپنا کر عروج و ارتقا کی بلندیوں پر فائز ہیں -

قرآن اور سعی و کامیابی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف طور پر فرما دیا ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" - انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی وہ کوشش کریگا - گویا خدا کا یہ قانون ہے اور عام و اٹل قانون کہ جو جتنی محنت کریگا اتنا ہی پھل پائیگا - اس میں مذہب و ملت کی کوئی قید نہیں رب العلمین سب کا رب ہے - جو کرتا ہے وہ پاتا ہے - جو کریگا وہ پائیگا - اللہ کے اس اٹل قانون پر عمل کر کے اگر جماعت مشرکین راہ ترقی پر گامزن ہو گئی ہے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے - ترقی اور سعی و محنت کا صلہ پانے میں کفر و اسلام کی کوئی قید نہیں -

حصول کامیابی کے لیے تدبیر اور مادی اسباب سے کام لینے پر بھی کتاب اللہ میں بہت زور دیا گیا ہے اور نہ صرف زور دیا گیا ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم - اللہ کے اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہا کرو اور گھوڑوں وغیرہ کو آمادہ رکھو جو کچھ انتظامات تم کر سکتے ہو اور جو کچھ تم سے ہو سکتا ہے وہ سب کرو تاکہ دشمنوں پر تمہارا رعب طاری رہے اور وہ تم سے ڈرتے رہیں - جن دشمنوں کو تم جانتے ہو انکے سوا اور بھی دشمن ہیں جنکا تمہیں علم نہیں مگر اللہ جانتا ہے -

اس آیت میں "من قوۃ" سے مراد جتنی قوت تم فراہم کر دو، اور من استطعتم سے مراد جتنی تم میں استطاعت ہو مانگی ہے - رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول پر فرمایا تھا من قوۃ سے مراد تیر اندازی ہے جسکا شمار اس زمانہ کے بہترین سامان حرب میں ہوتا تھا اب زمانہ بدل چکا ہے اس عہد کے موثر اور کارگر ہتھیار اور اسلحہ - توپیں - ٹینک - بندوقیں گیس - ٹینک - ہوائی جہاز ہیں گویا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دے رہا ہے کہ تم دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں تیار رہو - مغرب والوں کو آج اسی لیے دنیا پر اقتدار حاصل ہے کہ وہ اس حکم قرآنی پر عمل کر رہے ہیں - دیکھیے ہندوستان میں بہ زمانہ امن بھی ہر وقت کئی لاکھ افواج مستعد رہتی ہیں کہ خدا جانے کس وقت کیا حالت درپیش ہو - جنگ عظیم کے بعد سے یہ قومیں اور زیادہ محتاط ہو گئی ہیں اور ہمیشہ اپنی قوت حربی میں اضافہ کرتی رہتی ہیں اور یہی انکی حکمرانی و سلطنت کا راز ہے -

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا بڑا سبب یہی ہے کہ انھوں نے تعلیمات قرآن کو بھلا دیا - آج مسلمان یہ کہتے ہیں "اگر ترقی مذہب ہی پر منحصر ہے تو پھر یہ مغربی اقوام کیوں ترقی کر رہی ہیں حالانکہ انھوں نے بہت پہلے مذہب کو ترک کر دیا ہے" اب انھیں کون سمجھائے کہ قرآن کریم محض مذہب اسلام کی ایک روحانی کتاب نہیں بلکہ اس میں روحانی و مادی ترقیوں کے لیے بہترین تدابیر بتلائی گئی ہیں - غور کیجیے تو واضح ہوگا کہ غیروں نے اپنے مذہب کو ضرور بڑی حد تک ترک کر دیا ہے لیکن اکثر تعلیمات قرآنی کو اپنا لیا ہے اور قریب قریب تمام ضروری و اہم احکام پر کاربند ہیں - اسکے برخلاف مسلمان خواب غفلت میں پڑے ہیں - یہی نہیں کہ انھوں نے مذہب کے روحانی احکام و اوامر سے لاپرواہی برتی بلکہ اسکے ضروری و اہم مادی احکام کو بھی فراموش کر دیا -

قرآن کریم اور عمل

کلام مجید کا از اول تا آخر مطالعہ کیجیے ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ یہی پائیں گے کہ ایمان کے ساتھ عمل ضروری قرار دیا گیا ہے - اور اس امر کو بخوبی واضح کر دیا گیا ہے کہ سربلندیاں و سرفرازیاں انھیں کے لیے ہیں جو ایمان بھی لاتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں تاریخ اسلام گواہ ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز عمل تھا اور آج بھی ہم عمل ہی سے فائز المرام ہو سکتے ہیں -

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر "قسم زمانہ کی انسان یقیناً نقصان میں رہیگا سوا اسکے جو اللہ پر ایمان لائیگا - نیک و شریفانہ عمل اور آپس میں نیکی و صبر کی تلقین کریگا" یہ کوئی اور نہیں پروردگار عالم فرماتا ہے اور زمانہ کی قسم کھا کر فرما رہا ہے کہ کوئی اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک اور شریفانہ عمل نہ کرے اور نہ صرف عمل کرے بلکہ اسکی تلقین بھی کرتا رہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے - من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون - الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرہ - " اللہ پر ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کی دنیا و آخرت نہایت خوشگوار ہوگی دونوں زندگیاں لطف و مسرت میں گزرینگی اور انھیں کوئی رنج و غم ہوگا نہ خوف و ہراس وہ نہایت آرام و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرینگے "

اور اللہ کا احسان ہے کہ اس نے عمل کرنے کے لیے کوئی قید نہیں لگائی بلکہ صاف طور پر فرما دیا وان تکن مثقال حبۃ من خردل آتینا بھا وکفیٰ بنا حاسبین

"اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اُسکا بھی معاوضہ دینگے کہ ہم پورا پورا حساب کرنے اور جزا دینے والے ہیں"۔ اسی لیے فرمایا کہ کہیں انسان اس خیال سے کہ عمل کرنے سے کیا حاصل ہوگا عمل سے گریز نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی ہدایت کردی ہے کہ ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساہم انفسہم اولٰئک ہم الفاسقون "تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ اور چونکہ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا اس لیے وہ خود کو بھی بھول گئے ایسے ہی لوگ فاسق و گنہگار ہیں۔"

غرض تعلیمات قرآن سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے ضروری و اہم چیز نیک اور شریفانہ عمل ہے اور اسے تمام فرائض نماز روزہ زکوٰۃ سے بھی مقدم رکھا ہے۔ آجکل عام طور پر مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ جنت و مغفرت حاصل کرنے کے لیے نماز روزہ کافی ہے اور جو شخص اسکا پابند ہے اُسے پھر کسی اور عمل کی ضرورت نہیں۔ اسی غلط فہمی اور قرآنی تعلیمات سے لاعلمی نے اکثر مسلمانوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ آج اکثر نمازیوں اور پابند مذہب و مقدس بزرگوں کے طرز عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز انکے قلوب میں انکساری اور نرمی پیدا کرنے کی بجائے انھیں متکبر و مغرور بنا دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ فرماتے تھے کہ کسی کے نماز روزہ سے دھوکا نہ کھاؤ پہلے اس کے معاملات و اطوار سچائی و صداقت کو دیکھو۔ حضرت عبداللہ سہل تستریؒ نے بھی فرمایا تھا تمام رات نماز پڑھنے سے دن بھر اخلاق فسق و فجور سے بچا رہنا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت داؤد طائیؒ کا قول ہے تو عبادت سے زیادہ فائدہ انسان کو خلق خدا کی خدمت سے پہونچتا ہے۔ کیا شمر ابن زیاد، حصین بن نمیر، نیز قاتلین عثمانؓ، تمام قاتلین حسینؓ تمام خوارج نماز روزہ کے پورے پابند نہ تھے۔ ایسے لوگوں کا شمار اللہ کے نیک بندوں میں کیا جا سکتا ہے۔ اگر اسکا جواب نفی میں ہے تو یقیناً ایک بد اخلاق و متکبر نمازی سے وہ شخص بہت بہتر ہے جو خوش اخلاق ہے نیک اطوار و شریف النفس ہے اور اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کو فوز مرام اور فوز عظیم بتاتا ہے اور عمل ہی ہے جو سب زیادہ مسلمانوں کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت خلافت کا مستحق بناتا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نماز کے ساتھ عمل کی اہمیت کو نظر انداز نہ کریں۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنہم فی الارض۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وعدہ کر چکا ہے کہ وہ انھیں ارضی خلافت و سلطنت کے منصب جلیل سے بھی سرفراز کریگا۔

اب اس سے زیادہ کیا چاہیے کہ پروردگار عالم ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو شاہی و فرمانروائی کا مستحق ہی نہیں قرار دے رہا ہے بلکہ وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ انھیں دنیوی سلطنت بھی عطا کریگا۔ اور تاریخ اسلام کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور بہت جلد پورا ہوا۔ وہی عرب جنکا شمار دنیا کے پست ترین انسانوں میں ہوتا تھا اور جنکی ترقی سے ساری دنیا مایوس ہو چکی تھی اور جنکو اپنی جانیں بچانا مشکل تھا، تھوڑی ہی مدت میں نہ صرف تخت و تاج کے مالک ہوئے بلکہ قیصر و کسریٰ کی پُرشکوہ اور باجبروت فرمانروائیوں کے وارث بن بیٹھے۔ کسکو توقع ہو سکتی تھی کہ عرب اور بالخصوص حجاز کے باشندے کبھی سلطنت و فرمانروائی کے بھی قابل ہونگے۔ حجاز وہ خطہ ارض تھا جہاں ابتدائے آفرینش سے لیکر وقت نزول قرآن تک کبھی کوئی سلطنت و فرمانروائی قائم نہیں ہوئی تھی۔ سب بے آب و گیاہ ملک سمجھا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس ملک میں صدیوں سے سیاست نے جنم نہ لیا ہو جہاں کے باشندوں کو سلطنتی امور سے سابقہ نہ پڑا ہو، وہاں اُن میں فرمانروائی و امارت کی قابلیت بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے دنیا اہل عرب سے سلطنت کا دعویٰ سنکر حیران تھی۔ جب عربوں اور حجازیوں کے لیے یہ چیز بالکل غیر ممکن معلوم ہوتی تھی تو پھر دوسرے ایمان لانے والے کس شمار و قطار میں ہونگے کہ جنکے پاس کھانے کو کھانا تھا اور نہ پہننے کو کپڑا، جنکی کوئی تہذیب تھی نہ تمدن، روایات تھیں نہ اہمیت، خاندان تھے نہ تمول، مال تھا نہ ساز و سامان، نہ قیام سلطنت کا بظاہر کوئی امکان۔ پھر بھی اللہ کا وعدہ پورا ہوکر رہا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ابھی اس آیت کے نزول کو جو تھائی صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ دنیا کی بڑی بڑی شہنشاہیں انکے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ اور یہ سلسلہ اسوقت تک رہا جب تک مسلمان قرآنی احکام پر عمل پیرا رہے اور ایمان و عمل کی درخشانیوں کا ظاہر کرتے رہے اُس وقت تک وہ "وانتم الاعلون" کے مصداق بنے رہے۔

یہ وعدہ قرآن میں اس وقت بھی موجود ہے لیکن اسکی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہر قرآنی احکام پر عمل پیرا ہو جائیں۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ آجکل ہم قرآن عمل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اسلیے پڑھتے ہیں کہ اسکی بے معنی تلاوت کرلی جائے، مریضوں کو پڑھ کر دوا دی جائے اور برکت کے لیے گھر کے بلند طاقچہ پر رکھدیا جائے۔ آپ خود غور فرمائیے کہ جب صورت حال یہ ہو تو مقدر کے ستارے اور نصیب کی شکایات کیا زیب دیتی ہیں۔

قرآن کی تلاوت کا موجودہ مقصد

آجکل مسلمانوں نے قرآن کو محض ایک متبرک چیز سمجھ لیا ہے کوئی بھی اسے سمجھ کر عمل کرنے کی نیت سے نہیں پڑھتا۔ بڑے بڑے مقدس اور پابند صوم و صلوٰۃ افراد قرآن کی تلاوت محض حصول برکت کے لیے کرتے ہیں۔ آپ اپنے دل کی گہرائیوں کا جائزہ لے کر فرمائیے آپ یا آپ کے احباب جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں یا کسی کو تلاوت کی ترغیب دیتے ہیں تو اسکا مقصد اصلی کیا ہوتا ہے؟ یہی ہوتا ہے کہ ثواب حاصل ہوگا، برکت ملیگی، اللہ خوش ہوگا اور بس۔ اسی عام خیال اور عقیدہ کی وجہ سے یہ احساس تقریباً مٹ چکا ہے کہ قرآن محض پڑھنے ہی کے لیے نہیں بلکہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے نازل ہوا تھا۔ اسکی تلاوت اور بار بار تلاوت کا جو حکم ہے اُسکا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمان احکام قرآنی سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ اور اس پر اجر و ثواب بھی اسی لیے مقرر کیا گیا کہ لوگ سمجھ کے ساتھ پڑھا جائے اور اسکے احکام پر عمل کیا جائے۔ دراصل تلاوت و ثواب ترغیب تھی اور مقصد عمل تھا۔ آج ترغیب لے لی گئی اور مقصد کی طرف سے آنکھیں بند کر لی گئیں۔ (باقی آئندہ)

تصحیح

صـ۶ ک ۲ کے نصف اول میں جہاں جہاں "صنعت" یا "صنعتیں" چھپا ہے وہاں "صنعت" اور "صنعتیں" بنا لیا جائے۔

نمبر ۱۴ | دوشنبہ ۴ - صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۳ - مارچ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

"تعلیم کا بول بالا" "جہالت کا منہ کالا"! نعرے لگاتے ہوئے اسکول سے لڑکے نکلے۔ غول کے غول، آگے پیچھے ماسٹر ساتھ ساتھ۔ ۱۶ فروری۔ آج لٹریسی ڈے ہے۔ "یوم خواندگی" ہے۔ جہالت کی تاریکی دور کی جائیگی، علم کی روشنی پھیلائی جائیگی، ملک کے بچہ بچہ کو حرف شناس بنا دیا جائیگا۔ جلسے ہو رہے ہیں، جلوس نکل رہے ہیں، ریڈیو پر تقریریں ہو رہی ہیں۔ دیہاتی اور شہری سب شریک۔ گورنمنٹ اور کانگریس ایک دوسرے کی حریف نہیں حلیف۔ —— لڑکوں کا جلوس آگے بڑھا۔ نعرے بدل گئے۔ اب "تعلیم" نہیں، بلکہ "انقلاب" زندہ باد! برطانیہ برباد! امپیریلزم مردہ باد! —— ماسٹر قریب آگئے۔ ہلکی سی ڈانٹ، بلکہ نعرے پھر بدل گئے، اور وہی "تعلیم کا بول بالا" "جہالت کا منہ کالا"! —— کیا خوب ہے یہ تعلیم اور اسکی روشنی! کیا خوب ہے یہ علم اور اسکے عالم باعمل! یہی علم سوتوں کو جگا دیگا، دلوں کو گرما دیگا، دماغوں کو روشن کردیگا، ملک کو آزاد کرا دیگا!

سامنے عظیم الشان اور لق ودق عمارت آپ دیکھ رہے ہیں؟ اور پھر اسکے اردگرد ایک سلسلہ شاندار پُرتکلف عمارتوں کا، فرلانگوں تک پھیلا ہوا، میلوں کا رقبہ گھیرے ہوئے۔ یہ کیا ہے؟ کس امیر کبیر کی کوٹھیاں ہیں؟ کسی بڑے راجہ، مہاراجہ، رئیس، نواب کے محلوں کا سلسلہ ہے؟ جی نہیں۔ یہ یونیورسٹی ہے، اور اسکے ملحقات۔ کتبخانہ، تجربہ گاہیں، اقامت خانے، وغیرہا —— ہر عمارت کے اندر لاکھوں کا سامان، آلات، کتابیں، فرنیچر وغیرہا —— فیسوں پر فیسیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ مصارف تعلیم گراں سے گراں تر ہوتے جا رہے ہیں۔ کتابوں کی قیمتیں مستزاد۔ سائیکل رکھنا تو گویا طالبعلم کے لوازم میں داخل۔ —— یہ تعلیم کا "فیض عام" ہو رہا ہے۔ یہ مفلس قوم کے افلاس کو دور کرنے کا نسخہ بتایا جا رہا ہے! ان شاندار عمارتوں کے اندر تعلیم دی جا رہی ہے، قوم کے نونہالوں کو اعلیٰ اخلاق کی، سادگی کی، کفایت کی! سرمایہ داری سے نفرت کی، دولت سے عداوت کی، اسراف کی مذمت کی!

موٹر پر موٹر آ رہے ہیں، یونیورسٹی کے سائبان میں رک رہے ہیں۔ اُترتے ہیں اُن سے یونیورسٹی کے اساتذہ۔ یہ صاحب تاریخ کے پروفیسر ہیں، اور وہ معاشیات کے ماہر۔ فلاں فلسفہ کے پروفیسر ہیں، اور فلاں ادب کے لکچرر۔ یہ ابھی کل پانسو ماہوار پا رہے ہیں، اور وہ سات سَو ماہوار کے گریڈ میں ہیں۔ انکی ترقی ابھی بارہ سو تک ہوئی ہے، اور انکا مشاہرہ اس وقت ڈیڑھ ہزار ہے۔ [illegible] کے گراں قدر معاوضے اپنی یونیورسٹی سے اور (من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کے اصول پر) دوسری یونیورسٹیوں سے اسکے علاوہ! لندن کے ڈی، اس، سی، پیرس کے ڈی لٹ، جرمنی کے پی، ایچ، ڈی کی تنخواہیں آخر اس سے کم ہو بھی کیا سکتی ہیں؟ انکی تعلیم میں جو ۵۰ - ۵۰ ہزار اٹھے ہیں، آخر انکے نکلنے کا بھی تو کوئی حساب ہونا چاہیے! —— خود یہ "ڈگری دار" بھی محض اس لیے ڈگریدار ہیں کہ انکے والدین انکی تعلیم اور ولایتی تعلیم پر بے دھڑک دولت خرچ کرسکے! ——

یہ لوگ ہیں آپ کے لڑکوں اور (اب تو) لڑکیوں کی سیرت سازی پر! یہ فرنگی دل اور فرنگی دماغ رکھنے والے، اونچی اور شاندار کوٹھیوں میں رہنے والے، اپنے گریڈ کی ترقی کےلیے، اپنی ملازمت کی توسیع کےلیے اپنے دوستوں رفیقوں سے لڑ جھگڑنے والے، اور لکچر روم میں کام دن بھر میں دو دو تین تین گھنٹوں کے لیے کرنے والے، ماہرین علوم و اُستادانِ فنون تعلیم دے رہے ہیں آپ کے بچوں کو امانت کی، دیانت کی، صداقت کی، ایثار کی، اخلاص کی، بے ریائی کی، حب وطن کی، قومی ہمدردی کی، قناعت کی، دولت سے بے رغبتی کی، سرمایہ داری کو توڑنے کی، مساوات عام کی!

دشمن کا افسوں

"امیر فیصل کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے نئے پیرووں کے ہاتھ میں قرآن دے کر ان سے حلف لیتا کہ جب تک آپ رُکے رہیں گے ہم بھی رُکے رہیں گے، جب آپ بڑھینگے ہم بھی بڑھینگے۔ آج سے کسی ترک کی اطاعت نہ کرینگے۔ ہر عربی بولنے والے سے، خواہ وہ بغدادی ہو یا حلبی یا شامی یا خالص عرب، دوستی رکھینگے اور آزادی کو جان، مال، خاندان سب پر مقدم رکھینگے" (لارنس کی بغاوت صحرا Revolt in the Desert صفحہ)

یہ وقت وہ تھا جب پچھلی جنگ کے موقع پر ۱۹۱۶ء میں ناخن گوشت سے جدا کیا جا رہا تھا، جب عربوں پر "آزادی" اور "قومی آزادی" کا افسوں نیا نیا پڑھ کر پھونکا گیا تھا، اور "عربی قومیت" کی تشکیل "ترک قومیت" کی ضد میں اور اسکے جواب پر شروع ہوئی تھی! ——— افسوں گر کا افسوں کامیاب ہوا، اسلامی "اخوت" کے بجائے رشتوں کی تعمیر قومی، وطنی، لسانی بنیادوں پر شروع ہونے لگی، "عرب" "آزاد" ہو گیا، ترکوں کی ترکی تمام ہو کر رہی، "شریف حسین اور شریف زادوں" کا دور دورہ قائم ہو گیا، اور وحدت امت پارہ پارہ ہو کر ایک خواب پریشاں کی تعبیر ہو کر رہ گئی!

ایک خوش آیند خبر

"حیدرآباد سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ آیندہ سے عیدین اور دوسرے متبرک اسلامی ایام کے متعلق حیدرآباد تمام ہندوستان کو مطلع کیا کریگا۔ چاند کے دیکھنے میں جو موانع حائل ہیں اسکی وجہ سے اکثر عیدین میں دونوں کا اختلاف پڑ جاتا تھا اور تمام ہندوستان میں ایک ہی دن عید منانا کوئی یقینی چیز نہیں تھی۔ اس دشواری کے مدنظر یہ انتظام کیا جا رہا ہے کہ حیدرآباد جو سب سے بڑی مسلم مملکت ہے چاند کے متعلق صحیح خبریں حاصل کرنے کے لیے تمام ہندوستان کے مرکزی مقامات سے بذریعہ ایکسپرس ٹیلیگرام اور ٹرنک ٹیلیفون وصول ہوا کریں، اور صحیح تاریخ عید کا اعلان بذریعہ محکمہ لاسلکی حیدرآباد بروقت کیا جائیگا۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ تحریک آنریبل مسٹر سید عبد العزیز صدر المہام امور مذہبی و عدالت نے پیش کی ہے اور وہ اسکو عملی صورت میں لانے کے لیے کوشش کر رہے ہیں"

خبر یقیناً بڑی مبارک اور خوش آیند ہے۔ اور اگر احکام رویت ہلال کے تمام شرعی اور فقہی پہلوؤں پر غور کر کے ملک کے معتبر علماء و فقہاء قبول کرلیں، تو اس سے بہتر انتظام اور کیا ممکن ہے! اور اس تحقیق کے لیے مملکت آصفیہ کا محکمۂ امور مذہبی خود ہی ماشاء اللہ کیا کم ہے۔ مسئلہ اگر طے پا گیا، تو حیدرآباد کو اب بھی سارے اسلامی ہند کے ساتھ جو رشتۂ مرکزیت و مرجعیت حاصل ہے، وہ بدرجہا زائد اور محکم و پائیدار ہو جائیگا۔

صحافت کی عجیب ذمہ داری

ایسوشی ایٹڈ پریس کی اطلاع، ہندوستان ٹائمس اور اکثر انگریزی روزناموں میں درج شدہ:—

"علیگڈھ۔ معلوم ہوا ہے کہ مسٹر مسعود حسین نجم نے جو مسلم یونیورسٹی کے طالب علم ہیں، مہاتما گاندھی سے ستیہ گرہ کرنے کی اجازت حاصل کرلی ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ میں کانگریس کی تائید کا جذبہ بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ حلقۂ علیگڈھ میں طلبہ کے ایک طلبہ نے کانگریس کے پروگرام کی تائید کی"

خبر کی تردید، ڈائرکٹر اطلاعات مسلم یونیورسٹی کی طرف سے:—

"اس نام کا کوئی طالب علم ہی مسلم یونیورسٹی میں نہیں۔ طلبہ نے کوئی جلسہ اس قسم کا نہیں کیا۔ نہ طلبہ میں ستیہ گرہ کی تحریک میں حصہ لینے کا کوئی رجحان مطلق موجود ہے"

صحت اور غلطی سے قطع نظر، اصلی لطیفہ یہ ہے کہ تکذیب اور تردید شایع کہاں ہوئی ہے۔ یقیناً نہ ہندوستان ٹائمس میں اور نہ اور انگریزی روزناموں میں! اس لیے کہ ایسوشی ایٹڈ پریس کے صدر دفتر دہلی نے اس تردید کی اشاعت سے انکار کردیا، اور مجبوراً یونیورسٹی کے محکمۂ اطلاعات کو بعض اردو اخبارات کی نوازش پر قناعت کرنا پڑی! ——— ذرا اپنے ذہن میں ایک لمحہ کے لیے یہ فرض کر کے تو دیکھیے، کہ غلط خبر کو مشتہر کرنے والی نیوز ایجنسی مسلمانوں کی ہوتی اور یونیورسٹی بجائے علیگڈھ کے بنارس کی ہوتی!

اُردو انسائیکلو پیڈیا

اورینٹ پریس کی ایک اطلاع حیدرآباد سے حسب ذیل شایع ہوئی ہے:—

"اردو کے مطالعہ کے دوران میں ہر وقت، حوالوں اور ضروری اور اہم معلومات کے لیے ایک اردو انسائیکلو پیڈیا کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اسی مقصد کے تحت ادارۂ ادبیات اردو نے اسکا بیڑا اٹھایا ہے اور اسکے ابتدائی مراحل طے کرلیے ہیں اور ترتیب کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس کام کے لیے ادارہ کی مجلس انتظامی نے حسب ذیل اصحاب کا مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا ہے،

صدر۔ ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور

معتمد۔ مسٹر محمد فیض محمد بی، اے

اراکین۔ پروفیسر فضل حق ایم، اے، ڈاکٹر رحمت اللہ خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پروفیسر عبد المجید صدیقی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ پروفیسر عبد القادر سروری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ مسٹر سید محمد ایم اے۔ (عثمانیہ)"

یقیناً اردو کے ہر ہوا خواہ کے لیے خوش آیند ہے۔ لیکن اگر مجوزہ انسائیکلو پیڈیا کو اردو کے شایان شان رکھنا ہے، تو یقین ہے کہ کارکنوں نے کام کی اہمیت و وسعت کا بھی پورا اندازہ کرلیا ہوگا۔ جن حضرات کے نام اوپر شایع ہوئے، بعض ان میں سے یقیناً اردو کے پرانے خادم اور آزمائے ہوئے کارکن ہیں، مستعد اور مخلص بھی ہیں۔ لیکن کام شاید انکی ہمتوں سے بھی کچھ بڑا ہی ثابت ہو۔ وقت، سرمایہ، محنت سب کی بہت بڑی مقدار یہاں درکار ہوگی ——— حیدرآباد نے اس میں شبہ نہیں کہ اردو کے سلسلہ میں چند سال کی قلیل مدت میں وہ کارنمایاں

...بکھا یا جیسا دہلی اور لکھنؤ اور لاہور سے مدتوں سے نہیں بن پڑ رہا تھا، اور کہیں یہ خدمت بھی فی الواقع اگر اسی کے ہاتھوں انجام پا گئی، تو یہ تو اسکا تاریخ ادب اردو میں ایک ناقابل فراموش کارنامہ قرار پائیگا!

ستاروں کی نحوست

"سب سے آخر میں یہ بتلانا غیر ضروری نہ ہوگا کہ عام طور پر مدار ستاروں کی نحوست جو توہمات اور اوہام پھیلے ہوئے ہیں وہ سب کی سب بے بنیاد ہیں۔ دیگر اجرام فلکی کی طرح دمدار ستارے انسان کی روزی یا قسمت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوتے"۔

یہ ولسن کالج بمبئی کے پروفیسر ڈاکٹر ٹیلر نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ "ٹائمس آف انڈیا" کے خاتمہ پر لکھا ہے جو عنوان "دمدار ستاروں پر تھا" —— ڈاکٹر صاحب نے کسی علمی تحقیقات کے بعد، بہت کچھ معلوم علوم سیکھنے سکھانے کے بعد جس نتیجہ پر پہونچے ہیں، کیا یہ وہی نہیں جسکی تعلیم ساڑھے تیرہ سو سال قبل عرب کا ایک امی "بحیثیت" نجومیات فلکیات کے رسمی و اصطلاحی علوم سے ناواقف محض، اپنے پیروؤں کو دے گیا ہے؟ اور کیا ایک عامی سے عامی مسلمان کو بھی یہ علم نہیں پہونچ چکا ہے کہ ستارے دمدار ہوں یا بے دُم، انکی نحوست کا اعتقاد تمامتر جہل و خرافت ہے؟ گو ایسا جہل و خرافت جس میں مشرک قوموں کے بڑے بڑے عالم و فاضل آج تک مبتلا چلے آرہے ہیں!

"صنف لطیف" کا ادب لطیف

پیام اپنے اڈیٹوریل کالم میں نسوانی "ادب لطیف" کا ایک نمونہ پیش کرنے اور اس پر تبصرہ کرنے کے بعد:

"یہ "آہ اے دوست"! قسم کا ادب لطیف جب تک ہمارے گھروں کی چار دیواری سے باہر کارفرما تھا، تب ہی کیا کم تھا، مگر اب ... تو وہ خواتین کے قلم کی نقاشیوں میں بھی نظر آنے لگا ہے۔ آہ اے دوست!"

لیکن گزارش یہ ہے کہ ادب لطیف کی اس صنعت کو 'گھروں کی چار دیواری' کے اندر، "صنف لطیف" کے اندر لایا کون؟ "کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہ" کی تفسیر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟ —— اور اُف یہ ظالم مرد! تجدد، مساوات اور روشن خیالیوں کے اتنے دعوے کے باوجود بھی عورت کو اسکے حق سے محروم کر رہا ہے جو "صنف کرخت" کو مدتوں سے حاصل ہے!

سیاست و وطنیت

ڈاکٹر یوسف حسین خاں، ڈی، لٹ (پیرس) استاد تاریخ و سیاسیات جامعہ عثمانیہ، اڈیٹر رسالہ "سیاست" (سہ ماہی) کے قلم سے:—

"جدید خلافت کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے نظام فکر کو وطنیت کے فلسفۂ اجتماعی پر مبنی قرار دیتی ہے۔ وطنیت ہی اسکا دین ہے اور یہی اسکا ایمان۔ اپنے اعمال کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے وہ وطنیت کے جذبہ کا سہارا ڈھونڈتی ہے۔ جب مذہب کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، تو ضرور تھا کہ کوئی دوسرا مسلک یا زندگی کا نقطۂ نظر اس کی جگہ لیتا۔ وطنیت کے تصور نے بڑی حد تک اس روحانی اور معنوی خلا کو اہل مغرب کی زندگی میں پُر کیا، جو ترک مذہب سے پیدا ہو گیا تھا...... وطنیت کے تصور کا اظہار سیاست کے ذریعہ اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہوا اور انقلاب فرانس نے اس تصور کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ بعد میں وطنیت کا اظہار مخصوص تہذیبوں کی ادبی، تاریخی اور لسانی خصوصیات کے ذریعہ سے کیا گیا.... بالآخر قومیت کی قبا اہل مغرب کے جسموں پر ایسی چست ہوئی کہ اسکو بالکل فطری خیال کیا جانے لگا"

(سیاست۔ حیدرآباد دکن۔ جنوری ۱۹۴۷ء، ص ۱۳)

کیا خدا کی شان ہے کہ اس جاہلی تصور قومیت اور دجالی تخیل وطنیت پر مہر قبولیت لگانے کی توفیق تو لاہور کے ایک داڑھی منڈے ہوئے، انگریزی پڑھے ہوئے، سوٹ پہننے والے ایم اے اور پی ایچ ڈی، بیرسٹر اور شاعر کو ملے اور اسکی حمایت و نصرت میں نعرے ایمان کھولنے والے آج بہت سے بڑی بڑی داڑھیاں رکھنے والے، جبہ و عمامہ والے علماء و فضلاء ہوں!

ایک اور مجرم

ایک ندوی عالم، اور خدا بخش لائبریری (پٹنہ) کے اسسٹنٹ لائبریرین، مولوی مسعود عالم کا مضمون رسالہ الفرقان (بریلی) کے شاہ ولی اللہ نمبر میں:—

"بیشک خلیفۂ وقت اور اہل حل و عقد کو ضرور حق اجتہاد حاصل ہے۔ لیکن یہ حق اجتہاد اکبر، جہانگیر، رضا شاہ، کمال اتاترک، اور امان اللہ جیسے دین سے بے بہرہ فرمانرواؤں کو نہیں دیا جا سکتا۔ اگر ایسے بادشاہوں کو اجتہاد کا منصب عطا کر دیا جائے، اور پھر ابتری اور بدامنی عام نہ ہو تو تعجب ہے" (ص ۳۳)

خیر، اکبر وغیرہ کا تو مضائقہ نہیں، آج کون انکی طرف سے لڑنے کو بیٹھا ہے، باقی یہ "دین سے بے بہرہ فرمانرواؤں" کی فہرست میں دور حاضر کے "لازوال سردار" تجدد کے مبلغ اعظم حضرت کمال اتاترک کا نام لے آنا، جرأت و بے خوفی کی انتہا ہے —— ایسی صاف گوئی بھی بھلا کیا، کہ انسان تجدد کے طعن و تعریض سے بالکل بے پروا ہی ہو جائے! —— "تجدد گزٹ" کی "سیاہ فہرست" میں لاہور، دریاباد کے بعد تیسرے مقام پٹنہ کا اضافہ!

ایک قابل دید رسالہ

بریلی کے مشہور دینی ماہنامہ الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کا اعلان عرصہ سے ہو رہا تھا، اب یہ بھی بحمد اللہ نکل آیا۔ چار سو صفحے سے اوپر والی ضخامت والی کتاب کو "رسالہ" کہنا لفظ "رسالہ" کا غیر صحیح استعمال ہے۔ اصل ریویو تو کچھ عرصہ کے بعد ہی نکلے گا، اجمالی تعارف کے لیے اس قدر کافی ہے، کہ مقالہ نگاروں کی فہرست اسماء میں بہترین اسماء نظر آرہے ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولوی سعید احمد صاحب اکبرآبادی،

(صاحب برہان "دہلی) مولوی سید ابوالحسن علی صاحب (صاحبۃ الندوہ "لکھنؤ) مولوی مولوی محمد اویس ندوی وغیرہم - اور مضامین سب کے پڑھنے کے قابل - لیکن اکابر کے مضامین تو اسکے درجہ ومرتبہ کے لائق ہوتے ہی، اس نمبر میں سب سے زیادہ قابل قدر مقالہ مولوی مسعود عالم ندوی (نائب مہتمم کتبخانہ خدا بخش خاں - پٹنہ) کے قلم سے " امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہندکی دینی حالت" اسکے تدریجی ارتقاء پر ہے - مولانا عبید اللہ سندھی کا مضمون " امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" گو بعض نادر نکتے اپنے اندر رکھتا ہے، لیکن ساتھ ہی حضرت شاہ صاحبؒ پر "اڈبیل" کی حد تک بھی پہونچ گیا ہے، اور عجب نہیں کہ شاہ صاحب کی روحانیت آج بھی عالم برزخ میں اپنے ایسے شارح و ترجمان کے خلاف استغاثہ ہی کر رہی ہو ——— بہرحال اتنی ضخامت کا ایسا قابل قدر مجموعہ دو روپیہ قیمت میں ہر طرح ارزاں ہی ارزاں ہے

ایک مخلص کی وفات

مولوی سید امین الحسن بسمل موہانی نے

۲۰ رمحرم الحرام ۵۰ھ، شنبہ کو ابدۂ حیدرآباد میں انتقال فرمایا - انا للہ وانا الیہ راجعون - صدق کے، اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر مدیر صدق کے ذاتی کرمفرما آج سے نہیں، سالہا سال سے تھے - چنانچہ جب ۱۹۱۷ء میں پہلی بار حیدرآباد جانا ہوا اپنے سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے سلسلہ میں منسلک ہوکر، تو قیام ہفتوں تک انھیں کے پاس رہا - مدتوں سالار جنگ اسٹیٹ کے ناظم رہے۔ آخر میں سرکار عالی کے محکمۂ دیوانی میں ناظم عدالت تھے - پنشن اسی عہدہ سے وہی ایک سال ہوئے لی تھی - حیدرآباد ہی رہ پڑے تھے - انکے والد مولوی شریف الحسن مرحوم حیدرآباد ہائی کورٹ کے جج تھے، اور صاحبزادہ صحیح معنی میں شریف زادہ تھے - دادا مولوی آل حسن موہانی اپنے زمانہ کے ایک ممتاز عالم اور عیسائیوں کے مقابلہ میں مناظر تھے - مرحوم خود بھی پڑھے مسلمان آدمی اور متواضع منکسر خلیق تھے - شعر خوب کہتے تھے (رہبر دکن میں بہت سی نظمیں نکل چکی ہیں) اور سخن فہمی کا پایہ سخن گوئی سے بھی بڑھا ہوا تھا - شگفتگی و زندہ دلی کی تصویر تھے - اور کم از کم مدیر صدق کے حق میں تو ایک پیکر ایثار و مجسمۂ اخلاص! احسانات اتنے زائد کہ سب نہ شمار میں آسکتے ہیں نہ یاد ہی رکھے جاسکتے - صحت خراب ایک عرصہ سے تھی، لیکن یہ خیال ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ وقت اتنا قریب آگیا ہو اچانک خبر وفات نے دل دہلا دیا - اللہ رحمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کردے!

رسائل و اخبارات

(سلسلہ صدق نمبر ۵۱)

(۳) **شاد** - جلد اول - نمبر اول - اردو بزم ادب - ہائی اسکول - رانچی (صوبۂ بہار) کا چہار ماہی رسالہ - ۴۰ صفحے - قیمت فی نمبر ۴ر

متفرق مضامین کا مجموعہ - بیشتر تعداد افسانوں کی ہے - رسالہ کا آغاز ربنا اہدنا الصراط المستقیم سے ہوتا ہے، لیکن خاتمہ ایسے مضمون پر جسکی آخری سطریں باری تعالیٰ کے حق میں سخت گستاخانہ ہیں - غلطی اگرچہ نادانستہ ہے، لیکن بہرحال ہے شدید اور قابل گرفت - زبان پر بھی نظر ثانی کی ضرورت جا بجا محسوس ہوئی۔

(۴) **حاذق** ، ماہنامہ - نگراں ، مجید حسن صاحب مالک مدنی دواخانہ ، مدینۃ الغزال - بجنور (یو - پی) قیمت سالانہ عہ، فی پرچہ ۱ر

اخبار مدینہ کی کامیابیوں سے کون واقف نہیں - اسی کے مالک کی نگرانی میں ایک یونانی دواخانہ بھی کچھ عرصہ سے کھل گیا ہے، اور اب اسی کا آرگن یہ طبی رسالہ بھی نکلنا شروع ہوا ہے - اس پہلے نمبر میں شذرات کے علاوہ حسب ذیل ابواب ہیں :-

امراض والعلاجات - حفظ صحت ، اعجاز نباتات - تاریخ الحکماء ، معلومات و تحقیقات - مجربات - تنقیدات - تشخیص الامراض - افسانے اور ہر باب کے ماتحت ایک یا متعدد مضامین - مضامین عام ناظرین کے نفع و دلچسپی کے تو بہر حال ہیں، اور عجب نہیں کہ طبیبوں کے بھی کام کے ہوں -

پرچہ کے حسن کتابت و طباعت کیلئے مدینہ پریس کا نام خود ایک ضمانت ہے - اور جو کاروباری سلیقہ اسکے مالک کو حاصل ہے، اسکے لحاظ سے اس ماہنامہ کے مستقبل کی طرف سے شبہ بھی نہیں ہوتا -

(۵) **اضطراب** (لکھنؤ) خاص نمبر - جنوری ۱۹۳۱ء قیمت درج نہیں دفتر اضطراب - نظیر آباد - لکھنؤ -

نظموں کے علاوہ اس کا بیشتر حصہ افسانوں کی نذر ہے - علی عباس حسینی، چودھری محمد علی، سلطان حیدر جوش، حیات اللہ انصاری کے افسانے بہت غنیمت ہیں - لیکن خدا معلوم بعض اور افسانوں کو، خصوصاً ایک خاتون کے لکھے ہوئے افسانہ کو، حضرت جگر مرادآبادی کے "نگران" رسالہ ہونے کے باوجود کیسے جگہ مل گئی - امید ہے جگر صاحب آئندہ انتخاب مضامین میں اتنی مروت کو دخل نہ دینگے - بحث و نظر کے زیر عنوان بعض مضامین اچھے خاصے ہیں - مثلاً نیاز علی صاحب کا مختصر مضمون "آنچل سے" - غزلوں کے حصہ میں اصغر گونڈوی مرحوم، جگر مرادآبادی، مجذوب، وحشی صدیقی، ماہر قادری کے نام ہمارے خود ایک کشش رکھتے ہیں -

---

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل خریداریوں کی میعاد ماہ مارچ ۱۹۳۱ء میں تمام ہو رہی ہے دفتر شکرگزار ہوگا اگر آپ حضرات ایسے وقت منی آرڈر بھیجدیں کہ ختم ماہ سے پہلے پہونچ جائے ورنہ اپریل کا پہلا پرچہ بذریعہ وی پی روانہ ہوگا، اس صورت میں ۴ر کا زیادہ خرچ ہے - اگر کسی صاحب کو آئندہ خریداری منظور نہیں ہے تو براہ کرم ایک کارڈ لکھدیں تاکہ دفتر کو مصارف وی پی کی زیر باری نہ ہو -

نمبر ۱۹۸ ، نمبر ۴۹۰ ، نمبر ۴۹۱ ، نمبر ۴۹۲

نمبر ۶۱۰ ، نمبر ۶۱۴ ، نمبر ۶۴۸ ، نمبر ۶۵۶

نمبر ۶۵۸ ، نمبر ۶۶۵ ، نمبر ۶۶۷ ، نمبر ۶۶۹

نمبر ۶۷۹ ، نمبر ۶۸۰ ، نمبر ۶۸۱ ، نمبر ۶۸۲

نمبر ۶۸۳ ، نمبر ۶۸۴ ، نمبر ۶۸۵ ، نمبر ۶۸۶

نمبر ۶۸۸ ، نمبر ۷۷۴ ، نمبر ۹۰۶

تدوین حدیث

(مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(نہایت افسوس ہے کہ صدق کا اداریہ مقالہ ڈاک خانہ کی غفلت سے ضائع ہو گیا، اس لیے یہ پرچہ بغیر کسی اداریہ مقالہ کے نکل رہا ہے۔
اسکے بجائے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے فاضلانہ مقالہ کا ابتدائی حصہ درج کیا جاتا ہے)

علم حدیث پر بحث کرنے کے لیے ہمیں اپنے سامنے ان چند سوالات کو رکھ لینا چاہیے

(۱) حدیث کی حقیقت کیا ہے

(۲) اس علم کی تدوین کب اور کس طریقہ سے اور کس زمانہ میں شروع ہوئی اور ان طریقوں کا اس علم کے وثوق و اعتماد پر کیا اثر مرتب ہوا یا ہو سکتا ہے

(۳) ابتدا سے اس وقت تک اس فن کی ممتاز خدمتیں جن بزرگوں نے انجام دیں خود اُنکی اور اُنکے کارناموں کی تفصیل

(۴) اس فن کے متعلق کیا جدید تکمیلی کوششوں کی ضرورت باقی ہے۔

(۵) حدیث کے بعد فن حدیث کے دوسرے متعلقات یعنی فن اسماء الرجال اور اصول حدیث کی حقیقت، اُنکی تاریخ، موجودہ حیثیت اور نیز آیندہ ترقیوں کے امکانات۔

حدیث کی حقیقت

سب سے پہلے میں پہلے سوال کو لیتا ہوں یعنی حدیث کی حقیقت کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ عموماً دنیا میں دو طرح کی قومیں پائی جاتی ہیں۔ بعض بلکہ شاید زیادہ تر قومیں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے حال کو ماضی سے وابستہ رکھنے کی کوشش نہیں کی اگرچہ واقعہ یہی ہے کہ کسی قوم کا کوئی حال ماضی سے الگ ہو کر تعمیر پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن باوجود اس واقعہ کے جیسے جیسے وہ آیندہ کی طرف بڑھتے رہیں اپنے ماضی کو بھلاتی چلی آئیں اور انکے پاس اپنے موجودہ حالات پر غور و فکر کرنے کے لیے گزشتہ حالات و واقعات، تجربات و مشاہدات کا کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ گویا جس طرح جنگل کی زندگی گزاری جاتی ہے یہ بھی گزارتے ہیں۔ آخر کچھوں اور بجّاروں کو کیا معلوم کہ انکے جد اعلیٰ کون تھے، کن کن جنگلوں اور وادیوں، پہاڑوں نے چھلانگیں مارتے ہوئے انکے آبا و اجداد اس مقام تک پہونچے، کن کن حالات سے اُنکو دوچار ہونا پڑا۔

لیکن انکے مقابلہ میں انسانوں ہی کا ایک طبقہ اُن قوموں کا بھی ہے جنہوں نے حتی الوسع اسکی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حال کی تعمیر میں ماضی کے تجربات و واقعات سے نفع اُٹھایا جائے، اور اسکے لیے انکو ضرورت محسوس ہوئی کہ گزرے ہوئے واقعات کو کسی نہ کسی طرح محفوظ کر لیا جائے۔ انسانیت کے اس گروہ کی اسی کوشش کا نام تاریخ ہے۔ ابتدا میں "تاریخ" کی حفاظت و بقا کا شوق قوموں میں کم رہا ہے، لیکن اب تو یہ ایک ایسی ناگزیر ضرورت بن گئی ہے کہ اپنی توانائیوں کا ایک بڑا حصہ ہر قوم اس پر خرچ کر رہی ہے جس سے ہم اور آپ سب واقف ہیں۔ جنگل کی زندگی بسر کرنے والے بھی اب آبا و اجداد اسلاف کے کارناموں کی جستجو گڑی ہوئی ہڈیوں اور پرانے مقبروں اور مرگھٹوں میں کر رہے ہیں۔ کونے کونے سے قدیم کتبے برآمد کیے جا رہے ہیں، کہنہ قبروں کی کتابوں کے حروف پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے، پرانے کھنڈروں کی ایک ایک ٹھیکری چنی جا رہی ہے، انھیں پر واقعی کیسے یا خیالی، بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ گویا اس علم کی ناگزیر ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے اب تسلیم کر لیا ہے اور بجز چند ابتائی الطبع، خشک مزاج، خشک دماغ فلسفیوں کے عام دنیا کا شدید رجحان بھی ان چیزوں کے جاننے کی طرف ہے۔

تاریخ اور فن حدیث

دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان حیرت انگیز انقلابی حصہ کا نام سچ پوچھیے تو حدیث ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جن انقلابات و حوادث سے گزر کر نسل انسانی موجودہ حالت تک پہونچی ہے ان میں ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبۂ حیات ہی میں نہیں، بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، انسانی تمام شعبوں میں انسانیت کا رخ پلٹ دیا، جس سے زمین کا کوئی خاص حصہ نہیں بلکہ بلا مبالغہ مشرق و مغرب دونوں متاثر ہوئے اور ہو رہے ہیں، اور ہوتے رہیں گے۔ ماضی کے اس دہشت حیرت انگیز واقعہ کی تاریخی تفصیلی بیان کا نام حدیث ہے۔ اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ سے حدیث کا تعلق قرار دیا جاتا ہے لیکن جہاں تک واقعات و حالات کا تعلق ہے میں "حدیث" کو "انسانیت" کی تاریخ کا ایک حصہ اہم حصہ قرار دیتا ہوں جسکی صرف یہی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک بے نظیر عدیم المثال انقلابی عہد سے اسکا تعلق ہے بلکہ سچ پوچھیے تو آج کسی کے پاس یا جس قوم و امت کے ہاتھ میں ماضی بلکہ حال کی تاریخ کا بھی جو حصہ ہے وہ وثوق و اعتماد میں تاریخ کے اس محفوظ حصہ "یعنی حدیث" کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میں اُن آزاد فطرت منطقیوں میں نہیں ہوں، جو تاریخ کو جھوٹ کا جنگل قرار دیکر ماضی کا انکار کرتے ہیں۔ اور "جو کچھ محسوس ہو رہا ہے یہ نہیں محسوس ہو رہا ہے" اس سوفسطائی نظریہ پر زور دیکر حال کے وجود کو بھی شک کے دانتوں سے چبا کر ختم کرنا چاہتے ہیں، بلکہ تاریخ کے مقررہ معیار پر ماضی کے جن واقعات کی اب تصحیح ہو چکی ہے، انکی قدر کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ آیندہ کی راہ درست کرنے کے لیے ہمیں ہمیشہ ماضی کی روشنی سے نفع اُٹھانا چاہیے۔

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون — لوگوں سے پچھلے قصے بیان کیا کرو تاکہ وہ سوچیں (قرآن مجید)

لیکن اگر یہ صحیح ہے، جیسا کہ ایک بڑے مشہور مسلّم الثبوت مورخ کا بیان ہے "کسی زمانہ کے حالات جب قلمبند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جو قرائن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانہ کے بعد (یعنی کتابی شکل اختیار کرنے کے بعد) یہی ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتی ہے، یورپ کی اکثر تصنیفیں اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔"

(باقی آیندہ)

فتنۂ انکارِ حدیث

(از مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی)

منکرینِ حدیث کے شبہات کی اصولی تقسیم جن دو جزوں میں آپ نے فرمائی ہے (صدق ۲۳ جنوری)

(۱) حجیتِ حدیث یعنی حدیث کا حجت دینی ہونا

(۲) احادیث کی تاریخی حیثیت یعنی احادیث مستند کہاں تک ہیں

چاہتا ہوں کہ اپنی بساط کے موافق ان دونوں جزوں کے متعلق کچھ عرض کروں لیکن اس عنوان پر کچھ لکھنے سے پہلے اور غور کرنے سے پیشتر اس بات کو سمجھ لینا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم (جنکے اقوال و اعمال کی حجیت زیرِ بحث ہے) کی حیثیت تھی کیا؟ کیا وہ صرف ایک نامہ بر، پیامبر تھے کہ بس خدا کا پیغام اسکے بندوں تک پہونچا دیں اور خدا کی کتاب بندوں کو سنا دیں یا امت کے لیے اپنے آقا کی زندگی میں استفادہ اور استرشاد کے کچھ اور بھی مواقع تھے؟ یہی قرآن جسکو (بزعم خود) دیکھ اور سمجھ کر ہمارے ان کرمفرماؤں نے انکارِ حدیث کا سوانگ رچایا ہے اُسی قرآن کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم کی حیثیت نہ صرف ایک نامہ بر اور پیامبر کی حیثیت تھی بلکہ آپ کی سب سے اہم سب سے نمایاں اور سب سے بلند حیثیت یہ تھی کہ آپ کو قدرت کی طرف سے انسانوں کے لیے نمونۂ عمل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ آپ کا حکم و فرمان تو درکنار آپ کی نشست و برخاست آپ کا چلنا پھرنا ہنسنا بولنا لوگوں سے ملنا جلنا سلام و کلام یہ امت کے لیے ایک معیاری نمونہ اور الٰہی مثال تھی۔ پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کو خصوصیاتِ نبوی کے علاوہ زندگی کے ہر جزو میں اسی لائحۂ عمل پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے جو سرورِ عالم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں پیش فرمایا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ میں کیا اسی حقیقت کی طرف رہنمائی نہیں کی گئی ہے؟ آیت کے دوسرے جز میں تو صاف طور پر یہی بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ کی رضا اور یومِ آخرت کی سعادت تک رسائی جو عبدِ مومن اور بندۂ مسلم کا معراجِ کمال ہے اسی راہ سے ہو سکتی ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاٰخر۔ اب سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ جس نبی اور رسول کی زندگی کو پروردگارِ عالم کی طرف سے عظمت و اہمیت حاصل ہے وہ محض نامہ بر اور پیامبر ہی کب ہو سکتا ہے۔ اور اُسکے ارشاد و فرمان، امر و نہی، تعلیم و تلقین کے واجب العمل ہونے پر اس سے زیادہ استدلال کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مگر اس آیتِ کریمہ کے علاوہ بھی بہت سی دوسری آیتیں ہیں جن میں رسول کریم کی اطاعت کا حکم اور اسی واسطے سے سنت و حدیث کی اہمیت و عظمت کا ثبوت موجود ہے، جن میں سے چند آیتوں کا ذکر یہاں درج کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔

۱- یا ایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (پ۵ سورۂ نساء) — اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

۲- قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تہتدوا (پ۱۸ سورۂ نور) — آپ لوگوں سے کہیے کہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پس اگر تم لوگ منہ پھیر دگے تو اسکا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا گیا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (پ۵ سورۂ نساء) — جو رسول کی اطاعت کریگا اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

یوم تقلب وجوہہم فی النار یالیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسول (پ۲۲ سورۂ احزاب) — جس دن اوندھے ڈالے جائینگے انکے منہ آگ میں کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے اللہ و رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (پ۳ آل عمران) — اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم لوگوں سے محبت کریگا۔

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (پ۵ نساء) — پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو رجوع کرو اللہ اور رسول کی طرف

کیا ان آیتوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا گیا ہے؟ اور کیا ان آیتوں کا ایک ایک لفظ رسول کے حکم و فرمان کی عظمت و اہمیت کا آئینہ دار نہیں ہے؟ ان آیتوں پر ایمان لانے اور رسول کے اس مرتبہ کو سمجھ لینے کے بعد قرآن کی منادی کرنا ہے کس منطقی استدلال اور کس شرعی حجت کی بنا پر حدیث و سنت کے انکار کا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟

ان آیتوں کے علاوہ بعض دوسری آیتوں میں ارشادِ نبوی کی تعمیل کا حکم اور زیادہ تصریح کے ساتھ موجود ہے

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتہوا — رسول تمھیں جو (حکم) دیں اُسے قبول کرو اور جس سے روکیں اُس سے رُک جاؤ۔

ہر چند کہ بعض مفسرین نے اس آیت کے مفہوم کو مالِ غنیمت کے سلسلہ میں محدود طریقہ پر بیان کیا ہے لیکن محقق اور باخبر اربابِ تفسیر کے قلم اپنی گردش میں منشاء الٰہی کی تہ تک پہونچے ہیں، اور انھوں نے آیتِ قرآن کے مفہوم کی وسعتوں کو محدود کر دینے کا تماشہ گوارا نہیں کیا ہے۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں

ہٰذہ الاٰیۃ عامۃ فی کل ما اتی رسول اللہ ونہی عنہ وامر الفیء داخل فی عمومہ — یہ آیت رسول کے ہر امر و نہی کے لیے عام ہے اور مالِ غنیمت کا مسئلہ بھی اسی عمومیت میں داخل ہے۔

علامہ ابو سعودؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

وما اعطاکم من الفیء او من الامر فخذوہ فانہ حقکم فتمسکوا بہ فانہ واجب علیکم (وما نہٰکم عنہ) عن اخذہ او تعاطیہ فانتہوا عنہ — یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت میں جو حصہ دیں یا جو کچھ حکم فرمائیں اُسے قبول کرو اور مانو کہ وہ تمہارا حق ہے اور اسکا ماننا تم پر واجب ہے اور جس چیز کے لینے اور کرنے سے منع فرمایا اُس سے باز رہو۔

ایک دوسری آیت میں اطاعتِ خدا و رسول ہی کو شانِ ایمان قرار دیا گیا ہے

انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینہم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولٰئک ہم المفلحون — ایمان والوں کی بات یہی ہے کہ جب بلائے جائیں انکو اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو انھیں تو کہیں ہم نے سُن لیا اور مان لیا

ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاولٰئک ھم الفائزون (نور) — اور وہ لوگ انہیں کا بھلا ہے اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اسکے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچکر چلے اس سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہونچنے والے۔

اس سورہ کے ابعد کی آیت میں مطلقاً اطاعت رسول کا حکم فرمایا گیا ہے اور رسول کی فرماں برداری ہی کو رحمت پروردگار کے نزول کا سبب قرار دیا گیا ہے

واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون — نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورۂ نور)

قاضی بیضاویؒ "اطیعوا الرسول" کی تفسیر میں لکھتے ہیں

فی سائر ما امرکم بہ — یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کلیۃً تمام احکام میں فرض ہے۔

مفسر ابو سعود لکھتے ہیں

ان المراد بالطاعۃ فیہ جمیع الاحکام الشرعیۃ المنتظمۃ للواجب المرغبیۃ ایضاً ای اطیعوا ما امرکم بہ وما نھاکم عنہ — مراد تمام احکام شرعیہ اور وہ تمام اوامر قرآن ہیں جنکا حکم دیا بنبوت سے ملے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسا وہ حکم دیں وہ کرو اور جس سے منع کریں اس سے رُکے رہو۔

اس سے پہلی آیت میں خداوند کریم نے اپنے اطاعت اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کا ایک ساتھ حکم دیا تھا لیکن اس آیت میں تاکید مزید کے طور پر رسول کی اطاعت کا پھر حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں

تکریر الامر بطاعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم للتاکید وتعلیق الرحمۃ بہا — رسول اللہ کی اطاعت کی تکرار اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید فرمائی اور اپنی رحمت کو بندوں کے حق رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط کر دیا۔

صاحب کشافؒ فرماتے ہیں

کررت طاعۃ الرسول تاکیداً — بطور تاکید کے اطاعت رسول کا حکم پھر دیا۔

حکم کی تعمیل اور فرمان کی بجا آوری تو بڑی چیز ہے مسلمانوں کو اسکی اجازت بھی نہ تھی کہ وہ رسول کی پکار سنیں اور خاموش رہ جائیں۔ اُن پر لازم فرض تھا کہ وہ رسول کی ہر پکار پر فداکارانہ لبیک کہیں اور ہر وقت جاں نثارانہ حاضر ہو جائیں اور پھر اس وقت تک واپسی کا ارادہ نہ کریں جب تک بارگاہ نبوی سے واپسی کے لیے اجازت نہ لے لیں۔ پروردگار عالم ارشاد فرماتے ہیں

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذاً فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم (نور) — مت سمجھو رسول کا بلانا اپنے اندر جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو، اللہ جانتا ہے تم میں سے اُن لوگوں کو جو کھسک جاتے ہیں آنکھ بچا کر، سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اسکے حکم کا اس سے کہ آ پڑے اُن پر کچھ خرابی یا پہونچے انپر دردناک عذاب۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب کشافؒ لکھتے ہیں

اذا احتاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اجتماعکم عندہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت کی بنا پر اگر تم لوگوں کو جمع کرنے کی حاجت

لامر فدعاکم فلا تفرقوا عنہ الا باذنہ ولا تقیسوا دعاءہ ایاکم علی دعاء بعضکم بعضاً ورجوعکم عن المجمع بغیر اذن الداعی۔ — ہو، وہ تم کو بلائیں تو تم اُن سے بغیر اجازت لیے واپس نہ ہو۔ اور رسول کی پکار اور اُن کو آپس میں ایک دوسرے کے بلاوے پر قیاس نہ کرو نہ آپ کی مجلس سے واپس یہ طریقہ اختیار کرو کہ بلا اذن چل دو۔

قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں

لا تقیسوا دعاءہ ایاکم علی دعاء بعضکم بعضاً وجواز الاعراض والمساہلۃ فی الاجابۃ والرجوع بغیر اذن فان المبادرۃ الی اجابتہ واجبۃ والمراجعۃ بغیر اذنہ محرمۃ — آپ کی پکار اور بلاوے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلاوے پر قیاس نہ کرو، یہ نہ سمجھو کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کی دعوت اور بلاوے کو ٹال دیا کرتے ہو بلا اجازت کے [illegible] سے چلے آتے ہو رسول کے ساتھ بھی معاملہ کرنا جائز ہوگا، یقین جانو کہ آپ کے پکار پر حاضر ہونا واجب ہے اور آپ کی مجلس سے بلا اجازت [illegible]

(باقی آئندہ)

رقص کی وبا

لاہور میں شریف گھرانوں کی لڑکیوں اور عورتوں کو رقص کی محفلوں میں لانے کی دبا سے ... [illegible] اخبارات میں مضامین شائع کیے جا رہے ہیں، بلکہ ہندو اخبارات بھی زبردست اور ہنگامہ خیز مقالات لکھ رہے ہیں۔ اور اب تو اس مہم نے بہت ہی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے یعنی شریف رقاصاؤں کی تصاویر اور شجرہ ہائے نسب بھی شائع کیے جا رہے ہیں۔

جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے ہم سے زیادہ کسی شخص کو اس امر سے اتفاق نہ ہوگا۔ لیکن جو لوگ اس مہم میں حصہ لے رہے ہیں ہم انکے حق میں مخالفت کا اعتراف نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر شخص ہماری معلومات کے مطابق رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہو کر اور اس جنت نگاہ اور فردوس گوش سے لذت اندوز ہوتا ہے۔ اگر رقص اور ناچ معیوب ہے تو ہر حال میں معیوب ہے خواہ پردہ سیمیں پر ہو یا محفل رقص میں، اور اس میں مصروف ہونے والی پیشہ ور ایکٹرس ہو یا شریف زادی۔ ہمارے نزدیک اس تحریک میں اسوقت تک اخلاص اور روحانیت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اسکے علمبردار خود مزے لے لے کر ایکٹرسوں کا ناچ دیکھتے ہیں۔ خود ناچ دیکھنا، اُسکا ذوق پیدا کرنا، اور جب اس ذوق کی تسکین کے لیے "شریف زادیاں" اہتمام کرنے لگیں تو چیں بہ جبیں ہونا، عقل و فہم سے بالاتر ہے۔ یعنی

منکر مے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن

(مسلمان)

مراسلہ نگار حضرات

براہ کرم کاغذ کے ایک ہی جانب لکھا کریں اور پشت سادہ چھوڑ دیا کریں۔

اسلامی تمدن

(مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں نواب بہادر یار جنگ کی ایک تقریر کا خلاصہ)

میں نے اپنی تقریر میں یہ عرض کیا تھا کہ تعلیمات اسلامی میں سب سے بڑی چیز انسانیت کی وحدت ہے۔ اسلام نے سارے حدود لسانی، وطنی، قومی اور رنگی مٹا دیے ہیں۔ یہ تعلیم کسی خاص مقام تک محدود نہیں۔ نئی دنیا ہو یا پرانی سب اس تعلیم میں شامل ہیں اس لیے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نے جو تعلیم پیش کی ہے وہ سب کے لیے عام ہے۔

جب آپ نے یہ سُن لیا اور سمجھ لیا کہ توحید باری تعالیٰ اور وحدت انسانیت کے متعلق اسلام کا نظریہ کیا ہے تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کے متعلق اسکا تصور کیا ہے یعنی انسان کی پیدائش کا منشا کیا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان حکومت الٰہیہ کے اقرار اور خلافت الٰہیہ کے قیام کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو ظاہر ہے کہ سب سے پہلے قیام خلافت کے لوازم ہر کام ہیں۔ یہیں سے وہ شعبہ وجود میں آیا ہے جو اسلام کے عملی قوانین سیاست اور مدنیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی بنا پر اسلام نے اپنا مخصوص قانون بنایا جو ایک ناقابل عمل ہے اور آج بھی جب "دمن لا" بنایا گیا بہت سے حصہ پر چھایا ہوا ہے۔ اسلامی قانون اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ یہ قانون اس قدر وسیع ہے کہ اسکے ایک صنف کی تفصیل کے لیے مستقل وقت کی ضرورت ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات کا ایک مستقل شعبہ ہے۔ اسلامی تمدن و قانون کی بنا شعور صحیح پر ہے۔ جو عمل صحیح کے تابع ہے، اور وہ شعور صحیح ایمان ہے۔ گویا اسلام میں مقدم ترین چیز ایمان ہے۔ اور اسکے بعد عمل صالح، ایمان درحقیقت ایک صحیح خیال کا نام ہے جو شخص بغیر ایمان کے عمل صالح کرتا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ریت پر محل تعمیر کرے۔ شعور صحیح حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس قرآن مجید موجود ہے۔

مسلمانوں نے قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی دوسری قوموں کے علوم بھی سیکھے۔ مثلاً یونان سے منطق و فلسفہ حاصل کیا لیکن اُسے اپنے مذہب کا بنا لیا۔ اُنھوں نے ارسطو کے ہاتھ سے منطق لی اور ہندوؤں سے علم ہیئت لیا۔ لیکن انکو گھلایا اور پھر اسلام کے قالب میں ڈھالا (جسکی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں) مسلمانوں نے ان علوم میں اتنا قدر تبدیلی و اضافہ کیا ہے کہ آج اگر ارسطو کی روح دوبارہ دنیا میں لائی جائے تو وہ پہچان نہ سکیں کہ یہ وہی علوم ہیں۔

ذرا یونانی طب کو دیکھیے کہ اسکو کہاں سے کہاں پہونچا دیا اور اسے اپنا بنا لیا۔ آج اگر دورِ یونانی اطبا اس طب کو دیکھیں تو یہ کہینگے کہ یہ ہماری نہیں ہے۔ اسی اصول کو فارابی، ابن سینا، اور ابو حیان اندلسی وغیرہ نے برتا۔ اُنھوں نے اپنے زمانہ میں علوم کے وہ خزانے جمع کر دیے جنکا اب آپ کے لیے گننا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے سیاسی حیثیت سے غلبہ حاصل کیا اور ربع مسکوں کو اپنے زیر اثر لائے اُسی طرح ہر چیز پر فوقیت حاصل کی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی کہ اسے اپنا بنا لیں۔ جس چیز کو یہ دیکھا کہ وہ اپنے مطلب کی نہیں بن سکتی تو اُسکو اپنے توشہ خانہ سے اُٹھا کر پھینک دیا۔ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاح کی اور اپنا ایک خاص تمدن قائم کیا، مثلاً مختلف قوموں کا لباس ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے بعض قومیں بالکل نیم برہنہ رہتی ہیں، لیکن اسلام نے اسکے اصول مقرر کر دیے ہیں۔ مرد کو اپنی ناف سے لیکر گھٹنوں تک چھپانا چاہیے، عورت کو سینہ بھی چھپانا چاہیے۔ یہ اسلام کی تہذیب ہے۔ اب اگر میں کسی ایسی عورت کو دیکھوں جسکا سینہ کھلا ہوا ہے تو میں کہوں گا کہ تو مسلمان نہیں بلکہ کافرہ نظر آ رہی ہے کیونکہ تیرا لباس اسلامی نہیں ہے۔ غرض اسلام نے دنیا میں آکر ہر چیز کی اصلاح کی اور اُس میں اعتدال پیدا کیا۔ کثافت اور گندگی دور کی اور ہر چیز کو صاف ستھرا بنا دیا اور انسان کو اُسکے اصلی مرتبہ پر پہونچا دیا۔ اسلام کسی اچھی چیز کے سیکھنے اور کسی علم کے حاصل کرنے کی ممانعت نہیں کرتا۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے، البتہ یہ چاہتا ہے کہ تم ہر حالت میں سچے مسلمان رہو اور

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

(کانفرنس گزٹ)

نسوانی "ادب لطیف"

ــــــ ادب لطیف ــــــ ایک خاتون کے قلم سے:-

"آہ! ہمدم میری سرد آہوں سے۔
شمع بُجھ جانے کو ہے۔
پھر بھی مایوس نہیں ہوں کیونکہ
اسکے پھر جلنے کی اُمید بھی ہے!"

آہ! اے دوست! میرے گرم آنسوؤں سے دامن تر ہو جانے کو ہے ــــــ پھر بھی مایوس نہیں کیونکہ ــــــ دامن خشک ہو جانے کی اُمید بھی ہے! ــــــ آہ اے دوست! میری آہوں سے گریبان میں آگ لگ جانے کو ہے ــــــ پھر بھی مایوس نہیں ہوں، کیونکہ ــــــ نئی قمیص کے سلوانے کی اُمید باقی ہے! ــــــ آہ اے دوست!

یہ "آہ اے دوست!" قسم کا ادب لطیف، جب تک ہمارے گھروں کی چار دیواری کے باہر کارفرما تھا تب ہی کیا کم تھا، مگر اب تو خواتین کے قلم کی نقاشیوں میں بھی نظر افروز ہونے لگا! آہ! اے دوست!!

(پیام)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

مولوی محمد سعید صاحب (راندیر) آپ کا مراسلہ مدت ہوئی وصول ہو گیا تھا، لیکن اُسی وقت سے بابت آپکے استفسارات کے جواب کی تلاش تھی۔ پچھلے ہفتہ مدارفدا کر کے اُس پر ایک پورا مقالہ تیار کر کے درج ہونے کے لیے بھیجا گیا۔ ڈاکخانہ کی عنایت سے دفتر لکھنؤ نہ پہونچ سکا۔ انا للہ۔ اب اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ پھر کر زحمت گوارا

کی نقل کی کہاں سے لائی جائے!

کام کی رفتار

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کا کام خدا کے فضل سے اپنی آخری منزلوں سے گزر رہا ہے۔ ان سطور کی تحریر کے وقت تک ۲۸ پاروں کا مسودہ ٹائپ ہو چکا ہے، اور انکے مقابلہ، تصحیح سے بھی فراغت ہو چکی ہے۔ آخری پارہ دو باقی ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ دو مہینے کے اندر ان دونوں پاروں کے مقابلہ، تصحیح وغیرہ سے بھی فراغت ہو جائیگی۔ اسکے بعد پھر کچھ عرصہ مختلف فہرستوں کے تیار کرنے میں لگیگا، تب کہیں جاکر پریس میں جانے کی منزل آسکتی ہے۔ مگر ابھی تک اسکا انتظام کہیں سے نظر نہیں آتا۔ بھروسہ اسی پر ہے جس نے اب تک دستگیری فرمائی ہے۔

نئے کام کا آغاز

انگریزی ترجمہ و تفسیر کا کام ختم ہونے کے بعد، جیسا کہ قبل ازیں ان صفحات میں عرض ہو چکا ہے، اردو ترجمہ و حواشی تفسیری کا کام بھی تھوڑا بہت شروع کر دیا گیا ہے۔ آج اسکا پہلا نمونہ درج ہے، اور ان شاء اللہ ہر پرچہ میں اسی طرح اسکے اقساط شائع ہوتے رہیں گے۔ انگریزی سے اردو ترجمہ کرکے جو نمونے پہلے دیے گئے تھے، ان میں اور اس جدید خدمت میں جو فرق ہے، ناظرین پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ صدق میں اشاعت سے خاص مقصود یہ ہے کہ اہل علم ناظرین انھیں غور سے ملاحظہ فرماتے رہیں، اور اپنے مشوروں اور ہدایتوں سے برابر سرافراز کرتے رہیں۔ خامیوں کو بتانا ہی اصلی دوستی اور ہواخواہی ہے۔

بعض آیات قرآنی

ایک ندوی عالم جو ماشاء اللہ خود بھی علوم قرآنی میں صاحب نظر ہیں، دریافت فرماتے ہیں:

(۱) الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم وہم الوف حذر الموت۔ (بقرہ - ۲۴۳) کیا ان لوگوں کی کچھ تعیین ہو سکتی ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟

(۲) ان اللہ مبتلیکم بنھر (بقرہ - ۲۴۹) یہاں کونسی نہر مراد ہے؟

(۳) او کالذی مر علی قریۃ وہی خاویۃ علی عروشہا (بقرہ - ۲۵۹) کے جزو اول الذی سے کون مراد معلوم ہوتا ہے؟ مفسرین مختلف ہیں۔

(۱) جی نہیں، اس قوم کی تعیین کے باب میں کوئی تاریخی بیان بالکل قابل وثوق نہ مل سکا۔ مختلف قیاسات جو کیے گئے ہیں، ادھر تفسیر پڑھنے والوں پر روشن ہیں۔ توریت میں اس سے ملتا جلتا ایک بیان ملتا ہے مگر وہ واقعہ کشفی رنگ کا معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو حزقی ایل نبی کی کتاب، باب ۳۷، آیت ۱-۱۰۔

(۲) دریا سے مراد فلسطین کا مشہور دریا یردن ہے۔ یہ دریا تو سیل الشیخ سے اور شمال میں حرمون پہاڑ سے نکل کر بحر مردار (بحیرۂ لوط) میں گرتا ہے۔ ایک زمانہ میں یہی دریا فلسطین کی مشرقی سرحد کا کام دیتا تھا۔

(۳) محققین تو حضرت عزیر کی جانب گئے ہیں۔ اور بستی قریب قریب یقینی طور پر یروشلم (بیت المقدس) لیا گیا ہے۔ بخت نصر کے ہاتھوں ۵۸۶ ق م میں وہ بالکل تاخت و تاراج ہو چکا تھا۔ وہی خاویۃ علی عروشہا اسی پر صادق تھا۔ حضرت عزیر کا زمانہ اسکے کچھ عرصہ کے بعد پانچویں صدی اور کسی قدر چھٹی صدی قبل مسیح کا ہے۔

اسلام انگلستان میں

"حیرت کی بات ہے کہ محمدیت (اسلام) نے قدم حال میں انگلستان میں جم گئے ہیں۔ اس اہم تحریک کے بانی لیورپول کے ایک وکیل کوئیلیم آئے ہیں۔ انھوں نے ۱۸۸۷ء میں اپنی سیاحت مراقش کے زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور واپسی کے بعد اپنے وطن میں اسلامی تبلیغ خفیہ اور علانیہ شروع کر دی تھی۔ عرصہ تک تو کامیابی نہ ہوئی لیکن اسکے بعد کچھ کچھ لوگ ادھر آنے لگے، اور انگلستان میں اسلام ایک واقع شدہ واقعہ بن کر رہا۔۔۔۔ چار سے بڑھ کر انکی تعداد پچاس تک پہونچ گئی ہے، اور بانی تحریک انگلستان میں اسلام کی مزید ترقیوں کے بارے میں بہت کچھ امیدیں قائم کیے ہوئے ہیں۔" (جے اے ہول کی "اسٹڈیز ان محمڈنزم" دیباچہ)

سطور بالا کا زمانہ تحریر ۱۸۹۲ء ہے، اور اس میں ذکر اس سے بھی کئی سال قبل کی اسلامی تحریک کا انگلستان میں ہے۔ کیا اس تاریخی حقیقت کی روشنی میں لاہوری جماعت احمدیہ اپنے بار بار کے دہرائے ہوئے ان دعووں پر نظر ثانی کریگی کہ گویا برطانیہ میں تحریک اسلامیت تمامتر اسی کی کوششوں کی رہین منت ہے، یا یہ کہ شرف اولیت اسی کو حاصل ہے؟

تبلیغ دین نصف صدی قبل

"تحریک اسلام انگلستان میں، کا مرکز لیورپول ہے۔ لیکن اسکی شاخیں ہمارے ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ لندن میں بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۲۰ کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں لیکن وہ مشرقی نژاد ہیں۔ مانچسٹر میں بھی ۲۰ مسلمان آباد ہیں۔ وہ کتاب میں اورینٹل انسٹیٹیوٹ سے متعلق ایک مسجد بھی ہے، گو باقاعدہ اس انسٹیٹیوٹ میں دو ہی ایک ہیں۔ لیورپول میں ایک باقاعدہ مسجد، گنبد اور مینار کے ساتھ انکی تعمیر کی تجویز ہے، اور اسکے لیے چندہ بھی جمع ہو رہا ہے۔ لیکن چندہ کی رفتار بہت سست ہے، اور عموماً ہندوستان ہی سے آرہا ہے۔ لیورپول انسٹیٹیوٹ میں اسوقت ۵۲ ممبر شریک ہیں۔ ۱۴ ان میں سے خواتین ہیں۔" (ربیع ہول کی "اسٹڈیز ان محمڈنزم")

یہ تصریحات جس باب سے ماخوذ ہیں، اسکا عنوان ہی "اسلام ان انگلینڈ" ہے۔ اور اسکے ۱۰۰-۱۱۰ صفحات میں ۱۸۹۲ء تک کی تفصیلات ایک مخالف اسلام مسیحی کے قلم سے درج ہیں۔ ان حالات کی موجودگی میں لاہوری جماعت کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہی یورپ میں تبلیغ اسلام کی علمبردار ہے، بعضاً مبالغہ کے حدود میں قدم رکھ دینا ہے۔ —— ایک اہل دل جنے خواب۔

سورۃ[1] الفاتحہ[2]

مکی[3] - رکوع[4] ۱ - آیات[5] ۷ - الفاظ[6] ۲۵ - حروف[7] ۱۲۳

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم[8] -	(شروع) ساتھ نام اللہ بے انتہا رحم کرنے والے، بار بار رحم کرنے والے کے
۱ - الحمد للّٰہ رب العالمین ۞	ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو مربی ہے سارے جہانوں کا -

---

[1] "سورۃ" کے لفظی معنی ہیں بلندی یا بلند منزل کے - السورۃ المنزلۃ الرفیعۃ (مفردات راغب) السورۃ الرفعۃ (لسان العرب) السورۃ الشرف و الفضل والرفعۃ (تاج العروس) عبری حرف - دوسری کتابیں ابواب میں تقسیم ہوتی ہیں، قرآن کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں، کہ گویا ہر سورت ایک بلند منزل کا نام ہے - وبہا سمیت السورۃ من القرآن اے رتبۃ (لسان) وبہ سمیت سورۃ القرآن لاجلالہ و رفعتہ وہو قول ابن الاعرابی (تاج)

سورۃ، شہر پناہ کی دیوار کو بھی کہتے ہیں - سورۂ قرآنی کو اس لیے بھی سورۃ کہا جاتا ہے، کہ گویا وہ فصیل شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے - وسور المدینۃ حائطہا المشتمل علیہا و سورۃ القرآن تشبیہا بہا لکونہ محاطا بہا احاطۃ السور بالمدینۃ (راغب)

قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں مرتب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں - آپ ہی کے ارشاد کے مطابق نئی سورت شروع کی جاتی تھی اور پرانی سورت ختم - کل تعداد سورتوں کی ۱۱۴ ہے -

[2] "فاتحہ" کے لفظی معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے - چنانچہ قرآن مجید کی ابتدا بھی اسی سورت سے ہوتی ہے - گویا دیباچۂ قرآن ہے - سورتوں کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے ہیں - اکثر ایک ایک سورۃ کے کئی کئی نام روایت ہوئے ہیں - اس فاتحۃ الکتاب کے بھی متعدد نام احادیث میں آئے ہیں - سورۃ الشفاء، سورۂ رقیہ، ام القرآن وغیرہ - مشہور ترین نام یہی الفاتحہ ہے -

سورۃ کے فضائل سے احادیث لبریز ہیں - اہمیت خاص اسی سے ظاہر ہے کہ نماز میں اسکا پڑھنا لازمی ہے - کوئی نماز بغیر اس جزو قرآنی کے مکمل نہیں ہوتی -

[illegible] بہ لحاظ معنویت و جامعیت گویا کوزہ [illegible]

میں دریا [illegible] ہیں - انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے :

"حمد باری کی یہ زبردست مناجات ... سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز، لیکن اس پر بھی معنویت سے لبریز" (جلد ۱۵ - صفحہ ۹۰۲ - طبع یازدہم)

او بہت سے اقوال اس سے بھی بڑھ بڑھ کر ہیں -

[3] قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم اہل تفسیر نے بہ لحاظ زمانۂ نزول کی ہے - جو سورتیں، قبل ہجرت، رسول اللہ صلعم کے زمانۂ قیام مکہ میں نازل ہو گئیں خواہ انکا نزول شہر مکہ کے حدود سے باہر ہی ہوا ہو، مکی کہلاتی ہیں - جو سورتیں، بعد ہجرت، زمانۂ قیام مدینہ میں نازل ہوئیں، خواہ انکا نزول شہر مدینہ کے حدود کے باہر ہی ہوا ہو، مدنی کہلاتی ہیں - لیکن یہ قاعدہ اکثریہ ہے، کلیہ نہیں - بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی سورت کے اندر مکی آیات رکھوا دی ہیں یا اسکے برعکس - ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر لطیف تر احساس آپ سے بڑھکر اور کس کو حاصل ہوتا؟

اس لیے کسی آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا ہے دشوار ہی - روایات جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں مفید ظن ہیں، مفید یقین نہیں - اور اس قسم کے عقلی و قیاسی مسلمات، کہ مثلاً یا ایہا الذین آمنوا سے شروع ہونے والی آیتیں مدنی، اور یا ایہا الناس سے شروع ہونے والی مکی ہی ہونگی، محض تخمینی ہیں، کلی اور قطعی نہیں - اور ان روایات و نظریات کی بنا پر کسی آیت پر جزم و وثوق کے ساتھ حکم لگا دینا، یا قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر "ترتیب نزولی" کا نام رکھکر آمادہ ہو جانا بڑی جسارت ہے -

[4] سورت کے اندر ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے - بڑی سورتوں میں رکوع دس دس آیتوں پر رکھے گئے ہیں - سورہ فاتحہ کے علاوہ تیسویں پارہ کی ۳۴ چھوٹی سورتوں میں کل ایک ہی رکوع ہے -

[5] آیت، اصطلاح میں، سورت کے اندر کی سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے - قرآن مجید کا ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو، یا خود وہ ایک مستقل عبارت ہو، ایک آیت ہے - ولکل جملۃ من القرآن الدالۃ علی حکم آیۃ ... وقد یقال لکل کلام منہ منفصل بفصل لفظی آیۃ (راغب)

قرآن مجید کی کل آیتوں کا شمار ۶۶۱۶ ہے (اتقان)

[6] کل الفاظ قرآنی کی تعداد ۷۷۹۳۴ ہے - (اتقان)

[7] کل حروف قرآنی کی تعداد ۳۲۳۶۷۰ ہے - (اتقان) ------ اللہ اللہ! کلام الٰہی کے عاشق و شیدائی کیسی کیسی دیدہ ریزیاں اسکے واسطے کر گئے ہیں!

[8] قرآن کا افتتاحی فقرہ، جو جزو ایسے ہر سورۃ کی ابتدا میں دہرایا گیا ہے - یعنی ۱۱۳ بار، اور سورۃ النمل کے اندر عبارت میں بطور آیت قرآنی بھی آیا ہے -

بسم اللہ کے جزو قرآن ہونے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں - گفتگو اس میں چلی ہے کہ سورۃ کی ابتدا میں اسکی حیثیت آیا مستقل آیت کی ہے یا نہیں؟ امام مالکؒ و امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ نہیں بلکہ یہ سورتوں کے درمیان محض بطور علامت فرق و تمیز کے، اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے - اتفق الناس علی انہا آیۃ من کتاب اللہ فی سورۃ النمل واختلفوا فی کونہا آیۃ فی اول کل سورۃ فقال مالک وابو حنیفۃ لیست فی اوائل السور بآیۃ وانما ہی استفتاح لیعلم بہا مبدأہا - (احکام القرآن، لابن العربی مالکی) مفصل بحث ابوبکر جصاص حنفی کی احکام القرآن میں موجود ہے -

ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں - خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہی تھی کہ کھانا

کھانا کھاتے، پانی پیتے، وضو کرتے، ذبح کرتے، غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتدا بسم اللہ ہی سے کرتے۔ اور یہ ہے یہ کہ جو شخص بھی کوئی کام اللہ رحمٰن رحیم کا نام لیکر شروع کرتا ہے، وہ گویا اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت مخلصانہ ہے، میرا مقصد اعلیٰ ہے اور میں توحید کا پرستار، ایک طرف شرک سے اور دوسری طرف الحاد سے بیزار ہوں۔ اس سے بڑھ کر لذیذ، اس سے بڑھ کر پُر قوت، اور اس سے بڑھ کر روح و اخلاق کو بلند کرنے والا ذکر اور جو بھی کیا جا سکتا ہے؟

۵ ب نحویوں کی اصطلاح میں باء الاستعانت کہلاتی ہے۔ پڑھنے والا گویا یوں کہتا ہے کہ "شروع کرتا ہوں میں اس کام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہوئے" یہ کہکر بسم اللہ خواں گویا اعلان کر لیتا ہے، اپنے اور سب کی طرف سے قطع نظر کرکے، اللہ کی ذات پر، اور اسکی صفات رحمانیت اور رحیمیت پر۔

۶ اللہ اسم ذات ہے۔ کسی اور ہستی پر اسکا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ انگریزی "گاڈ" یا فارسی کے "خدا" کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ علاوہ معبود واحد کے دوسروں کے لیے بھی بولا جا سکے۔ اس کی نہ جمع آتی ہے، نہ کسی اور لفظ سے مشتق ہے، نہ اسکا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے۔

صفات کمالی و جمالی کا جامع ہے۔ والصحیح انہ "علم" للذات واجب الوجود المستجمع بجمیع صفات الکمال غیر مشتق (تاج العروس) ہو باسم لم یسم بہ غیرہ تبارک و تعالیٰ ولہذا لا یعرف فی کلام العرب لہ اشتقاق من فعل یفعل (ابن کثیر)

۷ رحمٰن کا صحیح ترجمہ دشوار ہے۔ مصدر رحمت سے صیغہ مبالغہ ہے وزن فعلان پر زیادتی صفت کے لیے۔ الرحمٰن الرحیم بنیت صفۃ الاولیٰ علی فعلان لانہ معناہ الکثرۃ۔ وقال ابو الحسن معناہ عند اہل اللغۃ ذو الرحمۃ التی لا غایۃ بعدہا فی الرحمۃ (تاج) فمبالغۃ فعلان مثل غضبان وسکران من حیث الامتلاء والغلبۃ (بحر المحیط)

اطلاق اسکا بھی صرف ذات باری ہی پر ہوتا ہے۔ ولا یطلق الرحمٰن الا علی اللہ تعالیٰ (راغب)۔ اسم مختص باللہ لا یجوز ان یسمی بہ غیرہ (تاج)

یہ بات اتفاقی نہیں، بلکہ پُر معنی ہے کہ قرآن مجید میں اسم ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا ہے، وہ صفت رحمانیت ہی کا مظہر ہے۔ لین پول انگریز اسی لیے اپنے ہم قوموں کو سنا کر کہتا ہے "لوگ یہ بات بالکل بھول جاتے ہیں کہ قرآن کے اندر صفت رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے!"

۸ "رحیم" بھی صیغہ مبالغہ ہے، وزن فعیل پر، تکرار اور تواتر کے اظہار کے لیے۔ ومبالغۃ فعیل من حیث التکرار (بحر)

"رحمٰن" میں شان کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لیے۔ اور اسی لیے اسکا ظہور اس دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔ "رحیم" میں تجلی رحمت و مغفرت کا خصوص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔ اس لیے اسکا پورا ظہور آخرت میں ہوگا۔ وہذا معنی قول جعفر الصادق الرحمٰن اسم خاص لصفۃ عامۃ والرحیم اسم عام لصفۃ خاصۃ (تاج) اور اسی معنی میں یہ حدیث بھی وارد ہے الرحمٰن رحمٰن الدنیا والرحیم رحیم الآخرۃ (مسلم۔ عن ابن مسعودؓ عن ابی سعید الخدریؓ)

صوفیانہ مذاق پر ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و وسائط کے ساتھ ہو، اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو بلا واسطہ و بلا وسائط ہو۔ رحمانیت وہ شفقت ہے جو طبیب مریض کے ساتھ رکھتا ہے، اور رحیمیت شفقت محض ہے۔ (روح المعانی)

۹ اسلام کے اس خالص موحدانہ کلمۂ افتتاحیہ کے مقابلہ میں مسیحیت کا نعرۂ افتتاحیہ "شروع نام سے باپ بیٹے اور روح القدس کے" کوئی نسبت ہے اس شرک جلی کو اسلام کی توحید خالص سے؟

۱۰ "ال" کلمۂ استغراق ہے۔ یعنی جمیع حمد، کوئی سی بھی ہو اور کسی کی بھی ہو۔ "حمد" کا درجہ "مدح" و "شکر" دونوں سے بلند تر ہے۔ شکر تو کسی نعمت ہی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ "مدح" میں ممدوح کی خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں۔ صرف "حمد" ایسی چیز ہے جو محمود کی اختیاری خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری ہی نہیں۔ صرف حمد ایسی چیز ہے جو محمود کی اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر بطور انکے اعتراف کے کی جاتی ہے۔ (راغب)

۱۱ قرآن مجید کی سب سے پہلی تعلیم، توحید کے بعد اصناف کی [illegible] تعریف کسی کی بھی ہو، کسی کے نام سے بھی ہو، درحقیقت صرف اللہ ہی کی ہے۔ والالف واللام فی الحمد لاستغراق جمیع اجناس الحمد وصنوفہ للہ تعالیٰ (ابن کثیر) اور یہی معنی ہے اس حدیث کے بھی کہ اللہم لک الحمد کلہ ولک الملک کلہ وبیدک الخیر کلہ والیک یرجع الامر کلہ۔ حاکم اگر عادل ہے تو اللہ ہی نے صفت عدل اسکے اندر رکھ دی ہے۔ طبیب اگر حاذق ہے تو اللہ ہی نے یہ کمال اسے عطا کر دیا ہے۔ کسی کی شکل جمیل ہے، کسی کی سیرت پاکیزہ ہے، ہر موقع پر مدح و تعریف کی اصلی مستحق صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔

۱۲ "رب" مصدر ہے بمعنی تربیت۔ یہاں بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ اور تربیت کے معنی ہیں کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشو و نما دیتے رہنا، تاآنکہ وہ حد کمال تک پہونچ جائے۔ ہو انشاء الشیء حالاً فحالاً الی حد التمام (راغب) اردو میں اس مفہوم کے لیے قریب ترین لفظ "مربی" ہوگا۔ ہے، اور یہی مفسر تھانوی مدظلہ نے اختیار کیا ہے۔

عربی میں اسکا اطلاق بلا اضافت صرف حق تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے۔ ولا یقال الرب مطلقاً الا للہ تعالیٰ (راغب) صفات رحمانیت و رحیمیت کے معاً بعد اللہ کی صفت ربوبیت کا اظہار ہے۔ مسیحیوں کے "آسمانی باپ" سے کہیں زیادہ شفقت کہیں زیادہ قدرت، کہیں زیادہ حکمت، لفظ "رب" سے عیاں ہے۔

۱۳ "عالم" کا لفظ خود جمع ہے، کوئی اسکا واحد نہیں آتا۔ اور عالم کہتے ہیں ایک صنف موجودات کو۔ اسکے عالمون (بہ صیغۂ جمع) کے معنی ہوئے کل اصناف موجودات اور سارا سلسلۂ کائنات۔ والعالمون اصناف الخلق والعالم الخلق کلہ (لسان) والعالم الخلق کلہ او ما حواہ بطن الفلک من الجواہر والاعراض (تاج)

رب العٰلمین کا لفظ لاکر قرآن مجید نے بتا دیا کہ ہر صنف موجودات کا ایک مستقل نظام تربیت ہے، اور سب کا آخری سرا اسی قادر مطلق و واحد یکتا کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی سی بھی صنف موجودات اسکے ہمہ گیر نظام تربیت سے آزاد نہیں۔

یہ اشارہ بھی اسی لفظ سے نکل آیا کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، مخصوص قوم، مخصوص قبیلہ کا خدا نہیں۔ اسلام سے قبل دنیا خدا کے اس وسیع تخیل ہی سے آشنا نہ تھی۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا ہی تسلیم کرتی تھی۔ [illegible] یونان، عرب وغیرہ کا تو ذکر ہی نہیں۔ اسرائیل جیسی موحد قوم بھی خدا کی [illegible] ہونے کی پوری طرح قائل نہیں رہی تھی۔ [illegible] رب العٰلمین [illegible]

مسیحیت اور ہندوستانی مسیحیت

عیسائیت جب ہندوستان میں آئی، اور بعض ہندوؤں نے اسکو اختیار کر لیا، اُس وقت سے آج تک برابر اس امر کا سراغ ملتا ہے کہ ان لوگوں نے اس بدیشی مذہب کو سودیشی بنانے کی پیہم کوششیں کیں۔ جو لوگ مسلمان سے عیسائی ہوئے اُن میں تو عیسائیت نے اپنا سامی و عبرانی رنگ و روغن کسی قدر قائم رکھا، اسلیے کہ وہ بچپن سے سامی انبیا اور توریت و زبور و انجیل کے نام سنتے چلے آئے تھے، لیکن ہندوؤں اور اچھوتوں کی آبادی اور دراوڑی طبقے نے اس سامی مذہب کی روح کو اخذ کرنے کی کبھی کوشش نہ کی، بلکہ اس کو "ہندوانے" کی سعی کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ یہاں کے عیسائیوں میں بھی ایک عجیب و غریب زندہ "کشیدگی" پائی جاتی ہے۔ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک کی کشیدگی نہیں، بلکہ "مسلمان عیسائیوں" اور "ہندو عیسائیوں" کی باہمی اجنبیت ہے۔ جس طرح ہندو مسلمانوں سے متعصبانہ نفرت کرتے ہیں اُسی طرح ہندو سے عیسائی ہونے والے لوگ، مسلمان سے عیسائی ہونے والوں کو بیگانگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور عام طور پر سیاسی و معاشرتی حقوق کے معاملہ میں ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس تعصب کی وجہ کا راز بھی یہی ہے کہ "مسلمان عیسائی" مسیحیت کو اسکی اصلی صورت اور سامی روحیت کے ساتھ قائم رکھنا چاہتے ہیں اور "ہندو عیسائی" اس مذہب کو تمام بدیشی اثرات سے پاک کرکے خالص ہندوستانی مذہب بنا لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جنوبی ہندوستان کے بعض عیسائی اخباروں اور رسالوں میں اس مقصد کے لیے مضامین بھی لکھے گئے۔ اور یہ مرض یہاں تک بڑھا کہ بعض عیسائی اسکالروں نے مسیحؑ کو ہندوستانی ثابت کرنے کے لیے اس نظریہ کو بھی پیش کر دیا کہ مسیحؑ ٹرونیلم (مدراس) میں پیدا ہوئے تھے۔

پچھلے دنوں لاہور میں بعض عیسائیوں کی طرف سے ایک عجیب حرکت کی گئی۔ ہندوستان، برما اور سیلون کے عیسائیوں کی ایک تحریک "اسٹوڈنٹ کرسچین موومنٹ" کے نام سے موجود ہے۔ جسکے سکریٹری پادری دلا رام تھیا۔ اس تحریک کی شاخ لاہور کا ایک سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو اس میں عیسائیوں کے عام طریقۂ نماز کو ترک کر دیا گیا۔ بلکہ جو عیسائی اس تحریک کے سلسلہ میں شامل نماز ہوئے وہ اپنے جوتے باہر اُتار کر فرش پر بیٹھ گئے۔ قربان گاہ پر دیئے روشن کیے گئے۔ اور لوبان جلایا گیا۔ گویا بالکل ہندوؤں کی پوجا پاٹ کا سا سماں پیدا کر دیا گیا۔ عیسائیوں میں جو چیزیں "اذان و فاتحہ" کی قائم مقام ہیں، انکی جگہ منتقہ پوری کی "گیتان جلی" میں سے کچھ اشعار پڑھے گئے۔ اور بعض پرارتھنائیں تلسی داس اور سنت تکا رام کے اشعار سے اخذ کرکے پڑھی گئیں۔

اس عبادت کے ساتھ ہندوستانی موسیقی تھی۔ گیت پنجابی زبان میں گائے گئے تھے۔ اور پوجا کے خاتمہ پر تمام عیسائیوں نے تین دفعہ شانتی۔ شانتی۔ شانتی بھی پکارا۔

یعنی اس تحریک کے رہنما مسیحی عبادت کو بھی بالکل ہندو پوجا پاٹ کے سانچے میں ڈھال رہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ عبادت کا مغربی طریقہ ہندوستانیوں کے لیے موزوں نہیں۔ لہذا کوئی ہندوستانی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ پادری دلا رام نے یہ بھی فرمایا کہ "اسٹوڈنٹ کرسچین موومنٹ" کے ممبروں کا دروازہ ہندوستان کی ہر قوم کے لیے کھول دینا چاہیے غالباً اس سے پادری صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کو اس ہندوستانی عیسائیت کا گرویدہ بنائیں۔ اور ہندوانی انداز میں پوجا پاٹ کرکے ہندوؤں کو اپنے دام فریب میں لائیں۔

اسی سے اندازہ کیجیے کہ جو لوگ حضرت مسیحؑ کا دین اختیار کرنے کا دعوے کرتے ہیں اور پھر اُسی دین پر ترمیم و اصلاح کی دست درازی کر رہے ہیں، اُن سے اسلام کہاں محفوظ رہیگا۔ اگرچہ اسلام نے ایک ہزار سال کی مدت میں اپنے آپ کو ہندوؤں کی مذہبی زندگی سے الگ رکھا ہے، اور "اسلام سماج" اور "محمدی ہندو" (!) نہیں بننے دیا، لیکن ہندوؤں کا خیال یہی ہے۔ اور بارہا مختلف طریقے سے ظاہر بھی کیا جا چکا ہے کہ اسلام ایک بدیشی مذہب ہے اور مسلمانوں کو بدیشی مذہب، بدیشی زبان اور بدیشی نام وغیرہ بالکل اختیار نہ کرنے چاہییں۔ (انقلاب)

ہندوستانی ادب

(بقیہ صفحہ ۶)

رسول کی صحیح عظمت و محبت تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عشق رسول کے حقیقی جذبات سے انکا دل معمور تھا۔ جہاں رسول کا پسینہ گرتا وہیں وہ اپنا خون گراتے۔ رسول کے چشم و ابرو کے اشارہ پر اپنی جانیں تصدق کرتے۔ وہ رسول کی نظر کرم کو اپنی زندگی اور نظر عتاب کو اپنی موت تصور کرتے۔ ممکن تھا کہ کسی ایک نقطہ کو بھی وہ رسول کی طرف غلط منسوب کیسکتے۔

ان تفصیلات کے پیش نظر حدیث کی "حجیت دینی" اور اسکی "تاریخیت" کا انکار بدیہیات کا، روز روشن میں آفتاب کا انکار ہے۔

تدوینِ حدیث

(۳)
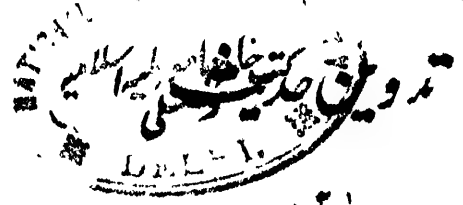
(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ)

اس وقت ہمارے پاس ماضی کی تاریخوں کا جو ذخیرہ ہے خواہ وہ روم ہو یا یونان، چین ہو یا ایران ان قدیم اقوام کی تاریخ جن ذرائع سے مرتب ہوئی ہے، اگر انکے اساسی سرچشموں کی جانچ کی جائیگی تو جو کچھ اس نامنل مورخ نے بیان کیاہے، بہت کچھ اس کی حیثیت گرنی پڑیگی۔ مشکل ہی سے انسانوں کے پاس اس وقت کوئی ایسی تاریخی یادداشت مل سکتی ہے، جسے واقعہ کے عینی شاہدوں نے خود مرتب کیا ہو۔ یا ان کے براہ راست بیانوں کو خود ان ہی سے سُن کر کتابوں میں درج کردیا ہو، اتفاقاً اگر کوئی ایسی چیز مل بھی جائے تو اس کا پتہ چلانا قطعاً دشوار بلکہ شاید ناممکن ہے، کہ ضبط و اتقان، سیرت و کیرکٹر کے لحاظ سے انکا کیا درجہ تھا۔ معتبر سے معتبر ترین کسی تاریخی ذخیرہ کے وثوق کے متعلق اگر کوئی بات پیش کی جاسکتی ہے تو یہی ہے کہ جس زمانہ میں واقعہ گزرا ہے مورخ خود بھی اُس زمانہ میں موجود تھا، اتفاق سے کسی واقعہ کے متعلق اگر ایسی شہادت میسر آجاتی ہے تو تاریخ کا یہ حصہ زریں شاہکاروں میں شریک کردیا جاتا ہے۔ لیکن خود اس معاصرت کا یہ حال ہے کہ قدیم ماضی کے تاریک زمانہ کو تو جانے دیجیے، آج جبکہ جدید صناعات و ایجادات نے زمین کی طنابیں کھینچ کر ایک ملک کو دوسرے ملک سے لادیا ہے، تعلیم عام ہوچکی ہے، کم از کم یورپ کے مکتبوں اور اسکولوں میں روے زمین کے اطلسوں کا مطالعہ ہر ایک کو کرادیا جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ نہیں آئے دن ایسی ایسی جہالتوں اور غلط فہمیوں کے شکار غریب جاہل مشرقی ہی نہیں بلکہ فرزانہ و دانا فرنگ کے ارباب خبر و علم ہوتے رہتے ہیں، کہ بعض واقعہ آدمی کو حیرت ہو جاتی ہے۔ اور تاریخ جھوٹ کا جنگل ہے، دماغ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اس دعوے میں کچھ واقعہ کا عنصر بھی شریک ہے؟ بہت پرانے زمانہ کی بات نہیں ہے کہ ۱۹۰۵ء میں کانگڑہ (پنجاب) کا مشہور زلزلہ ہندوستان میں آیا تھا، ایک نہیں بلکہ متعدد انگریزی اخباروں میں اس زلزلہ کے متعلق یہ خبر شایع ہوئی تھی کہ "کانگڑہ جو بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے، وہاں ایک سخت زلزلہ آیا" اور بیچارے اخبار والے تو شہر خبروں کی جماعت ہے، عام طور پر گپ نویسی میں یہ بدنام ہے، اس میں اس زلزلہ کے متعلق یہ عبارت اسوقت تک موجود ہے:—

"ایک سخت زلزلہ نے ایک وسیع ضلع میں جو آگرہ اور شملہ کے درمیان واقع ہے عام تباہی اور سخت نقصان پہونچایا"

واقعہ کی تفصیل بتاتے ہوئے صرف اسی مورخ نے نہیں، بلکہ دوسروں نے بھی یہ ارقام فرمایا ہے:—

"اس سے کئی سو آدمی ہلاک ہوئے"

حالانکہ پنجاب گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق اس زلزلہ میں بیس ہزار سے کم آدمی ہلاک نہیں ہوے تھے۔ معاصر مورخین کی کتابوں میں اگر اس قسم کی غلط فہمیوں اور بوالعجبیوں کو تلاش کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہوجائے۔ سیاحوں کی یادداشتوں کو بھی تاریخی وقائع کے ثبوت میں بہت اہمیت دی جاتی ہے اور اتفاقاً اسے بے پروا ہوکر خود اس سیاح کا اپنے ذاتی رجحانات، سمجھ بوجھ سچائی، راستبازی میں کیا حال تھا، لیکن ان سیاحوں کی بدولت واقعات کی صورت کبھی کبھی کتنی مسخ ہوجاتی ہے اس کا ایک سرسری اندازہ ہمارے موجودہ میر شعبہ دینیات و مذہب ناظر یار جنگ جسٹس حیدرآباد ہائیکورٹ کے ڈرائنگ روم کی ایک تصویر سے ہوسکتا ہے جو انگلستان کے ایک معتبر اخبار سے الگ کرکے محفوظ کی گئی ہے۔ یہ ہندوستان کے ایک موقع کی تصویر ہے اور اسکے نیچے جلی خط میں یہ لکھا ہوا ہے کہ بودھ مذہب کے لوگ اپنی ایک مشہور مذہبی رسم جو اداتاپا کے نام سے موسوم ہے ادا کررہے ہیں۔ میں نے اس تصویر کے نیچے جب اس فقرہ کو پڑھا تو بار بار حیرت ہوتی تھی کہ آخر یہ کیا ہے۔ تصویر سے صاف معلوم ہورہا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے، انکی شکل و صورت، لباس، وضع، قطع، طریقہ نشست، ہر چیز ہندی مسلمانوں کی تھی، لیکن معتبر سیاح نے جس وقت یہ فوٹو لیا تھا، اسکے نیچے اس نے یہی عبارت درج کی تھی۔ آخر جب میر شعبہ صاحب باہر تشریف لائے، اُن سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ نے قصداً اس تصویر کو اسی لیے محفوظ کیاہے تاکہ یورپین سیاحوں کی تاریخی شہادت کی ایک گواہی مہیا ہو، آپ نے فرمایا کہ یہ دہلی میں نماز عید کے موقع کی تصویر ہے۔ ایک مغربی سیاح نے اس عید کو اداتاپا بنادیا اور اداتاپا کو خدا جانے کس طرح اس نے بودھ مذہب والوں کی رسم قرار دے کر اخبار میں اپنے اس جدید انکشاف کا اعلان کیا۔

ان چند تفکیکی مثالوں کے پیش کرنے سے میری غرض یہ نہیں ہے کہ واقعی دنیا کے موجودہ تاریخی ذخیروں کو بالکلیہ غیر معتبر اور ناقابل لحاظ قرار دینا چاہتا ہوں بلکہ مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان احتمالات و شکوک کی کمزوریوں کے باوجود بھی آج جب علمی دنیا میں "فن تاریخ" ہر قسم کے احترام و اعزاز کا مستحق ہے تو "حدیث" جو صرف مسلمانوں ہی کی تاریخ نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا تمام دنیا کی انسانیت کے ایک عظیم انقلابی عہد آفریں کا ایک ایسا مکمل تاریخی مرقع ہے جسے ٹھیک حقیقی اور اصلی شکل و صورت بلکہ ہر خط و خال کی حفاظت میں لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کی وہ ساری کوششیں اور تدبیریں صرف ہوئی ہیں جو کسی واقعہ کی حفاظت کے متعلق آدمی کا دماغ سوچ سکتا ہے، بلکہ اس کی حفاظت و صیانت میں بعض ایسے قدرتی عوامل نے بھی کام کیاہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوگا جو دنیا کے کسی تاریخی واقعہ کو نہ اس وقت تک میسر آئے اور نہ آیندہ آسکتے ہیں۔

کلیاتِ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علماء اسلام و حکماء یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ، بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں منتخب ...

نمبر ۴۴ | دوشنبہ - ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۳۱ - مارچ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

ولا تقبل شہادۃ مخنث، مراده المخنث فی الردیء من الافعال لانہ فاسق ... ولا نائحۃ ولا مغنیۃ لانہما ترتکبان محرّماً ... ولا مدمن الشرب علی اللہو لانہ ارتکب محرم دینہ ولا من یلعب بالطیور لانہ یورث غفلۃ ولانہ قد یقف علی عورات النساء بصعود سطحہ لیطیر طیرہ ولا من یغنی الناس لانہ یجمع الناس علی ارتکاب کبیرۃ (ہدایہ، جلد ۳۔ کتاب الشہادۃ)

اسلامی عدالتوں میں شہادت نہ قبول کی جائیگی مخنث کی، اور مخنث وہ ہے جو اپنے افعال کے لحاظ سے فاسق ہو (نہ وہ جسکے اعضاء میں پیدائشی لوچ ہو) اور نہ بین وبکا کرنے والی کی اور نہ گانے والی کی، کہ یہ دونوں عورتیں مرتکب ہیں فعل حرام کی۔ اور نہ اُسکی جو بطور تفریح شراب پیتا رہے، کہ وہ ایسی چیز کا مرتکب ہوتا ہے جو دین میں حرام ہے، اور نہ پرندبازکی، کہ پرندبازی سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور پرند اڑانے کے لیے کوٹھے پر چڑھنے سے عورتوں کی بےپردگی ہوتی ہے۔ اور نہ اُسکی جو لوگوں کو گانا سناتا ہے، اس لیے کہ وہ لوگوں کو گناہ کبیرہ پر جمع کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

اقتباسات، تشریحی ترجمہ کے ساتھ، فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہدایہ سے گزر چکے۔ اسلامی حکومت کا مطلب آپ سمجھے؟ اسلامی حکومت اگر ہوتی، تو اور تو اور، کبوتر بازوں اور پیشہ ور گانے والوں، گانے والیوں تک کی گواہی کسی عدالت میں قبول نہ ہوتی! یہ ایسے ذلیل، ایسے حقیر ٹھہرتے! کبوتر بازی بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ لیکن اسکے لازمی اور عادی روابط کیا گیا ہیں، فقہاء اسلام اور مقننین شریعت کی نظران گہرائیوں اور ان بارکیوں تک پہونچی، اور ظاہری نظر میں ایسے بے ضرر نظر آنے والے مشغلوں تک پر پہرا بٹھا دیا گیا! کیا ٹھکانا ہے اس احتیاط اور اس طہارت پسندی کا! بدی کے سرچشموں پر کس کس طرح بند باندھے ہیں! ـــــ فہرست ابھی تمام کہاں ہوئی ہے؟ چند عنوانات پر نظر اور کرتے چلیں:-

ولا من یفعل الکبائر التی یتعلق بھا الحد ... ولا من یأکل الربوا او یقامر بالنرد والشطرنج ... ولا من یفعل الافعال المستحقرۃ کالبول علی الطریق والاکل علی الطریق لانہ تارک للمروۃ واذا کان لا یستحیی عن مثل ذٰلک لا یمتنع عن الکذب فیتہم۔

اور نہ اُسکی گواہی قبول ہوگی جو حمام میں برہنہ داخل ہو، اور نہ اسکی جو سود کھاتا ہے، اور نہ اس کی جو جوا کھیلتا ہے نرد یا شطرنج کے ذریعے ... اور نہ اُسکی جو خفیف و حقیر حرکتیں کرتا ہے، مثلاً سڑک پر پیشاب کرتا ہے، سڑک پر کھانا کھاتا ہے، اس لیے کہ جب اُس میں اتنی بھی غیرت و خودداری نہیں، تو وہ جھوٹ سے کب باز رہیگا۔

یہ قاعدے اور ضابطے بجائے خود کیسے ہیں، اسے چھوڑیے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ اگر کہیں (امر محال سہی، لیکن بہرحال فرض کر لینے میں ہرج ہی کیا ہے؟) اسلامی حکومت قائم ہوگئی، شریعت کا قانون اگر کہیں نافذ ہوگیا، تو جس تہذیب اور جس تمدن پر آج اتنا فخر ہے، جس شائستگی اور جس نظام پر آپ آج مٹے ہوئے ہیں، اسکی کوئی گنجائش باقی رہ جائیگی؟ میوزک کالجوں کا کیا حال ہوگا؟ سنیماؤں کے دن کے دن کیسے کٹیں گے؟ آرٹ کے بڑے بڑے نگارخانوں کا کیا حشر ہوگا؟ نقاشوں، مصوروں کو زندگی کے دن کی نصیب ہوگی؟ فلم اسٹاروں، ریڈیو اسٹاروں کے گھڑی بھر جینے پائینگے؟ سرراہ بڑے بڑے ریسٹورانوں، چائے خانوں

سورۃ الفاتحہ

(پ ۱ سلسلہ ۳۳)

صراط الذین انعمت علیہم ۞ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۞

راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ہے ۲۸ نہ ان لوگوں کا جو زیرِ غضب آ چکے ہیں ۲۹ اور نہ بھٹکے ہوؤں کا ۳۰

ف ۲۸ (باب ہدایت میں)

یہ صراط المستقیم کی شرح مزید ہے۔ تعلیمات و ہدایات تو ساری کی ساری قرآن مجید کے اندر آ گئیں۔ لیکن حکمت الٰہی نے مزید شفقت و کرم سے ان تعلیمات و ہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی روح و قالب میں، انسانی صورت و سیرت میں دنیا میں برابر بھیج دیے ہیں، تاکہ اس راہ مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہو جائے۔ انعام پائے ہوئے لوگ، انبیاء و مرسلین ہیں جنکی زندگی کے واقعات قرآن مجید میں بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی علی الخصوص اس پاکیزہ جماعت کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی سیرت پاک کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر انکے بعد انکے جو صحیح نائب و جانشین رہے ہیں اور ہر دور میں ہوتے آئے ہیں، یعنی اولیاء امت یا صدیقین، اور پھر شہیدان راہ حق اور عام صالحین، یہ بھی ایک حد تک نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ خود قرآن مجید ہی میں ایک دوسری جگہ ان انعام پائے ہوؤں کی فہرست کے عنوانات خاص گنا دیے ہیں۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبین والصدیقین والشہداء والصالحین (سورۃ النساء ع ۹)

انعمت علیہم کے لفظ سے بعض اہل تحقیق نے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ جن بزرگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے، اسکی تہ میں اصل شے محض انعام الٰہی و فضل خداوندی ہے۔ وفی ہذہ الآیۃ دلیل واضح علی ان طاعۃ اللہ جل ثناءہ لاینالہا المطیعون الا بانعام اللہ بہا علیہم وتوفیقہ ایاہم لہا۔ (ابن جریر)

ف ۲۹ غیر المغضوب سے مراد غیر صراط المغضوب ہے۔ صرف مضاف الیہ بیان کیا گیا ہے، مضاف محذوف ہے۔ عربی میں اس طرح حذف کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ایسا حذف قرینہ مقام سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ فحذفت الموصوف واکتفی بالصفۃ وکذا غیر المغضوب علیہم اکتفی بالمضاف الیہ عن ذکر المضاف وقد دل علیہ سیاق الکلام (ابن کثیر)

ف ۳۰ یعنی دانستہ و ارادۃً کج روی کی بدولت۔

" زیر غضب " سے مراد " زیر غضب الٰہی " ہے۔ انعام الٰہی کا ذکر بھی اوپر گزر چکا۔ وہاں صیغہ استعمال ہوا تھا معروف کا، اور ضمیر مخاطب صریح تھی۔ انعمت " تو نے انعام کیا ہے " یہاں ذکر غضب الٰہی کا ہے، صیغہ بجائے معروف کے مجہول کا ہو گیا، اور ضمیر مخاطب صریح نہ رہی۔ یہ اثر ہے غلبہ رحمت الٰہی کا۔ غضب خداوندی کا ذکر اگلے الہامی نوشتوں میں موجود ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ توریت میں ہے:-

" اب تو مجھکو چھوڑ کہ میرا غضب اُن پر بھڑکے اور میں اُنہیں بھسم کر دوں " (خروج ۳۲ - ۱۰:۱۱)

نیز خروج ۸: ۳۲؛ ۱۲؛ ۱۳؛ ۲۲: استثناء ۹: ۱۹، ۲۱ - اور توریت اور انجیل جسے سراسر علم و شفقت کا صحیفہ سمجھا گیا ہے۔ وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ مثلاً متی ۳: ۷، لوقا ۳: ۷، ۱۰، ۱۸، رومیوں ۱: ۱۸، مکاشفہ ۱۹: ۱۵۔

بعض جدید اہل قلم نے مسیحی پادریوں کے عمل سے متاثر و مرعوب ہو کر یہ عجب روش اختیار کی ہے کہ اسلام میں غضب الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے۔ پادریوں نے غضب الٰہی کو قیاس کیا تھا انسانی غصہ اور طیش پر۔ جو نتیجہ ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کے اس انفعال و تاثر کا بے شبہ گزر نہیں۔ لیکن اس کے اتارے ہوئے قوانین و احکام جو سراسر انسان ہی کے نفع و مصلحت، فلاح و بہبود کے لیے ہیں، کوئی بدبخت اگر انھیں توڑنے پھوڑنے پر آمادہ ہو جائے، تو کیا ان کم فہموں کا خیال ہے کہ حق تعالیٰ بھی بجائے عظمت و جلال کے ایسی قدرت و کمال، کوئی سادہ لوح، سیدھا سادہ انسان ہے، کہ یہ سارا تماشہ بے حسی و خاموشی کے ساتھ جمود و تعطل کے ساتھ دیکھتا رہے؟ اور اصلاح حال کے لیے اپنی غیر محدود قوت اور لاتناہی توانائی کو حرکت میں نہ لائے؟ و دفع فساد کے لیے عملی اقدام نہ کرے؟ ——— اسی اقدام عمل، اسی حرکت ارادی کا نام بندوں کی زبان میں غضب الٰہی ہے۔ جب دوستوں، عزیزوں اور ماں باپ کے لیے ناممکن ہے کہ بچہ کو زہر کا گلاس پیتے دیکھیں، اور فرط شفقت سے خاموش رہ جائیں، تو حق تعالیٰ تو بندوں کے حق میں ہر باپ اور ماں سے بڑھ کر درجہ زیادہ شفیق ہے، وہ کیسے جامد و ساکت رہ سکتا ہے؟ اسکا غضب درحقیقت اسکی رحمت ہی کا تتمہ و ضمیمہ اور اسکی شفقت کا لازمی نتیجہ ہے۔

مفسرین علی العموم اس طرف گئے ہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں۔ احادیث و آثار اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ من لعنہ اللہ وغضب علیہ سے بھی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن بعض نے مراد مشرکین بھی لی ہے۔

عجب نہیں کہ یہ لفظ عام ہو اُن سب کے حق میں جو حق کی مخالفت از راہ شرارت و خبث نفس دانستہ کرتے رہتے ہیں۔

ف ۳۱ یعنی نا سمجھ راستہ جو اپنی غفلت و بے التفاتی کی بنا پر حق کا رخ ہی نہیں کرتے۔

علماء مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ احادیث و آثار بھی اسی کی تائید میں ہیں اور آیۂ کریمہ قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا سے بھی استنباط کیا گیا ہے۔

لیکن دونوں الفاظ کے مصداق کا حصر انھیں دونوں کے ساتھ کر دینا مشکل ہے۔ ملحدین و مشرکین تو ان سے بھی بڑھ کر ضلالت میں مبتلا اور ان سے زیادہ غضب الٰہی کے مستحق ہیں۔ مفسر رازی کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ کل عملی غلطیوں والوں کو زمرۂ مغضوب علیہم میں رکھا جائے، اور کل اعتقادی غلطیوں والوں کو طبقۂ ضالین میں۔ بل الاولیٰ ان یحمل المغضوب علیہم علی کل من اخطأ فی الاعمال الظاہرۃ وہم الفساق ویحمل الضالون علی کل من اخطأ فی الاعتقاد لان اللفظ عام والتقیید خلاف الاصل (کبیر)

تکملہ

(۲) سورۃ کے خاتمہ پر آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے۔ معنی ہیں

تدوینِ حدیث

(از جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۴)

سمجھ گئے۔ اس موقع پر اس کا بھی اضافہ کرنا چاہیے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی اطاعت کی اتباع ہی ان بزرگوں کے لیے ضروری نہ تھی بلکہ جیسے قرآن اور جس قرآن نے اُن پر یہ فریضہ عائد کیا تھا اسی نے انکو اسکا بھی ذمہ دار بنایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کہتے ہوئے انھوں نے سُنا ہے اور جو کچھ کرتے جن انھوں نے دیکھا ہے وہ دوسروں تک مسلسل پہونچاتے چلے جائیں ہر حاضر غائب کو اور ہر پہلا پچھلوں کو ان کی طرف بلاتا جائے۔ قرآنی آیتوں

(۱) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر

تم ایک بہترین امت ہو انسانوں کی (بہی خواہی) کے لیے تم نکالے گئے ہو تاکہ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو اور بری باتوں سے انکو روکو۔

(۲) ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر

چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو، جو نیکی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

ہی کی یہ تفسیر تھی جو مختلف پیرایوں میں صحابہ کرام کو مخاطب کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے منیٰ کا میدان ہے خیف کی مسجد ہے ایک لاکھ سے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا مجمع ہے، سب کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے

(۱) نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاہا ثم اداہا الی من لم یسمعہا (صحاح)

تروتازہ رکھے اللہ اس بندہ کو جس نے میری بات سُنی پھر اسے یاد رکھا اور جسنے نہیں سنا ہے اُس تک اُسے پہونچایا۔

یہی منیٰ کا میدان ہے، حجۃ الوداع کے مشہور تاریخی خطبہ میں اعلان فرمایا جاتا ہے

(۲) ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعد ہما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (صحاح)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں جنکے بعد پھر تم گمراہ نہیں ہو سکتے (ایک تو) اللہ کی کتاب (اور دوسری) میری سنت یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے جب تک کہ حوض (کوثر) پر پھر میرے سامنے آ جائیں

مجمع سے یہ دریافت فرمانے کے بعد کہ کیا میں نے پہونچا دیا؟ آسمان کی طرف انگلیاں اُٹھا کر اللہم ہل بلغت اللہم ہل بلغت کے ارشاد فرمانے کے بعد آخر میں رخصت کے اس خطبہ کو اس مشہور متواتر فقرہ پر ختم فرمایا جاتا ہے

الا فلیبلغ الشاہد الغائب (صحاح) چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو پہونچاتا جائے

جس دعوائی اثر انگیز ماحول میں اس خاتمہ کا اعلان ہوا ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن جذبات و ہیجانات سے مخاطب مجمع بھرا ہوا تھا اس پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ اسی وثوق کا آپ کو یقین تھا کہ صحابہ کی جماعت کو خطاب کرکے بطور پیشگوئی کے آپ فرماتے:

تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم (ابو داؤد، مستدرک)

تم مجھ سے سُن رہے ہو، تم سے بھی سنا جائیگا اور جن لوگوں نے تم سے سنا ہے اُن سے بھی لوگ سنیں گے۔

نہ صرف عام مجامع میں یہ اعلان کیا جاتا تھا بلکہ ملک کے مختلف حصوں سے وفود آتے تھے، وفود کے جو سلسلے دربار نبوت میں حاضر ہوا کرتے تھے عموماً اُن کو ایسی جگہ ٹھہرایا جاتا تھا، جہاں سے "واقعہ" کے معائنہ و مشاہدہ کا ان کو کافی موقع مل سکتا ہو، جبکہ وہ مورخ بلائے جاتے تھے۔ پھر جو کچھ سنانا اور دکھانا مقصود ہوتا وہ سنایا اور دکھایا جاتا۔ آخر میں رخصت کرتے ہوئے حکم دیا جاتا، جیسا کہ بخاری میں ہے:—

احفظوہن واخبروا من وراءکم ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمھارے پیچھے ہیں اُن سے مطلع کرتے رہنا۔

حافظ ابن حجر اس فقرہ کی شرح میں لکھتے ہیں:—

یشمل من جاء من عندہم وہذا باعتبار المکان ویشمل من یحدث لہم من الاولاد وغیرہم وہذا باعتبار الزمان (فتح الباری)

یہ اُن لوگوں کو بھی شامل ہے جنکے پاس سے یہ لوگ آئے تھے اور یہ بات مکان کے لحاظ سے ہے اور ان آئندہ نسلوں کو بھی شامل ہے جو بعد کو پیدا ہونیوالی ہیں اور یہ بات زمانہ کے حساب سے ہوگی۔

اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں، کہ اسلام کے دائرہ میں قبائل داخل ہوتے جاتے تھے دربار رسالت سے انکی تعلیم و تلقین کیلیے ذمہ دار اصحاب کو بھیجا جاتا، حکم دیا جاتا تھا، کہ جو کچھ تم نے ہم سے سیکھا ہے وہ انھیں بھی جا کر سکھاؤ، صرف استحبابی احکام ہی نہیں بلکہ قرآن کی آیت:

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والہدیٰ من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللاعنون

جو لوگ چھپاتے ہیں اُس چیز کو جسے ہم نے اُتارا ہے، وہ جو کھلی باتوں اور سوجھ بوجھ (ہدایت) کی باتوں پر مشتمل ہے اور اسکے بعد چھپاتے ہیں جب انسانوں کے لیے کتاب میں ہم نے اسے بیان کر دیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے بھی لعنت کرتے ہیں۔

کی بنیاد پر صحابہ کرام جس تاریخ کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے اسکا چھپانا گناہ خیال کرتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کرتے تھے:—

من سئل عن علم ثم کتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من النار (ابو داؤد و ترمذی)

جو کوئی پوچھا جائے کسی علم کی بات سے اور وہ اُسے چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام اُسے پہنائی جائیگی۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ سکرات میں مبتلا ہیں لیکن بعض صحابہ سے مروی ہے کہ اُس وقت بھی محض اس خیال سے کہ "علم کے چھپانے" کا الزام اُن پر نہ رہ جائے حدیث بیان کرتے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم و عام صحاح)

مجلس نظام اسلامی کا ابتدائی خاکہ

[مجلس نظام اسلامی کے ایک معزز و ہمبر رکن کی طرف سے ذیل کے معروضات سرسری و قلم برداشتہ مباحث کے بالکل ابتدائی خاکہ کے طور پر پیش کیے گئے تھے۔ ناظم صاحب نے انھیں ارکان مجلس میں اضافہ و ترمیم و اصلاح کے لیے گشت کرایا ہے۔ موضوع کی اہمیت، ارکان مجلس کے علاوہ تمام اہل علم کو بھی دعوت فکر و تفکر دے رہی ہے۔]

پہلے ایک مبسوط مقالہ، بحث کے مبادی ایمانی پر لکھا جائے۔ یعنی قرآن نے کائنات میں انسان کی کیا حیثیت، کیا پوزیشن رکھی ہے۔ بغیر اسکے سمجھے ہرگز کوئی سا بھی سیاسی، معاشی، عمرانی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ یورپ کی اصل اور بنیادی گمراہی تو یہی ہے کہ بغیر صحیح عقائد کے، بغیر صحیح الٰہیات کے وہ معاشیات، عمرانیات و عمرانیات وغیرہ کی منزلیں طے کرا دینا چاہتا ہے، اور ان فروع بلکہ فروع در فروع کو، اصول اور مستقل علوم بنائے بیٹھے ہے۔ قرآن مجید اس عالمگیر گمراہی کا خاتمہ کیونکر دے سکتا ہے۔

جب خلافت الٰہی، نیابت الٰہی، عبدیت اور توحید کی آیات کی مفصل تفسیر و تشریح آپ کر چکیں تو بقیہ ابواب کی سرخیاں اس قسم کی رکھی جا سکتی ہیں:—

۱- حکومت عادلہ۔ تنفیذ قوانین الشرعیہ، بندوں کی مادی رفاہ و اصلاح حقوق وغیرہ پر نصوص قرآنی و حدیثی۔ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے طرز حکومت سے استشہاد و استنباط۔ اسوۂ رسولؐ، اسوۂ خلفائے راشدینؓ۔ عاملین کا تقرر۔ رقبۂ حکومت کی صوبہ وار تقسیم۔ تحصیل زکوٰۃ و جزیہ۔ بیت المال وغیرہ وغیرہ۔

۲- ترکیب و تشکیل حکومت۔ "شوریت" کی اہمیت۔ امرہم شوریٰ بینہم۔ وشاورہم فی الامر، وغیرہ کی تفسیر۔ اطاعت امیر۔ اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی تشریح۔ حقوق رعایا۔ فان تنازعتم فی شیٔ۔ الخ۔

۳- مساوات حقوق۔ (مردوں کے حق عورتوں پر۔ عورتوں کے حق مردوں پر۔ والدین کے حقوق۔ اولاد کے حقوق۔ اہل علم کے حقوق۔ فقراء و مساکین کے حقوق۔ اعزہ کے حقوق۔ صلۂ رحم کی اہمیت۔ وغیرہا۔

۴- معاشیات۔ (تقسیم دولت۔ دولۃ بین الاغنیاء کی تفسیر۔ حرمت سود و قمار و تجارت حرام کی اہمیت۔ تقسیم ترکہ کی اہمیت۔ وغیرہا

۵- نظام جنگ۔ (غلامی وغیرہ)

۶- جرائم، حدود و تعزیرات۔ طریق فصل خصومات۔

اسکے بعد دوسرا حصہ مسائل جدیدہ پر لکھیے۔ اور یہ دکھایئے کہ اوپر کے نظام اسلامی کے بعد ان مسائل میں سے نصف تو پیدا ہی نہیں ہوتے۔ محکمۂ آبکاری۔ محکمۂ افیون۔ بینک۔ سیونگ بینک۔ سودی دستاویزوں کا کاروبار۔ پیشۂ وکیل، بیرسٹر۔ امراض جنسی کے لیے بڑے بڑے اسپتال۔ لاٹری۔ گھوڑدوڑ کی بازی۔ سینما۔ تھیٹر، وغیرہ وغیرہ کا سرے سے وجود ہی کہاں باقی رہتا ہے جو انکے لیے حل سوچے اور نکالے جائیں۔ جتنی جائز چیزیں باقی رہ جاتی ہیں (ریل کی سمت قبلہ، ہوائی جہاز میں نماز وغیرہ) انکے فقہی جوابات تحقیق کر کے لکھ دیے جائیں۔

مراسلہ

مخدوم محترم۔ بعد سلام مسنون عرض ہے کہ صدق ۳ رجب میں مسئلہ "حیثیت احادیث" سے متعلق دو جداگانہ مقالے شایع کیے گئے ہیں، ایک مولانا گیلانی مدظلہ کا بعنوان "تدوین حدیث" جسنے پورا صفحہ لے لیا ہے، دوسرا مولانا مطلوب الرحمن صاحب کا بعنوان "فتنۂ انکار حدیث" جس نے صفحہ ۶ سے شروع ہو کر صفحہ ۷ کی ۱۴ سطریں لےلی ہیں۔

اس باب میں میری خواہش (اور میرا خیال ہے کہ بعض دیگر ناظرین صدق بھی یقیناً اسکے خواہشمند ہونگے) یہ ہے کہ آیندہ یہ دونوں مقالے ایک دوسرے سے الگ شایع ہوں اور اس طرح پر کہ ہر ایک کے لیے ایک ایک ورق مختص کر دیا جائے۔ اور اس ورق مختص میں حتی الوسع کسی اور اہم مقالہ کا کوئی حصہ نہ آنے پائے۔ کوئی شذرہ یا کسی شذرہ کا کوئی حصہ آ جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔

اسکا فائدہ ناظرین کو یہ ہوگا کہ وہ ان دونوں مقالوں کو کامل صورت میں صدق سے الگ کر سکینگے۔ انھیں صرف اتنی زحمت کرنی ہوگی کہ پرچہ زیر نظر میں سے صفحہ ۵ والا مضمون نقل کر لینگے۔

کاتب صاحب کی خدمت میں التجا ہے کہ وہ ناظرین صدق کی خاطر اتنی تکلیف گوارا فرمائیں جو اسکے التزام میں انھیں پیش آئیگی۔

احقر عبدالرحیم اردو بازار بانده

صدق۔ مولوی مطلوب الرحمن صاحب کا مضمون تو ختم ہی ہو چکا۔ مولانا گیلانی مدظلہ کے مبسوط مقالہ سے متعلق آپ کی فرمائش کاتب صاحب تک پہونچا دی گئی۔ آپ جیسے مخلص کی فرمائش کی تعمیل سے بڑھ کر مسرت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن عملاً ایسا ہونا دشوار ہی ہے۔

نمبر ۴۵ | دوشنبہ ۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۷ اپریل سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

ذکر سنہ ۱۹۴۱ء کا ہے اور ابھی چند ہفتوں کا۔ شمالی ہند کی ایک یونیورسٹی میں بی اے کے پرچوں کے بعد طلبہ کا زبانی امتحان ہو رہا ہے (اصطلاح میں اسے viva voce کہتے ہیں)۔ غیر مسلم ممتحنوں کے سامنے ایک مسلم طالب علم پیش ہوتا ہے۔ ممتحن پوچھتے ہیں، کہیے بی اے کرنے کے بعد کیا ارادہ ہے؟ مسلمان طالب علم کڑک کر کیا جواب دیتا ہے؟ ڈکٹیٹر بننے کا! اور پھر ڈگری لینے کا۔ ممتحن کہتے ہیں، اچھا فرض کیجیے، ڈکٹیٹر بن گئے، تو آیندہ پروگرام کیا رہیگا؟ لڑکا اب جو جواب دیتا ہے، معلوم ہوگا کہ اسے امتحان گاہ کی جگہ دیوار کے سامنے کھڑا جانتے کہتا ہے:

"ہندوستان کا ڈکٹیٹر ہوکر میرا کام یہ ہوگا کہ سارے ملک میں اسلام پھیلا دوں۔ کسی قوم کی ضد میں نہیں، کسی پر ظلم کر کے نہیں، بلکہ سب کی محبت اور خیرخواہی میں۔ اسلام تو میرے پاس بہترین تحفہ ہے، اسے بانٹنا چاہتا ہوں، بیتاب ہوں اسکے لیے، کہ اسے سب کے دلوں میں اتار دوں، سب کے دماغوں میں اتار دوں، سب کو بہترین نقشۂ زندگی دکھا دوں سمجھا دوں۔ غیروں کے ساتھ صلح و آشتی یہی ہے۔ یہی ایک دستور العمل ایسا ہے جو دنیا سے ہر قسم کے فتنہ و فساد کو مٹا سکتا ہے، اور ہر فلاح و ترقی کا ضامن ہے۔"

ممتحن یہ تبلیغ بصورت تقریر سن، صرف اتنا اور پوچھتا ہے، وہ بھی مسکرا کر، کہ اپنا نام اور پتہ تو لکھاتے جائیے، کہ اگر آپ کہیں ہوگئے ڈکٹیٹر تو مجھے اپنے کو شناخت کرانے میں دقت نہ ہو، اور امتحان ختم کر دیتا ہے۔

گفتگو ظاہر ہے کہ انگریزی میں تھی۔ اور یہاں اسکا دعوی نہیں کہ جو کچھ درج ہوا ہے، وہ روایت باللفظ ہے۔ تقریر کا [illegible] لب لباب بہرحال

یہی تھا — سوال یہ ہے کہ یہ جرأت ہم میں اور آپ میں کیوں نہیں؟ وہ لڑکا تو دیوبند یا ندوہ یا کسی اور دینی درس گاہ کا طالب نہیں، خالص انگریزی کالج کا طالب علم تھا۔ اُسے اسکا بھی خوف نہ ہوا کہ کہیں غیر مسلم ممتحن اسے فیل ہی نہ کر دے۔ جو اسکے جی میں آیا، جو اسکے دل و دماغ نے سمجھایا، بے کھٹکے کہہ گزرا۔ کیوں نہ ہم آپ اس کمسن کی اس جرأت ایمانی سے سبق لیں، اور ریل گاڑی ہو یا ہوٹل، دفتر ہو یا دکان، کچہری ہو یا تفریح گاہ، نرمی سے لیکن صفائی سے اپنا فرضۂ تبلیغ ادا کرتے رہیں؟ یقین فرمائیے کہ جس دن ہمارے اندر یہ جرأت پیدا ہوگئی، اور ہمارے بوڑھوں اور جوانوں اور بچوں اور عورتوں اور مردوں اور بڑوں اور چھوٹوں کے اندر یہ عام ہوگئی، اور ہم نے کلمۂ توحید بے دھڑک اور بے جھجک کہنا شروع کر دیا، پاکستان یا اسلامستان، اُسی گھڑی بے مانگے مل کر رہیگا۔ سارا پروگرام کی قوت کا راز بجز اس جوش توحید اور "جنون تبلیغ" کے اور تھا کیا؟

شروع سنہ ۱۹۱۹ء تھا۔ اور محمد علی نظر بندی کے زمانہ میں ایک بار، امپولہ سے چھندواڑہ کے لیے لکھنؤ کے راستہ سے گزرے۔ ریل میں ساتھ ہو اور کچھ دیر تک ساتھ رہا۔ اسی جوش تبلیغ سے لبریز تھے۔ اس سوال پر کہ رہائی کے بعد کیا پروگرام ہے؟ ابل پڑے، اور لگے کہنے کہ "یورپ کا دورہ تبلیغ اسلام کے لیے کروں گا۔ ہر ہر جگہ لوگوں کو دعوت اسلام دونگا اور سب کو مسلمان کرتا پھرونگا۔ میں تو از سر نو مسلمان ہوا ہوں۔ اور نو مسلموں کا سا جوش رکھتا ہوں۔ جو نعمت مجھے ملی ہے، وہی سب کو پہونچاتا پھرونگا۔ دنیا سے کہونگا، کہ اگر جنگ کی مصیبتوں سے تنگ آچکی ہے، تو عافیت اسلام ہی کے دامن میں ملیگی"۔ افسوس ہے کہ حالات [illegible] موقع تو اس جوش کے ظہار کا نہ [illegible] دوسرے وقتی مشاغل ایک سے بڑھ کر ایک عزیز تر برابر پیش آتے ہی رہے۔ آپ پر بھی یہ دھن کسی [illegible] ہی تک آخر [illegible] رہی۔ اور جب ذرا بھی موقع پایا، اپنا [illegible] دوستوں نے نزدیک تو بے موقع بھی تبلیغ سے نہ چوکے [illegible] لیکن آج صاحب کے دل سے

حق کا تنصر کسی ایک شخصیت یا چند شخصیتوں کے ساتھ کر دینا، یہ بجائے خود وقت کا ایک اہم فتنہ ہے۔ شخصیتیں تو خود حق کی تابع ہوتی ہیں، نہ یہ کہ حق کا معیار شخصیتوں کو بنا لیا جائے؟ آنکھ بند کر کے پیروی اور اتباع کے قابل تو صرف حضرات انبیاء کی ذات ہوئی ہے۔ کسی اور ہستی کے لیے بیجا احترام میں اس حد تک کی تعظیم خطرناک ہے، اسی طرح یہ غلو و افراط بھی۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں کی رائیں صحیح ہوں، ہو سکتا ہے کہ دونوں کی رائیں غلط ہوں، ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے صرف ایک کا مسلک صحیح ہو، بہرصورت ان میں سے کسی کی "بزرگی" کا تعلق کسی خاص مسلک سیاسی کی صحت سے ہرگز نہیں۔ اور آگے بڑھنے سے قبل لازمی ہے کہ ذہن کو شخصیتوں کے تعلق سے بالکل پاک کر لیا جائے۔

سائل کے ذہن کے سامنے کیا امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلافات کی مثالیں نہیں؟ کیا ایسے مسائل نہیں، جن میں ایک طرف بڑے بڑے فقہاء ہیں، اور دوسری طرف اکابر محدثین؟ ان سے بھی اوپر چلیے، حضرات صحابہ کے درمیان کیسے کیسے اختلافات رہ چکے ہیں، اور آخر میں تو نوبت زبان سے گزر کر تلوار تک، جدال و قتال کی آ گئی ہے! اور قرآن مجید میں تو ذکر خود انبیاء علیہم السلام کے اختلاف اجتہاد کا ملتا ہے۔ ایک مقدمہ میں حضرت داؤدؑ فیصلہ کچھ کرنا چاہتے تھے، اور رائے انکی بھی غلط نہ تھی، حضرت سلیمانؑ نے فیصلہ دوسرا کیا۔ اور رائے قابل ترجیح انھیں کی قرار پائی۔ اور حضرت ہارونؑ کی صلح و امن کی پالیسی پر تو حضرت موسیٰؑ کو اس قدر ناگواری پیدا ہوئی، کہ حملہ تک سے دریغ نہ فرمایا! —— حق ہمیشہ اپنی جگہ پر رہا، اور شخصیتیں اپنی جگہ پر۔ اشخاص کیسے ہی محترم بھی، حق اللہ کے نزدیک ان سے بھی محترم تر ہے۔ انھیں چھوڑا جا سکتا ہے، حق سے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔

آگے بڑھنے سے قبل بہتر ہوگا کہ ایک چھوٹا سا لطیفہ راقم سطور کی آپ بیتی کے سلسلہ میں سن لیجیے۔ بیس اکیس سال کی بات ہے۔ سنہ غالباً ۱۹۲۰ء تھا یا شاید شروع ۱۹۲۱ء۔ تحریک خلافت کا شباب تھا، اور جب سے مولانا ابوالکلام نے اس کے لیے بجائے "عدم تعاون" کے "ترک موالات" کی اصطلاح رکھ دی تھی، مسلمان علی برادران کی قیادت میں جوق در جوق اس میں شریک ہو رہے تھے، اور گاندھی جی کی سرداری نہیں کر رہے تھے لینا چاہیے، کہ نہیں رہے تھے۔ میں خود بہت سے مسلمان نوجوانوں کی طرح (گو علی برادران کے بہ ملاقات) "مہاتما جی" کی سیاسیات سے کہیں بڑھ کر انکی روحانیت اور مذہبیت کا قائل تھا۔ اور انھیں ایک بڑا مقدس و برگزیدہ شخص سمجھ رہا تھا۔ الہ آباد میں حضرت اکبرؒ کا مہمان ہوا۔ دوران گفتگو میں انہیں اس نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی، اور انھیں وقت کی تحریکات کی طرف راغب اور ان میں شامل کرنا چاہا۔ حضرت اکبرؒ چند منٹ تو تحمل سے سنتے رہے، اسکے بعد بولے "کیوں صاحب! ان کمیٹیوں میں داخلہ کی پہلی شرط لا الٰہ الا اللہ ہے یا نہیں؟" —— میرے اوپر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ جواب کیا دیتا۔ خود سوچ میں پڑ گیا، کہ جن مجلسوں میں توحید کی اتنی بھی قدر نہ ہو، اور توحید اور شرک ایک سطح پر ہوں، تو ان مجلسوں کا کیا ٹھکانا

مذہب روحانیت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے!

لطیفہ ختم ہوا۔ لیکن ساتھ ہی مسئلہ کا حل بھی بہت ہی آسان ہو گیا۔ پیچیدگی کوئی پیدا کرنا چاہے تو جتنی چاہے پیدا کر لے۔ ورنہ سہل سا سوال، صاف اور سیدھا، تو بس اسی قدر ہے، کہ مسلمان کا سیاسی آئیڈیل اور مطمح نظر ہونا کیا چاہیے؟ جواب، جامع اور دو لفظی صرف ایک ہی ہے، یعنی اسلام کی حکومت، قرآن کی بادشاہت۔ بس اسکے سوا کوئی اور نصب العین نہ ممکن ہے نہ اب تک پیش ہوا ہے۔ زمین کی بادشاہتیں، محدود جغرافی رقبوں کی حکومتیں اگر اسی اصل کی فرع ہیں، اگر حکومت الٰہی کے قیام سے از خود لازم آ جاتی ہیں، تو سبحان اللہ۔ ایک درجہ میں وہ خود بھی مطلوب و مقصود ہیں۔ باقی اگر اس میں شامل نہیں، یا کسی حیثیت سے ہی اس میں معارض و مزاحم ہیں، تو مسلمان کا ان سے اصلاً تعلق نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد اس طبقہ کی غلطی و غلط روی از خود واضح ہو جاتی ہے، جس نے اس سے کمتر کسی نصب العین پر قناعت کر لی ہے، یا کسی غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کر کے اسکے اندر مسلمان نامی ایک قوم کی محض دنیوی سربلندی و خوشحالی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے۔ مسلمان تو صرف اللہ کا بندہ ہے، اللہ کا غلام ہے، اللہ کی رعایا ہے۔ اسکا قانون صرف قرآن کا قانون ہے۔ اسکا ضابطہ تعزیرات، ضابطہ مال، ضابطہ دیوانی، صرف قانون شریعت ہے، یعنی کتاب و سنت اور انکے استنباطات۔ اسے چھوڑ کر کسی غیر اسلامی نظام کے ماتحت، نچلی و ادنیٰ ملازمتوں پر قانع ہو جانا، توہین ہے اسکی اسلامیت کی، اور تحقیر ہے اسکے مرتبہ خلافت الٰہی و نیابت خداوندی کی —— یہ ذہنیت تھکی ہوئی اور ہاری ہوئی فوج کی ذہنیت، پست ہمت، کم حوصلہ اور ضعیف الارادہ لوگوں کی ذہنیت ہے۔

لیکن یہ غلطی پھر بھی نظرانداز کیے جانے کے قابل ہے۔ اس سے کہیں بڑھ کر شدید اور صریح کجروی یہ ہے کہ اسلامیت کے اس محدود و ناقص تصور کی بھی اہمیت سے قطع نظر کر لی جائے، اور اپنے کو تمامتر ایک دابۃ الارض فرض کر کے، محض ایک ملک یا خطۂ زمین کا باشندہ فرض کر کے اپنی جد و جہد کو محدود و محصور اس پر کر دیا جائے، کہ وہ محدود رقبہ زمین "پردیسیوں" یا غیر ملکیوں کے نظام حکومت سے نکل کر دیسیوں یا ملکیوں کے حلقۂ اقتدار میں آ جائے، اور اسکا لحاظ کیے غیر اسلامی بلکہ مخالف اسلام ہونے کے لحاظ سے "یہ اور وہ دونوں نظام بالکل مساوی ہیں! اور انکا ہی نہیں"۔ اس مقصد کے حصول کا وسیلہ اور آلہ کسی ایک ایسی انجمن کو بنا لیا جائے، جو مشترک ہو، یعنی جو علی الاعلان غیر اسلامی ہو اور جسکے اندر مومن، ملحد، مشرک یکساں مرتبہ و حیثیت رکھتے ہوں! —— پہلے طبقہ کے ہاں مرکزیت کا مقام کم از کم اسلام کی ظاہریت کو تو حاصل تھا، اس دوسرے طبقہ نے تو دین کی معنویت و ظاہریت دونوں سے یکسر قطع نظر کر لی، اور دین کی جامعیت کو تمامتر حصول دنیا پر قربان کر دیا!

ظاہر ہے کہ یہاں سوال اس طبقہ کے افراد کی شخصی و انفرادی زندگیوں کا مطلق نہیں، اس لیے انکے "تقویٰ و طہارت" کو استدلال میں پیش کرنا

تو بن سکتے ہیں لیکن مسلمان نہیں بن سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں کوئی تجویز پیش کروں تو میں یہ کہونگا کہ اسلامی تعلیم کی اصل اور بنیاد قرآن مجید ہے۔ اسلیے اپنے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم اس طرح دیجیے کہ وہ اسکو سمجھ سکیں اور اُن میں اسلامی روح پیدا ہو۔ یہ مقصد بغیر قرآن مجید کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے حاصل نہ ہوگا۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

آپ نے اگر پہونچا دیا مسلمانوں کو مارکس کے پاس یا ہٹلر اور مسولینی کے پاس تو اس سے کیا حاصل؟ اگر آپ کی درسگاہ میں قرآن مجید کی تعلیم نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ تو بیشک کہا جائیگا کہ آپ تعلیم کی خدمت کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ مسلمانوں کی یا اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ دنیا تم سے کہتی ہے کہ تم آگے بڑھو! اگر میں کہتا ہوں کہ ساڑھے تیرہ سو برس پیچھے ہٹو۔ جبکہ تم آزاد تھے اور کسی کے غلام نہیں تھے۔ مسلمان پستی میں گر چکے ہیں انہیں پھر اٹھائیے اور اُن میں خالدؓ اور ابو عبیدہؓ پیدا کیجیے۔

سلسلۂ تقریر میں آپ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ

اے نوجوانو! ملت کے مستقبل کا مدار تم پر ہے۔ تم کو لباس اور صورت کے لحاظ سے مسلمان ہونا چاہیے اور اس سے بھی زیادہ "سیرت" کے لحاظ سے۔ حضرت معاذؓ بن جبل جب رستم تالی کے پاس گئے تھے تو کس دلیری و شان کے ساتھ گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک مسلمان جا رہا ہے۔ اسی طرح ایک طالب علم کو اپنی درسگاہ سے اس طرح نکلنا چاہیے کہ لوگ دیکھ کر کہیں کہ یہ جا رہا ہے مسلمان جو آزاد ہے اور کسی کا غلام نہیں۔ تم ہے مسلمان اور کسی کا غلام اے، جداد کا نام لیکر جھومنے والے مسلمانو۔ تم کو صرف جسم سنوارنا آتا ہے روح کو کیوں نہیں سنوارتے۔

حضرات۔ مجھے دوسرے مدارس سے کوئی گلہ نہیں لیکن یونیورسٹی سے گلہ ہے کہ وہ قرآن مجید اور مذہبی تعلیم کا اہتمام کیوں نہیں کرتی۔

اب رات کا ایک بج چکا تھا اس لیے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے معذرت کرتے ہوئے اپنی تقریر ختم کر دی۔ اور فرمایا کہ میں نہایت شرمندہ ہوں کہ آپ نے میری تقریر سے جو امیدیں قائم کی تھیں وہ میں پوری نہ کر سکا۔

مندرجہ بالا تقریر کے بعد جسکا خلاصہ اوپر پیش کیا گیا آپ نے فرمایا

کہ حیدرآباد نے علوم اسلامیہ کی جو خدمت انجام دی وہ ظاہر ہے۔ خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کے ۲۵ سالہ دور میں حکومت نے تعلیم کے متعلق جو کام کیا ہے وہ کسی دوسری جگہ سے کم نہیں ہے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ میں جناب صدر کے توسط سے کانفرنس کے ممبروں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنا آیندہ سالانہ اجلاس حیدرآباد میں منعقد کریں میں جناب صدر سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ کانفرنس کے ارباب حل وعقد سے اس کی منظوری حاصل کر لیں تاکہ میں ابھی سے اجلاس کی تیاریاں شروع کر دوں"۔

نواب صاحب کی اس دعوت پر جناب صدر اور تمام حاضرین نے گرمجوشی سے اظہار مسرت کیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر احمد عالم صاحب صدر شعبہ نے مختصر الفاظ میں یہ بتایا کہ مسلم یونیورسٹی میں قرآن مجید اور مذہبی تعلیم کا انتظام موجود ہے۔ جس پر نواب صاحب بہادر یار جنگ بہادر نے اظہار مسرت کیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ بجے رات کو شعبۂ تعلیمی کا یہ اجلاس ختم ہوا۔ (رکابدار بزم گرامی)

مکہ معظمہ کا ایک مشاہدہ

[پچھلے دنوں دہلی جانا ہوا تو اتفاق سے ملاقات میں مولوی سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم۔ اے۔ ایڈیٹر رسالہ برہان نے اپنے سفر حج سنہ ۱۹۲۶ء کا ایک واقعہ بیان کیا۔ جس سے ایک طرف سیرت محمد علیؒ پر روشنی پڑتی ہے اور دوسری طرف استجابت دعا پر۔ درخواست کرنے پر موصوف نے واقعہ کو قلمبند بھی کر دیا۔ ناظرین صدق کے لیے پیشکش ہے۔ صدق]

واقعہ یہ ہوا کہ ۷ ذی الحجہ کی شام کو مغرب کے بعد والدہ ماجدہ مرحومہ کے سینے میں سخت درد ہوا اور بخار بھی تھا۔ میں نے فوراً ایک ترکی ڈاکٹر کی امداد حاصل کی۔ انھوں نے بہت توجہ سے دیکھا بھالا اور ایک نسخہ لکھ دیا۔ میں نے اُس نسخہ کی کئی خوراکیں دیں، لیکن درد میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اسی پریشانی میں رات کے ۱۲ بج گئے۔ اگلے دن یعنی ۸ ذی الحجہ کی صبح کو حج کے لیے منیٰ اور وہاں سے عرفات جانا تھا۔ اور ادھر والدہ ماجدہ کا یہ حال کہ شدت کرب سے بیتاب اور درد سے بے تاب کس طرح مضطرب تھیں۔ جب کوئی اور تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو والدہ نے کہا "خدا کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے" طلب صادق شرط ہے۔ اس نے تو "امن یجیب المضطر اذا دعاہ" فرمایا ہے۔ وہ واجب ہے جو اس کی تاثیر بھی دیکھنی چاہیے۔ اس خیال کے آتے ہی میں تو مطمئن ہو گیا تھا۔ پہلے غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنے۔ اور پھر والدہ کو اسی حالت چھوڑ کر سیدھا مسجد حرام پہونچا۔ جاتے ہی دو رکعت نفل ادا کی [illegible] طواف کیا۔ حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اس وقت ایک اور دو بجے کے درمیان کا ہنگام ہوگا۔ دن کے مقابلہ میں اس وقت طواف کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ بعض کم لیکن خوش نصیب انسانوں میں میں نے دیکھا کہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک نہایت والہانہ انداز میں طواف کر رہے ہیں پیچھے پیچھے اُنکی بیگم آ رہی ہیں۔ مولانا خود طواف کی دعا پڑھتے جاتے ہیں اور اتنی بلند آواز سے کہ اُسی کے مطابق اُنکی بیگم بھی دعا پڑھ رہی ہیں۔ میں مولانا محمد علی کی اس عبرت و نصیحت آموز حالت کو دیکھ کر ایک کونے میں مقام ابراہیم کے پاس بیٹھ گیا۔ اور مولانا کی ایک ایک حرکت کو دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا نے طواف کے آخری شوط (چکر) میں حجر اسود کو بڑے جذبۂ اشتیاق سے بوسہ دیا۔ اور پھر غلاف کعبہ کو پکڑ کر بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر میرے بھی آنسو نکل آئے۔ اور دیر تک عجیب کیفیت طاری رہا۔ مولانا مرحوم غلاف کعبہ پکڑے ہوئے دیر تک رو رو کر دعائیں کرتے رہے [illegible] ایسی بیقراری ہو رہی تھی کہ میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ اُنھوں نے [illegible] دعا مانگی۔

نمبر ۴۶ | دوشنبہ - ۱۰ - ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۴۱ء | جلد ۶

ایک انگریزی مضمون

صدق ۱۹۴۱ء میں ڈربن کے ایک انگریزی مضمون کا ذکر آچکا ہے، جو تعدد ازدواج پر اسلامک ریویو (کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ) میں نکلا ہے۔ یہی مضمون اتفاق سے، اسی ماہ مارچ میں لندن کے اسلامک ریویو میں بھی شایع ہوگیا ہے۔ اور اصل میں بھیجا بھی اسی کے لیے گیا تھا۔ جب وہاں اسکی اشاعت میں غیرمعمولی تاخیر ہوئی تو مجبوراً لکھنؤ کے رسالہ کو دیا گیا۔ اب وہ وہاں بھی چھپ گیا۔ نفس مضمون تو دونوں پرچوں میں ایک ہی ہے۔ لیکن کاغذ، طباعت، صفائی وغیرہ محاسن ظاہری میں اسلامک ریویو کا پلہ اپنے معاصر سے کہیں بھاری ہے، اور پڑھنے کا لطف اسی میں پڑھنے میں آتا ہے۔ ہندوستان میں اسکا پتہ:- عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔

ایک مسلمان خبر رساں ایجنسی

ابتک ملک میں مسلمانوں کی کوئی خبر رساں ایجنسی نہ تھی۔ انگریزی نیوز ایجنسیاں سب کی سب غیرمسلم ہاتھوں میں تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایک تو مسلمانوں کے مذاق و دلچسپی کی خبروں کی اشاعت ہی برائے نام ہو پاتی۔ دوسرے جس واقعہ سے متعلق جو خبریں انگریزی پریس اور اسکا ترجمہ ہوکر اردو پریس میں آتی، اُس میں رنگ غیراسلامی و غیرمسلمانہ ہی غالب رہتا۔ غنیمت ہے کہ مسلمانوں کو اب ہوش آیا، اور کچھ روز سے انکی بھی ایک نیوز ایجنسی "اورینٹ پریس" نیوز روس کے نام سے قائم ہوگئی ہے صدر مقام دہلی۔ شاخیں تمام مرکزی مقامات، لاہور، لکھنؤ، حیدرآباد، ڈھاکہ وغیرہ میں۔ خوشی کی بات ہے کہ اب تک ایجنسی مذکور کی کارگزاری اچھی ہے، خبریں جلد دے رہی ہے، مفصل دے رہی ہے، صحیح دے رہی ہے۔ مسلم اکابر کی تقریریں، مسلم اداروں کی رودادیں، جن کی جھلک تک انگریزی پریس میں نہ پہونچنے پاتی، اسوقت محض اس ایجنسی کے مستعد و سرگرم عمل عہدہ داروں و کارپردازوں کے ہاتھوں، منظر عام پر آرہی ہیں۔ خدا کرے یہی حالت

آئندہ بھی قائم رہے۔ ابھی تو زمانہ تھوڑا ہی ہوا ہے، اس لیے زیادہ امید ہی قائم کرتے جی ڈرتا ہے۔

معاشیات اسلامی کی برتری

"سود کے متعلق اسلامی نظریات جدید ترین تحقیقات سے بھی بتدریج بالکل ثابت ہورہے ہیں۔ اور اب یہ مسلمہ کلیہ سمجھا جانے لگا ہے کہ جو ملک جتنا زیادہ مہذب ہوگا وہاں قرض لینے کی شرح سود اتنی ہی کم ہوگی اور ظاہر ہے کہ جو انتہائی مہذب ملک ہو اسکی شرح سود صفر ہونا چاہیے۔ اس حقیقت کو نظریہ کی حد تک مغرب نے معلوم کرلیا ہے"

جامعہ عثمانیہ کے استاد معاشیات پروفیسر انور اقبال قریشی نے دکن کے ایک انجمن قرض حسنہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر اپنی تقریر میں کہا۔

ایک ماہر فن کے اس اعلان پر بربیان کے بعد ان بیچاروں کا کیا حشر ہوتا ہے جنکی ساری عمر کی کمائی، مشرق یا مغرب کے کسی علم وفن میں مہارت نہیں، بلکہ صرف "روشن خیالی" ہے! "جوازِ سود" پر رسالہ شایع کرنے اور مسلمانوں کے اندر تبلیغ سود کے موقع کیسے! قدم آگے کس کل گئے ہیں! حیدرآباد کی خوش قسمتی، حکومت آصفیہ کی خوش اقبالی، اور باقی جامعہ عثمانیہ کی خوش نصیبی کا ثمرہ ہے کہ اسکے اساتذۂ فن میں اچھی خاصی تعداد صاحب ایمان الحمدللہ کی جمع ہوگئی ہے۔ یہ حضرات چاہیں، تو تاریخ، معاشیات، اجتماعیات میں دین کی مفید اور ٹھوس خدمت بہت کچھ انجام دے سکتے ہیں۔

سر سلیمان کا ایک کارنامہ

سر شاہ سلیمان مرحوم پر "ایک تعزیتی مضمون کا اقتباس:-

"سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ایک عقیدت مند مسلمان تھے اپنی سرگرمیوں کے ہر شعبہ میں اسکا مظاہرہ فرماتے تھے۔"

پر آپ کے ڈرائنگ روم میں احتیاط اور صفائی کے ساتھ رکھے ہوئے کلام پاک کے نسخوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جو کمرے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے نظر آتا تھا۔ کلام پاک کی تلاوت آپ بالالتزام اور معنی و مطلب کے ساتھ فرماتے تھے اور اس کا احترام اس درجہ ملحوظ خاطر تھا کہ جہاں کہیں کسی غیر مسلم کے پاس یا ایسے شخص کے پاس جو اس کا پورا احترام نہ کر سکے آپ کوئی قرآن مجید دیکھتے تھے تو اسے جس قیمت پر بھی ہو سکے حاصل کر لیتے تھے۔ یہی ذخیرہ جمع ہو کر اب کافی ضخیم ہو گیا تھا مسلم یونیورسٹی میں اپنی وائس چانسلری کے زمانہ میں آپ نے تاریخ العقیدۂ سلطان ہونے کی متعدد درخشاں یادگاریں چھوڑیں جن میں

سب سے زیادہ نمایاں یادگار یہ ہے کہ آپ نے یونیورسٹی میں ہفتہ وار تعطیل بجائے اتوار کے جمعہ کو کر دی۔ اور یہ سرسید علیہ الرحمہ کے وقت سے اس وقت تک نہ ہوا تھا۔" (مسلم یونیورسٹی گزٹ)

یونیورسٹی گزٹ نے یہ آخری بات، جسے یہاں زیر خط کر دیا گیا ہے، خوب یاد دلائی۔ حقیقۃً یہ مرحوم کی زندگی کا روشن ترین کارنامہ ہے۔

ایک یہ "محکوم" و "ذلیل" ہندی مسلمان ہے، جو اپنی غلامی اور محکومی کے باوجود اپنی زندہ اسلامیت کا یہ ثبوت دے جاتا ہے، اور سرکاری کچہریوں دفتروں، ڈاکخانہ، بینک کے یوم تعطیل کی پروا نہ کر کے اپنے ادارہ میں جمعہ کا احترام یوں قائم کر جاتا ہے۔ اور دوسری طرف تجدد و تفرنج کے وہ ستون اعظم ہیں، جو "آزاد" اور "خود مختار" بادشاہ، فرماں روا، آمر مطلق ہو کر یہاں فائدہ اُس سے بھی اُٹھایا کہ اپنے ملک سے صدیوں کے قائم شدہ احترام جمعہ ہی پر ہاتھ صاف کر دیا!

شیطان کی راجدھانیاں

"اپنی ہی جنس کی طرف شہوانی میلان رکھنے کی اہمیت، مرد بیسواؤں کی کثرت تعداد سے ظاہر ہے۔ اسکی تحقیق برلن میں خاص طور پر کی گئی ہے جہاں پولیس نے اسے جائز قرار دیا ہے اسی اصل پر جس پر عورت کی بیسوائی جائز ہے، یعنی اس غرض سے کہ یہ قابو میں رہے۔ ہرشفیلڈ کے خیال میں تو شہر برلن میں مرد بیسواؤں کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب ہوگی، یا ورز کمیشن کا اندازہ اور محتاط تر تخمینہ کے بموجب ۶ ہزار ...... عام سبب عورتوں کی عصمت فروشی کی طرح یہاں بھی بے روزگاری بیان کر دیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ متعدد دوسرے اسباب و محرکات ہیں۔"

(ہیولاک ایلس کی "سائیکالوجی آف سکس" ج ۲، ص ۲۲۲ تا ۲۲۳)

اقتباس سے زیادہ بڑا اعداد امر کے متعلق درج ہیں اور اس سے بھی زیادہ انگلستان سے متعلق۔ چنانچہ انگلستان کے سلسلہ میں مصنف کا بیان ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کی بڑی تعداد اس علت میں مبتلا ہے، خصوصاً آرٹ اور موسیقی کا ذوق رکھنے والوں میں ایسا کہ

"میرے تجربے کے مطابق ۸۶ فی صدی" (ص ۲۲۱)

اپنے ملک کی اخلاقی گندگی پر پردہ ڈالنے والے، اور اپنے ملک کے ہیجڑوں، زنانوں، مخنثوں کی تعداد پر شرم سے کٹ کٹ جانے والے، سن لیں اور دیکھ لیں کہ مہذب اور شائستہ قوموں کے مشغلے بھی کیسے کیسے مہذب و شائستہ، لطیف و شستہ، پاک و مقدس مشغلے ہیں! (ص ۲۲۱)

وطنیت کی تاریخ

سہ ماہی رسالہ سیاست (حیدرآباد دکن) اردو دنیا میں سیاسیات پر سنجیدہ و علمی بحث کرنے والا واحد رسالہ ہے۔ اسکے ایک مضمون کا اقتباس :-

"وطنیت کے تصور کا اظہار سیاست کے ذریعہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہوا، اور انقلاب فرانس نے اس تصور کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ بعد میں وطنیت کا اظہار مخصوص ناموں کی ادبی، تاریخی اور لسانی خصوصیات کے ذریعہ سے کیا گیا۔ وطنیت کے جذبہ کی ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام ایک مشترک سیاسی ہیئت میں منسلک ہو گئے اور تاجرانہ نفع پرستی کی گرم بازاری کے لیے اہل مغرب کے یہ نئے حالات بہت سازگار ثابت ہوئے ..... اس جذبہ کے نشو و نما میں بادشاہوں کا بڑا حصہ رہا۔ بالخصوص انگلستان اور فرانس میں قومیت انھیں کی مساعی کی رہین منت ہے ..... ہر جماعت قومیت یا وطنیت ہی کی بنیاد پر اپنی سیاسی اور معنوی تنظیم کرنے کی دعویدار ہوئی۔ قومی اقتدار، معاشی قوت و نفوذ حاصل کرنے کا ذریعہ ٹھہرا اور معاشی قوت سے قوموں کے سیاسی اقتدار میں اضافہ ہوا۔ ہر قومی مملکت اپنے معاشی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مقدر کی تشکیل و تکمیل کے درپے ہو گئی، بالیقین اس امر کے کہ دوسری جماعتوں پر اسکا کیا اثر مترتب ہوگا۔ جب ہر مملکت جو وضع قانون کا حق رکھتی ہے، خود ہی اپنے حلقۂ عمل کے حدود کا تعین کرنے لگی تو اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے یہاں اتنی عسکری قوت پیدا کرنے پر مصر ہوئی جو اسکی دانست میں دوسری قوموں کی دست درازی سے محفوظ رکھ سکے اور اپنے من مانے حقوق منوا سکے"۔ (جنوری نمبر، ص ۱۳)

ہمارے علماء کرام اور ان کے بہت سے متبعین، جو ایک نیک نیتی کے ساتھ وطن دوستی یا وطن پرستی کے مسلک پر چلے جا رہے ہیں، اُن سے اُنھیں کے تدین و اخلاص کا واسطہ دے کر عرض ہے، کہ سکون و سنجیدگی کے ساتھ ہر پارٹی لیبل سے الگ ہو کر ذرا وطنیت کی اس تاریخ پر بھی غور فرما لیں کہ فرنگ پرستی میں کہیں خود ہی فرنگیت کا شکار تو نہیں ہوئے جا رہے ہیں!

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں!

نئی رہبری

تجدد کے نقیب نے بمبئی کے ایک ماہر تعلیم نے کہا تمتماتے ہوئے چہرے اور گرجتے ہوئے لہجے کے ساتھ،

تدوینِ حدیث

(۶)

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

اس لئے صحابۂ کرام کی ذہنی قوتوں اور عملی توانائیوں میں نئی زندگی کی روح بھر کر ان میں ایسی لہر پیدا کردی تھی کہ "قول" گاڈفری ہیگنس عیسائی اسکو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیرووں میں پیدا کردیا تھا کہ جسکو عیسٰی کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے سود ہے" اور میں تو کہتا ہوں کہ عیسائی ہی نہیں بلکہ دنیا کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس نشہ کی نظیر نہ اس سے پہلے دیکھی گئی اور نہ اس کے بعد دیکھی جا سکتی ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو صحابۂ کرام کے اس نشہ کی خبر کتنے صحیح الفاظ میں دی تھی۔

ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک ووفدت علی قیصر وکسریٰ والنجاشی واللہ ان رأیت ملکاً قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد محمداً واللہ ان تنخم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم فدلک بھا وجہہ وجلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئہ واذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ وما یحدون الیہ النظر تعظیما لہ (بخاری)

لوگو! خدا کی قسم مجھے بادشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقع ملا ہے قیصر (روم) کسریٰ (ایران) نجاشی (ابی سینیا) کے سامنے حاضر ہوا ہوں، قسم خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جسکی لوگ اتنی عظمت کرتے ہوں، جتنی عظمت محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہیں۔ قسم خدا کی جب وہ بلغم تھوکتے ہیں تو نہیں گرتا ہے، وہ لیکن انکے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں۔ پھر وہ اپنے چہرہ اور بدن پر اُسے مل لیتا ہے (محمدؐ) جب کسی بات کا اُنھیں حکم دیتے ہیں تو اُنکی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں، جب محمدؐ وضو کرتے ہیں تو اُس وقت اُنکے وضو کے پانی پر آپس میں اُلجھ پڑتے ہیں، جب محمدؐ بات کرتے ہیں تو اُنکی آوازیں پست ہو جاتی ہیں محمدؐ کو نگاہ بھر کر اُنکی عظمت کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے۔

یہ دوست کی نہیں، بلکہ ایک دانا دشمن کی شہادت ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس جماعت کے نشہ کا یہ حال ہو، جو الکلام دادام توڑ کی چیزیں تھیں، تھوک اور غسالہ تک کو اپنے اندر پیوست کرتے تھے، اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے میں گویا باہم اُلجھ پڑتے تھے، ایک ایک موئے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عبیدہ تابعی جنھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک ہاتھ آگیا تھا۔ فرماتے

... لان تکون عندی شعرۃ منہ احب الی من الدنیا وما فیہا ... میرے پاس کسی بال کا ہونا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اندر جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب کچھ میرے یہاں ہو

جن لوگوں کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا ہو، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "زندگی" جسکے خدا کی طرف سے یہی وہ محافظ اور مبلغ قرار دیے گئے تھے، سوچنا چاہیے کہ ان ہی لوگوں نے اس "زندگی" کی نگہداشت میں کس اہتمام کس انہماک اور توجہ سے کام لیا ہوگا۔ ایک ایک موئے مبارک بھی جن کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھا ان ہی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی جو قدر ہو، چاہیے کہ کیا قیمت تھی۔ ایک طرف حضرات صحابہ کرام کے ان جذباتی طوفانوں کو اپنے سامنے رکھیے اور اسی کے ساتھ اس پر بھی غور کیجیے، کہ جس محمدی "تاریخ" کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ داری قدرت کی جانب سے انھیں سپرد ہوئی تھی، اس زمانہ میں انکے پاس کسی قسم کا کوئی دماغی مشغلہ قرآن مجید کے سوا موجود نہ تھا۔ عرب جاہلیت کی تاریخ ہم سب کے سامنے ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس حیرت انگیز جنبش اچانک۔ اُمّی پیدا ہی کے زمانہ سے پہلے وہ اور انکا ملک تقریباً ان عام علمی اور ذہنی مشغلوں سے مفلس تھا جنکا چرچا عموماً حضارت و تمدن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگرچہ میں اسکا تو قائل نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عرب کے ایام جاہلیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کی حالت ہندوستانی بھیلوں اور گونڈوں کی تھی، نہ صرف قریش بلکہ اور بھی دوسرے قبائل کے صحیح حالات سے جو واقف ہیں، وہ ایک سکنڈ کے لیے یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے بلکہ جیسا کہ عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیل آئیگی کہ جاہلیت "کا یہ ترجمہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے" عربی زبان اور قرآن مجید جس میں یہ لفظ غالباً پہلی دفعہ استعمال ہوا اسکے عام محاوروں کے خلاف ہے۔ عربوں کی جہالت کا جو یہ مطلب سمجھتا ہے وہ دراصل واقعات سے جاہل ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کے سلسلہ میں عرب کا بھی اس زمانہ میں تقریباً وہی حال تھا جو عموماً اُس زمانہ میں اگر کامل متمدن ممالک نہیں تو نیم متمدن ممالک کا تھا۔ یعنی جس طرح قدیم زمانہ میں تقریباً [illegible] ملک اور قوم میں لکھنے پڑھنے والوں کا ایک خاص پیشہ ور طبقہ ہوتا تھا، اور عام پبلک کو اُس سے چنداں تعلق نہیں ہوتا تھا نہ اسکی اتنی ہمت تھی۔ کسی ملک میں پادریوں، کسی میں موبدوں، کسی میں برہمنوں، الغرض ایک قسم کے لوگوں کے ساتھ یہ کام مخصوص تھا، اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب عرب کا بھی یہی حال تھا۔ آیندہ یہ بتایا جائیگا کہ عرب میں بھی ایک خاصی تعداد خواندوں اور نوشتہ خوانوں کی تھی، نہ صرف مرد بلکہ ایام جاہلیت میں بھی بعض لکھی پڑھی عورتیں پائی جاتی تھیں، شرفا ہی نہیں بلکہ غلاموں میں بھی ایسے افراد موجود تھے۔ میں اپنے اس دعوے کی تھوڑی بہت تفصیلیں آگے بھی کروں گا، لیکن بایں ہمہ اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ معمولی نوشت و خواند چند گنے چنے لوگوں تک محدود تھی، آگے، عربوں کی ذہنی اور دماغی قوتوں کے لیے اس زمانہ میں کوئی خاص اہم خوراک موجود نہ تھی، اور جتنی کچھ تھی

کچھ تھی بھی تو وہ ادنیٰ درجہ کی تھی - ان کا سب سے بڑا دماغی مشغلہ شعر و شاعری کا تھا، یا باہم دوسرے پر تفاخر کے لیے یا توہین کے لیے وہ انساب کے علاوہ بھی دلچسپی رکھتے تھے، اور بھی ابتدائی نوعیت کی کچھ فنی چیزیں معدودے چند افراد کے پاس تھیں، لیکن اسلام نے شرافت کا جو معیار مقرر کیا تھا اس میں گانے بجانے، تصویر سازی، بیہودہ مفاخرت یا مشاجرت وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ اہلی خمریات و فخریات، فحش و مبالغہ والی شاعری کی بھی اس نے کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی - ایک طرف عربوں کی ذہنی اور علمی بھوک کی وہ شدت، اور دوسری طرف یوں ہی انکے پاس کا دماغی مشغلہ سے خالی ہونا چنانچہ کبھی ادنیٰ درجہ کی کچھ لذتیں انکے پاس جو موجود تھیں انکے سامنے سے انکا بھی ہٹ جانا اور سب کو ہٹا کر اس شدید دماغی تشنگی کے وقت میں انکے سامنے صرف قرآن اور تبلیغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا علم اور فن کے رنگ میں پیش ہونا، اسی کی کمی بیشی پر سوسائٹی میں افراد کے مدارج کا قدرتاً مقرر ہو جانا غور کرنے کی بات ہے کہ ایسے احوال میں ہر چیز سے ٹوٹ کر جو قوم ان میں دو چیزوں میں اگر وہ ڈوب گئے تھے، تو آپ ہی اندازہ کیجیے کہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا - ایسی حالت میں یقیناً یہی ہو سکتا تھا اور یہی ہو کر رہا۔ بلکہ اسی کے ساتھ ہم جب اس واقعہ کو بھی ملاتے ہیں، کہ فاقہ کش، غریب، اور مفلس عرب جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایام جاہلیت میں معاشی حیثیت سے انتہائی سخت کوششوں کا شکار بنا ہوا تھا، تنعیش و رفاہیت کا کیا ذکر ہے، ضروری معاشی رسد کی تکمیل میں بھی انکو آسمان و زمین کے قلابے ملانے پڑتے تھے - ساری عمر عرب کے چٹیل، ریگستانی اور سنگستانی صحراؤں میں بیچارے صرف اس لیے کہ دو وقت کی خشک روٹی خواہ کسی شکل میں بھی مل جائے اور وہ بھی بمشکل میسر آتی تھی لیکن اسلام نے ایک طرف ان کے باطنی قوٹے اور ذہنی مطالب میں یہ طوفان برپا کیا۔ دوسری طرف پندرہ پندرہ بیس سال کی مدت میں جسمانی اور معاشی مطالبوں کے لیے رسد کا ایک ایسا سیلاب تھا، سمندر تک اس خیرآباد قلیل التعداد ملک میں لا کھڑا کر دیا تھا کہ سچ یہ ہے کہ اسکی نظیر بھی عرب کے آسمانوں نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی اور نہ آج تک پھر وہ تماشا دیکھنا نصیب ہوا۔ کہاں خزائن اور دفائن غنائم اور نقل کے جو قرنہا قرن سے کسریٰ ایران کے خزانے میں جمع ہو رہے تھے، یا وہ دولت جو زمین فرعون (مصر) سے یا ارض شام سے آئی تھی۔ ستون فی عشت (یعنی ساٹھ گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا) والا جواہرنگار "بہار" نامی ایرانی غالیچہ، جسکے تمام نقش و نگار جیسا تعلق مختلف مناظر اور موسموں سے تھا انمول جواہرات کے ذریعہ کاڑھے گئے تھے - کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنے قیمتی اور وزنی پتھروں کی وجہ سے بجائے سر پر رکھنے کے سونے کی زنجیر سے لٹکا دیا جاتا تھا، اور کجکلاہ ایران اسی میں اپنا سر داخل کر دیتا تھا۔ کھجوروں کے تنے پر مدینہ میں جو مسجد کھڑی تھی اس میں یکے بعد دیگرے یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا آ رہا تھا - خوراکی رسد کا یہ حال تھا کہ عام رمادہ کے قحط میں حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو بن عاص کو غلہ کے لیے جب لکھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اونٹوں کی ایسی قطار غلہ سے لاد کر بارگاہِ تخت خلافت میں بھیجتا ہوں کہ جسکا پہلا اونٹ مدینہ میں ہوگا اور آخری اونٹ کی دُم میرے ہاتھ میں ہوگی - یہ سب تو وقتی دولت تھی، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ دس پندرہ سال کے عرصہ میں حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، ایران، شام، مصر کے لاکھوں مربع میل کے جو علاقے فتح ہوئے، جن میں حجاز کے تقریباً اکثر حصہ صرف ثروت و دولت کا سرچشمہ تھا - مصر سے پہلا خط عمرو بن العاص کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام آیا تھا کہ ایک ایسی زمین پر خدا نے قبضہ دلایا ہے جو ابتدا تک موتی کی طرح سفید اور پھر عنبر کے مانند سیاہ، اور اسی کے بعد ہیرے کے مانند سبز ہو جاتی ہے - ان سارے علاقوں کا ایک بڑا حصہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگیروں پر تقسیم کر دیا گیا تھا - کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اموال غنیمت کے حصوں کے ساتھ ساتھ ہر صحابی کے گھر میں سالانہ کتنی دولت ان جاگیروں سے آتی تھی - تاریخوں میں اس کی تفصیل موجود ہے - ذہبی نے لکھا ہے کہ عہد فاروقی تک پہنچتے پہنچتے مدینہ کی بازار کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ عہد نبوت میں جس گدھے کی قیمت پندرہ درہم تھی، اب پندرہ سو میں ملتا تھا - بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غابہ کی زمین جو مدینہ کے پاس ہے کل ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں مول لی تھی، لیکن انکے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جب اسے فروخت فرمایا تو اسکی قیمت سولہ لاکھ ہو گئی تھی - حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی داد و دہش کی وجہ سے مرنے کے وقت ایک پیسہ نہ چھوڑ سکے، لیکن مکانات اور زمین کی شکل میں جو انکی جائداد تھی، اسکی قیمت جیسا کہ بخاری میں ہے پچاس کروڑ دو لاکھ لگائی گئی تھی - حضرت عبد الرحمن بن عوف نے انتقال کے وقت جو ترکہ چھوڑا اسکا حساب تو بہت طویل ہے، لیکن فراخی و فراغبالی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ثلث مال سے انھوں نے وصیت کی تھی کہ ہر بدری صحابی (جن کی تعداد اس وقت تقریباً ایک سو کے قریب رہ گئی تھی) چار چار سو دینار دیے جائیں۔

اخبار زمزم لاہور میں ڈھائی مہینے سے موافق و مخالف ہر دو قسم کے مضامین غیر جانبدارانہ طور پر باری باری شایع کیے جا رہے ہیں تاکہ مسلم عوام کے سامنے تمام اچھے اور برے پہلو سامنے آ جائیں اور وہ کسی نتیجہ پر پہونچ سکیں - جن اصحاب کو مذہبی اور سیاسی بصیرت حاصل ہو انکا فرض ہے کہ وہ مسئلۂ مذکور کے متعلق اپنے خیالات سے زمزم کے ذریعہ مسلم عوام کو مستفیض فرمائیں۔ اور مسلم عوام کا فرض ہے کہ وہ کسی نتیجہ پر پہونچنے کے لیے تمام مضامین کا بہ غور مطالعہ کریں -

منیجر اخبار "زمزم" - لاہور

سے بعد آپ ایک بُرلسے دستانہ کی طرح بیکار بن جائینگے، اور وہ خوش وضع بنگلے، اور بیش قیمت موٹر، وہ ٹیلیفون، غرض عیش و راحت کے جملہ سامان ایک ایک کرکے آپ کے قبضہ سے نکال لیے جائیں گے"

یہ وعظ کسی خشک مُلا کی زبان سے نہیں، خود ایک نامور ایکٹرس کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ آخر کا بند اور سُن لیجیے اور ہوسکے تو اس سارے مضمون کو ایک ایک سکول اور ایک ایک کالج کے در و دیوار تک پہونچا دیجیے:—

"میں ایک بہت بڑے ایکٹر کو جانتی ہوں جسے کبھی اپنے حُسنِ مردانہ پر ناز تھا۔ آج اس کی ہیئت کذائی دیکھیے۔ لال بھبھوکے رخسار زرد پڑ کر چپک گئے ہیں۔ روشن اور بڑی بڑی آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔ اور زندگی مسرت سے خالی ہو چکی ہے۔ اسی طرح ایک ایکٹرس بھی ہے جسکی قسمت کا ستارہ اب گردش میں آچکا ہے، اور وہ ظلمتِ گمنامی میں محو ہو چکی ہے ..... غرض یہ کہ وہ چمک دمک جسکی خاطر نوجوان فلم اسٹوڈیو کی طرف کشاں کشاں چلے آرہے ہیں، ایک موہوم چیز ہے، حقیقت سے کوسوں دور..... جو کام کی خاطر اس لائن میں آنا چاہے وہ آئے ضرور، لیکن اس چمک دمک کا فریب کھا کر مت آئے۔ یہ چمک دمک اس نقلی سونے کی ہے، جو بازار میں دھائی روپیہ تولہ بک رہا ہے"

ان بدنصیبوں کا "کل" جو کچھ ہونے والا ہے، اُسے چھوڑیے، انکا آج کچھ کم قابلِ عبرت ہے؟

کام کی رفتار

اردو ترجمہ و تفسیر کا کام گو بحمد اللہ جوں توں جاری تو ہے، لیکن پچھلی پندرہ روز میں رکاوٹیں بہت پیش رہیں، اور رفتار گویا رُکی رہی۔ موانع کچھ تو خانگی تھے، اور کچھ دوسرے کام بھی۔ اور اندیشہ ہے کہ ابھی کچھ اور بھی رفتار اور ایسی ہی سُست رہیگی۔ اس درمیان میں رقم ذیل، بالکل گمنام، وصول ہوئی، اور قبول کی گئی۔

۲۳۔ اپریل۔ از رنگون (بذریعہ ایک مخلص از کلکتہ) ۵۰ روپیہ

سچی باتیں

ذیل کا اقتباس جناب ہوش بلگرامی حیدرآبادی کے ایک مضمون کا ہے، جو اسی اپریل کی کسی تاریخ کے پیام کے صفحہ اول پر شایع ہوا ہے:—

"مگر آہ! نہ اب اسلامی تعلیمات ہمارے حافظوں میں باقی ہیں اور نہ مشرقی عادات و اطوار ہم میں موجود ہیں۔ ماں کا احترام، باپ کا ادب اور بزرگوں کے لحاظ کا زمانہ لدگیا۔ یہ تو اُنکا شعار ہوتا ہے، جن کے قلوب ایمان کی روشنی سے منور ہوتے ہیں، جنکی نظر پر اسوۂ حسنہ کی برکتوں کو پہچانتی ہیں۔ اب تو حالت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ اگر ماں بیمار پڑی ہے تو ہم سینما میں داد عیش دے رہے ہیں، اگر باپ نزع کے عالم میں ہے تو ہم "بغلگیر رقص" میں مصروف ہیں، اگر بہن کا جنازہ اُٹھ رہا ہے تو اُٹھے مگر ہم کو کلب کی تفریحوں سے فرصت کہاں! ہماری زندگیاں دائرۂ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے اُن حدود میں داخل ہوگئی ہیں جہاں نہ ماں کی کوئی حیثیت ہے اور نہ باپ کا کوئی مرتبہ۔ جہاں نہ محبت ہے اور نہ شفقت، نہ مذہب ہے اور نہ ملت، نہ ادب ہے اور نہ احترام، نہ محرم ہے اور نہ غیر محرم۔ جب اسلامی تعلیمات کا جنازہ انہی ہمارے ہی کاندھوں پر اُٹھ جائے تو کیا ایسی قوم سے والدین کی اطاعت کے توقعات قائم کیے جاسکتے ہیں؟ یہ سعادت تو اُنکے لیے ہے اور یہ جوہر تو اُن فطرت کو عطا ہوتے ہیں جو اپنی الہامی کتاب پر غور و فکر کرتے ہیں، اُسکے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں۔ مگر جنکی کتاب بدنصیبی سے صرف مخملی غلافوں میں رکھی رہتی ہو اور وہ مغربی افکار پر سر دُھنتے ہوں، یا کسی رقاصہ کے رقص پر تھرکتے ہوں یا کسی مغنیہ کے نغموں پر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہوں، وہ سچائیاتِ اُخروی کے اُن اسرار کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ مغربی تہذیب کا کھیل ہمارا دین و مذہب بن کر رہ گیا ہے اور اس میں ہم ایسے اُلجھ کر رہ گئے ہیں، کہ اس سے نکلنا اگر مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں"

"سچی باتیں" آخر پیام کے بھی صفحۂ اول پر چھپنے لگیں! منہ کی ہے اور بات مگر خوبُری نہیں!

خاتونِ جدید

شایع ہوا ہے، کہ امریکہ میں

۱/۲ ۲ کروڑ عورتیں، افزائشِ حسن و جمال کے مصنوعی طریقوں سے کام لیا کرتی ہیں۔ اوسطاً ہر عورت کا خرچ ان چیزوں پر ۴ پونڈ سالانہ ہوتا ہے۔

گویا امریکی خاتون کا مجموعی خرچ ۱۰ کروڑ پونڈ سالانہ کا اسی ایک مد میں ہوتا ہے۔ اس ۱۰ کروڑ میں سے ۶ کروڑ پونڈ تو گھر کے اندر اس سامان میں صرف ہوتا ہے، اور ۴ کروڑ پونڈ شہر کے پُرتکلف حُسن خانوں میں جاکر۔

سَو میں ۸۵ عورتیں مختلف کریمیں (روغنیات) چہروں پر لگاتی ہیں، اور سو میں سے ۹۰ عورتیں مختلف پوڈر (غازے)

لپ اسٹک کا استعمال ہر ۸ بالغ عورتوں میں سے ۷ عورتیں کرتی ہیں۔

دنیا سے بیزار کی خاتونِ جدید کی "ترقیوں" میں اب بھی کسی کو شک و شبہہ کی گنجایش ہے؟

بدنصیبوں کے حقوق

"سوویٹ روس نے شادی بیاہ کے ضابطوں کے سلسلہ میں جو تجاویز کی ہیں، اُن میں سب سے زیادہ

منفرد اسکا رویہ ناجائز ولادتوں سے متعلق ہے۔ حکومت زار کے زمانہ میں سنہ ۱۹۲۰ء تک قاعدہ یہ تھا کہ ناجائز بچہ نہ باپ کی جانب منسوب ہوتا تھا نہ ماں کی جانب۔ اسکے بعد سے انگلستان، جرمنی، فرانس وغیرہ یورپ و امریکہ کے اکثر ملکوں کے دستور کے مطابق وہ ماں کی جانب (نہ کہ باپ کی طرف) منسوب ہونے لگا۔ ... سوویٹ روس نے اول روز سے اصلاح یہ کی کہ قانونی رشتہ کی بنیاد محض خونی رشتہ کو، نہ کہ معاہدۂ نکاح کو، قرار دیا، اور اس طرح "ناجائز ولدیت" کا تخیل ہی سرے سے مٹا دیا!" (تھینیا ہال کی "عورت سوویٹ روس میں" Woman in Soviet Russia ص ۱۳۵)

یعنی "ترقی یافتہ" و "روشن خیال" روس نے "جائز" و "ناجائز" کا فرق ہی اڑا دیا، اور صاف صاف کہدیا کہ یہ "حلال و حرام" کی قدیم و ہم پرستی کیا معنی؟ نکاح اگر ماں باپ کے ماں باپ کو منظور نہ ہوا تو کیا۔ اولاد ہرحال اپنی ماں کی اولاد ہے، اور اسکے سارے حقوق ہرصورت مسلّم! قانون ایسی "ناانصافی" ہرگز نہیں ... کہ ... اگر ... نہیں کیا، تو وہ جس کی اولاد کو ناجائز قرار دینے لگے! ——— بیان اس کے کسی جماعت ... کا نہیں، ... ایک ... ہے جو خود اسی روسی کمیونزم کی زبردست ... و معتقد اور اس پر ایک ضخیم کتاب کی مصنفہ ہیں! حرامیوں کے حقوق کی وکالت اتنی پرزور اس سے قبل کبھی کہیں کی گئی ہوگی؟

آزاد عورت

"یہ تو بنیادی مسئلہ ہے کہ باپ ہرحال اپنی اولاد کی پرورش کا ذمہ دار ہے، اور اسی لیے سوویٹ روس میں پرورش اولاد کے لیے ایک ہی قانون ہے، دو ... ضابطے نہیں ہیں۔ اولاد نتیجہ ہو نکاح کا یا محض عارضی تعلق کا، حقوق سب کے بالکل یکساں ہیں ...

اب اگر باپ، باپ ہونے سے انکار کردے، تو حسب دفعہ ۲۸، اس بے نکاحی حاملہ کو چاہیے کہ وقت وضع حمل سے کم از کم تین مہینے قبل مقامی حکام کو مطلع کردے، وقت وضع حمل کے ٹھیک وقت، اور باپ کے نام و مقام سے حسب دفعہ ۲۹ باپ اگر انکاری ہے تو اسے ایک مہینہ کے اندر عدالت میں عورت کے بیان کی تکذیب کر دینا چاہیے۔ ورنہ اس کی خاموشی دلیل رضا سمجھی جائیگی اور سرکاری کاغذات میں اندراج اسی کا نام باپ کی حیثیت سے ہو جائیگا۔ پھر اسے اختیار ہے کہ سال بھر کے اندر عورت پر دروغ بیانی کا دعوے دائر کردے ...

اگر مرد کا بیان یہ ہے کہ عورت سے تعلق رکھنے والے اور بھی کئی مرد تھے، اور اس لیے اولاد کی ذمہ داری اسی پر ڈال دینا صحیح نہیں، تو ایسی صورت میں وضع حمل اور بچہ کی پرورش کے مصارف ان سب مردوں پر تقسیم کردیے جائیں گے۔ لیکن بچہ کو آیندہ بدنامی سے بچانے کے لیے اندراج صرف ایک ہی باپ کا ہوگا، اور وہ وہ ہوگا جو بار مصارف اٹھانے کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتا ہے"

(تھینیا ہال کی "عورت، سوویٹ روس میں" ص ۱۳۵ و ۱۳۶)۔

اور یہ ہے "انسانی" دنیا کی "مسیحی اسلامی" تعلیم! یہ اب تک نکاح و سفاح کے فرق، حلال و حرام کے امتیاز پر زور دیے چلی جا رہی ہے! اور یہ نہیں دیکھتی کہ دنیا اپنی روشن خیالیوں اور ترقیوں میں کہاں سے کہاں پہونچ گئی ہے! ——— کہتے ہیں کسی زمانہ میں، اسلام سے قبل، عرب جاہلیت میں بھی دستور یہی تھا۔ ولدیت کی ذمہ داری، عورت خود چند مردوں میں سے کسی پر ڈالتی، یا کبھی ماہرین قیافہ شناسی اسکا فیصلہ صادر فرماتے۔ روشن خیالیوں کے ڈانڈے جاہلیت جدید کے پھر اسی جاہلیت قدیم سے مل کر رہے!

لطفِ "نیاز"

"اسوقت عام طور پر تمام مولویوں کے اخلاق بہت مشتبہ نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن اس جماعت کا ایک خاص طائفہ جو اپنے آپ کو ندوی کہتا ہے، اسکے بعض افراد نے اس استثناء کو دور کرکے یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ ندوی ہونا مولویت کی وہ منزل ہے جہاں ندویت اور دناءت اخلاق دونوں بالکل مترادف الفاظ ہیں۔ اس طائفہ کی سب سے زیادہ نمایاں ہستی اسوقت سید سلیمان ندوی ہیں، لیکن میں اس سب سے بڑے ندوی کی انتہائی اخلاقی بے مائیگی اور ذہنی پستی کا ذکر نہیں کرونگا، کیونکہ اسکا تعلق زیادہ تر میری ذات سے ہے اور میں گالی دینے والوں کا جواب ہمیشہ خاموشی سے دیا کرتا ہوں"

(نگار، اپریل سنہ ۴۱ء ص ۳)

"ادب لطیف" کی یہ "تازہ گلفشانی" اور "خاموشی" کی یہ نئی تفسیر! نئی تعبیر آپنے کہاں سے فرمالی؟ جب خاموشی میں یہ حال ہے کہ منہ سے کف امڈتا جاتا ہے اور قابو میں نہ زبان ہے نہ حواس، تو گویائی و تکلم کے وقت تو شاید زمین تھرا اٹھے، اور آسمان کو چکر آجائے! ——— اچھا ہے قلم ابھی کچھ روز اور ندویوں ہی سے الجھا رہے۔ خدا اور رسول خدا کو کچھ روز تو امن ملے!

"یہاں مقام نگار میں ایک سلسلہ خواجہ سراؤں کا ہوتا تھا جس میں صرف گالیوں کا مظاہرہ ہوتا تھا، لیکن اب یہ غالباً علیگڈھ کی طرف ہونے لگا ہے، اور بجائے زبان کے کاغذ و قلم کے ذریعہ سے اسکی نمائش کی جاتی ہے" (نگار، اپریل سنہ ۴۱ء ص ۳)

لیکن علیگڈھ تک جانے کی کیا ضرورت ہے، پڑوس کا حق ادا کرنے کے لیے آخر لکھنؤ ہی میں ایک محلہ گھسیاری منڈی بھی تو ہے!

"آج" اور "کل"

سطح زمین سے پانچ میل اوپر کرۂ ہوائی نہایت درجہ سرد ملتا ہے۔

۳۸ میل تک اوپر چلے جانے کے بعد فضا نہایت درجہ گرم، پانی کھولنے

غشاوۃ ز ولہم عذاب عظیم۔ | پردہ ہے اور انکے لیے عذاب ہے بڑا۔

نہیں جو اصطلاح طب میں قلب کہلاتا ہے، بلکہ مراد ہے مرکز احساس اور عقل اور ارادہ کا۔ محاورہ زبان میں دل اسی کو کہا جاتا ہے، اور تمام اعمال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ یہی محاورہ قرآنی ہے، اور توریت و انجیل اور دوسرے ادیان کی کتب سب نے یہی محاورہ اختیار کر رکھا ہے۔

سلہ (یعنی انکے ذہن کی ہر آواز اور حق کی ہر پکار انکے لیے غیر مسموع رہتی ہے)

سلہ (یعنی انکے سامنے سے دلائل حق اور روشن آیات الٰہی بھی انھیں نظر نہیں آتیں)۔ یہ سب ثمرہ ہے ان کافروں کے ارادی اعراض عن الحق کا۔ حق تعالیٰ کی جانب جو افعال کا انتساب ہے محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ بطور علت العلل یا مسبب الاسباب کے۔ ارادۂ الٰہی جس طرح انسان کے زہر کھا لینے پر ثمرہ موت مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح انسان کی ارادی طور پر ... ارادۂ الٰہی پر ثمرہ موت ... مرتب کر دیتا ہے۔

توریت میں اللہ تعالیٰ کی جانب ان افعال کے انتساب کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ مثلاً:

"خداوند نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں، آج تک نہیں دیے۔" (استثنا ۲۹ : ۴)

"تم سنا کرو پر سمجھو نہیں، تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں، سو تو ان لوگوں کے دلوں کو چربیلا اور انکے کانوں کو بھاری کر۔" (یسعیاہ ۶ : ۹، ۱۰)

"وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کیونکہ آنکھیں بند ہو گئی ہیں سو وہ دیکھتے نہیں اور انکے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں۔" (یسعیاہ ۴۴ : ۱۸)

"تمہاری آنکھیں جو نبی ہیں موندی ہیں اور تمہارے سروں پر جو کہ غیب بین ہیں حجاب ڈالا ہے۔" (یسعیاہ ۲۹ : ۱۰)

"میں نے انہیں انکے دلوں کی سرکشی کے سپرد چھوڑ دیا۔" (زبور ۸۱ : ۱۱، ۱۲)

انجیل بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ رومیوں ۱۱ : ۷-۸، ۲ تھسلنیکیوں ۲ : ۱۱ وغیرہ۔

سلہ (آخرت میں)

یہ عذاب آخرت یعنی نتیجہ ہوگا ان نافرمانوں کی مسلسل نافرمانیوں کا، یعنی آخرت کا یہ بطور لازمی نتیجہ و تتمہ ہے اسی دنیوی زندگی کے۔ جو تخم آج یہاں ڈالے گئے ہیں وہی کل اور وہاں تناور درختوں کی شکل میں ظاہر ہونگے۔ عذاب کے شدید و عظیم ہونے میں شک ہی نہیں۔ البتہ اسکی تفصیلی کیفیت و حقیقت ادراک بشری سے باہر ہے۔ من الآلام العظام نوع عظیم لا یعلم کنہہ الا اللہ (مدارک) و التنکیر فیہ للنوعیۃ لہم فی الآخرۃ نوع من العذاب غیر متعارف فی عذاب الدنیا۔ (روح)

(بقیہ صفحہ ۸)

رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ لہذا میں بھی اپنے آپ کو ایک دریا بادی ہی سے رجوع کرتا ہوں۔ والسلام

خاکسار رحمت اللہ الہ نوری (تانڈور - دکن)

صدق آپ کا تخیل اصلاً صحیح ہے، البتہ ایک اور دکی تائید اور دوسرے کی مخالفت میں شاید نادانستہ مبالغہ ہو گیا ہے۔ اس موضوع کے جزئیات و تفصیلات، خصوصاً شخصیات، تو صدق کے دائرہ سے بالکل خارج ہیں۔ بنیادی حیثیت سے جو کچھ عرض کرنا تھا، "نشان راہ" کے زیر عنوان ایک قریبی نمبر میں عرض کیا جا چکا ہے۔

تصحیح

صدق کے اس سے پہلے نمبر میں "ان کے [illegible]" کے عنوان سے جو مضمون درج ہوا تھا، اسکے آخر کی سطریں سہو کاتب سے رہ گئیں۔ وہ سطریں یہ ہیں:

[احباب کرام مجھے تعزیت نامے لکھنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ شوہر کے دعائے مغفرت و ترقی درجات کریں، اور ایصال ثواب اگر کر سکتے ہوں، تو انہیں کے نام پر کر دیں۔]

خریداران صدق کی خدمت میں

حسب ذیل خریداروں کی میعاد خریداری ۱ مئی ۵۱ء میں تمام ہو رہی ہے انکی خدمت میں عرض ہے کہ براہ کرم چندہ ۱۵ مئی کے اندر اندر بھجوا دیں، دفتر شکرگزار ہوگا۔ اگر ۳۱ مئی تک نہ وصول ہوا تو بدرجہ مجبوری یکم جون ۵۱ء کو وی۔ پی روانہ ہونگے۔ اس صورت میں کام کی زیادتی کے علاوہ خریدار صاحبان کا بھی ۴ر کا زائد خرچ ہے

نمبر خریداری ۲۹ — ۳۴ — ۲۰۱ — ۲۵۸
۲۲۸ — ۵۰۴ — ۶۲۶ — ۶۹۹
۸۰۰ — ۸۰۳ — ۸۰۴ — ۸۰۵
۸۰۶ — ۸۰۷ — ۸۵۱ — ۹۶۲

مسیح و مریم علیہما السلام

(سلسلۂ صدق ۔۔۔)

(از مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب قادری - حیدرآباد دکن)

یعنی امام مہدی سب مذاہب و ملل کو اُٹھا دیگا اور سوا سے خالص و اصلی دین کے اور کوئی باقی نہ رہیگا جسکی اصل بنیاد کتاب اللہ ہوگی اور حدیث بطور شرح و تفسیر۔ فقہاء کی مختلف فقہیں اور کلامیوں کے مختلف خانہ ساز عقائد و کلامیات سب ہباءً منثورا ہوکر رہ جائینگی۔ جب فرقہ وارانہ عقائد و نظریات مختلفہ و مجتہدات فقہیہ متنوعہ ختم ہو جائیں گی تو سارے تو میتیں مٹ کر ایک ہی نوعیت قومیت کی قائم ہو جائیگی تو دنیا اپنی نجات کا وہ منظر دیکھ لیگی جسکے لیے وہ زمانہ سے تڑپتی رہی ہے۔

محمدؐ اور مسیحؑ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انا اولی بعیسی بن مریم ولیس بیننا نبی۔ یعنی میں سب انبیا سے زیادہ عیسٰی بن مریم اسرائیلی سے صورۃً و روحاً اور کلمۃ اللہ و روح اللہ سے حقیقۃً و معنًی قریب ترخصوصیت رکھنے والا ہوں اور ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اس حدیث میں اسی اتحاد حقیقتین کی طرف اشارہ ہے۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت وہی تعلیم لیے تشریف فرما ہوے جو حضرت یسوع ناصری ابن مریم دنیا کو دینا چاہتے تھے جیسا کہ فارقلیط کی نسبت حضرت یسوع اسرائیلی نے فرمایا تھا کہ میں اپنے باپ (مالک و مربی) کے پاس جاتا ہوں اور اس فارقلیط روح الحق کو تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں جو تمام وہ تعلیمات تم کو دیگا جو میں دنیا چاہتا تھا اور اخیر زمانہ کہ سب کے واقعات تم کو بیان کریگا (اس مضمون کو وہ مختلف عبارتوں میں ادا کرتے تھے)۔ (دیکھو اناجیل موجودہ)۔ مگر چونکہ یہود پر حجت ختم ہوئی تھی اور عیسٰی محض پیغمبری حضور اقدسؐ کی سنانے آئے تھے اس لیے انکو اس تعلیم کی تبلیغ نہ کرنی تھی اور نہ انھوں نے کی۔ اور درحقیقت وہ کر بھی نہیں سکتے تھے اسلیے کہ وہ ناقص البشریت پیدا کیے گئے اور محض یہود پر حجت ختم کرنے اور انکو مغضوب علیہم و ملعون بنانے آئے تھے۔ لہذا انسانیت کاملہ کی تعلیم ایک ناقص البشریت مغلوب الملکوتیت انسان دے نہیں سکتا تھا۔ لہذا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام کے لیے چن لیا گیا جنکو سید انبیا سے انسانِ کامل کا بہترین نمونہ بنایا گیا تھا جو ادھر اوصاف انسان کے صفات بشریہ میں بھی ایک کامل ترین انسان تھے اور ادھر اس بشریت و ناسوتیت کاملہ کے باوجود قرب ایزدی کے اس تقدس اعلیٰ کا رتبہ حاصل فرمایا تھا جو خود کسی ملکوت والے کو بھی حاصل نہیں تھا۔ حضرت عیسٰی محض نفخۂ جبرئیل کی اور یہ کہتے ہوے رہ گیا کہ

اگر یک سرِ موے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

انکی ذات وہی ہے جو نبی اب تک ہوتے آئے اور بار بار بنانا کرتا آیا ہوں ان کی نفس

ملکوتیت و تقدس خدا کے ہاں کوئی قابل قدر چیز نہیں بلکہ جو کچھ قابل چیز ہے عند اللہ بھی اور عند الناس بھی۔ وہ انسانیت کاملہ ہے جو امانت یزدانی و خلافت رحمانی ہو۔ تاکہ انسان کو عملاً پوری کر دکھانے کہ ادھر عبودیت بھی کامل و اتم رہے اور ادھر امور دنیوی کی تنظیم اور معارج معیشت انسانیہ بھی بدرجہ اتم پوری ہو۔ یہ درجۂ اکملیت عبودیت کسی انسان کو سواے ذات محمدیؐ کے حاصل نہ ہو سکا۔ مگر بدقسمتی عرب کی وجہ چونکہ امامت عظمیٰ یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت تھوڑی مدت کے لیے ہی رفع ہو گئی اور ملک عضوض کاٹنے والی بادشاہت یعنی ملکیت مطلقہ و استبداد و تغلب و تصرف بیجا نے اسکی جگہ لے لی۔ اور رفتہ رفتہ اس نظام بدیع و کم تاکے جاتے رہنے سے اسلام کی سارے خصوصیات اسلامیہ و احسانیہ رفت و گذشت ہو گئے حتیٰ کہ مغلوں، ترکوں اور پھر یوروپین قوموں (یاجوج و ماجوج) کی زد میں اسلام پر بربادست ہونے کی نوبت آگئی اس لیے پھر ضرورت ایک مسیحا کی ہوئی جو شریعت کاملہ محمدیہ کو پھر ایک نیا ت و احسانیات یعنی ربانیت کے رنگ میں حسب تعلیم خالص قرآن و حدیث زندہ کرے تاکہ ملکوت السماء حسب اصطلاح انجیل اور امامت عظمیٰ حسب اصطلاح اسلامیہ پھر زمین پر قائم ہو سکے جسکے قیام سے ہی وہ امن و امان عام دنیا میں قائم ہو سکتا ہے جسکی پیشینگوئیاں کی گئی ہیں اور اسلام میں تو نہایت صراحت کے ساتھ اسکی تفصیلی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

روے زمین پر امامت عظمیٰ کا قیام۔ ظاہر ہے کہ ایک نہایت ہی سخت انقلاب عظیم کا محتاج ہے جو اپنی ہیبتناکی و فظاعت میں سابقہ انقلابوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اور جو حق کو غالب اور باطل کو ہمیشہ کے لیے مغلوب کر دے لہذا سے ساعت و قیامت کبرے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اسکی سالہا سال کی موجبات کو اشراط الساعۃ بھی کہتے ہیں مگر اس عاجز نے بحث یاجوج و ماجوج والے مضمون مطبوعہ "صدق" میں بالتفصیل یہ انوکھی بات بتادی ہے کہ حسب قرآن و حدیث ساعات تین ہیں۔ صغرٰی، وسطیٰ، کبرٰی۔ صغرٰی موت کا نام جو ہر انسان کی انفرادی و جزئی قیامت ہے۔ اور وسطیٰ قومی و ملی موت والا انقلاب ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اقوام سابقہ عاد و ثمود وغیرہا کی قومی بربادیوں اور ہلاکت کو قیامت کے الفاظ سے جو عذاب یوم الیم عذاب یوم کبیر وغیرہا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلامی قوم کی حیات ملیہ قومیہ کے تین دور ہیں احسانی و ایمانی و اسلامی۔ اور ان تینوں حیاتوں کے لیے بھی انقلابات ضرور رہیں۔ دور احسانی خلافت راشدہ و دور ایمانی ملکوت عربیہ گزر چکے ہیں اور ان دونوں کے بھی انقلابات یعنی قیامتہاے وسطیٰ قائم ہو چکے ہیں یعنی قتل عثمانی و جنگ صفین و جمل و حرہ وغیرہا اور قیامتہاے ترکیہ و مغلیہ چنگیز خانی و گورگانی و عثمانی وغیرہا اب رہی تیسری قیامت وسطیٰ جو ان سب میں کبرے ہے اور سخت ہولناک وہی انقلاب عظیم ہے جسکے علامات و اشراط یاجوج ماجوج اور مسیح دجال وغیرہ وغیرہ ہیں اور شاید اس صدی کے اندر ہی اندر دنیا وہ انقلاب امامت عظمیٰ کے قیام کا دیکھ لے اور ملکوت السماء کا مشاہدہ کر لے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

مراسلہ

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مولانائے محترم دام فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ مزاج اقدس!

تقریباً پانچ سال ہوتے ہیں کہ خاکسار کی توجہ کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاسی اداروں پر مرکوز رہی اور ہمیشہ یہ سمجھنے کی کوشش رہی کہ ان ہر دو اداروں میں سے کونسا ادارہ مسلم قوم کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کا حامل ہے ۔ لیکن اپنی کم سوادی کے باعث کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکا ۔

یہ دو ماہ قبل ایک شب کا واقعہ ہے کہ اسی ادھیڑبن میں نصف شب کے بعد آنکھ لگ گئی ۔ علی الصبح قوم و یقظہ کی درمیانی حالت میں آیت ذیل تلاوت کرائی گئی

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور ۔ والذین کفروا اولیاؤہم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمات ۔

اس ہدایت ربانی کی روشنی میں اپنے فہم ناقص کی بنا پر غور کرنا شروع کیا ۔ کانگریس کے متعلق یہ خیالات پیدا ہوئے کہ

(۱) اسکے بنیادی اصول ہیں قوم اور وطن پرستی ۔ اہنسا ۔ ان اصول کا نہ صرف زبانی اقرار کرنا ۔ بلکہ دلی تیقن کے ساتھ ان پر عمل کرنا بھی لازمی ہے ۔

(۲) اسکے جلسوں کی ابتدا خدائے پاک کے نام سے (جو رب العالمین اور حی القیوم ہے) نہیں ہوتی بلکہ "بندے ماترم" کے ترانے سے جس میں وطن کو (جو محض ایک بے جان چیز ہے) ایک دیوی تصور کر کے اسکی حمد و ثنا کی جاتی ہے ۔ جہاں خدا کا نام لینا ممنوع ہے اور فرقہ پرستی کی علامت سمجھی جاتی ہے ۔

(۳) جو شخص جس قدر شدت اور مستقل آہنگی کے ساتھ خدائے پاک کا انکار اور تضحیک کرتا ہے اسی قدر تعریف و توصیف کا مستحق اور لیڈری کے لیے موزوں تصور کیا جاتا ہے ۔

(۴) جس چیز کا خدائے پاک سے معمولی سا بھی تعلق پایا جاتا ہے وہ چیز قابل نفرت اور اس کا مٹانا ضروری قرار دیا جاتا ہے ۔ مثلاً رسم الخط اردو جسے اہل ملک نے بلا لحاظ مذہب و ملت ہندوستان میں رائج کیا ، اسی جماعت کی اکثریت نے اسے صرف اس بنا پر کہ وہ قرآن (جو مسلمانوں کے نزدیک خدا کا کلام ہے) کے رسم الخط میں لکھی جاتی ہے ، علی الاعلان مٹانے کا تہیہ کر لیا ۔

(۵) اس جماعت نے عملی طور پر بھی اپنی حکومت اور وزارتوں کے زمانہ میں مسلمانوں کے دینی رسم و رواج ۔ تعلیم و تہذیب وغیرہ کے خلاف جو کچھ کیا وہ اخباروں اور غیر جانبدار اشخاص اور اداروں کے بیانات سے بخوبی واضح ہے ۔

(۶) جہاں نسل ۔ قوم ۔ وطن حیثیت اولی رکھتے ہیں اور مذہب ثانوی حیثیت ۔ مادیت اصل الاصول ۔ روحانیت تقویم پارینہ ۔

ان خیالات کے پیدا ہوتے ہی پکار کر کہدیا کہ یہی جماعت اولیاء طاغوت ہے ۔ خود فرمایئے کہ علمائے کرام کی ایک زبردست جماعت مسلمانوں کو کانگریس میں جوق در جوق شرکیک ہونے اور اسکی ہدایتوں پر آنکھ میچ کر پیروی کرنے کی ترغیب دلانے اور عملاً شرکت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ۔ لیکن اسکے باوجود مسلمان رفتہ رفتہ کانگریس سے علیحدگی اختیار کریں اور علمائے کرام "بیسیٹ بے کاروان" ہو کر مارے مارے پھریں ، کیا یہ خدا کی ناراضی نہیں ہے ؟ خدا کی شان ، وہ لوگ جو علوم دین سے کورے ۔ خدا اور رسول سے بیزار ۔ مغربی علوم و فنون کے دیوانے ۔ تو دین سے قریب ہو رہے بلکہ ندامت کی طرف عود کر رہے ہوں ۔ اور ہمارے علمائے کرام و قضاۃ وغیرہم مائل بہ تجدد ۔ اور حامی باطل پرستی ۔ یا الٰہی یہ کیسا انقلاب عظیم ہے ۔

"حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابو جہل این چہ بوالعجبی ست ؟"

اب جو مسلم لیگ کی طرف خیالات رجوع ہوئے تو اسکے اغراض و مقاصد ، طریق کار ، اثرات حسب ذیل پائے گئے ۔

(۱) اسکے بنیادی اصول اسلام سے متصادم نہیں ہیں ۔ خدا اور رسول کے احکام کے خلاف کسی قانون کے وضع کرنے سے انکار ۔ مادیت سے بیزاری ۔ روحانیت سے دلچسپی ۔

(۲) اسلامی رسم و رواج ۔ تہذیب و ثقافت کی ترویج و تائید ۔ شریعت حقہ کا نفاذ اور پاسداری ۔

(۳) اسکے جلسے خدا کے نام اور آیات قرآنی کی تلاوت سے شروع اور ختم ہوتے ہیں ۔

(۴) خدا کی ہستی ۔ وحدانیت ۔ رسالت ۔ قرآن کے کلام ربانی ہونے کا لسانی اور دلی اذعان ۔

(۵) وطن کے حدود شرعیہ کے اندر محبت اور عزت ۔ غیر اقوام کے ساتھ مساوات اور رواداری ۔

(۶) اس جماعت میں گو شریعت کی پابندی کرنے کی کمی ہو لیکن شرک ۔ لادینی سے یہ جماعت ضرور بیزار ہے ۔ اس میں بے عملی چھوڑ کر عمل کی طرف رجوع ہونے کی تڑپ پائی جا رہی ہے ۔ بے اعتدالیوں سے توبہ کا احساس اور نقائص سے پاک ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا جا رہا ہے ۔

مندرجہ بالا مقاصد اور طریق عمل سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا عجب خدائے پاک اس جماعت کا دست بنجائے ۔ اب تک تو یہ جماعت صرف تائید الٰہی سے ترقی کر رہی ہے ۔

یہ خیالات تو مجھ ناچیز کے تھے ۔ چونکہ مولانائے محترم کا شعار ہمیشہ حق پرستی رہا ہے ۔ اور اظہار حق سے کبھی دریغ نہیں فرمایا گیا ، لہذا اس بارے میں بھی خاکسار کی رہنمائی فرمائی جائے تو باعث ممنونیت ہے ۔ محض سیادگہ خاکسار کا دریاباد سے قدیم خاندانی تعلق ہے ۔ میری ساتویں پشت کے جد اعلیٰ دریاباد ہی سے اودھ آکر متوطن ہوئے ۔ جنکے فیضان الٰہی کا سرچشمہ حضرت سید مخدوم دریابادی ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؏
بیرون ہند سالانہ
۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؎

صدق

نمبر ۴ | دوشنبہ - ۲۸ - ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۶ مئی سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

کام کی رفتار

اردو ترجمہ و تفسیر قرآن قسط وار ان صفحات میں نکل رہی ہے - کام بحمد اللہ جاری ہے، مگر رفتار بہت ہی سست ہے - دوسرے مشاغل قدم قدم پر حارج ہوتے رہتے ہیں اور انھیں میں سے انگریزی ترجمہ تفسیر بھی ہیں۔ کئی کئی دن متصل گزر جاتے ہیں نہ اردو ترجمہ و تفسیر کا وقت ہی نہیں ملتا - جس روز وقت ملتا بھی ہے، کام قرآن مجید کی ایک دو آیتوں سے زیادہ نہیں ہو پاتا - بہرحال جیسا بھی ہو رہا ہے، اسکے نمونے پیش ہی ہوتے رہتے ہیں۔ اہل علم میں سے تفصیلی رائے کسی صاحب نے بھی مشرف نہیں فرمایا ہے (اجمالی رائے بھی دو ہی تین) صاحبوں کی آئی ہے -

اعانتی رقم اس ماہ میں حسب ذیل قبول کی گئی۔ -

۱۰ - مئی - ایک مخلص از پشاور (قسط دوم) ۔۔۔ عہ

"نگار" حکومت کے سایۂ عاطفت میں!

ایک مراسلہ نگار تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہو کہ نیاز فتحپوری نے جس طرح ریڈیو پر اپنا رنگ جما رکھا ہے، اسی طرح انھوں نے صوبہ گورنمنٹ کے محکمۂ پبلسٹی میں بھی اپنا رسوخ بڑھا لیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ..... صاحب کی عنایت سے جو اس وقت اس محکمہ کے اسسٹنٹ سکریٹری ہیں، رسالہ نگار کے ۰۰ھ پرچے گورنمنٹ نے خرید لیے ہیں۔ یہ میعاد مئی میں ختم ہوتی ہے، لیکن موصوف نے اسکی تجدید کی فکر تو کر ہی لی ہوگی۔ مصیبت یہ ہے کہ یہ خریداری مسلم مطبوعات کے ذیل میں ہوئی ہے - بہرحال نعوذ باللہ ملکت خویش کا معاملہ ہے"

گورنمنٹ کو مشورہ دیتے رہنا صدق کے دائرہ کی چیز نہیں، لیکن صورت واقعہ اگر یہی ہے، جو مراسلہ میں درج ہے تو اظہار حیرت ناگزیر ہے۔ کیا سرکار کا محکمۂ اطلاعات اس سے بے خبر ہے کہ مسلم پبلک اس "رسالہ" کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟ یہ چار سو پرچے گورنمنٹ آخر کن حلقوں میں تقسیم فرماتی ہے؟ مسلم آبادی کے آخر وہ کون سے طبقے ہیں، جو جناب نیاز کی رہنمائی کے منتظر رہتے ہیں؟ ـــــ اور پھر جہاں تک حکومت برطانیہ کی حمایت و تائید کا تعلق ہے، نگار میں ہو تا کیا ہے؟ اپریل و مئی نمبر زیر صدق کی نظر سے گزرے ہیں، کم از کم ان دو نمبروں میں تو چند سطریں بھی ایسی نہ ملیں، جو برطانوی اغراض کے لیے مفید ہوتیں! اور پھر سب سے بڑا لطیفہ یہ کہ ایسے مسلم آزار رسالہ کا شمار مسلم مطبوعات میں کیا جا رہا ہے! - - - انگریزی کا مثل شاید ایسے ہی موقع کے لیے ہے کہ واقعات، افسانے سے بڑھ کر عجیب ہوتے ہیں!

مراسلہ میں جن مسلمان عہدہ دار کی طرف اشارہ ہے، وہ ذاتی طور پر یقیناً ایک پیکر تواضع و شرافت ہیں۔ افسوس ہے کہ انکی مروت سے کوئی دلیر و بیباک شخص یوں فائدہ اٹھالے ــــ نگار کی خوش قسمتی میں تو بہرحال شک ہی نہیں کہ عین اسوقت جبکہ بیسیوں اسلامی انجمنیں اور ادارے اس پر ملامت کا رزولیوشن پاس کر چکے تھے، مسلم پریس میں شدید سے شدید اسکا تفصیلی ہو چکا تھا، حیدرآباد جیسی اسلامی ریاست اسکا داخلہ اپنے حدود میں بند کر چکی تھی، اُسے صوبہ گورنمنٹ کا سایۂ عاطفت نصیب ہو گیا! مبارک ہو اُسے یہ نئی سرفرازی!

دو صحیح علمی اعزاز

علمی اور ادبی حلقوں میں یہ خبر یقیناً بڑی مسرت سے سنی جائیگی، کہ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی نے بالآخر قوم و ملت کے دو دیرینہ کارکنوں کو، اردو علم ادب کے دو نامور خدمتگزاروں کو ڈاکٹر آف لٹریچر (ڈی لٹ) کی اعزازی ڈگری سے سرفراز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے - ان دو میں سے ایک رسول اللہ صلعم کے مشہور سیرت نگار مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ایڈیٹر معارف ہیں، اور دوسرے انجمن ترقی اردو کے دیرینہ سال و جواں ہمت، سرگرم عمل سکریٹری مولوی ڈاکٹر

۱۴- واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا، واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن۔	اور جب وہ ملتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لاچکے ہیں (تو) کہتے ہیں ہم (تو) ایمان لے آئے ہیں۸۸ اور جب تنہا ہوتے ہیں۸۹ اپنے شیطانوں کے پاس۹۰ (تو) کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۹۱ ہم تو تمسخر بنا رہے تھے۹۲۔

منافقین کی ذہنیت یہ تھی، کہ عام اور غریب مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے، لیکن مسلمانوں میں جو صاحبِ اثر و اقتدار ہوتے، انکے آگے خود جھک جاتے، اور اُن سے یہ تملق پیش آتے۔

۸۸ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں)

آمنا فی السر وصدقنا، یا نما کما آمنتم فی السر وصدقتم یہ (ابن عباسؓ)

آمنا کا یمانکم (معالم)

۸۹ خلیٰ کا صلہ الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہا ہونے کے تنہائی میں ملنے کے۔

خلا الیہ اے انتھیٰ الیہ فی خلوۃ (راغب) خلا الیہ اجتمع معہ فی خلوۃ (لسان)

۹۰ یعنی اپنے شریر رفیقوں، سرداروں کے پاس۔ شیطان کا لفظ عربی میں بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے ہر سرکش، اور شر کرانے والے کو شیطان کہہ سکتے ہیں۔ الشیطان کل عات متمرد من الانس والجن ومن دابۃ (تاج) الشیطان اسم لکل عارم من الجن والانس والحیوانات (راغب) شیاطین الجن مردتھم وکذلک شیاطین الانس مردتھم (ابن قتیبہ)

مراد یہاں رؤساء یہود و منافقین ہیں، جو اپنے طغیان و سرکشی کے اعتبار سے مجسم شیطان بنے ہوئے تھے۔ رؤسائھم (ابن عباسؓ) رؤسھم فی الکفر (ابن جریر- ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ) سادتھم ورؤسائھم وکبرائھم (ابن کثیر عن السدی) رؤسائھم وقادتھم فی الشر (ابن جریر- عن قتادۃ)

۹۱ (اپنے اصلی عقائد و خیالات میں)۔ یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ تو محض ظاہرداری کے طور پر اور مصلحۃً اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، ورنہ حقیقۃً ہم تو تمہارے ہی ہم عقیدہ و ہم مذہب ہیں۔

علیٰ دینکم فی السر (ابن عباسؓ) انا معکم علیٰ ما انتم علیہ من التکذیب بمحمد (ابن جریر)

۹۲ مطلب یہ ہے کہ عوام منافقین جب اپنے سرداروں سے تنہائی میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم دل و جان سے تو تمہارے ہی ساتھ ہیں، باقی مسلمانوں کو بنانے کے لیے، ہم انکے سامنے اپنے کو مسلمان ظاہر کر دیتے ہیں

استہزاء کے معنی تمسخر کرنے، ہنسی اڑانے کے ہیں۔

۹۳ یعنی انکے تمسخر کو انھیں پر پلٹے دیتا ہے۔

مجازات کے موقع پر لغت عرب میں یہ محاورہ عام ہے۔ سزائے استہزاء کو بھی استہزاء کہہ دیا جاتا ہے۔ اے یجازیھم جزاء الھزؤ (راغب) ای یجازیھم جزاء الاستہزاء ومثلہ قولہ نسوا اللہ فانساھم ای جازاھم جزاء النسیان (ابن قتیبہ) سمی والجزاء باسمہ لانہ بمقابلتہ (معالم) سمی جزاء الاستہزاء

۱۵- اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون۔	اللہ انھیں بنا رہا ہے۹۳ اور انھیں ڈھیل دے رہا ہے۹۴ (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۹۵۔

باسمہ کما سمی جزاء السیئۃ سیئۃ (بیضاوی)

ہنسی اور تمسخر کا انتساب حق تعالیٰ کی جانب توریت میں بھی موجود ہے۔

"تو اے خداوند ان پر ہنسیگا، تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادیگا"

(زبور- ۵۹: ۸)

"از بسکہ میں نے بلایا، پر تم نے نہ مانا- میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا، پر کوئی متوجہ نہ ہوا ... تو میں بھی تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے مارونگا"

(امثال ۱: ۲۶)

۹۴ (اپنے قانون تکوینی کے مطابق)

۹۵ یہ خود ایک تفسیر ہوگئی اللہ کے استہزاء کی۔

عمہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ نہ سوجھائی دے، اور وہ ادھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا رہے۔ ہو التردد فی الضلال والتحیر فی منازعۃ (تاج) ہو تردد لا یدری این یتوجہ (تاج)

وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے- اپنی محدود و ناقص عقل کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے، طرح طرح کے "نظریے" قائم کرتا ہے۔ ہر طرف خیال اور قیاس دوڑاتا ہے، لیکن کوئی راستہ کوئی سوجھائی نہیں دیتا- شک، ارتیاب، بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا چلا جاتا ہے۔

تدوین حدیث

(۸)

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

طالب العلمی کے ان دنوں میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر کیا گذری تھی بعد کو مزے لے لے کر بیان کرتے کبھی کہتے جیسا کہ امام بخاری راوی ہیں:

واللہ الذی لا الہ الا ہو ان کنت لاعتمد علی الارض بکبدی من الجوع واشد الحجر علی البطن	قسم خدا کی جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے کہ بھوک کی وجہ سے میں جگر تھام کر زمین پر ٹیک لگا لیتا تھا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا

کبھی فرماتے:۔

لقد رأیتنی اصرع بین منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحجرۃ عائشۃ فیقال مجنون ومابی جنون ومابی الا الجوع (اصحابہ)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے درمیان گر پڑتا اور خیال کیا جاتا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں حالانکہ مجھے جنون سے کیا تعلق وہ تو صرف بھوک کا اثر تھا

گو یہ سب گذر رہا تھا دوسرے ساتھیوں کو بھی دیکھ رہے تھے کہ کاروبار کر کے آرام اٹھا رہے ہیں لیکن تیس پینتیس سال کا یہ دیہاتی نوجوان

سوچ خود اس سر سے گذری کیوں نہ بیٹھے

آستان یار سے اٹھ جائیں کیا

جو بیٹھ گیا تھا، اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک حق تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس قسم کے ایک آدمی نہیں ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی حال تھا صحابہ کی جماعت میں ہم ... ابن مسعود کا ... تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم جب یمن سے آئے تو ابن مسعود کو ایک مدت تک اہل بیت سمجھتے رہے

... من اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما نری من دخولہ ودخول امہ علی النبی	کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے ہیں کیونکہ ان کی اور ان کی ماں کی آمد و رفت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتی رہتی تھی۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو ۹ سال تک مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتگذاری میں رہے، ان کے سوا بھی حضور کے موالی، مثلاً ثوبانؓ، رافعؓ، بلالؓ، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جو بہت کم دربار رسالت کی حاضری سے محروم رہتے، یہ تو مردوں میں، اور عورتوں میں یہی حال امہات المومنین کا تھا، جن پر گویا کوئی تہائی کی زندگی بسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھیں۔ جن باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ میں جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

جن امور کا علم براہ راست حاصل نہ ہوتا تھا انکو اپنے دوسرے بھائیوں اور ساتھیوں کے ذریعہ سے معلوم کر لیا کرتے تھے اور ان میں چھوٹے اور بڑے کی بحث نہیں تھی۔ خود حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ

کانوا یعرفون لزومی فیسالونی عن حدیثہ منہم عمر وعثمان وعلی وطلحۃ وزبیر (ابن سعد)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری وابستگی کا حال لوگوں کو چونکہ معلوم تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ سے پوچھا کرتے تھے۔ ان پوچھنے والوں میں عمر بھی ہیں عثمان بھی علی بھی طلحہ بھی زبیر بھی۔

حدیث کی کتابوں میں ایک ذخیرہ موجود ہے جس میں خلفائے راشدین اور دوسرے جلیل القدر اصحاب نے باہم ایک دوسرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوچھی ہے۔ مردوں میں اگر پتہ نہ چلتا، تو امہات المومنین کے پاس آدمی بھیجا جاتا کہ ان کو اگر کوئی علم ہو تو بیان کریں۔ ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کا ذکر کر رہے، حالانکہ ۹ سال تک صحبت نبوی میں ان کو ہمہ وقتی رفاقت کا موقع ملا ہے، لیکن ایک حدیث بیان کر رہے تھے، کہ حلقہ کے لوگوں میں سے کسی نے پوچھا

انت سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کیا آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا

لا کل ما نحدثکم بہ سمعناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن کان یحدث بعضنا بعضاً (مستدرک حاکم)	ہم تو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں بیان کیا کرتے ہیں سب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہم نے نہیں سنی ہیں بلکہ ہم میں سے بعض نے بعضوں سے بھی سنی ہیں

(یعنی ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے سنا ہے)، اور یہ بھی تھا بہت بڑا عظیم نفع حضرات صحابہ کی کثرت تعداد کا، ہر ایک اپنی کمی دوسرے کے علم سے پوری کرتا تھا۔ اپنے علم کے شوق کی تکمیل ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض اصاغر صحابہ ہی کے زمانہ میں نہیں، بلکہ خود ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے اپنے علمی نقص کی تکمیل کے لئے کبھی کبھی لمبے لمبے سفر کئے ہیں، قرآن نے جس اسوۂ حسنہ کی اتباع اور پیروی کا ان سے مطالبہ کیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا گھر مدینہ ہی میں تھا اور خاص طور پر حدیث کے مشہور سرمایہ داروں میں انکا شمار ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا، خود بیان کرتے ہیں کہ

بلغنی حدیث عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فابتعت بعیراً فشددت علیہ رحلی ثم سرت الیہ شہراً حتی قدمت الشام فاذا عبداللہ بن انیس فقلت للبواب قل لہ جابر علی الباب فرجع الی رسول	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صاحب کے واسطہ سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پہنچی میں نے فوراً ایک اونٹ خریدا اور اس پر پالان کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا یہاں تک کہ شام پہونچا اور عبداللہ بن انیس کو پایا

۵ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں، اور مسواک اور گدے کی نگرانی ان ہی کے ذمے تھی۔ اسی لئے انکا خطاب ... ہو گیا تھا۔

جابر بن عبد اللہ فخرجت نعم فخرج الی فاعتنقته واعتنقنی قال قلت حدیث بلغنی عنک انک سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المظالم لم اسمعه فانیه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الحدیث (جامع بیان العلم ابن عبد البر ص ۹۳)

(جن سے حدیث پہونچی تھی) انکے گھر پر پہونچا، اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہے۔ آدمی نے واپس ہو کر پوچھا کہ کیا جابر بن عبد اللہ؟ میں نے کہا ہاں۔ عبد اللہ بن انیس باہر نکل پڑے۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ مجھے آپ کے ذریعہ سے ایک حدیث پہونچی ہے، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "مظالم" کے متعلق آپ نے سنی ہے اور میں نہیں سن سکا ہوں۔ عبد اللہ بن انیس نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے۔ (پھر عبد اللہ نے پوری حدیث سنائی)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون قسطنطنیہ[۱] کا ہے کہ ایک حدیث خود انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ شک پیدا ہوا۔ آپ کے ساتھ اس حدیث کے سننے کے وقت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی بھی دربار رسالت میں موجود تھے، لیکن وہ مصر میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک حدیث میں معمولی شک مٹانے کے لیے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہوتے ہیں، اور حضرت عقبہ بن عامر کے پاس حاضر ہو کر فرماتے ہیں

حدثنا ما سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ستر المسلم لم یبق احد سمعه غیری وغیرک

مجھ سے اس حدیث کو بیان کرو جسے تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی عیب پوشی کے متعلق سنا ہے، اب اس حدیث کو سننے والوں میں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں رہا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو انکے سامنے دہراتے ہیں۔ حدیث یہ تھی من ستر مسلما علی خزیة ستره اللہ یوم القیمة وہ سنتے ہیں۔ اسکے بعد کیا ہوتا ہے، وہ اس سے بھی زیادہ عجیب تر ہے کہ

فاتی ابو ایوب راحلته فرکبها

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وانصرف الی المدینة وما حل رحله (ص ۹۴ جامع)

اپنی سواری کے پاس آتے ہیں اور سوار ہوتے ہیں، مدینہ منورہ روانہ ہوجاتے ہیں۔ آپ نے (مصر میں) اپنا کجاوہ بھی نہ کھلوایا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنکے نام نامی سے حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی واقف ہے، انکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ "ان ابا سعید رحل فی حرف" یعنی حدیث کے ایک حرف کی تصحیح کے لیے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ کوچ کیا۔ دارمی میں ایک اور صحابی کے متعلق ہے، ان رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحل الی فضالة بن عبید اللہ وهو بمصر فقدم علیه وهو یمد لناقة له فقال مرحبا قال اما انی لم آتک زائرا ولکن سمعت انا وانت حدیثا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجوت ان یکون عندک منه علم (دارمی)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صاحب فضالہ بن عبد اللہ کے پاس مصر روانہ ہوئے اور وہ اپنی اونٹنی کے لیے چارہ تیار کر رہے تھے۔ فضالہ نے صحابی کو دیکھ کر مرحبا کہا، صحابی نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہاری ملاقات کو نہیں آیا ہوں لیکن ہم نے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے، میں یہ امید لے کر آیا ہوں

یہ تو بڑے بڑے صحابیوں کا حال تھا، باقی ایسے کمسن اصحاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے تھے یا انکے معاصر اور تلامذہ جنہیں تابعین کہتے ہیں، اس باب میں انکے کارناموں کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں [illegible] نے ذکر کیا تھا کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما باوجود قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے صحابہ کے دروازوں پر تلاش حدیث میں گرد کھاتے پھرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی کثرت تعداد کے اس زمانہ کو خوب استعمال کیا تھا کہ انکے ذریعہ سے اپنی تاریخ کے تمام خط و خال کی تکمیل پوری طرح ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اپنے ایام طلب کے قصے بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ میں نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ

هلم فلنسال اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانهم الیوم کثیر

چلو بھائی! ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے چل کر دریافت کریں، کیونکہ ابھی انکی بڑی تعداد موجود ہے۔

لیکن انکے رفیق بخت کے چھوٹے تھے، بولے

یا ابن عباس اتری الناس یحتاجون الیک فی الناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (دارمی)

ابن عباس! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ تمہارے بھی محتاج ہونگے، حالانکہ ابھی تو لوگوں میں رسول اللہ کے بہت سے صحابی موجود ہیں۔

لیکن اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ یہی چھوٹے بڑوں کے گزرنے کے بعد بڑے بنتے ہیں۔ بعد کو اپنے علمی سرمایہ کی بدولت جب ابن عباس مرجع انام بن گئے تو وہ بیچارے پچھتاتے تھے اور کہتے تھے، کان هذا الفتی اعقل منی (یہ نوجوان مجھ سے زیادہ دانشمند تھا) (باقی)

---

[۱] قسطنطنیہ میں آپ کے دفن کا واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے پڑے تھے، جس میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی بھی تھے۔ اتفاق سے بیمار ہوئے اور یقین ہوگیا کہ آخری وقت ہے، وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد جنازہ کو لیکر مسلمان حملہ کریں اور دشمن کی زمین میں جہاں تک گھس سکتے ہوں، گھستے چلے جائیں، آخری نقطہ جہاں تک تمہاری رسائی ہو وہیں مجھے دفن کردینا۔ جنازہ لیکر مسلمانوں نے حملہ کیا اور غنیم کو پسپا کرتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہنچ گئے۔ وہیں قبر کھود کر حضرت رض کو دفن کردیا گیا۔ محمد فاتح سلطان نے صدیوں بعد قسطنطنیہ فتح کیا تو خواب میں آپ نے اپنی قبر کا نشان دیا، جس پر جامع ابو ایوب تیار ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبد القوی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے
ہفتہ وار

صدق
لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق
مرشد آباد بلس، گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی
بیرون ہند سے ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱مر

نمبر ۵ | دوشنبہ - ۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۶ جون سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

زمانہ آج سے ۱۲ صدی ادھر کا ہے۔ سالہ ۹۲ھ کا۔ ملک اسپین - ۹ جولائی کو ایک دریا کے کنارے دو فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوتی ہیں۔ ایک طرف شاہ اسپین راڈرک ہے، دوسری طرف مسلمان حملہ آور طارق کی سپہ سالاری میں:-

"راڈرک بڑی شان سے میدان میں آیا۔ آگے آگے تخت رواں پر سوار تھا۔ سر پر چتر شاہی سایہ افگن اور جلو میں سلح گارڈ اور انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر تھا ..... دونوں کی حالت اور قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ ایک لاکھ فوج تھی۔ اسپین بھر کے نامور بہادر اور جاگیردار تھے۔ اپنا ملک تھا۔ سامان رسد کی فراوانی تھی۔ ہر طرح کے ذرائع مہیا تھے۔ بادشاہ وقت خود کمان کر رہا تھا۔ دوسری طرف اپنے ملک سے دور، ۱۲ ہزار پردیسی تھے۔ جنکے لیے اندلس بالکل اجنبی مقام تھا۔ نہ انکے پاس ترقی یافتہ اسلحہ تھے نہ سامان رسد کے ذرائع۔" (تاریخ اسلام از مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی، حصہ ۲ ص ۱۱ مطبوعہ ۱۹۴۱ء)

نتیجہ ان مادی اسباب کی بنا پر یقیناً مسیحیوں ہی کو ہونا چاہیے تھی لیکن مادی عالم میں معنوی عامل بھی معطل اور بے اثر نہیں رہتے چنانچہ

"معنوی اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق تھا۔ ۱۲ ہزار مسلمان ایک مقصد کے لیے متحد تھے، اور انکا ہر فرد جام شہادت کے لیے بیتاب تھا۔ اسکے برعکس اسپینیوں میں باہم اختلاف تھا گو راڈرک کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی، لیکن وہ شاہی خاندان سے نہ تھا، اس لیے اسپین کے اکثر شرفاء، امراء اور خاندان شاہی کے افراد اسکے خلاف تھے ..... چنانچہ انہوں نے راڈرک سے رہائی حاصل کرنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور عین میدان جنگ میں انھوں نے پہلو تہی کی۔ راڈرک کی ساری قوت کا مدار امراء اور جاگیرداروں پر تھا، اسلیے ان کے الگ ہو جانے کے بعد اس نے نہایت فاش شکست کھائی۔ اور ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک تاریخ اس کا انجام بتانے سے قاصر ہے"۔ (ایضاً)

گویا شمشیر کی نہ کثرت تعداد ہی کام آئی، نہ ہتھیاروں کی عمدگی، نہ سامان کی فراوانی، نہ تخت وتاج کی جگمگاہٹ۔ کام جو آئی، قلیل التعداد اور پردیسی مسلمانوں کی صرف

(۱) ایمانیت (یعنی صحیح اور سچا اسلامی جوش۔ ذوق شہادت، پختگی ایمان)

(۲) وحدت مقصد (یعنی تفرق و اختلافات، خود غرضی و خود رائی سے اجتناب - اطاعت امیر)

یہ نتائج آٹھویں صدی عیسوی میں اسپین کی سرزمین پر نکلے، کیا بیسویں صدی میں، اور ہندوستان کے ملک میں انھیں اسباب کے نتائج کچھ نہیں پیدا ہو کر رہیں گے؟

اردو مصر میں

مسلم یونیورسٹی گزٹ، ایسٹرن ٹائمز (لاہور) کے حوالہ سے لکھتا ہے:-

موقر معاصر ایسٹرن ٹائمز ناقل ہے کہ پروفیسر محمد حسن عزمی صاحب جو جماعت اخوۃ الاسلام قاہرہ کے سکرٹری ہیں اور جامعہ مصریہ میں شعبہ اردو کے انچارج ہیں، آجکل ہندوستان تشریف

لائے ہیں اور لاہور میں مقیم ہیں۔ اُنھوں نے نمائندۂ اخبار سے بیان کیا کہ جامعۂ مصریہ میں اُردو کا ایک الگ شعبہ قائم ہوگیا ہے، اور اعلیٰحضرت شاہ فواد نے اپنے فرمان خاص سے اُردو کو دوسری زبانوں کا رتبہ عطا فرمادیا ہے۔ جامعۂ مصریہ کے شعبۂ اُردو کے انچارج خود پروفیسر عزمی صاحب ہیں۔"

اردو کے علاوہ ہندوستان بھر میں کوئی دوسری زبان ہے جو ملک کے باہر دور تک اس طرح سمجھی جاتی ہو، بولی جاتی ہو، قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہو؟

اقبال اور مصر

جمعیۃ اخوۃ الاسلام (قاہرہ) کے سکریٹری اور جامعۂ مصریہ کے اُستاذ اُردو شیخ محمد حسین عزمی نے یہ بھی فرمایا کہ مصری علامہ اقبال مرحوم کی بہت عزت کرتے ہیں، اور اُنکے ترانۂ ملی کا عربی میں ترجمہ ہوگیا ہے جو جماعت اخوۃ الاسلام کے ہر جلسہ میں سنایا جاتا ہے۔ اس انجمن کی طرف سے علامہ موصوف کی سوانح عمری بھی تیار ہو رہی ہے جو اردو، فارسی، عربی، اور ترکی زبانوں میں شائع کی جائیگی۔

اقبال نے اپنے کو دنیائے اسلام میں زندہ کر رکھا تھا۔ دنیائے اسلام کب تک اُن سے بے خبر رہتی۔ اس سے قطع نظر اصل مسرت اسکی ہے کہ اقبال کے کلام کے اثر سے ان شاء اللہ مصر کی مذہب اسلامیت مستحکم ہو جائیگی۔ افرنگیت اور وطنیت کے زہر کا بہترین تریاق اقبال کا کلام ہے۔

نیا اصول تنقید!

"علیگڈھ سے ایک نیا اخبار جاری ہوا ہے جسکا نام "تحریک" ہے..... "تحریک" کے مالک و پبلشر ایک وظیفہ یاب ڈپٹی کلکٹر ہیں، ہمیں معلوم نہ تھا کہ اس طبقہ میں بھی صحافت کے جراثیم پیدا ہوگئے ہیں" (پیام ۲ جون ۱۹۴۱ء)

"بظاہر وظیفہ یاب ڈپٹی کلکٹری سے ہمارے پیشہ کا کوئی تعلق تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے، لیکن معاملہ چونکہ علیگڈھ کا ہے..... (پیام، ۳ جون ۱۹۴۱ء)

"گذشتہ پچاس سال کی صحافت میں یہ شاید پہلا اردو اخبار ہے جو کسی سرکاری وظیفہ یاب کے نام سے ہماری حیات نامہ کے اُفق پر نمودار ہوا ہے" (پیام ۳ جون ۱۹۴۱ء)

گویا ایک ہفتہ کے اندر تین تین "سرا ہوں" اور انتقادیوں اور سلسل تنقید کا اصل اصول یہ ٹھہرا کہ تنقید کیلیے ہدف بنانا چاہیے کلام کو نہیں متکلم کی ذات کو، تحریر کو نہیں، محرر کی شخصیت کو! اور پھر علیگڈھ کی تاریخ سے استناد، واقعات سے کتنا مطابق! —— واقعیت بمعت حسب معیار تجدد!

گویا تہذیب الاخلاق کے مضمون نگاروں اور تحریک علیگڈھ کے چلانے والوں میں (دو ایک کو مستثنیٰ کرکے) بجز سرکاری پنشن یافتوں کے کوئی اور بھی تھا؟ گویا علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے آنریری ایڈیٹر اکثر و بیشتر سرکاری پنشن یافتہ ہی نہیں رہے ہیں! اور گویا آج بھی صاحب پیام کے دست راست علیگڈھ ہی کی صحافت میں ایک پنشنر کپتان پولیس سے

سوا کوئی اور بزرگ ہیں! —— اچھا ہے کہ صحیح وہ اپنے دفتر میں ہر ایڈیٹر کے سابق پیشوں اور مشغلوں سے متعلق ایک ہسٹری شیٹ" کھول رکھے!

عورت اور مرد نما عورت

"مرد کو "آزاد" عورت سے بھی تو سخت اور معقول شکایت ہے۔ وہ ایک طرف تو ان جدید حالات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھالینا چاہتی ہے، اپنی نئی مساوات کا ہر طرف اعلان کرتی رہتی ہے، لیکن دوسری طرف وہ اُن مراعات سے بھی ہرگز اور کسی درجہ میں بھی دست بردار نہیں ہونا چاہتی، جو مردوں نے آج سے صدیوں پیشتر اُسے صنف ضعیف سمجھ کر عطا کر رکھے تھے گویا مرد سے عین معرکہ آرائی کے وقت صحن جنگ میں وہ مردانہ شیوں تمام تر زنانہ ہی مقابلہ کرنا چاہتی ہے!" (پروفیسر مورنسن و ڈاکٹر فوربا ٹک کی کتاب Love, Marriage and Jealousy میں۔ صفحہ ۲۹۰)

کہہ دیجیے کہ اس طرح کی ساری عبارتیں صدق اپنے ناظرین کو خوش کرنے کے لیے گڑھ لیا کرتا ہے!

طلاق بہ طور فیشن

"آج جہاں ایک طرف ناکام شادیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور ہر شادی میں ناموافقت کے موقع زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں، وہیں انقطاع تعلق کی تو پیدا آسانیوں کے اثرات بھی ظاہر ہو رہے ہیں، یہاں تک کہ طلاق میں اب عورت کے لیے کوئی عیب ہی نہیں رہا ہے۔ اب طلاق عورت کے لیے نہ باعث ذلت رہی ہے نہ باعث شرم۔ بلکہ کثرت وقوع اور عموم کی بنا پر اب تو وہ داخل فیشن ہو چکی اور موجب عزت بن چکی ہے"۔ (کتاب مذکور۔ مقالہ مذکور، ص ۲۹۲)

کہیے، اب بھی اسلامی طلاق پر طعن کا حوصلہ باقی ہے؟ —— اور اسلامی طلاق کو بھی چھوڑیے: "جاہلیت" میں بھی طلاق کی گرم بازاری کیا اس سے کچھ زیادہ تھی؟

زندگی بخش تمدن!

۱۴۶۹ ق م سے لیکر ۱۹۳۰ء تک مدت ۳۳۹۹ سال کی ہوتی ہے۔ اس ساری مدت میں کل ۲۸۷ سال امن و امان سے گزرے، باقی ۳۱۱۴ سال برابر جنگ جاری رہی!

۱۵۰۰ ق م اور ۱۸۶۰ء کے درمیان معاہدے ۸۰۰۰ کی تعداد میں ہوے، مقصد ہر معاہدہ کا "مستقل" قیام امن ہی کہا جاتا رہا، لیکن اوسطاً کسی معاہدہ کی بھی زندگی دو سال سے زائد نہ ہو پائی!

۱۶۱۸ء سے جبکہ "سی سالہ" جنگ شروع ہوئی ۱۹۳۸ء تک بڑی لڑائیاں ۱۷۰۰ کی تعداد میں لڑی جا چکی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ فریق جنگ فرانس رہا ہے، اسکے بعد آسٹریا ہنگری، اور پھر برطانیہ

برطانیہ اور پروشیا کا آتا ہے۔ فرانس، اس مدت میں،

اسپین کے خلاف ۳۶ سال نبرد آزما رہا۔

برطانیہ کے خلاف ۴۲ ″ ″

پروشیا اور جرمنی کے خلاف ۸۰ ″ ″

تاریخ عالم کی سب سے طویل جنگ "صد سالہ جنگ" ہے، یہ فرانس اور برطانیہ کے درمیان رہی، اور ۱۳۳۸ء میں شروع ہوئی۔

گذشتہ تین صدی سے ۱۹۱۹ء تک ممالک ذیل نے ۲۰۰ مستقل و باقاعدہ لڑائیوں میں حصہ لیا ہے:-

یونان، روما، وسطی یورپ، جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیہ، ڈنمارک، اسپین، اور روس۔

اعداد الگ تاز، مستند تالیف Every Body's Book of Facts سے منقول ہیں۔ صفحہ ۲۰۵ --- جو تمدن اس درجہ دشمن ہو مدنیت کا، کبھی سوچیے کہ اسے تمدن کہنا ہی کہاں تک درست ہے؟

"صدق" کی کوتاہیاں

ایک مخلص حیدرآباد سے لکھتے ہیں:

"سچ اور صدق انجمنہائے اسلامیہ میں ... مرحوم کی سعی سے جاری تھا اُنکی آخر دم تک اس کا خیال تھا۔ مجھے بھی گفتگو آئی، اور ہم نے مشترکہ سعی کی۔ مگر آج کل جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظام ہے، وہ اسکے اعلیٰ معیار کا عذر کرتے ہیں کچھ مضامین بالکل عام فہم اور ناخواندہ و حروف شناس اشخاص و ائمہ و موذنین مساجد کے لیے بھی بہ کار آمد ہو سکیں تو ایک دو صفحے پر شائع ہونا مناسب ہے۔"

ان حضرات کا عذر بالکل صحیح ہے۔ مسائل و خیالات کو چھوڑیے نفس زبان کے اعتبار سے بھی صدق کی تحریریں اتنی مشکل اور ادبی تلمیحات سے پر ہوتی ہیں، کہ ہر شخص کے لیے اس کا سمجھنا آسان نہیں۔ اور دکنی وغیرہ مختلف علاقوں میں، جہاں اردو کا رواج کچھ دن ہی سے ہے اور زبان کا معیار بہت ابتدائی ہے، حیرت ہے کہ وہاں اتنے بھی پرچے کیونکر نکل جاتے ہیں۔ تشخیص بالکل صحیح ہے لیکن مخلص مراسلہ نگار کا تجویز کیا ہوا علاج بھی آسان نہیں۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و احادیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں ہیں۔ ضخامت ۷۰ صفحے۔ اسٹاک ختم کرنے کے لیے قیمت بہ غیر معمولی رعایت یعنی صرف ساڑھے چار آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دی جائیگی۔

سورۃ البقرۃ

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ۴)

۲۰- یکاد البرق یخطف ابصارہم کلما اضاء لہم مشوا فیہ و اذا اظلم علیہم قاموا و لو شاء اللہ لذہب بسمعہم و ابصارہم ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر۔

قریب ہے کہ بجلی اُچک لیجائے ابصار اُنکی[118]، جب کبھی چمکتی ہے ان پر (تو) وہ چلنے لگتے ہیں اُس کی روشنی میں[119]، اور جب اندھیرا ہوا اُن پر[120] (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں[121]، اور اللہ چاہتا[122] تو وہ

[118] (اور اُن کی آنکھیں خیرہ رہ جائیں)
بیان ہو رہا ہے آثار غلبۂ اسلام کی شدت و قوت کا کہ یہ منافقین کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کے، اور انہیں مرعوب کر دینے کے لیے کافی ہے۔
یکاد البرق یخطف ابصارہم لشدتہ و قوتہ فی نفسہ (ابن کثیر)

[119] یعنی اسلام کی طرف کچھ بڑھنے لگتے ہیں۔ یعنی اسلام کی مادی فتحمندیاں دیکھ، ان منافقین و مذبذبین کے قدم گویا اضطراراً اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ طلب حق تو انکے دل میں ہوتی نہیں، محض مرعوبیت کچھ دیر کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔
کلما اصاب المنافقین من عز الاسلام اطمأنوا الیہ (ابن کثیر عن ابن عباسؓ)
کلما نالوا غنیمۃ و راحۃ فی الاسلام ثبتوا و قالوا انا معکم (معالم)

[120] یعنی مومنین کو ابتلاء پیش آنے لگے۔
واذا اصاب الاسلام نکبۃ (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) واذا ذہبت اموالہم و ہلکت مواشیہم و اصابہم البلاء (ابن جریر عن قتادہ) یعنی رأوا شدۃ و بلاء (معالم)

[121] منافقین و مذبذبین اپنے ذہنی انتشار و بے یقینی کے مقام پر ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں اور اسلام کی جانب انکے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔
قاموا ای رجعوا الی الکفر (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) ای تحیروا، قاموا ای وقفوا (معالم) ومعنی قاموا وقفوا و ثبتوا فی مکانہم (کبیر)

[122] یعنی اگر مشیت الٰہی بھی ہوتی۔ اگر قانون قدرت تکوینی اب بھی ہوتا۔
اس میں اشارہ اس جانب بھی نکل آیا کہ مؤثر حقیقی ارادۂ الٰہی ہی ہوتا ہے، اور اسباب ظاہری میں تاثیر جو کچھ پیدا ہوتی ہے مشیت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے، بذات خود موجود نہیں ہے
والتنبیہ علی ان تاثیر الاسباب فی مسبباتہا مشروط بمشیۃ اللہ تعالیٰ (بیضاوی)

[123] (جیسا کہ یہ معاملہ بعض پچھلی قوموں کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے۔
عہد عتیق میں ہے:-
"جب وہ اُسکی طرف کو اُترے، تب الیشع نے خداوند سے دعا مانگی اور کہا ان لوگوں کو مہربانی کرکے اندھا کر دیجیے، سو اس نے جیسا کہ الیشع نے کہا تھا انہیں اندھا کر دیا" (۲- سلاطین ۶ : ۱۸)

[124] (بنا برین اس امر پر بھی) قدیر صیغہ مبالغہ ہے، زور و قوت میں بہت زیادہ۔

سلب کر لیتا کان اُنکے اور بصارتیں اُنکی۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔[۱۲۴]

۲۱- یٰاَیُّہَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔

اے انسانو[۱۲۵] عبادت (اختیار) کرو اپنے رب[۱۲۶] کی جس نے پیدا کیا[۱۲۷] تم کو اور اُن لوگوں کو جو تم سے قبل تھے[۱۲۸]۔ عجب نہیں[۱۲۹] کہ تم پرہیزگار بن جاؤ[۱۳۰]۔

۲۲- الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

(وہ رب) وہی (ہے) جس نے بنایا تمہارے واسطے زمین[۱۳۱] کو ایک فرش[۱۳۲] اور آسمان[۱۳۳] کو ایک چھت[۱۳۴]۔

---

[۱۲۴] اسلام کا خدا قادرِ مطلق ہے۔ مصر، ہندوستان، یونان وغیرہ کے دیوتاؤں اور ارسطو کے خدا کی طرح اپنی قوت میں ناقص و محدود نہیں۔

[۱۲۵] قرآن مجید کا مخاطب عالمِ انسانیت ہے۔ کوئی مخصوص نسل مثلاً بنی اسرائیل یا بنی اسمٰعیل اور کوئی مخصوص قوم مثلاً اہل عرب نہیں۔ اور یہ طرزِ خطاب بجائے خود اس پر ایک دلیل ہے۔

خطاب لجمیع المکلفین (بحر)۔ واستدل بہ ... ابھی اوپر پچھلے دو رکوعوں میں وجوداتِ انسانی کی سہ گانہ تقسیم ازروئے عقائد بیان ہو چکی ہے، یعنی مومن، کافر و منافق۔ اب خطاب سارے عالمِ انسانی کو مجموعی حیثیت سے شروع ہو رہا ہے۔

[۱۲۶] قرآن مجید کے اصل پیام کا آغاز گویا اب ہو رہا ہے۔ اور اس پیام کا عنوان اول مسئلۂ توحید ہے، کہ وہی اصل و اساس ہے سارے عقائد و مسائل اسلامی کی۔

[۱۲۷] (تن تنہا، بلا کسی کی شرکت و اعانت کے۔ اور عدم محض سے، بغیر کسی سابق مادہ کے) عمل تخلیق خالص خدائی عمل ہے۔ ہمسرانہ و مساویانہ الگ رہا، بہ حیثیت ماتحت و معاون بھی کوئی اللہ کا شریک نہیں۔ اور نہ یہ بات ہے کہ پہلے سے کوئی غیر مخلوق مادہ موجود ہو اور اللہ نے محض ترتیب دیدی ہو۔

اعبدوا ربکم وحّدوا ربکم (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) افردوا الطاعۃ والعبادۃ لربکم دون سائر خلقہ (ابن جریر)

[۱۲۸] (پس الوہیت و معبودیت سزاوار ہے اُسی خالق بے ہمتا کو)۔

الذین من قبلکم سے پچھلی انسانی نسلیں مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ خلقتِ انسانی سے قبل روئے زمین پر کوئی اور مخلوق آباد ہو، جیسا کہ توریت میں درج بھی ہے۔ قرآنی لفظ ان سب مخلوقات پر حاوی ہے۔

"تم کو" اور "تم سے قبل والوں کو" یہ دو لفظ لا کر قرآن نے ایک اشارہ یہ بھی کر دیا، کہ توحید کا درس، ماضی و حال، تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

[۱۲۹] لعلّ ہے تو اظہار شک اور امید و آرزو کے لیے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس میں آرزو کی جگہ وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ترجمہ اردو میں "تاکہ" سے بھی جائز ہے۔

ہی کلمۃ رجاء وطمع وشک وقد جاءت فی القرآن بمعنی کی (لسان) وجاءت فی القرآن بمعنی کی (تاج) وذکر بعض المفسرین ان لعلّ من اللہ واجب وفسّر فی المواضع بکی (راغب)

[۱۳۰] کہ توحید ہی مرتبۂ تقویٰ تک پہنچانے کا بے خطا نسخہ ہے۔

لتکونوا من المتقین الذی رضی اللہ عنہم ربہم (ابن جریر)

دوسرے معنی یہ بھی منقول ہیں کہ تاکہ تم بچ جاؤ (مرحلۂ آخرت سے)۔ لکی تتقوا السخطۃ والعذاب (ابن جریر عن ابن عباسؓ) لکی تنجوا من العذاب (معالم)

[۱۳۱] تعلیم اس آیت میں یہ ہے کہ زمین انسان کے لیے خلق ہوئی ہے۔ انسان زمین کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے، زمین اسکے لیے خادم ہے۔ اس میں رد آگیا اُن مشرک قوموں کا جو زمین کو معبود یا دیوی دیوتا کا درجہ دیتی رہی ہیں، اور آج بھی دھرتی مائی وغیرہ مختلف ناموں سے اس کی پوجا کر رہی ہیں۔ زمین کو دیوتا یا دیوی سمجھنا تاریخ شرک کا ایک باب ہے اور مشرکانہ مذہبوں کا ایک اہم جزو۔ مشرک بابل، ہندوستان، روم، سب کہیں کی قدیم "متمدن" و "مہذب" قوموں نے زمین کی خدائی کا کلمہ پڑھا ہے۔ قرآن مجید نے پڑھے لکھے جاہلوں کی ہزارہا سالہ غلطی کی اصلاح کی اور بتایا کہ معبود ہونا، نیم معبود ہونا الگ رہا، زمین تو غیر مخلوق بھی نہیں، مخلوق ہے۔ اور مخلوق ہی نہیں، انسان کے لیے مخلوق ہے۔

[۱۳۲] زمین کی شکل و ہیئت یہاں مطلق زیر بیان نہیں۔ بیان صرف اس امر کا ہو رہا ہے کہ زمین کا تعلق انسان سے کیا ہے۔ فراش کے معنی ہیں ما یفترش۔ یعنی وہ چیز جو بچھائی جائے، یا بچھی ہوئی چیز۔ فرش۔ یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز جس پر قدم رکھ سکیں، چل سکیں، بیٹھ سکیں، لیٹ سکیں، نہ ایسی کھردری یا پلپلی چیز جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ناممکن ہو۔ اب زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گروی ثابت ہو یا چپٹی، بہرصورت اس کا قاعدہ اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کے لیے فرش کا کام دے رہی ہے، اور قرآن مجید نے اس کا یہی وصف بیان کر دیا۔

[۱۳۳] جس طرح ارض (زمین) ہر اس چیز کو کہینگے جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو، اُسی طرح سماء (آسمان) ہر اُس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اوپر ہو۔ السماء کل ما علاک (تاج)۔ جس طرح ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے، سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو محسوس و مرئی چیز سب سے زیادہ بلند ہو کر انسان کے سامنے ہو، بڑے سے بڑے بلند مناروں کی بلندیاں، اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں کی اور ہوائی جہازوں کی بلند سے بلند پروازیں سب اُسکے اندر سما جائیں، اور سب اُس سے پست ہی رہیں، سماء کا اطلاق اُس پر نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟

[۱۳۴] (با عمارت)۔ یعنی جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے۔ سماء (آسمان) وہ چیز ہے جو ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ البناء مصدر بمعنی بہ المبنی بیتا کان او قبۃ او خباء او طرافا (اتقان)

آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم ہے یا محض ایک خلا نتہاے نظر! اس قسم کے مسائل کا تعلق تمامتر دنیوی، تجربی علوم سے ہے۔ قرآن مجید کو جس طرح زمینی جغرافیہ کی تحقیق سے کوئی سروکار نہیں، اُسی طرح ہیئت و فلکیات کے مسائل سے بھی اسکا کوئی واسطہ نہیں۔ اُسے تو صرف تعلق زمین و آسمان کا انسان سے دکھانا ہے۔ اور اس غرض کے لیے موزوں ترین الفاظ یہی ہوسکتے تھے۔

بقیہ صفحہ ۸

سے پرزور درخواست کرتا ہوں کہ وہ فوری طریقہ پر اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔

زرِ چندہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے پاس بھیجدیں یا دہلی میں نئی سڑک کوٹھی حاجی علی جان مرحوم پر بنام حافظ محمد زبیر صاحب ارسال فرمائیں۔ ان دونوں جگہوں سے معتبر طریقہ پر چندہ مدینہ منورہ میں پہونچیگا۔ اور اجر عظیم (ایک کا ہزار یا پچاس ہزار) حاصل ہوگا اور صدقۂ جاریہ علیحدہ کا شرف اس سے علیحدہ ہوگا۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

صدق۔ یہ مدینہ منورہ کا وہی مشہور مدرسہ ہے، جس کا ذکر سچ کی جلدوں میں اور مدیر صدق کے سفرنامہ حجاز میں بار بار آچکا ہے اور جو ہر طرح امداد و اعانت کا مستحق ہے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

حسب ذیل اصحاب کی میعاد خریداری جون ۱۹۴۱ء میں تمام ہو رہی ہے براہ کرم چندہ ۱۰ جون تک بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں۔ دفتر شکرگزار ہوگا۔ ورنہ یکم جولائی کو وی پی ارسال خدمت ہوگا۔ اس صورت میں آپ کا ۴ر کا نقصان ہے:

خریداری ۸۶ — و نمبر ۱۰۶ — و نمبر ۲۶۹ — و نمبر ۳۳
و نمبر ۵۲۰ — و نمبر ۵۰۹ — و نمبر ۶۲۰ — و نمبر ۶۲۸
و نمبر ۶۳۲ — و نمبر ۸۰۹ — و نمبر ۸۱۰ — و نمبر ۸۱۱
و نمبر ۸۱۵ — و نمبر ۸۱۲ — و نمبر ۸۵۲ — و نمبر ۹۸۰

مہتمم

"نگار" اور حکومتِ صوبہ

(۱) مدینہ (بجنور)

معاصر عزیز صدق لکھنؤ نے اپنے ایک مراسلہ نگار کی یہ اطلاع شایع کی ہے کہ نیاز فتح پوری نے یو۔پی کے محکمۂ نشر و اشاعت کے مسلم اسسٹنٹ سکریٹری کے ذریعہ حکومت کو ۴۰۰ پرچوں کا خریدار بنالیا ہے اور یہ خریداری مسلم مطبوعات کے ذیل میں ہوئی ہے۔ یوں تو نیاز صاحب ایک عرصہ سے محکمۂ ریڈیو کے خوان نعمت پر ریزہ چینی کرتے نظر آرہے ہیں۔ مسلمانوں کے لعن و طعن نے انکے ہزلیات کی اشاعت اور انکے مقصد کی کامیابی کی طرف سے مایوس کرکے انھیں حکومت کے آغوش شفقت میں بٹھادیا ہے اور وہ ریڈیو پر ماہرانہ انداز میں جنگ اور بین الاقوامی سیاسیات پر تبصرہ فرماتے ہیں (ہم اس سلسلہ میں بھی انکی مقبولیت کا تذکرہ کرکے حکومت کی نظر انتخاب کی غلطی واضح کرچکے ہیں) لیکن نگار کے ۴۰۰ پرچوں کی خریداری اور انکو مسلم مطبوعات میں شامل کرنے پر ہم حکومت سے احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حکومت نگار اور صاحب نگار کے متعلق مسلمانوں کے جذبات اور اسلام کے نقطۂ نظر سے ناواقف نہیں ہے، پھر دریافت طلب یہ امر ہے کہ اُس نے اس کو مسلم پرچہ کیوں قرار دیا۔ وہ کون سی ضرورت تھی جو اسکی خریداری سے پوری ہوئی اور وہ کون سے مسلم حلقے ہیں جن میں اسکو تقسیم کیا جاتا ہے۔ حکومت کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ جس شخص کو چاہے اپنی سرپرستی میں لے اور جس اخبار و رسالے کو پسند کرے اُسے خریدے، لیکن ایک ملحد اور زندیق کے ملحدانہ خیالات کی نشر و اشاعت کرنے والے پرچہ کو مسلم پرچہ قرار دے کر خریدنا سخت قابل اعتراض ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت ہماری معروضات پر توجہ دیگی اور مسلم اسسٹنٹ سکریٹری صاحب اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں گے۔

(۲) زمیندار (لاہور)

معاصر عزیز "صدق" لکھتا ہے کہ یو۔پی گورنمنٹ نے رسالہ "نگار" لکھنؤ کے چار سو پرچے خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں "نگار" کو اسلامی مطبوعات میں شمار کیا گیا ہے۔ ہم یو۔پی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے ایک اردو رسالہ پر مراحم خسروانہ کی بارش کی۔ لیکن "نگار" کو اسلامی مطبوعات میں شامل کرنا غلط فہمی اور غلط اندیشی کا بدترین ثبوت ہے۔ کیونکہ اس رسالہ میں الحاد و دہریت کی حمایت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ باتیں اسلام سے اتنی ہی دور ہیں جتنا چمگادڑوں کو سورج سے ہونا چاہیے۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اس "اسلامی مطبوعہ" کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ حرکت اور بھی قابل اعتراض ہے۔ گویا یو۔پی کی حکومت نادانستہ طور پر مسلمانوں میں دہریت و الحاد کی آگ پھیلا رہی ہے۔ اس لیے کہ وہ "نگار" پر نوازش نہیں کرتی بلکہ زندقہ کو تقویت پہونچاتی ہے۔ اگر حکومت نیاز صاحب کی ریڈیائی تقریروں کا نوازش افزا جواب دینا چاہتی ہے تو اسکے سب ناقابل اعتراض طریقے بھی مہیا ہوسکتے ہیں۔ اس لیے یو۔پی گورنمنٹ کو اپنے فیصلہ پر غور کرنا چاہیے۔"

امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے

اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقا

(از مولانا مسعود عالم ندوی)

(۶)

اکبری دور کی یہی فتنہ سامانی تھی جس نے مسلمانوں کی اندرونی زندگی کھوکھلی کر دی۔ زندگی کا سارا نظام ہندوانہ سانچے میں ڈھلنے لگا۔ معروف اور منکر کا امتیاز جاتا رہا۔ اور خدانخواستہ اگر یہ ارتقا یا ترقی معکوس برابر جاری رہتی تو آج ہم آپ اس حال میں نہ ہوتے، ایک ہندوستان ہوتا، جہاں مسلمان نام رکھنے والے بھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کے بجائے ارجن اور رام چندر ہی کے کارنامے پر فخر کرتے (العیاذ باللہ) ایک ہندوستان کی تاریخیں تا اعصر دنیا وہی بلکہ غیر اسلامی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں اور اکبر کو "رواداری" اکبر اعظم کا لقب دیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان لکھنے والے اسلامی ہند کی تاریخ میں اکبری راج سے زیادہ بد وقت نہیں تا[illegible] اسلیے اگر ہم اسے [illegible] ظلمات سے تعبیر کرتے ہیں تو کوئی زیادتی نہیں کرتے۔

حضرت مجدد سرہندی

۹۷۱ - ۱۰۳۴ھ

اب ہم اسلامی ہند کے دینی ارتقا کی تاریخ کے اس نقطہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صحیح اسلامی رہنمائی شروع ہوتی ہے۔ زمین تپتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ آخر شب کی اندھیاری ہی کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔ جب معصیت حد سے گزر جاتی ہے تو رحمت باری جوش میں آتی ہے۔ اسی طرح جب زندقہ و الحاد نے حکومت کی آغوش میں پال پر نکالنا شروع کیے اور اور بیچارے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا، اور ملک کے طول و عرض میں ہر طرف "ظلمات بعضہا فوق بعض" کا منظر نظر آنے لگا اور ایک نئے احمد بن حنبل کی ضرورت محسوس ہوئی تو قدرت نے ایک درویش کو خلعت تجدید عطا فرمایا، جس نے عبادت درش کی بربھومی میں پہلی مرتبہ بھولے بھٹکوں کی صحیح رہنمائی کی، کفر و شرک کی اندھیاری کا فور کی اور بدعات کی شب تار میں سنت و ہدایت کی شمع روشن کی۔ محمد ابن عبد اللہ (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین کو بت پرستی کی آلودگیوں سے پاک کیا، ہندوانہ تصوف کی جگہ خالص توحید کا بول بالا کیا اور شریعت کے دامن سے رفض کا داغ دھونے کی کوشش کی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ افضل الجہاد کی سنت زندہ کی اور "کلمۂ حق" کہکر سیکڑوں ہزاروں بلکہ پوری قوم کی قوم کے متاع ایمان کی رکھوالی کی —— یہ کون تھا؟ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ رحمۃ الابرار الصالحین من عبادہ و نور ضریحہ۔ حق یہ ہے کہ وہ "مجدد" کہے جانے کے حقدار ہیں۔ حسین ابن علی، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اور ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے جو کام اپنے اپنے زمانہ میں انجام دیے تھے وہی خدمت اس بوریہ نشین کے حصہ میں بھی آئی، جسنے اسے انجام دیا، اور پورے کر و فر کے ساتھ، شان استغنا کے ساتھ، اسی شان محبوبیت کے ساتھ جو ازل سے خاصان خدا کے سینے مقدر ہے۔ حضرت مجدد کی دعوت جہانگیر (۱۰۱۴ - ۱۰۳۷) کے دور میں سرسبز ہوئی جبکہ وہ منکرات کے مٹانے اور بدعات کا قلع قمع کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ بتعداد خلقت آپ کے ہاتھوں ہدایت پذیر ہوئی، نزدیک اور دور سے لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ آپ تو آپ اُن کے خلفاء کا یہ عالم تھا کہ فوج میں تبلیغ کرتے اور افسر و ماتحت بلاتفریق انکے ذریعہ سے ہدایت پاتے۔ اول اول تو حکومت وقت نے ان پر سختی نہ کی، لیکن جب رد شیعیت میں انکی زبان صاف صاف کھلی تو ارکین حکومت میں کھلبلی مچ گئی، اور بادشاہ کو طرح طرح سے انکے خلاف اکسایا گیا ..... آخر دربار سے طلبی ہوئی ..... آپ تشریف لائے، شان استغنا کے ساتھ اندر داخل ہوئے، سلام مسنون پر اکتفا کی اندازہ کے رواج کے مطابق زمین بوس نہ ہوئے، تو اسلامین مملکت بھڑک گئے ..... مجاہد وہاں بھی کلمۂ حق سے باز نہ رہا۔ تقریر کی جس میں بدعات و منکرات کی مذمت کی گئی تھی ..... نتیجہ ظاہر تھا، گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیے گئے۔ سنت یوسفی وہاں زندہ ہو گئی، تذکیر و ہدایت شروع ہوئی اور آن کی آن میں قید خانہ کی کایا پلٹ گئی، اور حیوان نما انسان، انسانوں میں تبدیل ہو گئے۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ "اس قیدی نے تو حیوانوں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ بنا ڈالا، یہ ولی صفت انسان تو قید خانہ کے قابل نہیں۔" بادشاہ متاثر ہوا اور پایۂ تخت آنے کی دعوت دی۔ ولیعہد شہزادہ خرم نے استقبال کیا، خود بادشاہ نے خوش آمدید کہا اور معذرت کی۔ موقع غنیمت تھا، مجاہد نے اپنا فرض ادا کیا، اور مندرجۂ ذیل امور کے نفاذ اور اُن پر عمل کا مطالبہ کیا:—

(۱) بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی کی موقوفی۔

(۲) گائے ذبح کرنے کی اجازت۔

(۳) بادشاہ اور ارکین دولت پر جماعت نماز کی پابندی

(۴) عہدۂ قضا اور شرعی احتساب کے محکمہ کی تجدید

(۵) تمام بدعات اور شرعی منکرات کا قلع قمع

(۶) غیر شرعی قوانین کی منسوخی

(۷) شکستہ اور منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر

شاہی حکم نافذ ہوا، اور نصف صدی کی گھٹا ٹوپ اندھیاری کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کو اس ملک میں سربلندی حاصل ہوئی اور عام مسلمان اس تبدیلی سے مسرور اور مطمئن ہو گئے۔

حضرت مجدد کی خدمات کہاں تک گنائی جائیں، دین اور دینی اصلاح کا ہر شعبہ انکے احسانات کا مرہون منت ہے، ایک طرف اگر "رد روافض" میں انکے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، تو دوسری طرف شریعت اور ہندوانہ تصوف کی باہمی کشمکش بھی انھیں کے ہاتھوں دور ہوئی، انھوں نے اس "باطل" تصوف کی اصلاح کی، اتباع سنت پر زور دیا اور لوگوں کو کتاب و سنت کے چشمۂ صافی کی طرف واپس لانے میں بڑی حد

---

[1] اس مضمون کا حق یہ تھا کہ اس میں حضرت مجدد کے مشن اور ان کی خدمات پر تفصیلی گفتگو کی جاتی، لیکن مجدد نمبر کی اس اشاعت کے بعد بے ضرورت ہی بیکار معلوم ہوتی ہے۔ اسی سے ہمارا یہ باب بھی مختصر رہے گا۔

بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ عاجز کے نزدیک انکا ایک بڑا تجدیدی کارنامہ "بدعتِ حسنہ" کی پردہ دری ہے۔ دوسری تیسری صدی ہجری ہی سے علماء سوء اور نام نہاد صوفیہ نئی نئی بدعتوں کی پردہ پوشی "بدعتِ حسنہ" کے خوبصورت اور جاذب فقرہ سے کیا کرتے تھے۔ کسی منکر پر حرف گیری کرو، جواب ملیگا "بدعتِ حسنہ" ہے۔ کسی بدعت پر متنبہ کرو فوراً حسنہ کی سپر سامنے آ جائیگی۔ حالانکہ رسولِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہو "من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد"۔ لیکن علماء سوء ہیں کہ دین کے اندر بدعات کا انبار لگاتے چلے جاتے ہیں اور پوچھو تو ایک جواب۔ "بدعتِ حسنہ"۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے اندر جو اضافہ کیا جائے وہ بدعت ہے اور اسی لیے ضلالت ہے۔ "حسنہ" اور "سیئہ" کی کوئی تفریق نہیں — میں "دین کے اندر" کہہ رہا ہوں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "فی امرنا ہذا" فرمایا ہے۔ دنیاوی نظام، اٹھنے بیٹھنے کے آداب اور طریقوں کا سوال نہیں۔ بحث اُن جدتوں اور نوتراشیدہ رسموں سے ہے جو دین اور دینی اعمال کے اندر پیدا کرلی گئی ہیں، وہ کسی حال میں حسنہ نہیں ہو سکتیں۔ مجدد صاحب کا احسان ہے کہ انھوں نے اس گلزار میں پہلی مرتبہ بدعت کا راز فاش کیا۔ انھوں نے صاف صاف فرمایا: النصیحة ہی الدین و متابعة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰة والسلام واتیان السنة السنیة والاجتناب عن البدعة الامرضیة وان کانت البدعة تری مثل فلق الصبح لانہ فی الحقیقة لا نور فیہا ولا ضیاء ولا للعلیل منہا شفاء ولا للداء منہا دواء کیف والبدعة اما رافعة للسنة او ساکتة عنہا والساکتة ان کونت زائدة علی السنة فتکون ناسخة لہا فی الحقیقة لان الزیادة علی النص نسخ لہ فاذا البدعة کیف کانت تکون رافعة للسنة نقیضة لہا فلا خیر فیہا ولا حسن فیا لیت شعری من این حکموا بحسن البدعة المحدثة فی الدین الکامل [illegible] (مکتوب ۱۹، حصہ ششم، دفتر دوم) سچ کہا حضرت مجدد نے۔ معلوم نہیں ان لوگوں نے (دین کامل کے اندر) اختراع کردہ بدعتوں کی بہتری اور سچائی کا حکم کہاں سے لگا دیا؟

"بدعتِ حسنہ" کی پردہ دری میں مجدد صاحب کے اقوال اس درجہ صاف اور واضح ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں[۱]۔ لیکن کتنے ہیں جو مجدد صاحب کی پیروی اور عقیدت کا دم بھرتے ہوئے بھی اس میں نت نئی [illegible] اللہ ہم سب کو سچائیوں اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (باقی آئندہ)

---

[۱] بدعتِ حسنہ کی مذمت میں تو اتنا دفتر بکھرا پڑا ہے۔ انتخاب کے نمبروں میں جا بجا اقتباسات آئے ہیں۔

براہ کرم

خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کریں۔

"ادارہ"

نظام اسلامی

بسلسلۂ صدق [illegible]

حصۂ دوم۔ اسلام کے عقائد سے اسکا فلسفۂ اخلاق کس طرح ایک منطقی نتیجہ کے طور پر نکلتا ہے۔ بنیادی اخلاقی تصورات کا تجزیہ اور پھر اس نظام اخلاق کی تفصیلی صورت جو ان بنیادی تصورات سے پیدا ہوا ہے۔ اسلام انسانیت کو جس سانچے میں ڈھالتا ہے اسکا مقابلہ ان مختلف سانچوں سے جن میں دنیا کے دوسرے اخلاقی فلسفے انکو ڈھالتے ہیں (اس سلسلہ میں ہندو، بودھ، زرتشتی، مسیحی اخلاقیات پر بحث کی جائے) اور اسکے ساتھ ان اخلاقی نظامات پر بھی تبصرہ کیا جائے جو انقلاب فرانس اور انقلاب روس سے تعلق رکھتے ہیں۔

حصۂ سوم۔ عبادات پر مفصل بحث۔ اسلام کے تصورِ عبادت کی تشریح۔ اسلام کے عقائد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق سے عبادت کا منطقی ربط۔ یہ عبادات کس طرح انسانی سیرت کی تشکیل کرتی ہیں۔ کس طرح اُس خاص طرز کے آدمی تیار کرتی ہیں جو اسلامی سوسائٹی کو درکار ہیں۔ اور کس طرح اُس خاص طرز کی سوسائٹی کو وجود میں لاتی ہیں جو اسلام بنانا چاہتا ہے۔

حصۂ چہارم۔ اسلامی اجتماعیات کا مجمل مگر جامع بیان۔ اسلام کا فلسفۂ اجتماع کس طرح اسکے عقائد اور فلسفۂ اخلاق سے ایک منطقی نتیجہ کے طور پر نکلتا ہے۔ انسان اور انسان کے باہمی تعلق کی اساس کیا ہے (انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی تفسیر) انسان کے بنیادی حقوق۔ انسان کے بنیادی فرائض۔ جماعت کی تشکیل کے اصول۔ فرد اور ہیئت اجتماعیہ کا تعلق۔ قومیت اور بین الاقوامیت کا توازن۔ تمام نوع انسانی صرف اسلام ہی کے نظام اجتماع میں امن اور سلامتی کے ساتھ مجتمع ہو سکتی ہے۔

حصۂ پنجم۔ اسلامی نظام معاشرت پر اصولی بحث اور مقاصد کی تشریح۔ مرد و عورت کا تعلق۔ خاندان کی تشکیل۔ ہمسائیگی کا تعلق۔ شہریت کے حقوق و فرائض۔ اجتماعی زندگی میں امن اور رفاہیت کی تدابیر۔

حصۂ ششم۔ اسلامی نظام معیشت پر اصولی بحث اور مقاصد کی تشریح۔ کسبِ دولت کے طریقوں پر پابندیاں اور حلال و حرام کی حد بندی۔ خرچ دولت کے طریقوں پر پابندیاں اور جائز و ناجائز کی تحدید۔ اکتناز دولت پر پابندیاں اور زکوٰۃ کی فرضیت۔ وراثت کا قانون جسکے ذریعہ سے ہر شخص کی موت پر اُس کے جمع کردہ مال کو تقسیم کر دیا جاتا۔ زمین کا بندوبست۔ تجارت و صنعت میں سرمایہ و محنت کے درمیان عدل اور فصل خصومات کا انتظام۔ تجارتی معاملات کو پیچیدگی اور نزاع آفرینی اور اتفاقات کے کھیل سے روکنے کی تدابیر۔ معیشت کو لوگوں کے لیے تنگ کر دینے والے اسباب کی روک تھام۔ ہر شخص کو کم سے کم انسانی ضروریات بہم پہونچنے کا انتظام [illegible]

وتجارتی ترقی اور خطرات و حادثات سے تحفظ کے لیے فینانس، بینکنگ اور انشورنس کا انتظام کس طرح ہوگا۔ بین الاقوامی تجارت اور تبادلۂ زر کی کیا صورت ہوگی۔ اسلامی نظامِ معیشت کا مقابلہ سرمایہ داری سسٹم، سوشلزم، کمیونزم اور فاشزم سے۔

حصۂ ہفتم۔ اسلامی نظامِ حکومت۔ اسلام کا نظریۂ سیاسی اور خلافت کا اساسی تصور۔ بادشاہی، آمریت اور دوسری ساخت کے تمام دساتیرِ حکومت سے اسلامی نظامِ حکومت کا اصولی اختلاف۔ حکومتِ اسلامی کی ہیئتِ ترکیبی۔ خلیفہ کی حیثیت، اسکے تقرر، اسکی مدت، اسکے اختیارات و فرائض اور اس کا طریقِ انتخاب۔ مجلسِ شوریٰ۔ شوریٰ کے اصول اور ارکانِ مجلس کے انتخاب کا طریقہ۔ مجلسِ قانون ساز کے بجائے ماہرینِ قانونِ شریعت کی ایک مجلس جو اصولِ شرع سے فروعی احکام کا استنباط کرے۔ نظمِ حکومت کی امتیازی خصوصیات، سول سروس۔ عدالت، پولیس۔ احتساب۔ مالگزاری و ضربِ محاصل۔ اسٹیٹ فینانس۔ امورِ نافعہ (پبلک ورکس) صنعت۔ تجارت۔ خبر رسانی۔ تعلیمات۔ فوج۔ دفاعِ ملکی۔ اور حقوقِ اہلِ ذمہ پر تفصیلی بحث۔

حصۂ نہم۔ اسلامی قانون۔ اس حصہ میں اصولِ قانون پر روشنی ڈالی جائے۔ پھر فقہ کے چاروں اسکولوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ان اسکولوں نے استنباطِ احکام کے لیے جو شاہراہیں بنادی ہیں ان پر چل کر ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق احکام اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حدود اللہ کی تشریح بھی کردی جائے جس سے یہ بات ذہن نشین ہو جائے کہ ان حدود نے زندگی کے ہر شعبہ میں کس طرح بے راہ روی کے امکانات کا سدباب کیا ہے۔

حصۂ دہم۔ بین الاقوامی تعلقات۔ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی مختلف شکلیں، جبکہ وہ اسلامی حکومت کے ماتحت ہوں۔ جبکہ وہ معاہد ہمسایہ ہوں۔ جبکہ وہ برسرِ جنگ ہوں۔ ان تینوں حالتوں کے متعلق احکام کی تفصیل۔ جنگ کے مقاصد اور قوانین۔ دارالحرب، دارالکفر میں مسلمانوں کی حیثیت۔ دارالحرب میں مسلمانوں کی حیثیت۔ دارالاسلام میں دارالحرب یا دارالکفر سے آنے والوں کی حیثیت۔

حصۂ یازدہم۔ علم اور ادب اور ہنر (آرٹ) کے متعلق اسلام کا رویہ۔ اسلام کس طرح صحیح علمی تحقیقات کی نہ صرف ہمت افزائی کرتا ہے بلکہ تحقیق کے راستہ میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اسلام ادب اور آرٹ کے غلط رجحانات کو روک کر کس طرح ایسے راستوں پر نشوونما دینا چاہتا ہے کہ وہ انسانی سعادت میں مددگار ہوں۔ اسی سلسلہ میں "فنونِ لطیفہ" پر تفصیلی بحث کی جائے۔ اسلام سائنٹفک ترقی سے حاصل شدہ قوتوں کا صحیح طریقِ استعمال بتاتا ہے اور غلط استعمال سے روکتا ہے۔ اسلام کی رہنمائی کس طرح انسان کو غلط تجربات کے نقصان اور تضییعِ وقت و قوت سے بچاتی ہے۔ اور اگر اسکی رہنمائی سے استفادہ کیا جائے تو انسان کی رفتارِ ترقی کس قدر تیز ہوسکتی ہے۔

مراسلہ

مدرسۂ شرعیہ (مدینۂ منورہ)

(از مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

اگرچہ مدینۂ منورہ میں جنگِ عظیم کے بعد جبکہ ترکی حکومت کا سایہ مدینۂ منورہ زیدہ شرفاً سے اٹھ گیا تھا اور اسکے اوقاف اور امدادوں سے عموماً مدارس اور اساتذہ و تدریس محروم ہونے کی وجہ یا جنگ کی ہلاکت آمیز کارگزاریوں سے فنا کے گھاٹ اتر گئے تھے) بہت سے ادارے تعلیمی یا صنعتی یا بینک یا حکومتِ حجاز کی طرف سے قائم کیے گئے مگر وہ یا تو صرف ہاتھی کے دانت ثابت ہوکر اضمحلال کے درجہ کو تقریباً پہونچ گئے ہیں یا اربابِ حکومت کی پالیسیوں اور مصری اور شامی یورپ زدوں کے زیرِ اثر آکر علومِ دینیہ اور معارفِ قرآنیہ و حدیثیہ سے تقریباً خالی ہوگئے ہیں۔ ایسے نازک عصر میں مدرسۂ شرعیہ ہی وہ ایک تنہا ادارہ ہے جو اپنی خوش انتظامی اور للہیت۔ علومِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کی تجدید کی بنا پر روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ چنانچہ آج بھی باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے تمام ممالکِ حجاز میں اپنی نظیر صرف اپنے آپ ہی کی رکھتا ہے۔ مدرسۂ شرعیہ کی بےلوث اور مخلصانہ صحیح خدمات کو دیکھ کر عموماً اہلِ مدینۂ منورہ (جیرانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اپنے بچوں کو اسی مدرسہ میں داخل کرکے فیوضِ نبویہ سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

حال میں آنے والے خطوط سے جو کہ اواخرِ محرم سنہ ۶۰ھ کے لکھے ہوئے ہیں، پتہ چلتا ہے کہ بالفعل مدرسۂ موصوفہ میں تعلیم پانے والے لڑکوں کی تعداد (۸۰) ساٹھ سے اسی طلبہ سے زائد ہے۔ شہر مدینۂ منورہ کے کسی مدرسہ میں اسکے چوتھائی طلبہ بھی غالباً نہیں ہیں۔

اس عظیم الشان دینی اور علمی خدمت کا سہرا اہلِ ہند اور صرف اہلِ ہند کے سر پر ہے جسکا ظہور بھائی سید احمد صاحب مرحوم فیض آبادی کی مخلصانہ جد و جہد اور مسلمانانِ ہندوستان کی مالی امدادوں سے ہوا ہے۔ حکومتِ حجاز کا کوئی دخل مالی امداد میں نہیں ہے اور نہ انتظامی اور داخلی کارروائیوں میں اس کا کوئی رسوخ ہے۔ اہلِ ہند اس پر جس قدر بھی فخر کریں یقیناً وہ بیجا نہ ہوگا۔ جو لوگ بارہا اس مدرسہ کے معائنہ سے فیضیاب ہوئے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مدرسۂ مذکورہ میں دینیات اور ادبیاتِ عربیہ کے مکمل نظامِ تعلیمی کے ساتھ ساتھ علومِ عصریہ اور صناعی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ موجودہ جنگ کی وجہ سے حجاج اور زوار کا جانا وہاں بہت ہی کم ہوا اس لیے مدرسۂ موصوفہ کی آمدنی بھی بہت کم ہوئی جسکی وجہ سے مالی مشکلات نہایت زیادہ پیش آرہی ہیں۔ طلبہ کی افزائش، تعلیم کی ضرورت، جیرانِ آقائے نامدار علیہ السلام کی بیش از بیش جلیل القدر تعلیمی خدمات کی شدید ترین حاجت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس میدان میں نہایت فراخ حوصلگی سے قدم بڑھایا جائے۔ مگر سرمایہ کی قلت قدم قدم پر رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

وہاں سے آئے ہوئے خطوط بار بار اس طرف ہندوستانی مسلمانوں کو توجہ دلانے کے درپے ہو رہے ہیں۔ بنا بریں اربابِ خیر اور طالبینِ اجرِ عظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فالذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسے سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد

پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق

مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج - لکھنؤ

سالانہ : للعہ

ششماہی : چار

بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ا ر

صدق

لکھنؤ

ہفتہ وار

نمبر ۸ | دوشنبہ ۲۶ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۳ جون سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

مقدس محرف

"یا ایہا المدثر ..... مدثر سے مراد انسانیت ہے جس نے ظلم و کفر کا شملہ ڈالا ہوا۔

قُم۔ یعنی اے وہ کہ تو دیتا ہے انسانیت سے کفر و طغیان کو، اور ظلم و جور دور کرنے کا مشن لے کر اٹھا ہے۔ بیٹھ کر تجویزیں سوچنے اور ریزولیوشن پاس کرنے سے کام نہیں ملیگا بلکہ اُٹھ کر کمر ہمت باندھ ....

وثیابک فطہر۔ اس انقلاب کے لیے کسی خاص نشان یا وردی کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ بین الاقوامی انقلاب ہے۔ اس میں ہر قوم اور نسل کے افراد جو انسانیت کی خدمت کے لیے آمادہ و تیار ہوں شامل ہو سکتے ہیں۔ البتہ ایک شرط ہے کہ لباس پاک ہو اور پاک رہ سکتا ہو۔ اخلاق کی پاکیزگی میں ممد و معاون ہو ۔ .....

سأصلیہ سقر۔ لیکن اس ارتجاعی کے لیے اس بداخلاقی کی آگ سے بچنا محال ہے۔ اسے ظلم کی تائید کرنے کی آگ میں ڈالا جائیگا۔" (زمزم - لاہور - خلافت نمبر)

یہ چند جواہر ریزے ہیں، اُس سراپا مرصع "تحریف" کے، جو سورۂ مدثر کی "مکمل تفسیر" کے عنوان سے "حضرت مولانا" عبیداللہ سندھی کے نام سے شایع ہوئی ہے!

ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہیے!

اگر اسی کا نام "تفسیر" ہے، تو خدا معلوم تحریف اور بدترین تحریف کا نمونہ اور کہاں ملیگا! ——— ہمارے علمائے کرام، بعض ان میں کے یقیناً مخلص و نیک نیت، لیکن عقیدت میں غلو و افراط کے شکار، ایک بڑی شخصیت کے نام سے مرعوب و مسحور، براہ کرم ہم عامیوں کو بتادیں کہ اگر یہ تفسیر بالرائے بھی درجہ بدرجہ بعض دینی خدمت کہی جا سکتی ہے، تو آخر ہم سب مل کر عنایت اللہ المشرقی کو امام عصر تسلیم کرلیں؟ اس تہذیب کی عبارتیں تحریف قرآنی کے باب میں کیا اس سے کچھ بڑھی ہوئی ہیں؟

شرف ہم زبانی

اسٹیٹسمین (کلکتہ - ۷ دسمبر سنہ ۴۱) میں ایک مراسلہ ٹاٹا نگر سے آیا ہوا اہمیت و ندرت کے لحاظ سے اڈیٹوریل صفحہ پر شایع ہوا ہے، اسکا مفہوم اردو میں :-

"یقین آپ کو یوں نہ آئے، تو تجربہ کرکے میرے بیان کی تصدیق کر لیجیے۔ واقعہ یہ ہے کہ کتے جس آسانی کے ساتھ انگریزی سمجھ لیتے ہیں ہندوستان کی کوئی اور زبان نہیں سمجھ پاتے۔ اسباب پر غور کرنے میں میں اپنی نیند حرام کر چکا ہوں، لیکن واقعہ بہرحال یہی ہے۔ اگر بعض صاحبوں ہی کے کتے انگریزی داں ہوں، جب بھی غنیمت ہے۔ لیکن ستم یہ ہے کہ کوئی سا بازاری سرجائی کتا لے لیجیے، تجربہ سے معلوم ہو جائیگا کہ انگریزی تو وہ فوراً سمجھ لیگا، باقی کسی اور زبان میں لاکھ پکاریے تو وہ بہرا نظر آئیگا۔ میرا بہترا انگریزی کے صرف چند لفظ جانتا ہے، میرے کتوں کو کبھی ہندوستانی میں نہیں، بلکہ ہمیشہ انگریزی ہی میں مخاطب کرتا ہے۔ اور جب میں نے وجہ پوچھی، تو بولا کہ "کتے لوگوں کی زبان ہی انگریزی ہے، دوسری زبان نہیں سمجھتے۔"

مبارکباد اس شرف ہمزبانی پر سمجھ میں نہ آیا کہ کسے پیش کی جائے —— "صاحب" کو، یا صاحب کے کتوں کو!

تعلیم قرآن کا انتظام

"مجلس اتحاد المسلمین کے اس سالانہ اجتماع کی غور کردہ رائے ہے کہ مسلمانوں کی دنیوی و دینی فلاح و بہبود کا انحصار بالکلیہ قرآنی تعلیمات پر ہے اور چونکہ سرکاری مدارس میں اس طرف کماحقہ توجہ نہیں کی جاتی۔ لہٰذا مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ عام سالانہ حکومت کو اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ مدارس میں مسلمان طلباء کے لیے قرآن مجید ..

کی بامعنی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا جائے اور شریک نصاب دینیات کیا جائے۔ اور خود مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی آیندہ ہر قسم کی فلاح و بہبود کے لیے خود بھی اسکا کوئی معقول انتظام کریں ہمیشہ سے مسلمانوں کی مساجد انکی مذہبی تعلیم کا مرکز رہی ہیں بلکہ قدیم ابتدائی تعلیم کا دار و مدار ہی مسجدوں کے مکاتب پر تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع اتحاد المسلمین کی تمام مجالس ابتدائی و مجالس اضلاع پر زور دیتا ہے کہ وہ سعی بلیغ کریں کہ اپنے اپنے محلوں کی مسجدوں میں با معنی قرآن کریم کا انتظام فرمائیں اور محلہ کے تمام مسلمان بچوں اور بالغ مسلمانوں کو بھی اس سے استفادہ کا موقع دیں تاکہ مسلمان احکام قرآن سے واقف ہوکر ان پر عمل کرنے کے قابل ہوسکیں"۔

دکن کی مشہور انجمن اتحاد المسلمین ایک فعال جماعت ہے اور اپنی تبلیغ عمل کے لیے سچا طور پر نیکنام۔ یقین ہے کہ اپنے تازہ اجلاس کی اس قرارداد کو عمل کا قالب محمد و ثنا دے بہنا دیگی۔

نئی دعوت قرآنی

مجلس اتحاد المسلمین دکن کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت کا اقتباس :-

"مجلس اتحاد المسلمین صرف سیاست کو جو قرآن کے منبع فیض سے سیراب نہیں ہے سراب سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی تنظیمی دعوت کے بعد بھی اس نے جو دستور اپنے لیے مرتب کیا اس میں اپنے وجود کی اولی غرض اعتصام بحبل اللہ قرار دی۔ زمانہ نے ممکن ہے راستوں میں کچھ تبدیلی کردی ہو لیکن منزل اگر قرآنی منزل نہیں ہے تو وہ ذلت و خواری کے جہنم کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں آپ کے منتخب کردہ خادم اور اس مجلس کے صدر کی حیثیت سے آپ سب ارکان مجلس اتحاد المسلمین بالعموم اور ارکان عاملہ و شوریٰ ملکی مجلس، صدر صاحبان و عہدہ داران مجالس ضلع و ابتدائی اور مبلغین مجلس اتحاد المسلمین بالخصوص شرکت مجلس کی شرط اولین کے طور پر یہ پابندی عائد کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک عمل کی نیت سے اور معنی و مطلب کو سمجھکر قرآن مجید کی کم از کم تین آیتیں روز تلاوت کیا کرے اور اس پر نہ صرف اپنے خدا کو گواہ ٹھہرائے بلکہ ماہوار گوشوارہ میں بھی ملکی مجلس کو روانہ کیا جاتا رہے، بصداقت دل اطلاع دے کہ وہ کس حد تک اس شرط کا پابند رہا ہے۔ میری اس عمل پر مداومت نے ثابت کیا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد آپ پر ثابت ہوگا کہ قرآن کس طرح سب پر فلاح و صلاح انفرادی و اجتماعی کے نئے نئے دروازے کھولتا ہے"۔

اللہ ری رجعت پسندی! اس بیسویں صدی میں بھی مجالس کے ایسے صدر موجود ہیں، جو اپنے خطبوں میں رکنیت مجلس کی شرط ہی قرآن خوانی بتاتے ہیں — اور تجدد کی برق غضب سے ذرا نہیں ڈرتے! "ہر روز کچھ سب سیکھیے" کے بجائے نیا نعرہ "ہر روز کچھ قرآن پڑھیے" کا۔

اردو کی ایک اہم خدمت

اردو انسائیکلوپیڈیا کا ذکر کئی ہفتے ہوئے ان صفحات میں آچکا ہے۔ پچھلے ہفتہ نمونہ کے چند اوراق چھپے ہوئے مع متفرق معلومات کے وصول ہوگئے۔ یہ نمونہ بڑی اور چوڑی تقطیع کے ۱۵ صفحوں پر چھپا ہے۔ ہر صفحہ میں تین گنجان کالم ہیں۔ لیکن کتابت طباعت صاف۔ اور حقیقی ضخامت میں چھوٹے بڑے ملاکر ۱۹ مقالے درج ہیں۔ زبان صاف، بیان واضح۔ مضامین سب کے سب سنجیدہ، پُر معلومات، مستند۔ ایک انسائیکلوپیڈیا کے شایان شان۔ صرف ایک جگہ یعنی مصطفیٰ کمال کے متعلق آخریں مقالہ "اتاترک" میں تجدد کی جھلک نظر آئی، مگر وہ بھی کچھ ایسی نمایاں نہیں ہے۔

مجلس ادارت کے صدر اردو کے مشہور خادم دکن کے ڈاکٹر زور ہیں اور ڈاکٹر صاحب معتمد ہیں۔ ... چھ ارکان۔ (ارکین کا لفظ ترمیم طلب ہے) کی کمیٹی انکے علاوہ۔ کل فہرست مباحث ۲۶ ابواب میں تقسیم ہے:-

سیاسیات، معاشیات، تہذیب و ثقافت، تاریخ، سیاحت، جغرافیہ، اسلامیات، عربی زبان و ادب، دیگر السنۂ قدیم و جدید، فلسفہ و نفسیات، تعلیمات، ریاضی، طبعیات، انجنیری، کیمیا، طب، علم الانسان، نباتیات، حیوانیات، اردو زبان و ادب، قانون، کرکٹ، کھیل، لسانیات، سندی، مرہٹی و دیگر زبانیں، فلکیات، زراعت و جنگلات، الہٰیات۔

ان میں سے ہر شعبہ مستند ماہرین فن کے ہاتھوں میں ہے، مثلاً شعبۂ اسلامیات میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالقدیر صدیقی حیدرآبادی وغیرہم ہیں۔ کم از کم یہ نمونہ جس معیار کو پیش کر رہا ہے، وہ ہماری توقعات سے بلند تر ہے۔ اندازہ ہے کہ پوری کتاب ۱۲ جلدوں میں تمام ہوگی، اور ہر جلد کم از کم پانچ سو صفحہ کی ضخامت کی ہوگی۔ اردو زبان کی یہ ٹھوس، سنجیدہ، اور قابل قدر خدمت اردو کے ہر ہوا خواہ کی تائید اور عملی ہمدردی کی مستحق ہے۔ نمونہ کے یہ اوراق، دفتر اردو انسائیکلوپیڈیا، خیریت آباد، حیدرآباد دکن کے پتہ سے ۴ ر کے ٹکٹ میں حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر زور اور انکے رفقاء یوں بھی سالہا سال سے اپنے کو خدمت اردو کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ مگر انکا یہ کارنامہ حقیقتاً ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اور نسلوں تک انکی یادگار رہ جانے والا ہے۔

تفاوت رہ

"حیدرآباد - ۱۵ - امرداد - اعلیٰحضرت حضور نظام نے اپنی والدہ ماجدہ کی یادگار میں اور انکے نام پر ایک مسجد، مسجد زہراء کے نام سے تعمیر کرانے کا حکم ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کو علیگڈھ میں دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نواب زین یار جنگ (ماہر تعمیرات سرکار دکن) سے طے کرلیا ہے کہ موصوف وسط جولائی میں علیگڈھ میں کوئی موزوں زمین دیکھنے آئیں گے"۔ (خبر)

ایک مسلمان بادشاہ یہ ہیں، جو اپنی والدہ محترمہ کی یادگار میں مسجد تعمیر کراتے ہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے تعلیمی مرکز میں۔ ایک "روشن خیال" فرمانروا وہ ہوسکتے ہیں، جو یادگار میں پتھر کے مجسمے اور بت نصب کرائے جاتے ہیں، یا بہت احتیاط برتی تو تصویروں اور نقاشیوں کی کوئی آرٹ گیلری قائم کرادی! ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

سائنس کی رجعت پسندی — انجمن ترقی اردو کے سلسلہ مطبوعات

میں ۱۳۲۲ء پر ایک ضخیم تازہ کتاب ہے " آثار جمال الدین افغانی " (اختصار کے لیے صرف " آثار جمال " کہنے میں کیا مضائقہ ہے؟) مشہور روزنامہ پیام کے مشہور تر مدیر، جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی کے قلم سے۔ کتاب ہے شیخ کی سیرت اور اصلاحی خدمات پر۔ لیکن کوشش محترم مصنف کی ہر جگہ یہی ہے ——— بین السطور میں بھی اور سطور میں بھی ——— کہ گویا شیخ اپنے وقت کے اتاترک تھے! اتاترک نہ سہی جب بھی اس "لانذل سردار" کے "نقش اول"! چنانچہ مقدمہ سے بھی پہلے جو بیس لفظ سے اس کی تسمیہ اللہ بھی "اتاترک" ہی کا ایک قول زریں ہے

کتاب ہے ... صفحات ... مدنیمی بحر ... کا بیان کہ یہ ہے کہ انجمن کے سلسلۂ مطبوعات میں ... ۱۹۳۲ء کی کتابات سائنس ہے۔ بعض امریکی ماہرین سائنس کی تصنیف اور جامعہ عثمانیہ کے ایک استاذ سائنس کا ترجمہ۔ رسالہ ... ڈاکٹر ... (سکریٹری سائنس اکاڈمی نیویارک) کے قلم سے ہے۔ بیان ... عند و جسم کی قابلیت کا ہوا ہے کہ " ان ہی غدود سے ثانوی صنفی خصوصیات کا تعین ہوتا ہے "۔ اس پر سائل سوال کرتا ہے کہ وہ خصوصیات کیا ہیں؟ جواب ملتا ہے :-

" یہی صورت، جسم، اور تناسب اعضا وغیرہ۔ مثلاً مرد کے چوڑے کندھے اور پتلی کمر اور عورت کے چھوٹے کندھے اور چوڑے سرین۔ موٹی مردانہ آواز اور باریک زنانہ آواز " (ص ۱۵۱)

اتنے فرق تو اسی جواب سے ظاہر ہوگئے۔ سائل جو تجدد کا بکیل معلوم ہوتا ہے مزید جرح کرتا ہے :-

" کیا دونوں صنفیں دماغی خصوصیات کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتی ہیں؟ "

گویا کہلوانا یہ چاہتا ہے کہ نہیں، جسمانی فرق جو کچھ بھی ہو، دماغی اعتبار سے تو دونوں یکساں ہیں۔ لیکن سنیے۔ ڈاکٹر موصوف کیا فرماتے ہیں :-

" مختلف ہوں بھی تو بہت کم۔ بااینہمہ دونوں صنفوں کی جذباتی زندگی مختلف ہوسکتی ہے، بلکہ اکثر ہوتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر مردوں اور عورتوں میں فکر کی راہیں تو بہت کچھ ایک سی ہی ہوتی ہیں لیکن جذبات کی راہیں بسا اوقات جداگانہ ہوتی ہیں (ص ۱۵۱)

لیجیے، خشک سائنس کا یہ فتوٰے، کہ جسمانی امتیازات و اختلافات کے علاوہ جذبات کے لحاظ سے بھی مرد و عورت کی زندگیاں الگ ہیں مختلف ہوتی ہیں! ——— اور انجمن ترقی اردو کی ستم ظریفی کا کمال، کہ ۱۹۳۲ء کے چٹ پٹ بعد ۱۹۴۲ء پر جگہ اپنی مطبوعات میں ایسی "رجعت پسند" کتاب کو بھی آن کی آن میں مزہ ہی کرکرا کر دیا!

تجدد کی نیرنگی

" ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ انکے [یعنی جدید وائس چانسلر کے] کام میں کوئی ایسی مداخلت نہ کریں جو یونیورسٹی کے عام مفاد کو متاثر کرتی ہو۔ طلبہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں سمجھ کر علیگڈھ جانا چاہیے کہ وہ قوم کا سب سے بڑا تعلیمی مرکز ہے۔ " (پیام)

اسداکبر! یہ وہی وائس چانسلر ہیں، جنکے انتخاب کی مخالفت بس ابھی کل تک قلم کسی کو آتش فشاں کا دہانہ بنا ہوا تھا! اور معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ادھر انکا انتخاب ہوا، اور ادھر علیگڈھ کی اینٹ سے اینٹ بج کر رہی! پبلک کا حافظہ یقیناً قابل اعتماد نہیں ہوتا، لیکن اس سے ایسی بدظنی بھی کیا، کہ ابھی کل تک جو کسر سیاہ تھا، اسے آج بے تکلف سفید کہا جانے لگے! ——— کوئی آتش فشاں اسقدر آناً فاناً کبھی کہیں سرد ہوا ہوگا! ——— سچ کہا ہے کہنے والے نے ؎

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں!

منکروں کا اقرار

ہندوؤں کی سوشل ریفارم ایسوسی ایشن (مجلس اصلاح معاشرت) بمبئی نے اپنے ایک تازہ میمورنڈم (یادداشت) میں لکھا ہے :-

" جزوی قانون سازی سے (ہندو) عورتوں کو فائدہ پہونچنے کی بجائے الٹا نقصان پہونچیگا، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندو لاء پر بہ حیثیت مجموعی نظرثانی کی جائے اور اس میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ وقت نے ہندوؤں کی سوشل حالت میں جو تبدیلیاں رونما کردی ہیں وہ انکا ساتھ دے سکے "

گویا یہ کھلے لفظوں میں اعتراف ہے، کہ ہندو قانون، کم از کم ہندو عورتوں کے حقوق کی حد تک تو زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا!

اور پھر لکھا :-

" لڑکی خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اسکو اپنے ماں باپ کی جائداد سے حصہ ملنا چاہیے۔ تاہم چونکہ لڑکی کو اپنے باپ کی حیثیت میں، اور پھر " استری دھن " کے حقوق کے باعث اسے بیٹے پر فوقیت ہوگی۔ اس لیے ایسوسی ایشن کی رائے ہے کہ لڑکے کے مقابلہ میں لڑکی کو نصف حصہ ملنا چاہیے "

لیکن صاف لفظوں میں یہ کہدینے کی ہمت نہ ہوئی، کہ ہندو قانون، لڑکیوں کے حق میراث کے باب میں بالکل وہی ہو جائے جو اسلامی شریعت میں ۱۳ سو سال سے چلا آرہا ہے!

انجمن ترقی اردو

انجمن ترقی اردو، ہند، ہندستان میں خدمت زبان و ادب اردو کی سب سے پرانی اور مستند انجمن ہے۔ اسکی شاخیں ۱۸۸ کی تعداد میں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔

اسکے قائم کیے ہوے مدرسے ۶۴ کی تعداد میں ہیں۔

اسکی مطبوعات کا شمار ڈیڑھ سو سے اوپر پہونچ چکا ہے۔ لغت، ادب، تاریخ، سیاسیات، فلسفہ، صرف و نحو، سائنس، سب اسکے دائرہ میں ہیں۔

۲۵ کتابیں صرف ۳۹ء میں شائع ہوئیں۔ ۳۰ کتابوں کی منظوری ۴۰ء کے لیے تھی۔

اسکا ایک پندرہ روزہ اخبار ہماری زبان کے نام سے نکلتا ہے، اور دو سہ ماہی رسالے، ایک کا نام اردو ہے، دوسرے کا نام سائنس ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

نئی کتابیں

(۱) **فیض الباری علی صحیح البخاری** (عربی) از حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ جلد اول۔ صفحات ۴۱۲ × ۲۰۰ تقطیع کلاں۔ قیمت غالباً ۱۲ عہ

(۲) ایضاً۔ جلد دوم۔ صفحات ۴۹۵ + ۲۲ تقطیع کلاں قیمت غالباً ۱۲ عہ

پتہ:- (۱) مجلس علمی۔ ڈابھیل۔ ضلع سورت (۲) کتبخانہ رشیدیہ، قریب جامع مسجد۔ دہلی

بخاری کو جو مرتبہ اور جو شہرت عالم اسلام میں حاصل ہے، اتنی نہ سہی، لیکن اسی سے ملتی جلتی ہوئی شہرت بخاری کے شارح علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو ہندوستان کے حلقۂ علم دین میں حاصل ہے۔ اور یہ انکے املا کا مجموعہ ہے۔ بخاری کی شرحیں اب تک متعدد لکھی جا چکی ہیں، اور لکھنے والے بجائے خود اپنے فن کے امام گزرے ہیں، اس پر بھی کوئی تو ایسی بات ہے کہ سلسلہ اب تک جاری ہے، اور لکھنے والوں کو باتیں لکھنے کے قابل مل ہی جاتی ہیں۔ پھر شاہ صاحبؒ کا ایک دقیق النظر عالم کو کمنہ رسی تو انکا حصہ ہی تھا۔ یہ سب اسلیے عرض کیا جا رہا ہے، کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے، کہ ان جدید شرحوں میں محض قدیم شرحوں کا بے مزہ اعادہ ہوگا تب پس کا ذکر نہیں، منتہیوں کو بھی ان شاء اللہ فیض الباری کے مطالعہ سے نفع ہی ہوگا جلد اول کتاب التیمم کے آخر تک ہے۔ اور جلد دوم کتاب الصلوٰۃ سے کتاب الجنائز تک۔ کل شرح چار مجلدات میں ہے۔ باقی دو جلدوں میں یقیناً بقیہ ابواب ہونگے۔ اسوقت تو پیش نظر پہلی ہی دو جلدیں ہیں۔ شروع میں ایک بہت مفصل و بصیرت افروز مقدمہ مولانا محمد یوسف بنوری کے قلم سے ہے، اور ایک مختصر پر مغز و جامع تقریظ فاضل جلیل مولانا شبیر احمد عثمانی کے قلم سے۔ حاشیہ پہ ایک دوسری کتاب ان امالی کے مؤلف و مرتب مولانا بدر عالم میرٹھی کے قلم سے البدر الساری الی فیض الباری کے نام سے ہے جو گویا اس شرح کی ضروری شرح ہے۔ کاغذ نفیس، کتابت روشن، حسن ظاہری جمال معنوی کا پرتو۔ فہرست مضامین و مطالب، انگریزی کتابوں کی طرح، شروع میں بہت ہی مفصل ——— حیثیت ظاہری مجموعی طور پر ایسی دلکش کہ کم استعدادوں کا بھی حوصلہ بڑھ جائے، اور نہ پڑھنے والوں کا بھی دل پڑھنے کو خواہ مخواہ چاہنے لگے۔

مصنف علامہ مغفور کی خوش قسمتی کہیے یا انکے حسن نیت کی برکت کہ اپنے پیچھے شاگردوں رفیقوں کی جماعت ایسی مخلص و فرض شناس چھوڑ گئے۔ مجلس علمی ڈابھیل دین اور علم کی جو گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے اسکے کارناموں میں ایک روشن ترین کارنامہ کا عنوان ہی فیض الباری کی اشاعت ہے۔ کسی اسلامی کتبخانہ کی الماریاں اور کسی شایق علم خوشحال مسلمان کا کتبخانہ ایسے گوہر بے بہا سے خالی نہ رہنا چاہیے ——— دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن اگر اس قسم کی گراں بہا خدمات انجام دے رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ سرکار دکن کی امداد و سرپرستی اسکے شامل حال ہے۔ اصل کمال یا کمال یہ کہنا چاہیے کہ اعجاز مجلس علمی کے غریب و خاموش کارکنوں کا ہے، کہ وہ اتنے بڑے بڑے کارناموں کی ہمت کر جاتے ہیں۔

(۳) **جمہرۃ البلاغۃ** (عربی) از علامہ عبد الحمید الفراہی۔ ۸۰ صفحے تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت ۱۲ر پتہ:- دائرۂ حمیدیہ۔ مدرستہ الاصلاح، سرائے میر، ضلع اعظم گڈھ۔

مفسر قرآن مولانا حمید الدینؒ کی وفات کو دس گیارہ سال گزر چکے، لیکن جو جواہر ریزے وہ اپنے بعد چھوڑ گئے ہیں، انکی طبع و اشاعت کا سلسلہ انکے لائق جانشینوں کی عالی ہمتی کے ہاتھوں، بحمد اللہ برابر جاری ہے۔ ادھر سلسل انکی نادر تصانیف میں سے کبھی عربی کبھی اردو، ایک آدھ نکلتی ہی رہتی ہیں۔ اس فہرست نوادر میں تازہ ترین اضافہ جمہرۃ البلاغۃ ہے۔

مولانا کے قرآنیات کا اہم ترین جزو انکا ذوق ادب تھا۔ ادب عربی انکا ذہن رسا نئے نئے اور نادر نکتے پیدا کرتا رہتا تھا اور انکا انطباق وہ بلاغت قرآن پر کیا کرتے تھے۔ انکا خیال یہ تھا کہ ہمارے اکثر علماء ادب نے اپنے فن بلاغت کو مدون اس وقت کیا، جب عجمی علوم بکثرت اسلامی دماغ میں داخل ہو چکے تھے، اور یونانی علوم و فنون کے عربی ترجمے ہو چکے تھے، اسلیے ہمارے اکثر اصول و قواعد بلاغت بجائے خالص عربیت کے عجمی اور یونانی تخیل کے سانچے میں ڈھل گئے، اور عربیت کی اصلی اور سادہ جو ہر ادب کے خلاف بہت سے معیار رواج پا گئے۔ مولانا ایک مجتہدانہ دل و دماغ لیکر آئے تھے۔ وہ ایک بے مثل ادیب ہی نہیں، نقاد ادب بھی تھے۔ انھوں نے ارسطو اور مقلدین ارسطو کی تقلید سے آزاد ہو کر نئے اصول نقد قائم کیے، اور انھیں اصول پر بلاغت قرآنی کو جانچا اور پرکھا۔

جمہرہ میں اسکے شواہد قدم قدم پر ملتے ہیں۔ بلاغت عجم و بلاغت عرب میں فرق، شعر و خطابت میں امتیاز، تشبیہ و استعارہ، تمثیل و مجاز کی حقیقت، ایجاز و اطناب کے مباحث، اشارہ و کنایہ و تعریض کے مسائل۔ ان سب کے دقائق کا تعلق اصل کتاب کے مطالعہ ہی سے ہے۔ ارسطو کے فلسفۂ تشبیہ وغیرہ پر نقد خصوصیت کے ساتھ قابل دید ہے۔ مسودہ میں جگہ جا بجا چھوٹی ہوئی ہے، اور بعض عبارتیں ناتمام رہ گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر ثانی اور تکمیل کا موقع مصنف علامؒ کو بالکل نہ مل سکا۔ ممکن ہے کہیں کہیں نفس مفہوم بھی پوری طرح واضح نہ ہو سکا ہو۔ بایں ہمہ کتاب عربی کے ہر متعلم کے لیے اول سے آخر تک پڑھنے کے قابل ہے۔ علم معانی و بیان کے وہ وہ نکتے اس مختصر ضخامت والی کتاب کے اندر مل جائیں گے، جو محقق موصوف ہی کا حصہ تھے۔

(۴) **زبان و قلم** - از قاضی عبد الصمد صاحب صارم۔ صفحات ۱۲۶ صفحے قیمت ۱۱ر ملنے کا پتہ:- مکتبۂ "برہان" قرول باغ۔ نئی دہلی۔

اصلاً یہ کتاب اس آریہ سماجی اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے کہ قرآن عربی زبان میں کیوں ہے، جو صرف ایک مخصوص ملک کی زبان ہے؟ لیکن اس سوال کے مفصل جواب کے علاوہ کتاب میں اور بہت سی قابل قدر تحقیقات آگئی ہیں۔ کتاب کئی چار حصوں میں منقسم ہے:-

(۱) مضامین متفرق۔ اسکے تحتانی مباحث انسانی پیدایش، زبان بہت آدم کی زبان وغیرہ ہیں۔

(۲) دنیا کی زبانیں۔ اسکے ماتحت تقسیم السنہ، ام الالسنہ وغیرہ بہت سے عنوانات ہیں

(۳) فن کتابت۔ اس میں ایجاد کتابت عرب وکتابت وغیرہ پر گفتگو ہے۔

(۴) مورخین کی غلطیاں۔ اس میں بعض قدیم غیر مسلم مورخوں کے کلام پر نقد و جرح ہے۔

کتاب کچھ بہت مرتب صورت میں نہیں، تاہم متفرق معلومات کے لحاظ سے دلچسپ بھی ہے اور پُر مغز بھی۔ بعض جگہ حوالے ناکافی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۸ کے وسط میں، جہاں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا ذکر ہے وہاں اُسکے ایڈیشن کا ذکر بھی ضروری تھا۔

(۵) سائنس اور اسلام۔ از مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی۔ صفحات ۹۲۔ تقطیع ۱۸×۲۲۔ پتہ، سکرٹری "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" مسلم یونیورسٹی۔ علیگڈھ

موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس موضوع پر اُردو میں متعدد کتابیں موجود ہیں، لیکن شاید ہی کسی میں موضوع پر اس وقت نظر اور جامعیت سے سنجیدہ و مدلل بحث کی گئی ہو، جیسی اس رسالہ کے صفحات میں موجود ہے۔ فاضل مصنف اپنی ژرف نگاہی اور تحقیق پسندی کے لیے پہلے ہی سے مشہور ہیں۔ یہ "تازہ تصنیف" انکی اس شہرت میں اور چار چاند لگا رہی ہے۔ کتاب دراصل تصنیف نہیں، مولانا کا ایک مقالہ ہے، جو علیگڈھ میں ۱۳۵۹ھ میں پڑھا گیا تھا، اور وہی اب کتابی صورت میں شایع ہوگیا ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں چند سال سے ایک بڑی مفید و کارگزار انجمن مجلس "تاریخ و تمدن اسلام" کے نام سے قائم ہے۔ وہ ہر خیال مالک کے منتخب اہل علم حضرات کو فاضلانہ خطبات کے لیے دعوت دیتی رہتی ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک خطبہ یہ بھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ مقالہ نویس نے تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔

مقالہ کی ابتدا، ترمذی کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جسکا بظاہر کوئی تعلق موضوع سے نہیں معلوم ہوتا، لیکن مقالہ کے چند صفحے بھی نہیں ختم ہونے نہیں پاتے ہیں کہ بہترین ربط موضوع اور اس حدیث کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔ مقالہ کے بڑے حصے یہ چار ہیں:—

۱۔ سائنس کی حقیقت۔

۲۔ اسلام کی حقیقت۔

۳۔ دونوں میں باہمی نسبت۔

۴۔ اس تحقیق کے نتایج: احکام۔ مادیات کی پستی، روحانیات کی بلندی۔

سارے مقالہ میں بجز ص ۴۴ و ۵۰ کے جہاں بعض مثالیں نسبۃً کمزور ہیں، اور ہر ہر صفحہ متانت فکر، صحت استدلال و حسن استنباط کا ایک مرقع ہے۔ اور اس دور میں خدمت دین کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ پوری خوبیاں اصل رسالہ کے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مستحق داد ہیں فاضل مقالہ نویس، اور قابل داد ہے علیگڈھ کی وہ انجمن۔

(۶) بزم اکبر۔ از مولوی قمر الدین احمد صاحب بدایونی بی اے بی ٹی۔ صفحات ۲۲۳۔ تقطیع ۱۸×۲۲۔ قیمت درج نہیں۔ غالباً عہ ہو۔ پتہ، انجمن ترقی اُردو۔ دریا گنج۔ دہلی۔

اکبر جیسے نامور سخن گو کی کوئی قابل ذکر سوانح عمری اب تک اُردو میں موجود نہیں۔ کلام پر تبصرہ بھی اُنکے شایان شان نہیں۔ کلام کا ایک خاصہ بڑا حصہ، وفات کے ۲۰ سال گزر جانے پر آجتک غیر مطبوع اور اُنکے صاحبزادہ کے پنجۂ غضب میں محصور ہے۔ اس صورت میں انجمن ترقی اُردو کی یہ کوشش یقیناً قابل داد ہے کہ اُس نے کچھ تو اس سلسلہ میں قدم بڑھایا، اور ایک کتاب اوسط درجہ کی سہی، اکبر کی سیرت و کلام پر شائع توکرادی۔

بزم اکبر کے مصنف خود بھی شاعر ہیں، سخن فہم ہیں، اور حضرت اکبر کے آخر زمانہ کے ملنے والے۔ لیکن تصنیفی تجربہ شاید زیادہ نہیں رکھتے۔ حالات اُنھوں نے اچھے خاصے جمع کر دیے ہیں۔ کلام پر تبصرہ بھی بُرا نہیں۔ لیکن اول تو وسعت موضوع کے لحاظ سے کتاب مختصر بہت ہے، اور پھر کتاب کی ترتیب اور انتخاب مضامین میں بھی ترقی کی بہت کچھ گنجایش تھی۔ حضرت اکبر معصوم یقیناً نہ تھے، لیکن سیرت کی جن لغزشوں کو نمایاں کرنے کی کوئی شدید قومی و ملی ضرورت نہ ہو، اُنھیں غیر واضح ہی رہنا چاہیے تھا۔ اسی طرح اکبر کے کلام پر تبصرہ کے ضمن میں مصنف کا اپنے یا اپنے عزیزوں کے کلام کو پیش کرنا، یا اپنی "اصلاحوں" کا ذکر کرنا بھی مذاق سلیم کو بہت ہی گراں ہے۔ مصنف اکبر کے سامنے بالکل خورد تھے، لیکن جو لب ولہجہ اختیار کیا ہے، وہ بالکل برابر والے معاصرین کا ہے۔ کلام پر گرفتیں جو کی ہیں، اُن میں سے اکثر خود قابل گرفت ہیں۔ توجہ جتنی مناقب اکبر پر کی ہے، اُس سے کچھ کم مثالب اکبر پر بھی نہیں۔ اور ذیل کے فقرے اور الفاظ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، کس عالم میں قلم سے نکل گئے ہیں:—

"خود اس جہل مرکب سے نہ بچ سکتے تھے"۔ (ص ۲۱۳) "کوئی بات نظم میں ادا کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو، موقع کہنے کا ہو یا نہ ہو، مرحوم کو کہے چلنے کی ایک عادت ہوگئی تھی" (ص ۲۱۳) "زیادہ گوئی کو کہنے کی حد تک پہونچا دیتے تھے" (ص ۲۱۴) "یہ شاعری ہے کہ ہذیان ہے یہ وقت بخار" (ص ۲۱۵) "بے کار باش کچھ کیا کر، کپڑے ہی اُدھیڑ کر سیا کر" (ص ۲۱۵) "... کا گرنا اکبر کی بلا جانے" (ص ۲۱۶) "سفلانہ نقالی" (ص ۲۱۷) "طفلانہ کوشش" (ص ۲۱۷) "ایجاد بندہ، اگرچہ گندہ نفیس" (ص ۲۲۰) "رکیک و غلیظ اشعار" (ص ۲۲۱)

خدا نہ کرے کہ اس خوش تمیزی کی ہوا اُردو میں عام ہو جائے، اور خدا نہ کرے انجمن ترقی اُردو جیسی ثقہ وادبی مجلس آیندہ ایسے خوش سلیقہ اہل قلم کا قلم آزاد رکھے چھوڑے!

ان پہلوؤں کے، باوجود کتاب فی الجملہ دلچسپ ہے اور اکبر سے ہر دلچسپی رکھنے والے کے لیے قابل مطالعہ۔

(۷) محاسن سجاد۔ مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی۔ ضخامت ۱۴۸ صفحے۔ قیمت عہ، پتہ، الہلال بک ایجنسی۔ بانکی پور۔ پٹنہ

بہار کے نائب امیر شریعت مولانا محمد سجاد کی وفات کے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں، کتنوں کے دل میں ابھی یہ زخم ہرا ہوگا۔ محاسن سجاد اُنھیں کی یاد میں دوستوں، رفیقوں، معتقدوں کے قلم سے نکلے ہوئے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ شروع میں مدیر صدق کے قلم سے پیش لفظ، جو صدق کے ایک پچھلے نمبر میں نقل ہو چکا ہے۔

مضامین عموماً سنجیدہ ہیں اور محاسن [illegible]

امام ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے

اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقاء

(۷)

(از مولانا مسعود عالم ندوی)

شیخ عبدالحق دہلوی
۹۵۸ - ۱۰۵۲ھ

مجدد صاحب کے کارناموں کے ساتھ ساتھ انکے معاصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی خدمات کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان کی ذات سے شمالی ہند میں علم حدیث کو جگہ ملی، اور سنت نبویؐ کا خزانہ ہر خاص و عام کے لیے عام ہو گیا۔ ہمارے نزدیک حدیث کی خدمت اور کتب حدیث کی فراوانی خود بخود دین کی سچی روح سے قریب کرتی ہے۔ اگلے "علماء" اور صوفی بس متاخرین کی فقہ اور معقولیت میں الجھ کر رہ گئے اور کم از کم شمالی ہند میں حدیث کا عام چرچا نہ ہو سکا۔ بددینی اور بدعقیدگی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ شیخ عبدالحق نے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی اور اس لیے ہم آج ان کے شکرگزار ہیں اور انکی علمی خدمات کا دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ شیخ کی تصنیفات بہت ہیں۔ فقہاء اور صوفیہ دونوں انکی شان میں رطب اللسان ہیں۔ معاصرت کی وجہ سے حضرت مجدد اور شیخ کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں جو بشریت کا تقاضا ہے اور ہر زمانہ میں ہوتا آیا ہے۔ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ایک دوسرے کو اپنی تالیفات میں اس طرح یاد کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہاں تو معمولی سوء تفاہم ہوا تھا جو بعد کو رفع ہو گیا اور تعلقات استوار ہو گئے، اور دونوں خاندانوں کے اتحاد سے اصلاح و تجدید کے کاموں کو بڑی تقویت پہنچی۔

عالمگیر اورنگ زیب
۱۰۶۸ - ۱۱۱۸ھ

یوں تو جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ) ہی کے آخر دور سے حکومت مغلیہ کی پالیسی میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی اور شاہجہاں (۱۰۳۷ - ۱۰۶۸) کے زمانہ میں مسلمانوں کو اپنی مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل رہی، نیز بادشاہ کے ستھرے ذوق کے طفیل کم از کم تعمیر اور فنون لطیفہ سے ہندوانہ اثرات زائل ہونے لگے۔ شاہجہاں کے زمانہ کی عمارتیں ایرانی اور ہندی فنون (آرٹ) کے امتزاج کا اچھا نمونہ ہیں اسی طرح روزمرہ کی زندگی میں بھی اعتدال پیدا ہونے لگا ... پر ایک ایسے فرماں روا کی ضرورت باقی تھی جو اکبر کی پیدا کی ہوئی بیماریوں کا مداوا کر سکے۔ اکبر اور اسکے حواری سالہا سال تک فتنہ الحیہ کی آبیاری کرتے رہے انکی ذہنی اور قلبی بیماریوں کے جراثیم معاشرت اور سماج کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے۔ ان جراثیم کے دفعیہ اور شجرۂ خبیثہ کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے بھی ایک صاحب عزم اور صاحب نیم گلیم پوش سلطان کی ضرورت تھی، جو الحمدللہ کہ ابوالمظفر محی الدین عالمگیر (اللہ اسکی آرامگاہ پر جنت کے پھول برسائے) کی تخت نشینی سے پوری ہو گئی۔ تخت نشینی کیا تھی؟ ایک مسلسل جہاد کا عزم، ایک نہ ختم ہونے والی جد و جہد کا آغاز۔ دارا اور عالمگیر کی آویزش صرف دو بھائیوں کی آویزش نہ تھی، یہ دو مختلف اصولوں کی جنگ تھی دو فکر ( ) کی کشمکش تھی۔

ایک اپنے پردادا کے طور طریقے زندہ کرنا چاہتا تھا، دوسرا اپنے پیغمبر اور ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پہ فریفتہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اگر دارا شکوہ بادشاہ ہوتا تو آج مغلیہ حکومت زندہ رہتی۔ ہو سکتا ہے کہ زندہ رہتی اس پر ہم سردست اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے، پر اسلام کا اس دیس سے جنازہ نکل چکا ہوتا .... سچی بات یہ ہے کہ اسلامی ہند کی کوئی تاریخ اس درویش شہنشاہ کے کارناموں کے بغیر مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ یہ پہلا بادشاہ تھا --- (اگر ہم تغلق خاندان کے بعض فرماں رواؤں کو الگ کر دیں) جس نے بتوں کی اس سرزمین میں دین حنیفی کو تقویت دی بدعات اور منکرات کا قلع قمع کیا اور پہلی مرتبہ اس ملک کے مسلمانوں کو فرماں روا قوم کے ایک فرد کی حیثیت دی۔

امام ولی اللہ دہلوی
۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ

ایک طرف چھ سات سو سال کی گمراہیاں تھیں، دوسری طرف ایک فقیر اور ایک شہنشاہ کی مجاہدانہ کوششیں، یہ کوششیں اپنی جگہ پر آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور صاحب عزیمت ہوتے تو یقینی یہ کوششیں بار آور ہوتیں اور انکے اچھے ثمرات ظاہر ہوتے۔ لیکن وہ جو کہ ہندی ملت کے ناموس کا آخری نگہبان تھا اسکے جانشیں ایسے کمزور اور بودے ثابت ہوئے کہ آن کی آن میں حکومت ڈانواڈول ہونے لگی اور فتنوں نے پھر از سر نو سر اٹھایا۔ سب دستور بدعات کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔ ہندوانہ چلن جو حضرت مجدد اور سلطان عالمگیر کی جد و جہد سے مٹنے لگے تھے پھر رواج پانے لگے۔ شیعیت آخری کمزور بادشاہوں کی گود میں پھر سر چڑھنے لگی۔ یہ تو عام فضا تھی، "خواص" یعنی اہل درس اور اصحاب مسند کا حال اور برا تھا۔ صاف صاف کہتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے، پر موقع ایسا آ پڑا ہے کہ بے کہے ہوئے بھی رہا نہیں جاتا... نام نہاد فقرا اور صوفیہ فقر کی بساط بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کے مال اور اسباب پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ مدرسوں میں ابھی تک ارسطو کی سڑی ہوئی لاش پر عمل جراحی جاری ہے۔ شمس بازغہ اور قاضی مبارک کی دھوم ہے۔ قرآن کریم اور حدیث رسولؐ کی کانوں میں بھنک پڑ جائے تو خیر ہرج نہیں، لیکن انکی تحصیل میں عمر عزیز کے کچھ حصے نذر کیے جائیں، یہ ناممکن۔ بڑے بڑے علماء کے خانوادے مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھانا کافی خیال کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق کی ترغیب و تحریص کے فیض سے کوئی جماعت اگر یکسر محروم رہی تو انھیں اہل مدرسہ کی۔ اہل فتویٰ کا حال نہ پوچھو انکے ہاں بس متاخرین کی تدوین کردہ فقہ اور فتاویٰ کی گویا پرستش ہونے لگی۔ کیا مجال کہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے کسی فتوے یا قول سے آپ اختلاف رائے کا اظہار کر سکیں۔ اور اگر کسی سرپھرے نے کبھی ایسی جرأت کی تو وہ وہابی، مبتدع، غیر مقلد .... اور دوسری شرعی گالیوں کا مستحق ٹھہرا۔

آپ پوچھیں گے کہ اس بزم میں کتاب ربانی کا کیا حال تھا؟ تو سچی بات یہ ہے کہ آج تک سننے میں نہیں آیا کہ یہ ان اہل درس کے ہاں کتاب عزیز کبھی پڑھائی جاتی تھی۔ اور نہ فی الحقیقت ان بیچاروں کو "علوم العیشہ" سے فرصت کہاں ملتی تھی کہ وہ کتاب الٰہی کی طرف توجہ کرتے۔ پورے "درس نظامی" میں اگر واقعی کوئی کتاب درس سے خارج تھی، تو یہی کتاب ربانی جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے، جس پر ہم آپ ایمان رکھنے کا دعوے کرتے ہیں —— یہ تو علماء اور اصحاب درس کی حالت تھی۔ عوام اور متوسط طبقہ کی حالت اور دردناک تھی۔ ایک غیر مسلم مبصر کے الفاظ میں فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے روح رسمیات اور مبتذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد و بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے[1] (جدید دنیائے اسلام مصنفہ Stoddard مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی)

یہ پرآشوب زمانہ تھا اور یہ دردناک حالات تھے کہ غیرت حق کو حرکت ہوئی۔ وقت آیا کہ ازسرنو پیام محمدی کی تجدید ہو۔ مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کے دو طالب علم خاص طور پر اسی منصب سے نوازے گئے۔ ایک ہندی نژاد تھا، دوسرا نجد کا بادیہ نشین۔ آپ سمجھے۔ یہ طالب علم کون تھے۔ نجد کا بادیہ نشین محمد بن عبدالوہاب (ولادت ۱۱۱۵ھ ۔ م ۱۲۰۶ھ) اور ہندی نژاد ولی اللہ ابن عبدالرحیم دہلوی (ولادت ۱۱۱۴ھ ۔ م ۱۱۷۶ھ) یہ دونوں کیا تھے، انھوں نے کیا کیا، اس کی تفصیل ضخیم جلدوں کی محتاج ہے، ہم اتنا جانتے ہیں کہ آج ہندوستان میں ایمان اور علم دین کی جو کچھ بچی کھچی متاع ہمارے پاس موجود ہے وہ امام ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کا صدقہ ہے، اور اس دیس میں جہاں کہیں بھی علم اور سبیل کی معرفت جاری ہے اس کا منبع وہی ذات گرامی ہے جس کی یاد تازہ کرنے کے لیے آج کی صحبت مرتب کی گئی ہے اور جس کی خدمت میں ہم آپ اپنے علم اور حوصلوں کے مطابق اپنی عقیدت اور محبت کی نذر پیش کر رہے ہیں۔

راقم کے ذمہ امام ولی اللہ سے پہلے اسلامی ہند کی دینی تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کرنا تھا، معذور پھر اس نے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اگر خامی رہ گئی ہو تو یہ اسکے علم کا قصور رہے اور اگر لہجہ میں کہیں تلخی ہو تو یہ شدت احساس کا نتیجہ ہے، جسکے لیے معذرت کی ضرورت نہیں۔

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی
(الفرقان۔ ولی اللہ نمبر)

[1] اسٹاڈرڈ نے اپنی کتاب میں اٹھارویں صدی کی اسلامی دنیا کا جامع اور پر درد نقشہ کھینچا ہے۔ امیر شکیب ارسلان کی رائے میں کوئی حاذق مسلمان بھی اس سے زیادہ صحیح تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ سیرت سید احمد شہید (ص ۵۰-۵۱) میں اسٹاڈرڈ کا پورا اقتباس درج ہے۔ طوالت یہاں درج کرنے سے مانع ہے۔

[2] اسی طرح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے مجاہدانہ اور مجددانہ کارنامے بھی کچھ کم اہم نہیں۔ راقم شیخ الاسلام کی مفصل سیرت لکھ رہا ہے جو انشاء اللہ اپنے موضوع پر جامع چیز ہوگی۔

دس بنیادی اصول

(از مرزا عبدالحمید صاحب ایم اے، ناظم دینیات اسلامیہ کالج لاہور)

۱۔ تمام اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں میں (جنکا قیام بالعموم قوم کے سرمایہ سے ہوتا ہے، جو اسلام اور قرآن عزیز کا واسطہ دے کر بالخصوص اسلامیہ سے اکٹھا کیا جاتا ہے) تعلیم قرآن عزیز کو لازمی قرار دیا جائے۔ اور کسی طالب علم کو ایسے اسکولوں میں ترقی نہ دی جائے جو مجوزہ نصاب دینیات میں کامیاب نہ ہو۔ خواہ انگریزی اور حساب میں اسکے نمبر سب سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں

۲۔ اگر نمبر ۱ پر فوری عمل نہ ہو سکے، تو کم سے کم یہ پابندی ضرور لگا دی جائے کہ کسی طالب علم کو ترقی نہ دی جائے جب تک وہ مذہبی استاد سے یہ سند نہ حاصل کرلے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے یہ طالب اس قابل ہے کہ اسے اعلیٰ درجہ میں ترقی دی جائے

۳۔ قرآن عزیز کی تعلیم کے لیے وقت کم از کم اتنا ضرور ہو جتنا دوسرے لازمی مضامین کے لیے ہوتا ہے

۴۔ ہر اسلامیہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر اور اسلامیہ کالج کا پرنسپل پابند ہو کہ وہ ہر صبح کم از کم قرآن عزیز کی ایک آیت کا ترجمہ خود تمام طلبہ کو پڑھائے۔ (جس طرح شیرانوالہ ہائی اسکول میں مرحوم مولوی محمد الدین صاحب کا دستور تھا) اگر ابتدا میں ایسا ممکن نہ ہو تو ہال میں تمام طلبا اکٹھے ہوں اور مذہبی رسم اور فرض کو سرانجام دیں۔ لیکن افسر اعلیٰ کا حاضر ہونا ہر دن میں لازمی ہو

۵۔ قرآن عزیز کی تعلیم کے لیے مستند اور اعلیٰ قابلیت کے اساتذہ مقرر کیے جائیں جو ڈسپلن (ضبط) اور تعلیم کے لحاظ سے کسی "ایس اے وی" یا "بی ٹی" سے کم نہ ہوں۔ انکی تنخواہ اور انکی عزت دنیاوی تمام علوم پڑھانے والے اساتذہ سے کسی حیثیت میں کم نہ ہو۔

۶۔ مذہبی استاد ہونے کی حیثیت میں افسران بالا انکے خاص احترام کے لیے اپنے ماتحتوں کے سامنے وقتاً فوقتاً مثال نہ پیش کرتے رہیں جس طرح عیسائی دنیا میں بشپ وغیرہ بلحاظ عہدہ ایک خاص احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مجلسی اجتماعات میں انکے لیے کرسی کی خاص جگہ مقرر ہوتی ہے، اسی طرح مذہبی استاد کے لیے امتیازی حیثیت تسلیم کی جائے۔ یہ مثال صرف مغرب زدہ احباب کے لیے ہے ورنہ اس احترام کے لیے اسلامی [illegible] میں ہارون الرشید اور امام مالک کے نام زندہ ضمانت ہیں۔

۷۔ اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں میں سب سے زیادہ وظائف، فیس کی رعایتیں اور عام رعایتیں ان طلبہ کے لیے ہوں جو مذہبی حیثیت میں عملی طور پر بہتر ہوں۔

۸۔ اسلامی درسگاہوں میں مذہبی اساتذہ کے اختیارات عام اساتذہ سے زیادہ ہوں جس طرح اس وقت تک دوسرے مضامین کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ مثلاً اگر عام غیر حاضری کا جرمانہ ۱؍ ہو تو مذہبی پیریڈ کی غیر حاضری کا جرمانہ کم از کم ۸؍ ہو۔

۹۔ ہر اسلامیہ اسکول اور کالج میں ایک مشنری گروپ (جماعت مبلغین)

کا قیام عمل میں لایا جائیگا۔ یہ جماعت ان پاکباز طلبہ پر مشتمل ہو جو اپنی زندگی قرآن عزیز کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ اساتذہ بھی اس میں شامل ہو سکیں۔ ان کو نماز پڑھانا، خطبہ دینا اور تمام ضروری مذہبی معلومات سے آگاہ کیا جائے۔ تاکہ عام مولویوں سے بہتر تبلیغ کر سکیں۔ اس نظام نے بے خاص رقم کی منظوری دی جانے جو اسکولوں اور کالجوں کی عام معیاری ضروریات سے کم از کم دوگنا ہو۔ سال میں مختلف مواقع پر یہ طلبہ "تبلیغی ٹرپ" پر جائیں۔ مذہبی اساتذہ خود عملاً انکی رہنمائی کریں۔ اسکے خرچ کا ایک حصہ درسگاہ برداشت کرے

۱۰۔ مذہبی اساتذہ کے گریڈ اور حقوق عام ملازمین سے زیادہ بہتر تجویز کیے جائیں تاکہ قابل طلبہ راغب ہو کر وہ اپنے پیشے لے سکیں دنیوی نظام سے مقابلہ میں اسلامی خدمت کرتے رہے بھی زندگی بسر کرتے ہیں اس طرح جذبہ احساس کا تریاق بانا تمہ ہو۔ جس نے مذہبی خدمت کے لیے دوسروں کے حق پر زندہ رہنے والوں کی ایک جماعت پیدا کر دی ہے

صدق ۔ اصول بالا سب کے سب خود درست ضروری اور مناسب ہیں۔ بشرطیکہ (اور یہ شرط کچھ کم ضروری نہیں) ان پر عمل اعتقاد صحیح کے ساتھ اور خالص جذبۂ ایمانی کے ماتحت ہو۔

(بقیہ صفحہ ۳)

اسکی کارکن جماعت اور اس کے ارکان میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی بھی ایک تعداد شامل ہے۔

۔ کے صدر سر تیج بہادر سپرو اور ان تھک جوان ہمت سکریٹری مولوی عبدالحق بی اے اعزازی ہیں۔ سارے کی زندگی کا لمحہ لمحہ خدمت اردو کے لیے وقف ہے۔ سالانہ رپورٹ ۱۹۳۵ء کی بابت ابھی شایع ہوئی ہے۔ بیشتر معلومات اسی سے ماخوذ ہیں۔ مزید معلومات دفتر انجمن، دریا گنج، دہلی سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

نعمانی مدیر الفرقان کے "داغ آنسو" مولانا سلیمان ندوی کے "محاسن ابوالمحاسن" اور خود مرتب کی "مولانا کی یاد" بہترین ہیں۔ ۱۳۱ پر ایک طویل مقالہ درج کتاب کے منافی مسلم لیگ کے ایک "داد" وان دوست کے قلم سے ہے اور ۱۳۱ پر اس کا جواب اسی اشتعال انگیز پیرایہ میں امارت شرعیہ کے ایک دوست کی طرف سے۔ اس باہمی سب وشتم اور دلآزار طرز تعریض کو چھوڑ کر کتاب اور ہر حیثیت سے اچھی ہے۔ اور فاضل مرتب اپنی کوششوں کی تکمیل پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(۸) **مرکالمات سائنس** ۔ مترجمہ پروفیسر نصیر احمد صاحب عثمانی (ارشاد طبیعیات، جامعہ عثمانیہ) ضخامت ۲۸۴ × ۶ × ۹ تقطیع ۱۸ + ۲۲ قیمت درج نہیں، غالباً پتہ ہو گا انجمن ترقی اردو۔ دریا گنج۔ دہلی۔

سائنس کے مختلف موضوعوں پر یہ ۱۲ مکالمے امریکہ کے مختلف مستند اہل سائنس کے خیالات ہیں۔ پہلا مکالمہ زمین اور اس میں

آثار زندگی کی تخلیق پر ہے۔ اسکے بعد کے چار مکالمے ارتقائے حیوانی کے مختلف مسائل پر ہیں۔ چھٹا مکالمہ نر و مادہ (جنس) کے اسرار پر ہے۔ ساتواں، جسم کے بعض غدودوں کی فعلیت پر۔ آٹھویں اور نویں مکالمے نفسیاتی اجتماعی دلچسپی کے ہیں۔ ان میں جذبات انسانی اور ان کے تمدنی موثرات پر بحث ہے۔ آخر کے تین مکالموں سے قبل تاریخ کی معلومات کی مدد سے دریافت شدہ تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آگ اور مادوں کے استعمال سے انسانی ارتقاء پر کیا اثر پڑا۔ چٹانوں پر جو تصویریں اور نقش بنا رہے ہیں، انسے انسان نے کیونکر ابجد اور کتابت کا سبق لیا، وقس علی ہذا۔

ترجمہ سلجھا ہوا ہے، اور شستہ زبان میں کیا گیا ہے۔ البتہ کتاب ظاہر ہے کہ فنی ہے، تفریحی نہیں۔ آخر میں انگریزی اصطلاحات اور انکے مرادفات کی مفصل فہرست درج ہے۔ انجمن ترقی اردو جو مغربی علوم کو اپنی زبان میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہے اس میں یہ قابل قدر اضافہ ہے۔

رسید کتب

(۱) **پیام حریت** ۔ (نظم) از ظفر احمد صاحب انصاری ایم اے ایل ایل بی۔ ۲۰ صفحے۔ قیمت ۲ر مصنف کے پاس سے ۳۹ مہاجر پور۔ الہ آباد کے پتہ سے ملیگی۔
اقبال کے رنگ میں ایک پرجوش تبلیغی اسلامی نظم۔

(۲) **ہمارے مزدور** ۔ از عبد القادر صاحب لکچرر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ۔ ۵، صفحے تقطیع ۲۲ × ۱۸
(۳) **معدنی دباغت** ۔ از سید امداد علی صاحب ماہر دباغت

پتہ: انجمن ترقی اردو دریا گنج۔ دہلی

نمبر ۲ ہندوستانی کارخانوں کے مزدوروں کے معاشی مسائل پر ہے اور نمبر ۳ کرومی دباغت کی صنعت کی تفصیلات ایک مجرب ماہر فن کے قلم سے۔ کثرت نقشے اور نقشہ دیے

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- (حکیم) عبد القوی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر ہو :-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم انجمن "صدق"
خدا آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ: للعہ
ششماہی: ۔/۲
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ر

ہفتہ وار
صدق
لکھنؤ

نمبر ۱۱ دوشنبہ - جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۴۱ء جلد ۷

سچی باتیں

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل بدر فلما کان بحرۃ الوبرۃ ادرکہ رجل قد کان یذکر منہ جرأۃ ونجدۃ ففرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین رأوہ۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم کوچ کر رہے تھے بدر کی جانب کہ راستے میں ایک مقام پر پہنچے کوئی ایک شخص آ گیا (قال النووی، وہو موضع علیٰ نحو من اربعۃ امیال من المدینۃ)، یہ شخص وہ جس کی بہادری کی دھوم تھی، مسلمان اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔

اور کیسے نہ ہوتے، جنگ کے موقع پر زبردست حلیف کے میسر آ جانے سے کون خوش نہیں ہوتا؟ اور مسلمان تو قریش کے قافلہ رسد رسانی کے قطع کرنے کے ارادہ سے نکلے ہی تھے۔ جانتے تھے کہ قافلہ قریش کی شہرگ ہے، اور قریش اس کی حفاظت میں جان لڑا دینگے۔

فلما ادرکہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جئت لاتبعک واصیب معک قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤمن باللہ ورسولہ قال لا قال فارجع فلن استعین بمشرک قالت ثم مضی حتی اذا کنا بالشجرۃ ادرکہ الرجل فقال لہ کما قال اول مرۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال اول مرۃ قال فارجع فلن استعین بمشرک

وہ شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں بھی تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں، میرے حصہ میں بھی کچھ مال غنیمت آ جائیگا۔ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو بتاؤ، ایمان رکھتے ہو توحید و رسالت پر؟ جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوا کہ بس تو پھر واپس جاؤ، مشرک سے میں مدد نہیں لیا کرتا۔ اور یہ وہ شخص چلا گیا۔ لیکن جب مسلمین فلاں مقام پر پہونچا، تو پھر وہ شخص آیا، اور پھر اس نے رسول اللہ صلعم سے وہی عرض کیا، اور ابکی پھر اسے وہی جواب ملا۔

امداد کی احتیاج ظاہر ہے کہ تھی اور شدید تھی۔ اس پر بھی یہ عالم کہ ملتی ہوئی امداد ٹھکرائی جا رہی ہے، واپس کی جا رہی ہے، اور شمول اتحادیوں اور حلیفوں کی نہیں، ایمان و اسلام کی ہے! — جنگ میں فتح یقیناً مطلوب تھی، اور دل سے لگی ہوئی تھی، لیکن مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات تو وہی ایمان تھا، اسلام تھا۔

قالت ثم رجع فادرکہ بالبیداء فقال لہ کما قال اول مرۃ تؤمن باللہ ورسولہ قال نعم فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب ... ص ۲۵)

وہ شخص پھر چلا گیا۔ اسکے بعد ایک اور مقام پر ملا۔ ابکی پھر وہی سوال و جواب ہوا۔ اور ابکی جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ توحید و رسالت پر، تو ابکی اس نے جواب میں "ہاں" کہا۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا، اچھا تو ساتھ چل سکتے ہو۔

رسول کا یہ اسوہ امت نے دیکھ لیا؟ نہ ہوئے آج کے قوم پرست اور روشن خیال "تجدد نواز"، نہیں تو جرح کر ڈالتے کہ قومی فتح و ظفر کو اعتقادی ہذیان بینی کی خاطر پس پشت ڈال دینے کے معنی کیا؟ ضرورت ہتھیاروں کی تھی، ملک کی تھی، اپنی آزاد حکومت کی تھی، غیروں کی غلامی سے خلاصی کی تھی۔ یہ عقائد و ایمانیات کی بحث چھیڑ دینا (نعوذ باللہ) نری ملائیت ہے! — "اتاترک" کے مریدوں اور "لازول سردار" کے نقیبوں کی ذہنیت کیا اس سے کچھ بہت مختلف ہے؟ — خود اپنے اندر اسلامی عقائد میں ضعف و تزلزل آ جانے کا سوال نہیں، محض دوسروں کی شرکت کے موقع پر یہ جانچ پڑتال ہو رہی ہے؟

ایک آیت پر مزید روشنی

بعض استفسارات کے جواب میں پچھلے سال صدق سنہ ۴۱ء کے ... میں آیت ذیل پر گفتگو آچکی ہے۔ قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رأی العین (آل عمران، آیت ۱۳) اس میں اشکال جو کچھ آپڑا ہے وہ یرونہم مثلیہم کی ضمیروں سے پڑا ہے۔ ائمہ تفسیر خود اس باب میں بہت مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ اقوال ذیل زیادہ مشہور ہیں:—

(۱) کافر دیکھ رہے تھے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا۔
(۲) مسلمان دیکھ رہے تھے کافروں کو اپنے سے دوگنا۔
(۳) مسلمان دیکھ رہے تھے اپنے کو کافروں سے دوگنا۔

صدق میں ان سب سے ہٹ کر مفسر تھانوی مدظلہ کی موافقت میں یہ پہلو اختیار کیا گیا تھا

(۴) مسلمان دیکھ رہے تھے اپنے کو کافروں سے کئی گنا۔

یعنی یرونہم میں فاعل و مفعول دونوں کی ضمیر کافروں کی طرف اور مثلیہم میں ضمیر مؤنث کی جانب ہے۔ ایک شبہہ اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ کلمہ والوں کا لشکر تو تعداد میں مسلمانوں سے تگنا تھا، مگر لفظ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے صرف دوگنا دیکھ رہے تھے۔ مثلین کا لفظی ترجمہ بیشک یہی ہے۔ لیکن صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ یہ مطلق کثرت مقصود ہے نہ کہ تعداد کا ٹھیک دوگنا ہونا۔ مثلیہم ای المسلمین ای اکثر منہم اور جمل حاشیہ جلالین میں ہے المراد بالمثلین مطلق الکثرۃ لا خصوص الثنتین۔ اور ایک مشہور نحوی و لغوی فراء کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ مثلین یہاں دوگنے کے نہیں بلکہ تگنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ وزعم الفراء ان معنی یرونہم مثلیہم ثلاثۃ امثالہم کقول القائل عندی الف وانا محتاج الی مثلیہا (بحر المحیط) اور امام ابن جریر نے بھی محاورۂ عرب سے اسی معنی میں استشہاد کیا ہے: ان لم مثلیکم یعنی ان لم تضعیفکم قالوا فہذا علی معنی ثلاثۃ امثالہم۔ اور معالم اور ابن کثیر میں بھی مثلیہم کی یہی تاویل نقل ہوئی ہے۔

اُردو کی جہانگیری

روزنامہ اسٹیٹسمین کا مشہور و مقبول انگریزی نامہ نگار Kim لکھتا ہے:—

"میں اعتراض نہیں کر رہا ہوں، بطور امر واقعہ بیان کر رہا ہوں کہ جن قوموں نے اسلام قبول کر لیا ہے، انھوں نے عربی کو اپنی زبان تو نہیں بنا لیا ہے۔ البتہ ایک اور مشرقی زبان ایسی ہے، جسے افریقہ جنوبی، وسطی و شمالی کی ساری قومیں بہت آسانی کے ساتھ اور بہت تیزی کے ساتھ سیکھتی جا رہی ہیں۔ میری مراد ہندوستانی زبان سے ہے۔ اندرون افریقہ کے سیاح حیرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے قدیم ترین اقوام کی زبان سے فقرے اور الفاظ ہندوستانی زبان کے سنے ہیں! انھوں نے کہیں یہ فقرے سنے ہیں اور رٹ کر یاد کر لیے ہیں۔ ہندوستانی زبان میں ایک عظیم الشان خوبی ہے۔ وہ یہ کہ اس کی صرف و نحو اس قدر باقاعدہ کہ بالکل سادہ ہے۔ افعال بے قاعدہ سماعی کی تعداد اتنی کم ہے، کہ نہیں، کو کر پڑھنے کے لیے دماغ پر زور نہیں دینا پڑتا۔ جب سے جنگ شروع ہوئی ہے، ہزارہا ہندوستانی سپاہیوں کا سابقہ ہر قسم کے افریقیوں سے پڑنے لگا ہے۔" (مورخہ ۲۹ جون ۱۹۴۲ء صفحہ ک ...)

"صاحب" کی اصطلاح میں ہندوستانی یہی ہے، جسے ہم آپ اردو کہتے ہیں۔ اب تک تو ہندوستان ہی کے طول و عرض میں اسکی اشاعت پر پیچ و تاب کھایا جا رہا تھا۔ اب ہندوستان سے باہر ہزاروں میل دور، افریقہ میں اسکی اس اشاعت و مقبولیت بعض دلوں پر خدا جانے کیا قیامت ڈھا کر رہے! — لیکن عصبیت بیجا کو چھوڑ کر اور محض ٹھنڈے دل سے سوچا جائے، تو آخر اس میں حیرت کی بات ہی کون سی رہتی ہے۔ جو زبان اتنے مختلف و متعدد عنصروں سے مل کر بنیگی، اُس میں قدرۃً لوچ بھی زائد ہوگا، اور دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں زبان ثانوی بنجانے کی صلاحیت قدرۃً اُس میں بہت زائد ہوگی۔ "ہندی" کو آپ مختص المقام بھی کرتے جاتے ہیں، چاہتے ہیں کہ دیسی زبان (ــــ) اُس میں زیادہ سے زیادہ رہے، اور سراپا ہندیت کے رنگ میں ڈوبی رہے، اور پھر اسکے ساتھ یہ بھی چاہیں کہ عربی بولنے والے، ترکی بولنے والے، فارسی بولنے والے اسے آسانی سے اختیار کر لیں، تو اس ناممکن کوشش میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ یا اگر اسے بین الاقوامی بین الملکی بنانا ہے، تو لامحالہ اس میں بدیسی اور غیر ملکی عناصر کو داخل کرنا پڑیگا، ورنہ پھر محض اُسکے ملکی و قومی ہونے کو کافی سمجھیے۔

ہندو دھرم اور عورت

منوسمرتی کا اقتباس ذیل حال میں (روزنامہ ہندو، مدراس، ۱۹ جون ۱۹۴۲ء میں) ایک ہندو بیرسٹر خاتون کے قلم سے نقل ہوا ہے:—

"بچپن میں عورت کو اپنے باپ کی نگرانی میں رہنا چاہیے، جوان ہو کر اپنے شوہر کی۔ اور خاوند کی وفات کے بعد اپنے لڑکوں کی۔ اور اگر کوئی بیٹا نہ ہو تو قریب کے سسرالی عزیزوں کی۔ اور اگر وہ بھی نہ موجود ہوں تو اپنے میکے کے عزیزوں کی۔ اور اگر ان میں سے بھی کوئی باقی نہ رہا ہو تو پھر حکومت وقت کی۔ آزاد ہو کر کبھی بھی عورت کو نہ رہنا چاہیے"۔

اُس مذہب کے مقنن اعظم نے کہا جس میں ایک طرف عورت جائداد سے بالکل محروم ہے، تو دوسری طرف اسکا مرتبہ "دیوی" کے برابر بھی رکھا گیا ہے! — افراط و تفریط کی انھیں بیماریوں کو دور کرنے کے لیے دنیا میں اسلام آیا۔

ہندو دھرم میں عورت کا کوئی حصہ جائداد میں نہیں۔ باپ کے یا شوہر کے دور دور کے عزیز کو حصہ مل جاتا ہے، لیکن بیٹی اور بیوی کو کسی حال میں نہیں۔ اور اسکا فلسفہ یہ ہے کہ عورت کو جائداد کی ضرورت کیا؟ وہ تو اپنی زندگی کے ہر دور میں کسی نہ کسی کے قبضہ میں رہیگی، بس وہی اسکا خرچ اٹھائیگا۔ اور پھر جائداد پر حق تو ان وارثوں کا ہوتا ہے جو مورث کو کسی طرح کا نفع پہنچا سکیں۔ اور عورت اپنے مردہ باپ یا شوہر کو کوئی نفع پہنچا سکتی نہیں، اس لیے کہ عورت شرادھ نہیں کر سکتی ہے،

سرقہ و سزائے سرقہ

(از عبد الماجد)

(۲)

چوری یا سرقہ بولنے میں ایک لفظ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ لفظ کے ساتھ اسکی حقیقت و ماہیت کی گنجایش بھی دل میں نکل آئے۔ لفظ سرقہ کے لغوی معنی ہیں السرقۃ فی اللغۃ اخذ الشئ من الغیر کسی دوسرے کی چیز چھپا کر لے لینا، آگے علی سبیل الخفیۃ والاستسرار چھپا کر اڑا لینا۔

شرعی اصطلاح میں اس پر چند قیدوں کا اضافہ کر دیا گیا، مثلاً

(۱) مال کی مالیت ایک معین مقدار کی گئی کہ کم از کم آنا ہونا چاہیے، جب اسکی چوری پر جرم کا تحقق ہو سکیگا۔ ایک دو گھونٹ کی چوری، چوری نہیں کہلائیگی۔

(۲) چور کے لیے ایسا عاقل کا { معذور کر دیا گیا، چنانچہ مجنون چور نہیں سمجھا جائیگا
(۳) ... بالغ کا { علی ہذا بچہ چور نہیں سمجھا جائیگا۔

(۴) مال کیلیے یہ بھی لازم قرار پایا کہ کسی مقام محفوظ میں رکھا ہو۔ راست میں پڑی ہوئی بے حفاظت چیز کے اٹھا لینے پر حد سرقہ کی نہیں لگیگی۔

(۵) متعدد اشخاص حد سرقہ سے مستثنیٰ قرار پائے۔ مثلاً شوہر پر بیوی کے مال میں اور بیوی پر شوہر کے مال میں حد نہیں جاری ہوگی۔ وقس علیٰ ہذا

(۶) بعض چیزوں (مثلاً جنگل کی گھاس، مچھلی، پرند وغیرہ) سے حد سرقہ ساقط کر دی گئی۔

اب چور کی نفسیت پر غور کیجیے۔ سب سے پہلے تو اسکے دل میں یہ چور پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع نہیں ہوتا، اور بجائے محنت اور جائز کسب معاش کے، ناجائز و حرام طریقوں سے اپنی موجودہ حالت بدلنا چاہتا ہے۔ یہ پہلی منزل ہوئی خبث نفس کی۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ دوسروں کے اموال کا جائزہ اُن سے عیب کر اور بدنیتی سے لے۔ یہ بجائے خود ایک مرض ہے۔ چور اس سے آگے بڑھ کر، اُنکے گھروں میں انکی بلا اجازت و بلا اطلاع چھپ کر اور مالکوں اور پاسبانوں کی نظر بچا کر گھس جاتا ہے ــــــ سلسلۂ جرم کی ساری کڑیوں کو گنتے رہیے ــــــ اور انھیں انکی دولت اور اندوختہ سے اچانک اور بےخبری میں محروم کر کے گھر والوں کو شدید تکلیف قلب اور روحانی درد میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور جو گھر ابتک عشرتکدہ تھا، اُسے ماتم سرا بنا دیتا ہے۔

اب اگر آپ چور پر ترس کھاتے ہیں کہ وہ بیچارہ قید ہو جائیگا، یا ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جائیگا، تو کمائیگا کہاں سے، تو یہ غلطی تمامتر آپ کے خیال کی ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ خود ہی تو، بلا وجہ ابتداء کر کے اپنے ایک بھائی اور اُسکے کنبے کو اسی طرح رزق سے محروم کر چکا ہے، اور آسایش قلب کے بجائے درد والم میں مبتلا کر چکا ہے۔ اب اگر سوسائٹی انتقام نہیں لیتی، تو گویا وہ چاہتی ہے کہ اسکی مثال اور پھیلے، اور دوسرے لوگ اسکی ریس کر کر کے اسی طرح دوسروں کو تباہ و برباد کرتے رہیں۔

غرض یہ کہ چور اپنے خبث نفس کی بنا پر اللہ کا مجرم تو ہوتا ہی ہے۔ اسکے علاوہ جسکے گھر میں چوری کرتا ہے، اُسکا بھی۔ اور پھر سوسائٹی یا معاشرہ کا مجموعاً بھی۔ وہ سوسائٹی کے سب سے بڑے رکن، یعنی حفظ و امن کے ہدم

سکے ... ہے اور ترس آس پر کھاتا رہے سے بے کل اور ہمدردی اسکے ساتھ رہتا تو اسکی سلطنت پر مبنی ہے وہ خدا اور بندوں دونوں کا مجرم ہے۔ خدا کا ایک تو بندوں کا ... بار۔

قانون اسلام کی کسی ایک دفعہ پر بحث کرتے لوگ بھول جاتے ہیں کہ نظام دفعہ، دوسری دفعات سے الگ اور بے تعلق ہو کر ایک مستقل و ذاتی وجود کبھی ہی کب ہے؟ شریعت تمام زندگی و دنیا و سیاست کا جو کممل ترین ہی نہیں، منظم ترین بھی ہے۔ ہر شاخ دوسری شاخ سے پیوستہ ہوئی، ہر جزو دوسرے اجزاء سے پیوستہ، ہر ریشہ دوسرے ریشوں سے بندھا ہوا۔ مشین کا ہر پرزہ اپنی جگہ پر ایسا جما ہوا کہ ذرا جنبش کا امکان نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے جسم انسانی کے کسی حصہ، کسی خاص حصہ کی حرکت پر غور کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک جسم بہ حیثیت مجموعی پیش نظر نہ ہو ــــــ جسم انسانی بہترین نمونہ حکمت تکوینی کا، قانون اسلام بہترین نمونہ حکمت تشریعی کا۔ دونوں میں باہمی نسبت و تعلق ہونا بالکل ظاہر۔

سارق کی اسلامی سزا پر بھی غور، اسلامی نظام سلطنت و معاشرت کے اندر رہ کر ہو سکتا ہے، اس سے الگ اور بے تعلق کر کے نہیں۔ اب حکومت اسلامی جہاں کہیں بھی قائم ہے، وہاں کی صورت حال کا نقشہ ذہن کے سامنے جما کر خود سارق کی حرکت پر غور کیجیے۔ یہاں وجود نہ مہاجنوں کا نہ سود خوار ساہوکاروں کا، جو مال حرام کی کمائی سے بڑی بڑی کوٹھیاں بنوائے ہوئے ہیں۔ اور انکی دیواروں کے نیچے انھیں کے بھائی بند پیٹ بھرنے کے لیے سوکھی روٹیوں کو ترس رہے ہیں۔ یہاں آبادی نہ قمار بازوں کی نہ لاٹری بیچنے والوں کی، نہ گھوڑدوڑ میں بازی لگانے والوں کی، نہ شراب کی تجارت کرنے والوں کی، نہ سنیما اور تھیٹر کے مالکوں کی، نہ ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی، نہ عیش پرست امراء کی، اور نہ رشوت خوار حکام کی۔ یہاں تو خود ہی عدل و عدالت کی حکمرانی ہے، تقوے و شرافت کا دور دورہ ہے۔ ہر قابل زکوٰۃ مال پر زکوٰۃ نکل رہی ہے۔ ہر متوفی کا ورثہ تقسیم عادلانہ کے ساتھ سارے وارثوں کے درمیان تقسیم ہو رہا ہے۔ صدقات و خیرات کی مدیں کھلی ہوئی ہیں اور ان سے کوئی کسی پر احسان نہیں رکھتا، بلکہ خود اپنے لیے سرمایہ سعادت و باعث نجات سمجھتے ہیں۔ بیت المال سے ہر مقدار، ہر مستحق کے لیے وظیفہ مقرر ہے۔ اپاہجوں، کمزوروں، بیماروں، سب کی امداد و خبرگیری حکومت خود کر رہی ہے۔ کوئی کسی کو بیگار نہیں پکڑ سکتا، کوئی کسی کی مزدوری نہیں مار سکتا۔

امن و سکون، اطمینان و عافیت کی اس جنت ارضی میں جو شخص رخنہ ڈالنا چاہتا ہے، اب اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟ چوری ایک گندی اور کمینہ حرکت تو یوں ہی ہے، لیکن اس ماحول میں تو اسکی گندگی اور کمینگی کی کوئی حد ہی نہیں رہ جاتی۔ اس فضا میں تو شریعت اسلامی ایسے مجرم کی جتنی بھی سخت سزا رکھ دیتی، سب بجا تھی۔ اُسکا یہی انتہائی کرم ہے کہ اس نے مجرم کا سر نہیں کٹایا، صرف ہاتھ کاٹنے پر اکتفا کی!

آگے بڑھنے سے قبل ایک لمحہ سزا کے مقصد و غایت پر غور کرنے کے لیے بھی نکال لیجیے۔ یہ فطرت بشری ہے کہ انسان کو اذا جب کبھی کسی قسم کا بھی دکھ

پہنچتا ہے۔ تو طبیعت میں معاً تکدر و ناگواری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور وہ اپنے اس تاثر کو عمل میں لانے کے لیے مضطرب ہو جاتا ہے۔ بچہ کمرے میں چلتا ہے، کرسی سے دھکا کھا کر گر جاتا ہے، علاوہ چوٹ کے کرسی پر غصہ بھی محسوس کرتا ہے، اور اُسے مارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ احساس انتقام فطری و اضطراری ہے۔ اُسی طرح اضطراری، جس طرح دوسرے فطری احساسات ہوتے ہیں۔ آگے چل کر عقل انسانی ترمیم صرف اتنی کر دیتی ہے، کہ انتقام کی زد سے نامعقول بے شعور، بے ارادہ چیزوں کو خارج کر دیتی ہے، اور ظالم اذیت کے بجائے قصداً ایذا کی گرفت کرتی ہے۔ باقی اسکی تہ میں جو اصل کارفرما ہے، اُس پر عقل و شریعت دونوں متفق ہیں، اور نفسی جذبۂ انتقام کا احترام دونوں پر مشترک ہے ——

سزا سے بالفرض کوئی اور نفع نہ بھی حاصل ہوتا ہو جب بھی محض اس فطری طبیعی جذبہ کی تسلی کے لیے ہر مظلوم کو حق حاصل ہے ظالم سے انتقام لینے کا، اُس پر غصہ اُتارنے کا، اپنے دل کا بخار نکالنے کا۔ اور سزا نام ہے اسی انتقام کی منظم و مہذب صورت کا۔ انتقام جب تک براہ راست اور انفرادی حیثیت رکھتا ہے، انتقام ہے، اور جب عدالت کے توسط سے لیا جاتا ہے، اور خود عدالت کی حیثیت ہوتی ہے، قوم، قبیلہ، سوسائٹی کے نمائندہ کی، تو اس انتقام کا نام سزا پڑ جاتا ہے۔ اور سزاؤں کا مجموعہ ہر حکومت کی اصطلاح میں ضابطہ تعزیرات کہلاتا ہے۔

لیکن سزا کی بنیاد محض اتنی ہی نہیں۔ قانون فوجداری کا ہر جرم جیسا کہ طلبۂ فن پر واضح ہے، جرم محض مستغیث ہی کے مقابلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ جرم ہوتا ہے سوسائٹی کے نظام کے خلاف، معاشرہ کے قوام کے خلاف، اس لیے جرم پر نظر محض اس حیثیت سے نہ کرنا چاہیے کہ اُس سے ایک فرد کو دکھ پہنچا، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ مجرم نے اس ذریعہ سے نظام معاشرت کے سکون کو درہم برہم کیا، اور امن عامہ میں رخنہ ڈالا۔ اس لیے جو بھی مجرم ہوتا ہے، وہ تنہا ایک فرد یا چند مستغیث افراد کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ ساری قوم کا مجرم ہوتا ہے۔ اور اسکی سزا کا درجہ بھی اسی حساب سے ہزاروں لاکھوں گنا ہوتا ہے۔

پھر مستغیث جس درجہ میں بھی مظلوم ہوتا ہے اسکی نصرت ایک اخلاقی فریضہ ہوتا ہے قوم کے ذمہ۔ اور عدالتی سزا ہی وہ ذریعہ ہے، جس سے قوم کو موقع مل جاتا ہے اجتماعی حیثیت سے نصرت مظلوم کا۔ گویا جو فرض فرداً فرداً عائد ہوتا ہے ایک عظیم الشان آبادی پر، وہ سمٹ کر یوں بصورت کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔

سزا کے یہ سارے پہلو پھر بھی انتقامی رہے۔ لیکن سزا کی افادیت یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ ناقص ہے وہ سزا جو ماضی کے انتقام پر ختم ہو جائے اور مستقبل کے "انتظام" کی فکر ہی نہ کرے۔ فرد و قوم کا جذبۂ انتقام کیسا ہی قابل قدر سہی، پھر بھی اس سے آئندہ کے لیے تو کوئی اطمینان نہیں ہو جاتا۔ حالانکہ وقوع جرم کے بعد سب سے مقدم شے یہی ہے، کہ مجرم کے شر و ایذا سے سوسائٹی کو آئندہ کیسے محفوظ رکھا جائے۔ اور سزا کی نوعیت متعین کرنے میں اس پہلو کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ اور اس غرض کے لیے لازمی ہے کہ مجرم کو سزا ایسی دی جائے، جو خود اُسے [illegible] تک بھی تو بھی ایک بڑی حد تک دوبارہ اس جرم کے ناقابل بنا دے۔ ایک شخص دو ہزار کی چوری کرتا ہے اور عدالت اُسے صرف پانچ جرمانہ کی یا دو ہفتہ قید کی سزا دیتی ہے، تو یہ اُسے جرم سے روکنا نہیں، اور اس کی ترغیب دینا ہوا، [illegible] سزا کے ما بعد [illegible] تو گویا مجرم [illegible] کامیاب [illegible] آ گئی۔

لیکن اتنا بھی کافی نہیں [illegible] مجرم آئندہ کے لیے جرم کے ناقابل بنا دیا، لیکن احتسابوں اور مزہ سے [illegible] دیکھتا رہا [illegible] جرم سے باز رہنے کی کیا ترغیب ہوئی؟ اسلیے سزا کا ایک تیسرا اور نہایت اہم پہلو انتقامی بھی ہے۔ یعنی سزا ایسی ہو، کہ دوسروں کو بھی ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں مؤثر ہو سکے۔ قانون کے سامنے محض وہی نہیں ہوتا جو واقعۃً ارتکاب جرم کر چکا ہے، بلکہ وہ ہزارہا اشخاص بھی ہوتے ہیں، جو ابھی تک صرف بالقوہ مجرم ہیں، اور کچھ خبر نہیں کہ انکی مجرمیت کس وقت قوت سے فعل میں تبدیل ہو جائے۔ ایسوں کو روکے رہنا، اور جرم سے باز رکھنا، یہ بھی سزا کے مقاصد اور اہم ترین مقاصد میں ہے۔ اور اسی غرض کے لیے سزا کا ایسا ہونا لازمی ہے جو عبرت انگیز بھی ہو۔ اور سزا [illegible] عبرت انگیز [illegible] ——

تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ [illegible] نفس ذہن رکھنے والے افراد متاثر سب سے زیادہ خوف ہی سے ہوتے ہیں ——— قرآن مجید نے سزائے قطع ید کے سلسلے سرقہ کے موقع پر نکالاً من اللہ کا فقرہ اسی معنی کی جانب مشیر ہے۔

اتنی منزلیں طے کر لینے کے بعد سوال کا جواب [illegible] خود [illegible] سمجھیے۔ کہنے کو کہنے والے تو یہ کہہ گزرے کہ "اسلام نے ہر سزا نہایت سخت رکھی ہے" لیکن سخت آخر کس لحاظ سے؟ عقل سے [illegible]؟ تجربے [illegible]؟ کس معیار سے؟ کیا چوری کوئی معمولی جرم ہے؟ [illegible] اسلامی حکومت میں اسلامی فضا ہوا نہیں؟ [illegible] سارق کے لیے گوشمالی اور [illegible] ہلکی سی کافی ہو جاتی؟ کیا سزا اگر اتنی "سخت" نہ رکھی جاتی، تو کیا [illegible] اور اپنے مقصد میں کامیاب اور کافی ہو سکتی تھی؟

جس شریعت نے اسے نافذ کیا، اُس کی علمداری [illegible] چوروں کا کیا حال رہا؟ چوری کی وارداتیں کتنی گھٹیں اور کتنی بڑھیں؟

چوروں نے اپنے پیشہ سے توبہ کی، یا رحم دل عدالتوں کے سایہ میں پھولنا پھلنا شروع کیا؟ آج جن ملکوں میں اسکا دور دورہ باقی رہ گیا ہے، وہاں چوریوں کا "ریکارڈ" کیا ہے؟ چوروں کی زیادتیاں آج کہاں بڑھ رہی ہیں اور چوری کے نئے نئے ڈھنگ آج کہاں ایجاد ہو رہے ہیں؟ نجد میں، حجاز میں، یمن میں؟ یا اسکے برعکس یورپ اور امریکہ کے "ریفارم" جیلوں اور ریفارمیٹریوں کے پڑوس میں؟ مجرموں اور جرائم پیشوں کے ساتھ ہمدردی کا صحیح نام رحم دلی ہے، یا مجرم نوازی، جرم پروری؟ مجرمانہ ذہنیت آج دنیا کے سنے تجربوں کے بعد، نرم سے نرم اور ملائم سے ملائم نظریوں کے الٹ پھیر کے بعد، بجز اس زندہ و حاضر وعید شدید کے اور کس چیز سے اتنا دب سکتی ہے؟

(باقی [illegible])

دلائل بہر نوعیت اپنے اپنے رکھتا ہے، گو ان سطور کے راقم کے نزدیک قوی ترین دلائل حنفیہ کے ہیں ۔

(۴) چوتھا سوال جو رہ جاتا ہے یہ ہے کہ نیم اضطرار کی حالت میں چوری، خصوصاً کھانے پینے کی چوری میں کیا کوئی رعایت نہیں ؟

عرض یہ ہے کہ حکومت اور ماحول اگر اسلامی ہیں (اور وہاں کے سوا سزائے شرعی کا اجراء اور ہوگا بھی کہاں ؟) تو اضطرار کی، نیم اضطرار کی نوبت ہی [illegible] گرسنگی کی نوبت ہی کسی مسلمان کے لیے کیوں آنے لگی ۔ غریب سے غریب شخص کے بقدر ضرورت کھانے پینے کا انتظام بہ حد وسع امکان کے اندر اسلامی حکومت کے لیے لازمی ہے، بلکہ اسلامی نظام معیشت سے خود بخود لازم آجاتا ہے لیکن اس سے قطع نظر یوں بھی کھانے پینے کی، اور ایسی ہی ضرورت کی چیزوں کے باب میں تو فقہائے اسلام نے بہت سی زائد گنجائشیں رکھ دی ہیں ۔ ایسی کہ حیرت تنگیوں پر نہیں ۔ وسعتوں پر ہوتی ہے

ولا قطع فیما یتسارع الی الفساد کالطبیخ واللحم والفواکہ الرطبۃ (ہدایہ)	ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اُن چیزوں کی چوری میں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں مثلاً دودھ، گوشت، تر میوہ ۔

[illegible] لکھی چیزیں جو اسلامی حکومت میں عام طور پر ہر شخص کو ملجاتی ہیں، [illegible] عام میں [illegible] کی ہیں، اُن میں سے کسی پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا

ولا قطع فیما یوجد تافھا مباحا فی دار الاسلام کالخشب والحشیش والقصب والسمک والطیر والصید والزرنیخ والمغرۃ والنورۃ (ہدایہ)	اور ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اُس چیز کیلیے جو دار الاسلام میں حقیر طور پر مل جاتی ہو، مثلاً لکڑی (جلانے کی) اور گھاس اور نرکل اور مچھلی اور پرندے اور شکار کیے ہوے جانور اور ہڑتال اور گیرو اور چونا ۔

یہ فہرست پھر بھی ناقص اور مختصر ہے ۔ فقہ کی کتابیں اُٹھا کر دیکھیے تو کل فہرست اس سے کہیں زیادہ لمبی چوڑی نظر آئیگی ۔

یہاں تک کہ بعض فقہاء کے ہاں تو یہ تصریح بھی مل جاتی ہے، کہ قحط سالی کے زمانہ میں کھانا چرانے کی سزا قطع ید باقی نہ رہیگی ۔

اذا سرق طعاما والسنۃ سنۃ قحط لا یجب القطع بسرقتہ سواء کان طعاما یتسارع الی الفساد او لا یتسارع وسواء کان محرزا او لم یکن (عالمگیری ۔ عن الذخیرۃ)	اگر کوئی قحط سالی میں کھانا چرالے تو اس چوری پر قطع ید نہ کیا جائیگا، چاہے کھانا جلد بگڑ جانیوالا ہو یا ایسا نہ ہو ۔ اور خواہ محفوظ کرکے رکھا گیا ہو یا نہ ہو ۔

(۵) اب آخری سوال یہ رہ جاتا ہے، کہ قطع ید سے انسان ساری عمر کیلیے بیکار ہو جاتا ہے، اور سوسائٹی پر بار بن جاتا ہے ۔ ایسی سزا جسکا خمیازہ دوسروں کو بھگتنا پڑے، کس مصلحت پر مبنی ہے ؟

لیکن یہ سوال صرف قطع ید ہی پر کیوں وارد کیا گیا ہے ؟ مطلق سزا کی ہر صورت پر کیا اسی شدت و قوت سے عائد نہیں ہوتا ؟ دنیا میں آخر وہ کونسی سزا ہے جسکا اثر تمامتر مجرم کی ذات ہی تک محدود رہتا ہے، اور اسکی بیوی بچے، عزیز، قریب، خاندان اور برادری تک متعدی نہیں ہوتا ؟ چور کو سزا قطع ید کی نہیں، "دائم الحبس" کی ملے، جب کون سا سہارا اُسکے گھر والوں کے لیے باقی رہ جائیگا ؟ جب کب وہ کمائی کے قابل باقی رہیگا ؟ جب کب وہ سوسائٹی پر بار نہ ہوگا ؟ حبس دوام نہ سہی، سال، دو سال، چار سال ہی کے لیے جیل سہی، کیا اسی منطق کی رُو سے، مجرم کے بیوی بچوں کے حق میں کیا شدید ظلم نہیں ؟ پھر خود یہ جو جیل اور پولیس اور خفیہ پولیس کے عظیم الشان محکمے [illegible] حکومت کے جزو بنے ہوے ہیں، انکے اونچے اونچے انسپکٹر جنرلوں کی ہزارہا روپیہ ماہوار کی تنخواہیں، [illegible] سپرنٹنڈنٹوں، کپتانوں، جیلروں کے مشاہرے، [illegible] سب انسپکٹروں، داروغوں، منشیوں، محرروں کے ورماہوں کی میزان، [illegible] کانسٹبلوں کی تعدادوں، جاسوسوں، چوکیداروں کی بے اندازہ تنخواہیں، جیل، کوتوالی، تھانہ وغیرہ کی عظیم الشان عمارتیں وغیرہ وغیرہ یہ سارے [illegible] اخراجات آخر کہاں سے ادا ہوتے ہیں ؟ کیا مجرموں کی جیب سے ؟ یا اسکے برعکس بے گناہ، بے قصور رعایا [illegible] کی جیب سے ؟ —— ملزم کے ہاتھوں میں جب ہتکڑیاں پڑتی ہیں، مجرم کے پوشیدہ جسم کو ننگا کرکے جب اس پر تڑاتڑ بید پڑتے ہیں، تو مجرم کی چیخ پکار، آہ و زاری کے ساتھ ساتھ اُس کی بیوی کے، بہن کے، بیٹی کے، ماں کے، باپ کے دل پر کیا گزرتی رہتی ہے ؟ —— مالی اور جسمانی عقوبتوں کو بھی چھوڑیے، محض تفضیح، رسوائی، بدنامی کے پہلو تک رہیے ۔ سزا ایک کو ملتی ہے، بدنامی اُسکے سارے خاندان کے نصیب میں آکر رہتی ہے ۔ [illegible]

تو اس فلسفہ پر اگر عمل ہو، تو آغاز آفرینش عالم سے لیکر آج تک کسی کو بھی سزا کوئی ہلکی سی ہلکی کسی بڑے سے بڑے جرم میں کبھی ملنی ہی نہ تھی ۔ اسلیے کہ آج تک، کون سا مجرم ایسا ہوا ہے، جسکا نہ کوئی عزیز، نہ دوست، نہ مخلص ہمدرد ؟ [illegible] کی بنا یہ ہے کہ فرد کو سوسائٹی سے بے تعلق، ایک منفرد انسان فرض کر لیا گیا ہے ۔ اور یہ مفروضہ ہی بے بنیاد ہے ۔ شخصی تعلقات، خاندانی جکڑ بند، خونی رشتے، وطنی علاقے، نسلی محبتیں، عزیزانہ گرمجوشیاں، یہ تو سب رکھی ہی مصلحت کو لیے گئی ہیں، کہ انکا دباؤ ہر امکانی مجرم پر قائم رہے، اور انسان کا قدم، خوف خدا سے نہ سہی، رضائے الٰہی کی غرض سے نہ سہی، تو کم از کم انھیں وابستگیوں کی بنا پر جادۂ مستقیم پر قائم رہے ۔ تواصی بالحق و تواصی بالصبر تو انسان کے فرائض میں داخل ہے ۔ دوست اور عزیز ہوتے ہی اس واسطے ہیں کہ راہ حق پر قائم رکھنے، کجروی سے بچانے، نیکی کی خوش انجامیاں سمجھانے، [illegible] انجامیاں دکھانے میں ایک انسان دوسرے کا معین و مددگار رہے ۔ ایک کی کمائی سے دوسرے نفع اٹھاتے ہیں ۔ ایک کی سزا یابی سے دوسرے بھی نقصان بھگتیں ۔ یہ تو سزا کا ایک لازمی عنصر ہے ۔ اگر کسی طریقہ سے [illegible] کو فنا کر دیا جائے، تو سزا کا مقصود ہی ایک حد تک باطل ہوا جاتا ہے ۔ کیا یہ روزمرہ کا مشاہدہ نہیں، کہ ماں خود فاقہ کر لیتی ہے، لیکن بچے کو بھوکا نہیں رہنے دے سکتی ۔ باپ خود اپنے اوپر الزام رکھ لیگا، خود چوٹ سہہ لیگا، لیکن بچے پر آنچ نہ آنے دیگا ؟

جب یہ صورت حال ہے، جب عزیز پرستی اس حد تک جزو فطرت بشری ہے، تو مجرم کی سزا سے متعلقین کو محض اُسی کی ذات تک محدود رکھنا مقصود ہی کب رہا ؟ مقصود تو یہ بھی ہو گیا کہ اپنے پیاروں کی [illegible] کلیجے کے ٹکڑوں کی مصیبت [illegible] اُن کا دل متاثر ہو (باقی آئندہ) [illegible]

تدوین حدیث

(۱۲)

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

بہر حال یہ تو میرا دعویٰ ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں اب میرے پاس جو ہیں اب انھیں پیش کرتا ہوں، لیکن قبل اس کے کہ ادھر میں جاؤں کی جائے پہلے یہ سن لینا چاہیے کہ اس وقت امت کے ہاتھ میں حدیثوں کا جو معتبر اور قابل اعتماد ذخیرہ موجود ہے اسکی مقدار اور ان حدیثوں کی تعداد کیا ہے یوں تو عام طور سے جہاں حدیث کے حافظوں کا ذکر کیا جاتا ہے انکی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو غیر معتبر اور شدہ حدیثوں کے سوا جو قابل اعتماد محفوظ تھا اس کی تعداد سات لاکھ تک پہنچتی تھی۔ اسی طرح امام ابو زرعہ جو حفظ حدیث میں خاص امتیاز رکھتے تھے ان کی حدیثوں کی تعداد بھی سات لاکھ بتائی جاتی ہے امام بخاری کے متعلق عام طور سے سنتے ہیں کہ انھیں دو لاکھ کے قریب تو غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں، امام مسلم سے لوگوں نے اکثر یہ قول نقل کیا ہے کہ اپنی کتاب صحیح کے متعلق خود فرمایا کرتے تھے کہ یہ تین لاکھ سے منتخب ہوئی تین لاکھ حدیثوں سے میں نے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے۔ اسی طرح مختلف لوگوں کی طرف بڑے بڑے اعداد منسوب ہیں، لیکن ان اعداد کو سن کر جو سمجھتے ہیں کہ ان کا مقصود بھی وہی ہے جو بات یہ ہے کہ لوگ محدثین کی اصطلاح سے ناواقف ہیں اور اسی لیے انھیں حیرت ہوتی ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ مثلاً امام بخاری کو اگر اتنی صحیح حدیثیں یاد تھیں تو انھوں نے اپنی کتاب میں سب کو کیوں درج نہیں کیا حالانکہ حدیث کی حفاظت و بیان کا جو روایتی طریقہ ہے پہلے بیان کر چکا ہوں اس طریقہ و سلسلہ کو منضبط بنانے کے لیے ابتدا سے شہادات و شواہد کی ترتیب کا ایک طریقہ مروج ہو گیا تھا یعنی ایک ایک حدیث کو جن جن سندوں اور طریقوں سے روایت کرنا ممکن تھا، محدثین ان تمام طرق کو جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور انکی یہ اصطلاح تھی کہ ایک ہی حدیث کو انکے متفاوت طریقوں کے اعتبار سے بجائے ایک کے، طریقوں کے حساب سے شمار کرتے تھے، مثلاً انما الاعمال بالنیات کی حدیث جیسا کہ بیان کر آیا ہوں واقعہ کے لحاظ سے ایک حدیث ہے لیکن محدثین چونکہ سات سو طریقوں سے روایت کرتے ہیں، اس لیے بجائے ایک کے صرف اسی ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے اور یہ کسی ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے اور یہ کسی ایک حدیث کا نہیں بلکہ حدیث کے بیشتر حصہ کا یہی حال ہے، حدیثوں کے ان عجیب و غریب اعداد کی بنیاد ایک تو یہ ہے دوسری پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ گو ابتدا میں حدیث جس کے لفظی و لغوی معنی بات کے ہیں، اسکا اطلاق محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات طیبہ پر کیا جاتا تھا پھر اس میں وسعت پیدا ہوئی اور آپ کے افعال و تقریرات کو بھی اسکے نیچے درج کیا گیا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اطلاق میں اور کشادگی پیدا ہوئی اور صحابہ کے اقوال و فتاوے، فیصلوں بلکہ تابعین و تبع تابعین تک کی چیزوں کو بعض لوگوں نے "حدیث" کے نیچے داخل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس وجہ سے قدرۃً حدیثوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، لیکن عام خیال کرتے ہیں کہ یہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی تعداد ہے۔ حافظ ابن حجر اسی وجہ سے لکھتے ہیں

وكثير من المتقدمين كانوا يطلقون اسم الحديث على ما يشمل آثار الصحابة والتابعين وتابعيهم وفتاويهم ويعدون الحديث المروي بإسنادين حديثين ص ۱۱	متقدمین کی سب سے بڑی جماعت لفظ حدیث کو اتنا عام مفہوم پر کرتی تھی جس میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے آثار و فتاوی بھی سب کے داخل ہیں نیز ایک ہی حدیث جو دو سندوں سے مروی ہوتی اسے دو حدیثیں قرار دیتے تھے

اور یہی مراد ہے ابن جوزی کے اس فقرے سے جو حدیثوں کے ان اعداد کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان المراد بھذا العدد الطرق لا المتون (تلقیح ص ۱۸۴) یعنی ان اعداد سے مقصد حدیثوں کے متن کی مقدار نہیں ہے بلکہ انکے طریقے اور اسناد مراد ہیں۔

یہ حدیث کے ان بڑے بڑے اعداد کا حال ہے، لیکن واقعی وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں، آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ کہاں لاکھوں دو لاکھ چار لاکھ کی باتیں تھیں اور اب سنیے کہ امام بخاری کی صحیح سند کے ساتھ جو حدیثیں مروی ہیں انکی تعداد دہرے کے بغیر صرف دو ہزار چھ سو دو ہے (۲۶۰۲) اور امام مسلم کی حدیثوں کی تعداد کل چار ہزار ہے لیکن اسکے معنی نہیں ہیں کہ مسلم میں بخاری کے سوا چار ہزار حدیثیں ہیں بلکہ زیادہ تر دونوں کی روایتیں مشترک ہیں اور یہ تو ان دو بڑی کتابوں کی حدیثوں کا حال ہے، موطا امام مالک جسے بعض لوگ صحیح بخاری پر بھی ترجیح دیتے ہیں، اسکی کل حدیثوں کی تعداد صرف چھ سو ستانوے ہے۔ بہر حال شمار کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ صحیح، حسن، ضعیف، ہر قسم کی تمام حدیثیں جو اسوقت صحاح ستہ مسند احمد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں انکی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے، اور یہ ہر رطب و یابس کے مجموعہ کی تعداد ہے، تمام کتابوں سے ضعیف بین کر ابن جوزی نے نہیں جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے، بلکہ حاکم جو نرمی اور سماحت میں مشہور ہیں انکا یہ بیان ہے کہ اول درجہ کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہونچ سکتی۔ اب حاکم کی اس رپورٹ کو اپنے سامنے رکھیے اور اسکے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان خطوط، اور معاہدوں، امان ناموں، جاگیر و قطائع وغیرہ کے فرامین کے سوا جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے، اور جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے اور حدیث کی جو تعریف ہے ان پر وہ بھی صادق آتی ہے، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ کے سوا، عہد نبوت اور قرون صحابہ میں حدیث کا کتنا سرمایہ کتابی شکل اختیار کر چکا تھا، دنیا کو یہ سن کر حیرت ہوگی، لیکن کیا کیا جائے واقعہ

ہمارے فاضل و عزیز دوست ڈاکٹر مولانا حمید اللہ صاحب ڈی فل (جرمنی) پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ان کو ایک خاص فاضلانہ ترتیب کے ساتھ جمع بھی کر دیا ہے۔ اور اب ان کی یہ کتاب مجموعۃ الوثائق السیاسیہ کے نام سے طبع ہو رہی ہے جناب ڈاکٹر صاحب ممدوح کو عہد نبوی کے (۲۴۷) کتابی وثائق مل چکے ہیں ۱۲

بھی ہے کہ دس ہزار ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ تعداد میں حدیثیں عہدِ صحابہ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ آخر آپ خود جو [illegible] محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں اور مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے، اور ایک دوسرے نہیں مختلف ذرائع سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنی یادداشت کے لیے اپنی روایت کردہ حدیثوں کو کتابی شکل میں لے آئے تھے۔ حافظ ابن عبد البر نے جامع میں انکی اس کتاب کے واقعہ کو اس طرح درج کیا ہے۔ مشہور صحابی ابو عمرو بن امیہ ضمیری جنکو طلسم ہوشربا اور داستان امیر حمزہ نے عمرو عیار کے نام سے بہت مشہور کر دیا ہے، انکے صاحبزادے [illegible] بیان کرتے ہیں

تحدثت عن ابی ہریرۃ بحدیث فانکرہ فقلت انی قد سمعتہ منک فقال ان کنت سمعتہ منی فہو مکتوب عندی فاخذ بیدی الی بیتہ فارانا کتبا کثیرۃ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد ذلک الحدیث فقال اخبرتک انی کنت حدثتک بہ فہو مکتوب عندی

میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک حدیث پڑھی انھوں نے اسکا انکار کیا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس حدیث کو آپ ہی سے سنا ہے، فرمایا اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے تو پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرہ میں لے گئے۔ مجھے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں، اسی ذخیرہ میں وہ حدیث بھی پائی گئی حضرت ابوہریرہ نے اسکے بعد فرمایا میں نے تمہیں خبر دی تھی کہ میں نے جو حدیث تم سے بیان کی تھی وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے دوسری سند سے فتح الباری میں اس روایت کو درج کیا ہے [illegible] اس سے صرف یہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہؓ کے پاس صرف چند حدیثیں لکھی ہوئی تھیں، بلکہ جو کچھ وہ روایت کرتے تھے کتابی شکل میں انکے پاس وہ موجود تھی۔ جب یہ معلوم ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار سے اوپر ہے اسکے بعد اگر مان لیا جائے کہ پانچ ہزار سے اوپر حدیثیں اس وقت کی لکھی ہوئی تھیں، تو کیا اس روایت سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی؟ اور صرف ایک یہی نہیں، دارمی جو حدیث کی مستند کتاب ہے اور اس کا درجہ صحاح ستہ کی اکثر کتابوں سے بلند ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ ان کی حدیثوں کا تیار کر کے خود انکو پڑھ کر سنایا تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

عن بشیر بن نہیک قال کنت اکتب ما اسمع من ابی ہریرۃ فلما اردت ان افارقہ اتیتہ بکتابہ فقرأتہ علیہ وقلت لہ ہذا ما سمعت منک قال نعم۔

حضرت بشیر بن نہیک سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے جو حدیثیں میں سنا کرتا تھا انکو میں لکھ لیا کرتا تھا جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا تو انکی حدیثوں کی جو کتاب تھی اسے لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر ان حدیثوں کو انکے سامنے پڑھ گیا، اور آخر میں کہا کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو آپ سے میں نے سنی ہیں؟ بولے ہاں۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہ ہیں جو یمن کے امراء میں سے تھے۔ [illegible] کی خدمت میں [illegible] حدیثوں کو جمع کیا، جو صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہے، امام احمد بن حنبل نے [illegible]

ایک بہت بڑا حصہ اپنی مسند میں داخل کیا ہے، تو کیا اسکے معنی یہ ہوئے کہ اسی زمانہ میں حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کے یہ تین نسخے تیار ہو چکے تھے، اور واقعہ تو یہ چاہیے ورنہ ابوہریرہ جنکے شاگردوں کی تعداد امام بخاری نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہے۔ کون کہ سکتا ہے کہ کتنوں نے اس طرح کیا ہوگا۔ خود حضرت ابوہریرہ نے جب اپنے لیے نسخہ تیار کیا تھا، تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ انکے شاگرد ایسا نہ کرتے۔ اور اس سے بھی میں اور آگے بڑھتا ہوں، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیان درج ہے، وہ فرمایا کرتے تھے۔

ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثا الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں حضور کی حدیثوں کا بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہے الا عبد اللہ بن العاص (ر) سے سنتے ہیں (یعنی انکی حدیثوں کی تعداد مجھ سے زیادہ ہے)

جس کے معنی یہ ہوئے کہ عبد اللہ بن عمرو کی مرویات کی تعداد ابوہریرہ کے ذاتی اعتراف کی بنیاد پر انکی حدیثوں سے زیادہ تھی [illegible] حدیثیں پانچ ہزار سے زائد ہیں تو [illegible] عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ کے روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر سے یقیناً زائد ہونی چاہیے، بخاری کے صریح الفاظ کا یہ تقاضہ ہے۔ اب سنیے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیثوں کا کیا حال ہے۔ بخاری ہی کی حدیث میں ابوہریرہ ہی کا یہ بیان درج ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ کے متعلق تو صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انھوں نے اسے جمع کیا تھا یا وفات کے بعد، لیکن عبد اللہ بن عمرو بن العاص جن کی حدیثوں کی تعداد حضرت ابوہریرہ ہی کے بیان کے مطابق ان کی حدیثوں سے زیادہ اور کثیر ہے، انکے متعلق تو سب کو معلوم ہے کہ خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ آپ کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ انکا اپنا بیان ہے جسکو حافظ ابن عبد البر، ابن سعد بلکہ ابو داؤد وغیرہ سب نے ذکر کیا ہے۔ میں حافظ عبد البر کی روایت درج کرتا ہوں، خود حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں

قلت یا رسول اللہ اکتب کل ما اسمع منک؟ قال نعم قلت فی الرضا والغضب؟ قال نعم فانی لا اقول فی ذلک کلہ الا حقا

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ خوشی اور غصہ دونوں حالتوں کی باتوں کو لکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، کیونکہ ان سب حالتوں میں میں نہیں کہتا لیکن صرف "حق"۔

اس روایت میں "اکتب کل ما اسمع" (وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں) قابل غور ہے، جسکے معنی یہی ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات خواہ رضا یا غضب کے حال میں کی ہو، لکھ لیا کرتے تھے۔ محدثین میں انکی یہ کتاب "صحیفہ صادقہ" کے نام سے مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اسکا تذکرہ موجود ہے۔ وہ خود بھی اپنی اس کتاب کو بہت عزیز رکھتے تھے [illegible] میں نے [illegible] پوچھا ہے کہ یہ نام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کیا ہوا تھا۔ [illegible]

نمبر ۱۴ | دوشنبہ۔ ۹ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۴۔ اگست سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

۲½ ہزار سال قبل یونانی تہذیب کا دَور دورہ ہے کھانے کا طریقہ یہ ہے کہ میز پر کھایا جاتا ہے۔ کھانے والے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں، گدے دار کوچوں پر تکیہ لگا لگا کر لیٹے ہوئے ہیں۔ کھانے طرح طرح کے ہوتے ہیں میٹھے بھی اور نمکین بھی، شراب کے دَور چلتے جاتے ہیں شراب کبھی گرم پانی میں ملی ہوئی، کبھی برف سے ٹھنڈی کی ہوئی۔ مہمانوں کی خاطر کے لیے گانا بجانا، ناچ تماشہ ہوتا جاتا ہے۔ باتیں ہوتی جاتی ہیں۔ قصے کہانیاں دلچسپیاں، سب ہی جاری رہتے ہیں۔ بائیں ہاتھ والے بھی کام آتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے بھی۔ ہر کھانا گویا ایک چھوٹے پیمانہ پر جشن

---

۲ ہزار سال قبل یونانی تہذیب کی جگہ اب رومی تہذیب لیے ہوئے ہے کھانے کے تکلفات اب بہت بڑھ گئے ہیں، اور کھانے میں وقت اب اتنا زیادہ صرف ہونے لگا ہے کہ مجبوراً اب قانون کو دست اندازی کرنی پڑتی ہے، اور وہ ناکام رہتی ہے۔ مشہور مدبر لیبنی (لیناس) کی بابت خاص طور پر یہ آتا ہے کہ وہ کھانے کی میز پر کئی کئی گھنٹے صرف کرتا تھا! کھانے کے انواع و اقسام اب پہلے سے کہیں زیادہ تھے۔ اور اسی مناسبت سے گانے بجانے، کھیل تماشوں میں اضافہ۔ ناچ گانے کا کام اکثر گھر کی کنیزیں انجام دیتی تھیں۔ شراب کے علاوہ، سور کا گوشت بھی اب جزو غذا۔ کھانے کا طریقہ وہی کوچ پر لیٹ لیٹ کر، اور تکیہ لگا کر کھانے کا۔

۱۳½ سو سال قبل دنیا انھیں یونانی و رومی تہذیبوں کے مظاہروں میں مگن تھی، کہ عرب کی سرزمین میں ایک نبی اعظم اٹھتا ہے۔ اور زندگی کے بڑے چھوٹے، سارے ہی شعبوں کی طرح کھانا کھانے کے آداب میں بھی ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتا ہے۔ اُسکی غذا سادگی کا نمونہ ہوتی ہے۔ وہ زمین پر یا خوان پر کھانا کھاتا ہے نہ میز پر۔ اور لیٹنا تو الگ رہا، کبھی کسی نے اُسے ٹیک لگا کر اور تکیہ لگا کر بھی کھاتے نہیں دیکھا۔ کھانے کو اس نے کھیل تماشے کی جگہ ایک عبادت بنا دیا۔ وہ شروع کرتا ہے تو اللہ کا نام لے کر، اور ختم کرتا ہے تو الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا کہکر۔ یعنی اسکا اعلان کر کے کہ یہ جو کچھ نصیب ہوا ہے اپنی ذاتی کوشش سے نہیں، پروردگار عالم کی رحمت و بخشش کے طور پر، اور کھلانے پلانے والا اکیلا وہی ہے، اس میں کوئی دیوی دیوتا شریک نہیں۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھاتا رہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک غلام کو، ایک بندہ کو کھانا چاہیے۔ چاندی کے برتنوں میں کھانا اُسکی شریعت میں حرام۔ شراب اور سُور اسکے دین میں حرام۔ بغیر اللہ کے نام کے ذبح کیے ہوئے ہر جانور کا گوشت اسکے آئین میں حرام

—— راستے آج پھر دونوں کھلے ہوئے ہیں، توحید والوں والا بھی، عبدیت محض والا بھی، اور "صاحب" والا بھی۔ تہذیب جاہلی کے گزشتہ اور موجودہ علمبرداروں والا بھی!

ذوالقرنین قرآنی قرآن مجید سورۂ کہف میں ذکر ذوالقرنین اور انکی فتوحات کا، حکایت کے پیرایہ میں خاصی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ لیکن خود ذوالقرنین تھا کون؟ اکابر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد مشہور فاتح اسکندر یونانی ہے۔ دوسرے اقوال بھی شروع سے منقول چلے آرہے ہیں۔ اور اب جب سے "تحقیق اور روشن خیالی" کا معیار یہ قرار پا گیا ہے، کہ اگلے ماہرین فن کے ساتھ رشتہ اتحاد و توافق کا نہیں، بلکہ انکار و تردید کا قائم رکھا جائے، ذوالقرنین کے اسکندر ہونے سے مسلسل انکار ہونے لگا ہے۔ حال میں دہلی کے علمی و دینی ماہنامہ برہان میں ایک مفصل مضمون ذوالقرنین اور سد سکندری کے عنوان سے نکلا ہے۔ اس میں ذوالقرنین کے اسکندر ہونے سے انکار پر دلائل ذیل قائم کیے گئے ہیں:-

"سکندر مقدونی کی تاریخ کا یہ مسلمہ باب ہے کہ وہ یونانیوں کے قدیم مذہب

دیوتاؤں کی پرستش کا مقلد تھا۔ اور یہ کہ وہ ہرگز مسلمان نہ تھا۔"

(۲) "سکندر بہ اتفاق اصحاب تاریخ جابر و قاہر تھا، نہ کہ نیک سیرت و نیک نفس"

(۳) "یہ بات بھی مسلمات میں ہے کہ اسکی فتوحات اور سیاحت [illegible] کی جانب نہیں بڑھا"

(صفحہ ۱۶۰، ماہنامہ [illegible] بابت جولائی ۱۹۶۱ء)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں دعوے مسلمات ہونا الگ رہا، سب کے سب خود محل بحث و مجروح ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ نزول قرآن سے قبل ذوالقرنین ظاہر ہے کہ اصطلاحی معنی میں تو مسلمان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اسکے مومن [illegible] ہونے سے مراد صرف یہ ہو سکتی ہے کہ موحد اور اپنے زمانہ کے نبی کا مطیع ہو، سو وہ روایات یہود میں (اور یہی ایک موحد قوم اُس زمانہ میں تھی) اُسے اسی حیثیت [illegible] چنانچہ جوزیفس (جو حواریانِ مسیح کا ہمعصر ہے) کی قدیم تاریخ یہود میں یہ صراحت موجود ہے کہ سکندر نے ہیکل یروشلم میں حاضری دے کر وہاں عبادت کی، ان کے دینی پیشواؤں کی تعظیم و تکریم کی، اور جب دانیال نبی کی یہ پیشگوئی اُسے دکھائی گئی کہ ایک یونانی فاتح ایران کی شہنشاہی کو برباد کر دیگا، تو وہ اس پیشگوئی کا مصداق اپنے ہی کو سمجھا۔ اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ تصریح آج تک لکھی چلی آ رہی ہے، کہ اُس وقت کے یہود اُسے مسیح موعود ماننے کو تیار رہتے۔ (جلد ۸ صفحہ [illegible])۔ ظاہر ہے کہ نہ یہود یہ معاملہ کسی مشرک کے ساتھ روا رکھ سکتے تھے، اور نہ کوئی مشرک فرماں روا خود یہ معاملہ مرکز توحید کے ساتھ روا رکھتا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ سکندر کا جابر و قاہر ہونا تاریخ کے مسلمات میں داخل نہیں۔ بہت کچھ مختلف فیہ ہے۔ تاریخ میں اقوال دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ کم از کم شک کا فائدہ تو اسے ملنا ہی چاہیے۔

تیسری عرض یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات تاریخ کو مسلّم ہیں کہ شمال و مغرب ہی کی جانب ہوئی تھیں۔ اور مقدونیہ کے مغرب ہی کی سمت میں وہ جھیل ہے جسکا پانی اتنا گندہ ہے کہ سیاہی مائل ہو گیا ہے، اور وہیں سورج ڈوبتا نظر آتا ہے۔ وجدہا تغرب فی عین حمئۃ۔ جھیل کا نام آرکیڈا ہے۔ جس علاقہ میں ہے، اُسکا بھی یہی نام ہے۔ وہ جنوبی سرویا (یوگوسلاویہ) میں مناستر سے ۵۰ میل جانب مغرب واقع ہے۔ جو دریا اس جھیل سے نکلتا ہے، اسکا انگریزی نام پانی کے سیاہ رنگ کی مناسبت سے Black [illegible] ہے۔

اخبار کے مختصر نوٹ میں اس سے زیادہ کی گنجایش نہیں، ورنہ تفصیلاً بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ جزم کے ساتھ کسی کی بھی تعیین کرنا یقیناً دشوار ہے، اس لیے کہ قرآن مجید کی بیان کی ہوئی علامت کا پورا مصداق اب تک کوئی بھی نہیں ملا ہے —— آخر مستقبل کے طلبۂ قرآن کے لیے بھی تو کوئی موضوع تحقیق باقی رہے، یا ساری تحقیقات چودھویں صدی ہجری تک ختم ہو جائے؟ ——

لیکن جہاں تک اغلب اور ارجح ہونے کا تعلق ہے، اسکندر رومی یا یونانی یا مقدونی کا نمبر کسی از رے پیچھے نہیں۔ اور یہ امر ہمارے قدماء کی عظمت کے لیے بس کرتا ہے۔

حکمت ابتلاء

ایک صدق نواز خاتون اپنی ایک سہیلی کی شدید علالت اور انتہائی کرب کا ذکر کر کے ایک مذہبی سوال کرتی ہیں:—

"...وہ اب اللہ کے دربار کی تیاری کر رہی ہیں۔ بظاہر کسی خلاف شریعت کام میں مبتلا نہیں رہیں لیکن [illegible] میں مبتلا ہیں۔ بانو [illegible] شدید نماز روزہ ذکر الٰہی جاری ہے...... میں آپ سے اس معاملہ کو صاف کرنا چاہتی ہوں۔ یہ آخر کیا راز ہے کہ ایک فاسق اور بدکار [illegible] کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے، اور ایک نیک کار پہ اسی شدید [illegible] گزرتی ہے۔ اس سوال کا جواب آپ کے قلم سے سننے کو دل بے چین ہے:"

شبہ کی بنیاد تو اس مغالطہ پر ہے کہ بیماری شدید بیمار کے کرب واذیت کو بہت کا کرب واذیت سمجھ لیا جاتا ہے، اور اسکا تعلق کسی درجہ میں عالم آخرت سے فرض کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تکلیفیں تیمارداروں کے، عزیزوں کے مشاہدہ میں آتی ہیں، [illegible] عالم آخرت کی نہیں، اسی دنیا کی ہیں، جیسے اور تکلیفیں ہوتی رہتی ہیں۔ تو اب گویا سوال یہ ٹھہرا کہ نیک کار کو دنیا میں سرے سے کوئی تکلیف ہی کیوں پیش آتی ہے؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بدکار کی ساری زندگی رو رو کر، تڑپ تڑپ کر گزرتی، اور نیک کار زندگی کی ہر منزل ہنسی خوشی، مسرت واطمینان کے ساتھ گزار دیتا!

سوال کا آدھا جواب سوال کی اس تصحیح ہی سے نکل آتا ہے۔ نیکی کا نتیجہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد، اگر اسی دنیا میں فی الفور، اور ہمیشہ نکل آتا، تو کسی دوسرے عالم کی، جزا و سزا والے عالم کی ضرورت ہی سرے سے کیا تھی؟ اس عالم ناسوت کی تو آفرینش ہی اسی غرض سے ہوئی ہے کہ

لیبلوکم ایکم احسن عملا انسان کو جانچا جائے، پرکھا جائے، عمل سے اسکا امتحان لیا جائے، نتیجہ امتحان اُٹھا رہا ہے دوسرے عالم کے لیے پورے شان ظہور کے ساتھ۔ گو اسکی کچھ جھلکیاں سی یہاں بھی دکھا دی جاتی ہیں (اور جنکی نظر بہت تیز اور بصیرت بہت صاف ہے، وہ تو جھلکیوں سے زیادہ یہیں دیکھ لیتے ہیں)۔ اس عالم اسباب کا دار و مدار تو قوانین مادی و تکوینی پر رکھا گیا ہے۔ آگ کا کام جلانا ہی ہے، خواہ اسکی لپیٹ میں قرآن مجید یا مسجد ہی کیوں نہ آ جائے۔ تلوار کا کام کاٹنا ہے خواہ اُسکی زد میں سید الشہداء حمزہؓ یا سردار جوانان جنت حسینؓ ہی کے جسم کیوں نہ آ جائیں۔ زہر کا کام مارنا، پانی کا کام ڈبونا، ہر حال اور ہر صورت میں ہے۔ زہد و تقویٰ خشیۃ اللہ کوئی شے ان قوانین طبعی کے فعل و انفعال کی مانع نہیں ہو سکتی —— اب جسکے قویٰ خلقۃً کمزور ہو نگے، یا جو قوانین صحت کی پوری پابندی نہ کر سکا، یا جو اتفاقی طور پر کسی وبائی یا متعدی مرض کا شکار ہو جائیگا، اُسے لامحالہ شدید جسمانی تکلیفیں اٹھانی پڑینگی، انکے اُسکے زہد و تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ علیٰ ہذا جسکے قویٰ مضبوط ہونگے، جو ورزش وغیرہ کا پابند ہوگا، جو وبائی اور متعدی امراض سے بچا رہیگا، وہ لازمی طور پر جوان اور تندرست ہوگا، خواہ اخلاقی و روحانی اعتبار سے کیسا ہی پست ہو۔

قرآن کا وعدہ صرف اسقدر ہے کہ ہر نیکی اپنے وقت معین پر، اور ہر بدی اپنے وقت معین پر، اپنا ثمرہ دکھا کر رہیگی —— بیج اپنے وقت پر یقیناً ایک تناور زبردست درخت بن کر رہیگا، بہت زمین گھیر لیگا، بڑی گھنی چھاؤں دیگا، بیسیوں شاخیں، سیکڑوں ٹہنیاں، ہزار ہزار پتیاں پیدا کریگا، لیکن ابھی فی الوقت تو ساری ظاہری نگاہیں، اُسے زمین میں غائب ہوتے، مٹی کے اندر چھپ جاتے دیکھ رہی ہیں —— نتائج عمل کا ظہور اگر عمل کے ساتھ فی الفور ہونے لگتا، ہر شراب خوار کا منہ شراب کے پہلے قطرہ کے ساتھ، گندگی اور

ہو رہے جھٹکے دینے لگتا، ہر تمام کائنات کو اجزائے جنسی، حق کا رہی کی چلی ہر گاہ کے ساتھ بڑھنے شروع ہو جاتے، تو سطح زمین پر نہ ایک کا فرکا وجود رہ جاتا نہ ایک فاسق کا۔ اضطرار اسب کے سب مومن و متقی اور صالح ہوتے۔ عالم ابتلاء کی مصلحت جاتی رہتی اور آزمائش و امتحان کے اغراض کے لیے پھر کسی نئے عالم کی آفرینش کی ضرورت پڑ جاتی۔

یہی کائنات کے ہر جزوی واقعہ کی حکمت، سو ایک ایسی بلا دی کے کرشمے کی بھڑکا ہوا قوم ہے یہ ہر روز قحط پڑتے رہتے ہیں، سیلاب آتے رہتے ہیں، آگ لگتی رہتی ہے، چھتیں ہوتی رہتی ہیں، ریلیں لڑتی رہتی ہیں، جہاز ڈوبتے رہتے ہیں، ڈاکے پڑتے رہتے ہیں، گھر اُٹھتے رہتے ہیں، وبائیں پھوٹتی رہتی ہیں، زہریلے اور جنگلی جانوروں سے ہلاکتیں ہوتی رہتی ہیں، ان میں سے کسی کی پوری توجیہ عقل بشری آج تک کر سکی ہے؟ اسی طویل فہرست میں بیمار کی شدت کو بھی شامل کر لیا جائے۔ باقی بیماروں سے بیمار کے معاصی کا دُھلنا، بیمار کا اُس کے گناہوں کے حق میں کفارہ ہو جانا، بیماری کی شدائد سے اُس کے درجہ کا بڑھنا، یہ سب چیزیں احادیث نبوی سے ثابت ہیں۔ اور ایسے کسی مسلمان اس حال میں مبتلا ہو کر گھاٹے میں نہیں، نفع ہی میں رہتا ہے۔

پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ خود ہمارا مشاہدہ کب کامل، قطعی و ہمہ گیر ہو سکتا ہے؟ کامل و ہمہ گیر علم تو صرف عالم الغیب ہی کا ہو سکتا ہے۔ اسکا احتمال انسانی علم کے لیے ہمیشہ ہی موجود ہے کہ جسے ہم بہت نیک سمجھ رہے ہیں وہ چھپا رستم ہو، اور جو بیکر فسق نظر آ رہا ہے، اُسکا صرف ظاہر ہی خراب ہو۔ بشری علم و مشاہدہ تو کبھی بھی حسن ظن و سوء ظن کے حدود سے آگے قدم نہیں رکھ سکتا۔

آنکھ کا فتنہ

"جتنے حواس کا اوپر ذکر گزر چکا (لامسہ، ذائقہ، شامہ و سامعہ) وہ سب شہوانی زندگی میں محرک ہونے کی حیثیت سے گھٹ اور ہیچ ہیں اُس قوی ترین محرکِ اعظم 'باصرہ' کے آگے۔ ممکن ہے کسی کو اس بیان سے اختلاف ہو، لیکن اسکی صداقت واضح ہو جاتی ہے جب ہم اسکا خیال کرتے ہیں کہ آنکھ ہمیشہ تلاش حسن و جمال میں رہا کرتی ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ حسن و جمال ہی وہ شے ہے جو عشق و شہوانیت کو بھڑکاتا رہتا ہے۔"

(Woman and Love جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۳)

وائنا کے ڈاکٹر برنارڈ ایرکی یہ تحقیق نفسیاتی، عضویاتی، حیاتیاتی تجربات کے دفتر کے دفتر چھان ڈالنے کے بعد اب بیسویں صدی میں ہے، اسکے مقابلہ میں خیال عرب کے اُس اُمی اور دنیائے انسانیت کے اُس حکیم اعظم کا کیجیے جسکی شریعت نے ساتویں ہی صدی عیسوی سے مرد و عورت دونوں کو الگ الگ حکم حکم دے رکھا ہے کہ نظریں نیچی رکھو۔ نامحرم پر حتی الامکان نظر ہی نہ پڑنے دو!

اسلام نے سب سے زیادہ زبردست پہرہ فتنہ کے اسی دروازہ پر بٹھا رکھا ہے، اور اسلام اور عورت دونوں کے دانا دشمن کی تقلید میں دونوں کا نادان دوست بھی آج اسی سبب سے بڑی حفاظتی قوت کے درپے ہو رہا ہے!

فتنہ سامانیاں

".... آج یورپ اسی معکوس تمدن کا علمبردار بن کر اپنے گھروں کو اجاڑ کر اب مشرق کے گھرانوں کو اجاڑنے کے درپے

ہو رہا ہے۔ اسکول اور کالج کی وہ کتابیں جنکے متعلق مرحوم لسان العصر نے فرمایا تھا۔

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

ان کتابوں کے زہریلے آثار و نتائج بتدریج مشرقی ممالک کے خاندانوں میں سرایت کر رہے ہیں۔ ان کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ بچوں کو پال کر جوان کریں اور باپ کا فریضہ فقط یہ ہے کہ جہاں سے بھی ہو اسکول اور کالج کی زندگی کے مصارف، جن میں فیشن، سینما، رقص و سرود وغیرہ کے مصارف بھی داخل ہیں، انکی اپنے لائق صاحبزادے کے لیے مسلسل کرتا رہے۔ اور جب پچیس تیس سال کی عمر کے بعد صاحبزادے میں کچھ کمانے کھانے کی صلاحیت پیدا ہو تو نسوانی حقوق کے محافظ بن کر وہ اپنے جوڑے کے ساتھ جہاں جی چاہے "ہنی مون" مناتے پھریں۔ بڑھی ماں خبطی اور کھوسٹ باپ شہر کے جس کوچہ اور گاؤں کی جس گلی میں چاہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیں۔ آج اس خبیث مغربی تمدن کی موجیں شریف گھرانوں کو ٹکریاں دے رہی ہیں، اور کتنے خاندان گر چکے ہیں۔" (جامعہ عثمانیہ میں اردو کے تعزیتی جلسہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی تقریر)

افسوسناک اور دردانگیز ہے جس قدر بھی ہو، مبالغہ آمیز آپ اس تصویر کے کسی جزو کو بھی کہہ سکتے ہیں؟ عجب نہیں جو اکثر صورتوں میں تو اس تصویر کا رنگ بجائے گہرے ہونے کے ہلکا ہی ثابت ہو۔

بے پردگی کے ثمرات

بمبئی میں لڑکیوں اور عورتوں کے جتنے شرمناک واقعات ہوتے رہتے ہیں انکی تعداد پورے ملک کے واقعات کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسکا اصلی سبب یہ ہے کہ یہاں پردہ نہیں ہے اور یوروپین تہذیب مشرقی تہذیب و تمدن پر غالب آگئی ہے۔

ایک مکان میں سیکڑوں آدمی رہتے ہیں اور عورتوں اور لڑکیوں کو مردوں سے ملنے جلنے اور باتیں کرنے کا بہت زیادہ موقع ملتا رہتا ہے، اور جو خاندان پورے فلیٹ میں رہتا ہے وہ اپنے تمول کی وجہ سے یوروپین تہذیب و تمدن کا مقلد ہو جاتا ہے اور یوروپین تہذیب کا پہلا زینہ "بے پردگی" ہے اور دوسرا "بے حیائی" ہے۔ بے حیائی سے مراد ہے شانہ تک بانہیں اور سینہ تک گردن عریاں رکھنی۔ ساڑی یا دوپٹہ اتنا باریک ہونا کہ باپ بھائی دیکھ کر شرما جائیں اور ساڑی کے پلو کا بار بار شانہ سے ڈھلک جانا اکہ ایک طرف کا سینہ کھل جائے۔ چہرہ پر غازہ پوتنا، اور بھویں گوندے باریک بنانا۔ ہونٹوں پر سرخی لگا کر ہاتھ میں بٹوہ لیکر مردوں کی مجلس میں بے محابا گھس جانا۔ غیر مردوں سے تھوڑی دیر میں بے تکلف ہو جانا۔ اور باپ بھائی یا شوہر کو ساتھ لیے بغیر دوست احباب سے ملنے جانا۔ یہ اختلاط صرف شادی شدہ عورتوں ہی تک محدود نہیں ہے کنواری لڑکیاں بھی یہی کرنے لگی ہیں۔ اور اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو دقیانوسی فرسودہ عینکی کہہ دیتی ہیں "یہ زمانہ روشنی کا ہے اندھیرے کی باتیں نہ کیجیے" یا وہ جملہ دہرا دیتی ہے جو فلموں کی کنواری ہیروئن اپنے باپ سے کہا کرتی ہے۔ اس بے حیائی کا لازمی نتیجہ یہی ہے جو بمبئی میں روزانہ دیکھنے یا سننے میں آتا رہتا ہے۔ ناجائز تعلق، اغوا، تبدیل مذہب، شوہر سے جنگ، ضبط تولید پر عمل، بے عزتی، عصمت فروشی، رسوائی، ذلت، خاندان کی ...بربادی [illegible] (ملخصاً)

نئی دنیا

(تقریر:- آنریبل سر محمد ظفر اللہ خان رکن قانون حکومت ہند)

(۲)

حقیقت یہ ہے کہ ملکوں اور قوموں کے حالات میں خرابی اسی وقت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے جب وہ اپنے آپ کو اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد سمجھنے لگ جاتی ہیں۔ حالانکہ جس طرح افراد پر اخلاقی ذمہ داری ہے ویسے ہی قوموں پر بھی ہے۔ جس طرح ایک فرد کے لیے لالچ۔ حرص۔ ظلم۔ جھوٹ نقصان دہ ہیں اسی طرح قوموں ملکوں اور حکومتوں کے لیے بھی یہ امور ناپسندیدہ ہیں۔ جس طرح ایک فرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق پیدا کرنا چاہے اور سوسائٹی کا مفید رکن بننا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ کمزوروں کی امداد کرے اور انکے لیے ترقی کا سامان پیدا کرے اور اپنے بھائی کو حقیر نہ سمجھے اسی طرح قوموں۔ ملکوں اور حکومتوں کے لیے بھی ان امور کی ویسی ہی ضرورت ہے۔ اور جب تک دنیا کی اقوام اور حکومتیں ان اصولوں کو مدنظر نہ رکھیں گی کبھی دنیا میں امن قائم نہ ہوگا اور روحانی دنیا کے بنانے کی خواہش دلوں میں پیدا ہو ہی ہے کبھی وجود میں نہ آئیگی۔ اس جنگ کو دیکھو جو اسوقت لڑی جا رہی ہے۔ اسکی سوائے اسکے وجہ کیا ہے کہ بعض ملک اپنی ذاتی ترقی پر قانع نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے ملکوں اور اپنی سرحدوں کے پار اور دور جاکر دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں پر حکومت کریں۔ اور انکی دولت و مال سے فائدہ اٹھائیں۔ اس خواہش کو سوائے دلوں کی اصلاح اور اخلاق کی درستی کے کونسی چیز دبا سکتی ہے۔ طاقت سے اگر یہ خواہش دبا بھی دی جائے تو پھر کچھ سال کے بعد دوبارہ کسی اور شکل میں اور شاید کسی اور قوم میں یہی خواہش پھر ظاہر ہو جائیگی۔ لیکن اگر دنیا یہ فیصلہ کرلے کہ سب کی سب اقوام انسانی افراد کی طرح اپنے آپ کو اصول اخلاق کے تابع سمجھیں گی اور ان پر اسی طرح کاربند ہوں گی۔ جس طرح کہ انسانی افراد کی نسبت امید کی جاتی ہے کہ وہ کاربند ہوں تو یقیناً ملک گیری کی ہوس نہ صرف ایک قوم کے دل سے بلکہ سب قوموں کے دل سے اور نہ صرف ایک وقت کے لیے بلکہ ایک لمبے زمانہ تک کے لیے نکل جائیگی۔

وہ مقدس کتاب جسکے پیرو ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے اس بارے میں نہایت لطیف تعلیم دیتی ہے۔ وہ فرماتی ہے:- لا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیوة الدنیا لنفتنهم فیه، ورزق ربک خیر وابقی۔ یعنی چاہیے کہ کوئی قوم اس دولت اور طاقت اور سامانوں کی فراوانی کی طرف جو دوسری بعض اقوام کو حاصل ہوں، آنکھیں اٹھا اٹھا کر نہ دیکھے۔ یہ تو سب کچھ زندگی کی زیبائش کی اشیاء ہیں اور انکی پیدائش کی غرض صرف یہ ہے کہ انکے ذریعہ سے اقوام کی اندرونی قابلیتوں کو ظاہر کیا جائے۔ اور خدا تعالیٰ نے جس ملک کی ترقی کے لیے جس رنگ میں سامان ذاتی قابلیتوں کے اظہار کے لیے موجود کیے ہیں تو پھر قوموں کو ایک دوسرے پر تصرف پیدا کرکے انکے معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔

اسی طرح وہی مقدس کتاب فرماتی ہے، ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امة هی اربی من امة۔ یعنی اس عورت کی طرح مت بنو جو سوت کات کات کر ڈھیر کرتی رہی اور جب کافی مقدار سوت کی جمع ہوگئی تو بجائے اسکے کہ کپڑا بننے کے کام میں لاتی اس نے اس سوت کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سوت کے تیار ہونے سے جو امید تھی اور محنت کا نفع بھی اسے حاصل نہ ہوا بلکہ اسکی کوشش اور محنت اور مال سب ہی اکارت گئے۔ یہ مقدس کتاب فرماتی ہے کہ یہ مثال ان قوموں اور ملکوں کی ہے جو آپس میں معاہدات کرتے ہیں۔ اور بظاہر دنیا میں امن قائم کرتے ہیں۔ لیکن بعد میں ان معاہدات اور دوسرے تعلقات کے ذریعہ سے اپنی معاہد قوم سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور انکے اندرونی نظام میں رسوخ اور نفوذ پیدا کرنا چاہتے ہیں جس سے دلوں میں کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور گو ایک قوم طاقتور اور دوسری کمزور ہو جاتی ہے مگر وہ اتحاد جو معاہدات کی اصل غرض ہے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے پیدا ہونے کا امکان بھی مٹ جاتا ہے۔ جس طرح تاگے کو اگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ دیا جائے تو اس سے کپڑا بننے کا کام ناممکن ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں امن قائم رہے تو اس قسم کے معاہدات نہ کرو بلکہ چاہیے کہ تمہارے معاہدات کی غرض اقوام کے رشتے کو مضبوط کرنا ہو اور کمزور قوموں کو اپنا تابع اور کمزور کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا مدنظر نہ ہو۔

دونوں ایسے زریں اصول ہیں کہ اگر مدنظر رکھے جائیں تو دنیا فساد اور فتنے سے بکلی محفوظ ہو جاتی ہے اور ایک ایسی دنیا کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے کہ جو موجودہ دنیا سے بالکل نئی فتنوں سے پاک اور امن اور صلح کے سامانوں سے پر ہو۔

غرض ایک نئی دنیا صرف سیاسیات اور موجودہ حالات کی معمولی درستی سے کسی صورت میں پیدا نہیں کی جا سکتی۔ ایسی تمام کوششیں رائیگاں جائینگی اور فساد اگر آج مٹا دیا جائیگا تو کل پھر پیدا ہوگا۔

اس نئی دنیا کی بنیاد صرف اور صرف اخلاق فاضلہ پر ہی رکھی جا سکتی ہے جبکہ بنی نوع انسان یہ فیصلہ کرلیں کہ اقوام اور حکومتیں بھی اخلاق کی حکومت کے تابع رہیں گی اور مختلف ناموں اور مختلف بہانوں سے غیر قوموں اور غیر ملکوں کو کمزور کرکے اپنی قوت بڑھانے کی کوششوں کو کلی طور پر ترک کر دیں گی جب تمام بنی نوع انسان اس مسلک کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیں گے۔ اور جن سے غلطی ہو چکی ہے وہ اسکی اصلاح کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے تب یقیناً ایک ایسا نظام دنیا میں قائم ہوگا جو پائیدار بھی ہوگا اور پرامن بھی۔ اور تب چھوٹی اور بڑی قومیں اور کمزور اور زبردست قومیں یکساں امن سے بسر کر سکینگی۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ حرص اور لالچ جو اسوقت دنیا کے امن کو برباد کر رہے ہیں انکا قلع قمع کرنے کے لیے مناسب تدابیر کی جائیں۔ ان تدابیر کو اختیار کرکے ہی دلوں کے اندر وہ صفائی پیدا کی جا سکتی ہے جسکا پیدا ہونا نئی دنیا کے ظہور کے لیے ضروری ہے۔ یہ تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:-

اول۔ چاہیے کہ سود کو دنیا سے بالکل مٹا دیا جائے۔ کیونکہ ایک تو سود کے کاروبار سے مال جمع کرنے اور بڑھانے کی حرص کو حد سے زیادہ بڑھاوا ملتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرص بڑھ جائے تو پھر اسکو حد میں رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اور ایسی بڑھتی ہوئی حرص ہی قوموں پر قوموں کی چڑھائیوں اور ظلموں کا موجب ہوتی ہے۔ پھر سود کے ذریعہ سے دنیا کی دولت چند ہوشیار لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور ایک تو خود ان کے ملک کا بہت سا حصہ غربت اور افلاس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دوسرے جب انکے اپنے ملک میں ترقی کے ذرا

محدود ہو جاتے ہیں۔ تو پھر سود خوار لوگ اپنی اپنی حکومتوں پر تصرف حاصل کرکے غیر قوموں کو لوٹنے کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس طرح فسادات اور جنگ کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

میرے نزدیک دنیا کے تاریک ترین دنوں میں سے ایک دن وہ تھا جبکہ مختلف اقوام نے یہ قرار دیا کہ سود دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو غریبوں سے لیا جاتا ہے یہ تو ناجائز ہے۔ اور دوسرا وہ جو تجارتی کاروبار کے لیے ہو۔ یہ البتہ جائز ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ دونوں قسم کے سود ناجائز ہیں اور لعنت ہیں۔ جو سود غریبوں سے لیا جاتا ہے وہ افراد کے لیے لعنت ہے اور جو تجارتی کاروبار کے لیے لیا جاتا ہے وہ قوموں اور حکومتوں کے لیے لعنت ہے۔ اسی سود کی وجہ سے موجودہ زمانہ کی اکثر جنگیں لڑی گئی ہیں۔ اور یہی سود جنگ کو مالداروں کا مشغلہ بنائے رکھتا ہے۔ اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ان دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کرکے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ سود بھی حرام ہے جو غریبوں سے لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو تاجروں اور کارخانہ داروں اور دیگر پیشہ لوگوں کو روپیہ دے کر لیا جاتا ہے بلکہ قرآن کریم نے صاف فرما دیا تھا کہ ایسے سود کا نتیجہ جنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے حالات نے اس سچائی کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے۔

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام تجارتی کاروبار سے نہیں روکتا بلکہ تجارتی کاروبار اور شراکتوں کے لیے ایسے اصول اسلام نے وضع کر دیے ہیں جن پر عمل کرنے سے افراد اور قومیں سود کی مضرتوں سے محفوظ رہتے ہوئے زیادہ انفرادی اور قومی فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

دوسرے۔ چاہیے کہ روپیہ جمع کرنے کے امکانات کو کم کیا جائے۔ کیونکہ ان سے بھی حرص بڑھتی ہے۔ اور چند افراد کو قوموں اور ملکوں پر بغیر ذاتی قابلیت کے حکومت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ جس شخص کے پاس روپیہ کی صورت میں دولت ہو اُسکے راس المال پر نہ کہ اُسکے نفع پر حکومت ایک ٹیکس لگا دے۔ اس طرح ایک طرف تو لوگ روپیہ جمع کرنے کی عادت چھوڑنے پر مجبور ہونگے۔ اور روپیہ بیکار پڑا رہ کر ملک کی مالی حالت کی خرابی اور چند افراد کی ناجائز طاقت کا موجب نہ ہوگا۔ اور دوسری طرف اس ٹیکس کی آمد قوم کے کمزور حصہ کو ترقی دینے میں صرف ہو کر تمام قوم کی ترقی اور مضبوطی کا باعث ہوگی۔

تیسرے۔ یہ قانون جو بعض ممالک میں رائج ہے کہ ورثہ صرف بڑے لڑکے کو ملتا ہے۔ اس سے بھی مصنوعی ذرائع سے بعض افراد کو طاقتور بنا دیا جاتا ہے اور ایک طرف تو جھوٹے تفوق کا خیال بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف چند افراد کو نسلاً بعد نسلٍ ایسی قوت دیدی جاتی ہے جو انکو دوسرے بنی نوع انسان پر ناجائز حکومت کرنے کا موقع دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے تمام قانون جو وراثت کو محدود کرتے ہیں بالکل منسوخ ہونے چاہییں تاکہ مال اور طاقت بعض خاص افراد کا حق بنکر نہ رہ جائیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی شخص مال اور دولت میں ترقی کرے تو اسکی دولت اور اسکا مال اسکے بعد لازماً اس کی تمام اولاد اور دیگر رشتہ داروں میں تقسیم ہو کر اس خاندان کو دوبارہ دوسرے چھوٹے خاندانوں کی صف میں لا کھڑا کرے۔ یہاں تک کہ ایک دو نسلوں میں وہ باقی لوگوں کی طرح ہو جائیں۔ اور ان میں سے وہی لوگ ترقی کریں جو ذاتی قابلیت رکھتے ہوں۔ اور انکی ترقی اُنکے ملک اور باقی دنیا کیلیے مفید ہو۔

چوتھے۔ تمام بنی نوع انسان کو برابر قرار دیا جائے۔ اور کسی نسل اور قوم کو دوسری نسلوں اور قوموں سے برتر تسلیم نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں بھی ایک قوم کو دوسری قوم پر اور ایک نسل کو دوسری نسل پر حکومت کرنے یا حاصل شدہ حکومت کو قائم رکھنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

پانچویں۔ سب حکومتوں کا فرض قرار دیا جائے کہ تمام افراد ملک کے کھانے۔ کپڑے۔ مکان اور تعلیم کی ذمہ دار ہوں۔ تاکہ وہ ہزاروں روحیں جو بیماری کی وادیوں میں پیدا ہوتے ہوئے حیوانوں کی طرح بغیر اپنی قابلیت کا جوہر دکھائے دنیا سے گزر جاتی ہیں انہیں اپنی قابلیتوں کے جوہر دکھلانے کے مواقع حاصل ہوں اور دنیا فطرت کے ان قیمتی خزانوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ اور حکومت طاقت اور اختیارات صرف چند خاندانوں یا افراد کا حق نہ بنے رہیں۔

چھٹے۔ نقد روپیہ کے عوض تجارت کے طریق کو جہاں تک ہو سکے محدود کیا جائے اور تبادلہ اشیاء کے طریق کو زیادہ سے زیادہ رائج کیا جائے تاکہ مالدار اقوام غریب ملکوں کی دولت کو سستے داموں نہ لوٹ سکیں۔ اگر ان چھ امور پر عمل کیا جائے تو اس سے انسانی ذہن میں ایسی تبدیلی پیدا ہونی ممکن ہے جو اسے لالچ اور حرص سے آزاد کر دے۔ اور اقوام آپس میں محبت اور پیار سے رہ سکیں۔

لیکن چونکہ باوجود پوری احتیاط کے پھر بھی بعض دفعہ خرابی کہیں نہ کہیں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس نئی دنیا کو دوام و ثبات عطا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آئندہ سب حکومتیں اور قومیں اس نفسی نفسی کی پالیسی کو جو اب رائج ہے ترک کر دیں۔ اور سب مل کر یہ عہد کریں کہ آئندہ کمزور ترین ملک پر بھی اگر کوئی اور ملک حملہ کریگا۔ تو اول تو وہ بیچ بچاؤ کرکے صلح کرانے کی کوشش کرینگی۔ اور اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنی ساری کی ساری طاقت کے ساتھ ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کریں گی۔ جب تک تمام یا اکثر حکومتیں اس ذمہ داری کو قبول نہ کرینگی ظلم دور نہ ہوگا۔ اگر منچوریا اور ابی سینیا کی جنگوں کے موقع پر دنیا کی حکومتیں اپنی ذمہ داری کو سمجھتیں اور ادا کرتیں تو آج کی جنگ کبھی نہ ہوتی۔ اور جو نقصان دنیا کو آج ہو رہا ہے، اس وقت اس سے ہزاروں حصے کم نقصان اٹھا کر امن ایک لمبے عرصہ کے لیے قائم کر دیا جاتا۔

بغیر ان تدابیر پر عمل کیے ایک نئی دنیا کے بنانے کا خیال محض ایک وہم ہے جو کسی صورت میں پورا نہیں ہو سکتا۔ مگر اصل اور یقینی ذریعہ جس سے ایک نئی دنیا پیدا کی جا سکتی ہے اور جس میں یہ سب تدابیر اور انکی تمام تفاصیل شامل ہیں، یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان اُس خدائے قدیر و حکیم کی طرف جھکیں، جو دنیا کا پیدا کرنے والا ہے اور جو انسان کی پیدائش کی غرض کو خوب جانتا ہے۔ اور اس سے عرض کریں کہ اے رحمتوں اور فضل والے خدا! تو نے ہم کو ہر قسم کے آرام اور راحت کے سامان بخشے تھے، مگر ہم نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور ان ہی سامانوں کو اپنے لیے زحمت اور عذاب کا سبب بنا لیا۔ اب تو ہم پر رحمت کی نظر سے دیکھ۔ ہم اپنے ہاتھوں کے کیے سے بیزار ہو کر تیری طرف اور صرف تیری طرف جھکتے ہیں اور تیری خالص توحید کا اقرار کرتے ہوئے تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو ہم پر اپنا فضل اور رحم فرما۔ اور اس دنیا کو ہمارے لیے آرام و سکون کی جگہ بنا دے۔ اور وہ نیا نظام قائم کر دے جس سے ہمارے یہ دکھ دور ہو جائیں۔ اور اگر اس نظام کے قیام کا سامان تو نے پیدا کر دیا ہے تو ہماری توجہ اس طرف پھیر دے اور ہمیں اسکے قبول کرنے اور اس سے

سورۃ البقرۃ ع ۴

(بہ سلسلۂ صدق ۱۹۰)

۳۰- وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ	اور (وہ وقت یاد کرو)[۱۹۱] جب کہا تیرے رب[۱۹۲] نے فرشتوں[۱۹۳] سے، بیشک میں بنانا چاہتا ہوں زمین[۱۹۴] پر (اپنا) نائب[۱۹۵] - وہ بولے[۱۹۶] کیا تو بنائیگا اس میں ایسے کو جو فساد برپا کرے اس میں اور خون بہائے؟ درآنحالیکہ ہم تسبیح کرتے رہتے ہیں تیری حمد
قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	اور تیری پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، اس (اللہ) نے کہا بیشک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

۱۹۱ اِذْ کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر آتا ہے۔ بعض نے اذکر اسکے قبل مقدر مانا ہے۔

وهو نصب باضمار اذکر والمعنی اذکرهم الکبیر واذکروا اذ قال ربکم آدم (ابن جریر) تقدیرہ واذکر اذ قال (کبیر)

ابو عبیدہ لغوی نے کہیں کہدیا تھا کہ اذ یہاں زائد ہے۔ اسکی شدید تردید اہل لغت اور اہل تفسیر دونوں نے کی ہے۔ ورده ابن جریر قال القرطبی وکذا رده جمیع المفسرین (ابن کثیر) قال ابن اسحٰق هذا اقدام من ابی عبیدة (لسان) قال الزجاج هذا اجترام من ابی عبیدة (ابن کثیر)

۱۹۲ (آفرینش آدم کے وقت)

رکوع اول میں بیان تھا فطرت انسانی کا، کہ قرآن کے مخاطبین میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک اسکے پیام کو قبول کرنے والے، صالح وسلیم فطرت والے - دوسرے اس سے انکار کرنے والے۔ دوسرے رکوع میں مخاطبین کی ایک تیسری نوع کا بیان تھا۔ تیسرے رکوع میں اصل پیام سنایا گیا، یعنی توحید و رسالت کی تبلیغ کی گئی۔ اب اس چوتھے رکوع میں اس پیام کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یعنی یہ پیام ابتداءً مورثِ نسل انسانی حضرت آدمؑ کو دیا گیا اور اُن سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا آیا ہے۔

۱۹۳ ملک کے اصل معنی پیغامبر کے ہیں۔ والملٰئکة الرسالة ومنه الملک لانه المبلغ رسالته (راغب) اور ملائکہ کا اصل کام پیام رسانی ہی ہوتی ہے بین الالوکة وهی المرسالة فهم رسل الی الناس کالرسل الیهم (روح)

فرشتے نوری مخلوق ہیں۔ عادةً انسان کیلیے غیر مرئی رہتے ہیں۔ وجود خارجی رکھتے ہیں، محض صفات الٰہیہ یا قوائے طبعیہ کے مترادف نہیں۔ مختلف شکلیں حسب ضرورت اختیار کرسکتے ہیں۔ اجسام لطیفة هوائیة تقدر علی التشکل باشکال مختلفة مسکنها السموات وهذا قول اکثر المسلمین (کبیر) ذهب اکثر المسلمین الی انها اجسام لطیفة قادرة علی التشکل باشکال مختلفة مستدلین بان الرسل کانوا یرونهم کذلک (بیضاوی)

تعداد انکی اللہ ہی کے علم میں ہے۔ وجود میں انسان پر تقدم زمانی رکھتے ہیں۔ سرشت معصومانہ ہوتی ہے، یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے، خالق کے فرماں بردار وخادم ہوتے ہیں۔ مخلوق، محکوم، اور بندے ہوتے ہیں۔ بالکل انسان ہی کی طرح، یہ خود کوئی معبودانہ یا نیم معبودانہ حیثیت دیوی دیوتا کی طرح مطلق نہیں رکھتے۔ اور یہیں سے رد ہوجاتا ہے ان تمام مذاہب کا جنھوں نے ملائکہ کو خواہ کسی نام سے، خواہ دیوی دیوتا قرار دے کر، خالق و مخلوق کے درمیان ایک برزخ کا درجہ دے رکھا ہے۔

۱۹۴ در مشرق! بعض اہل تفسیر نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ تخلیق تو ساری ہی مخلوق کی ہوئی ہے، جنات کی بھی اور ملائکہ کی، جنت کی بھی اور عرش کی بھی۔ لیکن اور کسی کے بھی ارادہ تخلیق کے ذکر کا اہتمام قرآن نے نہیں کیا۔ یہ تو صرف خلقتِ آدمؑ کے حصہ میں آیا، اور یہ دلیل ہے آدمؑ کی تفضیل اور اشرفیت کی۔ ولم یقل انی خالق عرشا او جنة او ملکا وانما قال ذلک تشریفا وتخصیصا لآدم (بحر)

۱۹۵ (تنفیذ حکومت الٰہی کیلیے) اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف و مرتبہ! دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان کو اس بلند مرتبہ پر نہیں رکھا ہے۔ اور مذاہب شرکیہ کا تو خیر ذکر ہی نہیں، خود یہودیت و مسیحیت بھی اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہیں۔ بائبل میں اس موقع پر صرف یہ ذکر ہے:-

"خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے، اور زمین سے بخار اٹھتا تھا، اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا۔ اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا، اور اسکے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا، سو آدم جیتی جان ہوا۔"

(پیدائش ۲: ۵ - ۷)

گویا جس طرح اور سب حیوانات پیدا ہورہے تھے، ایک جانور آدم بھی پیدا ہوگیا جسکا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ "زمین کی کھیتی کرے"! کہاں یہ اتنا طویل لیکن مغز سے خالی بیان اور کہاں قرآن کا باوجود شدت اختصار اتنا بلند و جامع مضمون!

نائب یا خلیفۃ اللہ وہ ہے جو روئے زمین پر شریعت الٰہی کی حکومت قائم کرے۔ یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ انسان کو جو قوی ملیں گے وہ اسی غایت و مقصود یعنی منصب خلافت الٰہی کے تناسب ملیں گے۔

یخلفنی فی الحکم بین خلقی وذلک الخلیفة هو آدم ومن قام مقامه فی طاعة الله والحکم بالعدل بین خلقه (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ) خلیفة الله فی ارضه لاقامة احکامه وتنفیذ قضایاه (معالم)

نسل انسانی خود اپنی صلاح و فلاح کیلیے اسکی محتاج تھی اور محتاج ہے کہ کسی اپنے ہم جنس کے واسطہ سے شریعت الٰہیہ سے استفادہ کرے اور سلسلۂ نبوت اسی غرض سے قائم ہوا۔ وکذلک کل نبی استخلفهم الله فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفیذ امره فیهم (بیضاوی)

۱۹۶ (بطور اعتراض یا گستاخی نہیں، بلکہ وفور نیازمندی، فرط وفاداری و جوش جاں نثاری سے)

لیس علی وجه الاعتراض علی الله ولا علی وجه الحسد لبنی آدم کما قد یتوهمه بعض المفسرین (ابن کثیر) ولیس باعتراض علی الله تعالیٰ ولا طعن فی بنی آدم علی وجه الغیبة فانهم اعلی من ان یظن بهم ذلک (بیضاوی)

حیثیت و تہذیب عظیم کو گوارہ ہو جائیگی۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو قولی حدیثیں
ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ تو موجود نہ تھیں
لیکن آپ نے اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ اور اپنی کھلائی اُم ایمن حبشیہ
کے ساتھ جس احترامی برتاؤ کو عمر بھر جاری رکھا۔ اس سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ ایک امتی کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے۔ مشہور بات ہے
اور مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ نہ صرف
حلیمہ سعدیہ بلکہ انکے شوہر، انکے صاحبزادوں تک کے لیے سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ
والتسلیمات اپنی ردائے مبارک کو فرش کی جگہ بچھاتے تھے۔ (ہوازن کے اسارٰی
جنگی قیدیوں) پر صرف اس لیے رحم کیا گیا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی رضاعی ماں کا وسیلہ ڈھونڈھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ
خادمِ خاص راوی ہیں کہ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی کے
پاس حضور کے ساتھ ایک دن میں بھی گیا۔ ام ایمن نے شربت کا ایک
گلاس پیش کیا۔ حضور نے روزہ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے چاہا کہ پینے
سے انکار کریں۔ سننے کی بات ہے کہ عرب کی ایک بوڑھی خادمہ آسمان و زمین
کے بادشاہ کے ساتھ اس شکل میں پیش آتی ہیں کہ انس انکی تعبیر ان الفاظ
میں فرماتے ہیں فجعلت تصخب علیہ وتذمر علیہ (مسلم) ام ایمن آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر چیخنے اور چلانے لگی یعنی پینے پر زبردستی کے ساتھ
اصرار کیا جیسے ایک بڑا اپنے کسی عزیز کو کھانے پلانے پر اصرار کرتا ہے)
لیکن اس سارے صخب (چیخ) اور ذمر کا جواب زیر لب تبسم کے سوا اور
کیا ہو سکتا تھا؟ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی آیات اور احادیث طیبات
کے ذکر کے بعد آخر میں عرض کیا گیا۔ لیکن اسکے ساتھ بخاری اور مسلم ہی
کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ (الساعت) قیامت کے شرائط کے متعلق
جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل امین نے دریافت فرمایا گیا کہ
ان تلد الامۃ ربتہا (صحاح) لونڈی اپنی ربّہ (آقائن اور مالکن) کو جنیگی۔
محدثین حدیث کے اس فقرہ کی شرح میں مختلف ہیں، لیکن ایک مطلب
اس کا یہ بھی ہے کہ پچھلی نسلیں پہلی نسلوں کی خادم ہونے کی جگہ الٹا ان پر
آقائی کرینگی حتیٰ کہ آزاد شریف عورت نہیں بلکہ لونڈی تک کے پیٹ
سے لڑکا نہیں بلکہ جو لڑکی پیدا ہوگی وہ اپنی ماں کی ربّہ (آقائن اور مالکن)
بن جائیگی۔ گویا خاندانی ارکین کے ہزارہا ہزار سال سے جو تعلقات چلے
آرہے تھے وہ الٹ جائینگے جس سے منزلی زندگی کا نظام درہم برہم
ہو جائیگا۔ اور خاندانی نظام کی بربادی قوم کی بربادی ہے۔ جب ہر قوم اسی
حال میں مبتلا ہو جائیگی تو انسانیت کا نظام پراگندہ و منتشر ہو جائیگا اور
یہی عالم کی تباہی کا پیش خیمہ ہو جائیگا۔ آج یورپ اسی معکوس تمدن
کا علمبردار بن کر اپنے گھروں کو بگاڑ کر اب مشرق کے گھرانوں کو اجاڑنے
کے درپے ہی ہے۔ اسکول اور کالج کی وہ کتابیں جن کے متعلق لسان العصر
مرحوم نے فرمایا تھا ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جنکو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

کتابوں کے زہریلے اثرات و نتائج بتدریج مشرقی ممالک کے خاندانوں میں
سرایت کر رہے ہیں۔ ماں کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ بچوں کو پال کر جوان
کر دے، اور باپ کا فریضہ فقط یہ ہے کہ جہاں سے بھی ہو اسکول و کالج کی زندگی
کے مصارف جن میں فیشن سینما، رقص و سرود وغیرہ کے مصارف بھی داخل ہیں
انکی بجا آوری صاحبزادہ کے لیے مسلسل کرتا رہے اور جب پچیس تیس سال
کی عمر کے بعد کچھ کمانے کھانے کی صلاحیت پیدا ہو تو نسوانی حقوق کے
محافظ بن کر وہ اپنے جوڑے کے ساتھ جہاں جی چاہے "ہنی مون" مناتے
پھریں۔ بڈھی ماں، خبطی اور کھوسٹ باپ شہر کے جس کوچہ اور گاؤں کی
جس گلی میں چاہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیں۔ آج اس خبیث مغربی تمدن
کی موجیں مشرق کے شریف گھرانوں کو دھکیاں دے رہی ہیں۔ کتنے خاندان
گر چکے اور گرنے والے تھے کہ ہو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ،
وہی ہے جو بارش کو بھیجتا ہے جب وہ ناامید ہو چکتے ہیں اور اپنی رحمت
پھیلا دیتا ہے۔ عین وقت پر مشرق کی عظیم ہستی، علوم کا سلطان، سند
کی سب سے بڑی حکومت کے مطلق العنان بادشاہ خلد اللہ ملکہ کو ماہ تیر
کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں پرانی حویلی سے مسجد جودی تک پیادہ پا چلتے
ہوئے اس حال میں پایا گیا کہ آگے آگے مادرِ مشفقہ (مادر دکن) غفر اللہ لہا
کا جنازہ جا رہا تھا اور پیچھے پیچھے اورنگ مغل اور دیہیم آصفی کا وارث
اپنے وزرا و امرا کے درمیان اپنی ماں سے بچھڑے ہوئے فرزند کا سچا نمونہ
پیش کر رہا تھا۔ بیسویں صدی کے تاریک عہد میں برالوالدتی کی (حضرت مسیح
علیہ السلام کی زبانی قرآن نے منجملہ دیگر خصوصیتوں کے انکی اس خصوصیت
کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ بڑے حسن سلوک کرنے والوں
میں سے تھے) پیغمبرانہ نسبت کا آفتاب یوں عملی طور پر تم سب کے سامنے
درخشاں ہوا جن کی آنکھوں میں نور ہے وہ دیکھیں اور جن کی قسمتوں میں
سعادت ہے وہ تاریخ کے ان جاگتے ہوئے حروف کو پڑھیں۔ حالانکہ جہاں
تک میرا علم ہے، ماں کے جنازے کے پیچھے پیچھے پیادہ پا چلنے سے پہلے بادشاہ
نے دو دن سے کافی کی ایک پیالی سے زیادہ کچھ اور نہیں نوش فرمایا۔ اور یہ تو
آخری دن کی بات تھی، بیماری کے طویل دنوں میں چوبیس گھنٹوں کے اندر
ماں کے قدموں کے نیچے ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈیڑھ کروڑ انسانوں کے
مالک فرزند کو لوٹتے ہوئے کس نے نہیں دیکھا تھا۔ فللہ الحجۃ البالغۃ۔

طلبۂ جامعہ سے عرض کیا گیا تھا وہ قرآن کی آیتیں اور یہ رسول پاک
کی حدیثیں تھیں جو آپ کو میں نے سنائیں لیکن سچ یہ ہے کہ انھیں قرآنی
آیات اور نبوی ارشادات کی عملی شکل کو آپ کے اور ہمارے آقا خلد اللہ
ملکہ نے کر کے دکھایا ہے۔ پھر کیا ہم سب کے لیے وقت نہیں آگیا ہے کہ
دکن کی اس عظیم قربانی (وفات مادر دکن) کی قیمت کو ضائع ہونے سے
ہم بچا لیں۔ حقوق الوالدین کے بھولے ہوئے سبق کا آپ کو آپ کے مصلح
بادشاہ نے عملی قالب میں درس دیا ہے لیطول بقاءہ۔ پھر ہم میں کون ہے جو
ان سے بھی زیادہ بڑائی کا دعویدار ہو۔ لیکن ہم میں جو سب سے بڑا اور سب
سے اونچا ہے جب اپنی ماں کے سامنے اُس نے اپنے کو سب سے چھوٹا کر کے
دکھایا ہے تو چھوٹا کر کے دکھایا ہے تو جو چھوٹے ہیں اُن کو سوچنا چاہیے کہ
اپنے والدین کے سامنے انھیں کیا بننا چاہیے۔

عرض کیا گیا تھا جیسا کہ آپ نے بھی مقالۂ افتتاحیہ میں ارشاد فرمایا ہے
کہ موت و حیات اس زندگی کا اٹل قانون ہے۔ میں نے قرآن کی آیت

الف جانسنہ کے مجروح پر مرہم رکھنے کے لیے تلاوت کی تھی کہ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔ نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکن رسول ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر واپس ہو جاؤ گے۔ اسی کے بعد اس تازہ ترین اعلان کیا ہے "وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا موجلا۔ کسی جان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کے حکم اور اذن کے بغیر مر جائے (موت) اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت سے بندھا ہوا قانون ہے۔

پس سب اپنے اپنے وقت پر اس "کتاب موجل" کے تحت ہر ایک کو مرنا ضروری ہے، لیکن مبارک ہیں وہ ہستیاں جو قدرت کی کسی مرحمت و بخشش کو بے قیمت بنا کر نہیں کھوتیں [illegible] آیات اللہ کا مطالعہ کرتی ہیں اور ایسے وقت [illegible] لیتی ہیں۔ یقیناً [illegible] زندگی الٰہی زندگی سے ہی کوئی الا [illegible] ان میں سے ہیں جن میں قوموں کی زندگیاں پوشیدہ ہوں۔ حضرت "اکبر" [illegible] ذات حسرت آیات سے ہمارے اور آپ کے راہنما رہبر ارشاد [illegible] قوموں کی حیات [illegible] موت [illegible] وہی [illegible] آج [illegible] مشرق کو [illegible]

پلٹ پڑے! یقیناً اس کا محل [illegible] گیا اور خدا نے ہم میں جس ذات گرامی کو سب سے اونچا بنایا ہے انقلاب کی یہ آواز اسی کی زبان سے آ رہی ہے۔ انشاء اللہ چھوٹوں کے لیے یہ انقلابی اقدام [illegible] دعوت [illegible] کریگا۔

آخر میں "اودھ" [illegible] رحمۃ اللہ علیہا [illegible] کی مغفرت کی دعا [illegible] کی آمیزش کے [illegible] ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

جہاں تک حافظہ نے مدد کی، اپنی تحریر کے الفاظ اور معانی کو اس مضمون میں سمیٹنے کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ خدا کرے کہ لوگ اس واقعہ کی اہمیت کو سمجھیں اور [illegible] کہ تاریخ نے مشرقی گھرانوں میں پھر پرانی روشنی واپس ہو جائے وہ تاریکی دور ہو جو دین [illegible] میں پھیلا چکا اور پھیلا رہا ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ [illegible]

(بقیہ صفحہ [illegible])

[illegible] کہ سامنے کوئی مفہوم نہ پیدا ہوا۔ راغب نے اسی لیے شرح [illegible] کلام کرکے آخر میں کہا ہے ان معرفۃ الاسماء لاتحصل الا بمعرفۃ المسمی وحصول صورتہ فی الضمیر (یعنی اسم کی معرفت بغیر مسمی کی معرفت کے ہو نہیں سکتی۔ اور صاحب تاج نے اسی پر کہا ہے وھو کلام نفیس۔

چنانچہ آیت کی تفسیر میں محققین نے اسماء کے ساتھ ساتھ مسمیات اور ذوات و خواص اشیاء سب کو شامل کیا ہے۔ فالمراد الانواع [illegible] الکلام وصورۃ المسمیات فی ذواتہا (راغب) یعنی علم اسماء و اشیاء کا اور انکے آثار و خواص کا۔ الہمہ معرفۃ ذوات الاشیاء وخواصہا واسمائہا واصول العلوم وقوانین الصناعات وکیفیۃ آلاتہا (بیضاوی) اراد الاجناس التی خلقہا وعلمہ [illegible] اسمائہا ما یتعلق بہا من المنافع الدینیۃ والدنیویۃ (کشاف) اور روح میں [illegible] قول نقل ہوا ہے۔ وقال الامام المراد بالاسماء صفات الاشیاء ونعوتہا وخواصہا لانہا علامات دالۃ علی ماہیاتہا فجاز ان یعبر عنہا بالاسماء۔

[illegible] واللہ اکبر! یہ مقام ہے انسان کی فضیلت کبریٰ کا! حیف ہے کہ وہ

دیوتا پرستی میں مبتلا ہو جائے!

بہ مقام ذکر اللہ تعالیٰ فیہ شرف آدم علی الملائکۃ (ابن کثیر) فالمراد [illegible] اللہ تعالیٰ فضلہ علیہم بالعلم (معالم)

ثبتہ (۳) کہ فرشتوں پر بھی انسان کی صلاحیت اور منصب خلافت الٰہیہ سے اسکی مناسبت ظاہر ہو جائے)۔

فرشتوں کے سامنے جو چیز پیش کی گئی وہ ذو صورت [illegible] موجودات تھیں اور اسی لیے عرضہا نہیں بلکہ عرضہم ارشاد ہوا ہے۔ یعنی ضمیر وہ لائی گئی جو اہل عقول کے لیے لائی جاتی ہے۔ غیر ذی عقول اشیاء تبعاً وضمناً ان میں شامل ہو جاتی ہیں۔ گویا پہلی صورت [illegible] سے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص بتائے گئے۔ پھر خود ان مخلوقات کو ملائکہ پر پیش کیا گیا۔

عرض الخلق علی الملائکۃ (ابن جریر عن ابن عباس وابن مسعود) عرض تلک الاشیاء علی الملائکۃ (ابن جریر عن قتادہ) یعنی [illegible] المسمیات الاسماء التی علمہا آدم (ابن جریر) والمراد بہ ذوات الاشیاء او مدلولات الالفاظ (بیضاوی) انما قال عرضہم ولم یقل عرضہا لان المسمیات اذا جمعت من یعقل وما لا یعقل یکنی عنہا بلفظ من یعقل (معالم)

ہمارے ایک آواز

اردو کی موجودہ صحافت کے حلقہ میں ہفتہ وار معاصر "صدق" کو جو بلند مقام حاصل ہے وہ تعارف کا محتاج نہیں۔ اس ہفتہ وار صحیفہ سے مغربی زندگی کے ازالہ، یورپ کے فواحش کی پردہ دری اور اسلامی عقائد و روایات کے تحفظ کی غیر فانی خدمتیں انجام پا رہی ہیں۔ نیز اسلامی مسائل و مباحث پر بصیرت افروز، مدلل اور جامع مضامین کی اشاعت اسکا طرۂ امتیاز ہے۔ صدق کے محترم فاضل مولانا عبدالماجد دریابادی اردو کے ایک نامور انشا پرداز مانے جاتے ہیں۔ انکے چھوٹے چھوٹے شذرے ادب کے انمول جواہر قرار پاتے ہیں۔ اگر کسی دوسری زبان کے اس پایہ کے ادیب و انشا پرداز کی ادارت میں کوئی صحیفہ جاری رہتا تو وہ ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ مگر ہمیں مہتمم صدق کے ایک مکتوب سے یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ صدق کی مالی حالت اطمینان کے لائق نہیں۔ ضرورت ہے کہ خریداروں کے اضافہ سے خسارہ کو پورا کیا جائے۔

"صدق" پہلے "سچ" کے نام سے نکلتا تھا۔ مہتمم صدق کا بیان ہے کہ "سچ" کے پرچے غیر معمولی تعداد میں ہمارے صوبہ میں بھی آتے تھے۔ موصوف نے "سچ" کے خریداروں کی فہرست بھی بھیجی ہے۔ اسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بیشتر [illegible] کے حلقہ خریداران میں داخل ہیں۔ اس لیے یہ سطریں قلمبند کی گئی ہیں کہ "سچ" کے بند ہونے کے بعد "صدق" کے جاری ہونے کی اطلاع یا یاد دہانی کر دی جائے۔ ہمیں امید ہے کہ ارباب ذوق اس صحیفہ کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ نمونہ کے طور پر ہم آئندہ صدق کے کسی مضمون کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرینگے۔ (رسالہ [illegible] گیا)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

سید حسین احمد صاحب شیخ الہند دیوبند مدظلہ العالی کا عنوان

بابت درس علوم شرعیہ مدینۂ منورہ کا پڑھا تھا۔ یہاں تمہید خود مہر میں کوشش کی گئی تو صرف ۱۲ سے سترہ۔ دیہ بیر تو آخر تین پائی جمع ہوسکے تھے۔ ہم نے تحریری ہدایت کے مطابق مقام دہلی سے ترتیب کر کے حاجی علیجان صاحب مرحوم۔ جناب حافظ محمد زبیر صاحب کے پاس ۱۰ اگست ۱۹۲۱ء کو صرف تفصیل جمع کرا دیے ہیں اور رسید حاصل کر لی ہے۔ آپ کو اطلاعاً عرض ہے۔

معظم علیخاں مرحوم

افسوس ہے کہ ۱۰ اگست کو شب میں معظم علیخاں صاحب رامپوری نے ایک طویل علالت کے بعد اندور میں وفات پائی۔ اِنّا لِلّٰہ۔ اخبارات میں پھر ایک آدھ سطر اور کہیں ذکر نہیں آیا۔ خود اِسی نئی نسل کے پڑھنے والے یہ سوال اٹھائیں کہ یہ تھے کون؟ مولانا محمد علی کے عزیز قریب، اور انکی بیگم صاحبہ کے برادر معظم تھے۔ بیرسٹر اور ایک زمانہ میں تو علی گڑھ یونیورسٹی میں لکچرر تھے۔ آخر میں رامپور ہائی کورٹ کے چیف جج ہوگئے تھے۔ خیر یہ تو انکی ذاتی حیثیتیں تھیں، پبلک حیثیت یہ تھی کہ ۲۲-۱۹۲۳ء میں جب علی برادران کی نظربندی کے زمانہ میں مرکزی خلافت کمیٹی کے سکریٹری وہ ہوسکے، رح دواں تھے۔ ۱۹۲۱ء میں سرکار کو ستایا ان کا مقاطعہ، کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پروگرام کا اہم ترین جزو تھا۔ علی برادران اور گاندھی جی کی قید کے بعد، سی۔ آر۔ داس کی رہنمائی میں اسی کے خلاف بغاوت شروع ہوئی۔ ایک نئی پارٹی سوراج پارٹی کے نام سے قائم ہوئی، اور موتی لال نہرو، اور حکیم اجمل خاں مرحوم کے داخلۂ کونسل کی حمایت کے علمبردار خاص تھے۔ اس سیلاب کے روکنے کی قوت کس میں تھی۔ اچھے اچھوں کے پیر اکھڑ گئے۔ زبردست اور پر قوت مقابلہ صرف دو شخصوں نے کیا۔ ہندوؤں میں کانگریس کے ذریعہ سے راج گوپال آچاری نے، اور مسلمانوں میں خلافت کمیٹی کے واسطہ سے معظم علیخاں نے۔ معظم مرحوم کی علمی عظمت اور اہمیت کا وہ دور تھا۔ وہ دور جس نے دیکھا نہیں، وہ اب اُسے سمجھ نہیں سکتا۔ جس تدبر اور جس استقامت کا اس وقت انھوں نے ثبوت دیا تھا، وہ حضرت محمد علی کا سمجھا جا سکتا تھا۔ وضع اور چہرہ بھی (بہ داڑھی کے) اسلامیت کی تصویر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے خلافت کمیٹی ہی گم ہوگئی تو اسکے خادموں کو کون یاد رکھتا ہے؟

بمبئی اور رنگون کے ناظرین سے

مولوی عبدالرؤف خاں صاحب (مولوی عالم) صدر مدرسہ سراج العلوم جونڈیہ نگر۔ ڈاکخانہ رام دت گنج، ضلع بستی (یو۔ پی) علاقہ بمبئی اور رنگون کے ایسے اہل کرم کے نام جاننے چاہتے ہیں، جو علم دوست اور عقائد اہل سنت کے حامی ہوں۔ ناظرین صدق میں سے جو صاحب اس خدمت کا اجر لینا چاہیں، وہ براہ راست مولوی صاحب موصوف کو مطلع فرما دیں۔

نئی کتابیں

(۱) **تمدن اسلام کا پیام**، بیسویں صدی کے نام۔ از عبدالماجد۔ ۲۴ صفحے قیمت ۶ آنہ۔ پتہ: معتمد نشر و اشاعت، انجمن ادارۂ تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مدیر صدق کا ایک مقالہ جو علیگڑھ میں طلبہ و اساتذہ کے مجمع میں پڑھا گیا تھا۔ مع تبصرہ از مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی۔

(۲) **اقسام القرآن**۔ مترجمہ مولوی امین احسن صاحب اصلاحی۔ ۸۰ صفحے قیمت ۸ آنہ۔ پتہ: دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، ضلع اعظم گڈھ (یو۔ پی)

مشہور شارح و مفسر قرآن علامہ حمید الدین فراہی کے عربی رسالہ امعان فی اقسام القرآن کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ قرآن مجید میں جو قسمیں آئی ہیں، انکے متعلق جو اشکالات وارد ہوسکتے ہیں، اس رسالہ میں انپر نادر تحقیق و جامعیت کے ساتھ نظر کی گئی ہے۔ جوابات بعض دوسرے اکابر نے بھی اپنے اپنے رنگ میں دیے ہیں، لیکن اس رسالہ کی شان سب سے الگ، سب سے نرالی ہے۔ اس میں قسم کے فلسفہ، عربی ادب میں قسم کے مفہوم، قسم کے مقصد و غایت وغیرہ، سارے مباحث متعلقہ پر نہایت دقیقہ سنجی کے ساتھ گفتگو موجود ہے۔ جو اہل علم مسئلہ کے سارے پہلوؤں کو سمجھنا چاہتے ہیں، اُنکے لیے یہ ایک تحفہ بے بہا ہے، اور اُنکے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

اب تک یہ عربی میں تھا۔ اردو میں آجانے سے افادہ کا دائرہ کہیں زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ مترجم کے قلم کا یہ تعارف تحسین حاصل ہے۔ اس دور کے بڑے پرانے شناوروں میں وہ اپنے شیخ کی صحبت کی تصنیف کا ترجمہ کر رہے ہیں تو ترجمانی کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ ترجمہ ایک طرف تو تقریباً لفظی رہتا ہے، یعنی اصل کے زیادہ سے زیادہ قریب، اور دوسری طرف نہ خشک ہے نہ مغلق۔ اور ایک خاص قسم کی شگفتگی اور سکینت جو حضرت مصنفؒ کی صحبت میں محسوس ہوتی تھی، وہ اس ترجمہ تک میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

(۳) **فرعون قاہر**۔ از جناب حکیم اسمٰعیل حسن صاحب قریشی۔ ۲۰×۲۶/۸، ۵۳ صفحات، قیمت درج نہیں (غالباً ۶ آنہ) پتہ: تجارتی کتبخانہ۔ ۲۵۱ فریزر اسٹریٹ، رنگون۔ برما۔

فرعون کے جابر و قاہر سلطان مصر ہونے، بنی اسرائیل کے اُسکے ہاتھوں شدید اذیت اٹھانے، بالآخر اس سے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ لیکن متعدد علمی و تاریخی سوالات زمانہ حال میں اس قسم کے پیدا ہوگئے ہیں، کہ فرعون تو سلطان مصر کا ایک عام لقب ہوتا تھا۔ یہ مخصوص فرعون کونسا تھا؟ اُسکا زمانہ کونسا تھا؟ وہ ایک ہی تھا یا دو فرعون تھے؟ وقس علیٰ ہذا۔ ہمارے قدیم مفسرین نے اس جانب توجہ نہیں کی، اور انکو ضرورت بھی نہیں تھی۔ بائبل کے مفسرین نے سوالات کو حل کرنا چاہا، اور طرح طرح کے اشکالات میں مبتلا ہوگئے۔ تاہم اب تک ایک بڑی حد تک اسپر اتفاق تھا کہ وہ رعمسیس ثانی (۱۲۹۵ ق م

نئی کتابیں

(سلسلہ صدق ملاحظہ)

(۱۰) سید جمال الدین افغانی ۔ از قاضی عبدالغفار صاحب بی اے، ایڈیٹر پیام" صفحات ۲۳×۲۵ ۲۲۲ صفحات ۔ قیمت للعہ ۔ پتہ، انجمن ترقی اردو ۔ دریا گنج ۔ دہلی ۔

نوجوان تو نہیں لیکن اس سے قبل کی نسل کے پڑھے لکھوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے کانوں تک شیخ جمال الدین افغانی کی شہرت اور ذکر نہ پہنچی ہو ۔ لیکن شیخ کے کارناموں کی تفصیل سے واقفیت شاید گنتی ہی کے چند لوگوں کو ہو ۔ انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوئی یہ کتاب کہنا چاہیے کہ اردو میں اپنے موضوع پر پہلی مفصل و مستند کتاب ہے ۔

مصنف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنے ہیرو سے نہ صرف ہم خیالی اور عقیدت ہی نہیں بلکہ وہ بڑی مدت سے اسی کی دھن میں لگے رہے ہیں، اور علاوہ مطبوعہ ماخذوں کے ان کی رسائی شرق و مغرب کے بعض زندہ ماخذوں تک بھی رہ چکی ہے ۔ اور ان کا اردو کا انشا پرداز، بر جستہ مشق صاحب قلم ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود شیخ کی ذاتی اور پبلک زندگی دونوں سے حجاب پورے طور پر نہیں اٹھ سکے ہیں ۔ اور شیخ کی جو تصویر اس کتاب کی رو سے نظر کے سامنے آتی ہے، وہ عظیم الشان تو یقیناً ہے لیکن ساتھ ہی نامکمل اور دھندلی ہے ۔ مصنف کو تو خود اس کا احساس بھی ہے اور اعتراف بھی ؛

"شیخ کی سیاسی ذہنیت کا یہ خاکہ مکمل نہیں ۔ جس طرح یہ ساری کتاب نا مکمل ہے ۔ بہر حال ان سطور میں اس شعلہ برق رفتار کے جلووں کا ایک جلوہ منتشر منتشر موجود ہے" (ص۲۱۲)

مقدمہ کے بعد کتاب شیخ کے تین ادوار زندگی میں تقسیم ہے ۔ اور آخر میں بعض ضمیمے ہیں، اور شیخ کے چار اصل مقالے بھی ۔ فارسی اور وہ بھی جدید فارسی کے اقتباسات کتاب میں بڑی کثرت سے ہیں ۔ اسی طرح ایلیٹ کے روزنامچے کے ترجمہ میں انگلستان کے نا مانوس نام کثرت سے آئے ہیں ۔ ان دونوں چیزوں کے باعث، قاضی صاحب کی شگفتہ بیانی کے باوجود، کتاب عام فہم اور زیادہ دلچسپ نہیں رہی ہے ۔

کتاب لکھی ایک خاص نقطۂ خیال سے گئی ہے ۔ اس کی بسم اللہ بجائے بسم اللہ کے اتاترک کے ایک مقولے سے ہوتی ہے (ص) اور مقصود تالیف :–

مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ سید جمال الدین افغانی کی تمام اسپیری ولے ہیں مذہبی نہ تھی بلکہ زیادہ تر سیاسی تھی ۔ اور اس کے دامن سے سوائے ہندوستان کے تمام دنیا کے اسلامی ممالک کا دامن بندھا ہوا تھا ۔ (مقدمہ ، صفحہ س)

شیخ گویا اتاترک کے نقش اول تھے :–

"اتاترک کی وطنی تحریک کے سرسبز ہونے کے بعد سعد زغلول و سعد آباد شیخ کے اسی خواب کی تعبیر ہے، جو وہ آزاد اسلامی ممالک کے درمیان ایک سیاسی رابطہ پیدا کرنے کا دیکھا کرتے تھے ۔ ان تمام ملکوں میں جہاں شیخ نے کام کیا وطنیت کے جذبہ کی وہ پوری تائید کرتے رہے ۔ مصر میں تو خصوصیت کے ساتھ انھوں نے اور ان کے جانشینوں نے قبطی اور مصری عناصر کو وطنیت ہی کی بنیاد پر متحد کیا تھا" (ص)

"شیخ کی تحریروں اور تقریروں میں ہم ایک جگہ بھی نہیں دیکھتے کہ انھوں نے محض مذہبی جذبات سے اپیل کی ہو" (ص)

"جمہور وروشن خیالی کی بارگاہ میں سب سے زیادہ قابل عتاب ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی ذہنیت ہے" ۔

"بے روح مذہبیت پسند اور رجعت پسند مذہبیت" "سر سید پر حملہ" "پست ذہنیت" "ذہنی فضا کی بیمار اثر انگیزیاں" (ص)

یہ سب کچھ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے ایک تبصرہ کے جواب میں ارشاد ہوا ہے ــــــ گویا یہ کتاب بھی پیام کے "مرزائی" کا ایک تو سیعی کام ہے ۔ شیخ کے مذہبی عقائد و قرآن کیا تھے، یہ تو عالم الغیب ہی کو بہتر معلوم، باقی اس کتاب میں تو اقوال ذیل انھی کی جانب منسوب ملتے ہیں :–

"عالم قدیم ہے، اس کے لیے حادث نہیں" (ص)

"محدثات کی حرکت سے انواع عالم وجود میں آتی ہیں" (")

"انسان کی حیثیت ادنیٰ حیوانی سے زیادہ کچھ نہیں" (ص)

اسی کتاب کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ اپنی خاص صحبتوں میں ایک مصری یہودی حسین سے بانسری پر گانا سنا کرتے تھے ۔ (ص) مہدی سوڈانی کا بیان جس پیرایہ میں ص۲۵ سے ہے کی غلطی کے علاوہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کا یہ دعوے صرف سیاسی مصالح کی بنا پر تھا، ورنہ دراصل وہ اس دعوے میں مخلص نہ تھے !

ان پہلوؤں کے باوجود اردو میں ایسی کتاب پھر بھی بہت غنیمت ہے، اور معلومات، بہ حسن انشا دونوں کے لحاظ سے، اہل سیاست کے پڑھنے کے قابل ہے ۔

(۱۱) اصطلاحات پیشہ وراں ۔ از مولوی ظفر الرحمٰن صاحب دہلوی حصہ ۔ ۲۵۵ صفحے } قیمت فی حصہ مجلد ؁ ۔ پتہ، انجمن ترقی اردو دریا گنج ۔ دہلی
(۱۲) " " حصہ ۲۲۸ "

انجمن ترقی اردو، تحفظ زبان و خدمت ادب کا کام جن مطبوعات سے لے رہی ہے، ان میں خاص طور پر قابل ذکر یہ پیشہ وروں کی لغت ہے ۔ اس کا پہلا حصہ شائع ہوئے عرصہ ہو چکا، اور یہ دو حصے اب نکلے ہیں ۔

نمبر ۱۱ کا موضوع تیاری و تزئین لباس ہے ۔ اس سلسلہ میں ۳ فصلیں ہیں پہلی، پارچہ بافی و پارچہ دوزی، دوسری زربافی و زردوزی، تیسری چرم سازی و پاپوش دوزی ۔ اور ہر فصل کے ماتحت متعدد پیشے ہیں ۔ مثلاً پیشہ کتائی سوت، پیشہ دھلائی، پیشہ رنگائی، پیشہ رفوگری، پیشہ خیاطی، پیشہ زردوزی، پیشہ سلما سازی، پیشہ رنگائی چرم ۔ اس طرح کل پیشے ہیں، اور ان سے متعلق تقریباً ۲ ہزار اصطلاحی الفاظ مع ان کی شرح کے آگئے ہیں ۔

اسی طرح (حصہ) چار فصلوں پر شامل ہے ۔ پہلی فصل ظروف سازی و ملمع کاری پر ہے ۔ اور اس کے اندر نو پیشے ہیں ۔ مثلاً کمہار کی ٹھٹھیری سازی، قلعی گری وغیرہ ۔ دوسری فصل کے ماتحت سات پیشے ہیں، مثلاً نانبائی گیری، حلوائی، قصابی وغیرہ ۔ تیسری فصل تیاری خوراک پر ہے

اور اسکے تحت میں چار پیشے ہیں - بہشتی، نانبائی، پیشہ، اور حلوائی وغیرہ - چوتھی فصل متفرقات پر ایک پیشے اور اسکے ماتحت پانچ پیشے ہیں - اچار سازی، شکر سازی، حلوائی وغیرہ - اور کوئی ۳ ہزار اصطلاحات اس حصہ میں بھی آگئی ہیں -

آلات وغیرہ کی تصویریں بھی کثرت سے درج ہیں - کام بڑی محنت، تلاش و دیدہ وریزی کا ہے - کتاب زبان سیکھنے والوں کے بھی کام کی ہے، اور مختلف پیشوں سے واقفیت رکھنے والوں کے کام کی بھی - ہر صورت سے کتاب مستحق قدردانی و حوصلہ افزائی ہے - ہم لوگ زبان کی بڑی بھلی خدمت میں اپنی عمروں کا معقول حصہ صرف کر چکے ہیں، انکی بھی آنکھیں ایسی کتابوں سے کھل جاتی ہیں - اپنے جہل کا انکشاف ہو جاتا ہے اور اندازہ ہو جاتا ہے کہ اپنی ہی زبان کے ہزارہا الفاظ سے ابھی تک ہم کیسے بےخبر ہیں!

رسائل و اخبارات

(۱) **ہمدرد صحت** (قدرتی علاج نمبر) نگران حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی - ضخامت ۱۴۶ صفحے قیمت ۱۲ر پتہ ہمدرد منزل لال کنواں دہلی

ہمدرد صحت اور اسکے خصوصی نمبر کم از کم قدیم ناظرین صدق کے لیے کسی جدید تعارف کے محتاج نہیں - تقریباً اسکا ہر خصوصی نمبر کاوش و جامعیت کا ایک نمونہ ہوتا ہے، اور یہ نمبر بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں - رسالہ مختلف ابواب میں تقسیم ہے - پہلا باب ہوا پر ہے اور دوسرا پانی پر تیسرا غذا پر، پانچواں نشو و نما پر، کل ۱۲ ابواب ہیں، ایک مستقل باب روزہ پر ہے، اور پڑھنے کے قابل ہے - دو چار افسانچے بھی ہیں، ان میں ایک آدھ ایسا بھی ہے جو معنی فی بطن الشاعر کا مصداق - ۱۲ر کی قیمت میں اتنا ضخیم مجموعہ متفرق (اور اکثر مفید) طبی معلومات کا ہاتھ آجاتا گویا بالکل مفت ہاتھ آجاتا ہے۔

(۲) **مسلم ہیرلڈ** (انگریزی) ہفتہ وار - ایڈیٹر سید محمد شاہ ایم اے، ۸ صفحے - چندہ سالانہ ... پتہ ظفر منزل تاجپورہ، لاہور

اسکا صرف ایک نمبر موصول ہوا ہے (...) پرچہ ہونہار معلوم ہوتا ہے - سیاست میں مسلم لیگ سے مسلک ملتا ہوا ہے - اچھے مسلم پرچوں کی ضرورت انگریزی میں بہت شدید ہے - خدا کرے کہ کسی درجہ میں وہ ضرورت یہ پرچہ پوری کردے — اسکے ایڈیٹر وہی ہیں جو اردو میں ادنیٰ "پیغام حق" نکالتے ہیں، اور اقبال کے خاص عقیدتمندوں میں ہیں۔

مولانا مودودی

اور انکے عقائد و خیالات کی صحیح تعبیر

[صدق ۱۲ ستمبر میں جو مکتوب مفتوح مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب "ترجمان القرآن" کے نام شائع ہوا تھا، اس سے کم از کم اتنا نفع تو ضرور ہوا کہ مولانا کو اپنے خیالات کی مزید تشریح و تفسیر کا ایک موقع ہاتھ آگیا - موصوف نے صدق کے مراسلہ نگار کے جواب میں آنا اگرچہ مناسب نہیں خیال فرمایا تاہم از راہ کرم اپنے اصل خیالات سے مدیر صدق کو اپنے دو مختلف مخلصانہ کرم ناموں میں مطلع فرما دیا - ذیل کے اقتباسات مولانا کے انھیں دونوں مکتوبات سے لیکر اگلی ہفتہ کے شذرات کو روک کر مولانا کی اجازت کے بعد بصرف تمام شائع کیے جاتے ہیں، صرف اتنے تصرف کے ساتھ کہ مولانا کے بعض فقروں کو نمایاں کرنے کے لیے زیر خط کر دیا گیا ہے - بحث و مناظرہ کے لہجہ میں اگر گرمی کم از کم نہ پیدا ہو جائے تو وہ تو وضوح حق کا بہترین ذریعہ ہے۔ صدق]

صدق کے شائع کردہ مکتوب میں انھوں نے میرے جس فقرے پر قیاسات کی عمارت قائم کی ہے اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر اسلام فی الواقع اسی چیز کا نام ہوتا جو آجکل کے مسلمانوں کی زندگی میں نظر آتی ہے تو آج میں ملحد یا دہریہ ہوتا - مجھ پر اپنی ابتدائی زندگی میں چند سال کا ایک دور ایسا گزرا ہے جبکہ میں تارک نماز تھا بلکہ ایمان باللہ و ایمان بالرسالت سے بھی میرا دل خالی ہو گیا تھا - اور اسکی وجہ یہ تھی کہ اپنے گرد و پیش جس قسم کی مذہبیت میں نے دیکھی وہ مجھے اپنا معتقد بنانے کے بجائے مذہب سے برگشتہ کرنے والی تھی - اسکے بعد جب میں نے گہری نظر سے قرآن کا مطالعہ کیا اور پھر حدیث پر غائر نگاہ ڈالی تو مجھے معلوم ہوا کہ اصل دین کچھ اور ہے اور مسلمانوں کے موجودہ عقائد و اخلاق و اعمال کچھ اور ہیں - یہی چیز ہے جس نے مجھ کو اسلام کا از سر نو معتقد بنایا اور آخری نقطہ انحراف کے قریب پہنچ جانے کے بعد میں ایمان کی طرف پلٹا - یہ میری ذاتی روداد ہے - مختلف لوگوں کو مختلف طور پر ہدایت نصیب ہوتی ہے اور مختلف لوگوں کے اسباب گمراہی بھی مختلف ہوتے ہیں - اگر میں اپنے بعض ذاتی تجربات و مشاہدات کی وجہ سے گمراہ ہوا اور اگر قرآن و سیرت کو پڑھ کر مجھے پھر ایمان نصیب ہوا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے -

شاہ صاحب غالباً میرے اس فقرہ کو دیکھ کر دو عجیب نتیجے نکالتے ہیں: ایک یہ کہ میرے نزدیک تمام دنیا اسلام سے بالکل خالی ہے اور کوئی اللہ کا بندہ بھی حقیقۃً مسلمان نہیں ہے - حالانکہ یہ بات کبھی میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی - میرے نزدیک اکثریت جہالت میں مبتلا ہے ایک قلیل گروہ منافقین کا ہے جو قصداً دین سے منحرف ہوا ہے اور پھر قصداً اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے - اور ایک قلیل تر گروہ مومنین صادقین کا ہے جو دین کو جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں اور اپنے عمل میں صالح بھی ہے مگر انکے درمیان وہ ربط و نظم نہیں ہے جو اقامت دین کی جد و جہد کے لیے ضروری ہے - یہی وجہ ہے کہ میں ان تمام صالح لوگوں کو جو منتشر طور پر مسلمانوں کے درمیان موجود ہیں ایک نظم میں منسلک دیکھنا

تحریروں یا اپیل کی جاتی ہے۔ کوئی چاہے تو ان عبارتوں کو نقل کر دوں۔ اس طرح کی تحریروں میں کیفیت قلبی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اسکو نظر انداز کرکے کسی ایک تحریر سے منطقی نتائج کا استخراج شروع کر دینا ظلم ہے۔

اس میں تو کسی کو کلام کی گنجائش ہی نہیں کہ جو شخص دین کا مخالف ہے اسکے مقابلہ میں وہ بہرحال بہتر ہے جو اسکا مخالف نہیں ہے۔ اور جو شخص مخالف نہیں ہے اس سے وہ بہتر ہے جو کم از کم دین کو برحق مانتا تو ہے چاہے عملاً اسکے خلاف چل رہا ہو۔ اسی طرح جو عملاً دین کے خلاف چل رہا ہو اس سے وہ بہتر ہے جو اسکی پیروی کرتا ہو۔ پس اگر محض اختلاف مدارج کا سوال ہو تو میں بھی اس کا اتنا ہی قائل ہوں جتنا کوئی دوسرا شخص۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک مطلوب کیا چیز ہے؟ کیا وہ شخص جو دین حق کو جانے بوجھے بغیر صرف اس حیثیت سے اسکو صحیح کہتا ہو کہ دین آبائی ہونے کی وجہ سے وہ اسکے حق میں ایک طرح کا تعصب رکھتا ہے، اور وہ شخص جو علمی طور پر دین کو صحیح جاننے اور سمجھنے کے باوجود خواہشات نفس کی پیروی میں اسکے خلاف چلتا ہو، اس مقصد کو پورا کر دیتا ہے جس کے لیے اسلام آیا ہے؟ لہٰذا دینی لوگوں کو دین سے واقف کرنا اور فاسقین کو ان کی غلطی پر متنبہ کرنا دنیا سمجھے تو ایک امر حق ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں، مگر اختلاف اس امر میں ہے کہ پہلی قسم کے لوگ جب صف اول میں آ کر مسلمانوں کے رہنما بنتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگوں کی جب بیجا حمایت کی جاتی ہے تو ہم ان کو ان کے حقیقی مقام سے آگاہ کرنا اور ان کے حقیقی مقام پر کھڑا کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اور ہم سے مختلف نقطہ نظر رکھنے والے حضرات اس موقع پر حمیت اسلامی کا سوال بیچ میں لے آتے ہیں۔ انکا منشا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا "مسلمان ہونا" ہی غنیمت ہے۔ لیکن ہم رہنمائی و سرداری کے معاملہ میں اس "غنیمت" کے قائل نہیں ہیں، اور نہ اس غنیمت کو اس حد تک بڑھانے کے لیے تیار ہیں کہ یہ غنیمت کے بجائے معیار بن جائے۔ البتہ عوام کے معاملہ میں کفر بواح اور بغاوت و انکار کی بہ نسبت اس کو غنیمت مانتے ہیں اور غنیمت سمجھ کر ہی کام کر رہے ہیں۔

خاکسار ابو الاعلیٰ

نوحۂ بہار

(ایک سوختہ دل بہاری کے مکتوب کا اقتباس)

"......بہار والوں کے نام صدق میں اعلان نکل رہا ہے۔ پڑھتا ہوں لیکن فانک لاتسمع الموتیٰ ولا تسمع من فی القبور۔ اس ملک کے اسلامی طبقہ پر موت طاری ہو چکی ہے......بہار میں تقریباً نصف کروڑ مسلمانوں کی آبادی ہے لیکن مسلمان جو تھے وہ اب کہاں ہیں؟ کدھر ہیں؟ انکے باپ دادوں نے انھیں اسکول بھیجا تھا۔ اسکول سے کالج پہنچے۔ لیکن کالج سے پھر کہاں گئے، کچھ پتہ نہیں۔ مسلمان ماں، مسلمان باپ نے جس بچہ کو اس راہ پر ڈالا، آہ کہ پھر اسکو وہ بچہ واپس نہیں ملا۔ بہار میں "تعلیم" کی تیسری پشت ہے۔ دیوانی پر قبضہ اسی علاقہ سے شروع ہوا تھا۔ تیسری پشت والوں سے آپ کیا یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ صدق پڑھیں گے؟"

مسلم یونیورسٹی میں اسلامی ہفتہ

انجمن اسلامی تاریخ و تمدن حسب معمول امسال بھی یونیورسٹی میں ۱۳۔ لغایت ۱۹۔ ستمبر ۴۷ء اسلامی ہفتہ منعقد کر رہی ہے۔ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی نائب صدر انجمن مذکور نے مجلس منتظمہ کے مشورہ سے اسلامی ہفتہ کا پروگرام مرتب فرما لیا ہے جو درج ذیل ہے:

نمبر ۱۔ حسب ذیل علماء و مشاہیر ملت کو اسلامی ہفتہ میں مختلف اسلامی موضوع پر تقریر کرنے اور مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی ہے:

(۱) شیخ التفسیر علامہ الحاج مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔ دیوبند۔ (۲) حضرت الحاج مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب دیوبند (۳) متکلم اسلام مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی۔ لاہور۔ (۴) حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اعظم گڈھ (۵) حضرت مولانا عبد الماجد صاحب مدیر صدق لکھنؤ (۶) حضرت مولانا عبد القدیر صاحب [illegible] مفتی عدالت العالیہ حیدرآباد (۷) نواب بہادر یار جنگ [illegible] حیدرآباد (۸) حکیم مولوی مرتضیٰ حسن صاحب محمود آباد اودھ (۹) جناب نظام [illegible] صاحب پرویز۔ دہلی (۱۰) حضرت حفیظ جالندھری۔

نمبر ۲۔ طے پایا ہے کہ پاکستان کے موضوع پر طلباء درسگاہوں سے طلبا سے مقالے لکھائے جائیں اور بہترین مقالہ نگار کو [illegible] انعام دیا جائے۔ یہ مقالے ڈاکٹر امیر حسن صدیقی نائب صدر انجمن مذکور کی خدمت میں ۱۵۔ ستمبر تک پہونچ جانا چاہیے۔ شرائط معتمد سے دریافت کیے جائیں۔

نمبر ۳۔ اسلامی مناظرہ کے لیے حسب ذیل عنوانات مقرر ہوئے ہیں۔ اول دو عنوانات پر جملہ درسگاہوں کے طلبا شریک ہو سکتے ہیں۔ مباحثہ کی تاریخ کا اعلان بعد میں ہوگا۔

۱۔ سینیر طلبا کے لیے:— خلافت الٰہیہ۔ دنیاوی حکومت

۲۔ جونیر طلبا کے لیے — عربی یا اردو مسلمانوں کی زبان قرار دی جائے۔

۳۔ بچوں کے لیے — مشاہیر اسلام اور انکے کارنامے۔

محمد اللہ انصاری معتمد انجمن

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث و سنن اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ مع تنبیہات اصل فارسی میں۔ ضخامت ۷۰ صفحے۔ اسٹاک ختم کرنے کے لیے قیمت بہ غیر معمولی رعایت یعنی صرف ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دی جائیگی۔

المشتہر محمد نقی خاں قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی

سائنس اور مذہب

سوالات (۱) سائنس انسان کو گمراہ کر دیتی ہے یا مذہب کی طرف رجوع کرتی ہے؟

(۲) انسان سائنس کے لیے ہے یا سائنس انسان کے لیے؟

جواب (۱) غریب سائنس بدنام تو بہت ہے کہ وہ لوگوں کو مذہب سے بیگانہ کر دیتی ہے اور اسکا پڑھنے والا دہریہ ہو جاتا ہے۔ اور سچ پوچھیے تو یہ تمام کرنے والوں کا قصور ہے سائنس کا نہیں ہے۔ بہت سے سائنسدان در اصل ایسے ہیں جو مذہب کی ضرورت نہیں سمجھتے اور خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ یہی لوگ عام میں دہریہ کہلاتے ہیں۔ لیکن سائنس دانی ہی پر کیا موقوف ہے۔ آپ کو بہتیرے لوگ ایسے ملیں گے جو سائنس داں نہیں ہیں لیکن لامذہب ہیں۔ یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی کثرت سے ہیں جو سائنس سے قطعاً ناواقف ہونے پر بھی سائنس کو مذہب کے خلاف پیش کرتے ہیں اور بات بات پر مذہب کو رد کرنے کے لیے سائنس کے حوالے دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ ساتھ کچھ نیک لوگ آپ کو ایسے بھی نظر آئیں گے جنکی کوشش یہ رہتی ہے کہ سائنس کے ہر نظریہ اور اصول کو مذہبی کتابوں سے ثابت کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں قسم کے لوگ اپنے اپنے دائرے سے آگے نکل جاتے ہیں۔ جس طرح سائنس والوں کو مذہبی معاملات میں دخل دینا مناسب نہیں اسی طرح مذہب والوں کو بھی خدا کو ثابت کرنے کے لیے سائنس کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں۔ خدا کے عدم یا وجود کو ثابت کرنا سائنس کے بس سے باہر ہے۔ سائنس دوسرے علوم کی طرح ایک علم ہے۔ اس میں واقعات کا مشاہدہ کر کے عام قاعدے اور اصول حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس کی مختلف شاخیں ہیں۔ طبیعیات میں قوتوں سے بحث کی جاتی ہے۔ کیمیا مادی چیزوں اور تبدیلیوں سے متعلق ہے۔ جانداروں کے علم کو حیاتیات کہتے ہیں اور ستاروں کا علم فلکیات یا ہیئت کہلاتا ہے۔ یہ سارے علوم اس بات کے پابند ہیں کہ اپنے حدود کے اندر واقعات کا مشاہدہ کریں اور نتیجے نکالیں۔ اس سے اگر وہ آگے بڑھیں تو سائنس کے حدود کے اندر نہیں رہتے۔ ایک فلکی کا کام یہ ہے کہ آپ کے سامنے کائنات کا ایک نقشہ پیش کرے۔ آپ کو سیاروں، ستاروں، سحابیوں کا حال بتائے۔ انکی شکل و صورت، طبعی حالات اور حرکت سے واقف کرائے۔ لیکن اگر وہ اسکا دعوے کرے کہ یہ سارا نظام عالم خود بخود وجود میں آگیا اسکے لیے کسی بنانے والے کی ضرورت نہیں ہے تو اسکا یہ دعوے فلکیاتی نہیں ہے۔ یہ اس کا ذاتی خیال ہو سکتا ہے لیکن اس دعوے کے ثبوت میں وہ فلکیاتی مشاہدات کو پیش نہیں کر سکتا۔ فلکیات کا یہ کام نہیں ہے کہ اسکے ذریعہ خدا کے عدم یا وجود کو ثابت کیا جائے۔ اسی طرح سائنس کی دوسری شاخوں کو لیجیے۔ ان سب میں اپنے حدود کے اندر دنیا کی مختلف چیزوں سے بحث ہوتی ہے۔ اس بحث میں جب کبھی آپ مذہب کا ذکر دیکھ پائیں تو سمجھ لیجیے کہ سائنس اب اپنے حدود چھوڑ کر فلسفہ اور ابعد الطبیعات میں داخل ہو رہی ہے۔

اتنا اور جان لینا ضروری ہے کہ دنیا کی سب باتوں کو سمجھنے کے لیے سائنس کافی نہیں ہے۔ دنیا میں سیکڑوں واقعات ایسے بھی ہوتے رہتے ہیں جنکو سمجھنا اور سمجھانا سائنس کے بس میں نہیں ہے۔ انسان کا علم اور اسکی دماغی صلاحیت محدود ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سائنس میں خود کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے انسان لامذہبیت کی طرف مائل ہو۔ ویسے آدمی مختار ہے جو چاہے سمجھ لے۔ مذہب کو ضروری اور غیر ضروری سمجھنا اسکا ذاتی فعل ہے۔ سائنس کا کام صرف اتنا ہے کہ واقعات اور مظاہرات قدرت سے آپ کو ایک حد تک واقف کر دے۔ "ایک حد تک" میں نے قصداً استعمال کیا ہے۔ (راز کائنات کو پوری طرح سمجھ جانا سائنس اور انسان کے دماغ کے بس سے باہر ہے) جب آپ کو سائنس نے قوانین قدرت سے ایک حد تک واقف کر دیا تو اب آپ کا کام ہے کہ اس سے جو نتیجہ چاہے نکال لیں۔ اگر کسی کے مذہب میں یہ لازمی قرار دیا ہے کہ زمین کو ساکن ہمیشہ مانا جائے تو ظاہر ہے کہ سائنس کا اس سے تصادم ہو جائیگا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی ایسا مذہب ہے اور پھر یہ کہ مذہبی کتابوں کو طبیعیات اور کیمیا کی کتابیں سمجھنا اور ان سے سارے سائنسی اصولوں کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ بہت سے لوگ میں نے ایسے بھی دیکھے ہیں جو لامذہب ہیں لیکن انکی لامذہبیت میں سائنس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسکے برخلاف میں ایسے سائنسدانوں کو بھی جانتا ہوں جو سچے مذہبی ہیں اور جنکا ایمان ہے کہ خدا کی عظمت اور مذہب کی ضرورت سمجھنے کے لیے سائنس پڑھنا لازمی ہے۔

(۲) مجھے ندامت ہے کہ آپ کا یہ سوال کہ انسان سائنس کے لیے ہے یا سائنس انسان کے لیے، میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ اگر آپ اسکو ذرا واضح کر کے لکھیں تو ممکن ہے کہ اسکا بہتر جواب دیا جا سکے لیکن جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس سے نتیجہ یہ نکالتا ہوں کہ آپ سائنس اور انسان کے تعلق کو دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے سائنس دوسرے علوم کی طرح ایک علم ہے۔ اسکا جاننا نہ جاننا انسان کی مرضی پر ہے۔ یہ ضرور ہے کہ سائنس کے ابتدائی معلومات ہر انسان کو ہونی چاہیں تاکہ وہ مظاہرات فطرت اور قوانین قدرت کا دلچسپی سے مطالعہ کر سکے اور قدرت کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی قدر و قیمت سمجھ سکے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ آجکل قومی ترقی کا راز سائنس کی ترقی پر منحصر ہے۔ یہ تو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جو قومیں سائنس سے لاپروائی برت رہی ہیں وہ ترقی کے میدان میں بڑی تیزی سے پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ اس لیے قومی ترقی کے نقطۂ نگاہ سے بھی سائنس کی طرف توجہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ (رسالہ سائنس)

ضروری تصحیح

صدق نمبر ۱۵ کے بعد کے دو پرچوں میں نمبر غلط ہو گئے ہیں۔ براہ کرم دونوں پرچوں پر بالترتیب نمبر ۱۶ و ۱۷ بنا لیں۔ تاکہ شمار میں غلطی نہ رہے۔

نمبر ۲۵ || دوشنبہ - ۲۸ - رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء || جلد ۶

سچی باتیں

"ہندوستان کی خاتون جدید نے احساس کرلیا ہے کہ حسن خیال اور صناعی تمام تر اس کا نہ صرف ... حق ہے بلکہ اس کا پیدائشی حق بھی ہیں۔ سنسکرت کے عالموں نے عورت کو کنول سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ عورت کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہو، اسکا جسم پھول کی طرح نازک ہو، جلد نرم و ملائم ہو، سنہری کنول کی طرح اور آنکھیں ہرن کی سی بھولی۔ چال ہنس کی طرح ہو۔ لباس شوخ رنگ کا ہو اور زیوروں سے لدی ہو۔ اس تخیل کو پیش نظر رکھ کر خاتون نو نے ہندوستان کے بہترین مظہر حسن سے اپنی لو لگائی ہے، یعنی ناچ سے۔ وہ دن گئے، جب یہ فن لطیف حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اب اس فن نے اپنا پھر وہی عروج و اعزاز حاصل کرلیا ہے، جو زمانۂ قدیم میں اس کا تھا۔ اب لڑکیاں علی العموم رقاصی کو اپنے کمال خاص میں شمار کرنے لگی ہیں، اور اسکے ذریعہ سے انکے بلند سے بلند حوصلے اب پھر پورے ہوتے نظر آرہے ہیں۔" (ہندو، مدراس، ۶ اکتوبر ۱۹۴۱ء)

آزاد، تعلیم یافتہ ہندو دنیا کے مشہور و معزز ترجمان انگریزی روزنامہ ہندو (مدراس) کے مقالہ نگار خصوصی کی ہے۔ اور آواز تنہا اسی کی کب ہے؟ کلکتہ، بمبئی، الہ آباد، جہاں کہیں، اور جو بھی معزز ہندو روزنامے ہیں، سب اسی کے ہم آواز ہیں ——— ہندو عورت پڑھ لکھ کر بی اے، ایم اے، کی ڈگریاں لے کر، یونیورسٹی کی بڑی سی بڑی سندیں لے کر اب ناچے گی، تھرکیگی۔ باپ، بھائی، شوہر سب کے سامنے اپنے رقص کے کمالات دکھائیگی۔ اپنے ریگانوں سب سے اپنی رقاصی کی داد لیگی۔ غرض ہزارہا سال قبل ان کی مائیں اور دادیاں جس طرح ناچتی تھیں۔ دیویوں اور دیوتاؤں کو ناچ ہی ناچ کر خوش کیا تھا۔ دیوی ... دیوتا خود بھی ناچتے تھے ——— آج وہ خوش ہے کہ اسکی پرانی تہذیب زندہ ہو رہی ہے۔ وہ شرما نہیں رہی ہے، فخر کر رہی ہے کہ اس کی مذہبی تہذیب ... عبادت کے قالب میں نئے سرے جان پڑ رہی ہے ... ہوئی تہذیب کے اثرات ... ہندو تہذیب ... فرنگی تہذیب ... پھر پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ جاہلی تہذیب کو زیر سایۂ حمایت برطانیہ از سرنو ترقی اور آزادی نصیب ہوئی!

ہندی تہذیب اس باب میں اکیلی کب ہے؟ ناچ کا درجہ اونچا درجہ، تو مصری تہذیب، کلدانی تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب، ہر جاہلی تہذیب میں ایسا ہی رہا ہے۔ فنون لطیفہ میں ایک ممتاز مرتبہ اس "فن لطیف" کا تو ساری ہی جاہلی تہذیبوں نے قرار دیا ہے۔ اور اب "صاحب" کے دیس میں اسکی جیسی قدر ہو رہی ہے، بالکل ظاہر ہے۔ اس پر ضرب تو اسلام نے آکر لگائی تھی، اور گانے، بجانے، مصوری، نقاشی کی طرح اسے بھی حرام ٹھہرایا تھا۔ مبارک ہو زمین جاہلی کے پیروؤں اور پرستاروں کو، کہ انکے دین دآئین کے دن پھر ایک بار پھر آئے! مبارک ہو دین تجدد کے علمبرداروں کو، اسلام ہے نہ ملکے "پانچویں کالم" کو کہ انکی محنت ٹھکانے لگی، انکی کوششیں بار آور ہونے لگیں، انکے مسلسل پروپیگنڈا نے خزاں اسلام کو پردے سے نکال نکال کر ان جاہلی نا ترقی یافتہ صنفوں کے کتنا قریب لا کھڑا کردیا!

ہاں خدایا این کرم، و قت رحمت و قت!

اسے دست بردار ہونا تھا، اور یہ ناقابل تصور تھا ۔۔۔ وطنی
تحریک کو جیسے لیڈر کی ضرورت تھی، وہ آخر مصطفےٰ کمال کی ذات
میں بن گیا۔" (صفحہ ۱۸۱ و ۱۸۲)

آگے مصطفےٰ کمال کی عسکری سرگرمیوں اور فتحمندیوں کا ذکر مدح و توصیف کے
لہجہ میں ہے۔ اسکے بعد مزید مدح و توصیف کے ساتھ:۔

"۱۹۲۲ء میں منصب سلطانی کا خاتمہ، اور اس سے بھی بڑھ کر
منصب خلافت کا خاتمہ کہیں زیادہ اہم اور کہیں زیادہ دشوار
کارنامے تھے۔ کمال نے طے کر لیا تھا کہ وہ ترکیہ کو ایک قوم
بنا کر رہیگا، اور اس عزم میں مغربی رسم الخط کا رواج اور ترکی
ٹوپی کی مخالفت زبردست سنگ میل تھی۔" (صفحہ ۱۸۳)

"لازوال مرد اوّل" کے کمالات فرنگیت کی داد اس سے بڑھکر اور کیا ملیگی!
دشمن خود دل کھول کر سرٹیفکیٹ دے رہا ہے کہ ہم نے جو معیار ترقی کا قائم
کیا تھا، جو تعریف وطنیت اور قومیت کی مقرر کی تھی، اتاترک نے اپنی قوم
کو ہم سے اجنبی رہنے کے باوجود ٹھیک اسی معیار پر پہونچا دیا، ہم
اپنے کو ملا دیا۔ دوئی درمیان سے دور کر دی، اور حیرت انگیز طریقہ پر ترکیہ
کو فرنگستان بنا دیا! ۔۔۔ مبارک ہو تجدد نوازوں کو یہ پروانۂ خوشنودی،
یہ سند قبول، سرکار فرنگ کے دربار سے!

نقالوں کا دین

"اللہ کے فضل سے مصر، فلسطین، شام،
عراق، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے حرم محترم میں جہاں لاکھوں
آدمی ایک وقت میں جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، لاؤڈ
اسپیکر ابھی تک نہیں لگایا گیا ۔۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی اکثر لوگ
جانتے ہیں کہ ترک جنھوں نے مغربی تقلید میں یہاں تک غلو کیا
کہ عربی حروف تہجی نکال کر ترکی زبان لاطینی حروف میں بدل دی،
اور تجدد کا شیطان اس قدر سختی سے مسلط ہوا کہ اذان عربی
الفاظ کے بجائے ترکی میں دی جانے لگی۔ لیکن ۔۔۔ خدا کا
شکر ہے کہ استنبول، انقرہ، اور اناطول کی جامع مسجدوں میں
لاؤڈ اسپیکر کا استعمال اب تک نماز کے لیے نہیں ہوا ہے۔"
(ایک باخبر مراسلہ نگار کا مراسلہ روزنامہ خلافت میں)

خوب! گویا ہندی تجدد کا قدم بھی وہیں رک جائے جو ترکی تجدد کا تھی ہے
اور شاگرد کسی حال میں بھی اُستاد سے بازی نہ لے جانے پائے! ۔۔۔ گویا
"صاحبانہ" زندگی کی تقلید جن کالوں نے شروع کی تھی، وہ ٹھیک وہیں تک
رہے جہاں تک گورے پہونچ چکے تھے! ۔۔۔ کیا انقرہ کے ساتھ (خدا نخواستہ
مکہ یا مدینہ کے ساتھ نہیں) مراد آباد کا رشتہ ہمیشہ حلقہ بگوشی ہی کا قائم رہے!

فن نجوم اور سائنس

"یہ کسی طرح قابل فہم نہیں کہ ستارے
انسانی معاملات پر اثر انداز ہوں ۔۔۔ منجموں نے اب تک کوئی
معقول مفروضہ تک بھی نہیں پیش کیا ہے، جو انکی خیال آرائیوں
کی بنیاد بن سکے ۔ اس کمی کو وہ ایسی اصطلاحات سے پورا
کر دینا چاہتے ہیں جو طبیعیات و فلکیات کے ماہرین کے نزدیک
بے معنی ہیں۔ جیسے طبیعیات کی تعلیم ہائی اسکول کے معیار تک بھی
ملی ہے، وہ کبھی نجوم کی ایسی اصطلاحات مثلاً ارتعاش کائناتی
سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔" (لیڈر ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء بحوالہ سائنٹفک
منتھلی امریکہ مارچ ۱۹۵۱ء)

یہ حاصل اور لب لباب ہے اُس تحقیق کا جو امریکہ کی مشہور علمی انجمن، امریکن
ایسوسی ایشن آف سائنٹفک ورکرز کی شاخ بوسٹن اور کیمبرج کے ماہرین نے
فن نجوم (ایسٹرالوجی) سے متعلق ابھی حال میں شائع کی ہے۔ گویا بیسویں
صدی میں منکروں کی زبان سے تائید ہو رہی ہے کذب المنجمون کی!

ہماری پستیاں

"ہمارے ملک کے جاپانیوں میں اسوقت
جبکہ جرمنی میں ہٹلر برسراقتدار آیا تھا، یہ اُن کی طلبہ کی
فوجی رجمنٹ کو برخاست کر کے انجمن موسیقی کا افتتاح
کیا گیا"

"یہاں انجمن اخلاقیات آج تک نہ بن سکی، لیکن انجمن
ڈراما برج رہی ہے۔"

"ابھی سات ماہ پہلے سکندرآباد میں وارننگ کا جلسہ غالباً زیر سرپرستی
لیڈی ریزیڈنٹ یا لیڈی ... منعقد کیا گیا اور وہاں گانے ناچنے
کی ایک جلسہ میں ایک بالکل نوعمر لڑکی نے اپنا ناچ دکھلایا۔
اس میں شک نہیں کہ باوجود آٹھ نو سالہ لڑکی ہونے کے اس نے
ناچ کے خوب جوہر دکھلائے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایسے
کمالات ہمارے طبقۂ اناث کے حاصل کر لینے سے (اخلاقی
نقطۂ نظر سے قطع نظر بھی کر کے) کوئی قوم، قوم رہ کر
قوم بن سکتی ہے"؟

"حاصل یہ کہ اس جنگ یا جوش و انجوش میں ہم نے کوئی ذہنی
کام کیا بھی تو گذشتہ ہفتہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں انجمن فنون لطیفہ
کا قیام اور ناچ کے ذریعہ سے اسکا افتتاح تھا۔ کہیں طیارہ سازی
کے کارخانے قائم بن رہے ہیں اور کہیں فوجی تعلیم دی جا رہی
ہے لیکن ہمارے ملک میں اگر ہو رہا ہے تو اس پر آشوب زمانہ
میں بھی ناچ گانے کا انتظام اور وہ بھی ہماری نوعمر لڑکیوں
اور مستورات کے ذریعہ! (تقریر صدارت نواب ... یار جنگ بہادر)

ایک درد مند دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کچھ بھی مبالغہ آمیز ہیں؟ لیکن خصوصیت
دکن کی نہیں، پنجاب اور بہار، دکن اور یوپی، بمبئی اور بنگال سب ایک ہی
کشتی پر سوار ہیں۔ اور کشتی کا رُخ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہلاکت و خودکشی
کے کیسے قعر عظیم کی جانب ہے؟

اعلان تعطیل

انشاء اللہ حسب معمول قدیم متعلقین دفتر صدق میں سلسلۂ عید الفطر
تعطیل رہیگی۔ اس لیے ۱۲ اکتوبر کا صدق شائع نہ ہوگا۔ ناظرین انتظار
نہ فرمائیں۔

مہتمم

سورۃ البقرۃ، رکوع (۷)

بسلسلۂ صدق نمبر ۲۳ و ماقبل

(از عبد الماجد)

۵۲۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

پھر معاف کر دیا ہم نے تم کو اسکے بعد بھی،[302] کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔[303]

۵۳۔ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔

اور (یاد کرو وہ وقت) جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب[304] اور فرقان[305] تاکہ تم راہ پاؤ۔[306]

۵۴۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم یقیناً تم لوگوں نے بڑا ظلم کیا اپنی جانوں پر اپنی گوسالہ گیری سے،[307] سو اب توبہ کرو اپنے خدا سے[308] پھر قتل کرو اپنے اشخاص کو[309]۔ یہی بہتر ہے تمہارے حق میں خدا کے نزدیک۔[310] پھر اس نے توبہ قبول کی تمہاری۔[311] بیشک وہی تو ہے بڑا قبول کرنے والا توبہ کا، بڑا مہربان۔

۳۰۲ یعنی تمہارے توبہ و استغفار اور تم میں سے ایک خاص گروہ کی سزایابی کے بعد۔

چاہیے تو یہ تھا کہ گوسالہ پرستی اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا ساری قوم کو ملتی۔ جن لوگوں نے شرک کیا تھا انہیں واقعی شرکت کی، اور جو خاموشی سے یہ تماشا دیکھتے رہے تھے، انہیں سکوت عن الحق اور اعانت جرم کی۔ لیکن سزا صرف ایک خاص گروہ کو ملی جیسا ابھی آتا ہے، اور باقی لوگ توبہ و استغفار کے بعد بچ گئے۔

۳۰۳ (کہ) سپاس گزاری اور منت پذیری تو جوہر شرافت اور لازمۂ انسانیت ہے۔ اور اس موقع پر یہی شکر گزاری توحید و اطاعت پر ثبات تھی۔

۳۰۴ یعنی توریت۔ قرآن مجید میں مطلق "الکتاب" کا لفظ علاوہ قرآن کے توریت کے لیے بھی آیا ہے۔

۳۰۵ فرقان کے لفظی معنی ایسا معیار و تمیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ کل ما فرق به بين الحق والباطل فهو فرقان (لسان)۔ الفرقان ایک نام ہے قرآن کا، اس لیے کہ قرآن حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فارق ہے۔ اور اسی مناسبت سے اسکا اطلاق علاوہ قرآن کے توریت و انجیل پر بھی ہو سکتا ہے، کہ یہ کتابیں فارق ہیں حق و باطل کے درمیان عقائد میں، صدق و کذب کے درمیان اقوال میں، اور اچھے اور برے کے درمیان اعمال میں۔ (راغب)
یہاں الفرقان کی تفسیر میں متعدد نقل ہوئے ہیں، مثلاً

(۱) یہ کہ الفرقان کا عطف تفسیری ہے الکتاب پر، اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے، یعنی توریت۔ توریت کی دو صفتیں ہیں، ایک صفت کتابیت، دوسری صفت فرقانیت۔ اول کے لحاظ سے اُسے الکتاب کہا گیا اور دوسری کے لحاظ سے الفرقان۔

۵۵۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔

اور (یاد کرو وہ وقت) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز باور نہ کریں گے آپ کے کہنے سے[312] جب تک ہم خود نہ دیکھ لیں خدا کو علانیہ۔[313] سو (اس پر) آ لیا تم کو کڑک نے[314] اور تم (اس کا آنا) دیکھ رہے تھے۔

(۲) مراد اس سے توریت اپنے بیان احکام شرائع کے لحاظ سے ہے۔ ابن عباسؓ، مجاہد اور بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے۔ هو الكتاب الذي فرق به بين الحق والباطل وهو نعت التوراة (ابن جریر)

(۳) مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئے تھے، مثلاً معجزۂ عصا، معجزۂ ید بیضا وغیرہ۔ یہ مذہب مجاہد تابعی کا ہے۔ انه المعجزات الفارقة بين الحق والباطل (معالم)

(۴) مراد ہے وہ فتح و غلبہ جو بنی اسرائیل کو حکومت فرعونی کے مقابلہ میں عطا ہوا۔ النصر والفرج الذي آتاه الله بني اسرائيل على قوم فرعون (کبیر)

یہود کا عقیدہ ہے کہ لکھی ہوئی کتاب توریت کے علاوہ زبانی بھی بہت سے مسائل و اسرار کی تعلیم حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی، جو انکے بعد سے سینہ بسینہ، نسلاً بعد نسلٍ انکی قوم میں منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، سو یہود کے نقطۂ خیال سے فرقان سے مراد اس علم سفینہ کے علاوہ یہ علم سینہ ہے۔

۳۰۶ راہ (ہدایت) تو پہلے ہی پا چکی تھی، اب کتاب اس لیے نازل فرما دی گئی کہ ایک مستقل و مرتب دستور العمل ہمیشہ کے لیے ہاتھ میں رہے اور راہ سے بھٹکنے نہ پائیں۔

۳۰۷ (اسلئے کہ بنی اسرائیل شرک اور گوسالہ پرستی کے مرتکب ہو چکے تھے)

۳۰۸ (کہ توحید جیسی دولت بے بہا پاکر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی ذلت پر اتر آئے)

۳۰۹ توریت میں ہے:۔

"اور موسیٰ نے کہا کہ آج خداوند کے لیے اپنے تئیں مخصوص کرو، ہر مرد اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرے تاکہ وہ تمہیں برکت دیوے" (خروج ۳۲: ۲۹)

فتوبوا میں فاء سببیہ ہے، کہ جو انھوں نے ظلم کیا ہوتا تو آج توبہ کی نوبت آتی۔ الفاء للسببية لان الظلم سبب للتوبة (روح)

۳۱۰ (اپنے ہاتھ سے) یعنی مجرمین کو غیر مجرمین قتل کریں۔ فليقتل الذي لم يعبد العجل الذي عبده (ابن عباسؓ)

شرک شریعت موسوی میں فوجداری کا بھی ایک سنگین جرم تھا مستلزم قتل۔ چنانچہ توریت میں مشرک اور مشرکہ کے لیے یہ تصریح ہے کہ

"اُس مرد یا اُس عورت پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وہ مر جاویں... گواہوں کے ہاتھ اُس پر پہلے اٹھیں، تاکہ اسکو قتل کریں، اور اسکے بعد باقی سب لوگوں کے ساتھ۔ تم یوں ہی اپنے بیچ سے شرارت کو نیست و نابود کیجیو" (استثناء ۱۷: ۵-۷)

اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ خود صاحب شریعت کے سامنے نہ ہوتا؟ شرک کے مجرمین پکڑ پکڑ کر سامنے لائے گئے، اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے۔ توریت میں ہے:۔

"تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے، اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک تمام لشکرگاہ میں گزرتے پھرو۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے۔"

۱۷- ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔ پھر جلا اُٹھایا ہم نے تم کو تمہارے مرے پیچھے، کہ شاید تم شکر گزار ہو۔

"اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریب تین ہزار مرد مارے پڑے" (خروج ۳۲: ۲۷، ۲۸)

فاقتلوا انفسکم میں قتل سے مراد یہی ہلاک ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اور اکثر محققین عموماً اسی طرف گئے ہیں۔ والمتبادر من القتل القتل المعروف من ازهاق الروح وعلیه جمع من المفسرین (روح) اور بھٹکے ہوئے معنی کو چھوڑ کر ظاہر ہے بلا وجہ عدول کرکے قتل کے معنی مجاہدہ، ریاضت یا نفس کشی کے لینا کسی نقلی سند کے مطابق ہے نہ کسی عقلی دلیل کے۔

یہ واقعۂ قتل تو تاریخ اسرائیل کا ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے۔ توریت سے سند ابھی گزر چکی ہے سارے ذخیرۂ نقل میں اسکے خلاف کوئی لفظ موجود نہیں۔ رہی "عقل"، سو خدا معلوم دنیا کے پردے پر وہ کونسی ایسی عقل ہے، جو قاتلوں، ڈاکوؤں، نقب زنوں کو محض معافی طلب کرنے پر چھوڑ دیتی ہے؟

سلہ اسی "خیر" اور بہتری کا ظہور عالم آخرت میں ہوگا۔ یعنی نجات، مغفرت اور گناہوں کی گندگی سے پاک و صاف ہونا۔

یہی ضابطہ شریعت اسلامی کا بھی ہے۔ رہزنی، سرقہ، زناکاری وغیرہ جن جن جرائم کے لیے حدود مقرر ہیں، وہ دنیا میں معاف نہیں ہو سکتے خواہ مجرم کیسا ہی صدق دل سے تائب ہو۔ البتہ اجرائے حد کے بعد یہ اُمید ضرور قائم ہو جاتی ہے کہ وہ نادم و تائب حشر میں گناہ سے بالکل پاک و صاف حاضر ہوگا۔

۲۱۱ من حیث القوم۔

سزا صرف ان ہی افراد کو ملی جو شریک جرم واقعتاً اور عملاً تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ جو صرف اپنی خاموشی سے شریک جرم رہا، اس کی خطا معاف ہوگئی۔

۲۱۳ دنیا کی بہت سی گمراہ قوموں کا یہ عقیدہ رہ چکا ہے اور آج بھی ہے (مثلاً بدھ مذہب والوں کا) کہ خدا کو معاف کر دینے کا کوئی اختیار ہی نہیں، کیونکہ وہ خود قانون مکافات عمل کا پابند ہے۔

قرآن مجید نے توبہ و قبول توبہ کے مسئلہ پر جو بار بار زور دیا ہے، عجب نہیں اسکی ایک حکمت یہ ہو کہ اس سے ان گمراہ قوموں کی تردید ہو۔

۲۱۴ یعنی تمہاری قوم کے ستر بڑے بوڑھے نمائندوں نے۔

تاریخ اسرائیل کے اہم ترین واقعات دہرائے جا رہے ہیں اور اسرائیلیوں پر انکی قومی تاریخ سے حجت قائم کی جا رہی ہے۔ اب ذکر اس وقت کا ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر بزرگان قوم کو ہمراہ لے کر لشکرگاہ سے کوہ طور پر گئے ہیں، دامن کوہ پر انھیں ٹھہرا کر خود آگے بڑھ گئے ہیں، اور مکالمہ و مخاطبۂ الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد یہ اطلاع اور خوشخبری ان بزرگان قوم کو سنائی ہے۔

۲۱۵ (کہ جو مخاطبہ آپ سے ہوا وہ مخاطبۂ الٰہی تھا، اور جو کلام آپ نے سنا ہے وہ کلام الٰہی ہی ہے)

۲۱۶ اپنی انہیں ظاہری آنکھوں سے

گویا اللہ تعالیٰ بھی کوئی آدمی جسم رکھتے ہیں!

۲۱۷ یعنی انھیں ستر بزرگان قوم کی جماعت کو۔

۲۱۸ (اس گستاخانہ مطالبہ کے پاداش میں) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحیل (بیضاوی)

۲۱۹ توریت میں ہے:-

"اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں، اور پہاڑ پر کالی گھٹا اُٹھی، اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی۔ چنانچہ سب لوگ ڈیروں میں کانپ کانپ گئے۔" (خروج ۱۹: ۱۶)

۲۲۰ یعنی انھیں ستر بزرگان قوم کو

یہ احیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر ہوا تھا۔ مفصل روداد اس باب میں توریت میں نہیں

۲۲۱ موت اور بعثت دونوں لفظ اپنے حقیقی معنی میں ہیں، موت یعنی مرنے اور بعث یعنی اُٹھنے کے ہیں۔ اور ایسا ہی عموماً مفسرین نے سمجھا ہے۔ لیکن روح المعانی وغیرہ میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہ موت حقیقی نہ تھی بلکہ بیہوشی وغیرہ کی حالت مشابہ موت کی تھی۔

۲۲۲ (اور آئندہ وہ اُمید پوری طرح قائم ہو)

تجدد کا نشۂ اقتدار

[معزز معاصر روزنامہ رہبر دکن نے جو اپنے جذبات اسلامی و خدمات دینی خصوصاً رد تجدد کے لحاظ سے ممتاز ہے، حال ہی میں اپنی ایک سال کی زندگی پر جو تبصرہ کیا ہے اسکا اقتباس ذیل دکن کے باہر بھی اور دکن کے اندر بھی بار بار پڑھے جانے کے قابل ہے]

سرکاری حلقوں میں رہبر کی مخالفت کے دو اسباب ہوئے۔ اس نے جہاں سرکاری سیاسی معاہدہ کو مالکی اور ملکی مفاد کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی وہاں بعض خاص عمل پر جو سررشتہ تعلیمات کے عمل پر جس میں ہو وہ مشہور ناظم تعلیمات کی سنجیدگی و عاقبت نا اندیشی کی بدولت دو مہلک افزا اصلاح عمل میں آرہی ہے خصوصاً لڑکوں اور نسوانی تعلیم اور نسوانی مدارس کے انتظام ... نکتہ چینیاں کیں اور ارباب حکومت کو ہوشیار کیا کہ وہ سب سمجھ کر وہ سرکاری درسگاہوں کی توسط سے لڑکوں اور لڑکیوں کی فطرت میں گمراہی پیدا کرنے کی مساعی نہ کریں۔ یہ چیز بعض سرکاری گوشوں میں بہت بُری لگی۔ انسان کی فطرت ہے کہ جب اسکو اپنے خاطر خواہ خیال کے رائج کرنے یا اپنی پسند کی چیز حاصل کرنے کی راہ میں — خواہ وہ کیسی ہی ہو — وہ کسی کو حائل پاتا ہے اور اسکو کوئی سرکاری یا ایسی حیثیت بھی مل جاتی ہے کہ وہ کسی طرح اپنی ضد کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کامیاب بنا سکے اور معاملات کو رخ دے سکے تو وہ اسکی کوشش شروع کر دیتا ہے لیکن اگر وہ مقصد بُرا ہے تو وہ اسکو مفید ثابت کرکے حاصل نہیں کر سکتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس بُرے مقصد کی مخالفت کو چپکے ہی چپکے کام کرکے کمزور یا بالکل فنا کر دے۔ رہبر کی آواز حق رساں کو بند کرنے کے لیے ایسی ہی تدابیر کی گئیں۔ گشتیاں جاری ہوئیں۔ "گزٹ" میں کہ خبردار کوئی ملازم سررشتہ ..... رہبر نہ خریدے اور اگر خریدتا بھی ہے تو ہمارے ادارہ میں نہ لائے! خطوط و درجے "خانگی" میں ایک اعلیٰ عہدہ دار نے آپ کے بعض ادنیٰ درجہ کے عہدہ داروں کے پاس کہ "آپ جیسے بہت بہت ممنون فرمائیں گے اگر اپنے ماتحت ملازمین رہبر کی خریداری کی حوصلہ شکنی کریں!" یہ تو کچھ بھی نہیں اور بڑی بڑی تدبیریں رہبر کی صدائے حق طلب و حق انداز کو گھونٹ دینے کی گئیں۔ بظاہر نہایت معصوم طریقے اصلاح و ترقی کے، رہبر کو مالی نقصان پہنچانے کے لیے اختیار کیے گئے مگر اللہ کے فضل نے کسی ایسی تدبیر کو بھی پوری طرح کامیاب نہ ہونے دیا، اور رہبر برابر اپنے اسی کام میں سال بھر لگا رہا جسکو وہ حق سمجھتا اور قوم کے لیے مفید یقین کرتا ہے۔

کلمۃ اللہ[1]

(از مولوی محمد ادریس ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین)

عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مسیح کو ایک خاص عقیدہ کے لحاظ سے "کلمۃ اللہ" کہتے ہیں، جسکی تفصیل یہ ہے کہ عیسائی الہیات خدا کو تین صفات سے متصف مانتے ہیں جن کو اقانیم ثلاثہ کہا جاتا ہے (۱) اقنوم وجود (۲) حیات (۳) اقنوم علم - اقنوم علم ہی کو وہ کلمۃ اللہ کہتے ہیں، انکا خیال ہے کہ یہی کلمہ مسیح کے جسم سے متحد ہو گیا - گویا اس طرح لاہوت نے ناسوت کا جامہ پہن لیا، اور تینوں ملکر ایک - تین کا فلسفہ مکمل ہو گیا[2]۔

کلمۃ اللہ کی اس حیثیت اتحاد میں عیسائی فرقوں سے مختلف رائیں اختیار کی ہیں - یعقوبیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح کی ذات خود خدا ہے، ملکانی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح الٰہ کامل اور انسان کامل دونوں ہیں، ان میں سے کوئی دوسرے سے الگ نہیں ہے، حضرت مریم نے الٰہ اور انسان دونوں کو پیدا کیا، نسطوری ملکانیوں کے ہم مشرب ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم سے الٰہ کی پیدائش نہیں ہوئی۔ ایک جماعت [illegible] کی ہے جو اقانیم ثلاثہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔

لیکن "کلمۃ اللہ" کا یہ مفہوم عربیت کے نقطۂ نظر سے قطعاً غلط ہے، کیونکہ "کلمہ" ایک عربی لفظ ہے، اسکی صحیح تشریح اہل لغت ہی کر سکتے ہیں، لیکن لغت عرب میں اس فلسفیانہ اصطلاح کے لیے کہیں بھی [illegible] عیسائیوں نے محض مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے اپنے مزعومہ عقیدہ کو اس لفظ میں چھپانا چاہا ہے، ورنہ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ انجیل کی اصل الہامی زبان عربی نہ تھی - اگر واقعی اس میں اس مفہوم کا کوئی لفظ تھا تو معلوم نہیں کہ وہ کیا لفظ تھا، جسکو مترجمین کی تحریف نے خاص مصالح کی بنا پر "کلمہ" کی شکل دیدی؟

کلمۃ اللہ اور فتنۂ خلق قرآن

عیسائیوں نے مسلمانوں کو اس غلط فہمی کے ذریعہ ہمیشہ کسی نہ کسی فریب میں مبتلا کرنا چاہا ہے - چنانچہ عباسی عہد کے فتنۂ خلق قرآن میں بھی اسی لفظ کا تماشا نظر آیا، اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے، نصاریٰ اس پر اعتراض کرتے تھے کہ جب کلام اللہ غیر مخلوق ہے، تو مسیح جو کلمۃ اللہ ہیں وہ بھی غیر مخلوق ہیں[3]۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو کلمۃ اللہ کے مخلوق ہونے پر جو اسقدر اصرار تھا وہ عیسائیوں کے اسی اعتراض کی بنا پر تھا!

اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے نصاریٰ اس پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ جب کلام اللہ غیر مخلوق ہے تو مسیح جو "کلمۃ اللہ" ہیں وہ بھی غیر مخلوق ہیں۔
معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو کلام اللہ کے مخلوق ہونے پر جو اسقدر اصرار تھا وہ عیسائیوں کے اسی اعتراض کی بنا پر تھا!

اس مسئلہ سے عیسائیوں کو اسقدر دلچسپی تھی کہ ایک شخص ابن کلاب جو بیلیانوں میں ایک کلابیہ فرقہ کا بانی ہوا ہے، اور جو کہا کرتا تھا کہ کلام اللہ خود اللہ ہے" اسکے مرنے پر بغداد کے بڑے پادری فیثون نصرانی افسوس کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر یہ زندہ رہتا تو ہم مسلمانوں کو عیسائی بنا لیتے! ابن کلاب کے اسی قول کی بنا پر اس وقت کے علماء نے اسکے نصرانی ہوجانے کا فتویٰ دیدیا تھا![4]

قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے تین جگہ "کلمۃ اللہ" کا لفظ استعمال کیا ہے - آل عمران میں حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو فرمایا!

ان اللہ یبشرک بیحییٰ مصدقاً بکلمۃ من اللہ (رکوع ۴)

اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتا ہے یحییٰ کی جنکا حال یہ ہوگا کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہونگے

اسی سورہ کے پانچویں رکوع میں حضرت مریم کو خوشخبری دی گئی

ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ

بیشک اللہ تم کو ایک کلمہ کی جو اسکی طرف سے ہوگا -

سورہ نساء میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا!

انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاہا الیٰ مریم (رکوع ۲۳)

مسیح عیسیٰ ابن مریم (تو اور کچھ بھی نہیں) البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اسکے بابت کلمہ ہیں جسکو اللہ نے مریم تک پہونچایا

لیکن تحقیق طلب امر یہ ہے کہ قرآن نے "کلمۃ اللہ" کے لفظوں سے کیا یہی مفہوم کو ادا کرنا چاہا ہے جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ عیسائیوں نے "کلمۃ اللہ" کا جو مفہوم پیش کیا ہے خود اصل دین عیسوی بھی اس سے بری ہے! کوئی سچا دین کفر کی تعلیم نہیں دے سکتا ہے - اور عیسائیوں نے "کلمۃ اللہ" کے تحت جتنے عقیدے پیدا کیے ہیں وہ سب کے سب مصر اور یونان کے بت پرست فلاسفہ سے ماخوذ اور توحید کے خلاف ہیں قرآن پاک نے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کی ہے!

یعقوبیوں کے لیے کہا

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ہو المسیح ابن مریم (مائدہ)

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا ہیں -

نسطوریوں اور ملکانیوں کے متعلق ارشاد ہوا

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ (مائدہ)

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے -

تثلیث پرست فرقوں کے لیے عام طور پر فرمایا -

انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاہا الیٰ مریم وروح منہ فامنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلثۃ - (نساء)

مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح صرف خدا کے رسول تھے اور اسکے "حکم" جسکو مریم تک اُسنے پہونچایا اور اس کی طرف سے ایک (بھیجی ہوئی) روح تھے - پس خدا اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ -

---

[1] درس قرآن کے سلسلہ میں حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ نے لفظ "کلمۃ اللہ" کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس مضمون میں اسکو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے - جن کتابوں سے مزید استفادہ کیا گیا ہے انکا حوالہ موجود ہے!

[2] ملل و نحل شہرستانی ج ۲ بحث نصاریٰ [3] الفصل فی الملل والاہواء والنحل ابن حزم ج ۱ ص ۴۹ - [4] الجواب الصحیح ابن تیمیہ - ج ۱ ص ۳۰۰ مصر -

[5] فہرست ابن ندیم ص ۵۵ مصر

اور (تین) خدا نہ کہو۔

عیسائی کلمۃ اللہ کی تاریخ

اس قسم کے تمام عقائد اور غلط جھوٹوں نے دین عیسوی کو بالکل مسخ کر دیا، انکے متعلق حافظ ابن قیم نے اغاثۃ اللہفان (ص ۲۰) میں بہت معقول بات کہی ہے کہ عیسائیوں نے جب اپنے صحیح دین کو کھو دیا، اور دوسرے مذاہب نیز اہل فلسفہ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو عیسوی مسائل میں ایسی لچک پیدا کرنا شروع کر دی کہ ہر مذہب و مسلک کے لوگ انکے دین میں گنجائش پا سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اہل فلسفہ کو دیکھا کہ وہ عقل، عاقل اور معقول کے اتحاد کے قائل ہیں تو انھوں نے بھی باپ، بیٹے اور روح القدس کا فلسفہ اپنے یہاں کھینچ لیا۔

حافظ ابن قیم نے استاد ثلاثہ کے جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے عقیدۂ کلمہ کی تاریخی حیثیت آشکارا ہوتی ہے۔ اس لیے اسکی کسی قدر وضاحت کی ضرورت ہے

جس طرح اہل مذہب عبد و معبود کے درمیان وسائط کو مانتے ہیں، جنکے ذریعے اللہ تعالیٰ تدبیر عالم کا کام لیتا ہے، اسی طرح اہل فلسفہ میں بھی اس قسم کا تخیل موجود ہے انکو مسلمانوں کے سوا تمام دوسرے فرقوں نے اس سلسلہ میں سخت دھوکا کھایا ہے اور انھوں نے ان وسائط (یعنی فرشتوں) کو معبود بنا لیا ہے!

چنانچہ اہل مذہب میں صابی ان ہستیوں کو ستاروں کی صورت میں مانتے ہیں، پارسی امشا سپند کہتے ہیں، یہودی کروبیم کہتے ہیں عیسائی جبرئیل اور روح القدس کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، ہندو دیوتا اور دیوی کی شکل میں انکو مانتے ہیں، اہل عرب خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے!

اسی طرح مصری، اسکندری فلسفہ بھی اسی تصور کے ماتحت عقول عشرہ اور نو آسمانوں میں الگ الگ ارادہ نفوس تسلیم کرتا ہے۔ ابن کثیر اپنی تاریخ البدایۃ والنھایۃ ج ۲ ص ۸ میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیت

وقالت الیہود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذٰلک قولہم بافواہہم	اور یہودیوں (میں سے بعض) نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں، یہ انکا قول ہے

[illegible] اگر کا سو، اس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں خدا کے بندے اور رسول کی حیثیت سے آئے تھے لیکن عیسائیوں کی فلسفہ پرستی نے انکو عقل اول کی تقلید میں کبھی خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا کبھی خدا بنایا اور کبھی بیک وقت دونوں بنا دیا!

یونانی فلسفہ میں لوگس کیا چیز ہے؟ اسکو ڈاکٹر ولیم میس کی زبان سے سنیے! وہ کہتا ہے:۔

"اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ خدا بالکل ورائے عالم ہونے کے باوجود اسکے اندر کس طرح عمل کرتا ہے، فائلو ایک مفروضہ قائم کرتا ہے جس سے اس زمانے کے لوگ بھی ناواقف نہیں تھے لیکن جس کو افلاطون سے پیشتر فالوس نے زیادہ منظم طور پر پیش کیا۔ یہ وہ مفروضہ ہے کہ خدا اور عالم کے درمیان واسطی ہستیاں پائی جاتی ہیں، ان ہستیوں کے مزید تعین کے لیے اسمائے ملائکہ اور جنات کی نسبت مروجہ عقائد اور روح عالم و تصورات کی نسبت افلاطون کے بیانات کے علاوہ اس نے رواقی تعلیم سے بھی لیا کہ خدا کی ہستی سے روحی اخراجات تمام عالم میں حلول کیے ہوئے ہیں۔ ان متوسطی ہستیوں کو وہ قوتیں یا ملکات کہتے ہیں۔ ایک طرف انکو صفات الٰہیہ یا افکار الٰہیہ قرار دیتا ہے جو عقل کل اور قوت کل کے اجزاء ہیں، دوسری طرف انکو خدا کے بندے اور پایہ کہتا ہے، اور انھیں ارواح، ملائکہ اور جنات قرار دیتا ہے جو خدا کے ارادے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

ان دو انداز کے بیان میں موافقت پیدا کرنا اور اس بات کا جواب دینا کہ آیا یہ قوتیں شخصیت رکھتی ہیں یا نہیں اسکے لیے ممکن نہ تھا۔ یہ تمام قوتیں ایک واحد قوت کے اندر پائی جاتی ہیں جو لوگوس ہے لوگوس خدا اور عالم کے درمیان ایک واسطہ کلی ہے وہ تمام تصورات کا ماخذ اور خدا کی عقل و حکمت ہے وہ تمام قوتوں کو شامل ہے۔ وہ خدا کا خلیفہ اور سفیر رسول ہے عالم کی خلقت اور حکومت اسی کے ذریعہ سے ہوتی ہے وہ سب سے بڑا فرشتہ اور خدا کا سب سے پہلا بیٹا ہے جسے خدائے ثانی بھی کہہ سکتے ہیں لوگوس یا کلمہ عالم کا اصلی نمونہ ہے جس نے کائنات کو یہ صورت ایک پیراہن کے پہن لیا ہے!

فلسفۂ یونان کا یہ لوگس عیسائیوں کے یہاں یوحنا کی انجیل میں اس طرح ظاہر ہوا

ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ، اور کلام خدا تھا یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اسکے ہوئی! (یوحنا ۱)

عیسائیوں نے اہل فلسفہ کی طرح جب مسلمانوں کو اپنے دام میں لانا چاہا تو لوگس کے اسی تخیل کو قرآنی لفظ کلمۃ اللہ کے ذریعہ ادا کرنا چاہا کہ شاید ابن کلاب جیسے کچھ اور لوگ بھی انکو ہاتھ آ جائیں! یہ ہے عیسائی کلمہ کی تاریخ! (باقی آئندہ)

---

۱ ڈاکٹر توفیق صدقی اپنی کتاب (نظرۃ فی کتب العہد الجدید) میں لکھتے ہیں کہ فائلو پیشرو یونانی فلسفی [illegible] کا پیرو اور معتقد تھا۔ نیز خود یوحنا بھی لوگس کے عقیدہ [illegible] سے متاثر تھا

۲ مختصر تاریخ فلسفہ یونان۔ ص ۲۶۹۔ دار الترجمہ حیدرآباد دکن۔

اور بیکی قدردانی پر ہمیشہ آمادہ ہو رہے!

اولاد کی قدر

"لندن ۲۶ اکتوبر۔ جنگ کے کارخانوں میں جو صاحب اولاد عورتیں کام میں لگ گئی ہیں ان کے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کا کام انھیں ماؤں کی، وسری شادی شدہ اور بچوں والی عورتوں کے سپرد کر دیا گیا ہے"۔ (رائٹر)

آج معلوم ہوا کہ یہ مائیں اور یہ بچے بہرحال کسی وقت کام آ ہی جاتی ہیں! ورنہ اب تک تو یہ نظر آ رہا تھا کہ صاحب کے دلبر میں کسی عورت کا بیاہا ہوا ہونا اور اس سے بڑھ کر صاحب اولاد ہونا اُسکے حق میں ایک سخت بدنصیبی ہے، اور خوش نصیبی صرف انھیں صاحبزادیوں کے حصہ میں ہے جو نکاح، اولاد دونوں کی بندشوں سے آزاد اور سارا وقت خوشی، تفریحوں کیلئے آزاد ہیں۔

پردۂ غفلت

انگلستان میں جب فضائی بمباری شروع ہوئی تو حکومت کی طرف سے لوگوں کو یہ ہدایت کردی گئی کہ وہ خطرہ کا الارم سنتے ہی پناہ گاہوں میں چلے جائیں اور جب خطرہ دور ہونے کا الارم بجے تو باہر نکل کر اپنا کاروبار شروع کریں۔ لوگوں نے اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ مگر حکام کو یہ معلوم کرکے سخت تعجب ہوا کہ خطرہ ٹل جانے پر بھی بعض لوگ پناہ گاہوں سے باہر نہیں نکلتے۔ جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ بعض نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فضائی بمباری ہی سے فائدہ اُٹھا کر اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا سامان فراہم کرتے ہیں شاید وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ مصیبت و آفت کے اس زمانہ میں کسی کی زندگی کا اعتبار ہے۔ کیوں نہ فرصت اور موقعہ سے فائدہ اُٹھایا جائے"۔ (ایک اخباری اطلاع)

سعدی نے قحط دمشق کی انتہائی سختی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی تھی

کہ یاراں فراموش کردند عشق

وہ زمانہ بوستان کا تھا۔ اب زمانہ ترقی پر ہے کہ اس انتہائی تشویش و اضطراب کے وقت میں بھی پرانی عادتیں نہیں چھوٹتیں!

خوشخبری

حلقۂ قدردانان صدق میں یہ اطلاع بجوں کے لیے دلچسپی و خوش کن ہوگی کہ ہمارے پاس "سچ" کی ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۶ء کی چند جلدیں بغرض فروخت آ گئی ہیں۔ "سچ" "صدق" کا نقش اول جناب مدیر "صدق" کی ادارت میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۳ء تک صوری و معنوی آب و تاب کے ساتھ ہوا ہے

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد   برنگ اصحاب صورت را ببوارباب معنی را

نوٹ: پہلی جلد میں ۲۰ پرچوں کی ہے اور دوسری میں صرف ایک پرچہ کی [illegible]

سورۃ البقرۃ رکوع ۷ و ۸

(بہ سلسلۂ صدق ۲۶ ماقبل)

(از عبد الماجد)

۵۹۔ فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون۔	مگر بدل ڈالا اُن زیادتی کرنے والوں نے ایک اور کلمہ خلاف اُس کلمہ کے جو بتایا گیا تھا انھیں ۲۳۷۔ سو نازل کی ہم نے (اُن) زیادتی کرنے والوں پر ایک بلا آسمان ۲۳۸ سے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے ۲۳۹۔

---

۲۳۷ یعنی جو الفاظ تعلیم و تلقین کیے گئے تھے اُنھیں چھوڑ چھاڑ کر کچھ اور کلمہ ہنسی اور تمسخر کے زبان پر لانے لگے۔ یہ کلمے کیا تھے اس میں روایات مختلف ہیں، مگر ماحصل سب کا یہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے اب وہ کام تمسخر و استہزاء کے لے رہے تھے۔

ومعنی الآیۃ انھم وضعوا مکان ما امروا بہ من التوبۃ والاستغفار قولاً منافیاً لہ مشعراً باستہزائھم بما امروا بہ عدم مبالاۃ باوامر اللہ (بحر)

۲۳۸ رجزاً عام ہے ہر عذاب کے لیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔ ھو العذاب (لسان) وھو العذاب (کبیر)

من السماء سے مراد یہ نہیں کہ وہ برف و بارش وغیرہ کی طرح آسمان سے نازل ہوتے دکھائی دی۔ بلکہ یہ ٹکڑا یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ وہ عذاب آسمانی عالم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ارضی اسباب سے خود بخود پیدا نہیں ہو گیا تھا۔ مقدرمن اللہ [illegible]

۔ تاریخ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ وہ طاعون میں بار بار مبتلا ہوئے۔ اور بائبل میں اسکا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ آیت ماقبل میں اگر قریہ (بستی) سے مراد شطیم ہی لی جائے جو شہر ہے مارق موآب کا، تو اس کا ذکر بائبل میں مفصل موجود ہے۔

"سو اسرائیل شطیم میں مقیم ہوئے اور ان لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے حرام کاری شروع کی۔ اُنھوں نے اپنے معبودوں کی قربانیوں کی لوگوں کی دعوت کی۔ لوگوں نے کھایا اور اُن کے معبودوں کو سجدہ کیا۔ اور اسرائیل بعل فغور سے ملے۔ تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا" (گنتی۔ ۲۵: ۹)

"وہ جو اس وبا میں مرے، چوبیس ہزار تھے" (گنتی۔ ۲۵، ۹)

عجب نہیں کہ آیت میں اشارہ اسی وبا یا طاعون کی جانب ہو۔ اور یہ طاعون کے معنی صحابہ سے بھی نقل ہوئے ہیں۔ قال ابن زید بعث اللہ علیہم الطاعون (کبیر) قال وھب الطاعون (کبیر) قال وھب الطاعون رجز، والمراد بہ الطاعون (بیضاوی)

۲۳۹ یہاں یہ صاف کردیا کہ طاعون کا اصل سبب طبعی یا طبیعی نہ تھا، بلکہ مادی یا اخلاقی بدپرہیزیاں اور نافرمانیاں تھیں۔ قوانین تکوینی کی خلاف ورزیاں [illegible]

۶۰ - وإذ استسقى موسى لقومه فقلنا اضرب بعصاك الحجر فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا، قد علم كل أناس مشربهم كلوا واشربوا من رزق الله ولا تعثوا في الأرض مفسدين۔

اور (یاد کرو وہ وقت) جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے[۲۳۲] سو ہم نے کہا (اے موسیٰ) مارو اپنا عصا (فلاں) پتھر[۲۳۳] پر۔ پس پھوٹ نکلے اس میں سے بارہ چشمے[۲۳۴]۔ معلوم کر لیا ہر گروہ نے اپنا گھاٹ۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے (دیئے ہوئے) رزق میں سے[۲۳۵] اور مت پھرو زمین پر فسادی بن کر[۲۳۶]۔

اصل باعث شرائع موسوی کی خلاف ورزی تھی۔ —— شریعت کی بارگاہ معاصی اور امراض کے درمیان کے ان خفی تعلقات تک بآسانی پہونچ جاتی ہے، جو دنیا کے بڑے بڑے اطباء و حکماء کی نظر سے مخفی رہ جاتے ہیں۔ عارف رومی نے سچ کہا ہے ؎

ابر نابد از پے منع زکات
وز زنا افتد وبا اندر جہات

۲۳۲ جب پوری قوم اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی رہبری میں اپنے وطن اقامت مصر سے ہجرت کرکے اپنے وطن آبائی شام و فلسطین کی طرف یک بیک چپکے سے روانہ ہوئی ہے، تو رات کے اندھیرے میں راہ بھٹک کر بجائے شمال کی جانب خشکی خشکی سیدھے فلسطین پہونچ جانے کے، جنوب و مشرق کی طرف پڑلی۔ اور بحر قلزم کی ایک تنگ شاخ کو امداد غیبی سے عبور کرکے جزیرہ نمائے سینا میں پہونچی، اور برسوں اسی لق و دق بیابان و کوہستان میں بسر کرتی رہی۔ اپنے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ کوچ در کوچ ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہوتی رہتی تھی، کہ یکایک ایک ایسی جگہ پہونچے، جہاں پانی نایاب تھا، اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ قوم اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کے سر ہو گئی کہ ہم پیاسوں مرے جاتے ہیں، جہاں سے بن پڑے، پانی دلوائیے۔ توریت میں ہے:۔

"تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا۔ اور رفیدیم میں ڈیرا کیا۔ وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے اور کہا ہم کو پانی دے کہ پئیں.... موسیٰ نے خداوند سے فریاد کرکے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں؟ وہ سب تو ابھی مجھے سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔" (خروج - ۱۷: ۱-۴)

اور قدیم یہودی مورخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔

"وہ مقام رفیدیم میں پہونچے، جہاں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے۔ یہاں کی سرزمین پر پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ اس پر یہ لوگ غصہ میں بھر کر پھر موسیٰ پر ٹوٹ پڑے.... لیکن وہ خدا کے آگے دعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہو گئے" (باب ۳ فصل ۲)

لیکن توریت ہی میں ایک دوسری جگہ مقام کا نام بجائے رفیدیم کے قادس (قدیس) بتا رہا ہے:۔

"بعد اس کے بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے مہینے میں دشت صین میں آئی اور قادس میں رہنے لگی.... وہاں جماعت کے لیے پانی نہ تھا۔ سو وہ جمع ہو کے موسیٰ اور ہارون کے برخلاف ہوئے، اور ان لوگوں نے موسیٰ سے جھگڑا کیا اور کہا.... یہاں تو پینے کو پانی ہی نہیں۔ تب موسیٰ اور ہارون جماعت کے سامنے سے جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر گئے، اور منہ کے بل گرے" (گنتی ۲۰: ۱-۶)

اس بنا پر علماء توریت میں سخت اختلاف پڑ گیا ہے، کہ وہ مقام جہاں یہ واقعہ پیش آیا کونسا تھا۔ لیکن بہرحال وہ مقام وہ ہو یا یہ ہو یا دونوں ہوں، اور دو مرتبہ یہ صورت پیش آئی ہو، نفس اس واقعہ کا توریت تاریخ اسرائیل کے ساتھ عین مطابق ہے۔

۲۳۳ (تاکہ اس چٹان سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے)۔ پہاڑی چشمے ہر شخص کے مشاہدہ میں آچکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پانی کے لیے دعا کی، تو انھیں ہدایت ہوئی کہ فلاں چٹان تک چلے جاؤ، وہاں چٹان پر اپنا عصا مارو، پانی وافر نکلیگا۔

توریت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ حورب کا ہے۔

"خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے، اور اپنا عصا جو تونے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں حورب کے چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہوں گا، تو اس چٹان کو ماریو۔ اس سے پانی نکلیگا تاکہ لوگ پئیں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا" (خروج ۱۷: ۵، ۶)

"تب موسیٰ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان کو دو بار اپنی لاٹھی سے مارا تو بہت پانی نکلا اور جماعت نے اور ان کے چارپایوں نے پانی پیا" (گنتی ۲۰: ۹-۱۱)

الحجر سے مراد کوئی خاص چٹان ہے جو حضرت موسیٰ کے علم میں تھی۔ والاشارۃ الی حجر معلوم (کبیر) اللام فیہ للعہد (بیضاوی) کان حجرا معینا بدلیل انہ عرفہ بالالف واللام (معالم)

اضرب بعصاک الحجر کے صاف سیدھے اور کھلے ہوئے معنی چھوڑ کر آیت کا ترجمہ یہ کرنا کہ "اے موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ" لغت عربی، واقعات تاریخ، اپنے فہم سلیم، سب پر ظلم کرنا ہے۔ ضرب کے معنی عربی میں چلنے کے جب ہی آسکتے ہیں، جب فعل ضرب کا صلہ "فی" کے ساتھ ہو، مثلاً ضرب فی الارض، اور یہ یہاں موجود نہیں۔ پھر پہاڑی چشموں سے پانی کا رواں ہوتے رہنا، تجربہ و مشاہدہ کے کس کھلے قانون کے خلاف ہے؟

۲۳۴ یعنی اس پہاڑی چشمے سے بارہ دھارے، بارہ نالیاں الگ الگ جاری ہو گئیں۔ یہ تعداد بارہ قبیلوں یا بارہ ٹکڑیوں کے عین مطابق ہے۔

بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ توریت میں موجود نہیں، قرآن نے کہاں سے گڑھ کر رکھ دیا ہے۔ قدرت نے اسکا جواب بھی خود مسیحیوں ہی کی زبان سے دلوا دیا۔ جارج سیل انگریزی میں قرآن کا قدیم ترین مترجم ہے، اپنے حاشیہ میں لکھتا ہے:۔

"ایک مسیحی سیاح جو وہاں گیا ہے، تصریح سے بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا"

اخلاص

(از: مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

خلوص، اخلاص، اور مخلص وغیرہ الفاظ ہماری زبان میں بہت برتے ہوئے ہیں، ہم جب کسی شخص کے کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور اسکی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو ان لفظوں میں سے کوئی نہ کوئی لفظ ضرور اسکی تعریف میں لگا دیتے ہیں۔ عموماً تو یہ استعمال کچھ بیجا سا ایک مسرفانہ قسم کا معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات صحیح بھی معلوم ہوتا ہے، مثلاً جو لوگ کسی جماعتی کام کرتے ہیں، اسکے لیے ہر طرح کی زحمت برداشت کرتے ہیں جیل خانے جاتے ہیں، پولیس کے ڈنڈے کھاتے ہیں، جسمانی، مالی اور دماغی ہر طرح کے خطرات برداشت کرتے ہیں اور بظاہر اس کام کے سلسلے میں اپنی ذات یا اپنے متعلقین کی کوئی منفعت شخصی سامنے نہیں رکھتے۔ ایک اسکول یا کالج کھولتے ہیں، اسکے لیے دربدر بھیک مانگتے ہیں، اسکو ترقی دیتے ہیں اور مرتے ہیں تو کفن تک کے لیے پیسے چھوڑ کے نہیں جاتے۔ یا کتابیں لکھتے ہیں اور اس سے کوئی تاجرانہ مقصد پیش نظر نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ اس بات کے ضرور مستحق ہیں کہ اگر انکے کاموں میں شہرت طلبی اور خواہش نام و نمود کی کوئی کھلی ہوئی علامت موجود نہ ہو تو انکو مخلص کہا جائے۔

لیکن ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو مخلص مانیے، تو لوگ اخلاص اور اصابت میں کچھ ایسا منطقی لزوم سمجھتے ہیں، کہ پھر آپ سے اس کے اعمال کی صحت و اصابت تسلیم کرنے کا بھی مطالبہ کرینگے۔ یہ مطالبہ ذرا ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے۔ پہلی بات تو سماحت کرکے مان لیجیے تو دل پر کچھ ایسی گراں نہیں گزرتی، مگر مچھر کے بعد اس اونٹ کو نگلنا ان طبیعتوں پر شاق ہوتا ہے، جو اخلاص کے صحیح مطالب سے بیخبر نہیں ہیں، حالانکہ یہ بہت کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی شخص کا اخلاص اسکے عمل کی صحت کو مستلزم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے ارادہ میں نہایت مخلص ہو، مگر اسکا عمل بالکل غلط ہو۔ ماں کی ممتا کتنی غیر مشتبہ چیز ہے، بیٹے کے لیے وہ جو کچھ کرتی ہے، بیٹے کے لیے وہ جو کچھ کرتی ہے سچے مادری جوش کے سوا اور کیا چیز اسکی محرک ہو سکتی ہے، لیکن دیکھیے تو اخلاص کتنے بچوں کی جانیں روز لیا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مجرد اخلاص کافی نہیں ہے، بلکہ اسکے ساتھ علم بھی ایک ضروری شرط ہے۔ آپ طبیب نہیں ہیں مگر مریضوں کا علاج شروع کر دیں، مذہب سے واقف نہیں ہیں مگر فتوے نویسی کی مسند بچھا دیں، عربی کی الف بے بھی نہیں جانتے اور قرآن کی تفسیر لکھ ڈالیں، انجینیر نہیں ہیں مگر پل بنانے کی ذمہ داری اٹھا لیں، ڈرائیور نہیں ہیں مگر موٹر چلانے لگ جائیں، تو چاہے کتنے ہی اخلاص کے ساتھ ان کاموں کو انجام دیں مگر آپ کا عمل صحیح نہیں ہو سکتا، اور اگر صحیح ہوگا تو یہ ایک اتفاقی بات ہوگی، اور یہ اتفاقی صحت آپ کو ایک خطرناک اقدام کی ذمہ داری سے بری نہیں کرتی۔ آپ اس بات کے مستحق ہونگے کہ آپ کو امراضِ دماغی کے کسی شفاخانہ میں بھیجا جائے۔

یہ بات اخلاص اور خلوص کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھ کر کہی گئی ہے جو عرفِ عام میں مشہور ہو گیا ہے، لیکن ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اخلاص کا یہ مفہوم غیر قرآنی ہے، قرآن میں، یہ لفظ کسی کام کو صرف اللہ کے لیے انجام دیا جائے وہ اخلاص کا کام ہے۔ اور جو شخص خالص اللہ کے لیے کسی کام کو کرے وہ مخلص ہے۔ اس لفظ کی اصلی روح توحید ہے۔ چنانچہ سورۂ اخلاص جو توحید کی سورہ ہے اسی وجہ سے سورۂ اخلاص کے نام سے موسوم ہے۔ تمام آیتیں نقل کرنے میں طوالت ہوگی، ہم صرف چند آیتیں محض بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

سورۂ نساء میں ہے، وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ جنھوں نے اپنی اطاعت اللہ کے لیے خالص رکھی۔ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ۔ پس اللہ ہی کی عبادت کرو اسکے لیے اپنی عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ، اور ہماری اطاعت اللہ کے لیے خالص ہے، وغیرہ۔ پس اخلاص کا کام وہ ہے جو اللہ واحد کے لیے کیا جائے، اس میں کوئی اور شائبہ نہ پایا جائے۔ اور مخلص وہ شخص ہوگا جسکے اعمال و افعال کی محرک صرف خدا کی خوشنودی ہو، وہ بچوں کے منہ میں لقمہ ڈالنے سے لیکر قوموں کی سیادت و قیادت تک جو کچھ کرتا ہو، مجرد رضائے مولیٰ کے داعیہ سے کرتا ہو، اس میں کوئی دغدغہ اور وسوسہ شامل نہ ہو۔ احادیث میں یہ حقیقت نہایت دلآویز لفظوں میں تعبیر ہوئی ہے، اور شاہ صاحب نے شرح موطا میں بعض احادیث کے ذیل میں اور ابن قیم نے اپنی بعض تالیفات میں ایسی باتیں فرمائی ہیں کہ ان سے روح کو تازگی اور ایمان کو غذا نصیب ہوتی ہے۔ مگر ان لطائف کی تفصیل کے لیے اس مختصر اور سادہ تحریر میں گنجائش نہیں ہے۔

بہر حال قرآن میں اس لفظ کی جو حقیقت ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی خدمت کو مخلصانہ اور کسی شخص کو مخلص سمجھنے کے لیے تنہا یہ بات کافی نہیں ہے، کہ وہ ذاتی مفاد کی آلائشوں سے پاک ہے۔ بے شبہ جو شخص ہر کام اپنے ہی پیٹ اور تن کے لیے کرتا ہے اور جسکی تمام تگ و دو کا محور اس کی اپنی ہی ذات ہے اس نے حیوانیت کے دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالا ہے، اور اسکے مقابل میں وہ شخص ایک دوسری حیثیت رکھتا ہے، جو ذات کی تنگنائے سے نکل کر خاندان، قوم، ملک، وطن وغیرہ کی وسعتوں میں بڑھ گیا ہے، لیکن قرآن کے مفہوم اخلاص کو سامنے رکھ کر جب ہم ان دونوں میں مقابلہ کرینگے تو یہ مقابلہ دو برائیوں میں ہوگا، دو اچھائیوں میں نہیں ہوگا۔ یعنی یہ کہیں گے کہ پہلے کے مقابلہ میں دوسرا کم برا ہے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ پہلے کے مقابل میں دوسرا زیادہ اچھا ہے، کیونکہ قرآن مجید تنہا یہ نہیں مطالبہ کرتا کہ ایک آدمی اپنی ذات اور شخصیت کی پرستش سے چھوٹ جائے، اسکا مطالبہ تو یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے سوا آدمی کے اعمال کے لیے کوئی اور محرک ہی باقی نہ رہے، اور اسی کے لیے جیے، اسی کے لیے مرے، اور اسی کی رضا کی تلاش میں ہر لمحہ سرگرم کار رہے۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو مخلص ہونا تو درکنار اسکے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی نظر میں اکارت ہیں۔

ممکن ہے بعض لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے، مگر یہ مسئلہ صاف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد

دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبد القوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلات اس پتہ پر بھیجیے: محمد عبد الرؤف دریابادی مہتمم "صدق" مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ: للعہ
ششماہی: ؎
بیرون ہند سے سالانہ: ...
قیمت فی پرچہ: ۱؍

صدق
لکھنؤ

نمبر ۱۰	دوشنبہ - ۲۶ - شوال المکرم سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۴۱ء	جلد ۷

سچی باتیں

پارسی مذہب دنیا کا ایک مشہور مذہب ہے۔ تاریخ اور مذہب اور تصوف اور نوروزی کے نام سے انگریزی پڑھے لکھوں میں کون ناواقف ہے؟ قرآن مجید میں ذکر مجوس کا آیا ہے۔ اور فارسی شعر و ادب تو کشت و زمزمہ اور پیر مغاں اور گبر کی تلمیحات سے بھرے پڑے ہیں۔ انکی مقدس اور الہامی کتاب اوستا آپ جانتے ہیں کس طریقہ پر محفوظ و مدون ہوئی ہے؟ پارسی عقیدہ یہ ہے کہ

"زرتشت کی تعلیمات کو جو لکھی ہوئی شکل میں محفوظ تھیں، سکندر نے جلا کر تباہ کر دیا تھا۔ جب اردشیر اول کو دوبارہ انکے لکھوانے کا خیال آیا تو اُس زمانہ میں ارداویراف ایک نہایت باخدا، متقی شخص تھا اور صاحب کشف و کرامات تھا۔ اسکو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اُس نے مناسب غسل و طہارت کے بعد ایک نہایت قوی نیند آور دوا کھائی، اور سات دن تک سوتا رہا۔ اس عرصہ میں اُسکو عالم رؤیا میں زرتشت کے تمام مواعظ حفظ کرا دیے گئے، جو اُس نے بیدار ہو کر لفظ بہ لفظ لکھوا دیے۔ اور یہی اب کتاب مقدس اوستا ہے"

سوال اوستا کی الہامیت کا نہیں، وہ تو بہت بعد کا سوال ہے، گفتگو صرف اسکی محفوظیت کا ہے۔ بالفرض وہ الہامی ہی سہی، بہرحال ہم تک پہونچی کن ذریعوں سے ہے؟ —— راویوں کے ذریعہ سے نہیں، اور جب روایت کا وجود ہی سرے سے نہیں، تو اُس پر جرح کیسی، اور راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کی بحث ہی کیا؟ —— وہ کتاب جس پر مذہب کا دارومدار ہے، صرف خواب کے ذریعہ سے پہونچی! خواب صرف ایک شخص کا! اور خواب بھی قدرتی نہیں، مصنوعی، اور دوا کے ذریعہ سے پیدا کیا ہوا!

آگے چلیے۔ دنیا کے مشہور ترین مذہب مسیحیت کو لیجیے۔ کلیسا کی مسلم اور معتبر

چاروں انجیلیں بجائے خود جیسی بھی سہی، آخر بیسیوں جعلی اور غیر مستند انجیلوں میں سے یہی چار کیونکر، اور کس معیار سے معتبر اور مستند قرار پائیں؟

"انجیل کا شوق پیدا ہوتے ہی لوگ ہر جگہ چھوٹی بڑی ہر قسم کی انجیلیں لکھنے لگے۔ ... نیقیہ کی کونسل (۳۲۵ء) میں جو پہلی کوشش ہوئی وہ یہ تھی کہ مستند و غیر مستند جانچی جائیں۔ انجیلیں سب گرجے کے صدر مقام پر رکھدی گئیں، اور بزرگان دین نے بڑے خضوع و خشوع سے دعا مانگنی شروع کی کہ جتنی کتابیں روح القدس کے الہام کے مطابق ہوں وہ اوپر رکھی رہیں، اور جو غیر مستند ہوں نیچے گر پڑیں۔ بس اس موقع پر جو کتابیں نیچے گر پڑیں وہ تو مسترد کر دی گئیں، اور جو اوپر رکھی رہیں، واجب العمل مان لی گئیں۔ ... کونسل کے ممبروں میں سے دو بشپ عین انعقاد کونسل کے زمانہ میں مر گئے۔ کونسل کی کارروائیوں کے استناد کے لیے ان دونوں کے بھی دستخطوں کی ضرورت تھی۔ کونسل کے فیصلوں کی مسلیں انکی قبروں پر لے جا کر رکھ دی گئیں اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ کوئی اندر نہ جانے پائے۔ محترم بزرگان کلیسا رات بھر دعا مانگتے رہے۔ صبح کو قبروں پر جا کر دیکھا تو مسلوں پر دونوں مرحومین کے دستخط موجود تھے!"

کیسے ایسے مسلم مذہب کے پاس ان کرامات، ان عجائبات، ان معجزات کے مقابلہ کی کوئی چیز؟ بڑا دعوی لے دے کے تواتر کا ہے، یعنی اپنے قرآن کے ہر ہر لفظ، ہر ہر حرف، ہر ہر نقطہ، ہر ہر اعراب سے متعلق، ہر زمانہ میں، ہر قرن میں، ہر عہد میں، بے شمار، بے حساب تعداد میں راویوں کی مسلسل، اور بلا انقطاع سلسلۂ روایت کا، سند متصل کا! اور قرآن تو خیر بہت بڑی چیز ہے، اسکے توضیحی دفتر حدیث تک کا ایک ایک لفظ جانچا ہوا ہے، تُلا ہوا ہے، جرح کیا ہوا ہے! ہمسکے حریف آج ایسے ایسے ہیں، جنھیں ضرورت ہے کسی

جرح کی، نہ کسی سند کی، نہ کسی تحقیق تنقید کی، غیر نقد، معتبر و غیر معتبر کی۔ ملامت ایسی خوش عقیدگیاں کہ بس ایک رات کی تاریکی، اکیلی ودگی کافی ہے ہزار رات کو دن بنا دینے کے لیے، ہر باطل کو حق میں تبدیل کر دینے کے لیے، ہر بندہ میں خدائی پیدا کر دینے کے لیے!

دہلی ۱۸۵۷ء میں

خطوط غالب مرتبہ "مولوی" مہیش پرشاد کی جو جلد الہ آباد ہندوستانی اکاڈمی سے شائع ہوئی ہے، وہ علاوہ اپنی ادبی لطافتوں اور نوروں کے، تاریخی معلومات کے لحاظ سے بھی بہت قابل قدر ہے۔ مرزا صاحب ۱۸۵۷ء کے مشہور ہنگامے کے پانچ ہی چھ مہینے کے بعد ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو، منشی ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں لکھتے ہیں:—

"واللہ، ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہلِ حرفہ۔ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔ ... یہاں غریب کیا، بلکہ دیوار بہ دیوار گھر ہیں حکیموں کے، اور وہ نوکر ہیں راجہ نریندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجہ نے صاحبانِ عالیشان سے عہد لے لیا تھا کہ بروقتِ غارتِ دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح کے راجہ کے سپاہی آ بیٹھے، اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔ مبالغہ نہ جاننا، امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیردار، پنشن دار، دولتمند، اہلِ حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمانِ قلعہ پر شدت ہے اور باز پرس اور دار و گیر میں مبتلا ہیں۔ ... گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آج تک بدستور ہے۔ ... دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا۔ ابھی دیکھا چاہیے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔" (صفحہ ۱۹)

حقائق پر کوئی پردہ کہاں تک ڈالے رکھ سکتا ہے؟ مسلمان اپنی مغلوبیت اور بیکسی کی تازہ داستان کو بھلانا چاہیں بھی تو کیسے بھلا سکتے ہیں؟

"صاحب" کی خونی تفریح

نیویارک۔ ۳۰۔ ستمبر۔ کل رات کو جو لوئیس مشہور و معروف حبشی مکہ باز کا مقابلہ "ورلڈ چیمپین شپ" (دنیا کی استادی) کے لیے ایک سفید فام حریف لو نووا سے ہوا۔ اور لوئیس حسبِ معمول غالب رہا۔ تین چکروں تک تو مقابلہ معمولی رہا۔ اس کے بعد لوئیس نے جو مکے برسانا شروع کیے، تو نووا کو کہیں پناہ نہ ملی۔ نووا ایک بار گر گر گیا، عرشہ کے باہر ہی آ رہا تھا، پھر سنبھلا۔ لیکن سر پر اور منہ پر جو متواتر حریف کے مسلسل گھونسے تو اس پر لا دیے۔ پندرہویں چکر پر تو یہ نوبت ہو چکی کہ گویا اس پر غشی طاری تھی۔ منہ سوجی ہوئی، داہنی آنکھ سے خون کی لکیر چل رہی تھی، اور سر اس زور سے چکرا رہا تھا کہ آخر منزل تک وہ پہنچ

نہ سمجھا کہ معاملہ ختم ہو چکا اور اسے شکست ہو چکی ہے۔ تماشائیوں کا مجمع ۶۰ ہزار کا تھا، اور ٹکٹ کے ذریعہ سے آمدنی کا تخمینہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار پونڈ (۱۵ لاکھ روپیہ) کا کیا گیا ہے۔ اس میں ۴۰ ہزار پونڈ لوئیس کو ملیں گے۔"

(رایٹر کا تار برقی۔ ملخصاً)

شاہان اودھ اور دہلی کے بدنام شوق مرغبازی اور بٹیر بازی کو کوئی نسبت "صاحب" کے اس نیک نام شوق "انسان بازی" سے ہے؟!

"صاحب" کی "آرٹ پروری"

۲۵۔ اکتوبر کو ہز ایکسیلنسی گورنر صوبہ اور لیڈی ہیلٹ نے اودے شنکر کے کلچر سنٹر (المورہ) میں جا کر طلبہ اور طالبات کے کمالات ملاحظہ کیے۔ ہز ایکسیلنسی دوبارہ ۲۸۔ اکتوبر کو صبح کے وقت گئے، اور دو گھنٹے تک تماشہ گاہ میں رام لیلا کا تماشہ دیکھا۔ اس کے بعد لیڈی صاحبہ کے ہمراہ ہز ایکسیلنسی سمٹولہ تشریف لے گئے، جہاں اس کلچر سنٹر کی آئندہ تعمیر زیر تجویز ہے۔ اور یہاں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت مجوزہ عمارتوں کے سمجھنے اور ان سے دلچسپی لینے میں صرف فرمایا۔" (اسٹیٹسمین ۲۔ نومبر ۱۹۴۱ء)

گورنر صاحب کے وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے، اور جنگ کی مصروفیات کے سلسلہ میں تو سنا ہے کہ قیمت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ آرٹ نوازی کا کمال ہے کہ رقص و رقاصی جیسے شریف پیشہ اور مفید و ضروری فن کی سرپرستی میں بے تکلف دو دو دن، اور دن کے کئی کئی گھنٹے صرف فرمائے جا رہے ہیں! —— فلاں راجہ یا فلاں نواب، اگر ارباب نشاط کی سرپرستی کریں، تو یہ بدبخت مشرقی تو ہوتے ہی ہیں رنگ رلیاں منانے والے، اور انھیں پر اپنی دولت، ریاست، سلطنت لٹا ڈالنے والے! لیکن وہی تو جب "صاحب" فرمائیں، تو یہی "آرٹ پروری" اور "فنون لطیفہ" کی جلیل نوازی!

ایران کی "ترقی پسندی"

لیڈی ڈاکٹر روزالی مارٹن، ایم۔ ڈی امریکہ کی مشہور و مقبول مصنفہ ہیں۔ ان کی کتاب "اے ووین سرجن" ہاتھوں ہاتھ نکل چکی ہے۔ ایران کی سیاحت دو بار کر چکی ہیں۔ ان کی تازہ کتاب "اے ڈاکٹرس ہالیڈے ان ایران" پر مفصل ریویو مسلم ورلڈ (نیو یارک) کے جولائی نمبر میں نکلا ہے۔ اس کے ضمن میں اصل کتاب کے بھی اقتباسات متعدد آ گئے ہیں۔ ایران، جدید ایران، شاہ رضا پہلوی کے اصلاح یافتہ، "ترقی پسند" ایران کی زبردست مداح ہیں، جوش مدح میں آ کر لکھتی ہیں:—

"کسی اور دوسرے سبب سے زیادہ یہ مشنریوں ہی کا اثر ہے کہ معاشرت جدیدہ کے قدم ایران میں جم گئے ہیں۔ انھیں نے غیر معمولی صبر آزما ہمت سے کام لے کر مغربی دنیا کے طور اور طریقوں کو مشرق تک پہونچایا ہے۔ ... جدید اصلاحات کا تعلق مسیحیت سے خاص ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایران والے، چاہے وہ خود واقف ہوں یا نہ ہوں، مغربی طرز معاشرت کو قبول کر کے مسیحی نظام فکر کو جذب کر رہے ہیں۔ جدید رنگ ڈھنگ مسیحیت کے

اصول اخلاق و پاکیزگی کے مادی منبع ہیں ۔۔ وہی اصول عیسائی یورپ اور امریکہ میں رائج ہیں۔ ایران کے جدید قومی و خانگی و ملکی زندگی کا ماخذ مسیحیت ہی ہے "۔ (مسلم ورلڈ - صفحہ ۳۲۶)

مبارک ہو تجدد کو: اسلام کے بجائے مسیحیت کی حلقہ بگوشی! جدید ایران اور جدید ترکیہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ روز بروز بعد ہوتا چلا گیا اپنے دین سے، اور قرب حاصل ہوتا گیا "صاحب" کے آئین سے! ۔۔۔۔ یہ اصطلاح قادیان گویا تجدد نام ہوا ہے ظلی مسیحیت کا!

تجدد کی گونج

"سوال صرف اشارہ جاتا ہے کہ عبادتوں کے ادا ہونے ارکان میں بھی سکا (مائکروفون کا) اتباع و اعتبار مثل انسانی آواز کے کیا جائیگا؟ ۔۔۔ نماز بھی عبادت منصوصہ ہے۔ اسکی تکبیرات، قرات، وغیرہ بجز امام و نائب امام یا تبلیغ جماعت کے، خارج سے داخلت کسی انسان کی بھی قبول نہیں، چہ جائیکہ کسی مادی آلہ کی! ۔۔۔ اس لیے مکبر دون کی آواز، آواز کے حکم میں نہیں بلکہ گونج (صدائے بازگشت) کے حکم میں داخل ہو جاتی ہے۔ پس ان حالات میں نماز کے اندر احکام میں اس آلہ کا اتباع کسی طرح جائز نہیں" (صدیق)

"ہم عرض کرتے ہیں کہ مساجد کے گنبدوں کی گونج کے متعلق کیا خیال ہے؟ جب یہ صدائے بازگشت نماز کی شرائط کو ناقص نہیں کرتی، تو پھر لاؤڈ اسپیکر کے عدم جواز پر اس قدر اصرار کیوں؟ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ شاید مساجد کے گنبد قدیم زمانہ کے لاؤڈ اسپیکر ہی تھے"! (پیام 'سرراہ')

یہ آج معلوم ہوا کہ دنیا میں کچھ مسجدیں ایسی بھی ہیں، جہاں نماز میں اتباع، امام یا نائب امام کی آواز کا نہیں، بلکہ اُن مسجدوں کے گنبدوں کی گونج کا کیا جاتا ہے؟ اور رکوع و سجود، قیام و قعود، اس لیے نہیں ہوتا کہ امام آواز بھی دے رہا ہے، بلکہ اس لیے کہ گول گنبدوں سے گونج یہ اٹھ رہی ہے! گونج کے اُتار چڑھاؤ پر اُٹھنے اور بیٹھنے اور جھکنے والے نمازی آخر اس دنیا کے پردہ پر کہاں موجود ہیں؟ انقرہ میں؟ مرادآباد میں؟ آخر کہاں؟ ۔۔۔ دین اور شعائر دین کی "سرراہ" ہنسی اُڑانے کا نتیجہ یہی ہونا ہی تھا کہ خود اپنا کلام مضحک بن جائے! اور شوخ نگاری ایک بھدے مسخرہ میں تبدیل ہوکر رہ جائے!

ایک مفید رسالہ

بمبئی میں میمن برادری کے ایک ہونہار نوجوان صدیق لکھتے ہیں، اردو کے علاوہ گجراتی زبان میں بھی اصلاحی مضامین صدق کے رنگ کے لکھتے رہتے ہیں۔ حال میں انکا مختصر سا رسالہ "تعلیم جدید پر ایک نظر اور روشن خیالوں کی نذر" کے عنوان سے انجمن اسلامی تاریخ و تمدن، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے شائع کیا ہے۔ شروع میں "دو لفظ" مدیر صدق کے قلم سے ہیں۔ یہاں حرف بحرف نقل کیے جاتے ہیں:۔

"صدیق کی ایک تحریر کے لیے حکم ہوا ہے صدق کے اڈیٹر کو کہ اس پر دو لفظ تعارف کے لکھ دے۔ مناسبت صدق کی صدق سے بالکل ظاہر ہے۔ لیکن تحریر کی تقریب و تعارف میں کیا کہا جائے؟ وہ بھی لفظ سہی، لیکن آخر وہ دو لفظ بھی کیا ہوں؟ مشک خود ہی خوشبو دے رہا ہے، عطار صدا لگائے بھی تو کیا لگائے؟

صاحب تحریر کا ابھی تو آغاز ہے، اُٹھان ہے۔ پختگی پر پہونچتے پہونچتے خدا کرے ایمان میں اتنے پختہ ہو جائیں کہ شمار زمرۂ صدیقین میں ہونے لگے۔ الذین آمنوا باللہ و رسلہ اولٰئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم۔ اور آج تو زمین پر انسان انھیں صدیق کہکر پکارتے ہیں، کل جنت میں فرشتے بھی انھیں "صدیق، صدیق" ہی کہکر پکاریں۔ اللہ انکی اس خدمت کو قبول کرے اور انکے اس رسالہ سے لوگوں کو پوری طرح مستفید کرے"۔

رسالہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے مطالعہ میں رکھنے کے خاص طور پر قابل ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴)

صورت بالکل چندرما سے ملتی ہوئی۔ ولدیت اُسی کی تسلیم ہوئی۔ اس جواب دیتے ہوئے شرمائی لجائی ۔۔ لڑکے کا نام باپ نے بدھ رکھا۔ زمین پر ایک سلطنت اُسے حکومت کے لیے عطا ہوئی۔ قوت تسخیر کا یہ عالم کہ اچھی اس طرح پیچھے پیچھے پھرتے، گویا کوئی کتا دُم ہلاتا ساتھ ساتھ ہے!۔۔۔ دیوتاؤں نے کہا، کہ

بیا بیا عراقی تو از ان خاص ئی!

یہ تو ہم میں شامل ہونے کے قابل ہے، اسے زمین سے آسمان پر اُٹھا لو۔ برہما جی نے حکم دیا، کہ آج سے اسکا شمار بھی آسمان کے دیوتاؤں میں ہو۔ عطارد ستارہ کو آپ پہچانتے ہیں؟ یہ وہی اقتاب زادہ ہے!

خود چندرما جی بھی اپنے گرو کی بد دعا کے اثر سے نہ بچے، دق کا مرض مسلط ہوگیا۔ گنگا مائی کے کنارے آ، ہردوار کے قریب، ریاضتیں کرنی شروع کیں۔ مہا دیو جی اس کفارہ سے راضی ہوگئے، حکم ہوا بیماری دور۔۔۔ گنگا جی کے کنارے رشی کیش میں چندریشر کا جو متبرک مندر ہے، یہ تیرتھ اسی مقدس واقعہ کی یادگار ہے

بزم ہمدردان صدق

جناب عبد الہادی صاحب انصاری، بھوپال نے مبلغ چھ روپئے بطور امداد "صدق" ارسال فرمائے۔ فجزاہ اللہ خیرا لجزاء۔

صدق کی دینی خدمات

کے پیش نظر، اس کی توسیع اشاعت پر توجہ ہر خریدار صدق کا فرض ہے۔ خصوصاً جبکہ کاغذ و سامان طباعت کی گرانی حد سے سوا ہو چکی ہو۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

صدق
لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلات اس پتہ پر بھیجیے:
محمد عبدالرؤف باسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ
قیمت فی پرچہ

نمبر ۲۰ | دوشنبہ ۲۶ شوال المکرم ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

پارسی مذہب دنیا کا ایک مشہور مذہب ہے۔ ٹاٹا اور واڈیا اور نوروجی کے قوم سے انگریزی پڑھے لکھوں میں کون ناواقف ہے؟ قرآن مجید میں ذکر مجوس کا آیا ہے۔ اور فارسی شعر وادب تو کنشت، ومغبچہ اور پیر مغاں اور گبر کی تلمیحات سے بھرے پڑے ہیں۔ انکی مقدس اور الہامی کتاب اوستا آپ جانتے ہیں کس طریقہ پر محفوظ و مدون ہوئی ہے؟ پارسی عقیدہ یہ ہے کہ

"زرتشت کی تعلیمات کو جو لکھی ہوئی شکل میں محفوظ تھیں، سکندر نے جلا کر تباہ کر دیا تھا۔ جب اردشیر اول کو دوبارہ انکے لکھوانے کا خیال آیا تو اس زمانہ میں ارداویراف ایک نہایت باخدا، متقی شخص تھا اور صاحب کشف و کرامات تھا۔ اسکو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس نے مناسب غسل، طہارت کے بعد ایک نہایت قوی نیند آور دوا کھائی، اور سات دن تک سوتا رہا۔ اس عرصہ میں اسکو عالم رؤیا میں زرتشت کے تمام نوشتے حفظ کرا دیے گئے، جو اس نے بیدار ہو کر لفظ بہ لفظ لکھوا دیے۔ اور وہی اب کتاب مقدس اوستا ہے۔"

سوال اوستا کی الہامیت کا نہیں، وہ تو بہت بعد کا سوال ہے، گفتگو صرف اسکی محفوظیت کا ہے۔ بالفرض وہ الہامی ہی سہی، بہرحال ہم تک پہونچی کن ذریعوں سے ہے؟ —— راویوں کے ذریعہ سے نہیں، اور جب روایت کا وجود ہی سرے سے نہیں، تو اس پر جرح کیسی، اور راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کی بحث ہی کیا؟ —— وہ کتاب جس پر مذہب کا دارومدار ہے، صرف خواب کے ذریعہ سے پہونچی! خواب صرف ایک شخص کا! اور خواب بھی قدرتی نہیں، مصنوعی! اور دوا کے زور سے پیدا کیا ہوا!

آگے چلیے۔ دنیا کے مشہور ترین مذہب مسیحیت کو لیجیے۔ کلیسا کی مسلم اور معتبر

چار دس انجیلیں نہیں، خود بیسیوں ہی سہی، آخر بیسیوں جعلی اور غیر مستند انجیلوں میں سے یہی چار، کیونکر، اور کس معیار سے معتبر اور مستند قرار پائیں؟

"اناجیل کا شوق پیدا ہوتے ہی لوگ ہر جگہ جھوٹی سچی ہر قسم کی انجیلیں لکھنے لگے۔ ... نیقیہ کی کونسل (۳۲۵ء) میں جو تدبیر کوشش ہوئی وہ یہ تھی کہ مستند و غیر مستند جتنی بھی انجیلیں تھیں سب گرجا کے صدر مقام پر رکھدی گئیں، اور بزرگان دین نے بڑے خضوع و خشوع سے دعا مانگنی شروع کی کہ جتنی کتابیں روح القدس کے الہام کے مطابق ہوں اوپر رکھی رہیں، اور جو غیر مستند ہوں نیچے گر پڑیں۔ بس اس موقع پر جو کتابیں نیچے گر پڑیں وہ تو مسترد کر دی گئیں، اور جو اوپر رکھی رہیں، واجب العمل مان لی گئیں۔ ... کونسل کے ممبروں میں سے دو بشپ عین انعقاد کونسل کے زمانہ میں مر گئے۔ کونسل کی کارروائیوں کے استناد کے لیے ان دونوں کے بھی دستخطوں کی ضرورت تھی۔ کونسل کے فیصلوں کی مسلیں انکی قبروں پر لے جا کر رکھ دی گئیں اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ کوئی اندر نہ جانے پائے۔ محترم بزرگان کلیسا رات بھر دعا مانگتے رہے۔ صبح کو قبروں پر جا کر دیکھا تو مسلوں پر دونوں مرحومین کے دستخط موجود تھے!"

کیسے اچھے مسلم مذہب کے پاس ان کرامات، ان عجائبات، ان معجزات کے مقابلہ کی کوئی چیز؟ بڑا دعویٰ لے دے کے تواتر کا ہے، یعنی اپنے قرآن کے ہر ہر لفظ، ہر ہر حرف، ہر ہر نقطہ، ہر ہر اعراب سے متعلق، ہر زمانہ میں، ہر قرن میں، ہر عہد میں، بے شمار و بے حساب تعداد میں راویوں کی مسلسل اور لا انقطاع سلسلہ روایت کا، سند متصل کا! اور قرآن تو خیر بہت بڑی چیز ہے، اسکے توضیحی دفتر حدیث تک کا ایک ایک لفظ جانچا ہوا ہے، تلا ہوا ہے، جرح کیا ہوا ہے! اسکے حریف آج ایسے ایسے ہیں جنھیں ضرورت سے زیادہ کس

مجلس علمائے دکن کی تجویزیں

حیدرآباد دکن - یکم دسمبر - صدر مجلس علمائے دکن نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰ شوال سنہ ۸۲ھ میں حسب ذیل قراردادیں منظور کیں :-

(۱) رویت ہلال کے متعلق حکومت کے حالیہ اعلانات پر اجلاس نے غور کیا کہ تمام دنیا میں ایک ہی دن عید منانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے غیر تشفی بخش اصول پر غور کیا گیا اور طے ہوا کہ جلد ایک جماعت یادداشت تیار کرکے مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کی جائے اور حکومت آصفیہ اسلامیہ کو غیر شرعی اقدامات سے روکا جائے۔

(۲) زنانہ کالج میں طالبات کی بے پردگی پر حکومت سے پُرزور احتجاج کرکے اس قسم کے اعمال کا آئندہ استیصال کرنے کی خواہش کی گئی تھی اسکا جواب متعلقہ تعلیمات سے غیر تشفی بخش موصول ہونے کے باعث نواب صدر اعظم بہادر کو توجہ دلائی جائے کہ حکومت اس بارے میں اپنی پالیسی کا اظہار فرمائے اور ان طالبات و والدین کے مذہب میں مداخلت نہ ہو۔

(۳) اخبار "الامان" دہلی مورخہ یکم نومبر سنہ ۱۹۶۲ء نے "سنڈے نیوز" امریکہ کے حوالے سے یہ خبر نقل کی ہے کہ لارڈ لوتھیان مشہور برطانوی سفیر نے اپنے ایک مضمون میں ہٹلر کا خون آشامی اور غلام سازی میں رسول اللہ ؐ سے مقابلہ کرکے حضور اکرم ؐ کی شان میں گستاخی کی ہے اور "سنڈے نیوز" نے اس مضمون کی بنیاد پر اس سے زیادہ گستاخانہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔

مجلس علمائے دکن اس مردود سفیر اور ملعون اڈیٹر کے خلاف پُرزور احتجاج کرتی ہے اور حکومت برطانیہ پر واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ حکومت کے اپنے ذمہ دار ارکان کی اس طرح نازیبا حرکتیں مسلمانوں کو حکومت سے متنفر کر رہی ہیں اور مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت برطانیہ ایک عام ہدایہ اپنے سفیروں اور دیگر ذمہ دار افسروں کے نام جاری کرے کہ اسلام اور حضرت رسالتمآب ؐ کے خلاف گندہ دہنیوں سے وہ ہمیشہ سختی سے اجتناب کریں۔ (رہبر دکن)

---

۴ ہر مصیبت کو کسی مادی سبب کا نتیجہ بتا کر اپنی جگہ پر مطمئن ہو جاتا ہے اور آخر برباد ہو جاتا ہے - اسی طرح غفلت شعار قومیں بھی ان کے اسباب میں چھپی ہوئی حقیقت سے ناآشنا رہ کر فنا ہو جاتی ہیں !

فکاین من قریۃ اہلکنا ہا وہی ظالمۃ فہی خاویۃ علی عروشہا وبئر معطلۃ وقصر مشید (حج)	اور کتنی آبادیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ وہ گنہگار تھیں - تو وہ اپنی گری ہوئی چھتوں پر بیکار ہو گئے اور اونچے محلوں سمیت اجڑ گئیں (ماجد)

قانون مکافات

جس طرح کسی انسانی جسم میں فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں تو بخار، دردِ سر، اور دوسرے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ فاسد مادے نکل جاتے ہیں تو جسم میں صحت کا دور چلنے لگتا ہے - اسی طرح انسانی دنیا کے جسم میں فاسد مادوں کے اجتماع کا لازمی نتیجہ ہے - اس لیے اگر اس وقت دنیا خون میں نہا رہی ہے - تو اس سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ممکن ہے کہ وہ اس غسل سے نکھر رہی ہو -

یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ جو قوتیں اپنی قوت کے غرور میں خدا کو بھولی ہوئی تھیں - اس مشکل کے وقت میں اسی کا سہارا ڈھونڈھ رہی ہیں - بالشویک روس ابھی زندہ ہے - مگر اسکے لشکر اور اسکے ایمان میں فرق پیدا ہو چلا ہے - یہاں تک کہ خود اسکو اپنی مذہبی ناعاقبت اندیشی کا اعلان کرنا پڑا - جب دیار بیچ میتوں نے تو خدا یاد آیا ہے -

دولت کی بہتات - تمدن کے فساد اور اخلاق کے بگاڑ کا سبب ہے - اسی لیے قرآن نے بتایا ہے اور تاریخ نے اس کی تصدیق کی ہے کہ انسانیت کی بہت سی تمدنی برائیاں دولت کی افراط کا نتیجہ ہیں - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وکم اہلکنا من قریۃ بطرت معیشتہا فتلک مسٰکنہم لم تسکن من بعدہم الا قلیلاً وکنا نحن الوارثین (قصص)	اور ہم نے کتنی آبادیوں کو جو اپنی دنیا کے عیش میں اترا رہی تھیں برباد کر ڈالا - یہ ہیں انکے رہنے کے مقامات جن میں پھر کوئی نہیں بسا، مگر کم - اور ہم ہی اسکے مالک رہ گئے۔

کم نگاہ انسان خدا کے ہاتھ کو گوشت پوست کی صورت میں اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے - حالانکہ اسکے انتقام کا ہاتھ آگ، پانی، زلزلہ، وبا، لڑائی - غرض ان مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے - جن سے گنہگار قومیں ہلاک ہوتی رہی ہیں -

تاریخ کے ظاہر بین برباد شدہ قوموں میں عاد - ثمود - قوم صالح، فرعون وغیرہ کے ناموں کو سن کر غیر تاریخی وجود کا شبہ کرتے ہیں - حالانکہ غیر تاریخی یہ بھی نہیں - تاہم ان کی تاریخی قوموں میں بھی اس انجام کی مثالیں کم نہیں - قدیم یونان کیا ہوئے - روما کے بسنے والے کہاں ہیں ؟ کارتھیج کے بہادر کدھر گئے - ستمفس کہاں ہیں - بابل - نینوی اور مصر میں خدائی کا دعویٰ کرنے والے کدھر گئے - ایران کے پاک نژاد کیانی کس سیلاب میں بہ گئے - سلجوق - غزنی - غوری - وغیرہ کہاں گئے - کیا ان میں سے ہر قوم قرآن پاک کے دعوے کی شہادت نہیں -

جو کچھ کل ہوا ہے وہ آج بھی ہوگا - عاد - ثمود - فرعون - وغیرہ دیکھے مثالیں ہر زمانے میں ہوئے اور ہر زمانے میں ہوں گے - انکے پیکر بدلتے رہتے ہیں - لیکن حقیقت نہیں بدلتی - اسی طرح قوموں کی بربادیاں بھی ہر زمانے میں بھیس بدل بدل کر آتی ہیں - مگر اس کی حقیقت عذاب الٰہی ہی کی ہے جو کبھی نہیں بدلیگی - غفلت کا مارا انسان حسب عادت

شیخ غلام حسین نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فالذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد

پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب :- (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے ہی بلاواسطہ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

شاہ آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

ششماہی ہے

بیرون ہند سے سالانہ ۔

قیمت فی پرچہ ۱/

صدق

لکھنؤ

ہفت روزہ

نمبر ۴۳ | دوشنبہ - ۱۱ ذیقعدۃ المکرم سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق یکم دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

کسی مسلمان طبیب کو نسخہ لکھتے آپ نے دیکھا ہے؟ — معالج کوئی اکیلے مسلمان تھوڑے ہی ہیں - حکیم، ڈاکٹر، وید کے پیشے میں ہر مذہب اور ملت کے لوگ ہیں - سوال مسلمان طبیب کے نسخے کے باب میں ہے — ہاں تو مسلمان طبیب نسخہ لکھنے کو قلم اٹھاتا ہے، تو شروع دوا سے نہیں کرتا، دعا سے کرتا ہے - قبل اسکے کہ نام ایک دوا کا بھی لکھے، نام دوا اور تاثیر دوا کے خالق کا لیتا ہے - اور سب سے پہلے، نسخہ کی پیشانی پر، ھو الشافی لکھتا ہے! یعنی کو بتاتا ہے کہ شفا کہیں میرے ہاتھ میں نہ سمجھ لینا، وہ اختیار اور قدرت میں تو کسی اور ہی کے ہے، میں تو ایک بے بس اور بے جان واسطہ ہوں اپنے نفس کو بتاتا ہے کہ تاثیر دواؤں میں نہیں، دواؤں کے خالق میں ہے - میں خود کیا چیز ہوں، جو کچھ بھی ہے میرا پروردگار ہی ہے - دنیا پر اعلان کرتا ہے کہ شفا کسی دیوی دیوتا کے بس میں نہیں - اِنکے اُنکے ہاتھ میں نہیں، صرف ایک مالک و مولیٰ، قادر و مختار کے ہاتھ میں ہے!

طب کو طب یونانی کہتے ہیں اور یونان معلوم ہے کہ دینداروں اور متقیوں کی نہیں، مشرکوں اور بت پرستوں کی بستی تھی - وہاں تو پوجا صحت و شفا کے دیوتا اسقلیبوس کی ہوتی تھی - اور ... کی ... (...) کے مندر پر چڑھائی جاتی تھیں ... ہائیجین ... "جو علم حفظانِ صحت کے معنی میں مستعمل ہے ، اسی دیوی کے نام سے مشتق ہے) - وہاں کا طبیب اعظم بقراط تو توحید کے نام سے بھی شناسا نہ تھا اور مشہور عالم ماہر فن جالینوس شرک کے مندر کا پجاری تھا - اس کا فرکو مومن بنانا، اس مشرک سے کلمۂ توحید پڑھا دینا کام فرزندانِ اسلام کا تھا، معجزہ خود دین فطرت کا تھا! — جس چیز کو چھوا، اُسے اپنا لیا - جس راستے سے گزر ہو گیا، وہیں سے خوشبو توحید کی آنے لگی - جس عمل میں ہاتھ لگا دیا، اُسے عبادت بنا دیا - نسخے ہندو اور عیسائی، یہودی اور پارسی، سکھ اور جین، سب ہی لکھتے ہیں - اور اپنے نزدیک خلق خدا کی خدمت کرتے رہتے ہیں، مسلمان کے قلم نے اس نسخہ نویسی کو بھی براہ راست خالق اکبر کی عبادت بنا دیا۔

اشخاص میں، افراد میں انقلاب پیدا ہوتے سب ہی نے دیکھا ہے - جماعتوں، گروہوں، طبقوں تک کی کبھی کبھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے - لیکن علم و ادب کا نقطۂ نظر بدل دینا، فنون و صنایع کا رخ ہی سرے سے پلٹ دینا، ایک اشارہ سے سفلیات کو علویات کا رنگ دے دینا، فرشی کو عرشی بنا دینا، یہ کارنامہ بے مثال اور بے مثل ہماری تاریخ کا! — اکیلی طب پر موقوف نہیں، فلسفہ اور منطق اور ہیئت اور خدا معلوم اور کیا کیا تک بلا، ہم نے دوسروں ہی سے لیا، منکروں اور مشرکوں، ملحدوں اور بیدینوں سے لیا، اور دم کے دم میں کیا سے کیا کر دیا!

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا!

جو گمراہیوں کے گڑھے تھے، وہی رشد و ہدایت کے مرکز بن گئے، جو راستہ کا خشک اور مردہ پتھر تھا، وہ ہیرے کی چمک دمک کے ساتھ جی اٹھا! اور جو عنصری تھا، اُسے نیا ... سے زیادہ ملکوتی بنا دیا تھا — ... ایک دور وہ تھا، اور ایک دور یہ ہے، کہ تہذیب جاہلی کی تہ یہ ہے ساتھ انسانیت کا ہر عنصر زندگی میں تبدیل ہو گیا - اور مطمح نظر بجائے ملکوتیت کے بہیمیت قرار پا گیا - وہی چوپایوں کی طرح علوم عالیہ عقلیہ روحانیہ سے غفلت، وہی ... کی طرح کھانے پینے، لڑنے بھڑنے، ایک دوسرے کو ... دھانسنے میں انہماک، وہی ... کی طرح حیوانی خواہشوں کی تکمیل کے بعد ... رہنے پڑے رہنے کی عادت، وہی چرندوں اور پرندوں کی طرح دوڑ بھاگ ... اور آدمی کی ترقی کو خاص ترقیات اور علامت کمالات سمجھنے کی ... اور ٹھیک ... یہی حیوانی ... اور ملکوتی ... فرشتوں کے نام سے ، ان سے ... کے

آخرت کی فکر سے !

کام کی رفتار

مدتوں کے انتظار کے بعد بحمد اللہ آج اس اعلان کی نوبت آ رہی ہے کہ انگریزی ترجمہ و تفسیر کی طبع و اشاعت کا کام لاہور کی مشہور ناشر تاج کمپنی نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، اور کام کی ابتدا بھی کر دی ہے۔ کاغذ اور کل سامان طباعت کی اس غیر معمولی گرانی کے زمانے میں، ایسی ضخیم کتاب کی چھپائی کا اپنے سر لے لینا آسان نہ تھا، لیکن ہمت کی بلندی نے آگے ہر دشواری آسان بنا دی ہے۔ حق طبع و اشاعت کے لیے ابتدائی خیال کسی ولایتی کارخانہ (لنڈن لیوزک کمپنی) سے معاملت کرنے کا تھا۔ بھلا ہو اس جنگ و دورنگی طوالت کا کہ اب تو اس کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ بہر حال اب تو معاملہ تاج کمپنی لاہور (شاخ بمبئی میں بھی ہے) سے ہے، طرز اشاعت وہی رہیگا جو خیاباں عبد اللہ یوسف علی کے ترجمہ کا مقبول ہو چکا ہے۔ یعنی اشاعت ایک ایک پارے کی ان شاء اللہ ہوتی رہیگی، اور چند سال میں جا کر کل کتاب تکمیل کو پہونچیگی۔ جو کرم فرما حضرات خریدار بننا چاہیں، براہ کرم کمپنی مذکور ہی سے مراسلت فرمائیں۔ عجب نہیں کہ شیخِ خریداروں کے ساتھ کمپنی کچھ رعایت بھی رکھے۔

کلام الملوک

"تم ملک، پر اور خصوصاً نئی نسل پر بڑا احسان کروگی اگر بہبودیٔ اطفال کے کاموں کے لیے اپنے آپ کو بطیبِ خاطر وقف کردو۔ بچے ہی آیندہ دنیا کی تعمیر ہوتے ہیں جو نوعِ انسانی کے ارتقاء کے تسلسل کو قائم و برقرار رکھتے ہیں۔

نسوانی جماعت کے لیے کوئی مقصد زیادہ خوشگوار اور تمہاری توجہات کا اس سے زیادہ مستحق نہیں ہو سکتا جتنا کہ نئی اور نوخیز نسل کی صحت و مسرت کا تحفظ ہے۔ میں اس فرض کو نہایت ہی اہم خیال کرتا ہوں، اور توقع ہے کہ تم میں سے ہر ایک اس پر کامل دلچسپی کے ساتھ عملی حصہ لیتی رہوگی" (پیام اعلیٰحضرت نظام دکن۔ ویمنز کانفرنس حیدرآباد کے سالانہ اجلاس کے موقع پر)

روشن خیالی کے جتنے دعوے ہوں، اور سب نصیحتیں عنایت کی گئی ہیں، کیا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کلام الملوک سے یا ملک الکلام سے کوئی موعظہ حاصل کرینگی؟

خاموش تبلیغ

"اگر یہ صحیح ہے کہ دین کی اشاعت قول سے زیادہ عمل سے ہوتی ہے، تو ہر مسلمان ایک مبلغ بالقوہ ہے۔ مسلمان اپنے دین کو راز میں نہیں رکھتے۔ بارہا میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ ادھر شام ہوئی، ادھر انھوں نے شہر کی سڑکوں پر اپنی جانمازیں بچھا بچھا کر نمازیں شروع کر دیں۔ یا اگر سفر میں ہیں تو راستہ ہی میں یا اگر ندی پار کر رہے ہیں تو وہیں اپنی جانماز پر نماز میں جھکنے لگے، اٹھنے بیٹھنے لگے، زمین پر اپنا سر رکھنے لگے، گویا باہر کی دنیا کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ بارہا میں نے موذن کی آواز سنا اندھیرے قبل طلوع آفتاب سُنی ہے کہ نمازی اٹھیں اور اپنے اللہ کے آگے جھکیں۔ اور سچ یہ ہے کہ مجھے بڑی شرم آئی کہ میں خود اس کی آواز سن کر اپنے آسمانی باپ کی عبادت میں لگ گیا ہوں۔ رمضان کے مہینے میں میں نے دیکھا ہے کہ نمازی قطار در قطار سفید لباس پہنے ہوئے ہمارے ادارہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہاں سے متصل اپنی مسجد کو جا رہے ہیں۔ زمین میں گڑھے گڑھے پڑے ہوئے ہیں، لیکن انکا امام انھیں نماز پڑھا رہا ہے"۔

(مسلم ورلڈ، نیویارک، جولائی ۱۹۴۸ء ص ۲۶۱)

بیان مغربی افریقہ کے ایک مسیحی مشنری کا ہے۔ یہ روزمرہ کے نظارے ممکن ہے مسلمانوں کی نظر میں کوئی وقعت نہ رکھتے ہوں، لیکن دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اغیار انھیں پر عش عش کر جاتے ہیں۔ اور خدا معلوم کتنوں کے دل میں یہی خاموش تبلیغ گھر کر جاتی ہے۔

مسیحیت افریقہ میں

"دینِ محمدی افریقہ میں نہ مردہ ہوا ہے نہ رو بزوال ہے۔ پوری طرح زندہ و متحرک ہے۔ یہاں کے مشرکوں کو عیسائی اور مسلمان دونوں اپنے اپنے اندر جذب کر رہے ہیں۔ ایک وقت آئیگا جب مسیحی مشنریوں کو ایک دیوار سنگین سے مقابلہ کرنا ہوگا، اور وہ دیوار اسلام کی ہوگی۔ اس کی نوبت ممکن ہے پچاس سال بعد آئے، ممکن ہے سو سال بعد، ممکن ہے کہیں کہیں دو سو سال بعد آئے، لیکن بہر حال آنا یقینی ہے، اور کشمکش اسوقت شروع ہوگی۔ آج جو مشنری مسلمانوں کے حلقے میں کام کر رہے ہیں، وہ مستقبل کے لیے بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ اگرچہ موجودہ نتائج خفیف ہوں اور زمین سخت اور بنجر معلوم ہو رہی ہو" (مسلم ورلڈ، نیویارک، جولائی ۱۹۴۱ء ص ۲۶۲)

اسلام، موجودہ ضعیف و مضمحل اسلام کی قوت کا، اور مسیحی مشنوں کی ناکامی کا، بے اندازہ دولت کے صرف کے بعد بھی ناکامی کا، یہ دلچسپ اعتراف ایک سربرآوردہ یوروپی مشنری کی زبان سے ہے۔

دینِ تجدد کی قدامت

"درسوں کے سلسلہ میں کسے یقین آئیگا کہ اس زمانے میں وہاں نہ صرف تعلیم گاہیں تھیں، بلکہ ایسی تعلیم گاہیں جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پاتی ہوں۔ بہرحال ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (جلد ۲ ص ۱۰۳) میں بیان کیا ہے کہ مکہ کے قریب رہنے والے قبیلۂ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت 'ظلمہ' جب بچی تھی تو ایک مدرسہ جاتی تھی، جہاں اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال کر اور نکال کر کھیلا کرے۔ اس دلچسپ واقعہ سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قبیلۂ قریش کے رشتہ دار قبیلۂ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے جو چاہے کتنی ہی ابتدائی نوعیت کے کیوں نہ ہوں، ان میں لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پانے کے لیے جاتی تھیں" (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاد جامعۂ عثمانیہ کا مقالہ، رسالۂ معارف نومبر نمبر میں، ص ۳۲۹، عنوان "عہد نبوی میں نظام تعلیم")

اس تحقیق جدید نے تو بہت بڑی گتھی سے حل کر دی۔ لڑکوں اور لڑکیوں

کی مشترک اور مخلوطِ تعلیم خاص تحفہ تہذیبِ فرنگ کا؟ اور وہ کون اہم دینِ جدید کا سمجھا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ اسکا رشتہ تو عربِ جاہلیت سے جڑا ہوا ہے! اور پھر اس تحریک کی مشہور ہیروئن، ضربُ المثل محض کاری و اہل علمہ، ٹھیک اُسی سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلی جسکے نمونے آج بھی ترقی یافتہ حلقوں میں ایاب نہیں! — مبارک ہو دینِ تجدد کو اپنی قدامت اور یہ دعوتِ صدی ہجری کی یا عہد قبلِ ہجرت و قبلِ بعثت کی ترقیاں اور ان تہذیبوں سے تاریخ کی بازگشت!

تحریکِ "جماعتِ اسلامی"

ایک بی اے ال ال بی لکھنؤ سے لکھتے ہیں:-

"مولانا مودودی صاحب سے جس حد تک اختلافات آپ کو ہے، مجھکو بھی ہے۔ ابھی جب وہ لکھنؤ آئے تھے تو یہاں ادارہ اقبال میں انھیں، جو کہ شہر کے مخصوص تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک مجلس کرائی گئی تھی، جس میں علمی تقریر کے بعد ان سے اہم سوالات کیے گئے تھے۔ اور انکی تقریر کا جو سب بھی ادارہ کے ناظم عبدالوحید خاں صاحب (مصنف "جنگِ آزادی") نے دیا۔ یہاں سب لوگوں کا یہی خیال رہا کہ مولانا اطمینان بخش جواب نہ دے سکے۔ جو طریقۂ کار انھوں نے رکھا ہے، وہ اگر چل گیا تو مسلمانوں کے باہمی انتراق و تشتت کا خطرہ اس میں بہت کافی ہے"

لکھنؤ یونیورسٹی میں مولانا کی تقریر "معاشی مسائل اور انکا اسلامی حل" پر ہوئی تھی۔ اس جلسہ کی رپورٹ اس سے مختلف ہے، اور مولانا اس قسم کے مسائل پر جب کبھی بولتے ہیں صحیح ہی بات کہتے ہیں۔

فشارِ خون اور تمدن

دلی کا جدید ماہنامہ "نوید طبیب" ڈونتر کے رسالہ میں لکھتا ہے:-

"اب محققین فشارِ خون کے ایک نئے سبب پر مزید روشنی ڈال رہے ہیں، اور انکا خیال ہے کہ فشار کے ۹۰ فی صدی مریض صرف نفسانی تحریک اور عصبی ہیجان کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ مرض زیادہ تر انھیں لوگوں میں پایا جاتا ہے جو متمدن ہیں اور جذبات کی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں۔ عام طور پر ۴۰ سال کی عمر کے بعد شریان کی لچک کم ہو جانے کی وجہ سے خون کا دباؤ بڑھ جانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں لیکن آج کل بہت سی عورتیں اس سے کم عمر میں مختلف قسم کی شکایات لے کر طبیب کے پاس جاتی ہیں تو وہ فشارِ خون کی مریضہ ثابت ہوتی ہیں۔ … اور علاج میں تقلیل غذا، تلیین اور مفرحات و معتدلات کا استعمال [illegible] ناکام رہتی ہیں۔ ان عورتوں میں خون کا دباؤ [illegible] جانے کا سبب نفسانی اثرات خانگی زندگی کی تلخی اور شوہر [illegible] کی طرف سے بے اطمینانی یا غم و غصہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا"

گویا عامی سوال ہوتا ہے کہ فشارِ خون کا مرض اب جو اتنا زیادہ بڑھ گیا ہے آخر پہلے اتنا کیوں نہ تھا؟ اور طبیب جواب دیتا ہے کہ فشارِ خون کے اتنے اسباب، آخر اس تمدنِ جدید اور اس کی جگمگاہٹ سے قبل کب اکٹھے تھے؟ — نئے نئے امراض، نئے نئے اسبابِ امراض، یہ خلاصہ ہے دو لفظوں میں "صاحب" کے لائے، اور میم صاحب کے پھیلائے ہوئے تمدن کا!

"ندائے حرم" سے

میر لطف علی صاحب عارف، عارف منزل، فتح دروازہ، حیدرآباد دکن نے ایک کھلی چٹھی "مدیر صاحب رسالہ "ندائے حرم" (قرول باغ - دہلی) کے نام اشاعت کے لیے بھیجی ہے - اصل مراسلہ طویل ہے ملخص حسب ذیل ہے :-

"منکے رسالہ کے حوالہ سے رہبرِ دکن، ۲۵- اکتوبر ۱۹۴۱ء میں ایک مضمون بہ عنوان "راہ تبلیغ میں جہاد کا قدم اوّل" شایع ہوا ہے، جس میں ایک طرف تو حضرت صدیق اکبرؓ کا انتہائی ایثار اور شانِ صدیقی کو دکھایا گیا ہے اور دوسری طرف انتہائی گستاخی اور توہین کے پہلو کو نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ [آگے وہ قابلِ اعتراض فقرہ نقل ہے] آپ سے سوال ہے کہ آپ نے یہ واقعہ جس میں ایسی دلآزار صراحت موجود ہے کس کتاب سے اخذ فرمایا ہے، اگر فی الحقیقت کوئی معتبر مورخ اسکا راوی ہے، جب بھی اس دلآزار صراحت کے ساتھ اس واقعہ کی اشاعت کی ضرورت کیا تھی؟"

اس فقرہ کو نقل کرنا خود اس توہین کی اشاعت مزید کا سبب بنتا ہے۔ "ندائے حرم" کہ منظمہ کے مشہور قدیم مدرسۂ صولتیہ کا ترجمان ہے، اور ایک خالص مذہبی رسالہ ہے۔ اُسکے نکالنے والے، چلانے والے مذہب اور حمایتِ مذہب میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔ ان سے یہ بدگمانی تو ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ قصداً کسی اہانت یا بے ادبی کے مرتکب ہونگے۔ لیکن بڑے بڑے محتاط انسانوں سے بھی کبھی کبھی بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے۔ اور انسان، خطا و نسیان سے مرکب کہا ہی ایسے موقع کے لیے گیا ہے۔ صاحبِ رسالہ امید ہی نہیں، بلکہ یقین ہے کہ ان شاء اللہ اسکے بعد سے اور زیادہ محتاط ہو جائیں گے، اور آیندہ کبھی بھی بلا ضرورت اس قسم کی صراحت اپنے صفحات پر نہ آنے دینگے جو عقیدتمندوں کے لیے اشتعال انگیز اور صاحبِ تذکرہ کے حق میں توہین آمیز ہو — اور یہیں اس ناخوشگوار بحث کو ختم ہو جانا چاہیے۔

ایک دریا دل کی وفات

پچھلے عشرہ گورکھپور کے مشہور رئیس اور قومی کارکن مولوی سبحان اللہ خاں کی خبرِ وفات شایع ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون - رئیس بہ لحاظِ جائداد تو کچھ ایسے بڑے نہ تھے لیکن جہاں تک دل [illegible] کا تعلق ہے، رئیس نہیں، رئیس اعظم تھے۔ اور جیب فیاضی کا [illegible] تو کہنا چاہیے دالیانِ ملک سے ٹکر لے لیتے تھے۔ [illegible] کی زندگی ایک زمانہ میں انھیں کے دم سے تھی - اسکے بعد [illegible] قومی اور ملی تحریکوں میں اسی جوش [illegible] [illegible] کو مالا مال کر دیا [illegible] [illegible] سے [illegible] عرصہ ہوا ایک بہترین ذخیرہ علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کی نذر کر دیا - تصوف کی کتابوں کے بڑے دلدادہ تھے - خود بھی [illegible]

محمد علیؒ کے خطوط

[تین سال سے دہلی ریڈیو اسٹیشن نے اپنے ہاں سے مشاہیر کے خطوط پر تقریروں کا ایک سلسلہ کا آغاز کیا تھا۔ سلسلہ کا عنوان تھا "سمندر پار سے خطوط" اور اس میں وہی خطوط چنے جا سکتے تھے، جو ہندوستان کے باہر لکھے گئے ہوں۔ اپریل میں باری محمد علیؒ کے خطوط کی بھی آئی۔ اور اس وقت یہ مضمون نے ذیل کی تقریر نشر کی۔ ریڈیو ایک سرکاری محکمہ ہے۔ اس کی پابندیوں کو ناظرین تقریر پڑھتے وقت ذہن میں رکھیں۔ تقریر کا وقت ۱۵ منٹ کا تھا۔]

نوجوانی سے لے کر اپنے قبل از وقت بڑھاپے تک محمد علی یورپ سمندر پار کچھ بار گئے۔ اور خطوط ہر دفعہ وہاں سے بہت سے لکھے۔ لیکن شروع میں ان خطوط کو کون محفوظ رکھتا؟ اس وقت کسے خبر تھی کہ گودوں کا کھلایا ہوا لڑکا، ساتھ کا کھیلا ہوا نوجوان ایک روز شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے گا؟ آخر کے خطوط بے شک بہت سے ہوں گے اور بہت سے لوگوں کے پاس۔ لیکن وہ زیادہ تر خانگی اور ذاتی مسئلوں سے لبریز۔ انھیں کوئی ریڈیو پر کیسے لائے۔ خاص و عام کو کیسے سنائیے؟ اس ذخیرہ کے علاوہ بھی جتنے ہیں اتنے زائد ہیں کہ کوئی انھیں سمیٹنے پر آئے تو آج کا سارا پروگرام اسی ایک عنوان کی نذر ہو جائے۔ داستان گو تھک جائے، اور داستان ختم نہ ہو پائے۔

محمد علی، ہونا تو بہت بعد کو ہوئے۔ شروع ہی میں دو تین سفر رہے، شروع ہی کے کہلائے۔ پہلا سفر ۱۸۹۸ء میں کیا۔ جب پرانی صدی کے ختم ہونے کے دو سال رہ گئے تھے۔ سن اس وقت بیس سال کا تھا۔ دوسرا سفر ۱۹۰۲ء میں کیا، جب نئی صدی کو شروع ہوئے بھی دو ہی سال ہوئے تھے۔ سن اس وقت ۲۴ سال کا۔ دونوں سفر طالب علمی ہی کے سلسلہ میں تھے۔ زیادہ تر آکسفورڈ اور لندن میں۔ خطوط اسی سن و سال کے لائق اور مراسلے انھیں شناؤں کے مناسب حال۔ انگریزی میں لکھے ہوئے بڑے بڑے طویل مراسلے علیگڑھ منتھلی میں Oxford Idling کے عنوان سے کئی کئی نمبروں میں نکلتے رہے۔ ذکر ان میں زیادہ تر ہوتا کالج کے کھیل کود کا، ہمجولیوں کی رنگ رلیوں کا، اور سب سے بڑھ کر کشتی رانی یا کشتی بانی کا۔ اس دور سے یقیناً آپ کو کچھ زیادہ دلچسپی نہ ہوگی۔

تیسری بار انگلستان جانا ۱۹۱۳ء میں ہوا۔ اب محمد علی ملک کے ممتاز جرنلسٹ اور انگریزی کے مشہور انشا پرداز تھے۔ کامریڈ عرصہ سے نکل رہا تھا۔ اور اب ہمدرد بھی نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ کانپور کی ایک نئی نکلنے والی سڑک کی زد میں ایک مسجد کا گوشہ آ رہا تھا۔ اس پر قدرۃً ایک سخت ہیجان برپا ہو گیا تھا۔ اور معاملہ شہر کیا صوبہ کے حدود سے نکل کر "آل انڈیا" بن چکا تھا۔ محمد علی مسلم لیگ کے سکرٹری کو ساتھ لے، چپکے چپکے ولایت روانہ ہو گئے کہ وہاں جا کر اس معاملہ اور ایسے ہی ملک کے بہت سے معاملات پر لوگوں سے ملیں ملائیں، دلوں کو گرمائیں، طبیعتوں کو نرمائیں، تقریر سے، تحریر سے، قلم سے، زبان سے۔ غرض وہاں پہنچ کر ہندوستان خط بہت سے لکھے، سب انگریزی میں۔ اکثر کامریڈ میں چھپ بھی گئے۔ انھیں پڑھ کر نقشہ نظر کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اس وقت کے ہندوستان کا، اس وقت کے ہندی مسلمان کا، اس وقت کے انگلستان کی شان و شوکت کا۔ ناکامیاں قدم قدم پر پیش آتی ہیں۔ ہمت پست نہیں ہوتی۔ دعوتیں اور ضیافتیں محمد علی کی کثرت سے ہوئیں لندن میں بھی اور ایڈنبرا، نیو کاسل وغیرہ میں بھی۔ ان جلسوں اور صحبتوں میں شریک انگلستان کے چوٹی کے مشاہیر بہت سے ہوئے۔ مثلاً اہل قلم و اہل صحافت میں ایچ۔ جی۔ ویلز، جی۔ کے۔ چسٹرٹن، اے۔ جی۔ گارڈنر، سی۔ پی۔ اسکاٹ، جے۔ اے۔ اسپینڈر، ولیفناٹن ولیمس اور آئرلینڈ کے مشہور شاعر ڈبلیو۔ بی۔ ییٹس۔ اہل سیاست میں ریمزے میکڈانلڈ، کیر ہارڈی، جان ڈلن، آبرے ہربرٹ، ڈاکٹر رڈفرڈ، مسٹر جوئنسن وغیرہم۔ کچھ ایسے مشاہیر بھی تھے جو عین وقت پر خود آنے سے معذور ہو گئے اور اپنے بجائے اپنے معذرت نامے بھیج دیے۔ مثلاً برنارڈ شا، سر لمبنٹ وغیرہم۔ محمد علی ان جلسوں سے خوب کام نکالتے۔ جو کچھ کہنا ہوتا انھیں موقعوں پر کہہ ڈالتے۔ طویل مراسلے، انکے ٹائمز میں تو بار نہ پاتے البتہ دوسرے مشہور اخبارات میں انکے بار بار نکلتے رہتے۔ لارڈ ہیڈلے اس زمانہ میں نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور لیڈی ایولین کوبولڈ ذرا اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکی تھیں، ان دونوں سے بھی محمد علی نے انگلستان کی سوسائٹی کے اندر خوب گھس پیٹھ پیدا کر لی۔ اور اپنے مشن میں کچھ ایسے زیادہ ناکام نہ رہے۔

۱۱ دسمبر ۱۹۱۳ء کے کامریڈ میں جو مراسلہ نکلا ہے اس میں اپنے اس سفر پر گویا تبصرہ کرتے ہیں۔ "۲۷ نومبر کو ہم لوگ خود ایک مستقل دعوتی لنچ اپنے دوستوں اور ہمدردوں کو دے رہے ہیں۔ اس لنچ کی حیثیت سیاسی اور نزاعی نہ ہوگی بلکہ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم ہندوستان اور انگلستان اور اسلام اور مسیحیت کے درمیان سفارت کا کام دے سکیں۔ اور تا کہ ہم اپنے مخاطب انگریزوں اور انگریزوں دونوں کو بتا دیں کہ وہ ہمارے ملک اور ہمارے مذہب سے ایسے بے تعلق تو نہ رہیں جیسے کہ اب تک رہ چکے ہیں، بلکہ ہمارے عزم اور ہمارے مقصد اور ہمارے گلے شکوے خود ہماری زبان سے سن لیں۔ مشہور افسانہ نگار ایچ۔ جی۔ ویلز سے ملاقات ہو ہی چکی ہے۔ بلکہ اب کی جمعہ کو تو ان میاں بیوی نے اپنے ہاں رات کو کھانے پر مدعو کر دیا ہے۔ اور وقت بھی میری خاطر سے سوا آٹھ کا رکھا ہے کہ میں اس وقت تک ہندوستان کی ڈاک سے فارغ ہو جاؤں۔" آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "ہندوستان اور اسلام کے معاملہ میں ان لوگوں کی بےخبری اور جمود دور کرنے اور انھیں بار بار چونکاتے رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے ہم خیال لوگ ہندوستان سے بار بار آتے اور یہاں کی رائے عامہ کو برابر تیار کرتے رہیں۔ میں بہ حیثیت مجموعی مایوس نہیں ہوں۔"

محمد علی اب ملک و ملت یعنی ہندوستان اور اسلام دونوں کے سندیافتہ اور یہ دوہرا نقطۂ نظر قائم ہو چکا تھا۔ چوتھا سفر انگلستان اور فرانس کا ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے صدر کی حیثیت سے کیا۔ اب ان کا شمار ملک کے مسلم لیڈروں میں تھا، اور مسلمانوں میں تو وہ مقبولیت و ہردلعزیزی حاصل تھی کہ [illegible] شاید۔ اب انکی حیثیت سفیر سے زیادہ مجاہد کی تھی۔ انگلستان خصوصاً شہر لندن میں بہت سی تقریریں کیں۔ اسکس ہال، کنگسٹن ہال وغیرہ میں، اور کچھ فرانس میں بھی۔ موضوع تقریر اسلام اور ہندوستان

دونوں کی ترجمانی اور پُرجوش ترجمانی ہی رہتا تھا۔ تقریروں اور پبلک تحریروں کے انہماک میں ہندوستان خطوط لکھنے کا وقت کہاں سے نکلتے۔ اور جو کچھ لکھے ہیں اُنکی اشاعت کی نوبت اور بھی کم آئی۔ کوئی اخبار اُسوقت اپنے ہاتھ میں تھا نہیں، نہ اُردو کا نہ انگریزی کا۔

پانچویں بار۔ بیمار اور زار و نزار ایک قدردان و جوہر شناس ہندو رئیس کے خرچ پر ۱۹۲۸ء میں اپنے علاج کے لیے یورپ روانہ ہوئے۔ ذیابطیس کا علاج فاقوں کے ذریعہ سے کرنا تھا، اور اس طریق علاج کے ماہرین فرانس میں تھے۔ اس لیے قدرۃً اُنکا زیادہ تر قیام فرانس ہی میں رہا۔ اور ڈاکٹروں کی شدید تاکید پر سیاسیات وغیرہ سے ایک بڑی حد تک الگ تھلگ رہنا پڑا۔ اس سفر میں راستہ سے جو مفصل خط لکھا ہے قابل ملاحظہ ہے۔ اقتباس ذرا طویل ضرور ہوگا لیکن اس سے ایک طرف تو اس سفر اور پچھلے سفروں کے مقاصد روشنی میں آ جائیں گے۔ اور دوسری طرف مولانا کا قلبی اور معاشرتی نقطۂ نظر بھی کسی قدر واضح ہو جائیگا۔ خط [illegible] جہاز میسڈونیا سے لکھا گیا ہے۔ تاریخ ۲۰ جون ۱۹۲۸ء کی پڑی ہے۔ اور اب جامعہ والوں نے خطوط محمد علی کے مجموعہ میں چھاپ بھی دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:—

"چوتھا سفر ۱۹۲۰ء میں کیا گیا، اور ایک آخری کوشش اسکی کی گئی تھی کہ خلافت عظمیٰ کو برقرار رکھا جائے۔ ترکی سلطنت اور اسکے اقتدار کی حفاظت کی جائے..... گذشتہ تجربوں کی بنا پر جانتے تھے کہ کیا حشر ہوگا مگر

رہ نہ دل میں ہوس آؤ یہ بھی کر دیکھیں

اس خیال سے احرام سفر باندھا گیا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اسکا بھی کیا حشر ہوا۔ اس سفر کے بعد توبہ کر لی تھی کہ اب آستاں بوسی نہ کریں گے۔ اگر یورپ جائیں گے تو اسی لیے کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان معاہدہ پر دستخط کرینگے۔ افسوس وہ معاہدہ آج بھی دور نظر آتا ہے۔ مگر الحمدللہ کہ توبہ آج بھی نہیں ٹوٹی۔

... آج مسٹر ولکنسن پولٹیکل سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا سے جہاز پر ملاقات ہوئی تو انکی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ بٹلر کمیٹی[1] کے سلسلہ میں انگلستان جا رہا ہوں۔ محض اپنی صحت کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اور اس پر ہنسی آتی ہے کہ ایک فاقہ کش ملک سے متمول ملک کی طرف ایک فاقہ مست بصرف کثیر اس لیے سفر کر رہا ہے کہ وہاں جا کر فاقہ کر کے اپنا علاج کرائے

ہندوستانی عورتیں اس جہاز پر بھی ہندوستانی لباس میں سفر کر رہی ہیں لیکن سوا مسز اینی بیسنٹ کے اخبار نیو انڈیا[2] کے ایڈیٹوریل اسٹاف کے ایک رکن کے جو اچکن اور آڑا پاجامہ پہنے ہوئے ہیں، مردوں میں صرف میں ہی ایشیائی لباس میں ملبوس ہوں .... آج صبح سے توجہ میں بہت کمی ہوگئی ہے اور آج شب کو ۹ بجے سے جب سے یہ خط شروع کیا گیا ہے۔ جہاز پر مردوں اور عورتوں کا ناچ ہو رہا ہے ...... ڈیک پر میرے قریب ہی ایک خوش رو وجیہہ اور بلند قامت فوجی افسر لیٹے رہا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی ایک دو لفظ بول لیا کرتے تھے۔ آج ایک بچی سے میری دیر تک گفتگو رہی جس میں زیادہ تر

[1] ایک سرکاری کمیٹی، اسکے سامنے اظہار دینے کی نیت سے ہندوستانی والیانِ ریاست گئے تھے

[2] مدراس کا مشہور انگریزی روزنامہ کئی سال تک بڑی آب و تاب سے نکلتا رہا۔

میری بچیوں کے نام اور انکی عمر وغیرہ کے متعلق اسکے سوالات اور میرے جوابات تھے۔ یہ تماشا ہر اسے سُن کر اور کچھ دلچسپ پا کر ان صاحب نے مجھ سے گفتگو شروع کی۔ اور دو گھنٹے تک نہایت آزادی اور صفائی سے مگر نہایت لطیف طریقہ پر سیاسی گفتگو رہی جسکے بعد اُنھوں نے شکریہ بھی ادا کیا اور داد بھی دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ بریگیڈیر جنرل ہیں۔"

دوسرا خط فرانس کے قیام کے بعد لندن سے ۱۹ اگست کا لکھا ہوا ہے۔ اسکے طویل اقتباسات بھی نہ لطف سے خالی ہونگے نہ فائدہ سے اس لیے اور بھی کہ اس میں ذکر ایک مشہور بزرگ قوم کی وفات کا ہے جن سے محمد علی سے خاصی چشمک رہ چکی تھی۔ اپنی صحت اور بدپرہیزی کی تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:—

"جمعہ کی صبح کو میں نے اپنا فاقہ ختم کیا۔ کیا معلوم تھا کہ ٹھیک جس وقت میں افطار کر رہا تھا اسیوقت سید امیر علی صاحب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے .... گو کچھ عرصہ سے وہ صاحب فراش تھے تاہم کسی کو گمان نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد داعیِ اجل کو لبیک کہنے والے ہیں۔ یہاں جس طرح جینا مشکل ہے اُسی طرح مرنا بھی مشکل ہے۔ جس دن امیر علی صاحب کا انتقال ہوا ہے لوگ چھٹیاں منانے جا رہے تھے۔ تجہیز و تکفین کا سامان منگل تک نہ ہو سکا۔ یورپین رسم کے مطابق پھولوں سے تابوت چھپ گیا ہوگا اس لیے کہ جب میں قبرستان پہنچا تو قبر پھولوں سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی ...... ووکنگ کی مسجد کے امام صاحب نماز جنازہ پڑھا چکے تھے۔ اس قبرستان میں ہزاروں ہی قبریں اور اس شہر خموشاں کا نام بھی NECROPOLIS ہے۔ ریل کی پٹری اسکے اندر تک آئی ہے۔ نہایت وسیع میدان میں باغ لگایا گیا ہے جسکے چاروں طرف احاطہ کی دیوار ہے۔ نہایت عمدہ سڑکیں روشیں چلنے پھرنے والوں کے لیے بنا دی گئی ہیں۔ اس شہر خموشاں کے اندر اچھی خاصی ریسٹوران بھی موجود تھی جہاں لنچ کھایا جا سکتا ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا حصہ مسلمانوں کی قبروں کے لیے بھی ہے۔ یوں تو تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے والی کمپنی نے سب کچھ کر لیا تھا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ قبر کا رُخ کسی قدر غلط تھا لیکن الحمدللہ کچھ زیادہ غلطی نہ تھی۔ اور امام صاحب نے میت کا منہ صحیح طور پر قبلہ کی سمت موڑ دیا تھا۔ ہم لوگ جب پہنچے تو قبرستان میں پندرہ بیس ہی آدمی رہ گئے تھے۔ جن میں لارڈ ہیڈلے اور پنجاب کے سابق لفٹنٹ گورنر سر لوئی ڈین تھے۔ سر لوئی ڈین نے مجھے پہچان کر اردو میں مزاج شریف کہکر میرا حال دریافت کیا اور فرمایا کہ ہاں میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں جواب میں الحمدللہ کہکر اور اُن سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھا .... مسلمانوں کی قبریں غالباً پہلے یہاں نہ تھیں۔ جتنے کتبے ملے اُن سب کو میں نے پڑھا۔ اور معلوم ہوا کہ سب سے پرانی قبر ایک خاتون صفیہ احمد فارسی کی ہے۔"

یہ خط بھی جامعہ کی چھپی ہوئی تازہ کتاب خطوط محمد علی میں درج ہو چکا ہے۔ آگے چل کر اسی خط میں بمبئی، حیدرآباد، جہلم، راندیر اور مصر کی متعدد میتوں کی قبروں کا ذکر ہے۔ اسکے بعد فوجیوں کی قبروں کی ایک بڑی طویل فہرست ہے۔ اس سے کچھ تو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ محمد علی سیاسیات کے علاوہ بھی انگلستان میں کیا کیا دیکھتے تھے اور کس نظر سے۔

"اس پر بھی وہ کام کر رہا ہوں جو نہ کسی اور سے ہو سکتا ہے نہ کوئی کرتا ہے۔

باشر لوگوں پر گفتگو سے اثر ڈالتا ہوں۔ ٹیلیفون پر رات دن باتیں ہوا کرتی ہیں۔ خواہ ٹائمز کا فارن ایڈیٹر ہو خواہ برنر ڈشا ..... وزیر ہند نے نہایت شرافت سے خود ہی دوبارہ آنے پر بیان اصرار کیا۔ اس طرح گھنٹہ بھر گفتگو کی اور مجھ سے اعتراف کیا کہ تم نے جو باتیں بتائیں وہ تو عجیب و غریب تھا پیچیدہ ترین مسائل پر جو سمجھ ہی میں نہیں آتے تھے "آج ایک روشنی کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ اسپکٹیٹر کے ایڈیٹر سے دو گھنٹے باتیں ہوا کیں، اور اس پر پورا پورا اثر پڑا۔ اسی طرح ٹائمز کے فارن ایڈیٹر سے پہلے سے اسی تک ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی۔ خود ہی اُس نے ملنے کی خواہش کی۔ سوا گھنٹہ اس سے ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ بھی گرویدہ ہو کر گیا"

یہ وہ وقت تھا جب (مولانا) محمد علی نے، جو اب تندرست تھا، مولانا کا ہمرنگ پیام اور اونڈ ٹیبل (گول میز) کانفرنس کے بھرے مجمع میں اپنی موت کا اعلان کر دیا تھا۔ ہندوستان کا ساحل آخری بار چھوڑتے وقت بھی تو جب ایک مخلص نے بڑھ کر پوچھا تھا کہ "آخر آپ کس حالت میں جا کس لیے رہے ہیں؟" تو دیوانہ کی زبان سے پھوٹ سے ہی نکلا تھا کہ "مرنے کے لیے" سچے کی بات اللہ نے سچ بھی کیسی کر دکھائی!

(بقیہ صفحہ ۳)

بلکہ نیم مجذوب سے۔ شعر و ادب کے بھی بڑے قدرداں تھے۔ اور قدیم شیوہ میں قدیم مشرقی رؤسا کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ ریاض مرحوم کے ایک مطلع پر پھڑک گئے، اور مشہور ہے کہ ایک ہزار نقد کی تھیلی اُسی وقت اُٹھا کر دیدی۔ یہ خوبیاں اور وضعداریاں اب تلاش سے بھی نہ ملینگی۔ ایک جوان عمر صاحبزادہ مولوی رضوان اللہ صوبہ مسلم لیگ کے سکرٹری ہیں۔ اللہ درجات عالیہ نصیب کرے۔

بقیہ صفحہ ۵

توریت کی جو نہایت ضخیم اور مستند شرح "تالمود" کے نام سے یہود کے ہاں موجود ہے، اس کے حوالے سے اس اجمال کی تفصیل میں یہ دو عبارتیں جیوش انسائیکلوپیڈیا میں درج ہیں:—

"حق تبارک و تعالیٰ نے اُنکے اوپر کوہ سینا کو اُلٹ دیا جس طرح کوئی بڑا ظرف اُلٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤ گے۔ (جلد ۴ ص ۳۲۱)

"خدا نے پہاڑ کو اُن لوگوں پر اُلٹ کر اونچا کر دیا۔ اور اُن سے کہا کہ توریت کو اگر قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہیگا" (ایضاً)

ہمارے مفسرین نے جو آثار نقل کیے ہیں، اُن میں بھی روایات اسی سے ملتی جلتی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تصحیح صدق، ص ۲۹ سطر ۲ کے "ص" میں "فارسی بلکہ عربی ہیں" میں لفظ "سبقت" "عربی" سے پہلے چھوٹ گیا ہے، درست کر لیا جائے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

ان حضرات کی میعاد خریداری ماہ دسمبر ۱۹۴۱ء میں تمام ہو رہی ہے، براہ کرم ختم ماہ سے پہلے چندہ بھیج دیں۔ ورنہ یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو وی۔پی روانہ ہونگے۔ اگر کسی صاحب کو خدانخواستہ آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو پہلے سے ایک کارڈ بھیجدیں تاکہ غریب دفتر بلا وجہ وی پی کے مصارف کا زیر بار نہ ہو:—

خریدار ۲۰۱ و ۲۰۳ (رنگون) و ۲۴۴ و ۲۴۵ و ۲۶۲ و ۳۲۲ و ۳۳۹ و ۳۶۸ و ۳۶۶ و ۳۷۵ و ۳۹۶ و ۵۸۹ و ۵۹۵ و ۶۶۳ و ۶۹۴ و ۶۶۲ و ۶۹۹ و ۶۰۲ و ۶۱۶ و ۶۲۰ و ۶۲۵ و ۹۳۳ و ۹۳۵ و ۹۳۶ و ۹۳۸ و ۹۴۳ و ۹۴۵ و ۹۵۵ (رنگون) و ۹۵۸ و ۹۶۰ و ۹۵۹ و ۹۶۴ و ۹۹۰ و ۹۹۵

اُفق لکھنؤ سے ایک نئے ستارہ کا طلوع

"گلکدہ"

طبقۂ نسواں میں یہ اطلاع دلچسپی کے ساتھ سُنی جائیگی کہ لکھنؤ سے عنقریب ایک ادبی، اخلاقی، علمی اور معاشرتی دلفریب رسالہ "گلکدہ" کے نام سے زیر ادارت ہمشیرۂ عبدالرزاق عباسی ایڈیٹر "ورنامۂ حق" اور بیگم عبدالحمید خاں صاحب کمبال آب و تاب شائع ہونے والا ہے۔ جن محترم خواتین نے اسکی ادارت کی ذمہ داری منظور کی ہے پڑھی لکھی بہنیں اُنکے طرز نگارش سے بخوبی روشناس ہیں۔ مضامین میں اصلاحی پہلو زیادہ سے زیادہ نمایاں رہیں گے۔ بچیوں کے لکھے ہوئے مضامین، افسانے، کہانیاں، اور لطیفے خاص طور پر قبول کیے جائیں گے۔

جن خواتین کو اس رسالہ کی خریداری منظور ہو وہ حسب ذیل پتہ پر اپنا زر چندہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں، یا پہلا پرچہ وی۔پی بھیجنے کی اجازت دیں۔ حجم ۳ جزو سائز ۲۰×۳۰/۴ چندہ سالانہ للعمہ ششماہی للعہ

منیجر "گلکدہ" مرشد آباد ولیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید واحادیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں۔ ضخامت ۰ ۰ صفحے۔ اشاعت ختم کرنے کے لیے قیمت میں غیر معمولی رعایت۔ یعنی صرف ۴ آنے ساڑھے چار آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کردی جائیگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:۔ عبدالماجد

پتہ:۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:۔ حکیم عبدالقوی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے۔

ہفت روزہ

صدق

لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجائے

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرتضیٰ آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

ششماہی ؀

بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ آنہ

نمبر ۳۱ | دوشنبہ۔ ۱۸۔ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۰ھ مطابق ۸۔ دسمبر ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

غالب کوئی زاہد نہیں، شیخ وقت نہیں، ایک شاعر، ادیب تھے اور وہ بھی رندانہ مزاج اور لاابالی مذاق کے۔ خطوط غالب (مولوی مہیش پرشاد کی مرتب کی ہوئی) تازہ کتاب، تصوف و معرفت اخلاق و موعظت کی نہیں، خالص ادب و انشا کی کتاب ہے۔ لیکن کیا مضائقہ ہے اگر کوئی کام کی بات کسی رند لاابالی کی زبان سے سن لی جائے، اور عبرت کا ٹکڑا کسی ادیب و انشاپرداز کے کلام میں نظر آجائے؟ —— غالب صاحب ۲۶ جنوری ۱۸۶۱ء کو اپنے ایک نہایت عزیز ہندو شاگرد مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:۔

"سنبلستان کا چھپنا خدا تم کو مبارک کرے، اور خدا ہی تمہاری آبرو کا نگہبان ہے۔ بہت گزر گئی ہے۔ تھوڑی رہی۔ اچھی گزری ہے، اچھی گزر جائیگی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا، جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھکو نفع ہوگا؟ سعدی نے "بوستاں" سے کیا پھل پایا جو تم "سنبلستان" سے پاؤگے؟ اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے، نہ سخن ہے نہ سخنور ہے، نہ قصیدہ ہے نہ قصہ ہے۔ لا موجود الا اللہ" (جلد اول، ص۵۳)

غالب اب بوڑھے ہو چکے ہیں، کلام جتنا پھیلنا تھا پھیل چکا ہے، اردو بھی، فارسی بھی۔ شہرت جتنی حاصل ہونی تھی، سب حاصل ہو چکی ہے۔ قدر شناس نواب صاحب رامپور کے استاد رہ چکے ہیں۔ دلی کے شاہی دربار میں، انگریزی سرکار میں، جتنی عزت ملنی تھی مل چکی ہے —— ان سب تجربوں کے بعد فرماتے ہیں تو کیا، یہی کہ دنیا ہیچ ہست، کار دنیا ہمہ ہیچ!

دنیا اور اسکے سارے کاروبار کی، اسکے دولت و اعزاز کی، اسکے منصب و جاہ کی بے ثباتی، بے حاصلی، بے حقیقتی!

"اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے، نہ قصیدہ ہے نہ قصہ ہے۔ لا موجود الا اللہ"!

کیا کسی صوفی عارف نے اس سے زیادہ کچھ کہا ہے؟ وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور کی تفسیر اس سے بڑھکر کیا ہوگی؟ —— انھیں غالب صاحب نے ایک بار ایک بڑا پرزور قصیدہ فارسی میں شاہ نصیرالدین حیدر والی اودھ کی مدح میں لکھ کر ایک صاحب کے توسط سے لکھنؤ بھیجا۔ قصیدہ پہونچا، تیر اپنے نشانہ پر بیٹھا۔ حکم ہوا کہ فوراً پانچ ہزار کی رقم انعام میں دی جائے۔ شاعر کی آرزو برآئی، قسمت جاگ گئی، لیکن آگے سنئے۔ پانچ ہزار میں سے تین ہزار تو وزیر سلطنت نواب روشن الدولہ بہادر کی نذر ہوئے۔ دو ہزار ان متوسط صاحب کے ہاتھ آئے، وزارت پناہ کے اس ارشاد کے ساتھ کہ کچھ مناسب سمجھنا غالب کو دیدینا! —— ان صاحب کو مناسب یہی نظر آیا کہ ان دو ہزار میں سے دو روپیہ بھی غالب تک نہ پہونچنے پائیں، اور غریب کی قسمت جھپک مارتی رہ گئی۔ جاگ کر پھر سو گئی!

——————

لکھنؤ میں غالب کی ایک پرم استاد ناسخ تھے۔ دہلی سے لکھنؤ خط آیا کہ بھائی تم مدد کرو، اور اس معاملہ میں میری داد رسی کراؤ۔ داد فریاد دربار سلطانی تک پہونچاؤ —— مطلع جس شاہی مدح قصیدہ [illegible] کا ملاحظہ ہو:۔

"یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا، تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیرالدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں، اور ناسخ کیا کرے؟" (ص۵۱)

یہی قصیدہ اگر نقد [illegible] جب بھی یہ انجام کس [illegible] تھا شاعر [illegible]

یہی قوت [illegible] دلی کی حسرت [illegible]

توحید کے مضمون پر کی ہوتی، کوئی امکان مسلہ سے محرومی کا تھا؟ ——— تاثیر کے سیاہے باقی سے لو لگانے والوں میں کوئی آج تک محروم رہا ہے؟ کوئی اُس در سے کبھی محروم پھرا ہے؟ فرشتوں سے بھی کوئی ارادی فیض، کوئی غیر ارادی نیاز ممکن ہے؟ ——— سچ کہا ہے اُس سچے نے جس نے شعر کی زبان میں حکمت و معرفت کے دریا بہا دیے ہیں ؎

عشق بر مردہ نہ باشد پائدار
عشق را بر حی و بر قیوم دار

کام کی رفتار

پچھلے ہفتہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کی طباعت کا کام شروع ہو جانے کی اطلاع پاکر بعض احباب نے مدیر صدق سے سوالات شروع کر دیے ہیں کہ پہلا پارہ کب تک چھپیگا؟ قیمت کیا ہوگی؟ کل مدت اشاعت کیا ہوگی؟ وقس علی ہذا۔ ان سب حضرات کی خدمت میں ایک بار پھر گزارش ہے کہ ایسی تمام خدمات سے مدیر صدق کو معاف رکھا جائے۔ اور مخاطبت و مراسلت براہ راست تاج کمپنی لاہور سے رکھی جائے۔ جس بے تدبیرے سے معمولی اردو ہفتہ وار کے انتظامی پہلوؤں کا تحمل نہیں ہو سکتا، وہ انگریزی و عربی کی تین ضخیم اشاعتوں ضخیم کتاب کی چھپائی، کاغذ وغیرہ کا اہتمام ظاہر ہے کہ کتنے دن کے گھنٹے کر سکتا ہے؟

شروع نومبر میں بہ سلسلہ امداد، پشاور کے ایک مخلص کی پانچ روپیہ ماہوار کی تازہ قسط قبول ہوئی۔

ایک آیت کی شرح

ایک ندوی عالم و معلم قرآن لکھتے ہیں:-

"صدق کی پیشانی پر آیت والذی جاء بالصدق و صدق بہ کا جو ترجمہ درج ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ الذی جاء بالصدق اور صدق بہ دو الگ الگ مستقل صفتیں ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر صرف شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمہ میں آیت ومن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں کو ایک ہی صفت قرار دیتے ہیں۔ البتہ آیت والذی جاء بالصدق کا ترجمہ کسی قدر مبہم ہو گیا ہے۔ لیکن ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ جلد ۴ میں اس آیت پر خاصی بحث کی ہے، اور لکھا ہے کہ ذات نے الذی جاء بالصدق کے ساتھ والذی صدق بہ نہیں کہا ہے، یعنی انہیں الگ الگ صفت نہیں قرار دیا ہے بلکہ صرف صدق بہ کہا ہے اور اسے الذی جاء بالصدق ہی سے متعلق رکھا ہے۔ یعنی جو سچائی لیکر آیا اور سچائی کی تصدیق کی۔ معلوم نہیں کہ دوسرے محققین کی کیا رائے ہے۔ اسوقت مراجعت کتب کا وقت نہیں۔ بہرحال ابن تیمیہ کی رائے یہی ہے۔ اسوقت منہاج السنہ کی تفسیری آیات دیکھ رہا تھا، اس پر بھی نظر پڑ گئی، اسلیے عرض کر دیا۔"

بیشک ان دونوں حضرات کی رائے یہی ہے۔ اور ان کے ساتھ دوسرے اکابر کی بھی اچھی خاصی جماعت ہے۔ لیکن دوسری طرف بھی بہت سے اکابر ہی ہیں۔ ان حضرات نے تقدیر کلام الٰہی یہی سمجھی ہے کہ والذی صدق بہ۔ اور اسی جماعت میں رازیؒ صاحب تفسیر کبیر بھی داخل ہیں۔

ابن جریرؒ نے حسب دستور متعدد معانی نقل کیے ہیں۔ ان میں سے صرف پہلے معنی تو جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں، دونوں صفتوں کا مصداق ذات رسول اللہ صلعم کو ٹھہرایا گیا ہے اور باقی چاروں معانی میں جو حضرت علیؓ سے لیکر حضرات تابعین قتادہ و مجاہد و ابن زید و سدی تک منقول ہیں، دونوں صفتوں کا مصداق بالکل الگ الگ ذاتوں کو ٹھہرایا گیا ہے۔ گویا ان سب حضرات نے صدق بہ کے ساتھ والذی کو مقدر ہی کرکے پڑھا، اور خود ابن جریرؒ نے بھی ترجیح اسی کو دی ہے کہ

ان یقال الصدق ہو القرآن وشہادۃ ان لا الہ الا اللہ والمصدق بہ المؤمنون بالقرآن	صدق سے مراد قرآن اور شہادت توحید لی جائے اور مصدق کے مفہوم میں قرآن پر ایمان رکھنے والے مومنین داخل سمجھے جائیں۔

دو آیتیں

صفدر علی صاحب خورجہ سے دریافت کرتے ہیں:-

۱- آیہ کریمہ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک (نمل، ع ۳) میں یہ کس کا قول نقل فرمایا گیا ہے؟ آیا حضرت آصفؑ یا حضرت سلیمان علیہ السلام کا؟

۲- آیہ کریمہ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال (احزاب، ع ۹) میں امانۃ سے کیا مراد ہے؟"

پہلے جواب دوسرے سوال کا عرض ہے۔ آیہ کریمہ میں امانت سے مراد وہ خاص چیز ہے جس کی بنا پر انسان جمادات، حیوانات وغیرہ سے ممتاز ہے اور جس کی بنا پر وہ خلیفۃ اللہ قرار پایا ہے۔ اس چیز کا نام خلافتی ذمہ داری یا تکلیف شرعی ہے۔ ہوا یہ کہ خلقت کائنات کے بعد ساری زمینی مخلوق میں بقدر ضرورت شعور پیدا کر کے سب سے سوال کیا گیا کہ "کون مکلف شرعی بننا چاہتا ہے؟ کون ارادہ و اختیار کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے؟ احکام کی اطاعت کا صلہ بہتر سے بہتر ملیگا، اور اسی طرح نافرمانی پر سزا بھی سخت سے سخت ہے"۔ اور ساری مخلوق نے اپنے ضعف و بے ہمتی کا لحاظ کر کے کہدیا کہ ہمیں یہ بار امانت قبول نہیں۔ انسان نے اسے قبول کر لیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر وغیرہ تابعین کے قول میں امانۃ کی تفسیر جو الفرائض للطاعۃ علی العباد سے کی ہے اُس سے بعینہ یہی مراد ہے۔ اور اسی پر کہنا چاہیے کہ سب کا اتفاق ہے۔ کوئی اہم اختلاف مفسرین کے درمیان موجود نہیں۔

پہلے سوال کا جواب البتہ مختلف فیہ ہے۔ اہل تفسیر کے اقوال دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کہنے والے حضرت آصف تھے، اور مخاطب حضرت سلیمانؑ۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ کہنے والے تو خود حضرت سلیمان تھے اور مخاطب وہ عفریت من الجن۔ اور بعض نے تو حضرت جبرئیلؑ کا نام لیا ہے اور بعض نے کسی اور کا۔ [illegible] سیاق قرآنی کے لحاظ سے ترجیح قول اول کو ہے۔ کوئی شرعی [illegible] قرآنا

ہی پر نظر رہے، تو پہلی بار ذہن بے تکلف اسی طرف جائیگا کہ وہ کہنے والا کوئی اور تھا حضرت سلیمانؑ کے سوا۔ اور مفسرین میں سے بھی اکثر نے یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ بلکہ مفسر ابن حیان، صاحب بحر المحیط نے تو اسی کو قول جمہور (قالہ الجمہور) قرار دیا ہے۔ اور اسکے مقابل والے قول کو 'قول غریب' کا درجہ دیا ہے۔ ومن اغرب الاقوال انہ سلیمان علیہ السلام (جلد ۷، ص ۷۶)

ایک معذب خطہ

بحر مردہ سے متعلق تفصیلات ذیل ملاحظہ ہوں

ایک انگریزی روزنامہ میں شائع ہوئی تھیں —

"آج [illegible] جو فلسطین میں [illegible] ان کی تعداد [illegible] بحر مردہ کے کنارے جانے لگے ہیں۔ بہت کم [illegible] دنیا کا سب سے [illegible] آب ہے۔ اور اسکی سطح سمندر (بحر روم) سے کوئی ۱۳۰۰ فٹ نیچے ہے۔ اور پھر اس قدر شور [illegible] دنیا میں کہیں نہیں۔

بحر اٹلانٹک کے ایک ٹن پانی میں ۸۰ پونڈ کھار ہوتا ہے۔

بحر اسود کے	۲۶	"	"	"
بحر بالٹک کے	۳۱	"	"	"
خلیج انگلستان کے	۷۲	"	"	"
بحر روم کے	۸۵	"	"	"
بحر قلزم کے	۹۳	"	"	"
لیکن بحر مردہ کے	۱۸۷ پونڈ ہے!			

اسکے ساحل پر گرم و سرد دونوں قسم کے چشمے موجود ہیں۔ اسکا رقبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ کوئی ۳۰ سال قبل اسکے شمالی ساحل کے قریب ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ وہ اب غرق ہو گیا ہے۔"

(پائنیر، ۱۶ نومبر ۳۱ء)

اس بحر مردہ (Dead sea) کا دوسرا نام بحیرۂ لوط ہے۔ اہل تاریخ و سیر کا بیان ہے کہ قوم لوطؑ کی بستی شرق اردن کے اسی علاقہ میں تھی۔ اور جہاں آج یہ بحیرہ یا جھیل ہے، یہیں اس علاقہ کے مشہور اور بدنام شہر سدوم اور عمورہ آباد تھے۔ جب ان شہر والوں کی بداعمالی حد سے گزر گئی، تو ان شہروں کے تختے الٹ دیے گئے۔ جلتا جاتا سا لاوا، اور ان پر پتھراؤ، کوئلوں کی بارش ہوئی۔ وہ شہر زمین کے اندر دھنس گئے، اور انکی جگہ یہ آتشیں سمندر نکل آیا۔ اس میں زہریلی گیسیں آج تک اتنی بھری ہوئی ہیں کہ نہ سمندر کے اندر کوئی مچھلی یا اور کوئی دریائی جانور زندہ رہ سکے اور نہ اسکے اوپر سے کوئی پرندہ پار گزر سکے! — قوم لوطؑ کی اس ہلاکت و بربادی کا زمانہ سنہ مسیح سے کچھ کم دو ہزار سال قبل کا ہے۔ گویا آج سے کچھ کم ۴ ہزار سال گزر چکے اور اب تک دھواں اس آگ سے اٹھنا بند نہیں ہوا ہے! عذاب الٰہی کیسی بلا ہے، معاذ اللہ!

اسلام کی ناگزیری

لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر اختر محی الدین، حیدرآباد دکن کے ایک نامور ڈاکٹر ہیں۔ متعدد طبی رسائل کے مصنف، ان کے

ایک تازہ طبی مضمون کا اقتباس:-

"جنگ عظیم کے دوران میں جب تپ محرقہ اسہالی وبا کی طرح پھیلنی شروع ہوئی تو اسکی روک تھام کے لیے یہ آسان ترکیب اختراع کی گئی کہ فوجیوں پر یہ سخت قانون نافذ کر دیا گیا کہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ نہ دھونا جرم قابل بازپرس ہے۔ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ ماہرین علم جراثیم نے تحقیقات کے بعد ثابت کیا تھا کہ تپ محرقہ، ہیضہ، پیچش وغیرہ کے جراثیم کی چھوت پہلے ہاتھوں کے ذریعہ، یہ جراثیم ہاتھوں کے ذریعہ یہ جراثیم منہ میں داخل ہو کر معدہ و امعا میں پہنچتے ہیں" (رہبر دکن، صحت نامہ، حیدرآباد دکن، ۱۱ نومبر ۳۱ء)

کیسے اسلامی "آداب طعام" اب بھی لائق حقارت، ناقابل التفات رہیں گے؟ کیا خدا کی شان ہے کہ "روشن خیالوں" کی دنیا جوں جوں شعائر اسلامی کو اپنی نظروں سے ٹھکراتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہے، اسی نسبت سے قدرت کا مخفی اور زبردست ہاتھ انہیں دھکیل دھکیل کر اور اسلامی تعلیمات کی طرف لا رہا ہے! "کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو" کسی زمانہ میں شاعری ہوگا، اب تو عین حقیقت ہے۔

"ترکی سپاہی جو نماز کے عادی ہوتے ہیں، اپنے جسم کو پاک و صاف رکھتے ہیں، اور روزانہ وضو کرتے ہیں، جب میدان جنگ میں زخمی ہو جاتے ہیں تو انکے زخم بہت جلد اچھے ہو جاتے ہیں، کوئی عفونتی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے صفائی و طہارت کی تعلیم دیتے ہوئے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ ترک سپاہی شراب نہیں پیتے۔ اس لیے انکے بدن میں امراض کے خلاف قوت مدافعت بہت ہوتی ہے اور چونکہ جسم پاک و طہارت رکھتے ہیں، اس لیے زخموں میں عفونت نہیں داخل ہوتی۔" (ایضاً)

کاش ہمارے تجدد زدہ ترک بھائیوں کے دل میں وضو، طہارت و حرمت شراب کی تصدیق ایمانی اسی درجہ میں ہوتی، جس میں اس ڈاکٹر کی تصدیق علمی ہے! اصلی رونا تو اسی کا ہے، کہ تجدد کی حقیقت اسکے سوا اور ہے کیا، کہ اپنے ہاں کی ہر چیز کی بے قیمتی، تحقیر دل میں بٹھا لی گئی محض اس لیے کہ وہ حکم فرنگیوں کی کتاب زندگی میں موجود نہیں۔ اور اپنے ہاں کی ہر چیز سے ہم نے شرمانا شروع کر دیا کہ جیسے وہ کوئی بڑا عیب یا بڑی کمزوری ہے۔ اور اس پر دلیل کوئی نہ عقل سے نہ تجربہ سے، بلکہ صرف یہ کہ فرنگی اس پر ہنستے ہیں! افسوس، انفرادی اور قومی دونوں قسم کی کتنی بڑی بڑی ہلاکتیں، بربادیاں، طبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی، ہم نے محض نادانی [illegible] گوارا کر لی ہیں! اور غایت جہل سے اسی نادانی کو دانائی سمجھتے رہے!

بانی کی رجعت

"ماسکو، ۲۴ نومبر [illegible]

ہے کہ سوویٹ حکومت نے ایک نیا ٹیکس کنوارے مردوں [illegible]

بے اولاد جوڑوں پر لگایا ہے [illegible] کے جرم [illegible]

دو اور مکتوب

(شاہ نذیر احمد صاحب صوفی۔ شبلی منزل مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، کے خطوط ہو یہاں کی ایک خاتون کے سوالات کے جواب میں)

(۱)

خواہر عزیز وعلیکم السلام آپ کا خط ملا

عزیزہ من! مودودی صاحب کے ہاں اسلام کے اپنے سیدھے سادے اجتماعی پہلو سے نفاذ کی دعوت نہیں بلکہ اسکی دعوت نہایت ایک عجیب و پیچیدار تجزی کی طرف ہے۔ انکا دعوی ہے کہ ان سے اسلام کو سرے سے سمجھا، اسکی مثال گذشتہ تیرہ سو برس میں کوئی موجود نہ تھی۔ پھر اس سرنو سمجھے ہوئے اسلام کیلیے ایک خاص قسم کا لٹریچر پیدا کیا۔ اور اب جبکہ یہ لٹریچر بھی پیدا ہو چکا اور اسکے کچھ سمجھنے والے بھی پیدا ہو گئے تو اب ان جدید المعلوم لوگوں کی ایک جماعت بنانے کی ضرورت ہوئی۔ جیسے کہ ہر امت کو ایک جماعت کی حیثیت اختیار کرنا ضروری تھا ہے۔ چنانچہ اس جماعت کو بنایا گیا اور اب اس جماعت کا فرض ہے کہ اسی نقطۂ نگاہ کی طرف تمام عالم کو اسی طرح دعوت دے جس طرح ایک امت کو اسلام کی طرف سب عالم کو دعوت دینا فرض ہے۔ اس دعوت دینے میں مسلمان کہلانے والے اور غیر مسلم کہلانے والے سب برابر ہیں۔ ان میں سے جو بھی اس نئی امت میں داخل ہوگا وہ اسکے متعین کردہ کلمہ طیبہ پر اسی حیثیت سے ایمان لائے گا جس حیثیت میں وہ مودودی صاحب نے بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ لٹریچر پڑھے گا اور اس لٹریچر کے پڑھنے سے جو نقطۂ نگاہ پیدا ہوگا۔ اسکے بعد جو انقلاب پیدا ہوگا وہ مودودی صاحب کے نزدیک صحیح اسلامی انقلاب ہوگا۔

ہاں خواہر عزیز! تو اس سب آدھ عشرے کا مختصر مفہوم ایک خاص لٹریچر کی ترویج۔ اس سے ایک نقطۂ نگاہ کی تخلیق اور اسکے نتیجہ میں ایک انقلاب ہے۔ راقم کو اس طرز تحریک۔ اس لٹریچر اور اس سے پیدا شدہ نقطۂ نگاہ پر اعتراض ہے۔ باقی رہا مطلق قانون شریعت کے اجتماعی نفاذ کی سعی تو اسکے لیے سعی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس سلسلہ میں خود راقم بہت سے احباب کی ترغیب کا موجب رہا ہے اور اب بھی ہے۔ آپ چاہیں تو یہ حروف مودودی صاحب کو بھیجکر ان سے بھی اپنی تسلی کر سکتی ہیں۔ چونکہ اس سلسلہ میں اور بھی لوگ شبہات کر رہے ہیں اس لیے راقم آپ سے اجازت اجازت چاہتا ہے کہ اسے اخبار میں دیدے۔ والسلام

(۲)

... (۱) یہ طرز تحریک ایک مستقل امت قائم کرتا ہے۔ جو بالا ماما (ایک شخص کے محض ذہنی افکار پر مبنی ہے۔ اس میں وہ اسلامی فرض کفایہ (خلافت کا قیام) جو اصالۃً ہر مسلم پر عائد ہوتا ہے ایک ضمنی چیز ہو جاتی ہے۔ اصل میں ایک شخص کے افکار کی ترویج ہوتی ہے وہ فرض ایک طبعی ثمرہ کی طرح آگے کہیں مل گیا تو مضائقہ نہیں۔ حالانکہ معاملہ قطعاً اس سے مخالف نوعیت کا ہے اصل میں اسوقت مسلمانوں کا فرض صرف کفایہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دین کے باقی اجزاء وعقائد موجود ہیں۔ انھیں سرنو ایک خاص انداز پر مرتب کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

(۲) یہ سب مغالطہ تجدید وتاسیس کے فرق کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ محرک اپنی تحریک کو تاسیس کہ رہا ہے۔

(۳) اس تحریک کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ جب اس فرض کفایہ کو بطور فرض کفایہ مسلمانوں کے سامنے لانے کی سعی کی جائیگی تو جو لوگ اسکے ساتھ ایک خاص سلسلۂ افکار کو وابستہ کر چکے ہیں وہ ایک طرف انکی طرف توجہ دینے سے ہچکچائیں گے اور دوسرے مسلمان خود اس مغالطہ میں پڑ جائیں گے کہ آخر یہ ہو کیا رہا ہے کہ ایک جماعت جب پہلے کام کر رہی ہے اس کی موجودگی میں پھر دوسری جماعت اس مقصد کے لیے آمادہ کیوں ہو۔ کیا یہ سارے مشاغل نفس کی دوکانداریاں تو نہیں۔ سو اس طریق سے مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی اس مقصد دین کی طرف شرعی فرض کفایہ کی حیثیت میں متوجہ کرنا پھر ایک دفعہ مشکل کر دیا جائیگا حالانکہ اسکے لیے مسلمانوں کا موجودہ اضطراب بہت بڑا موقع تیار کر چکا ہے۔ راقم فقیر کو جو اس تحریک میں ندویانی تحریک کے جراثیم نظر آرہے ہیں وہ بالکل اسی حیثیت کے باعث ہیں۔ ندویانی تحریک کی ابتداء بھی اس انداز سے ہوئی تھی کہ جب عیسائی مشنریوں کا وار مسلمانوں میں ایک ایسی تڑپ پیدا کر چکا تھا کہ وہ کسی متحدہ محاذ میں جمع کیے جا سکیں اور پھر حضرت رشید احمد گنگوہی، حضرت محمد قاسم نانوتوی اور نواب صدیق حسن خاں صاحب جیسے صاحبان استقامت بزرگوں کے توسط سے ان میں ایک نئی روح دوڑ جائے کہ اس نقلی تحریک نے اسکی راہ میں ایک مہلک روڑا پیدا کر کے امت کی نئی پیدا ہونیوالی وحدت کا امکان ہمیشہ کیلیے ختم کر دیا۔ پھر جس وقت تک امت بہ حیثیت مجموعی اس تحریک جدید کے باطل ہونے کے نتیجہ پر حتماً پہنچے اسوقت تک وہ ابھرے ہوئے جذبات نہایت دب چکے تھے۔

اب راقم صدق کے مدیر محترم کی خدمت میں بھی بعض گذارشیں پیش کرتا ہے۔ آپ کو فقیر کی آتش زبانی قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے۔ مگر راقم انکی خدمت میں یہ گذارش کرتا ہے کہ مندرجہ صدر الزامات میں سے کس الزام کو وہ نادرست سمجھتے ہیں۔ اسکو بالتعیین انکا بیان کرنا بہت سے لوگوں کے لیے مفید ہوگا۔ لیکن اگر یہ الزامات صحیح ہیں تو کیا یہ ایک نفسیاتی حقیقت نہیں کہ ایک غلطی پر مستقد ایک شخص کو اصرار ہو اسکی اصلاح میں جب تک اتنی ہی شدت نہ برتی جائے تب تک اسکے اعتقادی جمود میں کوئی حرکت اور اسکا اپنی پوزیشن پر سرنو غور کرنا مشکل ہوتا ہے۔ البتہ جو لوگ سادہ ذہن ہوتے ہیں وہ اپنے جذبۂ خیر اندیشی میں نرمی کی توقع رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ محترم مدیر صدق بھی اپنی اسی سادہ دلانہ خیرسگالی کے باعث فقیر کو یہ الزام دے رہے ہوں۔ باقی جہاں تک نیک نیتی کا سوال ہے اسکے متعلق عرض ہے کہ راقم نے تحریک کے بانی کے متعلق ابھی تک اپنی تحریر میں دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا ہے چنانچہ سب سے آخری خط میں بھی فقیر نے (الف) جہل (ب) اور دوسرے بالمقابل دونوں لفظ استعمال کیے ہیں۔ جس میں سے اگر ایک سے نیک نیتی کا پہلو پیدا ہوتا ہے تو دوسرے سے اس دوسرے پہلو کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے

"تحریکِ اسلام"

[صاحبِ "معارف" مولانا سید سلیمان ندوی کے شذرات ذیل صدق کے بھی پورے ترجمان ہیں - اور اس لیے انھیں اتفاق کامل کے ساتھ بمسرت تمام درج کیا جاتا ہے - صدق]

ہر زمانہ میں پیروانِ مذہب کے اندر اہلِ عقل اور اہلِ نقل کے دو گروہ قائم رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں - اہلِ عقل یہ چاہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں علوم، خیالات اور افکار پیدا ہوتے رہتے ہیں دین کو اس زمانہ کے لوگوں میں قابلِ قبول بنانے کے لیے اسکی ترجمانی ہر زمانہ میں اسکے علوم و افکار کے مطابق کی جاتی رہے ---- بات یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایک نہ ایک کوئی ایسا نظری خیال پیدا ہو جاتا ہے جو ہر طرح مشکوک، ناپائدار اور بے دلیل ہونے کے ساتھ اس درجہ یقینی، پائدار اور مدلل معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا ہر انسان اسکو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے - متکلمین یہ چاہتے اور کرتے رہتے ہیں کہ دین کی تعبیر اور اسکے مسائل کی ترجمانی اسی کے مطابق کر دیں تاکہ اس زمانہ کے لوگ انکو آسانی سے قبول کر لیں -

ابھی جدید علمِ کلام کی آفرینش کو نصف صدی بھی نہیں گذری ہے کہ اس پر چار دور گزر گئے - سر سید نے جنکے زمانہ میں سائنس کا نیا نیا زور تھا، نیچر اور انکارِ خرقِ عادت کے اصول پر اسکو تول کر پیش کیا، انکی اس ترازو پر جو مسئلہ پورا اترا اسکو مانا اور جو نہیں آیا وہ کم و بیش کر کے پورا کیا گیا تو اس کمی و بیشی کے ساتھ اسکو قبول کر لیا اور اس پر بھی جو نہیں آیا اسکو رد کر دیا - مولانا شبلیؒ کے عہد میں جدید تہذیب و تمدن کی گرم بازاری ہوئی تو انکی ساری عمر اسلام اور مسائلِ اسلام کو تہذیب و تمدن یا سولائزیشن کے اصول پر سمجھنے اور سمجھانے میں گزر گئی - اور اسی لیے وہ ہمیشہ تاریخِ اسلام اور تاریخ سلاطینِ اسلام سے تمدنی مسائل کی تحقیق کرتے اور آخر موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن کے نقطۂ نظر سے مستحسن کر کے دکھاتے رہے -

اسکے بعد تیسرا دور سیاسیات کا آیا جس میں عقائد و عبادات کے بجائے اسلامی مسائل میں سے سیاسیات کی بحث اہم ہو گئی اور انکی تعبیر جمہوریت، دستوریت، نظامِ شورائے، خلافت، امارت، وطنیت اور دین و ملت اور وطنیت میں تطبیق کی صورت میں نمایاں ہوئی - اسکے بعد ہی اشتراکیت نے جنم لیا تو بیت اور روٹی اور مزدوری کے نظریے سامنے آگئے - متکلمین عصر نے انکی تطبیق کی طرف توجہ فرمائی ہی تھی کہ یورپ کی جنگ سامنے آگئی اور نازی ازم اور فیسزم کی تحریکوں کی قوت ظاہر ہوئی - اب اس زمانہ کے متکلم اسلام ایک تحریک کا نام رکھ کر سارے مسائل کی گتھیوں کو حل کرنے میں مصروف ہیں،

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا ؟

لیکن دوسرا فریق جو اہلِ نقل کا ہے اسکے نزدیک اسلام کے حقائق اپنی جگہ پر خود مستقل ہیں - انکی تعبیر و ترجمانی کسی زمانہ میں بھی کسی خارجی

مصلحت اور ہنگامی تطبیق کی خاطر ایسی نہیں کرنی چاہیے اور دین، اطفالِ
مصلحت اور ہنگامی تطبیق کی خاطر ایسی نہیں کرنی چاہیے کہ دین، اطفالِ عقل کا بازیچہ بن جائے اور اسکی اپنی اصلی مستقل حیثیت کے بجائے دوسروں کے ضمیمہ کی ہو جائے کہ جو دھوپ چھاؤں کی طرح ہر گردشِ آفتاب کے ساتھ نیا نیا رنگ بدلتا ہے -

اہلِ عقل کے نظریہ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں دین کو براہِ راست نقلی یقین کے بجائے عقلیات کے سہارے سے یقین ثانوی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - یہ سہارا جہاں ہٹا عقائد و اعمال کی ساری عمارت نیچے بیٹھ جاتی ہے - اسکی دوسری کمزوری یہ ہے کہ نتیجہ اس کا یہ دین کی کوئی مستقل حیثیت قائم نہیں رہتی بلکہ ہر عصر اور زمانہ میں اس کے نئے نئے قالب بدلتے رہتے ہیں، اس کی نئی نئی شکلیں نکلتی رہتی ہیں - اس لیے یہیں سے فرقہ آرائی کا سامان پیدا ہوتا ہے اور نئے نئے فرقوں کا ظہور ہوتا ہے، اور پھر ہر طرف سے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کی لعنت برسنے لگتی ہے -

---

(بقیہ صفحہ ۶)

جسکا ایک شخص کے اتنے بڑے دعا کی موجودگی میں نظرانداز کر دینا ذرا بھی دشوار نہیں -

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط شائع فرما دیا جائے -

راقم نے خیال کر لیا تھا کہ آخری خط (جو صدق نمبر ... میں ابھی حال ہی میں شائع ہو چکا ہے) اسکے بعد تنقید کے سلسلہ کو ختم ہی کر دے - اور دیکھیے کہ علما اپنے فرض کے متعلق کتنے چوکس ہیں مگر لوگوں کے سوالات کا سلسلہ سکوت کو حدود سے باہر کھینچ لیجاتا ہے - والسلام

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے متعلق خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
رشید آباد پریس - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ...
بیرون ہند سے سالانہ ۹ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؍

صدق لکھنؤ

جلد ۷	دوشنبہ ۲۵- ذیقعدۃ الکرم سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۵- دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء	نمبر ۳۲

سچی باتیں

دہلی کے پُرقوت ریڈیو اسٹیشن کے ماہرین فن انجینیروں نے بڑے بڑے پُرقوت آلات کی مدد سے اب ٹوٹتے ہوئے تاروں کی موسیقی کو سننا شروع کر دیا ہے۔ ستارے ٹوٹ کر جب زمین پر گرنے لگتے ہیں، تو پہلے کرۂ زمین کی فضاء سے ٹکراتے ہیں، اور اسی ٹکر کے وقت یہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ خود اس فضا کی بلندی ۶۰ میل کی ہے۔ گویا یہ آواز سطح زمین سے ۶۰ میل اوپر پیدا ہوتی ہے۔ اور وہیں سے سُنی جانے لگی ہے۔ یہ آواز ماہرین انجینیروں کا بیان ہے کہ ایک خاص انوکھے قسم کی ہے، تاہم اسے نغمہ کہا جا سکتا، اور موسیقی کے ماتحت لایا جا سکتا ہے۔ جوں جوں سطح زمین سے قریب ہوتی جاتی ہے، آواز مدھم ہوتی جاتی ہے ——— اکبر مرحوم نے جب ۲۵-۳۰ سال اُدھر اپنا یہ شعر سُنایا تھا ؎

ایک صوتِ سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے۔
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے۔

تو الحاد وتشکیک کے مارے ہوئے ایک نوجوان کو ہنسی آگئی تھی، کہ یہ صوفیہ اور اُنکے معتقدین بھی کیسی بے تُکی اُڑایا کرتے ہیں۔ یہ "صوتِ سرمدی" کیسی؟ نہ کہیں اسکا وجود، نہ کوئی اسکا ثبوت۔ ساری آوازیں سُن لی گئیں، کیسے کیسے آلات نکل آئے، اس آواز کا پتہ کسی کو نہ لگا، لگا تو کس کو؟ صوفی شاعر ہی کو!

اب ہنسی اپنے اُس تمسخر پہ آتی ہے۔ تارے ٹوٹتے ہمیشہ سے تھے، آواز بھی ہمیشہ ان میں ہوتی تھی۔ بس اسکے سننے کے قابل کان نہ تھے۔ وہ کان اب سنہ ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے ہیں۔ آلات بڑے سے بڑے بھی مدت سے تھے، لیکن اس خاص مقصد کے لیے وہ کافی نہ ہوئے۔ اور آج سے قبل کے بڑے بڑے ماہرین فن انجینیر اس آواز کو سُنے بغیر ہی رخصت ہو گئے ——— یہ آواز تو پھر بھی مادّی ہے۔ اب جو آواز اس سے بھی بڑھ کر لطیف ہو، اور دور جیہی میں نہیں، قسم میں بھی اس سے مختلف ہو، اُسکے لیے کوئی کان، ان مادّی حواس کے ساتھ کہاں سے لائے؟ اور جو آواز اُس عالم کی ہو جسمیں گفت اور حرف نہ لئے، آواز نہ۔

اُسے کس آلہ کی مدد سے گرفت میں لایا جائے؟ ابھی تو مبارک، ٹھوس اور مادّی ستاروں ہی کی کتنی آوازیں سننے میں آسکی ہیں، چہ جائیکہ فرشتوں کے پروں کی سرسراہٹ، فرشتوں کے منہ سے نکلے ہوئے بول، نباتات، جمادات کی تسبیح، انکو کوئی کہاں سے سُن سکے! ——— اعتماد آج ہم کو ریڈیو کے اہلکاروں پر ہے۔ اُنکی سُنی ہوئی آواز کو ہم اپنی ہی سُنی ہوئی سمجھ رہے ہیں۔ اور نہیں ہے اعتماد تو ہم کو (نعوذ باللہ) پیمبر کی بتلائی ہوئی آوازوں پر۔ وہ پیمبر، جس کی صداقت، دیانت، امانت، ہر مثال اور ہر نظیر سے بالاتر۔ وہ پیمبر، جسکی قوتِ ادراک ہر انجینیر، ہر ماہر فن سے ہزارہا درجہ بڑھی ہوئی ہے!

اِدھر آواز سُنی گئی، اُدھر رفتار بھی ناپ گئی۔ اول رات، اور آدھی رات کا حساب تو شاید کچھ اور ہو، باقی رات کے پچھلے پہر میں جو تارے آکر زمین پر گرتے ہیں اُنکی شرح رفتار ۴۰ میل فی سکنڈ ہے! گھنٹہ یا منٹ نہیں، ۴۰ میل فی سکنڈ!

یعنی ایک منٹ میں ۲،۴۰۰ میل۔
اور ایک گھنٹہ میں ۱،۴۴،۰۰۰ میل
گویا بندوق کی گولی سے ۸۰ گُنا زائد!

قدرتی رفتاریں، اب بھی سائنس کی پیدا کی ہوئی رفتاروں سے کہیں زیادہ تیز ہیں، کہیں زیادہ حیرت انگیز ہیں! ——— بُراق کی رفتار حیرت کو بالکل مادّی اور جسمانی میں مان کر فضاے کائنات میں کیا اب بھی

ناقابلِ یقین، "خلافِ عقل" رہیگی؟ مسلمانوں کے گروہ کے گروہ دہریت و عیسائیت و مادیات سے مرکب ثابت ہو چکے۔ مگر شک و زندقہ کے باب میں نہیں، مذاق ہی کے باب میں! وہ مذاق جسکی ترکیب اگر مادہ سے ہوئی، تو معاذاللہ وہ مادہ ہی کتنا لطیف تر ہوگا!

ایک گمنام نامور کی وفات

عنوان میں تناقض نہیں گمنام نامور منطق کی خیالی دنیا میں نہ ہونے ہوں نہ ہوں، عملی دنیا میں، گوشت پوست کے انسانوں کی بنی ہوئی دنیا میں تو یہ ہوسکتے ہیں، اور ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔ یہ ایک مخصوص و محدود دائرہ کے اندر نہایت مشہور و معروف، اور لیکن اس محترم حلقہ سے باہر کوئی انکے نام تک سے آشنا نہیں۔ اسی قسم کے بزرگوں میں ہمارے مہربان مولانا حکیم حاجی محمد مصطفےٰ صاحب تھے۔ وطن بجنور۔ لیکن اب ایک عمر سے مقیم میرٹھ میں تھے۔ عالم، فاضل، علوم دینی میں گہری نظر رکھنے والے۔ علوم عقلی کے ماہر۔ زاہد، مرتاض، صاحبِ نسبت۔ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر پہنچے ہوئے۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے رشید ترین شاگرد، اور قدیم ترین خلیفہ۔ اور مشہور یہ ہے کہ حضرت کے لیے "حکیم الامت" کا لقب سب سے پہلے انھیں کے قلم سے نکلا تھا۔ اور اسے قبولِ عام کی سند دلا دی۔ خود بھی شیخ وقت اور بہتوں کے مرشد۔ ان دینی و معنوی کمالات کے ساتھ ساتھ فن طب میں نظر اتنی دقیق، اور گہری کہ اس زمانہ میں تو نظر آنا دشوار۔ ہر دوا کہنا چاہیے کہ تیر بہدف۔ دواخانہ مصطفائی (میرٹھ) کی ساری ناموری انہیں کی ہوئی۔ طب میں متعدد کتابوں کے بھی مصنف تھے۔ علم کلام میں "حل الانتباہات" کے نام سے اپنے استاد و مرشد حضرت تھانوی کی الانتباہات المفیدہ کی شرح، جامع و مفصل، ہر حیثیت سے قابل قدر، اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ استغنا اور حرص خدمت خلق کی کیفیت یہ تھی کہ خاص اپنی اور صدری نسخے بے تکلف دوسروں کو بتا دیتے۔ ادھر علیل عرصہ سے رہنے لگے تھے۔ آخر پچھلے عشرہ میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ درجاتِ عالیہ سے سرافراز کرے۔ — بےنیاز اور ستودہ صفات ہے وہ ایک ذات، جو جب چاہے ایسے باکمال، جامع الکمالات کو وجود میں لے آئے اور جب چاہے اسی لمحہ اور اسی آن واپس بلالے!

ذات معبود جاودانی ہے
باقی جو کچھ ہے وہ فانی ہے

"صاحب" کی رقص نوازی

"ابکی قیام الموڑہ کے زمانہ میں میں پھر اودے شنکر کلچر سنٹر کے تماشوں سے بہت محظوظ ہوا۔ پہلے کھیل میں تقریباً سارے اداکار اودے شنکر کے شاگرد ہی تھے۔ اودے شنکر نے اپنے متعدد شاگردوں کو اپنا ہی جیسا ماہر فن باکمال بنا دیا ہے۔ دوسرا کھیل میں نے رامائن سے لیا ہوا پلاٹ دیکھا۔ ... میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ میں نے اس سے بڑھ کر پر لطف کھیل کہیں اور نہیں دیکھا ہے! اور مجھے یقین ہے کہ جو کوئی بھی اسے دیکھے گا، ویسا ہی لطف محسوس کریگا.....

ایک بڑی اور خاص خوبی اس کلچر سنٹر میں یہ ہے کہ یہاں شاگردوں کو صرف ناچنا اور دوسروں کے ناچ کی نقلیں اتارنا ہی نہیں سکھایا جاتا، بلکہ نئے نئے ناچ اور ان کے لوازم کی تخلیق بھی سکھائی جاتی ہے ... اگر اودے شنکر کے منصوبے پورے ہوگئے تو وہ کامیاب ہو جائیگا ہندوستان کو مسرت پہنچتے ہیں، ہندوستان کے قدیم فنون تہذیب کو از سر نو زندہ کرتے ہیں، اور جدید حالات کے مطابق انکا نیا قالب ڈھالتے ہیں" (اسٹیٹسمین، ۳۰۔ نومبر ۴۱ء)

یہ ایک مختصر سا تمام خلاصہ ہے۔ صوبہ کے گورنر سر مارس ہیلٹ کی لمبی چوڑی اپیل کا، لاٹ صاحب کی اپیل ملک کے مشہور "پہنچنے کے ناچ گھر" کے لیے! جی نہیں، ناچ گھر کہاں! لاٹ صاحب ہی کی زبان میں "کلچر سنٹر" کے لیے "مرکز تہذیب" کے لیے! اور کسی میں ہمت ہے کہ "مرکز تہذیب" کا نام سن کر انکی اس اپیل پر مسکرا سکے، ہنس سکے، اسے قابل مضحکہ سمجھ سکے ہے — ترقی کا قدم کہاں سے کہاں پہونچا اور آپ جب کہ ادب کہتے "دار العوائشہ" کو کلمہ تحقیر کا سمجھ رہے ہیں، اور شرمائے جا رہے ہیں محمد شاہ کی رنگ رلیوں سے، واجد علی شاہ کی رقص نوازیوں سے، لیلاؤں سے، ناٹکوں سے!

جو گناہ کیجیے ثواب ہے آج!

جو کچھ چاہیے کیجیے۔ بے تکلف اور ڈنکے کی چوٹ کیجیے۔ صرف نام اور اصطلاحات بدل دیجیے۔ بولی بیسویں صدی کی سیکھ لیجیے!

میٹھا زہر

مسلم ورلڈ (نیویارک) مذہبی مسیحیوں کا مشہور سہ ماہی رسالہ ہے۔ ایڈورڈ کیلسن صاحب نے ایک تازہ نمبر میں "مسلمانوں کے درمیان تبلیغ" کے عنوان پر توجہ فرمائی ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"مسلمانوں کے درمیان کام اب سے اندر ہونا چاہیے۔ پرانا طریقہ عموماً مناظرانہ تھا۔ کوشش یہ رہتی تھی کہ مسلمانوں کو قائل کیا جائے کہ مسیحی مذہب سچا ہے اس پر انکے اعتراضات غلط ہیں۔ اور انکو عقلی و فکری حیثیت سے مسیحیت قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ یہ طریقہ ناکام ہو چکا۔ اور اب سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کامیابی ذاتی دوستی اور خدمت کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے" (جولائی نمبر، ص۲۳۳)

گویا "زور" کا طریقہ ناکام ثابت ہو چکا، اور اب باری "زر" کی اور "زاری" کی آرہی ہے! — سامنے سے گولی چلانے سے اگر مقصد حاصل ہو جائیگا تو آخر اس میں مضائقہ ہی کیا ہے کہ شربت کے گلاس میں کچھ قطرے زہر ہلاہل کے ملا کر پیش کر دیا جایا کریں!

حریف کا اعتراف

"اور خود مسلمان بھی تو بہت سی چیزیں مسیحیوں کو سکھا سکتے ہیں۔ مسیحیوں کی عادت کے برخلاف"

مسلمانوں میں رنگ یا نسل کا تعصب نہیں ہوتا، مسلمان توحید کے قائل رہتے ہیں، اور انکا مذہب انکی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی رہتا ہے۔" (مسلم ورلڈ، نیویارک، جولائی نمبر [illegible])

الفاظ ایک صاحب تجربہ مسیحی مشنری کے قلم سے ہیں۔ یہ اُن مسلمانوں کی زندگی سے متعلق تاثرات ہیں، جو خود ہی محض نام کے مسلمان، اور جنکا اسلام محض نام کا اسلام ہے۔ اگر کہیں ہم واقعی مسلمان ہو جائیں، اور اسلام ہمارے ذریعہ سے اپنے اصلی خط و خال میں ظاہر ہونے لگے، تو حریف کو کبھی حوصلہ بھی مقابلہ کا یا حملہ کا پڑ سکتا ہے؟

"اعلیٰ تعلیم"

"اس بیس سال کے عرصہ میں انگریز نوجوانوں پر سب سے زیادہ گہرے اثر ڈالنے والی اس صنعت کے ان دو چیزوں کے پڑے۔ ایک سوشلزم کا، دوسرے مسائل جنسی کا۔ قدیم اخلاقی نظام کی شکست و ریخت بڑی خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ شہوانی دلچسپیاں معلوم ہوتا ہے برطانیہ کی یونیورسٹی تعلیم نظام کی ترکیب میں داخل ہو چکی ہیں۔ اور خیال ایسا ہوتا ہے کہ کہیں یہی تو خاص کشش ہمارے ملک کے نوجوانوں کو انگلستان تعلیم کے لیے لیے لے جانے والی تو نہیں۔" (ہندوستان ٹائمز۔ ۲۴ نومبر [illegible])

اقتباس ایک جدید انگریزی ناول کے ایک تبصرہ سے ہے۔ ناول لکھا ہوا آکسفرڈ اور لندن میں ایک عمر بسر کیے ہوئے ہندوستانی نوجوان کا ہے، نوجوان بھی اور سوشلسٹ بھی۔ اسکے سوا ہے ہم "جو دیسند دن" میں ہے یہ ہمت کہ "صاحب" کے ملک میں اعلیٰ تعلیم پانے والے نوجوانوں کو، صاحبزادوں کو، لڑکوں اور لڑکیوں کو، بھول کر بھی "شہوانیت زدہ" جیسے گندے اور مکروہ لفظ سے یاد کر سکیں؟

تمباکو کا زہر

حیدرآباد کے جدید پندرہ روزہ طبی رسالہ صحت عامہ میں لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر محمد اشرف الحق کے ایک مضمون کا اقتباس:—

"مضرت کے لحاظ سے تمباکو شراب سے قوی ہے، اور آتشک سے دوسرے درجہ پر ہے، اور صلابت شرایین کا ایک بڑا سبب ہے۔ تمباکو نوشی سے قلب کے انقباضی عروق تباہ ہو جاتے ہیں، اور قلب میں صلابت شرایین کا عارضہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے اشخاص میں، جو زیادہ تمباکو کے زبردست عادی ہیں موت اکثر دفعۃً اور قبل از وقت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر ایسے اشخاص کو آتشک کا عارضہ ہو چکا ہو تو بس، اللہ ہی حافظ ہے۔ ......

مردوں میں تمباکو کے اسقدر شدید مضر اثرات ظہور پذیر نہیں ہوسکتے جسقدر عورتوں، بخصوص نوجوان لڑکیوں میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ نسوانی آلات اپنی پیچیدہ ساخت کی وجہ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اور اُنکے نازک عضویات میں تمباکو کا مقابلہ کرنے کی اتنی قوت نہیں رہتی جسقدر کہ مردوں کے آلات میں ہوتی ہے ...... قدرت نے عورتوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انکے ذریعہ نسل بڑھے۔ مگر جب موجودہ نسل کی نوجوان لڑکیاں تمباکو اور سگرٹ نوشی کی زبردست عادی ہوکر حد سے زیادہ تمباکو پینے لگتی ہیں تو نہ صرف اُنکا حسن جسکو برقرار رکھنے کی وہ بہت خواہشمند ہوتی ہیں برباد ہو جاتا ہے بلکہ زیادہ عرصہ تک وہ اپنی جوانی کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتیں، اور اُنکو اولاد بھی نصیب نہیں ہوتی، جو آخری عمر کا بہترین سہارا ہے۔"

کاش یہ نصیحت ہمارے بڑوں اور چھوٹوں، بوڑھوں اور نوجوانوں، مردوں اور عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں سب کے کانوں تک پہونچ سکتی!

عورتوں کی سینما بینی

["ہمعصر پیام" کی ایک خاتون مضمون نگار کے قلم سے]

موجودہ زمانہ کی ترقی نے سینما جیسی چیز پیش کرکے ہماری موجودہ پست حالت کو اور بھی خراب کر دیا۔ نیند کی خرابی کی اور پیسوں کی بربادی، اسکے سوا فلم اور اسکے طرز و انداز، خواہ کتنا ہی نصیحت آمیز کیوں نہ ہو، عورت اور مرد کا ایک دوسرے کے مقابل ہوکر ایکٹ کرنے کا دیکھنے والے ہر دو فریق پر اپنے اپنے جذبات کے تحت اثر انداز ہونا ناگزیر ہے۔ خاص کر نوجوان طبقہ پر اسکے بیحد بُرے اثرات پڑتے نظر آتے ہیں۔ میں اپنی عزیز بہنوں سے بیحد ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جسارت کرتی ہوں کہ وہ ہرگز ہرگز سینما نہ دیکھا کریں۔ اپنا پیسہ بچائیں اور وہی وقت کسی مفید کام میں صرف کریں۔ طبقہ ذکور کی نسبت مجھے کچھ عرض کرنا نہیں ہے مگر اپنی ہم قوم بہنوں سے اتنا ضرور عرض کروں گی کہ وہ جہاں تک ہوسکے اپنے مردوں اور بچے بچیوں وغیرہ کو سینما بینی کی لت نہ پڑنے دیں۔ کبھی کبھار اگر کوئی بہترین کھیل آ جائے تو مردوں کو اسکے دیکھنے سے اُنکی طبیعت کے خلاف روکا نہ جائے۔ ہر بُرا کام یکلخت موقوف نہیں کیا جا سکتا بلکہ بتدریج حسب موقع اُسکا ازالہ کرنا ہی مصلحت ہے۔ دیکھو عرب میں شراب پی جاتی تھی مگر قدرت نے بتدریج احکام صادر فرمائے، اگر تم حالت سکر میں ہو تو نماز نہ پڑھو، وغیرہ وغیرہ۔ ایک عرصہ کے بعد حرام قطعی قرار دیدی گئی۔ لہذا میری عزیز بہنو، تہیہ کرلو کہ تم کبھی بھولے سے بھی سینما بینی کی طرف رُخ نہ کروگی۔ ہر چیز کی نسبت خود پہلے عمل کرو، پھر اپنا گھر درست کرو، پھر عزیز و اقارب، پھر دوست احباب سب کی باری باری سے خبر رکھو۔ اگر عورت اس معاملہ "سینما بینی" کے انسداد کے لیے اُٹھ کھڑی ہو، تو میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے جسکو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

ہم اور وہ

از خواجہ محمد شفیع دہلوی

اجنبی اور حال کا بصیرت افروز تقابل۔ [illegible]

زبان کوثر سے دُھلی ہوئی۔ بیان بحرِ لطافت

ملنے کا پتہ:— خواجہ محمد شفیع۔ اُردو بازار [illegible] دہلی

تمدن اسلام کی کہانی

اُسی کی زبانی

[مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" ہر سال اپنا "اسلامی ہفتہ" مناتی ہے، اسکی مرتبہ بھی حسب معمول منایا گیا۔ اس موقع پر ذیل کا مقالہ مدیر صدق نے پڑھا۔ اس میں متکلم خود تمدن اسلام ہے، اور واحد متکلم کی ساری ضمیریں اسی کی طرف پھرتی ہیں۔ صدق]

دینی بھائیو اور عزیزو!

بچپن کی بات، بیہوشی کا زمانہ، تاریخ کی پیدائش سے بھی قبل کا دور۔ ع

بھولا ہوا سا خواب ہے کچھ ہے خیال کچھ نہیں

یاد اتنا ضرور آتا ہے کہ جب اپنی آنکھ اس گوشت پوست کی دنیا میں، اس آب و خاک کے کارخانہ میں کھلی، تو دیکھا کہ سر پر سایہ دو خاک کے پتلوں کا ہے۔ ایک کا نام بابا آدم، دوسرے کا اماں حوا۔ یہ لوریاں دے رہی ہیں، وہ سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ کچھ پیاری پیاری نورانی صورتیں اور بھی دھندلی سی یاد پڑ رہی ہیں، فرشتہ شاید انھیں کو کہتے ہیں۔ ایک روز بابا آدم نے کان میں کچھ ایسے الفاظ پھونکے، کہ دل میں اتر گئے۔ حافظہ پر گڑ گئے۔ آج تک ازبر۔ بولے "جان پدر! تم اولاد معنوی ہو، اللہ تمھارا اقبال بڑھائے، میری صلبی اولاد کو سدا تمھاری راہ پر چلائے۔ لیکن تقدیر کے نوشتہ کو کون میٹ سکا ہے، لکھا ہوا یوں ہی ہے کہ تمھاری زندگی اول سے آخر تک ایک موذی کے مقابلہ میں گزریگی، جد و جہد میں کٹیگی۔ گو تمھارے اصلی جوہر بھی اسی مقابلہ سے چمکینگے، اصلی کمالات اسی معرکہ سے ابھرینگے۔ میرا اور تمھارا ازلی دشمن، نام ابلیس، حسد کی آگ کا پتلہ کھلکر سامنے نہ آئیگا۔ حملہ ہمیشہ آڑ سے کریگا۔ کہیں یہ روپ بھر کر، کبھی وہ نقاب چہرہ پر ڈال کر۔ اسکا لشکر بے شمار، اسکے چہرہ کے نقاب بے حساب، لیکن غم نہ کرنا، اسکی نیرنگ سازیوں سے ذرا نہ ڈرنا۔ انجام کار فتح تمھاری ہی مقدر ہے"——

بابا آدم کی وصیتوں سے تو بس اسی قدر حافظہ میں ہے۔ ہاں خوب یاد پڑ گیا اسی دور کا ایک حادثہ خونیں نظروں کے سامنے اس طرح پھر رہا ہے، کہ گویا کل ہی کی بات ہے! ایک دن ہوا کیا، کہ میں بھائی ہابیل کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، معصومیت کے کھیلے ہوے چمن میں گشت کر رہا تھا، کہ اتنے میں قابیل نے عقب سے وار کر دیا۔ ہابیل غریب کا تو خیر کام ہی تمام ہو گیا، لیکن میرے جسم نے بھی زخم کا خراش اور اسکا مزہ پہلی بار جب ہی جانا!

دن گزرے، اور گزرتے رہے۔ سال شروع ہوے اور ختم ہونے لگے صدیوں بعد، کوئی سنہ ۔ ق۔م کے لگ بھگ میں نے اپنے کو سطح زمین کے اُس خطہ میں پایا جہاں دریاے فرات بہہ رہا ہے۔ یعنی دریاے دجلہ و بغداد کے درمیان، اور یہیں کچھ دور پر سلسلۂ کوہستان ارارات واقع ہے اور اسکی ایک چوٹی کا نام جبل جودی ہے۔ جھیل [illegible] کے جنوب مغرب میں۔ اسوقت انسانی آبادی سارے روے زمین پر پھیلی ہوئی نہ تھی بلکہ سب کا مسکن یہی علاقہ تھا۔ قوم کی قوم کو دیکھا کہ اچھے خاصے ہوشیار، تمیزدار، دیکھنے میں عاقل و فرزانہ، لیکن مجھ سے سب کے سب بیگانہ۔ دل سب کے سب میری طرف سے پھرے ہوے۔ اور غیر میں تو کیا چیز ہوں، چہرے میرے مالک و مولیٰ کی طرف سے مڑے ہوے! حرکت کیا کی کہ مجسمے بنالئے اپنے بڑوں کے، سرداروں کے، ناموروں کے۔ اور پہلے تو اسکا نام محض یادگار رکھا، لیکن تعظیم کے ڈانڈے ملے ہوے پرستش سے جو ٹھیرے لگے انھیں کے آگے اپنی حاجتیں پیش کرنے، انھیں سے اپنے دکھ سکھ میں سوال کرنے۔ اگلی نسلیں گزرتی گئیں، اور نئی نسلوں نے ان سے وہ معاملہ شروع کر دیا، جو بندوں کا ہوتا ہے خدا کے ساتھ، مخلوق کا خالق کے ساتھ۔ گویا یہ پتھر کی مورتیاں انکے عقیدہ میں شریک تھیں خدا کی خدائی میں، حاکم و متصرف تھیں خلق کی حاجت روائی میں—— عقلمندوں نے اتنا نہ سوچا، کہ جو ورا ہے جسم و قالب سے، وہ بھلا کہیں صورت پکڑ سکتا ہے اور جو منزہ ہے قید و تعین سے، وہ بھلا گرفت میں آسکتا ہے کسی معمار کے، نقاش کے، سنگتراش کے! ایک مرد خدا نوح بن لمک نامے اسی سرزمین سے اٹھے، اور پکار پکار بولے کہ "میرے بھائیو، یہ کیا اندھیر ہے! بلا کی حماقت اور انتہا کی شامت، کہ بندوں کو درجہ خدا کا دیتے ہو، اور جو محض بے بس ہے اُسے قدرت والا سمجھتے ہو"! تہذیب و شائستگی، عقل و خرد کے مدعیوں نے جواب اُسوقت بھی وہی دیا جو آج دے رہے ہیں، بولے "تم ایک خشک و بے مغز شخص کیا قدر جانو ہمارے ان فنون لطیفہ کی؟ یہ مجسمے تراشنا، انھیں نمایاں مقامات پر نصب کرنا، تو عین ہنرمندی ہے دلیل اور علامت ہے ترقی زندگی کی۔ یہ شرک و معصیت کا قصہ تم نے کہاں سے نکال لیا؟" اُس زمانہ کا اوسط عمر آج سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ مقدس بندہ نوح نے اس بڑھے ہوے معیار سے بھی کہیں بڑی عمر پائی۔ نیچے سے ایک عظیم الشان سیلاب اُبلا، اور اوپر سے بارش ہوئی، سیلا دھار۔ مخالفین، معاندین، سب کے سب ڈوب کر رہ گئے۔ بس نوح اور انکے مخلصین باقی بچ گئے۔ اشارۂ غیبی پاکر حفاظت کا سامان ایک طویل و عریض کشتی کے ذریعہ سے پہلے ہی کر لیا تھا۔

اس طوفان عظیم کے نفس وقوع سے تو تازہ ارضیاتی (جیولاجیکل) اور اثری (ارکیولاجیکل) شہادتوں کے بعد بیسویں صدی کو انکار کی گنجائش رہی نہیں ہے، البتہ ہنسی آجاتی ہے جب لوگوں کو اعتراض و انکار کے لہجہ میں کہتے سنتا ہوں کہ "طوفان مقامی ہو تو ہو، عالمگیر نہیں ہو سکتا" بیشک وہ زمین کے سارے حصوں پر محیط نہ تھا، اور کیوں ہوتا۔ مقصود تو صرف خطاکاروں کو غرق کرنا، اور وہ خطاکار قوم صرف قوم نوح تھی۔ لیکن اس ایک قوم کے سوا اور انسانی آبادی تھی ہی کہاں؟ بس اگر قوم نوح غرق ہوئی تو اسکے معنی ہی یہ ہیں، کہ اُسوقت کی ساری دنیاے انسانیت غرق ہو گئی!

دنیا کی عمر کچھ اور کھسکی۔ کچھ صدیاں ابھی اور گزریں، کہ اسی

سرزمین پر ایک اور قوم اُبھری، تہذیب و تمدن میں اگلوں سے بڑھی ہوئی، ستارہ شناسی کے علم میں طاق، سنگتراشی کے فن میں شہرۂ آفاق۔ اس کے درمیان ماہرین فن کا ہجوم، صنعت گروں کی دھوم۔ مورتیں اس صفائی اور صناعی سے بناتے کہ نقل کو اصل کر دکھاتے۔ بیجان میں گویا جان ڈال دیتے۔ ترقی کا قدم سائنس اور آرٹ کی تو ان بلند منزلوں پر، اور عقائد کی پستیوں کا حال یہ کہ مندر سورج دیوتا کے بنے ہوئے، اور خلیفۃ اللہ انسان کے ماتھے چاند اور تاروں کے آگے سجدوں میں گر رہے، مورتی پوجا اپنے شباب پر۔ تھا یا شرک کا وہی جو ہندوستان میں آج بھی رائج ہے۔ ملک وہ تھا جسے آج عراق کہتے ہیں، کبھی بابل کہا جا چکا ہے اور کبھی کالڈیا (کلدانیہ)۔ اُس وقت ہندوستان سے کچھ ایسا دور بھی نہ تھا، بلکہ خیال تو کچھ ایسا پڑتا ہے کہ سندھ کی سرحدیں اُس سے ملی ہوئی تھیں، اور درمیان میں یہ سمندر حائل نہ تھا۔ اسی قوم میں میرے وہ مربی پیدا ہوئے جنھوں نے پھیکا کر دیا باوا آدم کی بھی شفقتوں اور نوازشوں کو، نام ابراہیمؑ یا ابراہام۔ والد کا نام تارح یا عربی تلفظ میں آذر۔ یہ ابراہیمؑ موحد ہی نہیں، موحد گر تھے، موحدوں کے سردار تھے۔ شرک کا رنگ دیکھ تاب کہاں لا سکتے تھے۔ تبلیغ کی اور خوب ہی کی، دین توحید کی، توحید کے تمدن کی، توحید کی تہذیب کی۔ تہذیب جاہلی ان سے گتھ گئی۔ حکومت اسکی نصرت پر، سوسائٹی اسکی حمایت پر۔ کوئی طریقہ جور وستم کا ان پر اُٹھا نہ رہا۔ حد یہ ہے کہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے گئے۔ زندگی جسکے حکم کے تابع ہے، اُسی کے حکم سے زندہ نکل آئے۔ آخر ترک وطن پر مجبور ہوئے، عراق سے شام پہنچے، اور شام سے چلے تو فلسطین اور مصر سے گزرتے ہوئے حجاز میں آن کر ٹھہرے۔ جہاں کہیں بھی پہنچے، غلغلہ ڈالتے رہے میرے دین کا۔ مصر سے بھی گزرے، جھنڈا لہراتے گئے، میرے آئین کا! مکہ پہنچے تو باپ بیٹے نے مل کر مکان کھڑا کر دیا! جو آج تک مرکز چلا آ رہا ہے توحید کے دین کا، اہل توحید کے آئین کا۔

کچھ اور بعد عرب کے جنوب شرق میں قوم عاد آباد رہی، اور پھر انکے بعد شمال مغرب میں قوم ثمود۔ دونوں کا اپنے اپنے زمانہ میں خوب دور رہا۔ تنومند، زور آور، قد آور لوگ تھے۔ اپنے تہذیب و تمدن پر نازاں انجینری، صنعت کاری، ہندسہ کے فن کے بادشاہ۔ پتھر کے محل بنا ڈالتے، اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر محل تعمیر کرتے۔ میری اُنکی آویزش قدم قدم پر رہی۔ انکی تہذیب جاہلی۔ میری تعلیم توحیدی۔ انکے ہاں سفر حیات کی ہر منزل پر اخلاق کی گندگی اور باطن کی سیاہی۔ میرے ہاں زندگی کی ہر سانس پر روح کی جلا اور قلب کی صفائی۔ دعوے اُدھر قوت کا اور کثرت کا، پھر سے ادھر صداقت کا، وحدت کا۔ بڑے علمبرداروں نے بڑے بڑے بت اُٹھائے، دُکھ جی بھر کے سہے۔ آخر میں فتح میری ہوئی۔ اور تختے اُلٹ کر رہے قوت کا زعم رکھنے والوں کے، ناز کرنے والوں کے، اور یہی انجام ہر جاہلی تمدن کا ہو کر رہتا ہے۔ شرک کی اعتقادی اور فسق کی عملی گندگیوں سے لبریز، تمدن کو تباہی اور ہلاکت سے بچا لیجا سکتی۔

نہ کوئی سیاح آج تک دریافت ہو سکی ہے نہ کوئی قلعہ ——— ان دونوں قوموں سے قبل اور قوم ثمود سے کچھ ہی فاصلہ پر اسکے شمال و مشرق میں ایک اور قوم آباد تھی، اپنے مصلح حضرت لوطؑ کی جانب منسوب۔ اس کے تمدن کے غیر صالح، ناسزا عناصر کی تاپاکیاں، عذاب الٰہی کا باعث ہو کر رہیں۔ اور اب تو ایک نامور ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن نے اس کا زمانہ تک متعین کر دیا ہے۔ سنہ ۲۰۶۵ قبل مسیح۔ اسکی یادگار بربادی نہ سہی آبی، آج بھی عرب و شام کے درمیان بحر مردار (Dead sea) کی شکل میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس جھیل یا بحیرہ کے اوپر اور اندر بھی چار ہزار سال گزر جانے پر آج تک موت ہی کی عملداری ہے! نہ اندر کوئی مچھلی زندہ رہ کر سانس لے سکے، نہ اوپر کسی پرندہ کی مجال کہ پر مار کر گزر سکے! عذاب الٰہی کی بے پناہی، معاذ اللہ!

ان سب کے بعد اور ان سب کے علاوہ ایک اور قوم بھی گزری ہے حضرت مسیح سے کوئی ۱۵۰۰ سال قبل۔ علمبردار توحید شعیبؑ نبی کی جانب منسوب۔ تجارت پیشہ کاروباری لوگ آباد تھے علاقۂ مدین میں، خلیج عقبہ کے متصل۔ مصر، فلسطین، عرب اور بحر روم، بحر قلزم کے بیچ پڑائے پر۔ انکی تہذیب میں جائز تھا دوسرے کا حق مار لینا، اپنا نفع عین فاحش کے ساتھ حاصل کرنا۔ غرض تجارتی معاملات میں ہر قسم کی چالاکی اور خیانت۔ میری بھلا ان سے کیا بنتی! خوب مقابلے رہے یہاں تک یہ قوم بھی فنا کے اسی گھاٹ اُتر گئی، جہاں تک ان سے قبل بہت سے پیشرو پہنچ چکے تھے۔

اب نمبر آتا ہے مصر کا۔ یہاں میرے قدم یوسفؑ صدیق کے عہد میں ۱۸۰۰ق۔م ہی میں پہنچ چکے تھے اور انکی زندگی بھر میری ہی حکمرانی رہی۔ لیکن چند روز بعد جب سلطنت بدلی تو قوم کا نظام بھی بگڑا، اور ہوتے ہوتے تین چار سو برس کے عرصہ میں تو تہذیب جاہلی پورے زور و شور کے ساتھ خم ٹھونک کر میرے مقابلہ پر آ گئی۔ حکومت اب اُس تاجدار کے ہاتھ میں تھی، جو اپنے کو بندہ نہیں، بندوں کا آقا، بندوں کا رب سمجھ رہا تھا۔ معبود اکبر سورج دیوتا یا "راع" کے اوتار، اور انسانی قالب میں مظہر۔ "فرعون" (یعنی "راع" کے نمائندے) تو یہاں کے فرماں روا عرصہ سے سمجھے جا رہے تھے (جیسے ہزاروں برس کے بعد آج بھی میکاڈو شاہ جاپان سمجھے جا رہے ہیں) لیکن اب جو بادشاہ مصر کا ہوا، اسکا نمبر فساد عقیدہ و فساد عمل دونوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ میری زبان تھے اُس وقت موسیٰ کلیم اللہ، اور میرے ترجمان ہارون نبی اللہ۔ دونوں نے اپنی والی سب ہی کچھ کر چھوڑی۔ تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ سمجھا، اور شرک مزاج خلقت دلائل سے زیادہ گرویدہ خوارق و معجزات کی ہوتی ہے۔ خالق بے نیاز نے دونوں بزرگ بندوں کے ہاتھوں اس طرح کے کرشمے بھی نہ معلوم کتنے دکھا ڈالے۔ پتھر میں جونک لگانی تھی۔ جابر و قاہر حکومت کا غیظ و غضب بڑھتا ہی گیا۔ نتیجہ جو کچھ نکلا، تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ مظلوم بنی اسرائیل نے چاہا کہ اپنے وطن فلسطین کو چلے جائیں۔ قاہر کے قاہر کی مصلحتیں سد راہ رہیں۔ آخر

ایک روز رات کے وقت موقع پاکر بنی اسرائیل نکل کھڑے ہوئے، مرد، عورتیں، بوڑھے بچے سب۔ آج کل کی سی کوئی پکی، صاف، سیدھی سڑک لگی ہوئی تو تھی نہیں۔ رات کا وقت، تعاقب کا خوف اور گھبراہٹ، راستہ بھول گئے، اور بجائے شمال کی طرف ذرا اور آگے بڑھ کر پھر مشرق کی طرف مڑنے کے پہلے ادھر ہی مڑ گئے[۱]۔ اب جو دیکھا تو سامنے سمندر یعنی بحر قلزم (RED SEA) کی شمالی مغربی آبنائے، جس کے بعد اب نہر سویز شروع ہو جاتی ہے، اور اس وقت خشکی تھی۔ واپس ہونا چاہا تو دیکھتے کیا ہیں، کہ خود ہزا یسریل میجسٹی فرعون لاؤ لشکر کی کمان کرتا ہوا بھاگ بھاگ چلا آرہا ہے[۲]۔ اب اسرائیل غریب کریں تو کیا کریں؟ داہنے اور بائیں پہاڑ، سامنے سمندر، اور پشت پر یہ لشکر جرار! جو توحید والے تھے انھیں اشارۂ غیبی ہوا کہ بے تکلف سمندر میں کود پڑو۔ وہ کود پڑے۔ اور اسے اب زلزلۂ بحری کا اثر سمجھیے یا جو بھی تعبیر اختیار کیجیے۔ بہرحال سمندر پھٹا، انکے لیے راستہ بن گیا۔ اور وہ بخیریت اتنا حصہ عبور کرکے، جزیرہ نمائے سینا کی خشکیوں پر آگئے۔ ادھر فرعون نے اپنے لشکریوں کو للکارا کہ دیکھتے کیا ہو، ڈال دو تم بھی انکے پیچھے سمندر میں اپنے فوجی رتھ[۳] اور گھوڑے۔ فرعونیوں کا سمندر کے بیچ میں پہنچنا تھا کہ پانی کی جاری سی کھڑی ہوئی دیواریں آپس میں مل گئیں۔ اور وہ فرعون جو بے سامان نہیں باسامان تھا، مع اپنے سارے ساز و سامان کے غرق ہو کر رہ گیا! یہ واقعہ عجب نہیں کہ ۱۴۸۰ ق۔م میں واقع ہوا ہو۔

اب میرا قیام سالہا سال تک جزیرہ نمائے سینا ہی میں رہا۔ موسیٰ علیہ السلام پر پوری شریعت اسی زمانہ میں اتری۔ اور انھوں نے میری حکومت ایک ایک جزوی تفصیل کے ساتھ اپنی قوم پر پھیلانی چاہی۔ خود قوم والے مخالف ہو بیٹھے۔ مخالفت کا لیڈر قوم ہی کا ایک بڑا سیٹھ، ساہوکار، یا بینکر تھا۔ قارون نام۔ اسکی بے انداز دولت کی تفصیل بیان ہو، تو کتنوں کو آج افسانہ معلوم ہو۔ اتنی زائد دولت کا ایک ہی جگہ اجتماع، پھر اسکے حاصل کرنے کی حرص، اور اسکے خرچ کرنے میں بخل۔ بھلا یہ چیزیں میرے ساتھ کبھی جمع ہو سکی ہیں، جواب دیجیئیں؟ فرعون تو خیر، دولت ایمان ہی سے محروم تھا، قارون بدبخت تو خاص مومنوں کے درمیان پیدا ہو کر، انکے درمیان پل کر، بڑھ کر، پھر انھیں سے بغاوت کر نکلا!

ٹیڑھا لگا تھا قط قلم سرنوشت کو!

انجام یہ ہوا کہ خود مع اپنے سارے سرمایہ کے زمین میں دھنس گیا! — وقت کے ایک اور بدنصیب سامری نامے نے تو غضب ہی کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی چند روزہ غیر حاضری میں ظالم نے بنی اسرائیل کے عقائد ہی مسخ کر دیے۔ اور جو توحید کی شاہراہ کے مسافر تھے، انھیں بت پرستی کی بھول بھلیاں میں الجھا دیا! — مقصد گزارش یہ کہ غیر تو غیر، مجھے خود اپنوں کی بھی سرکشی، تمرد و بغاوت کا مقابلہ بارہا کرنا پڑا ہے۔

داؤد نبی (متوفی ۹۶۳ ق۔م) اور سلیمان پیغمبر (متوفی ۹۳۳ ق۔م)[۱] کے نام آپ نے سنے ہونگے، شام و فلسطین میں دوڈھائی ہزار سال قبل میرے ہی نمائندے تھے۔ اللہ کے پیغمبر اور ساتھ ہی اور دنیا کے نامی گرامی تاجدار بھی۔ ایک طرف صاحب زہد و تقویٰ، دوسری طرف صاحب تاج اور کشور کشا۔ ایک طرف نظیریں مثال اگلی رکھیے، اور مصر کے وزیر مال اور وزیر اعظم یوسف نبی کی، اور دوسری طرف غریب و بے زر انبیاء و مفلس و تہیدست اولیاء الٰہی کی۔ ان دونوں سروں کا وجود ثبوت ہے اسکا کہ میری ذات پابند نہ غربت کی نہ امارت کی، نہ افلاس کی نہ بادشاہت کی۔ میری روح، میرا جوہر، میرا سرمایۂ حیات، کچھ ہے عدل ہے، اعتدال و توازن ہے، ادائے حقوق ہے، احساس عبودیت ہے۔ میں امیروں کے فیشن محل میں جب آنکلتا ہوں، تو شکر کا مظہر بن کر، اور غریبوں کے جھونپڑے میں جب گزر کرتا ہوں تو صبر کا پیکر بن کر۔ عیش میں خوف خدا کا نقیب ہوں، فقر میں یاد خدا کی ترغیب ہوں۔ زرداروں کو ڈراتا ہوں، کہ دولت و ثروت کے اس خزانہ سے حساب پائی پائی کا دینا ہوگا۔ ناداروں کو سمجھاتا ہوں کہ اصل دولت قناعت کی تو تمھیں نصیب ہے۔ نہ میرا یارانہ کیپٹلزم سے، نہ میری دوستی کمیونزم سے۔ میں دونوں کی زیادتیوں کا یکساں اعتدالیوں کا مخالف۔ اور اگر خوبیاں ان میں سے کسی میں ہیں، تو وہ میرا ہی عکس پرتو ہیں!

ادھر یا ہر یہ سب کچھ ہوتا رہا، ادھر آپ کا ہندوستان بھی خاموش اور معطل نہیں رہا۔ نئے نئے مذہب، نئے نئے فلسفے، اور انکے ماتحت نئے نئے تمدن یہاں بھی پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہے۔ صدائے توحید بھی بیشک کبھی کبھی اٹھی۔ لیکن عام رو شرک و بت پرستی کا غلبہ دینے والی یہاں بھی جاری رہی۔ تناسخ کے عقیدہ کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ذاتی سعی کی اہمیت جاتی رہی، اور انفرادی عمل کی معنویت بالکل بے معنی رہ گئی۔ دار و مدار "کرم" ٹھہرا۔ یعنی پچھلے جنم کا ثمرۂ اعمال، گویا آج اگر کوئی شرابی ہے، تو اس لیے نہیں کہ وہ ارادۂ شراب پینے کی معصیت کر رہا ہے، بلکہ اس لیے کہ اسے "کرم" یعنی پچھلی زندگی کے اعمال کے مطابق شرابی ہونا ہی تھا۔ "ورن آشرم" کے عقیدہ نے وحدت انسانی کا تخیل ہی پاش پاش کر دیا۔ اب انسانیت محض کے کوئی معنی ہی نہیں رہے۔ اور خدا کی بنائی ہوئی انسانی وحدت تقسیم ہو گئی۔ انسان کی گڑھی ہوئی چار ذاتوں میں اور پھر انکی بے شمار شاخوں میں

---

[۱] مصر کا یہ موجودہ دارالسلطنت تقریباً اسی جگہ آباد ہے، جہاں فرعون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی آبادی یعنی قدیم محلہ جاشن یہ یا انگریزی لفظ میں Goschen
[۲] فوجی رتھیں اس زمانہ کے سامان حرب کا اہم ترین جزو تھیں۔

[۱] حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے سنین وفات میں مورخین کا اختلاف ہے۔ یہاں وہ سنہ دیے گئے ہیں جو محض اثریات سر چارلس مارسٹن کی تازہ تحقیق کے مطابق ہیں۔

برہمن، چھتری، ویش، شودر، یہ چار مستقل سانچے ہر فرد کے لیے اس کی پیدائش ہی کے وقت سے موجود۔ پھر ہر ایک کی شاخیں، پھر ان شاخوں کی شاخیں۔ عزت و شرافت کا معیار شخصی نہیں، بلکہ نسلی و موروثی قرار پا گیا۔ جو اونچا ہے وہ اس لیے کہ اس کے باپ دادا اونچے تھے۔ جو نیچا ہے وہ اس لیے کہ اس کے باپ دادا نیچے تھے۔ اور غیر ایک ذات تو دوسری ذات سے شادی بیاہ کیا کرتی، ایک ہی ذات کی ایک شاخ بھی دوسری شاخ سے پیوند نہیں لگا سکتی۔ ایک ہی پلیٹ میں ساتھ کھانا کھانا، ایک دوسرے کے آگے کا بچا ہوا کھانا کھانا الگ رہا، ایک دوسرے کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھانا نہیں کھا سکتے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کا پانی نہیں پی سکتے۔ نیچ ذاتوں میں بھی ایسی نیچی، کہ ان کا جسم اگر اونچی ذات والے کے جسم سے چھو جائے، ان کا سایہ اگر ان پر پڑ جائے تو یہ ناپاک ہو جائیں! انسان نے انسان کو کتے سے بدتر سمجھ لیا، اور لگے ایک دوسرے سے بچنے، بدکنے، بھڑکنے۔ جرم یہ نہیں کہ حرکتیں فلاں اور فلاں کیوں کیں، بلکہ صرف یہ کہ پیدائش فلاں اور فلاں ناشدنی خاندان میں کیوں ہوئی!

وہم پرستیوں کی گرم بازاری ہو گئی۔ ضعیف الاعتقادی یہاں تک آئی۔ ہر ندی، ہر پہاڑی ایک دیوی، ہر پہاڑ ہر دریا ایک دیوتا۔ گائے، بیل، سانپ، کچھوا، چوہے اور کیڑے خدا کے اوتار، پیپل، برگد، تلسی کے پتوں پتیوں میں الوہیت کے آثار! کواکب پرستی کے اثر سے جوتش اور نجوم کا زور۔ فلاں دن نحس، فلاں تاریخ منحوس۔ چلتے وقت آ چھینک تو قدم آگے نہ اٹھائیے۔ زندگی میں سانس لینا دشوار۔ قدم قدم پر وہم پرستیوں کا پہرہ، گھر گھر میں بھوت پریت کا دور دورہ! آج سیتلا مائی کی پوجا منائیے، کل کالی دیوی کی بھینٹ چڑھائیے۔ بے حیائی ہر رسم میں گھسی ہوئی، گندگی ہر رواج میں گھر کیے ہوئے۔ بہار کا موسم آئے تو ہولی منائیے، شراب پی پی کر فحش راگ گائیے۔ برسات کے ختم پر جاڑے شروع ہوں، تو دیوالی کے چراغ جلائیے، لکشمی جی کی پیشوائی کے لیے جوے کے پانسے پھینکیے، اور مندروں کی دیوداسیوں کی شرمناک شرح و تفصیل کوئی اس بھرے مجمع میں کہے تو کیسے کہے! ----- غرض شراب خوری، فحاشی، حرام کاری، قمار بازی، جائز ہی نہیں، بعض موقعوں پر اور بعض موسموں میں جزو عبادت! عقائد کا اثر محض معاد و آخرت کے مسائل تک کب محدود رہا ہے! مجلسی، معاشرتی، خانگی، منزلی، غرض زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ کے ادنیٰ ادنیٰ جزئیات تک انھیں گمراہیوں کے رنگ میں رنگے ہوئے!

ہندوستان سے کچھ ہی فاصلہ پر ایران ہے، اور شاید ایک ہی آریہ نسل سے دونوں قوموں کی آبادیاں ہیں۔ بہرحال بتاثر ہندوستان سے یہ بھی بہت کچھ رہا۔ نام کے لیے اس کا مذہب اور تمدن ہندوستان سے الگ، لیکن حقیقۃً دونوں میں بہت کچھ مشترک۔ گویا تخم ایک، درخت دو۔ بت پرستی تو بےشک یہاں کم آئی، لیکن کواکب پرستی، عناصر پرستی، شمس پرستی کچھ زیادہ ہی نمایاں۔ پہلا دھوکا توحید کے بارے میں کھایا! جو ہر غیر سامی مذہب کی سمجھ سے باہر ہی ہے یعنی خدا بجائے ایک کے دو فرض کیے۔ نیکی کے خدا، بڑے خدا کا مظہر نور یا روشنی کو مانا۔ اور پھر دنیا میں اس کا مظہر آگ کو قرار دیا۔ اس سے آتش پرستی مستقل طور پر لازم آ گئی۔ اسی طرح بدی کا خدا، چھوٹے خدا کا مظہر تاریکی کو ٹھہرایا اور ہر اس چیز کو جو اندھیرے سے تعلق رکھنے والی ہو، منحوس قرار دیا۔ اعمال و معاملات میں۔ کبر و نخوت مجوسی تمدن کا نمایاں عنصر۔ اونچی مرتبہ والوں کے لیے خواجگی و آقائی اور نیچے طبقہ والوں کی قسمت میں خدمت گزاری، غلامی، زردشت نے، اور عجب نہیں کہ وہ پیمبر ہوں، اپنی والی بہت کچھ اصلاحات کرنی چاہی۔ پر تہذیب جاہلی کی سرشت ہی میں جو بے عنوانیاں پڑی ہوئی ہیں، وہ پوری طرح کیونکر مٹ سکتیں۔ دولت پرستی کے اس دور کا ردعمل آخر دولت دشمنی کی شکل میں ظاہر ہوا اور اسی کا خوبصورت نام آج ڈیڑھ ہزار سال کے بعد کمیونزم رکھا گیا ہے۔ مزدک نامی ایک شخص تھا، اور اس نے سوشلزم اور اس کی انتہائی صورتوں کی تبلیغ شروع کر دی۔ شخصی ملکیت کوئی چیز نہیں۔ زمین مشترک، زر مشترک، یہاں تک کہ زن مشترک!

اب ایران و ملحقات ایران سے چل کر پھر سرزمین انبیاء، شام و فلسطین میں آ جائیے۔ سنہ عیسوی ابھی شروع نہیں ہوا ہے اور سنہ ہجری کے شروع ہونے کو تو ابھی کوئی چھ سو سال باقی ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک ہی خاندان میں پہلے صالح ابن صالح یعنی یحییٰ بن زکریا پیدا ہوتے ہیں، اور پھر عیسیٰ ابن مریم۔ دونوں کی تعلیم تمامتر قناعت، زہد و ایثار و توکل علی اللہ کی ہے۔ بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ ذہنیت اس سادہ تعلیم کے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ خود اپنی ہی قوم استقبال کرتی ہے اس دعوت کا بغاوت سے، اور داعیوں کی عداوت سے۔ پہلے حضرت زکریا ختم کیے جاتے ہیں۔ پھر حضرت یحییٰ کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ آخر میں نوبت حضرت عیسیٰ کی آتی ہے۔ حکومت اعلیٰ رومیوں کی، ان کا مذہب اور تمدن مشرکانہ۔ انھیں کی ماتحتی میں فلسطین ایک نیم آزاد صوبہ تھا۔ رسم و رواج کے قتیل، ظاہر پرستی کے شہید، کبر و نخوت میں مبتلا یہود ایک اسی پیمبر صدیق کے خلاف، حکومت سے بغاوت و غداری کا کرشمہ کرا لاتے ہیں، اور عدالت سے فیصلہ اپنے موافق حاصل کر کے اپنے نزدیک آپ کو سولی چڑھا ہی دیتے ہیں۔ ادھر یہ ہو رہا ہے، ادھر آپ کے غالی معتقدوں کو ایک اور یہودی پال، پولوس نام، یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ عیسیٰ مسیح رسول اللہ نہیں، ابن اللہ تھے، نعوذ باللہ خدا کے بیٹے تھے، بلکہ خود شریک الوہیت تھے۔ اور الوہیت میں شریک ایک تیسری ہستی روح القدس بھی ہے۔ ظالموں نے اس طرح پیمبر کی لائی ہوئی توحید کو اپنی گڑھی ہوئی تثلیث سے بدل دیا۔ اور پھر تمدن، تہذیب، قانون، معاشرت، سب پر رنگ شرک و جاہلیت کا چڑھا دیا ——— پیمبر کا ایک دور اس منزل پر آ کر تمام ہو جاتا ہے۔ اور اب آغاز دوسرے دور کا ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

... سنسکرت کی

... یہ ایک مشترک تہذیبی سامان مہیا

کر دیگی اور ایک بڑی حد تک جداگانہ رجحانات کو مٹا دیگی

خواہ وہ تعلیمی ہوں یا مذہبی ہوں یا صوبہ وار ہوں یا ذات پات

والے ہوں اور اس طرح ایک رشتۂ اتحاد قائم ہو جائیگا۔

آئی، سی، ایس، بنارس کے پنڈت کے درمیان، ہندو مسلم

کے درمیان، بنگالی اور گجراتی کے درمیان اور برہمن اور ہریجن

کے درمیان .... لڑکپن کے تاثرات زندگی بھر قائم رہتے ہیں

اس لیے یہ قطعاً ضروری ہے کہ ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کو

شروع ہی میں مشترک تہذیبی پس منظر کی تعلیم مل جائے"

(مراسلہ "لیڈر" مورخہ ۱۲ - دسمبر ۱۹۴۷ء میں)

مراسلہ نگار کوئی غیر معروف و گمنام شخص نہیں۔ الٰہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ ہندی

کے صدر ہیں! تو گویا اب "ہندی پرچار" بالکل کافی نہیں۔ صوبہ کے سب سے

بڑے ہندوستانی عہدہ دار تجویز یہ پیش کرتے ہیں کہ صوبہ کے ہر لڑکے کے لیے

سنسکرت کی تعلیم لازمی ہونی چاہیے —— اس سوال کو نہ چھیڑیئے کہ اگر

کسی پڑھے لکھے مسلمان عہدہ دار نے یہ تجویز پیش کر دی ہوتی تو اس غریب کا

کیا حشر صوبہ کے ہندو پریس، ہندو پلیٹ فارم اور ہندو ارکان کونسل کے

ہاتھوں ہوا ہوتا! —— پلیٹ فارم سے آواز یہ اٹھی، اور اسکی امید

بصورت ترمیم پریس میں یہ پیش ہو رہی ہے، کہ سنسکرت کی تعلیم لازمی تو ضرور

قرار دی جائے، لیکن ہندوؤں ہی کے لیے کیوں؟ مسلمانوں کے لیے بھی لازمی

ہو! یہی بہت اپنی انفرادیت اپنی زبان سے بگھارا کرتے ہیں، اسکا علاج

یہی ہے کہ شروع سے انھیں بھی سنسکرت کے آغوش میں لا۔ سنسکرت پڑھیں،

سنسکرت بولیں، سنسکرت کی فضا میں لیں پڑھیں۔ سنسکرت کوئی اکیلے ہندوؤں

کی زبان تھوڑے ہی ہے، یہ تو کل ملک کی مشترک زبان ہے! —— گویا علاحدگی

رجحانات" کا ہر سے گلا ہی گھونٹ دیا جائے، اور ہندوستان صحیح معنی میں

"ہندو" ستان بن جائے!

"صاحب" زندگی

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (ایڈیٹر "الفرقان")

ملک کے ممتاز صاحب اخلاص و صاحب بصیرت علماء میں ہیں۔ اور مدتوں

بزرگان دیوبند کی جماعت میں شامل رہ کر کام کر چکے ہیں۔ اپنے ایک تازہ

مضمون میں لکھتے ہیں :-

"مجھے مسلمانوں کی ان بہت سی سیاسی یا نیم سیاسی، نیم مذہبی

جماعتوں کی مجالس خاص و عامہ میں جو بیسوں برس سے اپنی

صوابدید کے مطابق مسلمانوں کی خدمت کر رہی ہیں، بارہا حاضری

کا شرف ... ملا ہے .... نظام کار وہاں کا بالکل ہی

آپ کے ہاں کا طریقہ کیا ہے۔ اور معلوم ہوتے ہی اسی کے مطابق

عمل کیا گیا"

یہ مشاہدہ اور تجربہ اکیلے مولانا منظور صاحب کا نہیں۔ جسکا اطلاق جگہ جگہ آ مانے

اور نکل آئیں گے۔ ذہنی مرعوبیت اور ذہنی غلامی کی یہ انتہا ہے! اور یہ

صرف سیاسی جماعتوں! انگریزی خواں طبقہ تک محدود نہیں۔ اچھے اچھے

جید علماء کی رہنمائی میں جو نیم سیاسی نیم مذہبی ادارے چل رہے ہیں، وہاں

یہ کیفیت شاید کچھ اور زیادہ ہی نمایاں ہے! —— گویا ہمارے پاس نہ

کتاب ہے نہ سنت۔ نہ تعامل خلفائے راشدین ہے، نہ ہمارا اخذ و

استنباط جدید کا کوئی طریقہ ہے! —— پستی کی کوئی منزل اب اسکے بعد

بھی باقی رہتی ہے؟ اپنا اب رہ ہی کیا گیا ہے ۔

جان سپرد ڈاکٹر، مال سپرد قصاب

عقل سپرد ماسٹر، روح سپرد ڈارون!

تمدن اسلامی کی برکتیں

صدق ۳۰ کی سچی باتوں کو پڑھ کر دہلی

کے طبیہ کالج کے پڑھے ہوئے ایک طبیب لکھتے ہیں :-

"صدق ۳۰ کی سچی باتوں میں مسلمان طبیبوں کے نسخے بہ

ھو الشافی لکھنے کا ذکر کیا۔ آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ

دہلی طبیہ کالج میں میرے ساتھ متعدد ہندو اور سکھ طلبہ تعلیم حاصل

کرتے تھے، دوران تعلیم میں نسخوں پر برابر وہ بھی ھو الشافی کا اسکا

مخفف لکھتے تھے، اور اب بعد فراغت تعلیم اپنے مطب میں بھی

وہ اسی دستور کو جاری رکھے ہوئے ہیں"

اسلامی تہذیب و تمدن کی یہ تو برکتیں تھیں۔ جس غیر کو بھی اپنے سے قریب

کیا، اپنا کلمہ پڑھا دیا۔ مشرکوں کی صحبت کے بعد توحید کی ہوا تو بہر حال لگ

ہی جاتی تھی۔ کایستھ کایستھ ہی رہے، مسلمان نہیں ہوئے، کشمیری پنڈت

پنڈت ہی رہے، اسلام نہیں قبول کر لیا، لیکن والله اور انشاء الله سب بولنے

لگے، سبحان الله اور انشاء الله سب کی زبانوں پر آ گیا —— کل تک

دوسرے ہم سے متاثر ہوتے تھے اور نقالی کرنے لگے تھے ہماری چال ڈھال کی،

بول چال کی۔ آج الٹے ہم دوسروں سے متاثر اور مرعوب ہیں۔ ٹوٹے پڑتے

ہیں انکی وضع و لباس پر، انکی زبان و رسم خط پر، گرے پڑتے ہیں ان کی

گندہ عادتوں پر، انکی حیوانی خصلتوں پر۔ اور اسکا نام اپنے ہی نفس کو دھوکا

دینے کے لیے رکھ لیا ہے "تجدد" "روشن خیالی" "قومی ترقی"!

سچی بات

اردو کے ایک ادبی رسالہ نے حال میں "ٹیگور نمبر" نکالا۔

مضمون کی فرمائش اردو کے مشہور شاعر حضرت سید اکبر آبادی سے بھی کی سیماب

صاحب نے جو جواب دیا اسکے بعض اقتباسات اس قابل ہیں، کہ اس

مرحوم پر یقین کیا، وہ کوئی نظم کہی [illegible] میں بھی اُردو سے جھگڑا۔ اور انکے
[illegible] اور کچھ نہیں چاہتا ..... ٹیگور بنگالی شاعر تھے۔ بنگال
نے اپنی عقیدت کا خراج کتنا دلی سے دے دیا۔ اب آپ
انکے بدلے اور کیا چاہتے ہیں؟ کیا یہ کہ ادب اُردو کی دنیا میں
اُنکا ویسا ہی ماتم کیا جائے، جیسا بنگالی لٹریچر کی دنیا میں کیا گیا؟
جب ..... دہلوی ..... لکھنوی وغیرہ مشاہیر ادب اُردو کا
انتقال ہوا، تو کیا بنگالی یا ہندو دنیائے ادب میں انکے لیے
بھی "نمبر" نکالنے کا خیال کسی کو پیدا ہوا تھا؟ اگر ٹیگور ہندوستانی
تھے تو کیا یہ لوگ ہندوستانی نہ تھے؟ ٹیگور کی زبان صرف
انھیں کے صوبہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، مگر ان لوگوں کی
زبان دانی کا سکہ تو ہندوستان کے ہر صوبہ میں جاری تھا۔
آپ فرمائیں گے کہ ٹیگور بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے،
تو میں عرض کروں گا کہ انکی بین الاقوامی شہرت انکی اجتماعی کوششوں
کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک نظم بنگلہ زبان میں کہتے تھے اور انکے تنخواہ
یاب مترجمین اُسکا ترجمہ دنیا بھر کی مشہور اور زندہ زبانوں میں
کرکے انھیں زبانوں کے اخباروں اور رسالوں کو بھیج دیا کرتے
تھے ..... آپ کے ملک میں مشاہیر ادب و شعر کی کمی نہیں ہے۔
کمی ہے تو صرف اسباب شہرت کی ...

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می‌کرد

اس شعر میں اگر آپ روح القدس کی جگہ "دینار و زر" پا لیں، اور
مسیحائی کی جگہ کسی طرح "ٹیگور" کھپ سکے، تو یقیناً آپ سر مافی الضمیر
اچھی طرح سمجھ لینگے۔"

شاعر شعر میں جیسی بھی خیال آرائیاں کرلیتا ہو، نثر میں تو بہر حال وہ واقعات کی ٹھوس زمین پر قدم جماکے رکھتا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے وہ تمام تر نہ سہی، بڑی حد تک حق و صداقت کا آئینہ دار نہیں؟

ایک رباعی حضرت امجد حیدرآبادی کا کلام اپنے عارفانہ اور حکیمانہ پہلوؤں کے لیے عرصہ سے ممتاز ہے۔ حال میں انکی ایک تازہ رباعی، رسالہ سب رس (حیدرآباد دکن) دسمبر میں نظر پڑی۔ جو بہ یک وقت حضرت اکبر الہ آبادی کا رنگ لیے ہوئے ہے پرواز خیال، اور اس سے بھی بڑھ کر نہیں نشست الفاظ۔ ملاحظہ ہو

عارف کی تمنا، کہ خدا مل جائے   عاشق کی ہوس کہ دلربا مل جائے
ہم اپنے بھی دل کی بات کہہ دیتے ہیں   وہ یہ کہ کہیں سے روپیہ مل جائے

"تمدن اسلام کی کہانی" اس عنوان سے جو مقالہ مسلسل گزشتہ نمبر سے شروع ہوا ہے اور غالباً ۴ نمبروں میں ختم ہو ...

وہ ان کل الثمرات
کرسکتے۔ اس آیت کے بعد

واوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتاً ومن الشجر ومما یعرشون، ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا - یخرج من بطونها شراب مختلف الوانہ، فیہ شفاء للناس۔	اور تیرے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کو کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور ان چیزوں میں جن سے لوگ اپنے گھر چھاتے ہیں، پھر کھا ہر قسم کے "الثمرات" سے اور چل اپنے رب کی راہ پر فرماں بردار بنکر۔ نکلتا ہے اسکے پیٹ سے ایک شربت، جسکے رنگ مختلف ہوتے ہیں اس میں "الناس" کے لیے شفا ہے

قرآن نے اسکے بعد فرمایا تھا۔

ان فی ذلک لآیۃ لقوم یتفکرون	یقیناً اس میں نشانی ہے انکے لیے جو سوچتے ہیں۔

لیکن شاید اس تفکر کی زحمت نہ اٹھائی گئی، ورنہ دنیا کے سیکڑوں "معملوں" کے مقابلہ میں ایک عجیب و غریب طبی نظام النحل کا بھی ہوتا۔
میں نے اس سلسلہ میں یہ کہا تھا کہ "مرض" فطرت کے نقطہ سے ہٹ جانے کا نام ہے اسی لیے جب انسان کی فطرت اپنے پیدائشی اعتدال کے نقطہ سے ہٹ جاتی ہے تو اسکو پھر "الفطرت" کی طرف واپس لانے کے لیے حق تعالیٰ کسی برگزیدہ انسان پر وحی فرماتے ہیں، لیکن جب انسانی چونکہ ایک حیوانی وجود ہے" اس لیے اسکی شفا بخشی کے لیے "النحل" یعنے ایک حیوانی پرندہ پر وحی ہوئی ہے۔

ہم اور وہ

(از خواجہ محمد شفیع)

ماضی و حال کا بصیرت افروز تقابل - انقلاب انگیز ہے - زبان کوثر سے دھلی ہوئی - بیان بحر لطافت -

ملنے کا پتہ
خواجہ محمد شفیع - اُردو مجلس پبلشرز ٹیا محل - دہلی

اعلان تعطیل

حسب معمول قدیم امسال بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر دفتر صدق میں تعطیل رہیگی۔ اس لیے ۲۹- سمبر کا صدق شایع نہ ہوسکے گا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔

مالک مہتمم

ہاں! سادات اور دن اپنے دورے کی طرح

چمکتے ہیں۔ سرزمین عرب کے مطلع سے طلوع ایک ایسے آفتاب کا ہوا
آفتاب بنا جلال کے لحاظ سے، ماہتاب حسن و جمال کے لحاظ سے۔ اس نے
سینے سے آغوش شفقت میں لیا اور میں اس کے سایۂ عاطفت میں پلا اور بڑھا۔
اب تک گویا میرا لڑکپن تھا، اب جوان ہوا۔ اور اس عہد میں میرا شباب اپنے
پورے جوش اور پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ اس میں شک نہیں کہ شروع
کے تیرہ سال میرے اوپر جو کچھ گزرے، [illegible] تقدس کی
تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ جاہلیت نے بھی تو ڈٹ کر مقابلہ قدم قدم پر
کیا۔ جنگ گھٹنے ٹیک ٹیک کر پیچھے پیچھے ہٹی۔ لیکن ۶۲۲ء میں کر کے
مدینہ ہجرت محمدی، تاریخ عالم کا وہ بے نظیر واقعہ ہے جس نے انسانیت کا
رخ ہی پلٹ دیا۔ دس سال کے اندر ہی اندر میں نے دنیا کو ایک نئے
نظام سے روشناس اور مانوس کر دیا۔ محض لفظاً اور قولاً نہیں، عملاً اس کا
نفاذ کر دیا، چلا کے دکھا دیا! [illegible] کا چرچا آج آپ
ہر طرف سن رہے ہیں، حقیقتاً New Order نظام نو، تو میرا نظام
تھا۔ جمود کے خلاف ایک مستقل تبلیغ (اعلان جنگ) دنیا کے سارے نظامات
کے مقابلہ میں ایک مستقل نعرۂ جنگ۔ ساری کہانی کے لیے فرصت اس مختصر
نشست میں نہ آپ کو سننے کی، نہ مجھکو سنانے کی، لیکن قصہ مختصر، کچھ تو
بہر حال سن لیجیے۔

میری زندگی کی روح کہیے یا جوہر، سب کو معلوم ہے عقیدۂ توحید ہے۔
اس بنیادی، مرکزی عقیدہ کا پہلا عملی اثر یہ ظاہر ہوا، کہ نیم الوہیت یا فوق
البشری تقدس کا خیال کسی مخلوق، کسی برتر سے برتر انسان کے لیے باقی نہیں
رہنے پایا۔ عبادتیں میرے ہاں سب کے لیے بالکل یکساں۔ استثناء ورس
قانون میں پیر، شہید، ولی، نبی، کسی کے لیے بھی نہیں۔ نماز فرض پانچ وقت
کی عوام کے لیے بھی، خواص کے لیے بھی۔ روزے فرض مہینہ بھر کے ان کے
لیے بھی، انکے لیے بھی۔ نماز جماعت میں جسکو جہاں جگہ مل جائے بس وہی
اسکا مقام۔ یہ نہیں کہ عوام پچھلی صفت میں رہیں اور اکابر امت کے لیے
جگہ اگلی صف میں نکالی جائے۔ اولیاے امت کو دوسروں کی عبادتوں میں،
طاعتوں میں، تخفیف کرنے کا حق الگ رہا، اپنے ہی لیے کمی بیشی کتر بیونت
کا ذرا حق نہیں رکھتے۔ کسی حلال کو حرام وہ نہیں کر سکتے۔ کسی حرام کو حلال
وہ نہیں بنا سکتے۔ سلام کے طریقے میرے ہاں ساری امت کے لیے بس یہی،
السلام علیکم (اللہ کی طرف سے سلامتی ہو تمہارے اوپر)۔ یہی سلام بڑوں کے
لیے بھی چھوٹوں کے لیے، یہی برابر والوں کے لیے، یہی عاملوں کے لیے یہی عالموں
کے لیے۔ یہ نہیں کہ اونچی ذات والوں کے آگے ڈنڈوت کی جائے، ان کے پیر
پڑ جایا جائے، یا بڑے مرتبہ والوں کے آگے ماتھا ٹیکا جائے، زمین بوس ہوا جائے

[illegible]

احرام کے اطلاق میں امتیاز فاسق و متقی کا نہیں رکھا ہے۔ یہ نہیں کہ گناہ
عوام سے تو کیا جائے، لیکن کسی مقدس آپ شیخ وقت کا سامنا ہو تو بقیہ
آزادی مل جائے۔ اسی طرح معاملات ہوں جیسے وصیت یا نکاح یا مباحات
ہوں جیسے دیت حلال، یا جرائم ہوں جیسے چوری، غرض جہاں کہیں بھی شمار
کا معیار کوئی عدد رکھا گیا ہے، خواہ وہ دو کا یا چار کا، وہاں یہ گنجائش کہیں
بھی میرے ہاں نہیں کہ عوام دست ہوں تو وہی تعداد دو یا چار کی رہے
لیکن اگر کوئی اپنے وقت کے جنید یا اپنے وقت کے ابو حنیفہ ہوں تو گواہی
ایک ہی کی معتبر مان لی جائے ——— رعایت کے اس تخیل سے میں ناآشنا
ہوں، کہ عبادت میں، کہ شرعیت میں، معاملت میں، قانون کی دفعات کی بندشیں
فلاں کے لیے ہوں اور فلاں کے لیے نہ ہوں۔ حاضری عدالت سے مستثنیٰ ہو جانا
آج ہر چھوٹے سے چھوٹا رئیس بھی اپنا حق سمجھتا ہے۔ میرے زمانہ میں خلیفہ
وقت تک بھی یہ آرزو ڈھونڈھ نہیں سکتے تھے!

مساوات کی تعلیم عبادات کے ذریعہ سے، احکام فقہی کے واسطہ سے،
میرے پروگرام کی خاص رہی۔ نماز ہے تو جماعت کے ساتھ، اور جماعت،
جماعت میں کھڑے ہوتے عالم و عامی، محمود و ایاز، سلطان و غلام، رئیس اور
اور کنگال، بازو سے بازو ملائے ہوئے، شانہ سے شانہ بھڑائے ہوئے۔
حج کو نکلے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین جا رہے ہیں تو، اور انکا ادنیٰ سے ادنیٰ
غلام جا رہا ہے تو، دونوں کے جسم پر لباس ایک ہی ہو، وہی بے سلا ہوا کپڑا
ایک چادر کمر سے بندھی ہوئی، دوسری صرف ایک شانہ کو ڈھکے ہوئے اوپر
کے جسم پر پڑی ہوئی۔ حاضری دیں عرفات میں، کنکریاں پھینکیں مزدلفہ میں،
قربانی کریں منیٰ میں، چکر کاٹیں خانہ کعبہ کے، سعی کریں درمیان دو پہاڑیوں
کے، سب ایک ہی وردی میں، خدائی فوج کے ایک ہی یونیفارم میں۔
پھر جب زندگی کے ختم پر مالک کے ہاں سے بلاوا آ پہنچے، تو وہی سادہ
کفن کے تین کپڑے بادشاہ ہفت اقلیم کے لیے بھی، اور اسکی غریب سے غریب
رعایا کے لیے بھی ——— میرے اس نظام زندگی کے ماتحت باقی رہ سکتی
ہے کسی گردن کشی میں انانیت؟ زندہ رہ سکتا ہے کسی کا پندار تفوق؟

الہیت و افلاس، دولت و فقر کے نقش امتیاز کو مٹا دینے کی غیر طبعی
کوشش میں میں نے کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ مساوات مطلق، مالی
و معاشی اعتبار سے نافذ کرنے کے خلاف فطرت کاوش میں کبھی قوت
صرف نہیں کی۔ البتہ انتظام ایسا کر دیا اور احتیاطیں ایسی رکھ دیں، کہ
اس امتیاز سے پیدا ہونے والی تلخیاں زیادہ سے زیادہ گھٹ کر رہیں۔
سانپ کی جان نہیں لی، لیکن اسکے ڈسنے والے دانت نکال لیے۔ امیروں
کو حکم دیا کہ امیروں کو بھی اپنا بھائی سمجھیں اور غریبوں کو بھی۔ امیروں کو
اس لیے کہ باہمی چشمک، رشک، حسد و رقابت کے امکانات نہ رہیں، غریبوں
کو اس لیے کہ نخوت و خود بینی کے جراثیم فنا ہو کر رہیں، اور خود غریبوں میں اپنی

ذات پر کرینگے۔ غفلت برتیں گے تو مجرم ہو کر پیش ہونگے۔ اپنی بھلائی اگر مقصود ہے تو لازم ہے، کیجئے اپنے نفس پر محتاجوں کی اعانت، مظلوموں کی نصرت، داد خواہوں کی فریاد رسی —— صحیح، اصلی، سچی سوشلزم اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟

کھانے پینے میں پرہیز، چھوت چھات آپس میں تو کجا میرے ہاں تو ان سے بھی نہیں جو مجھ سے الگ ہیں۔ میرے ہاں بڑے سے بڑا شخص اگر اسکا دل گوارا کرے، بے تکلف چھوٹے سے چھوٹے شخص کا جھوٹا کھا سکتا ہے، پی سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اونچی ذات والا نیچی ذات والے کے ساتھ بیٹھ کر نہ کھائے، اُسکے ہاتھ کا نہ کھائے۔ ایک دوسرے کے برتن میں نہ کھائے۔ نہ یہ ہو کہ چوڑا، ڈوم، "کافر" اُسکے ساتھ میز پر کھانا نہ کھا سکے، اسی فوج کا پیادہ اپنے کرنل کے میس کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت نہ کر سکے! میرے ہاں تو منکروں سے، ہاں توحید کے منکروں سے، آفتاب پرستوں سے، کواکب پرستوں سے، عناصر پرستوں سے، پتھر کی مورتیاں پوجنے والوں سے، کسی سے بھی کھانے پینے کا پرہیز نہیں، سب کے آگے کا جھوٹا جائز —— ہے دنیا کی تہذیبوں میں اس وسیع رواداری کی کوئی مثال؟ وحدت انسانی پر عمل میں اس حد تک زور دینے کی کوئی نظیر؟

شادی بیاہ میں میرے ہاں صرف کفو دیکھا جاتا ہے یعنی جوڑ۔ کہ فریقین اگر معاشی و معاشرتی حیثیت سے ہم سطح ہونگے تو آئندہ نباہ کی زیادہ توقع رہیگی۔ باقی ذات کی اونچ نیچ کا ایچ پیچ میں کیا جانوں۔ ذات پات کا وجود ہی میرے نظم دین میں نہیں۔ پیشے اپنے اختیاری پیشے ہو سکتے ہیں، لیکن آبا و اجداد کے پیشہ کی بنا پر ذات کا چل پڑنا میرے لغت میں بالکل بے معنی ہے۔ کوئی شخص اپنے ارادہ اور اختیار سے نائی کا پیشہ کیے ہوئے ہے، کوئی دھوبی کا، کوئی جولاہے کا، کوئی دھنیے کا، کوئی رنگریز کا، کوئی بنیے کا، یہاں تک بالکل ٹھیک۔ لیکن فلاں شخص ذات کا جولاہا ہے، ذات کا نائی ہے، ذات کا دھوبی ہے۔ یعنی کسب کی بنا پر نہیں نسب کی بنا پر خواہ مخواہ اس طبقے میں داخل ہے، میں اس تخیل سے ناآشنا ہوں۔ یہ ضلالت تمام تر دور جاہلیت کی یادگار ہے، جو کسی حد تک میرے اندر گھس آئی ہے۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور قلق بھی۔ آج مسلمانوں کی بعض "ذاتیں" فریاد کر رہی ہیں کہ ہمیں نیچ سمجھ لیا گیا ہے، اور سید، شیخ، وغیرہ شریف ذاتیں ہمیں حقیر خیال کرتی ہیں۔ کوئی ان سادہ طبع لوگوں کو یہ جواب نہیں دیتا کہ یہ شکایت تو آپ کی اپنے ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ آپ اپنے کو ان "نیچ" ذاتوں میں شمار ہی کیوں کرتے ہیں؟ اونچ نیچ، شریف و رذیل کا سوال بعد کا ہے، گزارش یہ ہے کہ نفس تقسیم ہی ذات پات میں میرے ہاں کب جائز ہے؟ آپ کہیے کھلے خزانے کہیے کہ ہم فلاں پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ٹھیک اور بالکل ٹھیک۔ لیکن جس دن آپ نے کہا کہ

شخصی اور خانگی زندگی کے اہم ترین امور شادی اور موت ہیں۔ دونوں کا ایک سرسری منظر ذرا میرے زیر اثر گھرانوں میں دیکھتے چلیے۔ مسلمان لڑکی ادھر سیانی ہوئی، اُدھر فکر ماں باپ کو شادی کی شروع ہوئی۔ نسبت کے پیام آنے لگے۔ مگر اسکی نہیں کہ زائچہ ملایا جائے، کنڈلی ملائی جائے، منحوس گھڑی ساعت سے بچا جائے، نجومی، جوتشی، رمال کا دخل کسی موقع پر نہیں۔ نہ یہ بیفکری کہ جلدی کیا ہے، لڑکی جوان ہو کر اپنا شوہر خود ہی ڈھونڈھ لیگی۔ عمر بھر کے شریک زندگی کا انتخاب، زندگی کا دقیق ترین، دشوار ترین، اہم ترین، نازک ترین انتخاب ہے۔ ضرورت اس میں جوش کی نہیں، ہوش کی، جذبات اور دیوانگی کی نہیں عقل اور فرزانگی کی۔ اچھے اچھے تجربہ کاروں کی، پختہ کاروں کی عقلیں چکر کھا جاتی ہیں۔ عقل و تجربہ سے خالی اور جذبات سے بھری نوجوان لڑکی یا نوجوان لڑکے کے سر اسکا بار ڈال دینا، اور خود دور سے محض تماشہ دیکھنا، اولاد کے ساتھ نہ ہمدردی ہے نہ انصاف۔ حماقت اور صریح ظلم ہے۔ گویا ایک پندرہ سال کی لڑکی یا لڑکے سے توقع یہ ہے کہ اسے ضروریات و جذبات کا اندازہ ہے ۲۵ برس کے بھی سن کا، اور ۳۵ برس کے بھی سن کا، اور ۴۵ برس کے بھی سن کا، اور ۵۵ برس کے بھی سن کا! زندگی کے جو اتار چڑھاؤ، فطرت بشری کی جو نیرنگیاں نوجوانوں کے لیے ابھی پردۂ راز میں ہیں، بڑے بوڑھوں کے لیے آپ بیتی بن چکی ہیں۔ البتہ صلاح و مشورہ کی حد تک ان نوجوانوں کو بھی شریک رکھنا ضروری ہے، کہ بہرحال رائے تو کسی درجہ میں وہ بھی رکھتے ہیں۔ غرض بڑوں نے (یا فقہ کی اصطلاح میں اولیاء نے) اپنے طور پر خوب جانچ پڑتال کرکے، چھوٹوں کی رائے اور مرضی دیکھ کر، بات ٹھہرائی۔ جہیز کا سامان مہیا کیا گیا حسب حیثیت۔ یہ نہیں کہ جہیز کے لیے قرضہ اتنا لیا جائے کہ آخر میں خودکشی کی نوبت آجائے۔ کورٹ شپ کا قدم کسی منزل میں درمیان میں نہ آنے پایا۔ اور مسلمان عروس اور اسکا شوہر دونوں اُن بے حیائیوں سے بچ گئے، جن سے آج اسی روئے زمین پر بیشمار گھرانے جہنم کا نمونہ بن کر رہ گئے ہیں۔ خیر یہ مرحلے طے ہو لیے، تو ایک تاریخ معین نکاح کی قرار پائی۔ دولھن کے گھر پر دولھا والے اور خود دولھن والے جمع ہوئے۔ شوہر سے اسکے حسب حیثیت ایک رقم مہر کا اقرار کرا لیا گیا ——

(باقی آئندہ)

اطبا و ان کی ایک معتد بہ تعداد پہونچی ۔ منکہ، صالح، شاناق، جبل اور بن دہن وغیرہ۔ متعدد اطبا و ہند وستان تو تشریف لائے تھے اور ہندی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا ۔ علی الخصوص سانپ اور اسکے زہر کے متعلق زیادہ تر سرمایہ ہندوستان ہی سے وہاں پہونچا کہ ہمارا ملک سانپوں سے گھرا ہوا ہے اسی وجہ سے یہاں کا وہ سرمایہ بھی مدتوں رہا، بلکہ اب تک ہے ۔

الغرض یوں مصری، رومانی، یونانی، ہندی، ایرانی اور خود عربی طب نے اسی کسر و انکسار کے عمل سے متاثر ہو کر بغداد میں ایک نیا قالب اختیار کیا ، اور دن بدن اس میں ترقی ہوتی رہی ۔ مسلمانوں نے بیسیوں شفا خانے (مارستان) اپنے ممالک محروسہ میں کھلوائے جہاں علاج کے ساتھ تعلیم بھی ہوتی تھی ۔ حتیٰ کہ گشتی شفا خانوں کا بھی ایک سلسلہ ہوتا تھا ۔ جن میں چالیس چالیس اونٹوں پر دوائیں لاد کر اطبا ملک میں گھومتے رہتے تھے ۔ مفردات کی تلاش میں متعدد طبیبوں کو ہم جنگلوں میں گھومتے ہوئے پاتے ہیں ۔ عبدالرشید صوری کے متعلق لکھا ہے کہ اپنے ساتھ وہ مصور بھی رکھتا تھا ۔ اور ہر قسم کے رنگ ہر پودے کو تاکہ پھل پھول پتوں جڑوں تک کی حالت کو رنگ کو ظاہر کرنا یہ اس کے فرائض میں تھے ۔ بیسیوں امراض کے علاج مسلمانوں نے پیدا کیے، مثلاً جذام کے مرض کا کوئی علاج مسلمانوں سے پہلے کی کتابوں میں نہ تھا اور یوں انکی ایک طویل فہرست ہے ۔

یہ تو ایک تاریخی بیان تھا اور مقصود یہی تھا کہ اسلام نے صرف تراجم ہی کے باب میں تصحیح، تصدیق و تکمیل کا فرض انجام نہیں دیا ہے بلکہ علوم کے تمام شعبوں میں اسکا یہی خاص کارنامہ ہے ۔ ایں موجودہ طب یونانی نہیں، اسلامی ہے، یا مسلمانوں کی طب ہے ۔ جس میں وہ سب کچھ ہے جو پہلوں کے پاس تھا اور وہ بھی جو تھا ۔ مگر اس سلسلہ میں ایک خاص چیز جسکا ذکر آج کرنا چاہتا ہوں، وہ قرآن کی آیت کی طرف اشارہ ہے ۔ میں نے سورۂ النحل کی آیت کا حوالہ دیا اور بتایا کہ لوگوں نے صرف یہ دیکھ کر کہ شہد سے بعض امراض میں شفا ہوتی ہے اس لیے قرآن کا دعوے شہد کے متعلق "شفاء للناس" کا جو ہے، وہ پورا ہو جاتا ہے ۔ مگر غور کی نظر اگر آیت پر ڈالی جائے تو حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

(۱) النحل (شہد کی مکھی) کی صفت "ذللا" بیان کی گئی ہے یعنی وہ پالتو ہو سکتی ہے، سدھائی جا سکتی ہے ۔ ارسطو کا بیان کہ جس پھول پر مکھی کو لگا دیا جائے ۔ اگرچہ وہاں سیکڑوں پھول ہوں لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ اس پھول کے سوا وہ کسی سے رس حاصل نہیں کرتی ۔

(۲) مکھی کو "من کل الثمرات" سے کھانے کا حکم دیا گیا ہے ۔ ثمر کے معنی پھل کے بھی آتے ہیں ۔ لیکن مکھی پھل نہیں کھاتی ۔ اس لیے ضرور ہے کہ "الثمرات" سے کوئی دوسرا معنی مراد لیا جائے ۔ لغت کی کتابوں کو دیکھیے "تثمیر اللبن" (یعنی دودھ سے مسکہ باہر نکالنا) آپ کو اس قسم کے

ل یعنی صدمہ ... [illegible]

"مختلف الوانہ" سے ۔

ہوتا ہے کہ مختلف رنگوں کا انسان سے ... [illegible] ہیں ۔ کہ ایک جدید نظام ہی علاج کا یہ ہے کہ صرف رنگ کے ذریعہ سے علاج کیا جاتا ہے، یعنی رنگین بوتلوں میں پانی بھر بھر کر دھوپ میں رکھتے ہیں اور ان ہی بوتلوں کے پانی سے ہر قسم کے امراض میں فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ میرا ذاتی تجربہ ان بوتلوں کے پانی کے متعلق عجیب ہے ۔ ان ان تین باتوں کو پیش نظر رکھ کر اگر قرآن کی اس آیت سے علاج کے ایک جدید نظام کی طرف توجہ کی جائے تو قرآن کی روشنی میں یہ بالکل واضح طور پر نظر آ رہی ہے ۔

میرا مطلب یہ ہے کہ جن نباتاتی چیزوں سے آپ کی طب میں علاج کیا جاتا ہے اور ایلوپیتھک کے مقابلہ میں آپ کا بڑا امتیاز یہی ہے کہ آپ "الثمرات" سے یعنی نباتاتی اشیاء کے جواہر سے علاج کرتے ہیں ۔ لیکن آپ کو یہ مجبوری پیش آئی ہے کہ ان نباتاتی چیزوں کے جواہر کو نکالنے کے لیے انکو چھاننا پڑتا ہے، پھر ترشہ انبیق وغیرہ آلات ان کی تقطیر کرتے ہیں، اس پر بھی صحیح جوہر جس کی آپ کو تلاش ہے وہ میسر نہیں آتا ۔ جب قرآن کہتا ہے کہ مکھی فطرتاً ایک ذلول (سدھنے والا مطیع فرمانبردار حیوان ہے) اور اس بنا پر آپ جس قسم کے نباتات سے چاہیں مکھیوں کے ذریعہ سے "الثمرات" یعنی اسکے جوہروں کو کھنچوا سکتے ہیں، تو پھر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ سارے جوشاندہ و خیساندہ کوفتہ بیختہ کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مختلف اقسام کی مکھیوں کو مختلف دواؤں کے جوہر نکالنے پر مامور کیا جائے، اور ان کو جمع کر کے مختلف بوتلوں میں رکھ دیا جائے ۔ جو دوائیں جن امراض میں کام آتی ہیں بجائے انکے ان ہی نباتاتی دواؤں کے کھینچے ہوئے شہد کو مفرد طریقہ سے یا دوسرے شہدوں کے ساتھ مرکب کر کے استعمال کرائی ۔ یہ نباتاتی ثمرات جنھیں آپ نے قدرت کے عجیب و غریب مشین (النحل) سے حاصل کیا ہے، چونکہ قدرتی جوہر ہونگے اس لیے انکا

"شفاء للناس" ہونا

یعنی "الناس" کے مختلف امراض میں ان "کل الثمرات" میں سے ایک یا چند کا شفا بخش ہونا، یقیناً تعجب خیز نہیں ہو سکتا، بلکہ نباتات سفید و رنگین کے جھگڑے سے بھی آپ کو نجات مل جائیگی ۔ بلکہ شہد میں "فراغ" کو باقی رکھنے کی قدرتی خاصیت ہے خود تو کیا خراب ہوگا ۔ دوسری چیزوں کی حفاظت شہد کے ذریعہ سے کی جاتی ہے ۔ اس لیے امید ہے کہ اس دوا کا مزاج بھی مدتوں باقی رہ سکتا ہے اور یہی میری مراد تھی کہ ہم اس آیت کے ذریعہ سے ایک جدید طبی نظام کو پیدا کر سکتے ہیں جن لوگوں کو شہد کی مکھیوں کے ذلول عجائبات کا علم ہے ۔ (حاشیہ ص ۳) پر ملاحظہ ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں ؏

ایڈیٹر :- عبد الماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب (حکیم) عبد القوی

مضامین کے لیے براہ راست خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے سالانہ شلنگ
قیمت فی پرچہ ار

صدق

جلد ۷	دو شنبہ - یکم محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۴۲ء	نمبر ۳۶

سچی باتیں

"امامت خواہ وہ آگ کی طرف لے جانے ہو یا جنت کی طرف، بہر حال اُس گروہ کا حصہ ہے جو سمع و بصر و فواد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا اٹل ضابطہ ہے، اور اس میں کوئی رُو رعایت نہیں ہے۔ کوئی گروہ خواہ خدا شناس ہو یا ناخدا شناس، بہرحال وہ یہ شرط پوری کریگا تو دنیا کا امام بن جائیگا، اور نہ کریگا تو مقتدی ہی نہیں، بلکہ اکثر حالات میں طبع بننے سے بھی نہ بچ سکیگا"

اقتباس ترکی کے کسی "متجدد نواز" "روشن خیال" لیڈر کی تقریر کا نہیں، تمامتر کلام ہے "تجدد شکن، تجدید نواز" مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا! —— اجمال کی اس تفصیل باقی رہ گئی ہو تو اس کی تشریح بھی سنتے چلیے:-

"کلام الٰہی میں تینوں لفظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں، بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کی ہوئی معلومات حاصل کرنا ہے۔ بصر سے مراد خود مشاہدہ کرکے واقفیت بہم پہنچانا ہے۔ اور فواد سے ان دونوں ذرائع سے معلوم کردہ معلومات کو مرتب کرنا اور نتائج اخذ کرنا یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جسکی قابلیت انسان کو دی گئی ہے"

کس کی مجال ہے جو یہ سوال کرسکے کہ "سمع" "بصر" "فواد" کے الفاظ ان معنی میں اس تیس پاروں والے کلام الٰہی کے کس پارہ کس سورہ کس رکوع، کس آیت میں استعمال ہوئے ہیں؟ جہاں کہیں مجرد بھی یہ لفظ آئے ہیں، وہاں سیاق سے، سباق سے، تفسیری احادیث سے، تفسیری روایات، آیہیوں سے کہیں سے ان معانی کی تائید نکلتی ہے؟ ولا تقف ما لیس لک بہ علم، ان السمع والبصر والفواد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا کو پڑھ کر حضرات صحابہ سے لیکر اس چودھویں صدی تک قرآن کے کسی طالب العلم کا ذہن اس جدید تفسیر کی طرف منتقل ہوا تھا؟ خود آج بھی مودودی صاحب کے خاص رفقاء کار مولانا محمد منظور صاحب (بریلی) مولانا امین احسن صاحب (سرائے میر) مولانا ابو الحسن علی (لکھنؤ) اور اسی علم و نظر کے دوسرے اصحاب کے ضمیر و دین سے سوال ہے، کہ اسکے قبل بھی آیت کی یہ تفسیر اُنکے ذہن میں آئی تھی؟ یا آج بھی اُنکا ضمیر اس پر مطمئن ہے؟ —— کیا فرق رہ جاتا ہے ان تحریفی عبارتوں کے بعد "علامہ" مشرقی اور علامہ مودودی میں؟ زبان سے مدعی غریب مشرقی بھی تو آخر اسلام ہی کی خدمت کا، نصرت کا، حمایت کا تھا؟

چھوڑیے اور سب کو - خود صحابہ نے بھی اس جدید تفسیر کے مطابق اس آیت قرانی پر کس دن، کس گھڑی، کس لمحہ عمل کیا؟ ابوبکر صدیقؓ نے علم "سمع" کی کس روز اطاعت کی؟ "دوسروں کے فراہم کیے معلومات" کے حاصل کرنے میں کیا انہماک دکھایا؟ "علوم" یونان سے، مصر سے، روم سے کس دن حاصل کیے؟ عمر فاروقؓ نے اپنی زندگی کے کے گھنٹے، کے منٹ "مشاہدۂ فطرت" کی نذر کیے؟ ارضیات، حیوانیات، کے علوم جدیدہ نہ سہی، ریاضیات، ہیئت، عقلیات، کے علوم قدیمہ کے مطالعہ اور ان میں اکتشافات اور "ریسرچ" پر کتنا وقت صرف فرمایا؟ عثمانؓ اور علیؓ نے کتنے مرحلے "دونوں ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کے مرتب کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے" کے طے کیے؟ —— "حصول امامت" کے اگر یہی شرائط ہیں، جو یورپ سے مرعوب ہمارے علمبردار "تجدید" نے پیدا کیے ہیں، تو خدا کے لیے بتایا جائے، کہ ان حضرات کو اپنے وقت میں امامت کیسے حاصل ہوگئی تھی؟ --- قرآن کی تفسیر کے ساتھ ساتھ کچھ "تجدید" "اجتہاد"

کو حق حقائق تاریخی کے ساتھ بھی تلاعب اور بازیگری کا حاصل ہوگیا ہے؟

"صاحب" کا جشن نوروز

"واشنگٹن - یکم جنوری - پچھلی شب جبکہ پچھلا سال اور موجودہ سال گلے مل رہے تھے، اور وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چرچل کی کار ٹرین پر کناڈا سے امریکہ آرہے تھے، آدھی رات کے وقت وزیر صاحب سر چارلس پورٹل کو ساتھ لیے ہوئے بے بہ بے ٹرین کی کھانے والی گاڑی میں آگئے۔ سگار آپ کے منہ میں دبا ہوا تھا، اور شیمپین (شراب) کا گلاس آپ کے ہاتھ میں تھا۔ پریس کے نمائندے جتنے بھی جلو میں چل رہے تھے سب اٹھ کھڑے ہوگئے۔ مسٹر چرچل نے سگار رکھتے ہوئے گلاس ہاتھ میں اٹھایا، اور کہا کہ "سنہ ۱۹۴۲ء کے نام پر، اس محنت و تعب اور فتحمندی کی طرف لے جانے والے سال کے نام پر" ٹھیک اسی وقت گھڑی میں رات کے ۱۲ بجے، پریس والوں نے اور دوسروں نے تکلف سے مسٹر چرچل کو مبارکباد دی۔ اسکے بعد مسٹر چرچل نے بیساختہ ایک ہاتھ سے سر چارلس پورٹل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور دوسرے میں کسی اور کا ہاتھ، اور سارا مجمع اسی طرح ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال حلقہ باندھ کر گانے لگا ..... مسٹر چرچل دروازہ کی طرف چلے، اور بولے "خدا آپ سب کو بھی مبارک کرے اور ہم سب کو فتح نصیب کرے۔" مجمع پھر جوش سے گانے اور تالیاں بجانے لگا، وزیر صاحب اپنے جواب میں V کا نشان بناتے ہوئے خوش و خرم اپنے ڈبہ میں واپس گئے۔" (رائٹر کا تار برقی)

ایسی ہی خبریں پڑھ کر تو کہتے ہیں کہ آنکھوں کو نور حاصل ہوا اور دل کو سرور! بھلا تہوار یہ ہے، نو روز کی رات بھی اس طرح منائی جائے، اور کیا ہوا کہ آدھی رات کو سب سے بڑی سلطنت کے سب سے بڑے عہدہ دار صاحب اٹھ کر آئیں، گائیں، بجائیں، شراب کے گلاس خالی کریں، بڑے بڑے اونچے معززین حلقہ باندھ کر ناچیں اور بیچارے جاپانیں فتح وغیرہ ہی! —— یہ بھی کیا کوئی مسلمانوں کے ہاں کی عید ہے، کہ مہینہ بھر کی مشقت سے جوں توں کرکے تو روزے گئے، چھٹی یہ بھی نہیں؟ شب عید کا تماشا بھی فضیلتوں اور برکتوں کے لحاظ سے رمضان ہی کے حکم میں داخل ہے۔ معتکف اس پیچھے نمازیں پڑھ رہے ہیں، مناجاتیں کر رہے ہیں، دعائیں مانگ رہے ہیں! صدقۂ فطر کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں! یہ بھی کیا مسلمانوں کی بقرعید ہے کہ ذی الحجہ کی شب دہم تکبیریں، داخل یوم الحج کے!

لفظ بے معنی

"نیو یارک - ایلی سلاٹ برطانیہ میں جنسیات و شہوانیات کا امام ہے - بہت سی دوسری تصنیفات کے علاوہ ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا آف سیکس کا بھی مصنف ہے ... زیر عنوان "افلاطونی محبت" کے زیر عنوان لکھتا ہے:

"افلاطونی محبت سے مراد وہ ... افلاطون مرد و عورت کے درمیان محبت ... عشق ... روحانی سطح پر رہے، اور اس میں خواہش نفسی کی آمیزش نہ ہونے پائے — افلاطون کے خیال کی غلطی یہ ہے کہ اس نے شناسائی دانستہ اور عشق و محبت کے درمیان خلط کردیا۔ افلاطونی محبت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ صاف اجتماع نقیضین ہے۔ صنف مقابل کی جانب جوانی میں جو کشش ہوتی ہے اور جس پر اطلاق عشق و محبت کا کیا جاتا ہے، وہ لازماً شہوانی ہی ہوتی ہے۔ اور اگر قائم رہ گئی، تو یقیناً کسی عملی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی کوئی کشش صنف مقابل کے نوجوانوں میں ہوتی ہی نہیں، جو اصلاً شہوانی نہ ہو" (انسائیکلوپیڈیا آف سیکس ۲۲۵)

"پاک محبت" کا لفظ ہمارے ہاں بھی خوب چلا ہوا ہے، خاص کر شاعروں کے حلقہ میں۔ عجب نہیں ... یورپ کا یہ ماہر جنسیات کچھ ہمارے ہی نقطہ نظر والوں کا ہیرو معلوم ہوا ہے کہ ایسے کار آمد ڈھالے ... اپنے پیارے لفظ کو "بے معنی" ہی قرار دے دیا!

چودھری افضل حق مرحوم

پچھلے ہفتہ لاہور سے افسوسناک خبر مشہور "احراری" لیڈر چودھری افضل حق کی وصول ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چودھری صاحب شروع میں نائب پولیس میں ملازم تھے۔ تحریک خلافت و ترک موالات کے زمانہ میں سرکاری تعلق چھوڑ چھاڑ ان تحریکات میں جوش کے ساتھ شریک ہوگئے، اور یہ جوش عمل آخر عمر تک گھٹا نہیں بلکہ بڑھتا ہی رہا۔ اپنی جماعت میں فکری حیثیت سے ایک ممتاز مرتبہ رکھتے تھے۔ نظریات و خیالات میں بے اعتدالی کیسی بھی رہی ہو، بہرحال آدمی تھے جوش و اخلاص کے۔ پنجاب کی مجلس احرار میں گرمی و تازگی بڑی حد تک انھیں کے بلند و پرجوش نقشۂ زندگی کا ثمرہ تھی۔ خلافت کمیٹی کے آخر زمانہ میں انکی اور انکی پنجابی ٹولی کی زبان مولانا محمد علیؒ کی معرکہ آرائیاں عمر بھر دوران کی جماعت سے جس نے دیکھی ہیں، وہ انھیں بھلا نہیں سکتا۔ بصیرت ظاہر ہے کہ ہر شخص کی الگ الگ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں اجر تو حسن نیت پر ملتا ہے۔ اللہ اپنی رحمتوں سے انھیں نوازے، اور انکی مخلصانہ جد و جہد کا پورا صلہ انھیں مرحمت فرمائے!

تجدید اور دعوائے تجدید

"لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا ہوں، اور بزرگوں کے منہ آتا ہوں، حالانکہ درحقیقت میں اپنے آپ کو چھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔" "آپ [یعنی ایک مشہور عالم اور صاحب دل بزرگ] کو یہ شبہہ کہ میں ابتلا و امتحان کے میدان میں ادعا کے ساتھ اترا ہوں، میری قلبی حالت سے ناواقفیت پر مبنی ہے" (ترجمان القرآن، رجب تا رمضان سنہ [illegible])

صاحب "تحریک" کی تحریروں سے جو اثر لوگ لے رہے ہیں، اور ان لوگوں میں یقیناً نہ صرف ترجمان کے ناظرین ہیں، بلکہ کم از کم ایک تو مشہور عالم اور صاحب دل بزرگ بھی ہیں، اس کا اعتراف خود اس اقتباس میں موجود ہے۔ جواب میں لازم کہ نفس جرم سے انکار کی ہمت نہیں اور وہ پناہ ڈھونڈ رہا ہے

نئی کتابیں

تفسیر تعلیم القرآن - پارہ ۳۰ - از مولوی عبدالرحیم صاحب - ضخامت ۲۰۰ صفحے - تقطیع حمائلی - مجلد - قیمت للعہ - پتہ ادارۃ الاشاعت تعلیم القرآن تفضل گوڑہ - حیدرآباد دکن -

اردو میں تفسیریں نئی نئی لکھی جا رہی ہیں - اور بعض اُن میں سے قابل داد بھی ہیں - یہ تفسیر جہاں تک صحت عقائد اور صحت تفسیر کا تعلق ہے بلا تامل اسی طبقہ میں رکھی جا سکتی ہے - مصنف نے معلوم ہوتا ہے کہ مستند تفاسیر کا وسیع مطالعہ کیا ہے - اور اُن میں سے چُن چُن کر اچھی اچھی چیزیں اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں - البتہ ضرورت اسکی ترتیب پر نظر ثانی اور مزید غور کی ہے - متعدد چیزیں اس میں ایسی آگئی ہیں جو تمہید رہکے کام کی بالکل نہیں - ان سے اُنھیں محض انتشار ذہنی پیدا ہو کر رہے گا - مثلاً سورۂ فیل میں مفسر حمید الدین فراہیؒ کے خیالات کی ترجمانی دیا جانا یا ائمۂ نحو کے اختلافات کا ذکر - بعض مباحث صرف محققین اور طلبہ کے کام کے ہیں، عوام کے کام کے نہیں - اس امتیاز کو قائم رکھنا ضروری ہے - علیٰ ہذا سورۂ قرآنی کی ترتیب کو الٹ دینا، یعنی پارۂ عم کو بجائے سورۂ نبا کے سورۂ ناس سے شروع کرنا ہرگز صحیح نہیں - ناظرہ خوان لڑکوں کے لیے محض عبارت قرآنی کی یہ ترتیب معکوس تو شاید کوئی وجہ جواز رکھتی بھی ہو، لیکن تفسیر میں یہ مداخلت نظم قرآنی میں کر دینا بالکل بیجا ہے - اس میں سب سے پہلے آیت درج ہے، پھر اسکے ایک ایک لفظ کا ترجمہ - پھر حل لغات - اور پھر تفسیر - مصنف کی مشقت، تلاش اور احتیاط پسندی میں ذرا شبہہ نہیں - اور کتاب کا مطالعہ فی الجملہ مفید ہی ہوگا - پوری تفسیر ۱۶ مختصر صفحوں کے ہفتہ وار رسالہ کی صورت میں بھی نکل رہی ہے - اور ہر اسلامی دارالمطالعہ کے میز پر رکھنے کے قابل ہے -

۲ - **قصص القرآن** (حصہ اول) از مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی - ضخامت ۴۲۷ صفحے - قیمت للعہ (مجلد للعہ) پتہ، ندوۃ المصنفین قرول باغ، دہلی -

موضوع نام سے ظاہر ہے - قرآن مجید کی بیان کی ہوئی حکایات خصوصاً حکایات انبیاء، دنیا کے بہترین قصے ہیں - ان سے بہتر سے بہتر نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں، اور خود انکی مزید توضیح، تشریح و توثیق، تاریخ، جغرافیہ، اثریات، وغیرہ جدید علوم کی روشنی میں کرنا علم و دین دونوں کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے - کاش ہمارے اتنے "ڈاکٹریٹ" کی ڈگریاں پائے ہوئے مسلمانوں میں سے کسی ایک نے صحیح مقصد اور صحیح زاویۂ نظر کے ساتھ انھیں قصص کو اپنی "ریسرچ" کا موضوع بنایا ہوتا!

حقیقۃً جتنی مسرت اور شکر کا مقام ہے کہ ایک قدیم طرز کی تعلیم پائے ہوئے "مولوی" کو ادھر توجہ ہوئی، اور انکی سعی و ہمت سے اُردو میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب وجود میں آئی - کتاب دو جلدوں میں ہوگی - یہ جلد شروع سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے زمانۂ خروج مصر تک ہے - اسکے بعد کے حالات دوسری جلد میں ہونگے - اس جلد کے عنوانات حسب ذیل ہیں :- حضرت آدمؑ، قابیل و ہابیل، حضرت نوحؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ - ہر جلی عنوان بہت سے ضمنی عنوانات پر تقسیم ہے - اور کوشش کی گئی ہے کہ ہر بحث سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات مختلف مستند ماخذوں سے فراہم کر دیے جائیں - بحثیں تاریخی، کلامی، نقلی ہر قسم کی سنجیدگی کے ساتھ موجود ہیں - مصنف کے ماخذوں میں ایک بڑا ماخذ ایک معاصر مصری عالم شیخ عبدالوہاب نجار کی قصص الانبیاء ہے، لیکن مصنف اپنی ذاتی تحقیق میں اُنکے مقلد جامد نہیں -

اتنی ضخیم کتاب اور اتنے متنوع مباحث میں یہ کہاں ممکن ہے کہ مصنف کا ہر بیان قول فیصل کی حیثیت رکھے، متعدد مقامات مختلف حیثیتوں سے نظر کو کھٹکے - مثلاً ص۷۶ پر مصنف کا یہ دعوےٰ کہ

> "کائنات ہست و بود میں عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ امراض، وبا، طوفان، اور زلزلے جیسے امور جب بھی کسی سبب سے نمودار ہوتے ہیں خواہ وہ عذاب کے لیے ہوں یا عام حالات زندگی کے اعتبار سے .... وہاں کی آبادی میں نیک و بد، ولی و شیطان ... کے مابین کوئی تمیز نہیں کرتے"

زیر خط فقرہ بہت کچھ محل نظر ہے - اسی طرح اور متعدد مقامات میں تاریخی اور کلامی دونوں حیثیتوں سے گفتگو کی بہت گنجائش ہے - بعض ابواب کا نقشہ رہ جانا بھی نمایاں ہے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے ذیل میں بعض اہم اور ضروری قرآنی بحثوں کا مجمل رہ جانا - تاہم یہ نہ بھولنا چاہیے کہ کتاب اُردو میں اپنے رنگ کی پہلی ہے، اور مصنف کی سنجیدہ کوشش ہر حال میں مستحق داد ہے - کم از کم اُردو میں اتنا ذخیرہ شواہد اور فی الجملہ مستند معلومات کا اس موضوع سے متعلق کہیں اور موجود نہیں - کتاب ہر صاحب علم و صاحب ذوق مسلمان کے مطالعہ میں آنے کے قابل ہے -

(۳) **خلافت و سلطنت** - از ڈاکٹر امیر حسن صدیقی - ترجمہ: سید علی احمد صاحب بی اے - ضخامت ۱۳۰ صفحے - تقطیع ۲۰ × ۲۶ - قیمت عہ پتہ انجمن اسلامی تاریخ و تمدن، مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ

مسلمانوں کے ہاتھوں میں اب تو جہاں کہیں ہے محض سلطنت ہی ہے، خلافت کا کہیں نام نہیں - اور ایک زمانہ وہ تھا جب محض خلافت ہی تھی، سلطنت کوئی جانتا نہ تھا - لیکن درمیان میں کئی صدیاں ایسی گزری ہیں، جب ناقص خلافت کے ساتھ سلطنت بھی جمع رہی ہے، اور بعد اسکے تعلقات ظاہرہ صفاریہ، سامانیہ، دیالمہ، غزنویہ، سلجوقیہ، وغیرہ کے ساتھ معاصرانہ قائم رہے ہیں، کبھی صلح کے کبھی جنگ کے - ان تعلقات کی تفصیل اور تقریباً نشأۃ سے لیکر خلافت بغداد کی تباہی یعنی پانچویں صدی ہجری تک کی تاریخ اس مقالہ کا موضوع ہے - ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے ایک مشہور استاد ہیں - اُنھوں نے یہ مقالہ لندن کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے انگریزی میں تیار کیا تھا - اور اب یہ اسکا اُردو ترجمہ شائع ہوا

ہو رہا ہے۔ مقالہ لکھا گیا ہے بڑی تلاش و تفحص سے۔ اسکے شواہد خود مقالہ کے اوراق ہیں۔ رہا استناد سو اسکے لیے یہ کافی ہے کہ مقدمہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے تحریر فرما کر اس طرف سے بھی مطمئن کر دیا ہے۔ ترجمہ میں بھی روانی و سلاست ہے۔ گو ظاہر ہے کہ انگریزی طرز ادا کی جھلک ایک حد تک ناگزیر ہے۔ کتاب ہر تاریخی مذاق رکھنے والے کیلیے قابل مطالعہ ہے۔ مصنف ماشاءاللہ مسلم یونیورسٹی کی انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کے روح رواں ہیں۔ حیرت ہوتی اگر انجمن کی مفید مطبوعات کی فہرست خود مصنف کی کتاب سے خالی ہوتی!

(۴) **اقبال کا مطالعہ**۔ از سید نذیر نیازی صاحب بی اے۔ ضخامت ۱۲۳ صفحے۔ قیمت عہ پتہ: کتاب خانہ پنجاب۔ ۳۶ بیرون لوہاری گیٹ۔ لاہور۔

نذیر نیازی صاحب اقبالؒ کے خاص مسترشدین میں ہیں۔ انھوں نے اقبالؒ کی شخصیت اور اقبالؒ کے کلام و افکار دونوں کا مطالعہ جسقدر قریب سے اور جتنا گہرا کیا ہے، اسکا موقع کمتر ہی لوگوں کو ملا ہوگا۔ یہ رسالہ ان کے ان چار مضامین کا مجموعہ ہے:۔ اقبال کا مطالعہ۔ اقبالؒ اور علمائے مغرب۔ اقبالؒ کی عظمت فکر۔ اقبالؒ کی آخری حالات۔ ان میں سے آخری مضمون رسالۂ اردو کے اقبال نمبر میں کل بھی چکا ہے۔ چاروں مضامین غور و فکر و توجہ سے لکھے گئے ہیں۔ پہلے تین گویا دماغ سے اترے ہیں اور چوتھا دل سے۔ مقالہ (نمبر۲) اس عام غلط فہمی کو دور کر دیتا ہے کہ اقبال کے خیالات کی بنیاد مغربی فلاسفہ کے نظریات تھے۔ مضامین چاروں پڑھنے کے قابل ہیں، اور سب سے زیادہ آخری مقالہ۔ اقبال پر اتنے ہی دنوں میں رطب و یابس ہر قسم کی کتابوں کا ایک انبار سا لگ گیا ہے۔ اقبال کا مطالعہ اس مخلوط مجموعہ میں ایک مفید قسم کا اضافہ ہے۔

(۵) **حیات سجاد**۔ از مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی۔ ضخامت ۱۶۰ صفحے تقطیع ۱۸×۲۲۔ قیمت عہ پتہ: کتب خانۂ امارت شرعیہ۔ پھلواری شریف۔ پٹنہ

مولانا محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبۂ بہار کی وفات کا زخم ابھی بہت سے دلوں میں تازہ ہوگا۔ یہ کتاب گویا انکی سوانح حیات ہے۔ لیکن کسی ایک شخص کی لکھی ہوئی نہیں۔ مولاناؒ کی زندگی پر مختلف اشخاص کے مضمونوں اور تبصروں کا مجموعہ ہے۔ پہلا حصہ ذاتی حالات کا ہے۔ اس حصہ میں علاوہ مرتب صاحب کے مولوی منت اللہ صاحب اور مولانا گیلانی مدظلہ کے مضامین ہیں۔ دوسرا حصہ محاسن و مناقب پر ہے۔ اس میں مولانا شاہ محی الدین امیر شریعت، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، قاضی احمد حسن صاحب، شاہ حسن آرزو صاحب وغیرہم کی تحریریں ہیں۔ تیسرے حصہ کا عنوان "تعزیات و برکات" اس میں مولانا احمد سعید صاحب، شاہ عثمان غنی صاحب، مولانا حفظ الرحمن صاحب وغیرہم کے مضامین ہیں۔ آخر میں چند نظمیں ہیں —— محاسن سجاد کے بعد حیات سجاد یہ دوسرا نذرانۂ عقیدت و محبت ہے جو صوبۂ بہار اپنے مرحوم قائد اور عالم باعمل کی یاد میں پیش کر رہا ہے، اپنے اور انکے دونوں کے ایک بڑی حد تک شایان شان۔

(۶) **"تاریخ وطنیت"**۔ از "شیلان" ضخامت ۱۸۲ صفحے۔ قیمت عہ پتہ:۔ ادارۂ تجدید علم، حیدرآباد دکن۔ محاذ اتحاد اسلامی، دریاگنج۔ دہلی

مسئلۂ وطنیت اور اُس کی تاریخ پر ایک مفصل، مبسوط اور خاصہ جامع علمی مقالہ ہے۔ تمہیدی باب اول کے بعد، باب دوم و سوم میں اسکی تاریخ، جدید و قدیم دونوں، یورپ میں بتائی گئی ہے۔ باب چہارم مشرق پر ہے، اور ترکی، عراق، شام، مصر، ایران وغیرہ اسکے تحتانی عنوانات ہیں۔ باب پنجم ہندوستان پر ہے۔ باب ششم و ہفتم تحریک "پان عرب" اور "پان اسلامیت" پر۔ باب ہشتم مشرق اقصیٰ (چین و جاپان) پر ہے۔ باب نہم یہود اور قومی وطن پر۔ باب دہم اقتصادی تاریخ سے متعلق ہے۔ اور باب یازدہم سیاسی تاریخ کے۔ آخری باب میں تاریخی مباحث کا انطباق نفس مسئلہ پر ہے۔ مصنف ماشاءاللہ تمامتر مذہبی رنگ میں ڈوبے ہوے ہیں، تاہم انکی کتاب کانگریسی وغیر کانگریسی، لیگی و غیر لیگی ہر خیال کے سیاسی طلبہ کے دیکھنے کے قابل ہے —— انکے وسعت مطالعہ اور سنجیدگی فکر کی شہادت کتاب کا ہر ہر صفحہ دے رہا ہے۔ گو یہ بالکل ضروری نہیں، کہ انکا نکالا ہوا ہر نتیجہ بھی کانٹے کی تول بالکل ٹھیک تلا ہوا ہو۔ فٹ نوٹس (حواشی ذیلی) میں بہ کثرت حوالے مغربی اہل قلم کے ہیں۔ لیکن کہیں تو ان حوالوں کی زبان اور رسم الخط اردو ہے، اور کہیں دونوں انگریزی۔ اس میں یکسانیت ہونی چاہیے تھی۔ زیادہ تکلیف دہ اور عجیب بات یہ ہے کہ کتابوں اور مصنفوں کے ناموں کے علاوہ بھی حوالے کے لیے جو رموز انگریزی میں چلے ہوے ہیں، مصنف نے انھیں بھی اسی طرح انگریزی رسم الخط کے ساتھ اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ مثلاً [illegible] وغیرہا۔ اس ایک عیب کے سوا اور ہر حیثیت سے کتاب قابل قدر ہے۔

(۷) **سلیس اردو**۔ مرتبہ انجمن ترقی اردو۔ حیدرآباد دکن۔ ضخامت ۲۳۲ صفحے۔ قیمت ۱۲؍ پتہ:۔ انجمن ترقی اردو۔ اردو گھر، بنجارہ روڈ۔ حیدرآباد دکن۔

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے یہ درسی کتاب بالخصوص بیوں کیلیے تیار کرائی ہے۔ پہلا حصہ "معلوماتی مضمون" کے زیر عنوان سات مضامین کا مجموعہ ہے، مختلف حضرات کے قلم سے۔ "سائنس اور ترقی" از خواجہ غلام السیدین، "سفر میں اردو" از سجاد مرزا بیگ صاحب، "انگلستان کا سفر" "روپیہ" وغیرہ۔ اسکے بعد تین کہانیاں ہیں۔ اور آخر میں غالب، انیس، حالی، اقبال، جگر وغیرہ کا منتخب کلام ہے۔ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور حوصلہ افزائی کی مستحق۔ پردہ والے مضمون (مضمون نمبر۱) میں تو البتہ جا بجا "تجدد" کی جھلک ہے، اور "پیلک" کی اصطلاح خاص دلکش ہے۔ عام اردو میں اسکے بجائے "ٹیلک" رائج ہے۔ باقی اور مضامین اچھے ہیں، اور خود مرتب کتاب جناب نورالحسن صاحب کے قلم کے مضامین تو خصوصیت سے اچھے ہیں۔

(مزید کتب و رسائل و جرائد آیندہ نمبر میں)

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام، علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ ۴؍ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دیا جائیگا……

اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی [illegible] ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری رہنمائی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت وہ ہے جو انہیں قرآنی اصول اور احکام کی نگہبان ہے۔ آپ جس نوعیت کی بھی حکمرانی چاہتے ہیں، بہر حال آپ کو سلطنت اور طاقت کی ضرورت ہے۔

سوال:- وہ سلطنت ہمیں ہند میں کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

جواب:- مسلم لیگ، اسکی تنظیم، اسکی جدوجہد، اسکا رُخ اور اسکی مراد، سب اسی سوال کے جواب ہیں۔

سوال:- جب آپ اسلامی حکومت کو تصور، اور طریق دونوں میں بہترین اور بہترین حکومت یقین فرماتے ہیں اور اجمالاً یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خود مختار علاقے اس لیے مطلوب ہیں کہ وہاں وہ اپنے ذہنی میلانات اور روایات کے تصورات کو مانعت کے بغیر بروئے کار لا کر ترقی کر سکیں تو پھر اس میں کون امر مانع ہے کہ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ مسلم لیگ اپنی جدوجہد کی مذہبی تعبیر اور تشریح کرے۔

جواب:- مذہبی تعبیر کے ساتھ ہی کام کی نوعیت، اسکی حقیقی تقسیم عمل اور اسکے اصلی حدود کو سمجھے بغیر ہمارے علماء کی ایک جماعت ان خدمات کو صرف چند مولویوں کا ایک اجارہ خیال کرتی ہے۔ باوجود دلبستگی و مستعدی کے آپ کے پاس جذبۂ خدمت کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں پاتی۔ پھر اس منصب کی بجا آوری کے لیے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے انکو میں الا ماشاء اللہ ان مولویوں میں نہیں پاتا۔ وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں جانتے۔

(رہبر دکن)

ایک دینی تحریک

الندوہ کے صفحات میں مولانا محمد الیاس صاحب کی تبلیغی تحریک کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ میوات کے علاقہ میں (جو اس تحریک کا مرکز ہے) اسکے جو اصلاحی اثرات ظاہر ہوئے ہیں الندوہ کے ناظرین ان سے بھی باخبر ہونگے۔ یہ تحریک اتنی نازک اور گہری، اور اسکے دقیق اصول اور رعایتوں پر مبنی ہے کہ تحریر سے اسکا تعارف نہیں کرایا جا سکتا۔ البتہ حضرت سید احمد شہید اور مولانا سید اسمٰعیل شہیدؒ کے الفاظ میں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ

"سلوک راہ نبوت ہے۔"

ان تمام لوگوں کے لیے جو دین کا ذوق اور فہم رکھتے ہیں اور اس زمانہ کی ہنگامہ آرائیوں سے گھبرا چکے ہیں اور جنکے نزدیک طریق نبوت ہی عمل کا صحیح راستہ ہے، نیز ان لوگوں کے لیے جو اپنے زمانہ کی دینی پستی پر حسرت کرتے ہیں، مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ دہلی بستی نظام الدین میں مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور انکے ساتھ کچھ وقت صرف کریں، اور میوات میں جا کر خود اس کا نظام بھی دیکھیں اور اسکے اثرات ملاحظہ فرمائیں۔ تعجب ہے کہ لوگ تاریخ کے آثار قدیمہ، بادشاہوں کی منہدم عمارتیں اور شکستہ مقبرے دیکھنے دور دور جاتے ہیں، لیکن قرن اول کے زندہ نمونے اور اسلام کی جیتی جاگتی تصویریں دیکھنے کا شوق نہیں ہوتا اور اسکے لیے سفر کی زحمت گوارا کرنے والے بہت کم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ معاصرت بڑا حجاب ہے۔ نومبر کی آخری تاریخوں میں میوات کے علاقہ تحصیل نوح (ضلع گوڑگانوہ) میں ایک عظیم الشان تبلیغی جلسہ ہوا۔ میوات کے علاوہ ملک کے مشاہیر علماء شریک ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی تیرہ آدمیوں کی ایک جماعت نے جو مدرسہ کے طلبہ اور بعض مدرسین پر مشتمل تھی شرکت کی۔ یہ جلسہ اپنی خصوصیتوں کے اعتبار سے بالکل منفرد تھا۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں تیس برس سے جلسوں میں شرکت کرتا ہوں، اور اس طویل مدت میں میں نے سیکڑوں جلسے دیکھے لیکن یہ جلسہ اپنی شان کا بالکل نرالا جلسہ ہے، میں نے ایسا جلسہ کبھی نہیں دیکھا۔ اس جلسہ میں وہ چیزیں نہ تھیں جو عموماً جلسوں میں ہوا کرتی ہیں اور جو جلسوں کی کامیابی کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کا یہ اجتماع (جس میں بکثرت تیس اور چالیس کوس سے پیدل چل کر آنے والے تھے) کسی جلسہ سے زیادہ ایک زندہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا۔ جس میں عبادت و ذکر، نمازوں کی پابندی اور نوافل کے ساتھ چستی و مستعدی، جفاکشی و مجاہدہ، سادگی و بے تکلفی، تواضع و خدمت اور اسلامی اخلاق کے نمونے بکثرت دیکھنے میں آتے تھے۔ اور بغیر کسی شور کے اور مطالبہ کے ایک حقیقی دارالاسلام کا نمونہ تھا۔ جلسہ کی کامیابی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ڈیڑھ ہزار آدمیوں نے چار چار مہینے کے لیے یوپی وغیرہ میں پیدل چل کر، اپنا خرچ کر کے گاؤں اور قصبوں میں اور جگہ جگہ خدا کا پیغام پہونچانے کا ذمہ لیا۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے، اور انکی کوششوں میں برکت دے۔ ناظرین کو غور کرنا چاہیے کہ ہمارا فرض کیا ہے اور اس کام میں ہم کیا مدد کر سکتے ہیں۔

(رسالہ الندوہ - لکھنؤ)

یورپ اور اسلام کا دوسرا رُخ

بحث یاجوج و ماجوج

(سلسلہ ۱۲ - جنوری)

اور اسکے پہلے اصحاح ۳۸ میں ہے :-

وکان الیّ کلام الرب قائلاً	اور پھر میری طرف خدا کا کلام یہ کہتے ہوے
یا ابن آدم اجعل وجہک علی	آیا کہ اے آدمزاد تو اپنا رُخ جوج کی طرف کر جو ارض
جوج ارض ماجوج رئیس روش	ماجوج کا ہے جو روس کا اور ماشک
ماشک و توبال وتنبأ علیہ	کا اور توبال کا سردار ہے اور پیشینگوئی کر اس کے
وقل ہکذا قال السید الرب ہانذا	خلاف اور کہہ ایسا ہی کہتا ہے پروردگار
علیک یا جوج رئیس روش	دیکھ میں تیرے خلاف ہوں اے یاجوج جو
ماشک و توبال وارجعک واجعل	سردار ہے روس ماسک اور توبال کا اور میں
شکائم فی فکیک واخرجک	(یاجوج) میں تجھے لوٹا دونگا اور تیرے
انت وکل جیشک خیلاً و	جبڑوں میں کانٹے دار لگام دونگا میں تجھے
فرساناً کلہم لابسین افخر لباس	نکال دونگا اور تیرے تمام سوار و پیادہ لشکر
جماعۃ عظیمۃ مع اتراس ومجان	کو سب کے سب بہترین عمدہ لباس
کلہم ممسکین السیوف فارس	فاخرہ پہنے ہونگے اور یہ جماعت عظیمہ ساتھ
وکوش و فوط معہم کلہم بمجن وخوذۃ	ڈھالوں کے ہوگی سب کے سب تلواریں لیے ہوے
وجومر وکل جیوشہ و بیت توجرمۃ	فارس اور مصری و قبطی وغیرہ سب اسکے
من اقاصی الشمال مع کل جیشہ	ساتھ ہونگے سپر خود وغیرہ کے ساتھ۔ اور
شعوباً کثیرین معک	اور جومر اور اسکے سب لشکر اور خاندان توجرمہ

انتہائی شمالی زمین سے ساتھ اُسکے ہر لشکر کے بہت سی قومیں ہیں تیرے ساتھ۔

ان پیشینگوئیوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یاجوج کون ہیں؟ کیا یہی روسی قوم نہیں؟ کیا لفظ روس صاف تصریح نہیں ہے۔ علی ہذا ماسکو اور توبال سک کے مشہور روسی شہر جو آج بھی اسی نام سے قائم ہیں صریح نہیں؟ کیا اقاصی الشمال کا لفظ یہ پتہ نہیں دے رہا ہے کہ جوج سے مراد یاجوج روسی شمالی قومیں ہیں جنھیں کہ آج روس کہا جاتا ہے۔ اگر لفظ اقاصی الشمال کے ساتھ لفظ روس توبال، ماسک کا ذکر نہ ہوتا تب بھی ہم کو اقاصی الشمال کے لفظ سے یہی ماننا پڑتا کہ جوج یعنی یاجوج سے مراد وہی شمالی قومیں [illegible] یا مغلی و تتری قوموں کی جو مرکب قوم ہے جسے آج روس کہا جاتا ہے۔ اور ماجوج جنہیں یورپین قومیں ہیں، ان سب اقوام شمالیہ کا یعنی مغول، ترک و تاتاریوں کا بنی یافث ہونا مسلمات قدیمہ و جدیدہ سے ہے۔ یہ یعنی دنیا بھر کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اسی لیے انکی بہت ساری خصائص طبعیہ بھی ملتی جلتی ہیں۔ چنانچہ تورات کتاب الایام میں ہے (نسخہ عربیہ بنذن اصحاح اول)

بنو یافث جومر و ماجوج و مادای	یافث کے بیٹے یہ ہیں جومر و ماجوج و مادای
ویاوان وتوبال وماشک وتیراس	یاوان و توبال و ماشک و تیراس

اس میں جوج کا ذکر نہیں ہے صرف ماجوج کا ہے کیا عجب ہے کہ بقیہ ناموں کو جوج یعنی یاجوج کہا جاتا ہو۔ اور یہ قرین قیاس بھی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یاجوج اولاد ماجوج ہی کی نسل سے ہے۔ کتاب الایام مذکور میں ماجوج اور ان کی اولاد و نسل بتانے کے ماجوج کی نسل میں کوئی جوج یا یاجوج یا کوئی اور نام نہیں بتایا۔ البتہ بعض دوسری تاریخی کتابوں میں جوج کو ماجوج کی نسل سے بتایا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخ یعقوبی مطبوعہ کوپن ہیگ (یورپ) میں لکھتا ہے

ونزل یافث بن نوح ابین الشرق	یافث بن نوح کرۂ زمین کے مشرق و
والشمال فولد جومر و توبل و ماشخ	شمال کے مابین جا کر بس گئے۔ انکی
والشح وماجوج فولد جومر الصقالبۃ	اولاد یہ ہے جومر، توبل، ماشخ
وولد توبل برجان وولد ماشخ الترک	ماجوج۔ جومر کی اولاد میں صقالبہ (سلاو)
والخزر وولد الشح الاشبان وولد	اور توبل کی اولاد ہے۔ برجان اور ماشخ
ماجوج یاجوج وماجوج وہم فی	کی اولاد ہے۔ ترک اور خزر (ترکمان)
شرق الارض من جہۃ الترک۔	اور اشح کی اولاد ہے۔ اشبان (غالباً

ہسپانیہ مراد ہے) اور ماجوج کی اولاد ہیں۔ یاجوج ماجوج اور وہ جہت مشرق میں ہے ترکوں کے

کتب مقدسہ و تواریخ

دیکھیے کتاب الایام (توریت) میں تو ان یاجوج ماجوج کا مسکن و وطن شمال ربع مسکون و اقاصی شمال بتایا ہے اور قرآن سے بھی یہی پایا جاتا ہے مگر تاریخ یعقوبی انھیں ترکوں کے ناک سے بھی پرے مشرق میں بتایا ہے حالانکہ یہ تاہرہے کہ کتب مقدسہ مجموعہ توریت و انجیل موجودہ گو جیسا کہ بعینہا کلام اللہ ہونے میں خواہ کیسا ہی شک و شبہ ہو۔ تاہم عیسائی گروہ نہیں تو کسی کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کتب مقدسہ کتب تواریخ سے تو بدرجہا بڑھے چڑھے ہیں کیا یہ اس لایق نہیں کہ انھیں کتب حدیث ہی کا درجہ دیدیا جائے۔ لہذا اگر کوئی ایسی بات جو ان کتابوں میں مذکور ہو تواریخ کی کتابوں سے متصادم ہو جاوے تو ہم کو لازم ہوگا کہ انھیں کتب مقدسہ کے بیان کو ترجیح دیں کیونکہ انکے الہامی ہونے کا احتمال تو موجود ہے اور تاریخی کتابوں کا غیر الہامی ہونا بالکل مسلم ہے اور متفق علیہ۔

کتاب الایام (توریت) سے ان یاجوج و ماجوج کا بنی یافث ہونا جو تقریباً ایک امر یقینی اور متفق علیہ اسی طرح صحیفہ حزقیل علیہ السلام سے انکا وطن بلاد شمالی ربع مسکون سے ہونا بتصریح ثابت ہے۔ لہذا لازم ہے کہ ہم اسی کو اصل قرار دیکر دوسرے سارے مورخین کے اقوال کو انھیں پر محمول و ماؤل کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو کچھ تطبیق کی صورت پیدا کریں۔

(باقی آئندہ)

---

* یعنی کچھ مشرق میں، مثلاً مغول و تاتاری یا عرف عام میں قدیم ترک اور کچھ اور شمال میں مثلاً تمام یورپین۔

* پہلے گزر چکا کہ تم اپنے سب سے مراد جمیع مفسرین کے پاس شمالی جہت ہے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

سر اکبر حیدری

۸۔ جنوری کی شام کو ریڈیو نے، اور ۹ کی صبح کو اخبارات نے خبر سنائی کہ حکومت ہند کے رُکن رکین، سر اکبر حیدری ایک مختصر علالت کے بعد اس دنیا سے گزر گئے! دوسرے دن نمازِ جنازہ کے بعد نعش دہلی سے روانہ ہوئی۔ اُسی سیلون میں جس میں بارہا خود سر اکبر سفر کر چکے ہونگے اور جسم لیڈی حیدری کی تربت کے متصل حیدرآباد میں دفن ہوا۔ انا للہ۔

اعزاز و خطابات سے لدے ہوئے رائٹ آنرایبل سر اکبر حیدری (دکن کے نواب حیدر نواز جنگ بہادر) کون تھے؟ کون اُنکے کن کن سیاسی، انتظامی کارناموں کو بتائے، اور اُنکے کن کن عہدوں، مرتبوں، منصبوں کو گنائے؟ کبھی اکاؤنٹنٹ جنرل تھے، ابھی ہوم سکریٹری ہو گئے۔ پھر جو دیکھا تو فنانس منسٹر۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے صدر اعظم! تیس سال کی زندگی حیدرآباد میں کس اقبالمندی کے ساتھ گزاری۔ عروج تھا کہ ساعت بہ ساعت، لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی رہا۔ اور آخر میں جب حیدرآباد سے چلے، تو حکومت ہند کے ہاتھوں ہاتھ لیے گئے! پریوی کونسلر ہوئے، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شریک ہوئے، ریاستی ہند اور برطانوی ہند میں ہر جگہ یہی یہ! —— نہ ٹلنے والی گھڑی آئی، تو بس اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ بیمار کی طرح خود بھی سو گئے، نہ بہتر سے بہتر علاج شفا دے سکا، نہ بہتر سے بہتر نرسنگ ہوم کی تیمارداری! بڑے نیک دل، ذی مروت اور منکسر مزاج تھے اور کسی کو نقصان پہنچانا تو شاید جانتے ہی نہ تھے۔ آج کام آ رہے ہونگے نہ وہ عہدے نہ وہ مرتبے، نہ دنیا کی دولتیں حشمتیں۔ کام آ رہی ہونگی آج وہ نیکیاں اور بھلائیاں جو ہزارہا غریبوں، مفلسوں، بیکسوں، درماندوں، یتیموں کے ساتھ اپنی زندگی میں کر گئے تھے!

مٹ گیا نقشِ احمد و محمود
رہ گیا لا الٰہ الا اللہ

ایک آیت پر تازہ روشنی

یونیورسٹی کالج، ٹورنٹو (امریکہ) کے اُستاد ایف، ڈبلیو، وینیٹ (Winnett) نے حال میں یمن، شام، و عرب کے بہت سے قدیم کتبات کی تحقیق کرکے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ عرب قبل اسلام میں جو مسیحیت تھی، وہ مسیحیت نہیں بلکہ اسکی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ شکل، نیم مسیحیت نیم جاہلیت تھی۔ اُس خود کی نام نہاد مسیحیت کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:۔

"ہمیں جو تصویر نظر آتی ہے وہ مسیحیت اور جاہلیت عرب کی ملی جُلی ہوئی ہے۔ مسیح نے قدیم دیوتاؤں کو بے دخل نہیں کیا ہے، اُنکی فہرست میں خود مسیح کا ایک اضافہ ہو گیا ہے۔ شامی مسیحیت میں بیشک مسیح کا مرتبہ کچھ بلند ہے ..... اور جنوب میں تو اُنکا مرتبہ اور بھی پست تر ہے۔ (آگے ایک اصل اقتباس دے کر) جس میں ایلاہ کی دوسری دیویوں دیوتاؤں کے درمیان مسیح کا نام لیا گیا ہے، یہ تو صاف و صریح شرک ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ جانور بھی مسیح کے نام بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ اُن سے روائیتاً اُسی طرح کی جاتی تھیں جیسے دوسرے دیوتاؤں سے۔ گویا مسیح کا شمار بھی عرب کی مشرکانہ جاہلیت کے دیوتاؤں میں ہو گیا تھا۔" (مسلم ورلڈ، نیویارک، اکتوبر ۱۹۴۱ء، ص ۳۴۲)

یہ تحقیق اگر صحیح ہے تو اب خوب روشنی میں آ جاتی ہیں سورۂ زخرف (پ ۲۵) کی یہ آیتیں (رکوع ۵): وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ۔

مشرکین عرب اپنے گرد و پیش کی مسیحیت کو دیکھ کر قدرۃً قرآن مجید میں حضرت مسیح کے ذکر سے بدکتے اور بحث کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ آخر یہ دیوتا (یعنی حضرت مسیح) ہمارے قدیم دیوتاؤں سے کیسے بڑھ گیا، اور محمد کو مثال ہی دینا ہے تو آخر ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑ کر اسکا نام کیوں بار بار لیتے ہیں؟ قرآن نے اسکا یہ جواب دیا کہ یہ تمہاری کیسی کٹ حجتی ہے، اسلام مسیح کو دیوتا کی حیثیت سے پیش ہی کب کر رہا ہے، یہ تو مسیحیوں کا عقیدہ ہے، جو تم اسلام کے سر چپک رہے ہو —— لیکن بہرحال مسیحیوں کی مثال دیکھ دیکھ کر، اور اسلام و مسیحیت دونوں میں مسیح کا نام مشترک پا کر دونوں عقیدوں میں خلط کر دینا بے مغز مشرکوں کے لیے ایک حد تک قدرتی تھا۔ جیسا آج بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے ہندو، حضرت مسیح سے متعلق اسلامی اور مسیحی عقیدہ ایک ہی سمجھ رہے ہیں!

صحبتِ شیخ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ کا قیام پچھلے ستمبر اکتوبر میں بہ سلسلۂ علالت لکھنؤ میں عرصے تک رہا۔ کبھی کبھی اس نامہ سیاہ کو بھی توفیق دریاباد سے لکھنؤ کا سفر کرکے حاضری کی ملتی رہی۔ باہر کے ایک بزرگ نے، کہ وہ اہل دل بھی ہیں اور صاحب علم و صاحب تصانیف بھی، اور باوجود اسکے بھی کہنا چاہیے کہ گمنام ہی ہیں، فرطِ شفقت سے اسے توجہ دلائی کہ حاضری کا اہتمام زیادہ رکھنا چاہیے، اور جب کنواں خود اپنی جگہ سے چل کر پیاسے کے پاس آگیا ہے، تو اس سے پورا نفع حاصل کرنا چاہیے۔ جواب میں کچھ معذوریاں اور طول قیام لکھنؤ کی خرابیاں عرض کی گئیں۔ اس جواب کے جواب میں اُدھر سے جو کچھ ارشاد ہوا، وہ اس قابل ہے کہ اس میں ناظرینِ صدق کو بھی شریک کر لیا جائے:

"میرا مقصد یہ نہ تھا کہ آپ کے یہ مبارک اوقات بہترین شغل میں نہ گزرتے ہونگے۔ اسکا تو مجھے خود ہی خیال تھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ حضرت کے اس قرب سے انتفاع کی طرف آپ کی توجہ خاص طور پر مبذول کراؤں۔ اپنے خیال ناقص میں حضرت کا یہ سفر درحقیقت کسی اہم تربیت ہی کے لیے ہے۔ اس لیے بہ مقتضائے الطاف والا دل چاہا کہ جناب کی خدمت میں لکھنے کی جرأت کروں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ لکھنؤ دریاباد سے قریب ہونے کے باعث کسی خاص ہرج یا دقت کا موجب نہ ہوگا۔ لیکن جناب نے جو وہاں کے قیام خصوصی موقع اور کثرت احباب وغیرہ کی بنا پر ہرج کا تذکرہ فرمایا ہے تو یقیناً ہرج کا وجود ممکن ہے۔ البتہ حسب تائید ارشاد

کہ طول قیام میں اسکے منقصانات کے مقابلہ میں نفع کیا۔ صرف زیارت اور ملفوظات جو چھپے ہوئے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔" ابھی تک میری سمجھ میں نہ آیا۔ میرے نقطۂ خیال سے مقصود تو زیارت اور ملفوظات دونوں نہیں، بلکہ اصل مقصود صحبت ہے۔ اہل اللہ کی صحبت، اعمال کی پختگی، دین کی صلابت، ایمان کی حرارت وغیرہ میں ایک مستقل حیثیت اور اہمیت رکھتی ہے، جسکی نظیر صحابۂ کرام کا حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہنا ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ میں گو فرق زمین و آسمان سے بھی زائد کا ہو، لیکن نوع بہرحال ایک ہے اسکی سی اہمیت نہ ملفوظات کی ہے نہ خلوت کی۔ میں اصرار نہیں کرتا۔ آپ خود ہی اپنے قلب سے استفتاء کریں۔ استفت قلبک ولو افتاک المفتون۔ تفسیر بیان القرآن کے اوصاف جو آپ نے تحریر فرمائے بالکل صحیح ہیں۔ مجھے بھی بسا اوقات اس کی زیارت کی نوبت آتی رہتی ہے، لیکن اس سے اگر مستغنی رہنا تو انتفاع مولانا کے علوم سے ہوا، مولانا کی ذات یا قرب سے نہ ہوا۔ قرب مجلس میں آخر کوئی چیز تو ہے جس کی طرف واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم الخ میں اشارہ ہے، اور حضور اقدسؐ کا اس آیت پر یہ ارشاد کہ الحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرنی ان اصبر معہم۔ اور جب حضورؐ کا یہ عمل چھوٹوں اور غریبوں کے ساتھ تو اسکے عکس کو خیال فرمالیں۔"

زمانہ کے شدید فتنوں میں سے ایک فتنہ صحبت صالحین سے بے نیازی کا ہے۔ کتابوں سے اس میں شبہ نہیں کہ معلومات بہت سے حاصل ہو جاتے ہیں لیکن زندہ شخصیت کی تاثیر ہی کچھ اور ہے۔ پیر پرستی کی منزل سے یقیناً بچنا چاہیے لیکن بزرگوں کی صحبت سے بے نیازی بھی کچھ کم مہلک نہیں۔ اور عُجب، نخوت، خود رائی و خود بینی کا بت تو بغیر اسکے کسی طرح ٹوٹتا ہی نہیں۔

سائنس کی شہادت

"ابھی حال ہی کی بات ہے کہ سائنس کے یہ اصناف، بلکہ سائنس بہ حیثیت مجموعی خود ہی، انسان کا اپنے متعلق جو بلند خیال ہے اسکے بالکل مخالف معلوم ہوتی تھیں۔ انسان اس کائنات میں اپنا جو درجہ و مرتبہ سمجھ رہا تھا، سائنس جب دیکھیے تب، اس خیال کا جائزہ لیتا، اور انسان کی اس خوش خیالی کو صدمہ ہی پہونچا دیتا" (سائنٹفک پروگریس Scientific Progress ص۱۱)

برطانیہ کے مشہور و معروف سائنس دان اعظم سر جیمس جینس (James Jeans) نے کہا، اور کیا غلط کہا۔ انسان سمجھے ہوئے تھا کہ "زمین یعنی یہ زمین اپنی جگہ پر ساکن و قائم ہے، اور آفتاب ہے کہ اسکے گرد چکر لگا رہا ہے۔ سائنس نے اس خیال کو توڑ کر رکھ دیا۔ انسان سمجھ رہا تھا کہ میں اشرف المخلوقات ہوں، دوسرے حیوانات سب میرے خادم۔ ڈارون صاحب نے انیسویں صدی کے وسط میں سائنس کا نام لے کر کہا کہ یہ سب رشتہ دار حیوانات۔ انسان کی نوع بندروں سے الگ کب ہے، بندر ہی تو ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض سائنس کی ہر ترقی انسان کی خودداری کو دھکا ہی پہونچاتی چلی جا رہی تھی ——— لیکن اس سائنس دان اعظم نے آگے چل کر کہا:۔

"لیکن آج میں یہ بتاؤں گا کہ ادھر چند سال سے ہوا کا رُخ بالکل بدل گیا ہے۔ اور اب ہم اپنا درجہ کائنات میں اس سے کہیں برتر خیال کرنے کا حق رکھتے ہیں، جتنا وہ ایک پشت قبل سمجھ رہے تھے۔" (ص۱۳)

اور پھر تفصیل و تدقیق پیش کر کے مقالہ کے خاتمہ پر پھر کہا:۔

"اس صدی کے شروع تک سائنٹفک علوم اس نتیجہ تک پہونچنے پر انسان کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ اپنا درجہ و مرتبہ کائنات میں ادنیٰ اور گھٹیا سمجھے۔ لیکن اب تازہ ترین تحقیقات کے بعد کوئی قطعی رائے ظاہر کرنا تو ابھی مشکل ہے ... تاہم میرا تو یہی خیال ہے کہ ادھر چند سال میں ہوا کا رُخ بدل گیا ہے... انسان سمجھ رہا تھا کہ حق و باطل، بلندی و پستی کے درمیان میں خود انتخاب کر سکتا ہوں، وکٹوریہ کے عہد کے سائنس نے اس خیال کو جھٹلا دیا تھا... لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکذیب خود غلط تھی ...... اور انسان کا اپنی خود اختیاری سے متعلق جو خیال تھا وہی صحیح تھا۔" (ص۴۷، ۴۸)

کیا ارشاد ہو رہا ہے! سائنس زدہ دماغ جو انسان کی محض مادیت کا قائل، اور روحانیت کا منکر تھا، اور انسان کی حیثیت صرف اشرف الحیوانات کی قرار دے رہا تھا، کیا اب از سر نو قائل ہو رہا ہے اسکے خلیفۃ اللہ ہونے کا؟ ——— صدیوں تک بھٹکنے کے بعد کیا اب وقت آگیا ہے، کہ سائنس از سر نو کلمہ پڑھ کر تفسیر کرنے لگے ولقد کرمنا بنی آدم کی؟ اور لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی؟

رسول اکرمؐ ہندو نقطۂ نظر سے

عرصہ کی بات ہے، شاید شروع ۱۹۴۲ء کی، کہ صدق کے ایک شذرہ میں تعظیم حضرت رسالتؐ پر رسالۂ زمانہ (کانپور) سے ایک سطری نوٹ نقل ہوا تھا، اور یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اگر عام ہندو قوم بھی ایسی رواداری کے لیے تیار رہو، تو ہندو مسلم مناقشات کی گتھی ایک بڑی حد تک ابھی سلجھی جاتی ہے۔ اس شذرہ کو پڑھ کر ایک تعلیم یافتہ ہندو دوست کا خط اسی زمانہ میں موصول ہو گیا تھا۔ اشاعت کی نوبت آج آ رہی ہے:۔

"امر واقعہ ہے کہ ہندوؤں کو رسول مقبول کے مشن کو تسلیم کرنے میں ہرگز کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ خاتم النبیین ماننے سے ہم لوگ مذہباً مجبور ہیں۔ لیکن رسول کا پورا احترام کرنے میں ہمیشہ مستعد ہیں۔ انکی بہت سی باتیں ایسی ہیں جنکے قبول و منظور کرنے میں کسی کو کوئی وسوسہ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرت محمدؐ کے متعلق ایک مختصر رسالہ لکھ کر ایسا شائع کر دیں جس سے انکی دنیوی زندگی کا پورا نقشہ سامنے آ جائے، اور انکی خاص خاص

کاروانِ نمود!

(جہیز دیکھ کر)

(از جناب ابوالاسرار رمزی اٹاوی مقیم جودھپور)

(۱)

مضمحل ہو کر سمٹتا جا رہا ہے آفتاب — نیند سے بوجھل ہو جیسے ناخفتہ کی چشمِ خواب
سو چلی ہے رفتہ رفتہ شورشِ دنیائے دوں — جھٹپٹا برسا رہا ہے اپنے جادو کا سکوں
جلوہ گر ہیں کچھ جہیز سے متاع و مال کے — نفس نے پھندے بچھائے ہیں سنہرے جال کے
اک مسہری پر سجا ہے بستر کا مخمل وقار — جل رہی ہے زینتِ ہستی کی مصنوعی بہار
صف بہ صف رنگین تکیے، پشمینہ و زرنگار — جیسے رعنائی نشانوں میں ہو پریوں کی قطار
سرہانے، گرم شالیں، کہکشاں گوں ساریاں — جن میں ہیں سلمے ستارے کی تنک چنگاریاں
نازنیں منقش، دامن میں سنہری جھالریں — جھلملیں ٹنکی ہوں جیسے حلقۂ قندیل میں
نرم گدے، گدگدے قالین، خواب آور لحاف — میز، کرسی، کوچ، صوفے، ہر نشستیں پر ہے غلاف
جن میں تصویریں مناظر کی ہیں اور گلکاریاں — بعض میں اقوالِ مصرا، بعض میں مرغابیاں
قدِ آدم آئینہ، اک بھاری بھرکم پاندان — پیکداں، حقہ، سلیفچی، عطرداں اور مرتبان
مخمل و کمخاب سے زربفت اور اطلس کے تھان — کر رہا ہے تبصرہ ان پر ہر اک بوڑھا جوان
کانچ اور چینی کے ساغر، سونے چاندی کے گلاس — تشنگی کچھ جا رہی ایسا رنگ کا ہے انعکاس
فرش پر آراستہ ہیں شوخ و رخشندہ ظروف — چرخ کے صفحے پہ جیسے چاند تاروں کے حروف

بزمِ معراجِ فنا کے جگمگاتے شعبدات
خوشنما پروین کی صورت اک لگن میں زیورات

خوبصورت جانماز اک رحل سے لپٹی ہوئی — ہے برائے بہت وہ بھی پائینتی رکھی ہوئی
اک طرف ہے خوشنما جزدان میں قرآن بھی — تاکہ لوگوں کو یقیں ہو "ہیں یہ باایمان بھی"

ہر آرائش جیسے گلدان اور فانوس بھی — رسم کے گندے صنم خانے میں ہیں ناقوس بھی
استری، بجلی کے پنکھے، پاؤں کی سنگر مشین — پھول سے رومال، مغفار، چپلیں، بٹوے حسین
سینٹ، پوڈر، ویسلین، عینک، گھڑی، موزے، مباف — اک دکاں کھولی گئی ہے حکمِ قدرت کے خلاف
اس اثاثے کے سوا ہیں ساز و آلاتِ طرب — مرثیہ مذہب کا ہے تعزیہ ہے جس کا لقب
وائلن، طبلے کی جوڑی بھی، گراموفون بھی — رسم کی چوکھٹ پہ شرم و آبرو کا خون بھی

میں یہ منظر دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا
میری غیرت کا پسینہ اشک بن کر بہہ گیا

(۲)

یہ جہیز ابنائے حرص و آز کی تصویر ہے — جس کا ہر نقشِ جلی اسراف کی تفسیر ہے
خواب کے دھیمی مناظر کا طلسمی سلسلہ — یا مسلسل حسرتوں کا ایک جھوٹا قہقہہ
شوق کی گرمی سے بیہودہ رواجوں کا ابال — یا کفِ افسوس پہ آسودہ حالی کا اگال

ایک ناجائز نمائش شفقت و احساں کی ہے
برملا توہین گویا دخترِ انساں کی ہے!

---

(۳)

دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اک رنگیلا آدمی — جس کی آنکھوں میں افسردہ شرار زندگی
اس کے چہرے سے عیاں ہے غیر آسودہ فراغ — بتکدے میں مشتعل ہو جیسے بے روغن چراغ
قلب تیرہ، ذہن جہل پروردہ دماغ — سر میں شہرت کا جنوں ہے قرض کا سینے میں داغ

واے دولت کا جنازہ مفلسی کے دوش پر
کیوں نہیں گرتی ہے بجلی انکے عقل و ہوش پر

(۴)

اللہ اللہ یہ سجاوٹ، یہ غرور رائیگاں؟ — منزل فانی میں ان کا یہ مزین کارواں!
کس طرح دیتی ہے عبرت دعوت ادبار دیکھو! — آنے والی پستیوں کے دور سے آثار دیکھو!
اس بہارستاں میں اب بوئے خزاں پاتا ہوں میں — بطن مستقبل میں آسیب گراں پاتا ہوں میں
خطرۂ افلاس پوشیدہ یہاں پاتا ہوں میں — روح انساں کو شکار رہزناں پاتا ہوں میں

دوسروں کو جو دیا کرتے تھے درس سادگی
خود انہیں گھیرے ہوئے ہیں ظلمتیں اسراف کی!

سنگار کے زہریلے سامان

سنگار کے جو سامان آجکل رائج ہیں، اور عورتیں کریم اور پوڈر کی قسم کی جو چیزیں استعمال کر رہی ہیں، اُن میں شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو جس میں کوئی زہر قاتل شامل نہ ہو۔ ان میں سے بہت سی چیزوں میں سنکھیا جیسا تیز زہر داخل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سنگار کے یہ سب سامان صرف اس لیے استعمال کیے جاتے ہیں کہ صحت کی خرابی کا عیب چھپ جائے، اور چہرے کی زردی یا بے رونقی اور جھریوں پر پردہ پڑ جائے۔

لیکن یہ چیزیں زہریلی ہونے کی وجہ سے چہرہ کو سنوارنے کے بجائے جلد کو اذیت پہونچا کر اسے اور بھی اور بھی بگاڑ دیتی ہیں۔ بال اُڑانے والا مرکب بالوں کو اُس وقت تک دور نہیں کر سکتا جب تک چہرے کی ایک پرت کو بھی نہ اُڑا دے۔ خضاب جو بالوں کو لگتا ہے، لازمی طور پر سر کی جلد کو بھی نقصان پہونچاتا ہے۔ لبوں کے رنگ کی خواہش سے بہت سی عورتیں لب کے سرطان جیسے تکلیف دہ مرض میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ رخساروں پر جو پوڈر لگایا جاتا ہے وہ جلد کے مسامات کو بند کر دیتا ہے، اور مسامات کے بند ہو جانے سے بخارات خارج نہیں ہو سکتے اور جلد کے نیچے کی ان روغنی گلٹیوں کا عمل خراب ہو جاتا ہے جو جلد کو نزاکت اور ملاحت بخشتی ہیں، اور اس سے چہرے کی بے رونقی اور جھریوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عورتیں اسی سے بچنے کے لیے پوڈر اور کریم کی پناہ لیتی ہیں۔

چہرے کی شادابی کے لیے ان زہریلی اور نقصان پہونچانے والی چیزوں کے مقابلہ میں یہ تدبیر ہزار درجہ بہتر ہے کہ روزانہ رات کو سوتے وقت بیسن یا کسی لطیف اور ہلکے صابن سے منہ دھو کر خشک کرنے کے بعد روغن زیتون یا روغن بادام ملائم ہاتھ سے نرم چہرہ اور گردن پر [illegible]

(بقیہ صفحہ ۴)

اس جدید ماہنامہ کا مقصد اردو زبان کی ترقی اور اچھی کتابوں کی اشاعت ہے، اور اس مقصد کے لحاظ سے یہ پہلا نمبر خاصی حد تک کامیاب ہے۔ کتابوں کا تعارف، تصانیف پر تبصرے اچھے چھپے ہیں، اور بعض مصنفین کا بھی تعارف اچھا ہے۔ آئندہ نمبر امید ہے کہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہونگے۔ البتہ بعض تبصروں میں "تجدد" اور "روشن خیالی" اور "نئے ادب" کا رنگ اتنا نمایاں ہے کہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ رسالہ کے نگراں سرور صاحب (جامعی) اور نیز نیازی صاحب (جامعی) جیسے اسلامی دل و دماغ کے اشخاص ہیں۔

(۲) **پیغام صلح** تبلیغ نمبر ۲۲ صفحے - قیمت ۲ ر پتہ: احمدیہ بلڈنگس لاہور
"احمدیوں" کی لاہوری شاخ کا مشہور سہ روزہ ہے۔ سالانہ جلسہ کے موقع پر تبلیغ نمبر اسکا اسی آب و تاب اور انہیں خصوصیات کے ساتھ نکلا ہے جو اس کا معمول بندھ چکا ہے۔ کام کی باتیں ہم اہل سنت والجماعت بھی اس سے اخذ کر سکتے ہیں۔ اور اس مختصر سی جماعت کا جوش عمل تو بہرحال اپنے اندر ایک سبق اور بصیرت رکھتا ہے۔

نمبر ۳۸ دوشنبہ۔ ۲۲۔ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۹۔ فروری ۱۹۴۲ء جلد ۷

سچی باتیں

صوبۂ سرحد کی اسلامیت کے چرچے سُن سُن کر، اشتیاق اُسکی زیارت کا مدت سے تھا، لیکن نوبت کبھی لاہور تک بھی جانے کی نہ آئی تھی۔ عملی دشواریاں ہمیشہ حائل رہیں۔ اسلامیہ کالج پشاور کی دعوت نے اب کی کھینچ بلایا۔ شہر پشاور سے کابل، اور غزنی اونٹوں کے قافلے جاتے ہوے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ وہ شیرشاہ کی بنائی ہوئی سڑک، ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ تمدن کی یادگار، ابتک قائم و محفوظ ہے۔ اس پر جو قافلے چل رہے تھے، دس دس بارہ بارہ اونٹوں کی قطار، پہاڑی اونٹ قد میں چھوٹے لیکن بال دار، اور گردن کے نیچے کے بال سیاہ رنگ کے، انکے ساتھ کل دو دو چار چار محافظ۔ آزادی، سادگی، بیفکری، بے تکلفی، تندرستی کی تصویر، چوڑے سینے اور اُن پر پشاوری صدریاں۔ کوئی گاتا چلا جاتا ہے، کوئی گنگنا رہا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر موثر نظارہ پشاور اور سرحد کے درمیان کے راستہ کا! وہ میلوں کا لمبا چوڑا میدان، بیشمار شہیدوں کا قبرستان! وہ اسکے آگے پہاڑوں کی سنگی دیوار! آج بھی ان راستوں سے گزرنا دشوار، تو اُس وقت تو کیا کیفیت رہی ہوگی؟ ہمارے اسلاف واجداد، بوڑھے بھی، جوان بھی، خدا ہی بہتر جانتا ہے کتنی تعداد میں، انھیں پہاڑوں کو پھاندتے ہوے، انھیں پتھروں کو چیرتے ہوے اپنے وطن کی خوشحالی چھوڑ، یہاں آئے۔ ہزاروں یہیں مرگئے، کٹ گئے، کشت گئے!

جو بچ گئے، اُنھیں نے اس شرکستان میں سب سے پہلے توحید کی اذان دی۔ اس کفرستان میں سب سے پہلے روشنی پھیلائی۔ سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی۔ اللہ اللہ! کیا انکا جوش دینی ہوگا، اور کس غضب کی حرارتِ اسلامی! اس اجنبی سرزمین پر کون انکا استقبال کرنے والا تھا؟ بجز دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے، اور کس نے انکی پیشوائی کی ہوگی؟ کیسی کیسی مصیبتیں جھیل جھیل کر، کس کس طرح اپنی جانوں پر کھیل کھیل کر توحید کا چراغ وہ کفر وشرک کی تیز وتند آندھیوں میں روشن کر پائے ہونگے! اللہ کی بیشمار رحمتیں ان گمنام شہیدوں پر، ان بے نشان غازیوں پر، انکی ہمتوں پر، انکی جراتوں پر! ——— چشم تصور گھنٹوں انھیں منظروں کا مزہ لیتی رہی۔ دعائیں اُنکے حق میں ہر بُن مو سے نکلتی رہیں! ——— کوئی مناسبت ہم ۹۔۱۰ کروڑ کی آبادی اور مطمئن آبادی رکھنے والوں کو اُن چند ہزار پردیسیوں سے ہے؟

اور پھر پشاور کے ختم پر معاً بعد آزاد سرحدی علاقہ! قسمت نے وہاں بھی پہونچا دیا، اور وہاں کے خوش نصیب بسنے والوں کی بھی زیارت کرادی۔ یہ لاکھوں کی آبادی رکھنے والا، سیکڑوں میل کا لمبا چوڑا علاقہ، "جاہل" "ناخواندہ" "غیرمہذب" "نیم وحشی" جرگوں اور قبیلوں کا علاقہ، اورک زئی اور آفریدیوں کا وطن، بحمداللہ اس بیسویں صدی میں بھی "صاحب" اور "صاحب زادوں" دونوں کی غلامی سے آزاد ہے۔ یہاں بجلی روشنی یقیناً نہیں، اسپتال اور اسکول بے شبہہ یہاں قدم قدم پر نہیں، جبری تعلیم اور کونسل اور اسمبلی کی اصطلاحات سے بے شبہہ یہاں والوں کے کان نا آشنا ہیں۔ لیکن اللہ کی سرزمین کے اس وسیع خطہ میں اب بھی سال پر سال گزر جاتے ہیں، عمروں کی عمریں ختم ہو جاتی ہیں، نہ کوئی واقعہ حرام کاری کا پیش آتا ہے نہ شراب خواری کا۔ بینک یہاں کوئی قائم نہیں، سود لینا دینا

کوئی نہیں جانتا - جُوا یہاں حرام - لاٹری یہاں ممنوع - زمینداروں کے کارندے یہاں رعایا کو نہیں ستاتے، حکومت کے پیادے یہاں آ کر انکم ٹیکس اور واٹر ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس وصول کرنے نہیں آتے۔ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کا وجود یہاں والوں کی شرافت و [illegible] پر ایک داغ - ہر گھر بجائے خود ایک مہمان سرا - وکیلوں، بیرسٹروں، مختاروں کے قدوم میمنت لزوم سے ابھی تک یہ سرزمین پاک ہے سینما یہاں کوئی نہیں، تھیٹر یہاں کوئی نہیں۔ آبکاری کا محکمہ یہاں کوئی نہیں۔ بیسواؤں کی نوچ یہاں آباد نہیں - جعلی دستاویزیں بنانے اور ننگی تصویروں کی قدر کرنے کے فن سے یہاں کے لوگ نا آشنا - عورتوں کی طرف مجال نہیں کہ کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے - سب کی زندگی سادہ، مکانات سب کچے مٹی کے - دہری ملی سیمنٹ کا نام دینے والی، ہر بڑا مکان ایک قلعہ اور ہر قلعہ میں ایک مسجد - ہر متنفس مجاہد اور سپاہی گلے میں کارتوس کی پیٹی لباس کا ایک لازمی جزو ــــــ حجاز اور شام و فلسطین کے مقامات مقدس کا تو ذکر نہیں لیکن یہ آزاد مجاہدوں کی قابل صد رشک سرزمین بھی بجائے خود کچھ کم قابلِ زیارت نہیں!

میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد!

سر سید بطور تماشہ کے

حال میں خواجہ احمد عباس صاحب مشہور جرنلسٹ اور فلمی افسانہ نویس جو علیگڈھ کے اولڈ بوائے بھی ہیں، علیگڈھ تشریف لائے - یونین کے ایک جلسہ میں آپ نے اپنی تشریف آوری کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان دنوں "سر سید کی زندگی" کے نام سے ایک فلم تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ اس فلم کے دو حصے ہونگے - پہلا حصہ سر سید کی زندگی، مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے آپ کی جد و جہد، اور مدرسۃ العلوم کے قیام سے متعلق ہوگا - دوسرے حصہ میں یونیورسٹی کی موجودہ زندگی کے مختلف پہلو دکھائے جائیں گے - آپ نے طلبا سے اپیل کی کہ وہ اس فلم کو اپنا فلم سمجھیں اور اسکی تیاری میں مدد دیں۔ امید کی جاتی ہے کہ چار یا پانچ ہفتہ میں فلم مکمل ہو جائیگا اور سب سے پہلے علیگڈھ میں دکھایا جائیگا۔"

(مسلم یونیورسٹی گزٹ)

بیان کسی غیر کا نہیں، خود مسلم یونیورسٹی کے سرکاری جریدہ کا ہے - فلم کی تفصیلات معلوم نہیں کہ اس میں کس کس قسم کے منظر دکھائے جائینگے - لیکن بالفرض کوئی منظر بے حیائی کا نہ ہو، جب بھی فلم کو اس اسلامی درسگاہ میں داخل کرنا بجائے خود بہت زیادہ قابل غور ہے - وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر انشاء اللہ دونوں شریعت اسلامی کے قوانین کا پورا احترام کرنے والے ہیں، اور کورٹ کے ممبران میں تو مولانا سید سلیمان ندوی مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی جیسے متقی، اور مولانا عبد الماجد بدایونی جیسے پُر جوش علماء دین شامل ہیں، اور خود یونیورسٹی کے حدود کے اندر ایک مجلس اسلامیات ہے، اور سرکاری شعبۂ دینیات ہے، فلم سازوں نے قانونی نہ سہی کیا اخلاقی ضرورتہ بھی یونیورسٹی کے حکام اور ادارات متعلقہ سے منظوری حاصل کرنے کی نہیں سمجھی؟ ــــــ یہ فلم کا فتنہ ہے سخت، اور جس نے انگلی پکڑ لی ہو اسکے لیے پہنچا پکڑ لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہ جاتا!

دعوائے "تجدید" کا استقبال

مولانا مودودی کے آخری پرچۂ ترجمان کے بعد، اور اس سلسلہ میں حسب ذیل تحریریں مختلف اطراف سے موصول ہوئی ہیں:—

"آپ نے بھی آخر مولانا مودودی کے خلاف اعلان کر ہی دیا۔ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ - حاشا کہ ہم لوگوں کو بھی ان سے کوئی پرخاش نہیں، لیکن انھوں نے تو اب علانیہ تجدید کا دعویٰ کر دیا ہے - اسی کا ڈر مدت سے تھا" (ایک مشہور عالم و بزرگ قوم)

"مودودی صاحب تو اب کھُل کر آپ کے سامنے آگئے - میں تو اب بھی یہی کہونگا کہ "واذا مرّوا باللغو مرّوا کراما" پر عمل کیجیے"

(ایک نامور عالم)

"حیاتِ مودودی پر صدق میں تنقیدی مضامین آرہے ہیں لیکن خود جماعت کے اصول پر ابھی کوئی تنقید نظر سے نہیں گزری - نہ معلوم جماعت کے دو رسالے "دستور جماعت اسلامی" اور "جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع" ملاحظہ عالی میں آئے یا نہیں۔ دونوں میں بہت گڑبڑ ہے - اگر یہ دونوں رسالے ملاحظۂ عالی میں آئیں تو دستور، [illegible] اور اجتماع [illegible] ضرور ملاحظہ فرمائیں - یہ وہ مقام ہیں جن پر احقر نے مولانا ... کو توجہ دلائی ہے مع مختصر کلام کے، اور انکے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں خلاف شرع و اسلام درج ہیں۔ ملاحظہ فرمانے سے انکی حقیقت معلوم ہوگی"

(ایک عالم دین از اطراف سہارنپور)

انشائے اشرفی

صاحب شعر الہند، مولوی عبد السلام صاحب ندوی اردو کے ایک جانے پہچانے ہوئے صاحب نظر، نقاد اہل قلم ہیں۔ حال میں کانپور کی جامعہ ادبیہ کے سالانہ جلسہ کے صدر شعبۂ نثر ہوئے تھے۔ اپنے دلچسپ و قابل دید خطبۂ صدارت میں ایک موقع پر لکھتے ہیں:—

"موجودہ دور میں مولانا اشرف علی صاحب کا اصلاحی، اخلاقی اور صوفیانہ لٹریچر اردو زبان میں نثر کا نہایت پاکیزہ، مستند، صحیح اور اسکے ساتھ دلچسپ نمونہ ہے، اس لیے وہ صرف ایک صوفی منش عالم ہی نہیں ہیں، بلکہ اردو علم ادب کے بڑے خدمتگزار بھی ہیں"

یہ شاید سب سے پہلی آواز ہے جو حضرت مولانا تھانوی کی ادبی عظمت کے

وحجرزت میاں ... ہے۔ اور وہ بھی مولانا کے کسی مسترشد یا معتقد نہیں، بلکہ ایک بیحد الگ ' غیر جانبدار مبصر کی زبان سے نکلی ہے۔ مولوی عبدالسلام صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ اُنھوں نے اس جوہر کو پرکھ کر خود اپنی جوہر شناسی کا ثبوت دیا ؎

مادح خورشید مداح خود است
کیں دو چشمم روشن ونامرمداست!

دل میں یہ بات راقم سطور کے بھی عرصہ سے آرہی تھی، لیکن اسکے اظہار و تبیین کا شرف مولوی عبدالسلام صاحب کی قسمت میں تھا! مولانا کی شخصیت جس طرح طرح طرح کی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا شکار ہو کر رہ گئی ہے، ویسا ہی انکی اُردو تحریروں سے متعلق بھی یہ غلط خیال شہرت پا گیا ہے کہ وہ خشک و مغلق ہوتی ہیں۔ حالانکہ

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا!

جاننے والے جانتے ہیں کہ اُنکی بجز اُن تصانیف کے جو کسی علمی موضوع پر اہل علم ہی کے لیے لکھی گئی ہیں، باقی عام اُردو تحریروں کی زبان صاف صحیح، سلیس و شستہ ہوتی ہے، اور ایجاز و جامعیت الفاظ اُنکی عبارت میں اس درجہ ہوتا ہے کہ اُس پر اچھے اچھے لکھنے والوں کو رشک آجاتا ہے ——— وصل صاحب بلگرامی سابق ایڈیٹر مرقع وغیرہ، کہ ان کی ایک عمر ادبی خدمات میں گزری ہے اور مذاق سلیم اُنکا مسلم ہے، اور اب وہ آستانۂ اشرفی پر مقیم ہیں، کیا اچھا ہو اگر وہ اپنی عمر کا باقی حصہ مکتوبات اشرفی، نشات اشرفی و انشاء اشرفی وغیرہ مرتب کرنے کے لیے وقف کر دیں!

مفلس ہندوستان!

ہالی وڈ مشہور و معروف سینما کے ایکٹر اور ایکٹریس اس فاقہ زدہ دنیا میں کیا کچھ کما رہے ہیں، اسکا اندازہ کچھ آپ کو ہے؟ نہ ہو، تو ۱۹۳۸ء کے اعداد (۱۹۳۹ء کے نہیں، جبکہ جب جنگ خوب زور و شور سے جاری ہے) حسب ذیل ملاحظہ ہوں:-

چارلس لاٹن	۲۹،۰۴۲ پونڈ
کلاڈیٹ کوبرٹ (ایکٹرس)	۲۷،۵۱۹ ″
الابن سفے (ایکٹرس)	۳۵،۶۲ ″
ڈگلس فیئر بنیک	۴۰،۴۲۹ ″
بنگ کراسبائی	۶۲،۵۰۰ ″
جیمس کیگنی	۹۲،۰۵۳ ″
گیری کوپر	۱،۱۸،۵۱۶ ″

آمدنیوں کے اعداد سب پاؤنڈ کے طلائی سکہ میں ہیں، انھیں سوا تیرہ سے ضرب دیجیے، جب جا کر کہیں جا کر جا ذی کے چکتے پھسے دو پنے ہاتھ لگے! ——— گویا ان "خوش نصیبوں" کی صف میں جو سب سے ہیٹا ہے، اُسکی بھی آمدنی تقریباً ۴ لاکھ روپیہ سالانہ کی ہے، اور جو اونچے ہیں، وہ تو پندرہ پندرہ لاکھ سالانہ کی جائداد کے مالک ہیں!

چھوڑیے ان ہوشربا اعداد کو، کہ یہ ذکر ایسے ملک کا تھا، جس کے ہاں دولت گویا آسمان سے برستی رہتی ہے۔ اب غریب مفلس ملک ہندوستان کی طرف آیئے، جہاں کا اوسط آدمی فی کس ——— جانے دیجیے اس ذکر کو۔ خواہ مخواہ طبیعت بدمزہ کرنے سے کیا حاصل؟ ——— ہاں تو اپنے غریب و غربت زدہ ملک کے کچھ اعداد سن لیجیے:-

ایک مشہور فلم ایکٹر کی سالانہ آمدنی		۱۸،۰۰۰	روپیہ
دوسرے	″ ″	۱۸،۰۰۰	″
تیسرے	″ ″	۳۶،۰۰۰	″
چوتھے	″ ″	۴۰،۰۰۰	″
پانچویں	″ ″	۴۵،۰۰۰	″
ایک مشہور فلم ساز کی	″	۱،۰۰،۰۰۰	″
دوسرے	″ ″	۵،۰۰،۰۰۰	″

مشہور ایکٹرسوں کی آمدنیاں ۱۵ ہزار اور ۱۸ ہزار سالانہ سے لیکر ۳۰ ہزار تک ہیں۔ بلکہ ایک کی تو ۳۶ ہزار تک پہونچ چکی ہے! اور سینما کے ڈائرکٹروں کی آمدنیاں ۱۵ ہزار سے لیکر ۴۵ ہزار سالانہ تک ہیں! ——— یہ ہے غریب، مفلس، فاقہ کش ہندوستان!

جنگ کا کرم

"ہندوستان میں ریلوں کی سب سے پہلی اور بڑی ضرورت فوجی سامان کی نقل و حرکت کے لیے ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ سفر کے لیے حمل و نقل کے قدیم ذرائع مثلاً اونٹ گاڑی اور دیسی کشتیاں استعمال کی جائیں"۔

صوبہ سندھ کے گورنر صاحب نے سکھر ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایڈریس کے جواب میں ارشاد فرمایا! ——— سچ کہا جس نے کہا کہ دنیا میں کوئی شر آمیزش خیر سے خالی نہیں۔ ابھی چند روز پیشتر کوئی خیال بھی کر سکتا تھا، کہ ریل کے بجائے ہم کو ترغیب اونٹ گاڑی کی دی جائیگی! اور یہ ترغیب دلانے والے کوئی دقیانوسی مولوی ملّا نے نہیں، خود "صاحب" ہونگے، اور صاحبوں میں بھی لاٹ صاحب بہادر! ——— وہی "اونٹ گاڑی" جسکا تصور ہی سب "صاحبوں" اور "صاحب زدوں" کے لیے سرمایۂ صد تمسخر تھا! جنگ اگر چند سال اور قائم رہ گئی، تو دیکھنا ہے کہ تجدد کو اپنے کیسے کیسے زبردست مورچے چھوڑنے پڑتے ہیں!

پشاور

پشاور کی زیارت کا پہلی بار اتفاق ہوا۔ لکھنؤ سے میل پر بھی پشاور کا سفر ۳۰ گھنٹے کا ہے۔ یہ اُکتا دینے والی مدت ہے، لیکن لاہور اسٹیشن اور پھر اسکے بعد کے اسٹیشنوں پر محبت سے ملنے والوں نے بڑی حد تک دشواریوں کو آسانیوں میں بدل دیا۔ اور ان ملنے والوں میں بعض ایسے بھی تھے، جن سے کوئی سابق شناسائی کسی قسم کی بھی نہ تھی۔ اور خاص پشاور میں تو اسلامیہ کالج کے ناظم دینیات اور میرے میزبان اور داعی مولوی نور الحق صاحب ندوی نے تو پردیس کو وطن ہی بنا دیا تھا۔ مجلس اسلامیات کے سکریٹری محمد اسحق سرحدی، ماشاء اللہ ہر طرح صالح و سعید نوجوان ہیں۔ اُنھوں نے خاص عزیزداری کی سی خدمت کی۔ حافظ محمد عثمان صاحب (اُستاد ریاضی) اور کالج کے بعض دوسرے اساتذہ نے

بھی اپنے لطف وکرم سے ممنون کیا۔ شہر پشاور اسلامیہ کالج سے کئی میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں صاحبزادہ فضل صمدانی صاحب کا کتبخانہ ایک نادر چیز ہے اور بجائے خود اس قابل ہے کہ اہل علم اس کی زیارت کے لیے سفر کریں۔ صاحبزادہ صاحب خود بھی ایک صالح ومتقی بزرگ نظر آئے۔ شہر میں یہاں کے مشہور قومی کارکن پروفیسر حکیم عبدالجلیل ندوی اور انکے بھائی صاحبان اخلاق و مدارات کے پتلے ہیں۔ اسمبلی کے اسپیکر ملک خدا بخش صاحب جو شام کے جلسہ کے صدر بھی تھے، اور سیرۃ کمیٹی کے کارکن ارشد صاحب اور مرزا صاحب نے اپنی وسعت اخلاق سے دل کو موہ لیا۔ اب تک سنتے ہوتے تھے تو پشاوریوں اور سرحدیوں کی شان جلالی سے متعلق تھے، مشاہدہ اور ذاتی تجربہ تو انکی شان جمالی کا ہوا۔ اور "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"!

لاہور پشاور سے واپسی میں ۱۳-۱۴ گھنٹے کے لیے قیام لاہور میں بھی رہا۔ خواجہ عبدالواحد صاحب (سکرٹری ادارہ معارف اسلامیہ) نے پروگرام اس طرح مرتب کر دیا تھا، کہ اتنی قلیل مہلت میں بہت کچھ دیکھ لیا، اور بہت سے کرم فرماؤں سے ملاقات ہو گئی۔ اور اپنا تو سارا وقت ہی انھوں نے صبح تڑکے سے ایک رات تک مسافر نوازی ہی کے لیے وقف رکھا تھا۔ میزبانی تاج کمپنی کے منیجنگ ڈائرکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ تاج کمپنی کے کاروبار کا پھیلاؤ، انگریزی کارخانوں کی سی صفائی، نفاست، سلیقہ مندی دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں، اور شیخ صاحب کی خاطرداریاں تو لاہور بلائے دے رہی تھیں۔ خدا کرے تجربہ کے بعد انکا کاروباری اخلاق، انکے شخصی اخلاق کا ہموزن ثابت ہو۔ شیخ محمد اشرف صاحب مشہور انگریزی ناشر نے بھی بار بار سرافراز فرمایا۔ اللہ انکے کاروبار میں برکت عطا فرمائے، مسلمانوں کے ہاتھوں میں انگریزی کتابوں کا کام ہے ہی کہاں۔ ڈاکٹر برکت علی قریشی (وائس پرنسپل اسلامیہ کالج) کی مسافر نوازی کا شکریہ بغیر کسی سابق تعلق کے، دوپہر کے کھانے پر مدعو کر دیا۔ اور وہیں مولانا داؤد غزنوی مولانا مودودی وغیرہم سے بھی ملاقات کا لطف رہا۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب (پروفیسر گورنمنٹ کالج) سے ملاقات گو مختصر رہی، لیکن انکی طرف گرویدگی پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔ مولانا احمد علی صاحب (انجمن خدام الدین) سے عقیدت پہلے ہی سے تھی، شرف زیارت ابکی حاصل ہوا، آثار رشد وتقویٰ چہرہ سے بالکل عیاں ہیں۔ ملک حسیب احمد (ریڈیو پروگرام ڈائرکٹر) حفیظ ہوشیارپوری، اختر علی خاں کی محبت آمیز باتیں عرصہ تک یاد رہینگی۔ اقبال کے ندیم خاص چودھری محمد حسین ایم۔اے اپنی خوبیوں کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ نظر آئے۔ شاہی مسجد کی زیارت، مسجد مبارک، اور حضرت ہجویری کی زیارت، اور سب سے بڑھ کر موثر مزار اقبال کی زیارت رہی۔ جی میں بے اختیار آتا تھا کہ اس مرد مومن کی تربت سے لپٹ جایئے، چیخ چیخ کر رو دیجئے اور دیر تک اسی لحد کو بوسے دیتے جایئے۔ اللہ کی بیشمار رحمتیں نازل ہوں (دعا حاضر کے اس مصلح اعظم پر)۔ مولوی محمد علی صاحب (امیر جماعت احمدیہ) کی بھی گفتگو و حسن ملاقات سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ مولانا ظفر علیخاں مرحوم، مالک "منشا"، نذیر نیازی صاحب، غلام رشید صاحب ۔۔۔

دین وسیاست

(از مولانا ابو الحسن علی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

بہرحال جو دن یورپ میں ضروری طور پر آیا تھا، ترکی میں غیر ضروری طور پر سے آگیا۔ ۱۹۱۹ء کے انتخابات میں تو علم دین سے واقفیت رکھنے والے کچھ لوگ منتخب ہو گئے تھے اور انھوں نے تین سال تک قومی مجلس ملیہ میں دوسرے نمائندوں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا، مگر ۱۹۲۳ء کے انتخاب میں یہ لوگ میدان سے ہٹا دیے گئے اور پوری اسمبلی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جو اسلام کو کچھ بھی جانتا ہو۔ اسکے بعد راستہ صاف تھا۔ ۱۹۲۴ء میں سیاست اور مذہب کی تفریق پایۂ تکمیل کو پہونچا دی گئی۔ شیخ الاسلام کا عہدہ توڑ دیا گیا، اور امور مذہبی کا محکمہ وزیر اعظم کی ماتحتی میں دیدیا گیا۔ وزارت اوقاف توڑ دی گئی اور اسکا کام وزارت مالیات کے سپرد کر دیا گیا۔ جو مدارس مذہبی وزارت اوقاف کے ماتحت تھے وہ بند کر دیے گئے۔ ۱۹۲۵ء سے انتہا پسند عنصر غالب آگیا۔ اس نے تغیرات (تجدد پسندوں کی زبان میں "اصلاحات") کو سختی سے جاری کیا۔ ۱۹۲۶ء میں اسلامی قانون ترکوں کی زندگی کے ہر شعبہ سے خارج کر دیا گیا۔ تجارتی قانون جرمنی سے لیا گیا، فوجداری قانون اٹلی سے، اور دیوانی قانون سوئٹزرلینڈ سے۔ اب ترکوں کی وراثت تک شرعی طریقہ سے تقسیم نہیں ہوتی، اور انکا نکاح اور طلاق تک شریعت کی پابندی سے آزاد ہے۔ گویا کفار کی حکومت کے ماتحت جس حد تک شرع اسلامی کا نفاذ ہم ہندی غلاموں کی زندگی میں ہوتا ہے، "آزاد" ترکوں کی زندگی میں اتنا بھی نہیں ہوتا۔ ۱۹۲۸ء میں ایک قدم اور بڑھایا گیا، عربی رسم الخط موقوف کر کے ترکی زبان کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا گیا تاکہ ترکوں کا رشتہ اس تہذیب، ان خیالات، اس لٹریچر اور اس ماضی سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائے جس کا تعلق عربی رسم الخط کے ساتھ ہے۔ اسکے ساتھ اذان ترکی زبان میں جاری کی گئی، اور کوشش کی گئی کہ نماز بھی ترکی ہی میں ادا کی جائے۔ یہ یورپ کی تاریخ کا سبق تھا جو ترکی میں دہرایا گیا۔ جس طرح لوتھر کی تحریک کے بعد ہر قوم نے اپنا قومی چرچ الگ بنانا شروع کر دیا تھا اسی طرح ان نادان انقلابیوں نے چاہا کہ ترکی قوم بھی اپنا مذہب الگ بنا لے۔

خالدہ خانم اگرچہ خود بھی کچھ بہت صحیح الخیال مسلمہ نہیں ہیں، تاہم مذہب و ریاست کی اس تفریق کے متعلق انکی یہ رائے قابل ملاحظہ ہے:

"اس قانون پر کھلا ہوا اعتراض یہ ہے کہ اس نے ریاست کو مذہب کے سیاسی اثر سے آزاد کر دیا مگر مذہب کو ریاست کے سیاسی اثرات کا پابند بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ ابتدا میں مذہب و ریاست کی تفریق کے حامی تھے انھیں یہ امید تھی کہ مذہب آزاد ہو جائیگا، اس میں خالص روحانیت کی شان پیدا ہو جائیگی اور وہ پہلے کی طرح لوگوں کی اخلاقی تعلیم و تہذیب کا کام انجام دیگا، مگر نئے قانون کی رو سے ترکی میں عیسائی اور یہودی تو اپنے

مذہبی امور میں بالکل آزاد ہیں، اور مسلمانوں کا مذہب حکومت کا دست نگر ہے۔"

اب ان حرکتوں سے کون سمجھے گا کہ تم نے یہ حرکات کر کے کسقدر سخت نادانی کا ثبوت دیا ہے۔ تم نے صرف یہی نہیں ثابت کیا کہ تمھارے رہنماؤں میں کوئی قرآن اور سنت کا جاننے والا نہ تھا بلکہ یہ بھی ثابت کیا کہ تم میں کوئی یورپ کی تاریخ کو سمجھنے والا اور کوئی واقعات کے اندر حقیقی اسباب و علل کو دیکھنے والا بھی نہ تھا۔ تم میں کوئی اتنی سی بات سمجھنے والا بھی نہ تھا کہ یورپ نے تجربے سے جس مذہب کو انتظام دنیا کے نا قابل پایا وہ کبھی مذہب تھا ہی نہیں، نہ کہ وہ مذہب جس نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی قیادت میں دنیا کا بہترین نظام حکومت چلا کر دکھا دیا، تم میں کوئی دنیا کی تاریخ سے اور یورپ کی جدید ترین تاریخ سے اتنا سبق حاصل کرنے والا بھی نہ تھا کہ اخلاق و دیانت سے سیاست کا رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد صرف شیطنت، درندگی اور حیوانیت ہی باقی رہ جاتی ہے، جیسا کہ شاعر حکیم اقبال نے کہا ہے،

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

عورت کی فطرت

["ابتدائی خواتین کانفرنس (حیدرآباد) کے اس مطالبہ پر کہ خواتین بھی مجلس بلدیہ کی رکن نامزد ہوا کریں" معاصر "رہبر دکن" کا تبصرہ]

... بلاشبہ ہماری تعلیم یافتہ خواتین کا قوم کی صحت و آرام، اور شہر کی صفائی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلکہ بغیر انکے ان ضروری اور بنیادی امور کا تصور مشکل سے کیا جا سکتا ہے۔ مگر اسکی صورت یہ نہ ہونی چاہیے کہ خواتین گھروں کو چھوڑ کر ملکی اداروں میں بیٹھنے لگیں۔ عورتیں اپنے گھروں کو صاف رکھیں تو شہر کی صفائی کا کام پورا ہو جاتا ہے اور اہل بلدیہ کو صرف سڑکیں اور گلی کوچے ہی صاف کرنے میں زیادہ محنت نہیں اٹھانی پڑتی جتنی اب پڑ رہی ہے۔ اہل خاندان کی صحت کو درست رکھیں تو بلدیہ کو اتنے شفاخانے اور بیمار خانے کھولنے نہ پڑیں گے جتنے اب پڑ رہے ہیں، اگر وہ اپنے گھروں میں اپنی پوری توجہ کے ساتھ بچوں کی پرورش کرینگی اور انکی اچھی اٹھان کی حفاظت کرینگی تو ملک کو ایک طاقتور اور تندرست، خوش اخلاق اور مضبوط کردار قوم ملیگی جسکی عمرانی ترقیوں کو کوئی روکنا چاہے بھی تو نہیں روک سکیگا۔

لیکن اگر ہماری خواتین مغربی تحریک نسواں کے تحت گھروں سے نکل کر باہر کے اداروں کو چلانے کی کوشش کرینگی تو وہ اپنے آپ پر بھی ظلم کرینگی اور پوری قوم پر بھی۔ انکی خلقت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اگر انھیں کاموں کو وہ اپنے گھروں میں انجام دیں تو پوری قوم کے لیے وہ بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں لیکن اگر وہ انھیں کو گھر سے باہر انجام دینا چاہیں تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر اجڑ جاتے ہیں۔ رکن بلدیہ کی حیثیت سے شہر کی گلی کوچوں کی صفائی پر غور کرنے لگیں تو گھر کی صفائی نظر سے جاتی رہتی ہے۔ اطفال خانوں میں وہ دوسروں کے بچوں کی دیکھ بھال اور بیمار خانوں میں مریض نوع انسانی کی ہمدردی کرتی پھریں تو انکے اپنے بچوں کی نعمت ہی سے محروم رہیں گے یا پھر طفیلی سے کچھ نمودار ہو بھی تو انکی شخصی توجہ سے بہت دور رہیگی اور گھر کے بیماروں کا کوئی پرسان حال نہ رہے گا!

نہیں معلوم خواتین اپنی فطرت کو کب سمجھینگی۔ انسانی حیثیت سے وہ بلاشبہ مردوں ہی کی طرح ہیں، مگر انکی تخلیق علمائے حیاتیات و عضویات و نفسیات کی بموجب محض بقائے نسل کے لیے ہے۔ انکا یہ فطری فریضہ اور اس فریضہ کی ادائی کے مناسب ساخت انھیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ گھر سے باہر کے کاموں میں حصہ لیں اور اپنے آپ کو قوم کے لیے مفید بنا سکیں۔ گھر کے دائرۂ عمل سے قدم باہر رکھ کر وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ مردوں کو بھی بیکار کر دیتی ہیں۔ علمائے تاریخ تمدن کے پاس ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قوم کی عورتوں نے اپنے دائرۂ عمل کو چھوڑ کر کبھی بھی مردوں کے دائرۂ عمل میں قدم رکھا ہے وہ غالباً اس قوم کے آغاز انحطاط کا زمانہ تھا۔ بابلی و نینوائی، یونانی و رومانی، ایرانی و ہندستانی تمدنوں کے انحطاط کے آغاز میں یہی ہوا ہے۔ ایسی ہی کوکبی بروئے کار آ چکی ہیں جیسی کہ مغرب کی یہ تحریک نسواں ہے جسکی اب ہم تقلید کرنا چاہتے ہیں۔ اور مغرب کے حالات کا جائزہ لیکر کون نہیں قیاس کر سکتا کہ یہ انکے دور انحطاط کا آغاز ہے؟ خواتین کے گھر سے باہر آنے سے ایک یہی نہیں ہوتا کہ گھر اجڑ جاتے، پیدائش اولاد کی پروائی ہونے لگتی، اور گھروں سے باہر نکلنے والی قوم ضعیف و ناتواں ہوتی ہے، بلکہ معاشرت میں بکثرت برائیاں داخل ہو جاتی ہیں، معاشرہ بعض بہت ہی سخت قسم کے امراض سے لبریز جاتا ہے۔ جن سے آئندہ نسلیں ضعیف دماغ اور کمزور قویٰ لیے پیدا ہونے لگتی ہیں۔ خواتین کے دل سے محبت مادری اتنی دور ہو جاتی ہے کہ طفل کشی کی وارداتیں انھیں کے ہاتھوں ہونے لگتی ہیں! مختصر یہ کہ فطرتیں مسخ ہو جاتی ہیں۔ یہ باتیں ہم من گھڑت نہیں کہ رہے ہیں، مصنفات کے کثرت مغربی علما ہی نے جن میں موجودہ روسی اشتراکیت کے پیرو بھی شامل ہیں، اعداد و شمار کے ذریعے یہ چیزیں دکھائی گئی ہیں۔ کاش ہماری تعلیم یافتہ خواتین یہ کتابیں پڑھیں اور کتابوں کے نام اور پتے معلوم کرنا ہو تو ہم سے دریافت فرمالیں)۔ اور اگر بہر نوع انکی نیت فی الحقیقت کچھ اچھا کام ہی کرنا ہے تو موجودہ تحریک نسواں کی خرابیوں کو پیش نظر رکھے بغیر انکو نہ اختیار کریں۔ یہ ایک مصیبت خود انکے لیے بھی ہے اور نوع انسانی اور اسکے منظم ارتقا کے لیے بھی۔ موجودہ نسوانی تحریک لذت پرست ہے نا پیدا، لذتوں کے لیے وہ مادر کھیں نوع انسانی نہیں بنی ہے، اور کسی کام کی لذت مقصود بالذات نہیں ہے۔ اگر کھانے میں کوئی لذت ہے تو جسم کی پرورش کے لیے۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر محض لذت کے لیے کھایا جائے تو نقصان پہونچائیگا۔ یہی حال سارے لذتوں کا ہے۔ جو تمدن محض لذتوں کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے اور انکے مقصود...

سکے قائم ہونے کی صورت میں امت کا مجموعی فرض کفایہ اس منصب کے اقامت سے پورا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اس منصب کی اقامت کے لیے کئی مدعی سامنے آجائیں تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ شرعی فرض یہ ہے کہ پہلے کو چھوڑ کر ثانی منصب کی نفی کی جائے اسوقت تک کہ پہلے کا وجود خود شریعت کی حدود کو توڑنے سے یا موت سے نفی کی جائے۔ اب اس موقع پر خوف خدا کو سامنے رکھیے اور دیکھیے کہ کیا اپنی اپنی سہولت رہنے کے ماتحت ایک فرض کفایہ کو کھلونا بنا کر نئی نئی ٹولیاں قائم کرتے چلے جانا کس طرح خدا کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہو سکتا ہے یا اسکی نارضگی کا۔

(۴) راقم اپنے متعلق عرض کردے۔ راقم کو جب پہلے پہل ۱۹۳۶ء اس فرض کفایہ کا احساس ہوا تو نہایت بیتابی سے میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ کہیں کوئی جماعت ہو تو اس سے تعلق پیدا کر لیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بلا جماعت سے تعلق پیدا کیے ہی موت آجائے اور جاہلیت کی موت مروں۔ چنانچہ اپنی طبیعت سے بہت سا بُعد ہونے کے باوجود میں نے جماعت غرباء اہلحدیث سے صرف اسی خوف کے باعث فی الجملہ تعلق پیدا کیا۔ اس لیے کہ یہ لوگ پہلے اقامت کرنے والے تھے لیکن چونکہ اُنکے پھیل کر پوری امت پر حاوی ہو جانے یا امت کے سب مصالح اجتماعی کو سمجھ کر اُنکی مہیائی میں مصروف ہونے کا بہت زیادہ امکان نہیں تھا۔ اور چونکہ نئی نئی جماعتیں امارت و خلافت کے مقصد کے ماتحت اُٹھ رہی ہیں اس لیے میں نے جماعت کے امیر صاحب سے یہ اجازت چاہی کہ اسوقت پوری امت کے لیے اقامتِ امارت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو راقم وقتاً فوقتاً مختلف جماعتوں کو ایک یونٹ میں لے آنے کی سعی جاری رکھے۔ چنانچہ امیر موصوف نے اجازت دیدی۔ آپ نے راقم سے پوچھا ہے کہ تمہارے نزدیک کونسا طریق صحیح ہے۔ میری گزارش یہ ہے کہ شریعت سے معلوم کر لیا جائے کہ کس چیز کی کیا حیثیت ہے اور کیا حدود ہیں۔ اور پھر اپنی ذات کو پوری طرح ایک طرف کر کے اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ شریعت کیا کہتی ہے وہ راقم نے گزارش کر دیا ہے۔ راقم باوجود اسکے کہ اپنے اعمال و عواطف میں جدید ترین انسانوں ہی سے ہے اور پھر مولویت کے نظام سے بہت فاصلہ پر ہونے کے باوجود صرف ایک شرعی فرض کی بجا آوری کے لیے ایک ایسے مولویانہ طبقہ سے تعلق پیدا کیا کہ جس سے نفس کو کافی مجبور ہونا پڑا۔ مگر طبیعت آخر طبیعت ہے اور اسے شریعت کے تابع ہونا ہے۔

(۵) راقم نے آپ کو ڈاکٹر خیری کا کیوں حوالہ دیا۔ گزارش ہے کہ راقم اقامت امارت شرعی کی خواہش رکھنے والوں کے احساس کا اندازہ کرتے ہوئے اس اندازہ پر پہونچا ہے کہ انھیں اپنے اپنے رجحان کے ماتحت دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو مسئلہ کی ٹھوس شرعی حیثیت کو برقرار کرنے تک اپنے فرض کے حدود دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ مولویانہ وضع کے کہلائے جا سکتے ہیں۔ ایک وہ لوگ جو کسی خالص دینی [illegible] کی جدوجہد کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے لیے شرعی نظام کو عالم میں رائج کرنے کے لیے ساعی ہونے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ ایک قدرے اسٹیشنری طبقہ ہے اور ایک متحرک۔ مگر دونوں میں سے ایک کو بھی باطل کہنا دشوار ہے۔ لہذا مفید یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دائروں کے لیے ایک ایک نقطہ ماسکہ قرار دے کر اُنھیں اقامتِ خلافت کے فرض کفایہ کی طرف لایا جائے۔ اور آخر ایک ہی امیر کے ماتحت جمع کر دیا جائے۔

جدید رجحانات کے لوگوں میں راقم نے تین آدمیوں کا ذکر کیا تھا مولوی آزاد سبحانی صاحب، ڈاکٹر خیری صاحب اور مسٹر مودودی۔ مولوی آزاد سبحانی سے اسوقت تک فقیر کی متعدد ملاقاتیں ہو چکی ہیں، آج صبح جبکہ وہ کلکتہ میں عید اضحیٰ کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے ہوئے ہیں فقیر کی اُن سے پھر ملاقات ہوئی۔ فقیر نے اُن سے کہا کہ امارت کے مسئلہ میں پہلی آواز آپ کی ہے، اس لیے آپ کو آگے کرنے اور جو جدید جدید جماعتیں یوماً فیوماً اس مسئلہ کے لیے بروئے کار آ رہی ہیں اُنھیں ختم کرنا ضروری ہو رہا ہے۔ اُن نے طویل بات چیت کے بعد صاف کہدیا کہ میں کسی طرح اسکے لیے اب آگے بڑھنے کی اپنے میں ہمت نہیں پاتا۔ اسکے بعد ڈاکٹر خیری صاحب ہیں۔ فقیر نے اُن سے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ وہ اسکے لیے آمادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ چند سعادتمند نوجوانوں کو اُنکے گرد جمع کر دے کہ وہ اُنکی اعانت کر سکیں۔

پانچ نئی تحریکیں

(۱) سیالکوٹ سے "تحریک راشدہ" شروع ہوئی "تاکہ تمدن کی شب تاریک میں صبح صادق کا طلوع ہو اور شیطان کی اسلام دشمن طاقتوں کے مقابل جذباتِ صادق کی صف آرائی کی جائے" مرکز راشدہ سیالکوٹ سے پروگرام کے پمفلٹ شایع کیے جا رہے ہیں اور دردمندان اسلام کو بلایا جا رہا ہے کہ "وہ اخلاص سے رنگین ہوتے ہوئے دل ہاتھوں میں لیے میدان عمل میں آجائیں"۔

(۲) سیوہان سے "سلطستان اسکیم" عرف نجات ہند کی دعوت دی جا رہی ہے "اس اسکیم کی کتابیں ۲ حصوں میں تیار ہیں اور انکے بعد دیگرے شایع ہونگی" اور ان میں ثابت کیا جائیگا کہ "نجات ہند کا واحد مدلل اور مکمل و مستقل علاج سلطستان اسکیم ہے"۔

(۳) تلے گاؤں دسا سے تحریک جہاد کا علم بلند کیا گیا ہے۔ اور "دستور اساسی تحریک جہاد" مفت بھیجا جا رہا ہے۔ اور نوجوانان امت کو جو موجودہ انتخابات اور اسمبلیوں کی محدود اور مخدوش سیاست سے بیزار ہو کر خالص مجاہدانہ اسپرٹ میں قوم و ملت کے تحفظ و بقا کے واسطے اپنا فرض اولیں سمجھتے ہیں، دعوت دی گئی ہے کہ وہ دستور اساسی تحریک جہاد کا مطالعہ کریں۔

(۴) لاہور سے "جماعت اسلامی" کے قیام کی تحریک شروع ہوئی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ نئے سرے سے [illegible] بڑھ کر

بڑھ کر اس کی ذمہ داری ادا کرنے کا عہد کریں انکی ایک الگ جماعت بنائی جائے۔

(۵) راولپنڈی سے ایک تحریک تنظیم شروع ہوئی تھی جیکے بانی ایک دو پمفلٹ چھاپ کر قوم کی بے قدری اور بے ذوقی کا مرثیہ پڑھتے ہوئے اب خاموش ہوگئے ہیں۔

ان تحریکات کا کیا مطلب؟

جسی مسلمان کو دس بیس روپیہ ایک پمفلٹ چھاپنے کے لیے مل جاتے ہیں وہی ایک نئی تحریک کا بانی بن جاتا ہے۔ ایک کہتا ہے نماز سب کچھ ہے، دوسرا کہتا ہے کہ جہاد سب کچھ ہے۔ تیسرا کہتا ہے کہ تنظیم سب کچھ ہے حالانکہ نجات نہ صرف نماز میں ہے نہ صرف جہاد میں ہے نہ صرف تنظیم میں ہے بلکہ پورے اسلام میں ہے۔ ہمارے دوستوں کو غور کرنا چاہیے کہ نماز کا الگ، زکوٰۃ الگ، کلمۂ شہادت کا الگ اور جہاد کا الگ پروگرام شروع کرنا چاہیے یا پورے اسلام کا پروگرام جس میں یہ سب چیزیں شامل ہیں؟ (ایمان)

محمد علیؒ

(دسویں برسی کے موقع پر)

(از مولانا ظفر علی خاں)

دلکشی عند الوطن کی محمد علی سے تھی	رنگینی اس چمن کی محمد علی سے تھی
ذوق سلیم جسکے نہ سہ بھولتا نہیں	شیرینی اس سخن کی محمد علی سے تھی
ہیں زندہ جسکے عہد کہن کی روایتیں	رونق اس انجمن کی محمد علی سے تھی
اب تک لگی ہوئی جو کروروں دلوں میں ہے	بیتابی اس لگن کی محمد علی سے تھی
توحید کی رسن نے بتوں کو جکڑ دیا	اور تانت اس رسن کی محمد علی سے تھی
زنداں کو جس نے مطلع الانوار کر دیا	تابانی اس کرن کی محمد علی سے تھی
سر پر سپید [illegible]	آرائش اس کفن کی محمد علی سے تھی
اغیار کی گرفت سے اُمید مخلصی	شیخ اور برہمن کی محمد علی سے تھی
تو ہینکے اصول کی حرمت کے ساتھ ساتھ	ذلت ہر ایک دشمن کی محمد علی سے تھی!

غلط رواداری

ایک زمانہ میں ہندوستان کے اندر اُردو وہندی کا جھگڑا نہ تھا بلکہ فارسی اور ہندی کا جھگڑا تھا۔ اسے چکانے کے لیے یہ ترکیب ایجاد کی گئی کہ ہندو ہندی سے دستبرداری دے دیں اور مسلمان فارسی سے۔ اور دونوں مل کر مشترک زبان اُردو استعمال کریں۔ اس سمجھوتے پر دونوں قوموں کا عمل درآمد رہا کیونکہ اُردو دونوں کی مشترک زبان تھی۔

اسکے بعد انگریزی کا دور آیا اور اسکی برکت سے ہندی فارسی کا نہیں، اُردو ہندی کا جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہندوستان کی ملکی زبان ہندی ہے مسلمان کہتے ہیں کہ اُردو! زبان کے بارے میں کمزوری یہیں سے شروع ہوئی۔ کہ مسلمانوں نے ہندی کے مقابلہ پر اُردو کو پیش کر دیا۔ حالانکہ

سمجھوتے کے مطابق مقابلے پر فارسی کو پیش کرنا چاہیے تھا کیونکہ ابتدا میں بھی مقابلہ ہندی اور فارسی ہی کا تھا۔ ہندوؤں نے جب اس کمزوری کو محسوس کیا تو وہ اور آگے بڑھے اور مسلمان پیچھے ہٹتے رہے۔ اب حال یہ ہے کہ اگرچہ بعض مسلمان اُردو سے دستبردار نہیں ہوئے ہیں، مگر وہ ہندی کو بھی اُردو کے پہلو بہ پہلو جگہ دینے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ ہندو اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں اور وہ فارسی کو شکست دے کر اب اُردو کو بھی شکست دینا چاہتا ہے۔

اب ذرا مسلمانوں کی رواداری سے ہندوؤں کی غیر رواداری کا مقابلہ کرو۔ ابوہر میں ہندی ساہتیہ سمیلن کے اجلاس میں الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر جھا نے اُردو وہندی کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اُردو وہندی میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ دو محاورات اور اصطلاحات میں، اوزان اور تخیلات میں ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ انکا ماخول بھی مختلف ہے۔ اور جذبات میں تو انکا بعد المشرقین مسلم ہے"۔

دوسری طرف شمس العلماء علامہ تاجور کی وہ تقریر بھی ملاحظہ ہو جو لاہور کے ویسٹ اینڈ ہوٹل میں کی گئی ہے۔ شمس العلما نے فرمایا:

"ہندی اور اُردو میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے"۔

("ہندوستان ٹائمز" ۲۔ جنوری)

اگر یہ شکست خوردہ ذہنیت بدستور پرورش پاتی رہی تو مسلمانوں کی رواداری اُردو کے حق میں سم قاتل ثابت ہوگی۔ ہندو ہندی میں سخت ہوتا جا رہا ہے مسلمان کو چاہیے تھا کہ وہ فارسی پر جما رہتا۔ لیکن وہ تو اُردو پر بھی جمنا نہیں چاہتا۔ اور رواداری کی یہ شکل پیدا ہوگئی ہے کہ "اُردو اور ہندی میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے"۔ (زمزم)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ کرم سال آیندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے خریداری منظور نہ ہو تو جلد سے جلد دفتر کو اطلاع دے دیں ورنہ یکم مارچ ۱۹۴۲ء کو وی پی روانہ ہوگا۔ اس صورت میں آپ کا اور کا زیادہ خرچ بھی ہے اور وی پی کی واپسی کی صورت میں دفتر صدق کا خواہ مخواہ نقصان۔

خریدار ۲۳۹	ء ۳۰۰	ء ۳۷۶	ء ۴۷۹
ء ۴۸۲	ء ۶۰۲	ء ۶۰۳	ء ۶۰۶
ء ۷۶۲	ء ۷۹۷	ء ۹۷۱	ء ۹۸۳
ء ۹۷۵	ء ۹۷۷	ء ۹۸۱	ء ۷۰۶
ء ۹۸۹	۱۰۵۱	۸۷۵	(مہتمم صدق)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق واقع گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد

پتہ :- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب :- (حکیم) عبد القوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

ششماہی عہ

بیرون ہند سے سالانہ ششلنگ

قیمت فی پرچہ ار

صدق لکھنؤ

نمبر [illegible] دوشنبہ۔ ۲۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۶۔ فروری سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

عن عمر ابن الخطاب ان رجلا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اسمہ عبد اللہ وکان یلقب حمارًا وکان یضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد جلدہ فی الشراب فاتی بہ یوماً فامر بہ فجلد فقال رجل من القوم اللھم العنہ ما اکثر ما یؤتی بہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تلعنوہ فواللہ ما علمت الا انہ یحب اللہ ورسولہ -

(بخاری، کتاب الحدود)

عمرؓ ابن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ایک شخص کا نام عبد اللہ تھا، اور وہ "حمار" کے لقب سے مشہور تھے۔ اور وہ رسول اللہ صلعم کو ہنسایا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلعم انکو شراب نوشی کی علت میں کوڑے مار چکے تھے۔ وہ ایک دن رسول اللہ صلعم کی خدمت میں (پھر اسی شراب نوشی کے جرم میں) پیش کیے گئے۔ پس حضور نے انکے حکم دیا ان پر (اجراء حد کا) اس پر حاضرین میں سے ایک شخص بول اُٹھے اے اللہ تیری لعنت اس پر! کتنی دفعہ یہ اسی طرح پیشی میں آچکا ہے! (یعنی کتنی دفعہ اس پر حد جاری ہو چکی ہے اور پھر یہ اپنی عادت نہیں چھوڑتا!) تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نہیں اس پر لعنت نہ بھیجو، قسم اللہ کی مجھے علم ہے کہ یہ محبت رکھتا ہے اللہ اور اسکے رسول سے۔

روایت صحیح ترین کتاب حدیث کی ہے۔ مجرم قانون شریعت کے ایک سنگین جرم کا مجرم ہے۔ بار بار کا سزا یافتہ اور عادی مجرم ہے۔ (فتح الباری میں واقدی کے حوالہ سے ہے وکان قد اتی بہ فی الخمر مرارًا)۔ رسول اللہ کے سامنے بار بار پیش ہوتا ہے۔ آپ کے تائب ہونے کی امید اس سے بڑھ کر اذیت دینے والی چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس پر جب ایک صحابی (فتح الباری میں واقدی کے حوالہ سے روایت ہے کہ یہ صحابی خود حضرت عمرؓ تھے) قاعدہ کے لحاظ سے بالکل بجا طور پر ٹوکتے، اور بغض فی اللہ کے ماتحت اس مجرم پر اللہ کی لعنت پکار اُٹھتے ہیں، تو خود رسول اللہ صلعم اُن صحابی کی تائید و موافقت نہیں کرتے، اُلٹا اُنھیں کو روکتے ہیں، اُنکی تردید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اس مجرم کے دل میں اللہ اور رسول اللہ کی محبت موجود ہے! یہاں محض زبانی کلمۂ اسلام نہیں، دل میں محبت اللہ اور رسول کی، اور وہ بھی ایک گناہ کبیرہ کے عادی مرتکب کے دل میں! — سند اس سے بڑھکر قوی اور نص اس سے زیادہ صریح اور کیا ممکن ہے؟ یہاں تک کہ خود امام بخاریؒ، جیسے فقیہ جس باب کے تحت میں اسے لائے ہیں، خود اسکا عنوان رکھا ہے، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر۔ اب اس مضمون میں کہ شرابی کو لعنت کرنا مکروہ ہے انہ لیس بخارج من الملۃ۔ اور وہ ملت سے خارج نہیں ہو جاتا ۔۔۔

عنوان باب کا دوسرا جزو خوب دھیان میں رہے۔ انہ لیس بخارج من الملۃ۔ شراب پینا یقیناً گناہِ کبیرہ ہے، قابل تعزیر ہے۔ مجرم کے لیے دُنیا میں سزائیں ہیں، آخرت میں عذاب ہے۔ لیکن اسکے باوجود مجرم گنا ہگار ہی رہتا ہے، دائرۂ ملت سے خارج نہیں ہو جاتا — یہی اصل نکتہ ہے۔ اسی لیے امام بخاری اس حدیث کو لائے ہیں — اس حقیقت کو سامنے رکھیے، اس نص کو یاد رکھیے۔ اور پھر [illegible] کے اس فتوے پر غور کیجیے، کہ جو عملی کمزوریوں میں گھرے ہوئے ہیں، جو اعمال کی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں، وہ صرف نام کے مسلمان، اور محض موروثی یا پیدایشی مسلمان ہیں۔ ورنہ عملاً اُن میں اور نا مسلموں میں کوئی فرق ہی نہیں —— اعمال میں غفلت، تساہل کا علاج یقیناً ہونا چاہیے، اعمالِ ناسقانہ کی اصلاح قطعاً ضروری ہے لیکن داغ دھبوں کے دھونے میں اتنا غلو تو بہرحال نہ ہو، کہ دھبا رہے کپڑے نہ کپڑا باقی!

مشہور ہے کہ ان میں سے کوئی چیز انھیں علماء سے ناممکن سمجھ دیجیے اسکے لیے کافی نہیں۔ کہیں کہیں وہ باتیں دقیق بھی کہ جاتے ہیں (اور یہ تنہا انھیں کی خصوصیت نہیں، بہت سے اوسط درجہ کے اہل قلم بھی انکے شریک بہیم اس حیثیت سے نظر آ جائیںگے) لیکن اکثر انکی نظر دین کے حقائق پر دقائق پر، غواصی پر، اصل روح پر نہیں جاتی، صرف سطح پر رک جاتی ہے۔ اور انھیں طبیعات کو اس زیبا شک نہیں کہ وہ بیسویں صدی کی سیزرین بولی میں ادا کر دیتے ہیں۔ دین کی خدمت یہ بھی پر اپنے درجہ اور حد کے اندر یقیناً بہت بڑی خدمت ہے۔ انکی خدمات کی ناقدری اور تحقیر ہرگز منظور نہیں۔ خدا جانے کتنے اللہ کے بھٹکے ہوئے بندے انکے ذریعہ سے راہ ہدایت پا گئے، اسلام کے دائرہ سے باہر قدم نکال کر پھر اسکے اندر واپس آ گئے۔ لیکن ایک بار پھر سمجھ لیجیے کہ انکے اس خدمت و فضل میں بھی بہت سے گمراہ و غلط رو شریک ہیں۔ جیسا گمراہ و غلط رو کی گمراہی کے بھی تو اثر مرتب ہوتے ہیں، جس طرح تاریکی پیدا ہو جاتی ہیں۔ کتنی ذاتی کے اندھیرے، کھیپ والوں کو یقیناً سرسید اور محمد علی لاہوری کی لاشیں تعریفات سے خالی سلگتی ہیں بکمال بھلی ہیں۔ لیکن قرآن کے نور کے سامنے یہ ٹمٹماتی موتی لا شیء نہیں، گھٹتے گھٹتے بھی سے بندے اور بجلی کے بلوریں قمقمے بھی بے نور ہی رہ جائیںگے۔

"تجدید" کو گمراہی سمجھنا اسی سبب زیبا قرار دے رہا ہوں۔ ترجمان میں انکا مضمون انکا "تجدید و احیائے دین" والا مضمون ذرا غور سے پڑھیے۔ ایک جگہ نہیں، متعدد جگہ کس جسارت اور بیباکی سے وہ ان اکابر دین کو ٹھکراتے چلے گئے ہیں، جنکی پوری پوری عمریں، تقویٰ و تدین کی پوری سربلندیوں کے ساتھ، مسائل دین کی تحقیق کی نذر ہو چکی تھیں، اور جو جز بیانات دینیات میں ہر فن کی حیثیت رکھتے تھے، اور رکھتے ہیں۔ اور یہ جسارت محض اس لیے ہوئی کہ کتنے وہ آیہ بیسویں صدی کی زبان میں نہیں، صدیوں قبل کی زبان میں ہیں! تفہیمات تو چھوڑیے، ترجمان کے شذرات و مضامین میں قرآن مجید کی تفسیریں اب جیسا مجددانہ و مجتہدانہ انداز میں ہونے لگی ہیں، اسکے بعد فرق "مودودی" اور "مشرقی" کے درمیان، تجدید و تجدید کے درمیان تو شاید خود بخود ہی باقی رہ جاتا ہے!

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اسکو پر تیر قضا سمجھے

جسے قبل اس ساڑھے تیرہ سو برس میں کون کہہ سکتا تھا کہ یا ایہا الذین آمنوا اذا ضربتم فی الارض فتبینوا الخ سے مراد یہ لی جائیگی کہ لوگوں کے دعویٰ اسلام کو کافی نہ سمجھو بلکہ انکے خوب امتحان لیا کرو! اور ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا سے استنباط کیا جائیگا کہ سمع، بصر و فواد سے مراد علوم حاضرہ اور یورپ کے علوم مادی ہیں! اور مسلمان جو آج منصب "امامت" سے محروم ہو گئے ہیں وہ اس لیے کہ یورپ کی طرح سمع و بصر و فواد سے کام نہیں لیتے! پھر آپ فرمائیے کہ آخر اس میں اور "مشرقی" کے بلند بانگ اصول عشرہ ترقی میں کیا فرق ہے؟ ——— تجدید کے سفر کی منزل آپ سمجھے کیا ہے؟ ایک جدید فقہ کا مجموعہ، ایک جدید نظام حدیث! ایک جدید تفسیر قرآن!

میں وثوق سے مودودی صاحب اب بھی مجھ سے ہیں اور یہ خیال انتظام وقت اور صوبہ وار اور شہر وار اور قوں کا آغوں سلسلہ بیسویں صدی کے مزاج کے ٹھیک مطابق بنا لیا ہے، اسکے بعد اب انکی اصلاح دشوار سے دشوار ہو گئی ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں دل پھیر دینا تو ہر وقت ہے لیکن نفس بشری کے عام طریق کا اقتضاء کر سکے اور خود انکی ذہنیت کا مخصوص لحاظ رکھ سکے اب انکی کوئی توقع نہیں۔

وہ اس بلند سطح سے آل انڈیا لیڈری کی اس سنت، قرآن اور دین کے عام مبلغوں کی صف میں آنا گوارا کرینگے۔ فضا یقیناً انکے موافق ہے، انکے سلسلہ کو مقبولیت حاصل ہوتی جائیگی، جیسا کہ اس سے قبل پنجاب سے چلی ہوئی متعدد تحریکوں کو حاصل ہو چکی ہے ——— مرزا صاحب قادیانی کی تحریک کو عرصہ ہوا، اور "علامہ مشرقی" کی تحریک کو حال میں ——— ایک مستقل پارٹی یقیناً مودودی صاحب کا بھی بن جائیگا، جیسا کہ اب بھی بننا شروع ہو گیا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ بڑے مخلص اور نیک نیت لوگ بھی اس میں شریک ہو جائیں گے، جیسا کہ اب بھی بعض شریک ہیں، اور ایک اسی تحریک پر کیا موقوف ہے، ہر چھوٹی بڑی تحریک میں، ہر زمانہ میں شریک ہوتے رہے ہیں۔

مودودی صاحب کو اپنے متعلق حسن ظن یہ قائم ہو گیا کہ وہ شریعت کے اصل مزاج کو پہچان گئے ہیں، اور اس لیے انھیں اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ جس مسئلہ کو جس طرح چاہیں تعبیر کر دیں۔ آہ! کہ کتنے ہونہار اور اچھی صلاحیت رکھنے والے اللہ کے بندے اپنے متعلق ایسے ہی حسن ظن میں مبتلا ہو کر کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں، اور خدا معلوم کیسے کیسے دعوے کر بیٹھے ہیں! امت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ میں تو ایسے مدعیوں کی عبرتناک مثالوں سے بھری پڑی ہے

حیف است دیں خواندہ ایم کبر را ——— بگردد در خویشتن نفس را کبر را
حیف است دیں راندانستہ وحیرت ——— کو زان آتش جانِ اخضر ست

مرزا صاحب قادیانی کے باب میں ایک معتبر ذریعہ سے مجھے روایت پہنچی ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے، کہ اس شخص کو کوئی اچھا ہادی یا مصلح نہ ملا، اور یہ عجب نفس میں مبتلا ہو کر بھٹک گیا ——— میں نہیں کہتا کہ ہمارے مودودی صاحب ٹھیک اسی منزل پر پہنچ گئے ہیں، لیکن دعوائے "تجدید" کے بعد تیور تو ضرور کچھ ایسے ہی نظر آ رہے ہیں۔ اور صوفی شاہ نذیر احمد (جنکی آتش بیانیوں کی شکایت آپ کی طرح مجھے بھی ہے) کے دوسرے کشف چاہے جیسے ہی بے سر و پا ہوں، لیکن خاص اس معاملے میں تو انکے کشف یا پیش بینی کو بالکل بے اصل کہنا تو مشکل ہی ہے ———

مودودی صاحب نے اپنے ہر مخالف "معترض" ہی کو نہیں، بلکہ اپنے ہر ہمدرد و معتقد ناقد کو بھی جس شدید لب و لہجہ میں مخاطب کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے، اور اسکی تردید نہیں، تضحیک اپنی روش ٹھہرا لی ہے، اور جیسکے نمونے ترجمان میں بکثرت مل رہے ہیں، اس سے "انکا" پولرسائیکالوجی" (عوام کی نفسیات) کا بہت بڑا نبض شناس ہونا یقیناً ثابت ہو رہا ہے۔ میں انکے اس کمال فن کی داد دیتا ہوں۔ مشرقی صاحب بھی اس فن کے ماہر استاد ہیں۔ البتہ ہنسی اس پر آ رہی ہے کہ ابھی کل تک مودودی صاحب خود ہی اس حربے کے ہرف تھے، اور آج یہی حربہ اٹھا کر وہ دوسروں پر اپنے زور بازو کی مشق...

(بقیہ صفحہ ۹)

کر رہے ہیں!

مجدد بننے کے لیے سب سے پہلے اور سب سے آخری بھی) شرط تقویٰ اور رسوخ فی الدین کی ہے۔ اور اسکے لیے کتب بینی سے مقدم صحبت شیخ ہے۔ "شیخ" اصطلاحی معنی میں نہیں، یعنی رسمی مریدی اور رواجی بیعت کی ضرورت ہرگز نہیں، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک مسلسل، یا متفرق طور پر بار بار استفادۃً حاضری دے کر، وقت کے کاملین سے، عارفین سے، راسخین سے دینی تصلب اور ایمانی رسوخ حاصل کیا جائے۔ مضمون نگار سخت ہمدردی کے قابل ہے وہ مدعی تجدید، جو اپنے کو اس ضرورت سے مستغنی سمجھ لے! دل کے چور، بلا کسی مصلح کی نظر التفات کے، آج تک نہ پکڑے گئے ہیں، نہ آئندہ امید ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ!

مودودی صاحب کے خزانۂ عامرہ میں اور بیشمار جوہر ہوں، اس "شکستگی" کا قحط ہے۔ اور اگر ان میں کچھ تھوڑے بہت شرارے تواضع و انکسار کے موجود بھی ہیں، تو کم از کم انھیں پبلک میں لانا تو وہ مصالح تحریک کے منافی ہی سمجھتے ہیں، جیسا کہ پچھلے ترجمان سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا

گر گدا بھی اسکو آ جائے ہے تو شرما جائے ہے!

باقی اپنے اس نیاز مند پر جو کرم انھوں نے پچھلے ترجمان میں کیا ہے (۱۹۶ کے وسط سے ۱۹۶۱ کے آخر تک)، اسکے کچھ جوابات تو صدق میں نکل چکے ہیں، لیکن اصلی سوال، جواب تو ان شاء اللہ میدان حشر ہی میں ہوگا۔ سٹیفنٹ آپ کا اور انکا یہ نیاز مند ہوگا، اور مولانا کو اپنے لکھے ہوئے ایک ایک فقرہ کو ثابت کرنا ہوگا۔

صوفی نذیر احمد غریب کی جان بھی عجب مصیبت میں ہے۔ وہ پرائیوٹ خط مولانا کو لکھے، تو جواب ملتا ہے کہ اخبار میں لکھو، صدق میں لکھو اور جب وہ صدق میں لکھتا ہے تو مولانا کا قلم آتش رقم خود صدق کی خبر لے ڈالتا ہے!

—— ستمبر کی فائل اٹھا کر دیکھیے، آپ کو مولانا ہی کا ایک بڑا مراسلہ مع ایڈیٹر نوٹ کے صدق میں چھپا ہوا ملیگا، اور اسکے بعد سے بھی صدق کے صفحات پر اسکے جوابات کیسے کھلے ہوئے تھے —— جماعت کا لیڈر اور قائد بن جانے کے بعد تو انسان کو خدا معلوم کیا کچھ سننا پڑتا ہے۔ ضرورت قدم قدم پر بڑے ظرف کی، بڑے تحمل کی پڑتی ہے، جہاں یہ حال کہ پہلے ہی امتحان میں چہرہ غصہ سے لال لال!

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق
تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق!

خط نے مضمون کی طوالت اختیار کر لی، اور پھر بھی بات پوری ختم نہ ہو پائی۔ خیر اب اسوقت تو اجازت ہی دیجیے! والسلام۔

(بقیہ صفحہ ۳)

علیگڈھ اور محمد علی

مدیر صدق کی سرخی: —

محمد علی کی یاد محمد علی کے وطن میں!

کچھ اس سرخی پر بھی غور فرمائیے کہ "محمد علی کی یاد علیگڈھ میں!" (پیام)

لیکن اس مصرعۂ طرح پر طبع آزمائی کی گنجائش ہی اب ہم نیاز مندوں کے لیے کہاں باقی رہ گئی ہے؟ مراد آباد کے ایک خوش فکر نے، ایک غزل کیسی، زبردست دو غزلہ، سہ غزلہ، کو کہہ کر سارے حقوق تصنیف اپنے لیے محفوظ جو کر لیے ہیں!

سرکاری کتاب خانہ (اسٹیٹ لائبریری) رامپور

(۱۸ دسمبر ۱۹۶۱ء کو مدیر صدق نے اپنے حسب ذیل تاثرات کتابخانۂ مذکور کی کتاب معائنہ پر ثبت کیے)

سچ کہا جس نے رامپور کو "بلی یاد: دارالسرور" کہا۔ سرور حسّی کے نشان شہر کے چپہ چپہ پر، سرور معنوی کا مرکز کتبخانہ! مدتوں کوئی یہاں رہے اور دل نہ اکتائے، طبیعت اس سدا بہار گلشن سے روز ایک نیا لطف اٹھائے۔

کتاب خانے ہندوستان میں اور بھی اچھے اچھے ہیں۔ لیکن یہ اپنے رنگ میں نرالا، اکثر سے افضل و اعلیٰ۔ "بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری"۔ آج پہلی بار نہیں، ۱۹۱۹ء سے لیکر اب تک متعدد بار اسکا استفادہ کیا، اور ہر بار یہاں سے کچھ حاصل ہی کرکے گیا۔

مولانائے رومؒ کے ملفوظات "فیہ ما فیہ" کا قلمی نسخہ سب سے اول اسی کتبخانہ میں نظر سے گزرا۔ اور اسی کی نقل لیکر ہندوستان اور استنبول کے بعض نسخوں سے مقابلہ کرکے اس بے علم نے شایع کیا۔

پہلے بھی یہاں کے کارکن مولوی حافظ احمد علی خاں مرحوم اور مہدی علی خاں مرحوم وغیرہ بڑے مخلص، مستعد و کارگزار رہے اور اب تو انتظام فرشتوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک "عرشی" کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ اب پوچھنا ہی کیا ہے!

بہت بہتر ہو اور کتبخانہ کی حیثیت افادی بہت زائد بڑھ جائے، اگر یہاں کے نوادر رفتہ رفتہ ایڈٹ ہو کر شایع بھی ہوتے رہیں۔ نوادر سے صرف مخطوطات ہی نہیں، عربی، فارسی، اردو کی پچاسوں قابل قدر کتابیں مطبوعہ ہونے کے باوجود بھی اب نوادر کے حکم میں داخل ہیں، انکی ترتیب، تہذیب، تحشیہ، طبع و اشاعت کا بہترین انتظام رامپور ہی جیسی علم دوست ریاست اور علم و ادب کی قدردان سرکار کر سکتی ہے۔

اسوقت اس عاجز کے فہم ناقص میں سہیلی اندلسی (متوفی ۵۸۱ھ) کی التعریف والاعلام فی ما ابہم فی القرآن من الاسماء والاعلام تو ضرور اس قابل ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کا انتخاب ناظم صاحب کتبخانہ ملک کے دوسرے اہل علم و اہل ذوق کے مشورہ سے کرسکتے ہیں۔ نفع جاری کی یہ بہترین شکل ہو سکتی ہے —— نفع عام بھی اور نفع تام بھی۔ ملک اور بیرون ملک کے ممتاز اور علمی [illegible] بھی اگر کتبخانہ کے کسی حصہ میں بیٹھے ہوئے ملیں تو بے محل نہ ہونگے۔

شیخ شوکت حسین نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

سچی باتیں

صبح اسامہ بن زید یقول بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الحرقۃ فصبحنا القوم فہزمناہم ولحقت انا ورجل من الانصار رجلا منہم۔ فلما غشیناہ قال لا الٰہ الا اللہ۔ فکف الانصاری فطعنتہ برمحی حتی قتلتہ۔ فلما قدمنا بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا اسامۃ اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ قلت کان متعوذا فما زال یکررہا حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذلک الیوم (بخاری۔ اب بعث النبی اسامۃ الی الحرقات -م)

اُسامہ بن زیدؓ صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو قبیلۂ حرقہ (جن کے متعلق یہ اطلاع آئی تھی کہ انھوں نے اپنے مخالفین کو جلا جلا کر مار ڈالا تھا) کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ تو صبح کے وقت ہم اُنکے مقابل ہوگئے اور ہم نے انھیں شکست دیدی۔ اور خود میرا اور میرے ساتھ کے ایک انصاری کا مقابلہ غنیم کے ایک شخص سے ہوگیا۔ جب ہم نے اسے گھیر لیا، تو وہ لگا کہنے لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر وہ انصاری تو رُک گئے۔ لیکن میں نے اپنے نیزہ سے وار کرکے اُسے ختم ہی کر دیا۔ پھر جب ہم لوگ (مدینہ) واپس آگئے، تو یہ خبر رسول اللہ صلعم کو پہونچی۔ آپ نے فرمایا کہ اے اسامہ، کیا تو نے اُسے اسکے بعد بھی قتل کر دیا، جب وہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پڑھ چکا تھا؟ میں نے کہا کہ حضرت اُس نے تو جان بچانے کو یہ کلمہ پڑھ دیا تھا! (دل سے وہ ایمان لایا ہی کب تھا؟)۔ لیکن آپ برابر اسی فقرہ کو دوہراتے رہے، یہاں تک کہ میں (فرط حسرت و ندامت سے اپنے دل میں) یہ کہنے لگا کہ کاش میں مسلمان آج سے قبل نہ ہوا ہوتا! (یعنی آج ہی مسلمان ہوا ہوتا تو اس شدید معصیت سے بچ گیا ہوتا)۔

واقعہ رمضان ۸ھ ہجری کا ہے۔ اور ہر مسلمان کے دل کو لرزا دینے کے لیے کافی۔ صحابی نے جو کچھ کیا، ہم ظاہربینوں کی نظر سے بالکل صحیح کیا تھا۔ ہم میں سے جو ہوتا یہی کرتا۔ یعنی اپنی جان جاتے دیکھ کر مشرک اور دشمن کا، چند مختصر لفظوں کا زبان سے ادا کر دینا، ہماری عقلوں کے لحاظ سے، کھلی بات ہے کہ جان بچانے کے لیے تھا۔ لیکن صحابی کا یہ کھلا ہوا عذر بھی اللہ اور رسول کے دربار میں قبول نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلعم بار بار اپنے شدت ملال و ناگواری کا فقرہ دوہراتے جاتے ہیں۔ اور بعض روایتوں میں تو اسکے ساتھ یہ فقرہ بھی ہے

کیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا اتتک یوم القیامۃ؟	جس وقت قیامت کے دن وہ شخص لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ آئیگا، تو تو کیا کریگا، تیرے پاس کیا جواب ہوگا؟

صحابی لرزکر درخواست کرتے ہیں، کہ حضرت اب تو قصور ہو ہی چکا، اب آپ ہی

قال یا رسول اللہ استغفرلی	میری بخشش کی دعا فرمائیں۔

رحمت عالمؐ دعا نہیں فرماتے، بلکہ وہی فقرہ دُہرائے جاتے ہیں، کہ تو کیا کریگا۔

قال فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ فجعل لا یزیدہ علی ذٰلک۔	کیا جواب دیگا، جب قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ کا دعوٰی پیش ہوگا؟

اور روایت کی یہ زیادت تو مشہور چلی آرہی ہے کہ تو نے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم؟ معلوم ہو جاتا کہ اقرار دل سے ہے یا محض زبان سے۔

اللہ اللہ۔ کیا ٹھکانا ہے کلمۂ توحید کی اہمیت کا، عظمت کا!

اور یہ روایت تو صرف ایک نمونہ ہے۔ ورنہ سنن، احادیث و آثار کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں اسی مضمون سے۔

اعمال کی اہمیت یقیناً شریعت میں بہت زیادہ ہے۔ اور جو لوگ مسلمان کی

زندگی کو اُسکے ہر شعبہ میں اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ بیشک وہ صحیح راستے پر ہیں اور بہت بڑا کام کر رہے ہیں' لیکن درجہ درجہ کا فرق ہے۔ اور دل کی تصدیق اعمال سے بھی اہم تر ہے اور عقیدہ کی صحت ہر عمل پر مقدم ہے اور اسکی جانچ کا ذریعہ ایمان و عقیدہ کے علم کا ذریعہ۔ ہم بندوں کے پاس صرف زبان سے اقرار اور کلمۂ شہادت کا تلفظ ہے۔ کلمۂ شہادت کا مجرد تلفظ، اسلام کے قانون میں کوئی ثانوی یا تفنّنی حیثیت نہیں رکھتا، اہم ترین چیز ہے۔ بدکار سے بدکار فاسق سے فاسق مسلمان، عمر کی ساری مدت میں ایک بھی نیکی نہ کرنے والا مسلمان، بہرحال مسلمان ہی ہوتا ہے۔ ہر غیر مسلم سے بدرجہا ممتاز، بدرجہا فائق ——— آج جو تحریک "تجدید" یہ دعویٰ لیکر اٹھی ہے کہ چونکہ اس وقت مسلمان اور غیر مسلم عملاً، اصلاً ایک سطح پر ہیں، ساری دنیا کی نظریں دو تلفظ کلمہ کی اہمیت کو بھولے ہوئے ہے' اقرار شہادت کے مرتبہ کو پہچان نہیں رہی ہے۔ اسکی حیثیت خود بھی اسلام کے ایک نادان دوست کی ہے ——— حُسنِ عمل حُسنِ کردار کا معیار یقیناً اونچا کیجیے' لیکن کلمہ گوئی کا حق اس سے بھی بڑھ کر پہچانتے رہیے۔ عند اللہ جسکے ایمان کا جو بھی فیصلہ ہو۔ اس عالم اسباب میں بندوں کے ہاتھ میں تو یہی ایک معیار ہے۔

کام کی رفتار

قدردانوں کے سامنے کرم فرمایہ سن کر یقیناً خوش ہونگے کہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کے سلسلہ میں کام کی ایک اور منزل طے ہوگئی۔ یعنی تاج کمپنی نے اب باضابطہ اسکے اشتہار کی اشاعت شروع کردی ہے۔ یہ اشتہار آٹھ صفحے پر ہے اسکے ایک صفحہ پر اصل کتاب کا نمونہ بھی درج ہے۔ اور ایک صفحہ پر آرڈر فارم ہے۔ قیمت فی پارہ عہ رکھی ہے۔ اب کمپنی مذکور کے سامنے اصل مرحلہ خریداروں کی فراہمی کا ہے۔ جس کثرت اور جس تیزی سے آرڈر آتے رہیں گے، اسی نسبت سے طباعت کے کام میں عجلت اور مستعدی ہوگی۔ اگر معقول تعداد فرمایشوں کی آج وصول ہوجائے تو طباعت آج شروع ہوجائے۔ بہرحال جو حضرات اشتہار اور آرڈر فارم حاصل کرنا چاہیں' وہ براہ راست تاج کمپنی ریلوے روڈ سے طلب فرمائیں فی پارہ عہ قیمت ممکن ہے کسی کو گراں نظر آئے۔ لیکن اول تو بعض پاروں کی ضخامت ہی زیادہ ہے' دوسرے کاغذ اور جملہ سامان طباعت کے موجودہ نرخ کی گرانی کا کیا ٹھکانا!

ایک آیت کے معنی

معظم علی صاحب خوردہ شہر سے دریافت کرتے ہیں، کہ پ ۲۳، سورۂ صٓ، رکوع ۲ میں آیت فغفرنا لہ ذلک میں کس چیز کی معافی و مغفرت کی طرف اشارہ ہے؟

سوال آیت کے ایک بہار سے متعلق ہے۔ وہ آیت ہی نہیں پورا رکوع حضرت داؤدؑ سے متعلق ہے۔ اور اسکی مفصل تفسیر و طویل تفسیر بھی تفسیر ماجدی مرحوم کی جلد بابت ۱۹۴۴ء میں نکل چکی ہے۔ مستفسر صاحب کو اگر وہ پرچے دستیاب ہوجائیں، تو ان شاء اللہ سوالات متعلقہ سے متعلق پوری تشفی ہو جائیگی۔ یہاں مختصراً صرف اتنا کہنے کی گنجائش ہے، کہ داؤد علیہ السلام علاوہ پیغمبر ہونے کے اپنے زمانہ کے بادشاہ اور حاکم اعلیٰ بھی تھے۔ ایک روز بعض اہل معاملہ بہت ہی ناوقت اور ایک خاص ہیئت غیر متعادت کے ساتھ انکے پاس جا پہنچے۔ قدرۃً آپ کو ناگواری ہوئی، اور ممکن ہے کچھ بے التفاتی کا بھی اظہار ہو گیا ہو۔ معاً بعد آپ کو خیال آیا کہ کہیں یہ میرے ظرف کا امتحان تو نہ تھا (وظن داؤد انما فتناہ)۔ اس خیال کے آتے ہی آپ اپنے مالک بے نیاز کے آگے گر کے، جھکے اور گڑگڑانے لگے (فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب) اور پر آپ کا وصف قرآن نے یہ بیان کیا تھا کہ آپ اوّاب تھے، اور اوّاب کے معنی ہیں بار بار رجوع کرنے والا۔ اللہ کی طرف بہت جھکنے والا۔ اسی شان اوّابیت کے تقاضہ سے آپ بلا کسی وقوع لغزش کے محض احتمال لغزش کی بنا پر استغفار میں لگ گئے۔ قرآن میں ذکر یہ نہیں کہ ہم نے انھیں آزمایش میں ڈالا۔ ذکر صرف یہ ہے کہ داؤد کو خیال یہ گزرا کہ ہم نے انھیں آزمایش میں ڈالا ہے۔ اسی دعا کے قبول مغفرت میں جلا دیا گیا ہے (فغفرنا لہ ذلک) اور محض مغفرت کیسی، انکے لیے تو اپنے پروردگار کے پاس یقیناً قرب کے بڑے بڑے مرتبے اور حُسنِ انجام کے بڑے بڑے درجے ہیں (وان لہ عندنا لزلفی وحسن مآب)۔

جاہلیت کی ایک اور فتح

"الٰہ آباد ۱۱ فروری۔ ہائی اسکول و انٹرمیڈیٹ بورڈ یو پی نے اپنی نصاب کمیٹی کی تجویز کو منظور کر لیا' اور اسے تسلیم کر لیا کہ آیندہ سے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں لڑکوں کے لیے بھی موسیقی بطور ایک اضافی اختیاری مضمون کے رکھ دیا جائیگا۔" (خبر)

اس دو سطری اور بظاہر بالکل معصوم سی مختصر خبر کا مفہوم آپ سمجھے؟ مراد یہ ہے کہ اب تک اس امتحان میں اب تک جس طرح اردو، ہندی، فارسی، عربی، تاریخ، حساب وغیرہ اختیاری مضمون ہوتے تھے، اور آپ کے لڑکے ان میں سے کوئی ایک مضمون اپنے حسب پسند لے سکتے تھے، اسی طرح آپکے لڑکے اب گانے بجانے کا فن لطیف علم موسیقی حاصل کر سکیں گے اور اسی آزادی سے اب ہارمونیم، ستار، طبلہ، ڈھولک، سارنگی سے شوق فرما سکیں گے۔ لڑکیوں کو یہ آزادی تو پہلے ہی سے حاصل تھی' پہلے اب لڑکوں کو بھی حاصل ہوگئی! ——— مسلمانوں کے ہاں نہ قومی مجلسوں اور انجمنوں کا قحط ہے نہ ملی اداروں کا۔ لیکن اس قسم کے اہم ترین مسائل پر توجہ کرنا نہ مسلم لیگ کے پروگرام میں داخل ہے نہ جمعیۃ العلماء کے، نہ مجلس احرار کے اور نہ کسی اور دینی، سیاسی، معاشرتی ادارہ کے! راگ رنگنی تو جزو ہیں فرنگی تہذیب کے بھی اور ہندو تہذیب کے بھی، بلکہ ان دونوں کے علاوہ ہر جاہلی تہذیب کے۔ گانا، بجانا، ناچنا، ان سب کے ہاں جزو عبادت ہے۔ یہ تو اسلام نے آکر اس پر ضرب لگائی تھی۔ مبارک ہو تہذیب جاہلی کو اپنی یہ تازہ فتح!

ایک غیرت مند مسلمان

دہلی کے جامع مسجد شاہجہانی کے قریب ...

شمس العلماء مولوی سید احمد قوم میں ایک معروف ہستی ہیں۔ حال میں اُنکے دستخط اور اُنکے صاحبزادہ مولوی سید حمید (نائب امام) کے تائیدی دستخط سے حسب ذیل بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے:—

"آج یکم فروری ۱۹۴۲ء کو بمبئی السٹریٹڈ ویکلی کو دیکھ کر جس میں میری پوتی کی تصویر اُنکے خاوند ڈاکٹر سید عبید اللہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے بے حد افسوس ہوا، غصہ آیا اور خدا کی شان نظر آئی کہ کیا زمانہ آیا ہے کہ گناہ اور بے غیرتی کو لوگ عزت و نفیس سمجھنے لگے ہیں۔ چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تصویر اِن دونوں کی تحریک سے شائع ہوئی ہے اور میری اور میرے تمام خاندان اور تمام مسلمانوں کے رنج و غم اور بے عزتی کا باعث ہوئی ہے، اس لیے میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہ کہ ان دونوں سے تعلقات منقطع کر لوں۔ لہٰذا میں مولوی سید بشیر الدین صاحب والد عبید اللہ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے آپکے صاحبزادے اور پوتی سے ہر قسم کے تعلقات قطع کر دیے ہیں۔

(شمس العلماء مولوی) سید احمد (شاہی امام جامع مسجد)

یکم فروری ۱۹۴۲ء

مجھے بھی اپنے والد ماجد کی تحریر سے اتفاق ہے"۔

سید حمید (امام) یکم فروری ۱۹۴۲ء

بیسویں صدی کی "روشن خیالی" اس جمود پر قہقہہ لگائیگی، اور "تجدد" کو مضحکہ کا ایک اور موقع ہاتھ آئیگا، لیکن ہر وہ مسلمان جسے اپنا دین عزیز ہے یقیناً امام صاحب اور اُنکے صاحبزادہ کی جرأت کی اور حمایت ایمان کی داد دینے پر اپنے کو مجبور پائیگا۔ گو ظاہر ہے کہ قصور تمامتر دو افراد کا نہیں، اصلی خطا تو اس دنیائی ماحول اور اُس [illegible] تربیت کی ہے، جسکے سانچے میں ڈھل کر ہر عیب ہنر بن گیا ہے۔ تاہم اشخاص و افراد اپنی ذمہ داری سے بری تو نہیں کیے جا سکتے —— ہمارے آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ زمانہ آگیا کہ جرأت و ہمت بیحیائی کر گزرنے میں نہیں بلکہ اس سے روکنے میں رہ گئی ہے!

غیرتمندوں کی پستی

پشاور کے ایک اخبار کا اقتباس ہے:—

"اس سے پہلے یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ سرحد کے ایک ڈائرکٹر مسٹر ..... صاحب اپنی پہلی پشتو فلم "لیلیٰ مجنوں" کے سلسلہ میں پشاور آئے ہوئے ہیں ..... آپ نے فرمایا کہ میرا اصلی اور پیدائشی وطن صوبہ سرحد ہی ہے۔ لیکن اس سال سے بمبئی کے فلمی حلقوں میں کام کر رہا ہوں۔ پشتو زبان میں فلم تیار کرنے کا مجھے ایک مدت سے خیال تھا کیونکہ یہ میری مادری زبان ہے۔ اور میں جب ہندوستان میں مختلف زبانوں کی فلمیں بنتے ہوئے دیکھتا تھا تو میرے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ میں بھی اپنے صوبہ کی کوئی خدمت کروں۔ چونکہ میرے خیال میں خشک مضمون یا انتہائی فلسفیانہ فلم ابتدا میں پشتو زبان پر کامیاب ہونے کا مجھے شک تھا۔ اس لیے میں نے سرزمین عرب کے اس قدیمی واقعہ کو جس سے پٹھان عوام بخوبی واقف ہیں، منظر عام پر لانا چاہا، تاکہ میں یہ معلوم کر سکوں کہ صوبہ سرحد کے عوام پشتو زبان کے لیے کسقدر عقیدت ہے"۔

گویا وہ غیرت و حمیت جسکے لیے صوبہ سرحد ہمیشہ مشہور رہا تھا، اب "تہذیب" کے اثر سے اور "ترقی تمدن" کی برکت سے رخصت ہو گئی ہے۔ اور اب سرحد پار کے آزاد علاقوں کی طرح فخر اپنی زندگی کی سادگی اور تمدن کی اسلامیت پر نہیں بلکہ "سرکار دولتمدار کی 'مہذب' و 'تعلیم یافتہ'" رعایا کی طرح گانے اور ناچنے، عاشقانہ سوانگ بھرنے، فاسقانہ تماشے دیکھنے اور دکھانے، سینما کے ناٹکوں اور فلم کمپنیوں پر شروع ہو گیا ہے! اور اپنی مادری زبان کی خدمت کا طریقہ یہ ٹھہرا ہے کہ جس گندہ اور فاسقانہ مواد سے وہ ابتک محفوظ تھی وہ سب اسکے اندر منتقل کر دیا جائے! سرحد کے غیور پٹھان تو ہماری شرافت و اسلامیت کے قلعہ کے آخری سپاہی تھے۔ جاہلیت کا سیلاب آخر اس بند کو بھی توڑ کر رہا! کاش یہ عمر بھر ناخواندہ، ان پڑھ، اور فرنگی معیار سے غیر مہذب ہی رہتے! کاش یہ اسکولوں، کالجوں کے نام سے بھی واقف نہ ہوئے ہوتے! کاش یہ ہمیشہ اپنی اُسی آزادی و حریت کی فضا میں سانس لیتے رہتے، اُسی میں جیتے، اُسی میں مرتے!

اسپرین کی وبا

ایک طبی رسالہ کا اقتباس ہے:—

"اسپرین طب جدید کی ایک مشہور کیمیاوی دوا ہے جو تسکین درد کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ امریکہ کے باشندوں کی زندگی میں چونکہ تحریک و ہیجان کے بیشمار سامان داخل ہو گئے ہیں، اس لیے مسکنات کی بھی انہیں زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسپرین بہت سی خرابیوں کے باوجود اپنی وقتی تسکین کی وجہ سے ان میں اسی طرح رائج ہو گئی ہے، جس طرح چند سال پہلے چینیوں میں افیون تھی"۔

گستاخ و بے ادب طبیب! "صاحب" کی اسپرین کو چینیوں کی افیون اور ہندوستانیوں کی تاڑی اور سیندھی اور افیون پر قیاس کرنے کی جرأت کی ہے! تحقیر و مضحکہ کے قابل صرف کالے پیلے رنگ کے مشرقی اور ایشیائی عادتیں ہیں، یا گورے رنگ کے فرنگی اور انکے شوق؟

زکام کا ایک عام سبب

"زکام کا ایک عام سبب تمباکو اور سگرٹ کا عام استعمال ہے۔ اس سے حلق اور ناک میں خراش اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خراش و سوزش سے ان اعضا میں رطوبتوں کا امتلا اور تعفن پیدا ہو جانے کی وجہ سے زکام عارض ہو جاتا ہے۔ خصوصاً بند بیٹھکوں، سنیماؤں، اور گھروں کی بند نشستگاہوں میں سگرٹ پینا بہت مضر ہے۔ اس سے نہ صرف سگرٹ پینے والے، بلکہ دھوئیں سے بھری ہوئی کثیف فضا میں سانس لینے کی وجہ سے وہاں کے دوسرے بیٹھنے والے بھی زکام میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔

(ہمدرد، دہلی)

چھوٹی شینگ کا منٹ میں بہ حیثیت وزیر شریک ہوا آج کے خط میں ذکر نہیں کرونگا ۔ نہ پارلیمنٹ کے اس مباحثہ کا جس میں نیپال سیتوج کے ساتھ پولیس کے برتاؤ کے تحقیقاتی کمیشن کی دونوں رپورٹوں پر بحث ہوئی تھی، اور جس میں شرکت کے لیے دار العوام کے اسپیکر صاحب نے مجھے "ممتاز اجنبیوں" کی گیلری کا ٹکٹ عنایت فرما دیا ۔ یہ سب چیزیں علیحدہ علیحدہ خط چاہتی ہیں ان کے علاوہ جن تھیٹروں اور سنیماؤں میں گیا ہوں انکا ذکر بھی علیحدہ ہی خط میں مناسب ہے ۔ اور ایک خاص خط تو ان شاء اللہ اسی موضوع پر لکھا جائیگا کہ میں نے کن کن جگہوں میں اور کس مشکل سے ظہر و عصر و مغرب کی نمازیں ادا کی ہیں! جن صاحب نے نہایت بلند آہنگی سے فرمایا تھا کہ

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا!

انکی ساری شیخی کرکری ہو جائیگی جب میں بتاؤنگا کہ میں نے کہاں کہاں عجیب عجیب کر نمازیں ادا کی ہیں ۔ ....

اب سنیے کہ اس ملک کے لوگوں نے اب اچھی طرح سوچ کر ایک جگہ بنادی ہے ۔ اور اگر وہ چیز اس جگہ کے علاوہ کہیں ذرا دیر کے لیے بھی کہیں اور نظر آجاتی ہے تو وہ چلا اٹھتے ہیں کہ یہ کیا گندگی پھیلا رکھی ہے .... لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ اس غور و فکر کرنے والی قوم نے بھی پہلے سے سوچ کر کوئی جگہ ایسی نہیں نکالی جہاں ایک اللہ کا بندہ نماز پڑھ سکے ۔ چنانچہ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ کھدر کا لباس پہن کر انگلستان جیسے ملک میں باہر نکلنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ سارے ملک میں اپنی خوابگاہ کے باہر کہیں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ۔ لیکن میں اس نئی دنیا کا کولمبس ہوں، اور جس طرح کھدر اوڑھ کر تنہا کا یہاں کے لوگوں کی نظروں کو عادی بنا رہا ہوں اسی طرح رکوع و سجود کے منظر کا بھی" (ص ۱۰۲-۱۰۶)

اس مختصر سے مجموعہ کے اندر ظرافت، سیاست، ادب، تفریح و تعلیم، اخلاق و موعظت، عبرت، سب ہی کچھ موجود ہے اگو بجائے مرتب ہونے کے بہت متفرق اور پریشاں سہی ۔ فاضل مرتب نے اسے شائع کر کے اردو کے ذخیرہ میں ہر پہلو اور ہر اعتبار سے ایک مفید و قابل قدر اضافہ کر دیا ہے ۔ خود انکے قلم کا دیباچہ بھی پڑھنے کے قابل ہے ۔

(۲) انڈین کانسٹیٹیوشنل ڈیڈلاک (انگریزی) یعنی ہندوستان کی آئینی گتھی ۔ از پروفیسر جمیل الدین احمد ایم اے ۹۰ صفحے ۔ قیمت عمر، پتہ، شیخ محمد اشرف تاجر کتب ۔ کشمیری بازار لاہور ۔

کانگرس اور مسلم لیگ کے اختلافات پہلے بھی کچھ کم نہ تھے، کرپس کے مسائل نے ان پیچیدگیوں میں اور اضافہ کر دیا ۔ انگریزی کا پریس چونکہ مسلم لیگ اور اسکے ہم خیالوں کے ہاتھوں برائے نام ہے اس لیے انگریزی پبلک کے سامنے جتنے بیانات آ رہے ہیں، کہنا چاہیے کہ وہ سب یکطرفہ ہیں ۔ اس رسالہ کے مصنف قابل داد ہیں کہ انھوں نے قابلیت اور سنجیدگی کے ساتھ مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی ہے ۔ اور گویا لیگ کے سارے ہم خیالوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے ۔ وائسرائے کی اگست ۱۹۴۰ء والی مشہور پیشکش، وزیر ہند کی توضیحی تقریریں، لیگ جو اسے نہ قبول کر سکی اس معذوری کے اسباب، غرض تمام مسائل متعلقہ پر خاصی تفصیل سے اور مدلل بحث کی ہے ۔ کتاب اپنے لب و لہجہ کی متانت کے لحاظ سے لیگ کے مخالفوں، ہندوؤں، انگریزوں، سب کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے ۔ کاغذ، چھپائی، وغیرہ ظاہری خوشنمائیوں کے لحاظ سے شیخ محمد اشرف مشہور تاجر کتب کا نام بجائے خود ایک ضمانت ہے ۔

(۳) دین اسلام (حصہ اول) از مولانا لطف الرحمن ۔ چھوٹی تقطیع ۔ ۷۹ صفحے ۔ قیمت عمر، پتہ، مکتبۂ ترجمان القرآن ۔ دار الاسلام پٹھانکوٹ (پنجاب)

مختصر سا دیباچہ یا پیش لفظ مدیر صدق کے قلم سے ہے، اور حسب ذیل ہے:

"مولوی لطف الرحمن صاحب کے لطف و عنایت سے انکی کتاب "دین اسلام" کے حصہ اول کا مسودہ قبل اشاعت جا بجا سے دیکھ لیا، اور اس مطالعہ سے مستفید ہوا ۔
دین اسلام خود جس طرح سیدھا سادہ اور پیچ سے پاک مبسوط و جامع ہے، اسی طرح یہ مجموعہ کر بیان کرنے والا رسالہ بھی صاف و سادہ، موقع موقع پر شرح و مدلل، اور اپنے مقصد کے اظہار میں کافی جامع ہے ۔ دین اسلام کیا ہے، اسکی تعلیمات کیا ہیں، خاص خاص معتقدات اور اعمال اسکے بتلائے ہوئے کیا ہیں ۔ اس قسم کے بہت سے سوالات کے جوابات سامنے رکھ دیے ہیں اس رسالہ کے اندر آ گئے ہیں ۔ اور جو مسائل رہ گئے ہیں یقین ہے کہ دوسرے حصوں میں وہ سب بھی آ جائینگے ۔
مولوی صاحب موصوف نے اخلاص نیت کے ساتھ مسلم و غیر مسلم کے سامنے مسائل اسلام کا خلاصہ قابل مطالعہ صورت میں پیش کر دیا ہے ۔ اللہ انکی اس خدمت کو قبول فرمائے، اور انکے ہم وطنوں کو ان صفحات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق دے ۔ آمین!"

کتاب مصنف کے مفصل دیباچہ کے بعد عقائد، عبادات، عادات کے تین حصوں میں تقسیم ہے ۔ اسکی حیثیت نیم فقہی نیم کلامی ہے ۔ نہیں کہیں طریق و سلوک کے مسائل پر بھی گفتگو آ گئی ہے ۔ رسالہ ابتدائی درجہ کی تعلیم پائے ہوئے لوگوں کے حق میں مفید ہوگا ۔ رسالہ کے طرز و روح نیز اس کے انداز بیان کو سمجھنے کے لیے اس کے خاتمہ کے قریب کی عبارت ذیل کافی ہوگی :—

"امکانی سعی کی گئی ہے کہ اس رسالہ میں مذہب اسلام کی صحیح تعلیم اور جامع نقشہ پیش کیا گیا ہے، اور اسکے بعد از زاویۂ انسانی کے سامنے قرآن کریم کی وہ دعوت دہرائی جاتی ہے جو وہ بعنوان کھنڈ میں ہے کہ فلاح و سعادت کی راہ صرف ایمان اور عمل صالح ہے ۔ جو کوئی ایمان اور نیک عمل اختیار کریگا ......

وطنیت اور قومیت

ایک فرسودہ تخیل

(ڈاکٹر رضی الدین ایم اے پی ایچ ڈی کا خطبۂ صدارت طلبۂ قدیم جامعۂ عثمانیہ کی کانفرنس میں)

.... آج ہم اس کانفرنس میں موجودہ حالات اور رجحانات پر غور و فکر کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں لیکن اسوقت انسانوں کی اس عالمگیر تباہی و بربادی سے جو ہمارے چاروں طرف جاری ہے اور کو دنیا نے زیادہ محتاج غور ہے نوع انسان کو اس خودکشی سے بچانے کے لیے ساری دنیا کے آپ ہی جیسے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ افراد کو جد و جہد کرنی پڑیگی وہ فوری اور وقتی ذرائع جو اس ہلاکت اور خونریزی کو ختم کردیں اور دنیا کو امن اور چین کا سانس لینے دیں۔ شاید فی الحال ہمارے بس سے باہر ہیں۔ لیکن اگر کسی طرح امن قائم ہو جائے تو اسکو پائدار بنانے اور ان مہلک جنگوں کی بیخ کنی میں آپ ہم بھی ساری حصہ لے سکتے ہیں اور ایسا کرنا ہمارا فرض ہوگا۔ اس امن عالم کے لیے جو طویل المیعاد نظام عمل بنایا جائیگا اسکا ایک اہم بلکہ غالباً سب سے اہم نکتہ میں آپ کے سامنے غور و فکر کے لیے پیش کیا جا چکا ہے۔ لیکن انسانوں کی بدبختی سے اسکو بھلا دیا گیا اور اب بھی اگرچہ کبھی کبھی دنیا کے کسی گوشہ میں ایک آدھ آواز اسکے متعلق اٹھ جاتی ہے لیکن ابھی تک اسکی اہمیت کما حقہٗ محسوس نہیں کی جا رہی ہے حالانکہ نسل انسانی کی نجات اسی میں ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے۔

مختصر الفاظ میں یہ نکتہ کرۂ ارض کی غیر منقسم وحدت اور تمام انسانوں کی عالمگیر اخوت کا ہے۔ ساری خرابی اسی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے کہ ہم پرانے افکار کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نئے بدلے ہوئے حالات کے تحت انکا جائزہ لینا نہیں چاہتے۔ آیئے وطنیت اور قومیت کے رائج تصور کی سائنسی تحلیل کریں اور دیکھیں کہ زمین کی جغرافی تقسیم اور نوع انسانی کی قومی گروہ بندی اس زمانہ میں کہاں تک حق بجانب اور قابل عمل ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ انسانوں کے پاس ذرایع حمل و نقل کچھ نہیں تھے اور سمندروں اور پہاڑوں کا عبور کرنا تو کجا ندیوں اور دریاؤں کا پار کرنا بھی انکے لیے مشکل تھا جہاں تک انکی رسائی تھی وہی انکی دنیا تھی۔ انسانی جماعتوں کی توسیع انکے ذرائع حمل و نقل کے تناسب رہی ہے۔ خاندان، قبیلہ، قریہ، شہر اور ملک کی ارتقاء اور تشکیل اس طرح ہوئی ہے کہ انسانوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کی سہولتیں زیادہ مہیا ہوتی چلی گئیں۔ سائنس اور تمدن کی ترقی کے ساتھ انسان کا وطن قریہ اور قصبے سے گزر کر شہر اور ملک تک پہونچ گیا۔ ابتدائی زمانہ میں جغرافی حالات انسانوں کے لیے فیصلہ کن تھے اور وہ مجبور تھے کہ پہاڑوں اور دریاؤں سے گھرے ہوئے خطوں کو ایک وحدت تصور کریں اور ان میں بسنے والوں کو ایک قوم۔

موجودہ زمانہ میں ہم نے اس ارتقائی اصول کو ملحوظ نہیں رکھا اور جب تک ہم اس قانون قدرت کے خلاف جائیں گے ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا جائیگا۔ غور تو کیجیے کہ ایک طرف تو انسان نے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں اور زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں اور دوسری طرف وہ اسی جغرافی وطنیت کے چکر میں مبتلا ہے اور نہیں سمجھتا کہ طیاروں اور ہوائی جہازوں نے جغرافی سرحدوں کے تصور کو نقش بر آب بنا دیا ہے۔ ہم بمبئی سے نکل کر ہندوستان کے کسی گاؤں تک جہاں طیارہ گاہ نہ ہو اتنی آسانی سے اور اتنی جلد نہیں پہونچ سکتے جتنا بصرہ یا بوسٹن پہونچ سکتے ہیں۔ پھر کس بنا پر کہا جائے کہ بمبئی اور بہار ایک ہی جغرافی اکائی ہیں، اور بمبئی اور بصرہ یا بوسٹن ایک جغرافی اکائی نہیں ہیں۔ ہم اسوقت یہاں بیٹھ کر نیویارک والوں سے بات چیت کر سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔ لیکن ہمیں راجپوتانہ والوں کی خبر حاصل کرتے میں کئی دن لگ جاتے ہیں۔ پھر ہمیں کیا حق ہے کہ راجپوتانہ والوں کو ہموطن سمجھیں اور نیویارک والوں کو غیر ملکی تصور کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم ذہنی اور سیاسی جمود کی وجہ سے جغرافی وطنیت اور اس قومیت سے جو کسی ایک ملک کے باشندہ ہونے پر منحصر ہے باہر نہیں نکل سکتے۔ حالانکہ سائنس کا یہ صریح اور واضح فیصلہ ہے کہ اب جغرافی اکائیوں اور مختلف ملکوں کے تصور کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب سارا کرۂ ارض ایک اکائی اور ایک وطن ہے اور اسکی دولت میں تمام انسان چاہے کہیں کے رہنے والے ہوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ کیا کوئی سمجھدار شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ جغرافی اکائیاں سائنٹفک آئیڈیل ہیں۔ کیا یہ تاریخ کے حادثات اور اتفاقات پر منحصر نہیں ہے کہ ملک کی جغرافی سرحد اس حد تک پہونچکر رہ گئی اور آگے نہیں بڑھ سکی۔ مثال کے طور پر جرمنی ہی کو لیجیے۔ کیا لوتھر، فریڈرک، گوئٹے، بسمارک، ہنڈنبرگ میں سے ہر ایک کے زمانہ میں جرمنی کی جغرافی سرحد غیر متغیر تھی۔ اور کیا آج کل ہٹلر کے جرمنی کی سرحد بھی وہی ہے۔ اسی طرح دوسری مثال کے طور پر خود ہندوستان کو لیجیے۔ کیا پانچ ہزار برس پہلے سے لیکر آج تک ہندوستان کی جغرافی اکائی وہی رہی ہے جو اب ہے۔ اسکے علاوہ جغرافی اکائی کی تعریف کیا کی جائے۔ اگر آپ فرمائیں کہ ہمالیہ ہندوستان کو سب سے جدا کرتا ہے تو پھر کیوں دکن اور شمالی ہند کو دو جغرافی اکائیاں نہ سمجھا جائے۔ بلکہ آپ کی جغرافی اکائی کا منطقی اکائی کا منطقی نتیجہ تو یہ نکلنا چاہیے کہ جہاں کہیں کوئی خطۂ زمین کسی پہاڑی اور تالاب سے گھر جائے آپ اسکو ایک جغرافی اکائی اور علیحدہ ملک تسلیم کرلیں۔ یہ تو کوئی منطق نہیں کہ آپ کہیں ہم یہیں تک تقسیم کریں گے اور اسکے آگے تقسیم کرنا نہیں چاہتے۔ اسی جغرافی تقسیم اور وطن پرستی کے غلط پروپگنڈہ نے یہ سارا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ہوس نے نوع انسانی کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں اور خدا کی زمین کو مختلف جماعتوں نے تقسیم کرکے خاص اپنی ملکیت بنا رکھا ہے۔ پھر کیا تعجب ہے اگر یہ مختلف مفاد آپس میں ٹکرائیں اور وہ ہولناک شرارہ پیدا ہو جو اب ساری نسل انسانی کو فنا کر دینے کی دھمکی دے رہا ہے۔ تو پھر کیا ملکوں اور جماعتوں کے لیے اسوقت زیبا ہے کہ وہ وطن پرستی اور جغرافی اکائیوں کی تبلیغ کرکے اس آگ پر اور تیل چھڑک دیا جائے۔ کیا اسوقت ضرورت نہیں ہے کہ کم از کم

(باقی صفحہ [illegible] پر ملاحظہ ہو)

لاہور کی نئی تحریک

لاہور میں پچھلے دنوں چند دیندار مسلمانوں نے مل کر ایک اسلامی جماعت کی تشکیل کی ہے - اس جماعت نے اعلان کیا ہے کہ اسکا مقصد حکومت الٰہی کا قیام ہے - جیسا کہ متعدد بار انھیں صفحات میں لکھا جا چکا ہے، کسی مسلمان کو اس مقصد سے انکار تو کیا، ہمارے نزدیک وہ مسلمان حقیقی مسلمان ہی نہیں جو اپنے نہاںخانۂ قلب میں اس جذبہ کی آگ کے شعلے فروزاں نہیں رکھتا، اور بظاہر اسکی بھی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اپنے دوستوں کی نیتوں پر کسی قسم کا کوئی شک و شبہ کریں - لیکن ہمیں اپنے ان آزمودہ کار احباب کے بھولے پن اور سادگی پر کچھ ہنسی بھی آتی ہے اور کچھ افسوس بھی ہوتا ہے کہ ابھی انھوں نے اس راہ میں کوئی موثر عملی قدم تو اٹھایا نہیں اور بیٹھے ہی سے "قیام حکومت الٰہی" کا اعلان کرکے ایک طرف اپنے رقیبوں اور سیاسی گروہوں کو اپنی طرف سے ہوشیار کر دیا اور دوسری طرف اپنی جماعتی حیثیت "حریفان مفسدہ نام" کے نزدیک مشتبہ بنا دی - ممکن ہے ملک کے پر جوش گرم خون رکھنے والے بہت سے مسلمان نوجوانوں کو اس تحریک میں (اگر حقیقتاً اسکو تحریک کہا جا سکتا ہے) زیادہ سے زیادہ شریک کرنے کے لیے ایسا کیا گیا ہو - تاہم اس اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی ہر حرکت کی کڑی نگرانی کی جائیگی - اور جب کبھی یہ محسوس کیا گیا کہ آپ کا وجود کسی قوم کے حق میں سیاسی اعتبار سے مضر ہو سکتا ہے، آپ کو کچل کر رکھ دیا جائیگا - پھر آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ آپ اپنا جماعتی تحفظ کر کے اپنے نصب العین کے لیے کوئی موثر جد و جہد جاری رکھ سکیں - کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ محض تالیاں بجانے سے بھاگ جانے والے نہیں ہیں - تحریک خاکسار کا جو حشر ہوا اس کی ایک زندہ اور تازہ مثال ہمارے سامنے ہے -

ہم اسلامی جماعت کے ذمہ دار اصحاب سے پوچھتے ہیں کہ آپ حکومت الٰہی کے قیام کا دعوی کرتے ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی رائے میں حکومت الٰہی کا قیام مسلمانوں کی ناقابل شکست سیاسی طاقت کے بغیر ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا اور یقیناً نہیں ہو سکتا تو اب فرمایئے کہ آپ نے سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لیے کیا لائحۂ عمل بنایا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ لائحہ عمل دو ہی قسم کا ہو سکتا ہے - ایک آئینی دوسرا غیر آئینی - آپ نے ان میں سے پہلے لائحۂ عمل کی تو قطعی نفی کر ہی دی ہے - کیونکہ آپ اپنے شایع کردہ دستور کے مطابق نہ حکومت سے کوئی تعاون کر سکتے ہیں اور نہ کسی اور غیر مسلم سیاسی پارٹی سے - اب رہا غیر آئینی نقطۂ عمل، تو

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

صورت حال یہ ہے کہ آپ غلام در غلام ہیں، نہ تقریر کی آزادی ہے نہ تحریر کی - کوئی ہتھیار آزادی کے ساتھ رکھ نہیں سکتے - قانون مروجہ حالات کی موثر خلاف ورزی ناقابل عمل ہے - پھر ... ستان میں تنہا آپ ہی آباد نہیں بلکہ دوسری قومیں بھی ہیں جو سیاسی طاقت ... تنظیم میں، صنعت و حرفت میں آپ سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں - ... میں بالکل مجبور نہیں کہ آپ کس طرح اپنی الگ جماعت بنا کر سیاسی طاقت و قوت حاصل کر سکتے ہیں - اسوقت آپ کی مثال تو بالکل اس مجبور و بے بس قیدی کی سی ہے جو آہنی سلاخوں میں قید ہے، ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں، اور بلند دیواروں والی جیل کے پھاٹک پر چار چار مسلح پہرہ دار بھی کھڑے ہوئے ہیں، اور باوجود یہ قیدی چیخ چیخ کر کہ رہا ہے کہ "میں اپنی حکومت قائم کرکے تمہاری حکومت کا خاتمہ کر کے رکھ دونگا اور اس کے لیے میں نے لوگ بھی جمع کرنے بھی شروع کر دیے ہیں" ظاہر ہے کہ قیدی کے اس ناعاقبت اندیشانہ اعلان کا نتیجہ یہ نکلے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ عمارت میں توسیع کے ساتھ ساتھ اسکی زنجیروں میں چند اور زنجیروں کا اضافہ ہو جائے تو غریب آہ و سرد بھر کر کہنے لگے ؎

داغ کی شامت جو آئی اضطراب شوق میں
حال دل کمبخت نے سب اسکے منہ پر رکھ دیا

دوستو! اگر واقعی تم اسلام کا نام بلند کرنا چاہتے ہو تو ضرورت ہے کہ گروہ بندی، نمود و نمائش اور بلند بانگ دعاوی کر کے اپنی تشہیر کے بجائے اور خاموشی و متانت کے ساتھ بالکل تنظیم طریقہ پر کام کرو - پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ کی جماعت کو دوسرے لوگوں کے ساتھ جبر و تشدد کے بجائے صلح و آشتی اور لطف و نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے اور اسکا خیال رکھیے کہ کیسے کم اور کیجیے زیادہ، گرجو کیسے اسے کر دکھایئے - (انجام - دہلی)

(بقیہ صفحہ ۶)

نئی نسل کو اسکی تعلیم دی جائے کہ ہماری زمین ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے، جو سارے انسانوں کا وطن ہے، جس میں ہر شخص کے لیے آزادی ہے کہ وہ جہاں چاہے اپنی زندگی بسر کرے - تمام دنیا میں صرف ایک قوم ہے اور وہ جرمنی، امریکی، ہندوستانی قوم نہیں بلکہ انسانی قوم ہے - مختلف ممالک جغرافی یا قومی اکائیاں نہیں بلکہ انتظامی اکائیاں ہیں، جیسے ایک ہی ملک کے مختلف صوبے اور اضلاع ہوتے ہیں - اس تعلیم سے نئی نسلوں کے ذہن میں تاریخ انسانی کا صحیح پس منظر پیدا ہو جائیگا اور وہ دنیا اور نوع انسانی کی مجموعی اکائی کا خیال پہلے اور جغرافی رقیبوں کا بعد میں کرنے لگیں گے - انسانی نسل آیندہ اسی طرح باقی رہ سکتی ہے ورنہ اگر مختلف آزاد جغرافی قوموں اور اکائیوں کے نظریہ پر اسی طرح عملدرآمد ہوتا رہا تو ہر پچیس سال کے بعد تمام ملکوں سے مہلک تر جنگ کا چھڑ جانا لازمی ہے - اور پھر اسکا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے -

غرضکہ انسانوں اور خصوصاً نئی نسلوں میں وحدت، اخوت اور مساوات کے اس شعور کو بیدار رکھنے کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی جانی چاہیے - لیکن افسوس ہے کہ اس نوبت پر پہونچکر بھی ہر جگہ اور ہر ملک میں وہی جغرافی وطن پرستی اور قومیت کا فرسودہ اور مہلک راگ الاپا جا رہا ہے - کیا ہمارے تعلیم یافتہ بھائی اس جانب کچھ توجہ کریں گے؟ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۵)

وہی کامیاب ہوگا۔ کسی کے لیے کسی گروہ سے نسبی، نسلی یا تعلق کافی نہ ہوگا۔ خواہ وہ گروہ کتنا ہی معزز اور محترم لقب مسلم، یہودی، عیسائی، مجوسی وغیرہ کے ساتھ کیا جاتا ہو۔ تب بھی وہ اپنے عقائد و اعمال کا محاسبہ کریں۔ اگر کوئی برائی پائیں اصلاح کریں۔ اور اگر کوئی صاحب یہود، نصاریٰ، مجوسی، برہمن، بودھ وغیرہم کے ساتھ منسوب ہیں تو وہ بھی اپنے خیالات اور اعمال کا جائزہ لیں۔ اگر اپنی کوئی بات بری دیکھیں اور اسلام کی تعلیم بہتر پائیں، یا اپنی تعلیم کے موافق پائیں، اور علاوہ اس کے وہ رہیں تو بلا کسی تعصب اور مذہبی ضد کے اپنے فائدہ کے لیے خوشی سے اسلام کی سچی تعلیم قبول کر لیں۔" (رشک)

(۶) "ناکام" - از خواجہ محمد شفیع دہلوی۔ ضخامت ۱۰۰ صفحے۔ قیمت ۱۲ ؍ مصنف ہی کے پاس سے ملیا محل۔ دہلی کے پتہ سے مل جائیگی۔

دہلی کے بدیع انشاپرداز خواجہ محمد شفیع کا نام اب نہ اردو کے طلبہ کے لیے نامانوس رہا ہے نہ ناظرین صدق کے لیے۔ "ناکام" ان کا تازہ ترین افادۂ قلم ہے، سرسری نظر میں ایک مکمل افسانہ، گہری نظر میں حکمت و اخلاق کا خزانہ، اور ہر صورت میں ادب و انشاء کا ایک گنج شایگاں۔ زہرہ ایک مشہور بیسوا ہے، اور حسین و حاضر جواب نفتیہ۔ اس کا سابقہ ایک نوجوان کاظم سے پڑ گیا ہے۔ کاظم ذہانت میں فرد، حاضر جوابی میں استاد، ہر رنگ میں رنگا ہوا، گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے۔ لیکن اپنے کو لیے دیے ہوئے، نفس کو قابو میں کیے ہوئے۔ اس کا دل اس کے ہے، وہ خود دل کے نہیں۔ بیسوا نے خوب خوب کمندیں پھینکیں، ہر ہر طرح جال ڈالے، وہ ظالم ایک بار بھی نہ پھنسا، ہر بار خود شکاری ہی گرفتار ہوتا گیا، اور چوٹ کھائے ہوئے غرور و تمکنت کو چپکے چپکے دبتا گیا۔ لفظ و عبارت میں وہ شاعری، وہ سخن آرائیاں کہ دھوکا دیوان حافظ کا ہونے لگے، معنی و مفہوم میں اخلاق و موعظت کی وہ گلفشانیاں کہ گمان گلستان سعدی کا گزرنے لگے۔

زبان کے جوہر دیکھنے ہیں تو کاظم کا معرکہ ایک رئیس کی محفل میں میراثی صاحب سے ملاحظہ ہو۔ رئیس صاحب اپنی بے فنی اور بدآوازی پر نازاں، سرمحفل چلمیں بھر رہے ہیں، ساری محفل ان کے بتانے بنانے پر متوجہ۔ چوٹیں کاظم اور میراثی کے درمیان چلنے لگیں، ہلکی سی جھلک دیکھتے چلیے:—

"میراثی کا چہکا پڑا جا رہا تھا، ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ داغ آثار آ آ کر باتیں لا رہا تھا۔ بولا "سرکار شاہوں سے سر نکل رہے ہیں" کاظم نے کہا "عالیجاہ مجسم موسیقی ہیں، ہر بن مو سے سر جوش رہے ہیں"۔ میراثی نے بہت زور مارا، باپ دادا کی ساری طاقت سے کام لے کر کہا "سرکار شاہ موسیقی ہیں"۔ وہ حاضر دماغ بولا "عالی جاہ شہنشاہ موسیقی ہیں، لحن داؤدی پائی ہے، اس فن کے پیغمبر ہیں"۔ میراثی نے زمین پر ہاتھ ٹکا دیے اور بولا "تان سین کا قبر میں بڑا تڑپ رہا ہے" کاظم نے عرض کیا "بیجو باورے کی روح قدم بوس ہونے آئی ہے۔ اگر باربد کو یہ فن آتا تو زہرہ کے راگ میں آتا۔ مگر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، راگ جلو میں حاضر، موسیقی دامن سے وابستہ، سرکار راجہ اندر ہیں۔ موسیقی آپ کے دم قدم سے ہے۔ اعجاز مسیحائی کا زمزمہ، جھوم رہے ہیں، مردہ دل زندہ ہوئے جاتے ہیں، سر تنبورہ تان سین کا سا ہے"۔ میراثی کچھ بھی ہو میراثی تھا۔ تاڑ گیا، فقرے سن کر تیورا سا گیا۔ جب زبان نہ چلی تو سر پیٹنا شروع کیا اور لگا تال کھیلنے۔ یہ راگ کاظم کے بس کا نہ تھا۔ میدان جاتا نظر آیا۔ ادھر ہرنی دکھائی دی، وہ حاضر دماغ فوراً بولا "سروں کا زور ہے۔ آگ لگ جائیگی۔ پانی ڈالو۔ جلدی کرو" اور ساتھ ہی ساتھ برف کے پانی کا بھرا ہوا جگ اٹھا کر بدنصیب میراثی پر ڈال دیا۔ میراثی حال سے بے حال ہو گیا۔ گھگھی بندھ گئی" (صفحہ ۷۹)

گنہگار عورت کے دل کی چبھن دیکھنا ہو تو ورق الٹیے۔ بیسوا کے کوٹھے پر کسی نے ایک پراثر قصہ مناسب تمہید کے بعد اکبر کا یہ شعر سنا دیا:

کون خوش بخت ہے زمانہ میں گوہر کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

اس پر بیسوا کے تاثرات:—

"وہ کہاں بیٹھے رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیری زندگی اپنے مناظر پیش کر رہی تھی۔ اور زیبا اس تماشہ میں غرق تھی۔ ایک عجیب لذت تھی۔ جو بیٹھک نرالی کاوش تھی، اچھوتی خراش۔ میں ان کیفیات میں ایسی کھو گئی جیسے بیوہ کنواروں کے تصور میں یا بانجھ اولاد کے خیال میں۔ سینے میں ایک چیز تھی جو کچھ مانگ رہی تھی، پہلو میں ایک خلا تھا، جو آج میں نے پہلی دفعہ محسوس کیا۔ میرا ہر قطرۂ خون کسی کی تلاش میں رواں۔ میری انسانی فطرت میں ایک طوفان بپا تھا۔ آج مجھ میں وہ عورت جاگ اٹھی تھی جو بیوی بننے پیدا ہوئی ہے، جو ماں بننے پیدا ہوئی ہے۔ آج وہ حقیقت انگڑائی لیکر اٹھ کھڑی ہوئی تھی جسے افیون دیکر سلا دیا گیا تھا۔ آج وہ حقیقت اپنا حق مانگنے آن پہنچی تھی جس کو کذب و ریا اور غلط فضا کے انبار میں دبا دیا گیا تھا۔ رنڈی کا جامہ چاک کر کے عورت برآمد ہوتی تھی۔ عورت جو کھونے کو پانا سمجھتی ہے۔ عورت جو اپنا خون چوسا کر نسل انسانی کو پالتی ہے۔ عورت جو شفقت سے خمیر کی گئی ہے۔ عورت جو ماں سے تعبیر کی گئی ہے۔ میں آدم و حوا کے نائبوں کو دیکھ رہی تھی۔ آج میں فطرت ہی فطرت تھی۔ احول سے بیزار۔ تصنعات بالائے طاق" (صفحہ ۵۱)

غرض کتاب کیا ہے، ایک اعجوبہ۔ صورت رندوں کی، سیرت زاہدوں کی۔ چہرہ پر شوخی و ظرافت کی نقاب۔ نقاب کے اندر پیشانی پر زہد کے سجدوں کے نشان۔ بیسویں صدی کے ہر نوجوان کے ہاتھوں میں جانے کے قابل۔ افسانہ نام کا "ناکام" لیکن ہر اعتبار سے کامیاب۔ (باقی آئندہ)

تحفۂ خسروی

جناب میر صدق کی ایک قدیم تالیف۔ عالم معاملات کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ ۲۰ ؍ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ ہوگا۔ پتہ:
محمد تقی خاں - آباد - بارہ بنکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)
ایڈیٹر- عبدالماجد
پتہ- دریاباد ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے
چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:- محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ
صدق لکھنؤ
نمبر ۴۳ | دوشنبہ - ۲۱ - صفر المظفر سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۹ - مارچ سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

پندرہویں پارہ کی سورہ بنی اسرائیل میں ختم کے قریب آیت منظا کے آخری حصہ میں رسول اللہ صلعم کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے،

ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلاً	نماز (جہری) نہ تو چلا کر پڑھیے اور نہ بالکل چپکے سے بلکہ دونوں کے درمیان (متوسط) راہ اختیار کیجیے۔

رسول نماز بالکل چپکے نہ پڑھیں کہ بغیر زور سے پڑھے دوسروں کو تعلیم کیونکر سکتی تھی۔ سو یہ حکم تو آسانی سے سمجھ میں آگیا۔ باقی یہ حکم آخر کیوں کہ رسول نماز زیادہ بلند آواز سے بھی نہ پڑھیں؟ یہ حکم تو آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں ——— تشریح و توضیح کے لیے بیان ترجمان القرآن حضرت عباس رض کا سنیے۔ روایت امام بخاری کی ہے:—

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا قال نزلت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختف بمکۃ کان اذا صلّی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبوا القرآن ومن انزلہ ومن جاء بہ	ابن عباس رض کہتے ہیں کہ آیت ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم (آغاز اسلام میں) مکہ میں روپوش تھے (یعنی علانیہ اپنے عبادت نہیں کرسکتے تھے) سو اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھتے میں آواز بلند کرتے مشرکین جب یہ آواز سنتے تو قرآن کو برا کہتے اور اسکے نازل کرنے والے کو بھی اور اسکے لانے والے کو بھی۔

روایت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ مشرکین نے نماز میں قرآن کی آواز سن جو خدا اور رسول اور خود قرآن کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ

فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجہر بصلاتک ای بقرأتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعہم وابتغ بین ذلک سبیلاً	اللہ نے نبی صلعم کو حکم دیدیا کہ ولا تجہر بصلاتک یعنی نماز میں اپنی قرأت کو پکار کر نہ پڑھو کہ مشرک اسے سن کر قرآن کو برا کہنے لگینگے ولا تخافت بہا نہ اسکو اتنا آہستہ پڑھو کہ تمھارے صحابہ بھی نہ سن سکیں، بلکہ دونوں کے درمیان کا راستہ نکالو۔

روایت بخاری کے علاوہ مسلم، ترمذی، نسائی کی بھی ہے ———

تو گویا قرآن جیسی اہم چیز، جسکا جہری نماز میں صحابہ کی تعلیم کے لیے بلند آواز سے پڑھنا اور بھی زیادہ واجب تھا،

اس تک کو بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت خود قرآن کے اندر رسول اللہ کو آگئی، کہ اس سے دوسرے مفاسد پیدا ہوتے تھے، اور جو چیزیں صرف تقدس و احترام کی حقدار تھیں، مشرکین کو انکی اہانت و تحقیر کا موقع ہاتھ لگ جاتا تھا۔

مدح صحابہ رض، وہ بھی اپنی عام و مطلق صورت میں نہیں، ایک مخصوص تاریخ پر متعین صورت و ہیئت کے ساتھ، بڑے بڑے جھنڈوں اور نشانوں کو لہراتی ہوئی، بڑی بڑی لالٹینوں کے آراستہ پھاٹکوں کے نیچے سے گزرتی ہوئی، لحن و ترنم کے ساتھ ٹولیوں میں پڑھی جاتی ہوئی، عظیم الشان جلسہ و جلوس کے ساتھ، کیا قرأت جہری سے بڑھ کر اہم ہے؟ قرآن، اور بحالت نماز میں پڑھے جانے والے قرآن سے زیادہ ضروری ہے؟ جب اسے ایک مفسدہ کی خاطر روک دیا گیا، تو کیا اس سے کہیں زیادہ قوت وہ حکم اسکے لیے نہ عائد ہوگا؟ ——— خصوصاً جبکہ کسی مخصوص مفسدہ کے بغیر یوں بھی مدح صحابہ رض اس ہیئت کذائی کے ساتھ کب واجب ہے؟ واجب نہ سہی مستحب،

اور آئندہ انسان بھی اسے کھائیں گے اگر وہ عقل و شعور رکھتے ہیں۔ پروفیسر موصوف تو ابھی گھاس کھانے کا تجربہ کر چکے ہیں"

چلیئے علمی نکتہ پروفیسر صاحب کی زبان سے خوب معلوم ہو گیا، کہ عقل و شعور والا وہ ہے جو گھاس کھائے، اور بے عقل و بے شعور وہ ہے جو گھاس نہ کھائے!۔۔۔ نیا سائنٹفک اکتشاف، اور وہ بھی عالم اکل کی زبان سے۔ حسرت موہانی کے شاعرانہ الہام

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

کا عملی ظہور سائنس کی خشک دنیا میں!

سنگاپور کی تہذیبی اہمیت

سنگاپور کی جنگی حیثیت جتنی بڑے سب واقف تھے۔ اسکا دشمن کے ہاتھ میں چلا جانا برطانیہ کے لیے کیسا سخت حادثہ ہوا، یہ آواز بھی سب کے کانوں میں پڑ چکی ہے لیکن کم لوگ اس سے واقف ہونگے کہ تہذیب و معاشرت کے اسے کوئی اور بھی حیثیت حاصل تھی، اس کی تسخیر کی خبر آنے سے دو ہی ایک روز قبل اسکا تعارف ایک مفصل مضمون کے اندر ایک انگریزی اخبار میں حسب ذیل شائع ہوا تھا:-

"سنگاپور ایک بہت بڑا شہر جدید فیشن کے مذاق کا ہے۔ سوئیز کے مشرق کا یہ سب سے زیادہ زندہ دل شہر ہے [یورپ کی اصطلاح میں "زندہ دل" کے جو معنی ہیں محتاج تشریح نہیں۔ صدق] اِلّا شاید شنگھائی کے بعد ہو تو ہو۔ ہر وہ سامان تو جدید یت کسی شہر کو صاف، ستھرا، دلکش، پُر عیش، آرام دہ بنا سکے کے لیے دے سکتی ہے یہاں مہیا ہے۔ [آگے موٹروں وغیرہ کی کثرت کا ذکر ہے۔ صدق] کھلے میدان میں مستقل تفریح گاہیں اور کارنیوال بنے ہوئے ہیں۔ رات کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں میں سال کے ہر موسم میں یہاں کا لطف برابر قائم رہتا ہے۔ ان جدید تفریحوں کے پہلو بہ پہلو ملایا کا شہوانی رقص بھی جاری رہتا ہے جسکا جی چاہے کچھ دیر اسے دیکھے، اور پھر خود اس میں شریک ہو جائے!"

شنگھائی کی "شہرت" اور "نیکنامی" جس قسم کی ہے، اہل نظر پر مخفی نہیں۔ بمبئی کا، اور White Slave Traffic کے محققین کا بیان ہے کہ شرق بھر کیا معنی بلکہ دنیا بھر میں اپنی نظیر بس آپ ہے! اب معلوم ہوا کہ ان خصوصیات میں کوئی حریف ہو سکتا تھا، تو وہ بھی سنگاپور تھا!۔۔۔ بری اور بحری اور ہوائی فوج کے علاوہ ایک اور فوج کا بھی مرکز!۔۔۔ برطانیہ کے بہی خواہوں سے سوال ہے کہ ایسے شہر کے ہاتھ سے نکل جانے پر موقع قلق و ماتم کا ہے یا مسرت و مبارکباد کا؟

"صاحب" کی سفاکی

"اس زمانہ کے جہاز بھی گویا بدکاری اور درندگی کی متحرک پناہ گاہیں تھیں۔ اس عہد کے سمندری اخلاق پر پوری روشنی اس تاریخی واقعہ سے پڑتی ہے کہ جب ۱۸۳۹ء میں سرچارلس نارمنڈیل کے بیڑہ کو طوفان نے آلیا، تو جہازوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ۶۰ عورتیں جو جہاز پر سوار تھیں سنگدل جہازیوں نے سمندر میں پھینک دی تھیں! ان میں سے کچھ تو اپنی خوشی سے گئی تھیں اور کچھ زبردستی لے جائی گئی تھیں" (سوشل انگلینڈ۔ مرتبہ ڈاکٹر ٹریل جلد ۵ ص ۱۹۳)

ذکر چودھویں صدی عیسوی کے انگلستان کا ہے۔ جہاز پر اٹھ خاتونیں کچھ سوار ہوئیں اور کچھ سوار کی گئیں، اور جب جہاز طوفان میں پھنسنے لگا، تو ایوان عیش کے ان ساتھیوں کو، بے تامل و بے قصور، سمندر میں جونک دیے گئے!۔۔۔ ہماری تاریخ اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال گزری ہے؟ بالکل ایسی نہ سہی اس سے ملتی جلتی ہی، اس پر بھی بدنام ہم ہیں، نیکنام وہ!۔۔۔ فرنگستان میں خوش قسمتی سے اگر جوش آزادی میں یا مسلسل! ہر جگہ ہوتی جا رہی ہے تو یہ ان مظالم کا قدرتی ردعمل ہے۔ لیکن یہ آخر ہم نقالوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ خود ہم نے بھی بے تحاشہ وہی بولی بولنا شروع کر دی، جو "صاحب" اور "میم صاحب" اپنے دیس میں بول رہے ہیں!

عجیب تجاہل

"اس معاملہ (یعنی "تحریک" وغیرہ) پر صدق و معارف کی تنقید آئی پر ہماری حیرت بالکل فطری ہے۔ ہر شخص کو اس صورت میں حیرت ہی ہوتی جبکہ اسکی بستی میں چند دیندار بزرگ ایک مدت سے حج کی تمنا ظاہر کر رہے ہوں اور بار بار کہتے ہیں کہ کاش کوئی قافلہ یہاں سے زیارت کعبہ کے لیے تیار ہو۔ اگر چند اللہ کے بندے اسی بستی سے اکٹھے ہو کر قافلہ تجاج بنانے کو اٹھے ہو جائیں تو وہی بزرگ سب سے پہلے خطرہ کا الارم بجا دیں اور بستی کے لوگوں سے کہنے لگیں کہ ہوشیار، یہاں حج کے نام سے ایک بڑے فتنہ کا سامان ہو رہا ہے" (ترجمان القرآن۔ جلد ۱۹- نمبر ۴-۵، ۶ صفحہ ۲۰۱)

لیکن اس سے عجیب تر ماجرا یہ ہوا، کہ اسیر قافلہ نے خود ہی شدومد سے یہ جو فرمانا شروع کر دیا کہ نام و اصطلاح میں کیا رکھا ہے، اصلی تبدیلی اصل حقیقت میں نہ ہونا چاہیے، حج تو اب بڑا افسردہ نام ہو گیا ہے کہ بیسویں صدی کے دل و دماغ میں اسکے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ میں امت اسلامیہ کو ورلڈ کانگریس کی طرف لیے چلتا ہوں، ہر ملک کے حاجی وزائر نہیں، اس ورلڈ کانگریس میں ہر ہر مملکت کے نمایندے شریک ہونگے، بجز اس طرح کے اجتماع کے نہیں منصب امامت مل نہیں سکتا، ہمیں تو تمام دوسری قوموں کو اس منصب سے بے دخل کرنا ہے، ہماری عبادتوں، ریاضتوں، کوششوں کا مرکز یہی منصب امامت ہے، اسی پر ہم قرآن کی رو سے مامور ہیں۔ ہمارے کان، ہماری آنکھ، ہمارے دل، ہم کو دیے ہی اسی لیے گئے ہیں کہ منصب امامت سے یورپ کو معزول کر کے اسے خود حاصل کریں۔

—— اب فرمائیے، کہ بستی کے مسلمان کیا اتنا کہنے سے بھی گئے گزرے ہوئے کہ بھائیو! یہ خدمت اور یہ تعبیر بیسویں صدی کی ہو تو ہو، لیکن یہ تفسیر اور یہ تعبیر اُس اسلام اور اُس قرآن کی تو ہے نہیں، جو ہمارے رسولؐ پہلی صدی ہجری میں لیکر آئے تھے!

نیا رجز "جو لوگ میرے ساتھ ہیں، محمد منظور صاحب، امین احسن صاحب، ابو الحسن علی صاحب، سید صبغۃ اللہ صاحب، مسعود عالم صاحب، سید محمد جعفر صاحب ان میں سے کون ایسا ہے جسکے متعلق کوئی اللہ کا بندہ اللہ کو سمیع و بصیر سمجھتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ کبھی اہل زیغ و ضلال میں سے رہے ہیں؟"

"تحریک" کے محرک نے اپنے رسالہ کے تازہ نمبر (صفر، ترجمان) میں فرمایا۔ یہ عبارت اگر محض رجز کے طور پر ارشاد ہوئی ہے، جب تو کچھ مجال عرض ہی نہیں، لیکن اگر بطور استدلال پیش ہوئی ہے، تو باادب استفسار ہے، کہ یہ استدلال کی کون سی قسم ہوئی؟ کوئی غلطی اگر خود آپ سے ہو جانا ممکن الوقوع ہے، تو اُس غلطی کی تائید یا اُسکی جانب عدم التفات کیا چھ سات کی تعداد میں اہل علم سے ہونا ممکن ہے؟

پھر اگر یہی دلیل حقانیت ہے، تو آج ہندوستان میں کون سی دینی یا سیاسی یا نیم سیاسی نیم دینی تحریک یا مجلس ایسی ہے جو اس معیار پر پوری نہیں اُترتی؟ یہاں تک کہ آپ سے بالکل مخالف بلکہ متضاد راہ پر چلنے والے ادارے بھی۔ کیا مسلم لیگ، اللہ کے نیک بندوں اور اہل حق سے خالی ہے؟ کیا مجلس احرار میں اہل زیغ و اہل ضلال ہی بھرے ہوئے ہیں؟ کیا جمعیۃ العلماء محض مجموعۂ اشرار ہے؟ کیا کانگریس کے رجسٹروں پر کسی مخلص مسلمان کے دستخط ثبت نہیں؟ —— اشخاص و افراد کے نام لے کر لوگوں کے جذبات کو اُبھارنا رجز کی جدید ترین اور up-to-date قسم تو بیشک ہو سکتی ہے۔ لیکن خدارا ارشاد ہو کہ حقائق پر استدلال کے لحاظ سے اسکا کون سا درجہ ہوا؟

اور پھر اگر کسی گستاخ نے اسی حربہ کو اُلٹ دیا، تو کیسی دلگی رہیگی۔ تحریک کا ساتھ دینے والوں کے مقابلہ میں تو تحریک کا ساتھ نہ دینے والوں کی تعداد اسی وزن اور قافیہ میں تو اب بھی کہیں زیادہ ہے —— کیا مقصود یہ ہے کہ (بہ اصطلاح قادیان) "مبائعین" اور "غیر مبائعین" کی فہرستیں الگ الگ تیار ہوں اور اسکے بعد دونوں کا ٹکرایا جانا شروع ہو؟

کتبہ کا ایک شعر

مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی ثم لکھنوی (متوفی ۱۹۲۵ء) بانی مدرسۂ فرقانیہ لکھنؤ یہاں کے ایک ممتاز عالم اور صاحب نسبت بزرگ ہوئے ہیں۔ پچھلے ہفتہ اتفاق سے انکے مزار پر جانا ہوا۔ ۱۲ بجے دن کا وقت تھا نیم پختہ و سنگین ہونے کے باوجود مزار کے انوار کا کیا پوچھنا! قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کی آوازیں ہر طرف سے چلی آ رہی تھیں مدرسۂ فرقانیہ تو آخر مسکن ہی تھا۔ لیکن پائیں میں ایک اور قبر بھی نظر آئی۔

مولانا کے منتخب خاص و مرید باخلاص حاجی مصطفیٰ خاں صاحب (لکھنؤ کے مشہور و معروف کارخانۂ عطر کے مالک) کی رفیقۂ حیات کی۔ اس پر فارسی قطعۂ تاریخ نظر پڑا۔ عجب نہیں کہ خود خاں صاحب موصوف ہی کا کلام ہو۔ خوش گو و خوش فکر ہیں۔ پہلا شعر پڑھ کر طبیعت بے چین ہو گئی۔ بار بار اُسے پڑھا۔ یہاں تک کہ یاد ہو گیا۔ ناظرین صدق کی نذر ہے۔ عجب کیا، کہ پڑھنے والوں میں سے بھی کوئی اسی ذوق کے نکل آئیں۔ شعر خواہ چاہے زندہ شوہر کی طرف سے سمجھا جائے تو، اور خواہ مرحوم محبوبہ کی طرف سے لیا جائے تو، کیف سے کسی صورت میں بھی خالی نہیں۔ بہرحال شعر حاضر ہے

روشن ز یاد تست شب انتظار ما
خورشید محشرست چراغ مزار ما

ایک کتاب سے متعلق صدق نمبر ۳۹ کے حصۂ کتب میں مآخذ کتابخانۂ رامپور کے سلسلہ میں عربی کی ایک کتاب متعلق بہ قرآن، سہیلی کی التعریف والاعلام کا ذکر آگیا تھا۔ اس سے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (جامعۂ ڈابھیل سورت) کا مندرجہ ذیل ملاطفت نامہ بصد شکریہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

"کتاب مذکور قاہرہ میں نافع و مفید حواشی کے ساتھ چھپ گئی ہے، غالباً ۱۳۵۶ھ ہجری میں طبع ہوئی۔ میں خود قاہرہ میں، (جب مجلس علمی کی طرف سے بسلسلۂ طباعت نصب الرایہ اور فیض الباری بمعیت رفیق محترم مولانا سید احمد رضا صاحب مدیر مجلس علمی جانا ہوا تھا) اسکا نسخہ خرید چکا ہوں۔ لیکن افسوس اسوقت میرے سامنے نہیں کہ مطبع و سنہ طباعت کا صحیح حوالہ دے سکوں۔"

بزم ہمدردان صدق

صدق کی توسیع اشاعت پر صدق کے قدیم کرمفرما جناب مولوی عبدالرحیم صاحب (حیدرآباد) نے پھر مستعدی فرمائی۔ امید کہ دیگر ناظرین بھی اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

جناب مولوی عبدالرحیم صاحب حیدرآباد — خریدار

مکتبۂ جامعہ کی دو نئی کتابیں

جگت بیتی - (جلد اول) پنڈت جواہرلال نہرو کی کتاب Glimpses of World History کا سلیس ترجمہ۔ تمام دنیا کی تاریخ سنین و سلاطین اور حکمراں خاندانوں کے حالات سے قطع نظر کرکے مرتب کی گئی ہے۔ تاریخی ادب میں ایک جدت (۱۰ مارچ تک شایع ہو جائیگی)

سیر کائنات - ہوا اور چاند ستاروں وغیرہ پر آٹھ تقریریں جو انسٹیٹیوٹ لندن میں کی گئی تھیں، یہ اُنھیں کا مجموعہ ہے۔ ارضیات، فلکیات اور ریاضیات کے خشک مسائل پڑھیے اور افسانوں جیسا مزا لیجیے (۱۰ مارچ تک شایع ہو جائیگی۔

مکتبہ جامعہ - دہلی - نئی دہلی، لکھنؤ، بمبئی۔

"کشفِ حقیقت"

(از عبد الماجد)

شبے بخواب دید کہ استخوانہائے پیغمبر علیہ السلام از لحد گرد می کرد و بعضی را از بعضے اختیار می کرد

ایک رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ پیغمبر صلعم کی تربت مبارک سے آپ کی ہڈیاں اُکھاڑ رہے، اور ان میں سے بعض کو چھانٹ رہے اور بعض کو الگ کر رہے ہیں۔

یہ روایت آپ سمجھے کس کی بیان ہو رہی ہے؟ اُنکی جنھیں ہم آپ سراج ولایت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور ہیئتی دکھائی ہوئی راہ پر چلنے والے آج کروڑوں کی تعداد میں حنفی موجود ہیں۔ جی ہاں، یہ خواب، جسے کوئی معمولی مسلمان بھی زبان پر لاتے ہوئے کانپ جائیگا، اُنھیں امام الائمہ کا ہے! اور روایت کے راوی صوفیہ کرام کے سرتاج شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ہیں! ملاحظہ ہو انکا تذکرۃ الاولیاء، جلد ۲، صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ یورپ ——— خواب ختم ہوگیا، خواب کی تعبیر ابھی باقی ہے۔

از ہیبت آن بیدار شد ——— فرط ہیبت سے آپ کی آنکھ کھل گئی۔

بیشک خواب تھا ہی ایسا موحش اور ایسا مدہش۔ وحشت اور دہشت جتنی بھی آپ پر طاری ہوتی، کم تھی ——— خود اتنے بڑے عالم، فقیہ، متقی تھے۔ اپنے دیکھے ہوئے خواب کو نہ سمجھ سکے۔

یکے را از اصحاب ابن سیرین پرسید گفت تو در علم پیغمبر علیہ السلام و حفظ سنت او بدرجہ بزرگ رسی چنانکہ دراں متصرف شوی صحیح از سقیم جدا کنی۔

مشہور معبر ابن سیرینؒ کے ایک شاگرد سے تعبیر دریافت کی تو وہ بولے، کہ آپ پیغمبر صلعم کے علوم اور آپ کے آداب سنت میں درجہ کمال پر پہونچیں گے، اور اس باب میں صحیح کو غلط سے ممتاز کرینگے۔

دیکھا آپ نے، وہی خواب جو اول اول کتنا وحشتناک نظر آتا تھا، اور جسکا زبان پر لانا ہی انتہائی سوء ادب کے مرادف معلوم ہوتا تھا، نگاہِ حقیقت بیں کے سامنے کیسی مبارک فال ثابت ہوا! ——— اب اگر کہیں بیسویں صدی عیسوی کا پروپیگنڈسٹ، امام صاحبؒ کا مخالف اُس وقت موجود ہوتا، تو کیا یہ آسانی اسکے لیے یہ ممکن نہ تھا، کہ چوراہے پر کھڑے ہوکر ایک موثر خطبہ اس قسم کا شروع کر دیتا کہ "دیکھتے ہو اس ظالم و بے ادب کو، کہ ہم سب کے آقا و ہادی حضور رسول اللہ صلعم سے متعلق کیسا گندہ اور بیہودہ خواب لوگوں کے سامنے بیان کر رہا ہے"! اور کتنے سنجیدہ اہل فہم اُس دور میں بھی بچ سکتے تھے جو اس پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر آج جنھیں ہم آپ سراج الامت سمجھتے ہیں، اُنکے لیے بدترین رائے نہ قائم کر لیتے؟

۲۔ روایت کی بنا پر یہ سمجھ لیجیے کہ بہرحال بہر انسانی روایت میں صدق و کذب کا احتمال رہتا ہی ہے۔ خود کلام مجید کے مقدس اوراق کی الٹ پلٹ کیجیے۔ حضرت یوسفؑ بچپن میں کیا خواب کس شکل میں دیکھتے ہیں، اور اُسکی تعبیر کتنی مدت کے بعد اور کتنی مختلف صورت میں ظاہر ہوتی! اسی سورۂ سورۂ یوسف میں ذکر ایک دوسرے خواب کا بھی آتا ہے جسے بادشاہ مصر دیکھتا ہے، اور اسکی تعبیر، خواب کی لفظی و ظاہری واقعیت سے کتنی مختلف کہیں برسوں میں جاکر نکلتی ہے! پھر اسی سورہ میں ذکر دو اور خوابوں کا آتا ہے۔ یہ شاہ مصر کے عملہ کے دو شخص دیکھتے ہیں۔ ان دونوں خوابوں کی تعبیر کا بھی ظہور عالم شہادت میں عالم رویاء سے کتنی مختلف شکل میں ہوتا ہے! ———

ان براہ راست قرآنی خوابوں پر اضافہ کیجیے وہ نیم حدیثی اور نیم قرآنی خواب جنکا صرف مجمل ذکر قرآن مجید میں ہے، باقی تفصیل حدیثوں میں ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا خواب قربانی اسمٰعیلؑ کے باب میں، جسکا مفہوم سمجھنے میں خود ایک نبی برحق کو وقت لگا، یا خود ہمارے رسول کریمؐ کا خواب صلح حدیبیہ والا، جسکا اصل مفہوم اُس سے خود مختلف ہی نکلا، جو آنحضرتؐ کے ذہن مبارک میں آیا تھا۔ تو جب حضرات انبیاء تک کے خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں، اور اپنے لفظی و ظاہری معنی سے الگ ہی ہوکر ظاہر ہونے ہیں، تو پھر غیر انبیاء، اور اُس میں بھی ہمہ شما کا ذکر ہی کیا!

بہت سی نظیریں اور شہادتیں حدیث کے ذخیرے سے مل سکتی ہیں، لیکن قرآن مجید سے استشہاد کے بعد انکی ضرورت ہی کیا! یہ ساری جگہ جیتی تھی۔ اپنی آپ بیتی کو لیجیے ہم میں آپ میں کون ایسا شخص ہے جس نے اپنی عمر کی مختلف منزلوں میں، کیسے کیسے عجیب و غریب دیکھے کیسے کیسے مستبعد و غیر متوقع، کیسے کیسے شرمناک، اور کیسے کیسے بیہودہ خواب نہیں دیکھے ہیں؟ بیداری کے واقعات سے اُن منظروں کا کوئی ربط، کوئی تعلق ہی نہیں! پھر کیا خوابوں کی بنا پر کسی کی سیرت سے متعلق رائے قائم کی جاتی ہے؟ خواب کے اندر کے جرموں پر سزا کا نفاذ کسی عدالت نے بھی جائز رکھا ہے؟ خواب کے جج در زکوٰۃ اور نماز اور روزہ کو بیداری کی نفلیں ارکان کا قائم مقام کسی درجہ میں بھی کسی فقہ نے تسلیم کیا ہے؟ کوئی شخص ساری عمر اگر ہر رات کو برابر اپنے کو شراب پیتا ہوا دیکھتا رہے، تو کوئی ہلکی سی بھی حد شرعی اُس پر جاری ہوگی؟ کوئی معصیت بھی اُسکی لکھی جائیگی؟ عقل نے، نقل نے، تجربہ نے، شریعت نے، کسی نے بھی کوئی ذمہ داری خواب کی، خواب دیکھنے والے پر عائد کی ہے؟ ——— سنہ ۱۹۲۰ء یا سنہ ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے، جب تحریک خلافت خوب زوروں پر تھی، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی مدظلہ اُس سے الگ تھے کہ انکے کسی مخالف کا خواب اخبارات میں شائع ہوا تھا، تفصیل اتنے عرصہ کے بعد اب پوری طرح ذہن میں محفوظ نہیں، ہاں اسی زمانہ میں مولانا کے کسی معتقد نے اسی خواب کی تعبیر بھی چھاپی تھی، جس نے ظاہری صورت واقعات کو بالکل اُلٹ کر رکھ دیا تھا!

خواب ہی سے ملتی جلتی ایک کیفیت اور بھی ہے جسکا نام مراقبہ [*] کی صطلاح میں کشف ہے۔ کشف میں بھی انسان پر ایسی ہی حالت [illegible] ہوتا ہے جیسے حالت نوم میں۔ شعور جلی اُس وقت بھی معطل ہوتا ہے۔ انسان آنکھیں بند ہونے [illegible] دیکھتا ہے، سنتا ہے، اُسکے [illegible]

مسلمان اور ہندوستان کی سیاسی تحریک

[ماہنامہ کتاب (لاہور) کا مختصر تعارف صدق میں آ چکا ہے۔ اسکا دوسرا نمبر پہلے سے کہیں بہتر نکلا۔ اس میں ایک طویل مضمون پروفیسر محمد سرور صاحب جامعی کے قلم سے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور "انکی سیاسی تحریک" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اسکا ابتدائی حصہ حسب ذیل صدق میں درج ہونے کے قابل ہے۔]

آجکل ہندوستان کی تاریخ کی نئی نئی تعبیریں ہو رہی ہیں۔ زیادہ دن نہیں گزرے کہ ہم سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں صرف انگریز مصنفوں کی لکھی ہوئی ہندوستان کی تاریخیں پڑھتے تھے۔ یہ لوگ لامحالہ برطانوی عہد کو سراہتے اور ہندو مسلمان حکمرانوں کے زمانہ کو برا کہتے تھے۔ قومی تحریک شروع ہوئی تو بجائے اس کے انگریزی راج قابل نفرت قرار پایا۔ اور ہندوستان کی تاریخ نئے زاویہ سے لکھی جانے لگی۔

ہندوستان کی موجودہ تاریخ کے ہراول بیشتر ہندو ہیں۔ شروع شروع میں اس تحریک کا سارا تار و پود بھی خالص ہندوانہ تھا۔ گو اصولاً یہ تحریک سارے ہندوستان کی تھی، لیکن عملاً بہت عرصہ تک یہ صرف ہندوؤں ہی تک محدود رہی۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان بحیثیت مجموعی، قومی تحریک سے صرف بے تعلق ہی نہیں بلکہ بڑی حد تک اسکی مخالفت ہی کرتے رہے۔ دوسری طرف ہندوؤں نے مسلمانوں کو پردیسی سمجھنا شروع کیا اور ہندوستانی تاریخ کا اسلامی عہد انکی نظروں میں تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا گیا۔ بنگال کی تقسیم کے خلاف ہندوؤں کی جدوجہد، انقلابی دہشت پسندوں کی تحریک آزادی اور بندے ماترم کے گیت کا کانگریس کے پلیٹ فارم سے گایا جانا، یہ سب اسی زمانہ کی یادگاریں ہیں۔

یہ بات ان ہندو قوم پرستوں کے نقطۂ نظر سے تھی بھی معقول۔ اگر انگریز کی حکومت جابرانہ ہے، اور اُسکو ختم کرنا، ہر ہندوستانی قوم پرور کا فرض ہے تو مسلمان بادشاہوں کی حکومت انکی نظر میں برطانوی حکومت سے کیا کم جابرانہ تھی۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ انگریز کو برا کہا جائے اور مسلمان فرمانرواؤں کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ جن ہندو سرداروں نے مسلمان بادشاہوں کے خلاف بغاوتیں کیں، وہ بڑے وطن پرست قرار دیے گئے۔ سیواجی، گرو گوبند، آزادی کے سورما بنے، اور اورنگ زیب غاصب اور مستبد۔ اب مسلمان کیا کرتے، وہ لاکھ قوم پرست ہوں لیکن وہ اسلامی عہد اور مسلمان بادشاہوں کو برا کہکر نہ اپنا وجود قائم رکھ سکتے تھے اور نہ اپنی قوم کا وقار۔ الغرض ہندوستان کی تاریخ کا یہ مسئلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان، اختلافات کی سب سے بڑی خلیج ہے، جسکا پٹنا اتنا آسان نظر نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں ایک بات صاف ظاہر ہے کہ اورنگ زیب اور دوسرے مسلمان بادشاہ، بادشاہی نظام کے محافظ تھے۔ اور سامراج ہی اس عہد کا شعار رہا۔ سیواجی اور گرو گوبند سنگھ کچھ بھی ہو۔ عام ہندو رعیت کے نمایندے تھے۔ انکی تحریک بجائے ہندو عوام کی تحریک تھی۔ جسکا مقابلہ ہندو عوام اور مسلمان بادشاہ کا تھا۔ اس زمانے میں جبکہ جمہوریت اور ڈیماکریسی ہر شخص کا مذہب بن رہا ہے اور شہنشاہیت اور استبداد کی برائی کے نعرے ہر جگہ گونج رہے ہیں، مرہٹوں، راجپوتوں، سکھوں اور جاٹوں کی تحریکوں کو اس لحاظ سے برا کہنا بہت مشکل ہے۔ لیکن کسی مسلمان کی زبان، اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف بھی آخر کیسے کھلے؟ اب وقت یہ ہے کہ ہندو قوم پرست جس عہد کو اپنی آزادی کی تحریک کا سنگ بنیاد قرار دیتا ہے، اور اسکے لیڈروں کو اپنا پیشوا اور گرو، ہم اسکے برعکس اورنگ زیب کو بڑا خدا پرست بادشاہ مانتے ہیں، اور اسکے خلاف بغاوت کرنے والوں کو برا کہتے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنی قومی عزت کو برقرار رکھنے کے لیے استبداد اور مطلق العنان بادشاہت کی حمایت کریں۔ چنانچہ مسلمان وطن دوست اور آزادی ملک کے لیے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے والے عجب کشمکش میں گرفتار ہیں۔

مولانا محمد علی مرحوم، شروع میں اس قومی تحریک سے بالکل الگ رہے۔ ریاست بڑودہ کی ملازمت کے زمانہ میں وہ اورنگ زیب کی حمایت اور سیواجی کی مخالفت کے سلسلہ میں اپنے افسر کے معتوب بھی ہو چلے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جب مرحوم نے کانگریس میں شرکت کی تو اُسوقت مسلمانوں کے کانگریس تحریک سے علٰحدہ رہنے کیلیے وجہ جواز ڈھونڈھنے کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ مرحوم نے اپنے خطبہ میں جو انھوں نے کانگریس کے صدر کی حیثیت سے کوکناڈا میں پڑھا تھا، نہایت تفصیل سے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ انکا کہنا یہ تھا کہ مسلمانوں کا شروع میں سیاست کے شوروشر سے الگ رہنا بجا اور درست تھا، لیکن جب علیگڈھ کے قیام اور مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی عام اشاعت پر عرصہ گزر چکا اور ان میں سیاسی بیداری کے آثار نمایاں ہو چلے تو پھر مسلمانوں کیلیے کانگریس میں شریک ہونا ضروری ہو گیا، یعنی مرحوم نے یہ مان لیا کہ آزادی کی تحریک میں مسلمان بعد میں آئے، اوّلیت کا سہرا ہندوؤں ہی کے سر رہا۔ گاندھی جی قائد بنے، اور محمد علی اور شوکت علی انکے رفیق اور پیرو۔ مولانا مرحوم کو طبعۃً یہ ثانوی حیثیت گوارا نہ تھی۔ چنانچہ انکی ہندو کانگریسی زعماء سے کبھی نہ بنی خود گاندھی جی نے بھی جنکے وہ کسی زمانہ میں بڑے عقیدت مند تھے، انھیں آخر لڑائی لڑنی ہی پڑی۔ یہ اختلافات عارضی اور وقتی اسباب کی وجہ سے نہ تھا، جیسا کہ بظاہر اسوقت لوگوں نے سمجھا کہ تصادم تھا دو مختلف ذہنیتوں کا۔ ہندو قوم پرست قومی تحریک کی قیادت کا دعویدار تھا، وہ مسلمان کو صرف اپنا پادگار سمجھتا تھا۔ لیکن یہ کہ دونوں اس تحریک میں برابر کے ساجھی ہوں، یہ خیال گاندھی جی کے اساس فکر میں کبھی ممکن نہیں۔ گاندھی ازم آزاد ہندوستان کا سیاسی اور دینی مسلک ہے۔ مسلمان کی اس میں گنجائش ضرور ہے لیکن محض مخلص پیروکی۔ ہندوستان کی قومی تاریخ کی اس تعبیر کا اسکے سوا اور کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ جو مسلمان بھی ان حالات میں کانگریسی بنا جائیگا۔ مسلمان اسے "غازی" قرار دینگے۔ انکے نزدیک سیواجی نے جو کام

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی کے متعلق مراسلات اس پتہ پر ہوں:— محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج — لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؎۲
بیرون ہند سے سالانہ ...
قیمت فی پرچہ ۱م

اڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
مضامین کے ... مراسلت اڈیٹر سے کی جائے

صدق

نمبر ۴۳ | دوشنبہ ۲۸ صفر المظفر سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

اسی فروری کی آخری تاریخ کو لکھنؤ میں مسلمانوں کے ایک بازار نظیر آباد میں ... جو حادثۂ خونیں پیش آیا، اسکی یاد سے تو اب بھی خون ٹپک رہا ہے۔ وہ صدر ہندو مہاسبھا کا عظیم الشان جلوس، اور اس میں کا ہزاروں کی تعداد میں مجمع، وہ اس مجمع کی لاٹھیاں، تیغ، قرولیاں، وہ اس مجمع کے مسلسل اشتعال انگیز، صبر آزما نعرے۔ تصادم اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہے، اس لیے نفس واقعات پر بحث کا موقع نہیں، کون کس حد تک مجرم تھا، کس کا قصور کتنا تھا، اسکا فیصلہ عدالت ہی سے ہوگا۔ یہاں غرض صرف اس حقیقت سے ہے، کہ نظیر آباد میں جو نوجوان اسلام کے نام پر، دین کی غیرت پر، کلمۂ توحید و رسالت کی محبت پر، سب سے پہلے نثار ہوا، وہ ایک شیعہ مسلمان تھا!! —— واقعہ ماضی کا نہیں حال کا ہے۔ کل کا نہیں، آج کا ہے! ذکر کسی اور شہر کا نہیں، اسی شہر کا جو مرکز ہے "مدح صحابہ" کا، اکھاڑہ ہے "قدح صحابہ" کا! اسی شہر کا ہے، جہاں شیعوں کے جلوس مجسٹریٹوں کے زیر سایہ چلتے ہیں اور سنیوں کے جلوس پولیس کی سنگینوں کی حفاظت میں نکلتے ہیں!

کیا غیر مسلموں نے شہر کے مختلف محلوں میں جب مسلموں پر حملے کیے، لاٹھیاں برسائیں، چھریاں چلائیں، قرولیاں بھونکیں، تو یہ بھی سوال کرتے جاتے تھے کہ بتا تو کلمہ گویوں کے کس فرقہ سے ہے؟ یہ بھی جستجو کرتے جاتے تھے کہ بول تو تفضیل صحابہ کے باب میں کیا عقیدہ رکھتا ہے؟ مسئلہ بدا میں تیرا کیا خیال ہے؟ تو جنگ جمل و صفین میں حق پر کس کو سمجھتا ہے؟ تو قاتلان حسینؓ پر لعنت کا قائل ہے یا نہیں؟ —— دشمنان اسلام کی نظر میں تو اسلام کی صرف ایک ہی مہر ہے، ایک ہی نشان ہے، ایک ہی چھاپ ہے، ایک ہی ٹھپہ ہے، ایک ہی پہچان ہے، اور وہ کلمۂ شہادت ہے، صرف توحید و رسالت کا اقرار! —— ہاں دیوبندی سنی و شیعہ مقلد غیر مقلد کی تفریقیں اور تقسیمیں سب اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور واجبی، اور اہم بھی۔ لیکن خدا کے لیے ہر اختلاف کا درجہ اور مرتبہ پہچانیے، ہر غلطی، ہر غلط روی، ہر نادانی، ہر کج فہمی کو اسکی حد پر رکھیے۔ جزو کو جزو کی حیثیت پر رہنے دیجیے، اسے کل سے بڑھانے کی کوشش میں اپنے آپ کو مضحکہ انگیز نہ بنا دیجیے!

ابو محجن ثقفیؓ کا حال کیا تاریخ اسلام کا کوئی نامعلوم واقعہ ہے! شراب نوشی، متواتر شراب نوشی کے جرم میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حراست میں قید تھے۔ معرکۂ جہاد میں، ایران کے محاذ پر، مسلمانوں کو کٹتے اور گرتے دیکھ بیتاب ہوگئے، کسی نہ کسی حیلہ، بہانہ، تدبیر سے قید خانہ سے نکل میدان جنگ جا پہنچے، اور اپنی شخصیت کو چھپائے ہوئے اس بے جگری سے لڑے کہ سپہ سالار کے منہ سے بیساختہ داد نکل گئی —— عمل کا فسق ہو یا اعتقاد کا فسق، یہ سارا خس و خاشاک، غیرت دینی اور جوش اسلامی کے سیلاب میں یونہی بہ جایا کرتا ہے۔ یہی کل بھی ہوا، یہی آج بھی ہو رہا ہے۔ ضرورت اسی کو گرمانے، اسی کو ابھارنے کی ہے —— مبارک ہے وہ شخص جس سے خیر پیدا ہو، خوش نصیب ہے وہ قوم جو ہر حادثہ سے بصیرت، غیرت، و عظمت کا سبق لے۔ کاش نوجوان یوسف شہید کی یہ موت اور دوسرے مجروحوں کا بہتا ہوا خون ایک نشان اتحاد

جن جائے، پیام مودت بن جائے، اس فساد و تفرقہ والے شہر کے لیے، شرانگیز جلسوں اور فتنہ خیز جلوسوں والے شہر کے لیے! —

مگر یہ بھی اچھی ہے، تقریر میں تھے جھگڑے
تحریک اسکو آیا ہم نے جس شور میں شر دکھایا!

پنجاب کی نظیر

پنجاب کی صوبہ اسمبلی کا ایک منظر:-

"خان محمد یوسف خان نے تحریک پیش کی کہ امتناع رقص مرد سے متعلق مسودۂ قانون پر سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا جائے۔ اس مسودہ قانون کا مقصد یہ ہے کہ مسلم خانقاہوں پر عورتوں کے رقص و سرود کی ممانعت کی جائے۔

پیر اکبر علی نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بل بے معنی ہے اور اسکی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اس سے مداخلت فی الدین ہوتی ہے۔ نیز آیہ کریمہ لا اکراہ فی الدین کی خلاف ورزی اور دوسروں پر جبر ہوتا ہے....

حاجی رشید احمد لطیف نے اس بل پر اظہار مسرت کیا اور محرک کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ شکر ہے کہ اس ایوان نے کم از کم ایک اصلاحی بل تو پاس کر دیا۔

پیر اکبر علی نے تیسری خواندگی کے وقت بھی بل کی مخالفت کی تھی اور اسکو پھر مداخلت فی الدین قرار دیا۔"

زندہ باد پیر اکبر علی! اسکے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ پنجاب اسمبلی "تنگ دلی" اور "روشن خیالی" کی نمائندگی سے یکسر خالی ہے؟ ——

پنجاب کی تو خیر نہیں، البتہ ہمارے صوبہ میں تو ناچ گانا کا بہت بڑا علمی مرکز (کلچر سنٹر) اور گانے بجانے کی تو پوری اکاڈمی قائم ہے۔ خلعت سے سرافراز ہونے کا تو اب زمانہ ہی نہ رہا لیکن عیب ہوگا اگر اپنی آنریری ڈگری سے یہ اکاڈمیاں اپنے آرٹ نواز کو نوازنے سے محروم رکھیں!

تجدد میں جمود

پونہ کی مشہور زنانہ یونیورسٹی (ڈاکٹر کاروے کی قائم کی ہوئی) روز بروز ترقی پر ہے —— ٹھیک زمانہ کی ترقی کے تناسب —— اور ابھی پچھلے دنوں تیاری کی زنانہ یونیورسٹی کی طرح اس نے بھی اپنی سنی سالہ سلور جوبلی دھوم دھام سے، تزک و احتشام سے منائی۔ ۱۵ لاکھ کی رقم تو اسکے سرپرست وٹھل داس بینکر نے دے ڈالی تھی، اور حکومت بمبئی کے گراں بہا و بیش قدر عطیے اسکے علاوہ۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسوقت وہ خوب زوروں پر ہے۔ دو کالج اسکے تحت میں ہیں، ایک استانیوں کا ٹریننگ کالج ہے، دو بڑے بڑے ہائی اسکول ہیں، اور انکے علاوہ جن درسگاہوں نے اپنا الحاق اس سے کرا لیا ہے انکی تعداد بھی کوئی ۲۰ سے کیا کم ہوگی —— تجدد کو یہ ساری ترقیاں مبارک اور بہت بہت مبارک۔ لیکن یہ لیجیے نا، کہ خیال رہ اور دنیا نو کسی قسم کی عورتیں اور لڑکیاں ہیں، کہ اتنی ترقیوں پر بھی انھیں خیال "مخلوط تعلیم" یعنی Co education کا خس آ؟! اور زنانہ تعلیم کے الگ و مخصوص رکھنے پر انکا اصرار برابر جاری ہے

بیسویں صدی کے وسط میں، علم اور تعلیم کا، اور آزادی حقوق کا اتنا غلغلہ بلند کر کے بھی وہی فرسودہ تخیل "زنانہ" تعلیم کا قائم! تعلیم میں یہ تفریق زنانہ و مردانہ کی کیسی، اور لڑکیوں کو لڑکوں سے عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کے کیا معنی!

ہوئے انسان بندر سے، ترقی اسکو کہتے ہیں
ترقی پہ بھی بیٹھو، بدنصیبی اسکو کہتے ہیں!

جنگ کی مار

"ریل پر سفر کم کیجیے"۔ "ریل پر بلا ضرورت شدید سفر ہرگز نہ کیجیے"۔ "ریل پر سفر کرنا جنگ میں ملک دشمن کی مدد کرنا ہے"۔ "اونٹوں سے، گھوڑوں سے، گھوڑا گاڑیوں سے، اونٹ گاڑیوں سے کام لیجیے"۔ اس قسم کے اشتہارات، پوسٹر، جا بجا بیں تو شائع ہو ہی رہی تھیں، اب بڑے بڑے شہروں کی میونسپلٹیوں، اور دوسرے سرکاری اور نیم سرکاری محکموں نے اس طرح کے اعلانات بھی شائع کرنے شروع کر دیے ہیں:— "پانی کم خرچ کیجیے"۔ "نل کا پانی بہت احتیاط سے خرچ کیجیے"۔ "خزانۂ آب کی حالت ابھی بے خیالیوں اور بے پروائیوں کو برداشت نہیں کر سکتی"۔ "منہ ہاتھ دھونے، غسل کرنے، برتن دھونے، سب میں پانی کا ہاتھ روک کر خرچ کیجیے، اور اسکا نفع اپنی ذات اور اپنے شہر کو پہونچائیے"۔ وغیرہا وغیرہا —

سنتے ہیں، ملک عرب میں پیدا ہونے والے ایک حکیم نے کسی زمانہ میں کہا تھا کہ پانی کم خرچ کیا کرو، وضو تک میں جو فرض اور جزو عبادت ہے، پانی اگر بلا ضرورت زیادہ بہاؤگے، تو ان قطروں کا بھی حساب لیا جائیگا! —— عرب کا حکیم، کُل دنیا کا حکیم تھا۔ آج قدر ہو رہی ہے اسکے ایک ایک ارشاد کی، اسکی تعلیمات و ہدایات کے ایک ایک جزئیہ کی! دنیا، روشن خیال دنیا، اپنے تہذیب و تمدن کی ترقیوں پر نازاں دنیا، اس امی کے نام سے بہت بھاگی، بدکی، بچکی، قدرت کا زبردست ہاتھ کن کن نامعلوم راستوں سے، کیسے کیسے مخفی طریقوں سے پھر اسی کی طرف ڈھکیل رہا ہے۔ اسی کے قدموں پر لا لاکر گرا رہا ہے!

"تجدید" کی منطق

"بالفرض میری یہ دعوت اگر مشتبہ بھی ہو تو کیا اعلاء کلمۃ اللہ کی لگن اور تڑپ رکھنے والے لوگ ایسی سعی کے مقابلہ میں جبکہ اندر محض برسرِ باطل ہونے ہی کا نہیں بلکہ کچھ برسرِ حق ہونے کا بھی امکان ہو، بالفعل مخالفت شروع کر دینے کا فیصلہ اتنی ہی عجلت کے ساتھ کیا کرتے ہیں ...... اگر ہٹ دھرمی سے کام نہ لیا جائے، تو زیادہ سے زیادہ ہمارے تمام کو مشتبہ ہی کہا جا سکتا ہے، صریحاً باطل نہیں کہا جا سکتا پھر کیا خدا سے ڈرنے والے قلوب زکیہ کا یہی کام ہے کہ جس میں خیر و صلاح کا کچھ بھی امکان پایا جاتا ہو، اسکی مخالفت میں اتنی جلد بازی دکھائیں۔" (ترجمان القرآن۔ [illegible])

گراں بہا ایثار

انجمن ترقی اردو اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب خواص و عوام میں ایک لحاظ سے مترادف لفظ بن گئے ہیں۔ حق یہ ہے کہ کوئی ایسی علمی ادبی یا سیاسی انجمن پیش نہیں کی جا سکتی جس کی زندگی اور ارتقا کا انحصار کسی ایک شخص کی توجہ، ہمت اور ایثار کے اتنے اجزا سے اس طرح ہو جس طرح انجمن ترقی اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی ذات ستودہ صفات کے انوار سے معمور ہے۔ زمانے نے سیکڑوں رنگ بدلے۔ حالات اور مقامات میں کئی تغیرات پیدا ہوئے۔ لیکن ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے مولوی عبدالحق صاحب کا نام صرف انجمن ترقی اردو سے وابستہ دیکھتے رہے ہیں۔ اور آج بھی اس بزرگ ہستی کے فکر و عمل کی ہر استعداد صرف اس انجمن کے لیے وقف ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین دماغ اور بہترین صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ وہ پبلک زندگی کے ہر دائرہ میں زیادہ سے زیادہ اونچا منصب حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن انکی توجہات اسے صرف ایک کام پر مرکوز رہیں جو کسی ایک قوم یا کسی ایک گروہ کا نہ تھا بلکہ سارے ملک کا ایک اہم کام تھا۔ اسی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے کر وہ خاموشی سے سرگرم رہے۔ آج انکے سعی مشکور کا منظر کے سامنے دنیا کی گردن اعتراف سے خم ہو رہی ہے۔ اور انجمن ترقی اردو مولوی عبدالحق صاحب کی بدولت ملک کی بہترین اور مفید ترین علمی مجالس میں نمایاں حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب ممدوح نے ۱۹۱۲ء میں انجمن کا نظم و نسق سنبھالا تھا تو اسکا اندوختہ سرمایہ ایک "ٹوٹے ہوئے صندوق" اور ایک "بچھے پرانے رجسٹر" کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن آج کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے:-

مد	سرمایہ
محفوظ سرمایہ	تقریباً پچاس ہزار
مطبوعات	تقریباً ساٹھ ہزار
سالانہ بجٹ	اسی ہزار
سرمایۂ عمارت	بیس ہزار
تعداد مطبوعات انجمن	۱۷۰
انجمن کی شاخیں	۲۳۲
انجمن کے ابتدائی اور شبینہ مدارس	۷۰

علاوہ بریں تین رسالے انجمن کی سرپرستی میں شائع ہوتے ہیں۔ اول رسالہ اردو (سہ ماہی) دوم رسالہ سائنس (ماہانہ) سوم ہماری زبان (پندرہ روزہ) ہر سال کم از کم دو درجن کتابیں انجمن چھاپتی ہے۔ جنکے تقریباً بیس ہزار نسخے شائع ہوتے ہیں اور کیسی کتابیں؟ جو مضامین، مطالب اور زبان کے اعتبار سے معیاری حیثیت رکھتی ہیں، بیسیوں نایاب کتابیں چھپیں۔ اس ادارہ میں انجمن کا کتبخانہ نہایت بیش بہا کتابوں سے مزین ہو۔ اگرچہ ہمیں انکی پوری فہرست سے آگاہی نہیں ہے لیکن پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مولوی صاحب ممدوح نے اسے ہر اعتبار سے ملکی زبان کی مرکزی انجمن کے شایان شان بنا دیا ہے۔ اور یہ سارا گرانبار کام صرف ایک شخص کی محنت، توجہ، ہمت اور ایثار کی برکات کا کرشمہ ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب ممدوح کو طویل عمر عطا فرمائے۔ اور انکی برکات فکر و عمل سے اہل ملک کو زیادہ استفادے اور محظوظیت کا موقع دے۔ آمین۔

انجمن ترقی اردو کے کام کا یہ سرسری ذکر بے اختیار زبان قلم پر آ گیا جبکہ ہم اردو زبان کے اس سب سے بڑے محسن کے ایک تازہ ایثار کے بارے میں چند سطریں لکھنا چاہتے تھے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب ممدوح کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نمائش سے متنفر ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی اردو زبان کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور اس سلسلہ میں بیسیوں قربانیاں کیں لیکن انکے کسی عزیز سے عزیز دوست اور عقیدتمند کو بھی ان قربانیوں کا پورا علم نہ ہوگا۔ مولوی صاحب ممدوح کے پاس اگرچہ نشر و اشاعت کے کئی وسائل موجود تھے لیکن انکی اولوالعزمی کبھی ذاتی خدمات کے تذکرہ پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اب ایک خاص ضرورت کے سلسلہ میں انھیں اپنی ایک خدمت کو بادل ناخواستہ ظاہر کرنا پڑا۔ یعنی یہ کہ وہ مدت مدید سے اپنی ذاتی تنخواہ سے ایک خاص رقم انجمن کے نام سے جمع کرتے رہے تھے۔ اور انکا ارادہ تھا کہ زندگی میں اسکا اعلان نہ کریں۔ گزشتہ سال وہ انجمن کی عمارت کے لیے حیدرآباد میں چندہ جمع کر رہے تھے تو ایک دوست نے پوچھا کہ آپ نے کتنی رقم انجمن کو دی ہے؟ مولوی صاحب فرماتے ہیں:-

"میرا قاعدہ ہے کہ کسی کام کے لیے دوسروں سے اسوقت تک نہیں مانگتا جب تک کہ خود شریک نہ ہوں۔ اس فہرست میں میرا چندہ بھی تھا لیکن شاید پریشانی کی وجہ سے انکی (دوست کی) نظر نہ پڑی.... اس واقعہ کے بعد میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ یہ رقم جو میں نے انجمن کے نام سے جمع کی ہے انجمن کے مستقل سرمایہ میں جمع کر دوں۔"

جانتے ہو اس رقم کی مقدار کیا ہے؟ چوّن ہزار تیس روپے جو آصفیہ سکہ عثمانیہ جو انگریزی سکے کے حساب سے کچھ کم پچاس ہزار روپے بنتی ہے۔ مولوی صاحب ممدوح نے یہ رقم انجمن کی نذر کر دی ہے لیکن یہ شرط لگا دی ہے کہ اگر انجمن کی مجوزہ عمارت کے لیے خدانخواستہ کافی رقم جمع نہ ہو سکے تو اسکے عطیہ کو عمارت میں صرف کر لیا جائے۔

یہ ہے حقیقی اور مستقل قومی کام کرنے والوں کی شان عمل اور معیار کار۔ کیا اسکے بعد بھی خواص و عوام سے یہ اپیل کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ انھیں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے ایثار، ہمت اور اولوالعزمی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترقی اردو کے کام میں زیادہ سے زیادہ اعانت کا انتظام کرنا چاہیے۔ کیا مولوی صاحب ممدوح کی شخصیت اپنی تمام دلکش ہمت پیدائیوں کے ساتھ بجائے خود موثر ترین اپیل نہیں ہے؟ (انقلاب)

خط و کتابت وغیرہ

میں اپنا نمبر خریداری براہ کرم نہ بھولیے

خاندان کی انتقدر دلچسپی لینے کا بڑا سبب ڈیوک (آف کناٹ) کا بمبئی اور پونا میں قیام تھا ۔ انھیں کی وجہ سے ہندستان کی انگلو انڈین کو شاہی خاندان میں ایک خاص حیثیت حاصل ہوگئی اور ڈیوک نے ہی سب سے پہلے ہندستانی میں اتنی استعداد پیدا کی کہ سپاہیوں کو اس زبان میں مخاطب کرسکیں اور اسکا جو اثر ہوا وہ اندازے سے بھی زیادہ تھا۔ ہندستانی زبان میں ڈیوک کی ایسی مہارت دیکھ کر انکے صوبۂ بمبئی کے دورے کے زمانے میں لوگ بہت خوش ہوتے تھے۔ ایک موقع پر تو ایک ہندستانی افسر نے (احمد آباد میں) اپنے کرنل سے کہا "کیوں صاحب یہ (ڈیوک آف کناٹ) تو آپ سے بھی زیادہ "میٹھی بات" بولتے ہیں ——

۱۸۸۲ء میں بمقام برودہ ۱۲۳ء بمبئی انفنٹری کو تمغے تقسیم کرتے ہوئے جنہوں نے سوڈان میں بڑی خدمات انجام دی تھیں ڈیوک نے حاضرین کو ہندستانی زبان میں مخاطب کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شاہی خاندان کے ایک شاہزادے نے ایک ہندوستانی زبان کے ذریعہ سرکاری تقریر کی۔

یہاں پر یہ بیان کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ڈچز صاحبہ بھی اپنے خاوند کا تتبع فرماتی تھیں اور بقول "السٹریٹڈ لندن نیوز" مورخہ ۵ مرمئی ۱۸۸۱ء "وہ روزانہ دو گھنٹے ایک منشی سے سبق پڑھتی تھیں۔ اور اس طرح وہ اکثر موقعوں پر خواتینِ ہندوستان سے گفتگو کرسکتی تھیں" (ہماری زبان)

عبرت

ابھی چند مہینے گزرے ہمارے صوبہ کے مشہور شاعر "حضرت سیماب اکبرآبادی" نے ایک نظم بہ عنوان "موحدِ اعظم" ارشاد فرمائی تھی، جس میں شیطان کو "موحدِ اعظم" قرار دیا گیا تھا۔ اور سجدۂ آدم سے اسکے انکار و استکبار کو اس کی خالص توحید پرستی اور شرک سے اس کی کامل بیزاری کا نتیجہ بتایا گیا ——

ہمارے مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری (مقیم مانڈیر ضلع سورت) کی جو "شامت" آئی، تو انھوں نے "حضرت سیماب" کی اس نظم پر شرعی حیثیت سے بھی تنقید کرڈالی اور جیساکہ نصوص شرعیہ کی روشنی میں انھوں نے سمجھا تھا سیماب صاحب کے اس تخیل کو انھوں نے منافیِ ایمان و اسلام قرار دیا — — — مولانا کی اس "مفتیانہ جسارت" اور "مولویانہ گستاخی" کا انتقام سیماب صاحب کے اہلِ قلم حامیوں نے جس طرح سے لیا اور جیسی کھری کھری مفتی صاحب کو اس سلسلہ میں سننی پڑیں اسکا علم ان حضرات کو ہوگا جنھوں نے اردو کے بعض مشہور اخبارات و رسائل میں وہ جوابی مضامین دیکھے ہونگے۔

گویا اب دنیا کی رسم یہ ہوگئی کہ شیطان کو "موحدِ اعظم" کہو، فرعون کو موسیٰ کا درجہ دے دو، نمرود کو ابراہیم سے بڑھادو۔ اس پر بھی اگر کوئی بیچارہ مولوی مفتی حکمِ شرعی کا اظہار کردے، تو اسکی پگڑی اچھال دو اور اس طرح پنجے جھاڑ کر اسکے پیچھے پڑجاؤ کہ آئندہ کسی کفر کو کفر کہنے کی ہمت ہی نہ کرسکے اور کرے بھی تو اپنی پگڑی اچھلوانے بلکہ ٹوپی اترواسنے کے لیے بھی تیار رہو۔

اس معاملہ میں سب سے زیادہ تکلیف دہ اور افسوسناک رویہ بعض اردو اخبارنویس حضرات کا رہا جو خود بھی اپنی حمیت و غیرت رکھتے

اسکے باوجود مضمون نے "ثالث الخیر" اور "قائم بالقسط" بنکر نہایت "متانت و سنجیدگی" کے ساتھ مفتی صاحب ہی کو نصیحت فرمائی کہ سیماب صاحب نے جو کچھ بھی کہا وہ محض "شاعری" تھی، اور شاعروں کی باتوں کو زیادہ ذہن میں نہیں لانا چاہیے —— سبحان اللہ! گویا شاعروں کو عام اجازت ہے کہ

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ! (الفرقان)

(بقیہ صفحہ ۵)

وہ الحاد و انکار میں اسلامی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہتے تھے اور اسلام کے کسی ادنیٰ شعار کی توہین بھی انکو گوارا نہ تھی۔ ذات رسالتمآب (روحی فداہ) سے انکو عشق تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب شاخ اتحاد المسلمین صوبۂ ورنگل کے سالانہ اجلاس میں "نورِ قدسی" پڑھکر میں اسٹیج سے اترا تو مرحوم مجھسے خاص تاثر کے ساتھ بغلگیر ہوئے۔ وہ اپنی ہر چیز اس دنیائے آب و گل میں چھوڑ گئے۔ انکے نیک اعمال و اسلامی خدمات ہیں جو قبر، برزخ اور حشر و نشر میں ہر جگہ کام آئیں گے۔

سید مرحوم نے اپنی یادگار "رہبر دکن" کو چھوڑا ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اس یادگار کو باقی رکھیں۔

رحمت الٰہی کے پھولوں کی بارش ہو سید مرحوم کی قبر پر!

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعادِ خریداری اسی مہینے میں ختم ہو رہی ہے مہربانی کرکے چندہ جلد بھیج دیجیے۔ اور اگر خدانخواستہ کسی صاحب کو آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو بذریعہ کارڈ اطلاع دیں تاکہ انھیں یکم اپریل کو وی۔پی نہ بھیجا جائے۔ ورنہ دفتر کو بلاوجہ ضرر کا نقصان ہوگا۔

نمبر ۱۸۷ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۶۱۰
و ۶۱۴ و ۶۴۸ و ۷۵۷ و ۷۵۸
و ۷۷۵ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۸
و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۲ و ۹۸۴
و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸
و ۹۹۳ و ۱۰۶۶ و ۸۹۴

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علماے اسلام و حکماے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں۔ ضخامت ۸۰ صفحے۔ اسٹاک ختم کرنے کے لیے قیمت میں غیرمعمولی رعایت۔ یعنی صرف ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کردی جائیگی۔

سچی باتیں

ولنا ان اہل الحرب غیر ملتزمین احکام الاسلام ۔۔۔ بخلاف اہل الذمۃ لانہم التزموا احکامنا فی ما یرجع الی المعاملات کالربٰو والزنا ۔۔۔ ولابی حنیفۃ ان اہل الذمۃ لا یلتزمون احکامنا فی الدیانات وفی ما یعتقدونہ خلافاً فی المعاملات فاٰنا امرنا بان نترکہم وما یدینون فصاروکاہل الحرب بخلاف الزنا لانہ حرام فی الادیان کلہا والربٰو مستثنیٰ عن عقودہم بقولہ علیہ السلام

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حربی کافر نے تو قانون اسلام کی پابندی کا کوئی وعدہ کیا نہیں (اسلیے اُن پر ان احکام کا اجراء نہ ہوگا) لیکن ذمی کافر کی صورت دوسری ہے۔ وہ تو معاملات کی حد تک مثلاً سود خواری اور زنا میں ہمارے احکام کو ماننا اپنے اوپر لازم کر چکے ہیں ۔۔۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمیوں نے نہ تو عبادات میں ہمارے احکام ماننے کا وعدہ کیا ہے اور نہ ان معاملات میں جو اُنکے طور و طریق کے مخالف ہیں، ۔۔۔۔ اس لیے ہم کو تو حکم شرعی یہی ہے کہ ہم انکو انھیں کے دین پر چھوڑ رکھے رہیں (اور خود دخل نہ دیں) سو انکا حال بھی تو حربی کافر ہی کا سا ہے۔ البتہ زنا میں ایسا نہ ہوگا کہ وہ تو ہر مذہب میں حرام ہے۔ یا سود خواری جیسا کہ وہ بھی ذمیوں کے عہد سے مستثنیٰ ہے بہ دلیل حدیث حضرت رسول اللہ صلعم کے۔

عبارت فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہدایہ کی ہے (کتاب النکاح، باب المہر، فصل آخر)۔ فقہ کی کتابوں میں ایک بحث یہ آئی ہے کہ اسلامی حکومت میں اگر کافر وہاں اپنے طریق پر شادی کرے تو اسکے کیا احکام ہیں۔ اسکے ایک خاص جزئیہ میں خود ائمہ حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ یہاں نہ بحث اُس نفس مسئلہ سے ہے، نہ اس اختلاف پر محاکمہ مقصود ہے۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ ایک چیز پر دونوں فریق، یعنی کُل ائمہ حنفیہ متفق ہیں، اور وہ یہ ہے کہ دارالاسلام میں، اسلامی حکومت میں، نہ کھلی ہوئی حرام کاری سے کسی حال میں رواداری برتی جائیگی اور نہ کھلی ہوئی حرام خوری (مثلاً سٹہ بازی و سود خواری) سے! ـــــ کسی حال میں بھی نہیں۔ ذمیوں کے ساتھ جو رعائتیں شریعت اسلام نے کی ہیں، اسکے قائل غیر مسلم بھی ہیں۔ جو حقوق انھیں قانون اسلام نے دیے ہیں، انکی نظیر سے دنیا کے قوانین خالی ہیں۔ ذمی اپنے طور طریق پر پوجا پاٹ کر سکتے ہیں، اپنی عبادتیں کر سکتے ہیں، شرابیں پی سکتے ہیں، ناپاک جانوروں کا گوشت، نجس غذائیں کھا سکتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ انھیں کفر بلکہ شرک تک کی آزادی حاصل ہے۔ لیکن نہیں اجازت ہے تو کھلے بندوں جوا کھیلنے کی ـــــ نہیں اجازت ہے جس طرح لوگوں کو زہر کھلانے کی، مخلوق کو تہ تیغ کرنے کی، نہیں اجازت ہے اُسی طرح فضا کو مسموم کرنے کی، لوگوں کے اخلاقی قتل و غارت کی، انسان کی روح کو ہلاک کرنے کی!

اسلامی حکومت، کامل صورت میں نہ سہی، کسی قدر ناقص صورت میں بھی اگر آج قائم ہو جائے، تو آپ کو معلوم ہے کہ دنیا سے کسقدر فسق و فجور مٹ کر رہے، معصیت کیسی نایید ہو جائے! چکلے اور قحبہ خانے ایک نہ باقی رہیں۔ "چوک" اور "ہیرا منڈی" اور "سفید گلی" کی قسم کے بالاخانے اسفل السافلین کو پہونچ جائیں۔ بڑے بڑے بینک، ساہوکارے، بینکنگ سب مٹ کر رہیں۔ بڑے بڑے مہاجنوں کا، کوآپریٹو سوسائٹیوں کا قلع قمع ہو جائے۔ گھوڑدوڑ کی بازیوں، فٹ بال کی بازیوں کی کوئی بات تک نہ پوچھے، کاروبار سٹہ کا، لاٹریوں کا نام ہندستان بھر سے نہ رہ جائے انشاء اللہ!

کے موجود۔ بعد عصر سہ پہر کو حسب معمول عصرانہ (چائے پارٹی) میز کرسیاں باقاعدہ آراستہ جیسا کہ پارٹیوں میں دستور ہے۔ یک بیک بعض لوگوں کو خیال گزرا کہ تکلف، تصنع، تفنن کے کم از کم اس جُز کو تو بآسانی توڑا جا سکتا ہے۔ "سید الطائفہ" ہمارے مولانا سید سلیمان ندوی نے پیشقدمی کی، اور بجائے میز کی طرف بڑھنے کے زمین ہی کے سبز فرش پر بے تکلف بیٹھ گئے! پھر تو سب نے کی۔ دم کے دم میں میدان میز کرسیوں سے صاف ہوگیا۔ اور سب نے پورے لطف و راحت کے ساتھ سبزہ زار ہی پر بیٹھ کر کھایا! —— بات بظاہر معمولی ہی ہے۔ لیکن درحقیقت ایسی ہلکی نہیں۔ معاشرت کی ہر چھوٹی بڑی شے میں "صاحب" کی تقلید کی جو بلا ساری قوم میں سرایت کیے ہوئے ہے، اُسکے علاج کا یہی طریقہ ہے کہ ہر صاحب اثر اپنے حلقۂ اثر میں اس فرنگیانہ نظام کو توڑ تاڑ کر دے اور اُسکے بجائے اسلامی (ورنہ کم از کم اپنے دیسی ہی) طور طریقوں کو اختیار کر دینے اور جاری کر دینے میں ذرا نہ شرمائے۔ دلوں اور دماغوں سے مرعوبیت دور کرنے کی یہی ایک ہے۔

دیوتاؤں کے کارنامے

ہندی ادب میں دھارمک (مذہبی) المیہ کو خاص درجہ حاصل ہے۔ ان کہانیوں میں چندر دیو اور تارا کی عجیب و غریب پریم کہانی خاص شہرت رکھتی ہے۔ تارا گرو برہسپت کی دھرم پتنی (بیوی) ہے اور چندر دیو برہسپت کا چیلا۔ چیلا اپنے گرو کی پتنی (بیوی) کے پریم بھاؤ [عشق] میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ مگر وہ اس خیال کو بھی پاپ سمجھتا ہے۔ اُدھر برہسپت کو جب اسکی خبر ہوتی ہے تو وہ چندرماں [چاند] کو سراپ [بد دعا] دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف تارا کو بھی شراپ [بد دعا] لگتا ہے۔ اسی پریم کتھا [افسانۂ محبت] کا سنگیت روپک [ناٹک] جیسے ..... جی نے لکھا اور سنگیت پریم منڈلی پیش کرےگی، لکھنؤ ریڈیو سے ۲۲ مارچ سنہ ۴۹ء کو عورتوں کے پروگرام میں ہے" (آل انڈیا ریڈیو کا سرکاری رسالہ آواز، ۱۶ مارچ سنہ ۴۹ء)

یہ وہی قصہ ہے، جو صدق میں تین چار مہینے ہوئے "عشق و فسق کا افسانہ" کے عنوان سے نکل چکا ہے۔ اب آب و تاب کے ساتھ بطور ایک مقدس کہانی کے ریڈیو سے سنایا جائیگا۔ اور ہزارہا سننے والے عقیدت و احترام کے کانوں سے سنیں گے! —— ادھر سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کے دل میں بھی حسرت پیدا ہوگی کہ ہمارے یہاں ایسی [illegible] کیوں نہ ہوئی! ایسے عجیب و غریب ہوشربا افسانے ہماری مقدس روایات کے جزو کیوں نہ ہوے! —— عجائب القصص وغیرہ آخر اسی بڑی کمی کی تلافی کے لیے تو تصنیف ہو کر رہی ہیں!

ایک مفید ادارہ

پٹھان کوٹ (ضلع امرتسر) میں جمال پور فرسٹ فارم کے پاس ایک خوش فضا خطۂ زمین میں ادارہ دار السلام کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی آباد ہے۔ ابتدائی تخئیل اقبالؒ کا تھا۔ تعمیر کے مشورے سے مولانا مودودی یہاں بلائے گئے تھے، اور ایک مخلص زمیندار چودھری نیاز علی نے اپنی وسیع جائداد وقف کر دی تھی۔ انتظام کے لیے ایک باضابطہ ٹرسٹ قائم ہے، اور ایک ماہانہ رسالہ بھی دار الاسلام کے نام سے نکل رہا ہے۔ لیکن مولانا کے چلے جانے کے بعد سے اب یہ جماعت ایک بے سردار کی فوج کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ چودھری صاحب کا اخلاص اپنی جگہ بدستور۔ لیکن محض نیاز مندی، عمل کے قائم مقام تو نہیں ہو سکتی ہے۔ ضرورت وہاں کے لیے ایک مستقل شخصیت کی ہے۔ بڑے قلق اور حسرت کی بات ہوگی، اگر اتنا مفید ادارہ مناسب موزوں کارکن نہ ملنے کے باعث معطل ہو کر رہ جائے۔

چودھری صاحب کے ایک تازہ مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"علامہ مرحوم کی موت اور مولانا مودودی کے چلے جانے سے بعد علامہ مرحوم کا وہ بلند تخیل ایک خانقاہ کی صورت میں مرکز قرآن کا تو بنا ہو کر رہ گیا۔ اب اُس وقت سے یہ ایک مکتب کی صورت ہو کر رہ گئی ہے۔ کچھ طالب علم ہو رہے مقررہ نصاب کی تعلیم پاتے ہیں۔ عربی صرف ترجمۂ قرآن مجید کے لیے پڑھائی جاتی ہے۔ باقی تعلیم اردو میں ہے۔ اور دستکاری کی بھی تعلیم ہے۔ میں برابر اسی تلاش میں ہوں کہ کوئی عالم، صاحب علم و فضل اور بصیرت قرآنی سے مالامال اس خانقاہ کو اپنا مقصد زندگی سمجھ کر یہاں آ بیٹھیں۔ اس تلاش میں بزرگانِ ملت خصوصاً حضرت .... وغیرہ ان حضرات سے اکثر رجوع کرتا رہتا ہوں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ میری بین خواہش ہے کہ یہ ادارہ میری زندگی میں علامہ مرحوم کی آرزو کے مقام پر پہونچ جائے۔ چالیس پچاس ہزار روپیہ کی جائداد ہے۔ ابتدائی سب انتظام موجود ہے۔ مسجد، مکانات، کتبخانہ، نہایت خوشگوار موقع ؟

صدق کے ذی علم ناظرین میں سے اگر کوئی صاحب اپنے کو اس خدمت کا اہل سمجھیں، اور اپنے اندر اسکا ولولہ بھی پائیں، یا اپنے کسی جاننے والے کو اس قابل سمجھیں، مراسلت فرما سکتے ہیں۔

ایک مفید اقدام

"علامہ اقبال مرحوم کے کلام و پیام کی روشنی میں ادبی اصلاح و تعمیر کی کوشش کرنا۔
اردو ادب کے تخریبی رجحانات کی روک تھام کرنا۔
اور اسکے دامن کو عریانی، فحاشی، لامذہبیت اور مادیت کے بدنما داغوں سے پاک کرنا" (مقاصد بزم اقبال، مجیدیہ کالج، الہ آباد)

ضرورت اسکی ہے کہ صرف الہ آباد ہی نہیں، لکھنؤ، دہلی، لاہور، حیدرآباد، بمبئی، پٹنہ، کانپور، ہر بڑے اور مرکزی شہر میں اسی نمونہ پر بزمیں قائم ہوں، اور انھیں مقاصد کو پیش نظر رکھ کر، شعر و ادب کے راستوں سے بد اخلاقی اور لادینی، ذہنوں کا جو سیلاب آرہا ہے، اُسکے لیے مینڈ باندھے جائیں۔ اور اس نئے فتنہ کے لیے محاذ جنگ بھی نیا قائم کیا جائے ——— ۳۰-۲۵

سامان اُدھر تک الحاد، عقلیت، تشکیک، دنیابیت کی راہ سے آرہا تھا اور مذہب پر حملہ فلسفیانہ نظریات اور سائنٹفک اکتشافات کی آڑ میں کیے جاتے تھے، اب یہ فتنہ دوسرے ناموں سے بڑھنا شروع ہوا ہے اور چہرہ کے ان نقابوں کے نام سوشلزم، کمیونزم، اور ترقی پسند ادب کے ماتحت شعر اور افسانہ نما ... زہر کا تریاق کافی حد تک اقبال کے کلام میں موجود ہے۔ ضرورت اسی کو پھیلانے اور چمکانے کی ہے۔

جوش ہیجا پچھلے دسمبر جب ان سطور کے راقم کا رامپور جانا ہوا تھا، وہاں کی پبلک لائبریری دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا، اور رسالے کتب خانہ پر لکھ دی گئی تھی۔ صدق ۲۳ (۵ جنوری) میں وہ پوری شائع بھی ہو چکی ہے، اس کے آخری ٹکڑے حسب ذیل تھے:-

"بعض تعداد کا بڑا ہونا ہرگز کوئی معیار فضیلت نہیں۔ ضرورت کتب خانہ کی زیادہ کیفیت پر اور تعداد سے زیادہ نوعیت پر توجہ کرنے کی ہے۔ کوشش کیجیے کتابوں کے انتخاب میں کہ آپ کے ہاں ذخیرہ زیادہ سے زیادہ "صالح" لٹریچر کا جمع رہے، اور پڑھنے والا جب لائبریری سے باہر قدم نکالے، تو دین و دانش دونوں سے بہرہ ور ہو کر نکلے، بہتر ہو کر نکلے، کچھ حاصل کر کے نکلے، کچھ ضائع کر کے نہ نکلے۔"

اب ایک شخص نے رامپور کے ایک مقامی اخبار کا تراشہ ارسال کیا ہے، جس میں جوش ملیح آبادی صاحب کا معائنہ اسی کتب خانہ کا چھپا ہے۔ اسکا اقتباس حسب ذیل ملاحظہ ہو:-

"میں اس کتاب خانہ کے ارباب حل و عقد کی خدمت میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ وہ میرے قدیم ادیب اور جدید نما، ماجد صاحب دریابادی کے "صالح" لٹریچر کو اس عمارت میں ہرگز باریاب نہ ہونے دیں، اور ایسی کتابوں کو جمع کریں جو عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتی ہوں، اور جن سے ذہن انسانی کے اندر بلندی پیدا ہوتی ہے۔"

اس سے قطع نظر کہ معائنہ کی کتاب میں کسی کے نام کی تصریح کے ساتھ اسکی تردید لکھ آنا خوش مذاقی کے آئین میں کہاں تک درست ہے، اصل سوال یہ ہے کہ اوپر والے معائنہ کے آخر کس جزو کی تردید جوش صاحب ضروری سمجھے؟ یہ بالکل نہ کھل سکا کہ انھیں اختلاف کس پہلو سے ہے۔ کیا وہ نہیں چاہتے کہ لائبریری میں آنے والے دین و دانش سے بہرہ ور ہو کر قدم باہر نکالیں؟ کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ بجائے اخلاق، شرافت اور تمیزداری کے، لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بداخلاقی، گندگی، اور بیہودگیوں کا درس حاصل کرتے رہیں؟ کیا انکے خیال میں قرآن جیسی پُرحکمت و پُرمعارف کتاب جیسے تیسے "آکسفرڈ اور کیمبرج اور برلن اور پیرس اور ماسکو اور ٹوکیو کی بڑی سی بڑی لائبریریاں اپنے ہاں رکھنا باعث فخر سمجھتی ہیں، یا سعدی اور حافظ اور سنائی و رومی اور اکبر اور حالی اور اقبال اور غزالی اور شبلی کی کتابیں ذہن میں بجائے بلندی کے پستی پیدا کرتی ہیں؟ — یا تردید اسی لیے ضروری ہو گئی تھی، کہ تجویز کا پیش کرنے والا "ایک جدید نما" تھا، پیچ کچھ کہے جا سکنے والے تھے۔

واعظ دلیل لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

دختران تہذیب نیویارک کے ایک اخبار میں حسب ذیل اشتہار نمایاں طور پر شائع ہوا ہے:-

"دو نوجوان عورتیں ہیں، عمر ۱۵-۱۷ سال، بی اے پاس، سمجھدار، خوبصورت، ذہین، حوصلہ مند، ادبی ذوق رکھنے والی، مفلس، اداکاری کر سکتی ہیں، رقص کر سکتی ہیں، گا سکتی ہیں، سینا پرونا اور کشیدہ کاری جانتی ہیں، نقاشی کر سکتی ہیں، گھوڑے کی سواری کر سکتی ہیں، بیماروں کو کتابیں پڑھ کر سنا سکتی ہیں، ہاکی اور برج کھیل سکتی ہیں، فرانسیسی، جرمن، یونانی اور روسی بول سکتی ہیں، پیانو بجا سکتی ہیں، کتوں کو نہلا سکتی ہیں، ہوائی جہاز سے کود سکتی ہیں، بچوں کی دیکھ بھال کر سکتی ہیں، باغبانی کر سکتی ہیں، فوٹو کھینچ سکتی ہیں۔"

اشتہار اپنے رنگ میں کوئی بالکل ہی نرالا تو نہیں۔ امریکہ سے گزر کر اب تو اس سے ملتے جلتے، گو یقیناً اس سے کہیں ہلکے، اشتہارات ہندوستان کے انگریزی روزناموں، اسٹیٹسمین وغیرہ میں بھی نکلنے لگے ہیں، لیکن مشتہرہ کو آخر اس قدر دراز نفسی اور طوالت بیان کی کیا ضرورت تھی۔ مختصر و سادہ لفظوں میں یہی کیوں نہ کہہ دیا کہ بجز شوہر کی خدمت گزاری اور شوہر کی وفاداری کے، اور جملہ ہنر اور جملہ صفات موجود ہیں! یا اکبر مرحوم کے یادگار الفاظ میں،

سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا!

اپنی رسوائی

پھر پیام اور جانا ... ہے — بھینچ کر پھر تم کو سو جانے کا موسم آگیا
یہ تڑپ یہ درد یہ آنسو یہ رک رک ... — اُف شباب آیا کہ مرجانے کا موسم آگیا

یہ دو شعر صرف بطور نمونہ درج ہوئے، ساری غزل اسی قسم کے مضامین سے بھری ہوئی ہے۔ سنیے اور سن کر خون کے آنسو روئیے کہ غزل ایک معزز، تعلیم یافتہ، ڈگری یافتہ خاتون کی ہے۔ اور ایک کثیر الاشاعت رسالہ میں شائع ہوئی ہے! یہ بے شرمی وہی پر کیا کم مستبد تھی، کہ بھائیوں کے ساتھ بہنوں نے، شوہروں کے ساتھ بیویوں نے، باپوں کے ساتھ بیٹیوں نے دینا شروع کر دیا! —— غیر اسلامی نظام کے یہ نتائج برابر اسوقت تک قائم رہیں گے، جب تک خود حکومت، تمدن، معاشرت ہی کی بنیاد اسلامی اصول پر قائم و محکم نہ ہو۔

محمد علی کی کتاب مولانا محمد علی کی انگریزی کتاب ([illegible]) کا تذکرہ صدق ... میں آچکا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایک طالب علم کتاب پڑھ کر اپنے خط میں لکھتے ہیں: "اس زمانہ میں بھی کہ امتحان سر پر ہے، کتاب باوجود کوشش کے بغیر آخر تک ختم کیے نہ رہ سکا۔ ایک ایک سطر عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ہے۔ پچھلے صفحات کے دل سوز، جگر گداز ٹکڑے ہیں جو مغفور نے تمام پیچھے لکھے تھے۔ آپ کی تحسین مولانا محمد علی ہی کے قلم سے نکل سکتی تھی" — غریب کو یہ نہیں معلوم کہ تمام تر ... بالکل ابتدائی مسودہ تھا، محض قدرت حق سے منظر عام پر آگیا۔ کہیں ... کے ساتھ ...

بقرعید

یا عملی اسلام کا پہلا دن

(از مولانا مناظر احسن گیلانی مدظلہٗ شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ کا نشریہ نشرگاہ حیدرآباد دکن سے)

(۲)

لکل امۃ جعلنا منسکاً لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام ——— (ہر امت کے لیے ہم نے منسک (قربانی) کا قانون مقرر کیا ہے تاکہ وہ یاد کریں اللہ کے نام کو اس مسلہ میں کہ روزی پہونچائی انکو بہیمۃ الانعام سے۔ الانعام مویشیوں کو کہتے ہیں۔ ان مویشیوں میں بکرے، بھیڑ، گائے، اونٹ کا نام بہیمہ ہے جو تمام ان اقسام کو حاوی ہے۔ قربانی کی آیت کے اس پہلے جزو کا یہی مطلب ہے کہ قربانی رزق کی نعمت کا ایک سالانہ شکریہ ہے جس میں احسان کے جذبہ کو بیدار کرنے کے لیے بہیمۃ الانعام کو نمائندگی دی جاتی ہے

اس ذیل میں ضمناً اس عجیب حال کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جسکے حل میں دنیا اب تک پریشان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے باشندہ صرف ہم نہیں بلکہ زمین کے اس کرہ پر جو زندہ جراثیم سے بھری ہوئی ہوا میں سانس لیتے ہیں ان ہی جراثیم سے آباد پانی پیتے ہیں، تالابوں اور خزانوں سے آب کا پانی کھیتوں تک پہونچا کر مچھلیوں کی زندگی تالاب میں اور کیڑوں کوڑوں کی زندگی کھیتوں کے سوراخوں اور انکے دراڑوں میں ختم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بوس درختوں کے متعلق قسم کھا کر کہتے تھے مختلف آلات کی مدد سے دیکھتے تھے دکھاتے تھے کہ وہ روتے بھی ہیں اور ہنستے بھی ہیں۔ انھیں خوشی بھی ہوتی ہے اور رنج بھی۔ ان ہی درختوں کو کاٹتے ہیں۔ سکھ ہی کے لیے دکھ سے بھی بچنے کے لیے۔ کھٹملوں، پسوؤں، مچھروں کو مسلتے ہیں۔ الغرض جو اس دنیا میں رہتے ہیں جسکے ہر قدم کے نیچے ہزار جان اور جسکے رہنے والوں میں مشکل ہی سے کوئی ہوگا بلکہ بلا استثناء قطعاً نہیں ہے جسکا منہ مذبح اور پیٹ کسی جانور کی قبر نہ ہو۔ ان ہی قانونوں میں جکڑی ہوئی دنیا میں جانوروں کی ایذارسانی کا مسئلہ یقیناً پیچیدہ بنا ہوا ہے۔ پیچیدہ اور سخت پیچیدہ۔ اسلام بھی قطعاً جانوروں کی ایذارسانی کو حرام ٹھہراتا ہے لیکن جس تنگنائے دنیا کا ہر قدم کسی نہ کسی جان کے لیے ٹھوکر بنتا ہے وہاں اس پیچیدگی کا وہ حل جس پر موجودہ زمانہ کی خوردبینوں کو بیساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ اور اسی عمل پر مبنی مشوروں کے متعلق یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ کسی ایسی ہستی کی طرف سے نہیں ہیں، جسکے علم سے نہ وہ چیزیں غائب ہیں کہ جو نظر آتی ہیں، ورنہ وہ جو نظر نہیں آتی ہیں اور انکو بھی جان والا ہی جانتا ہو کہ جو بظاہر ہیں بے جان نظر آتی ہیں۔ بہرحال حس اور عقلی طریقے جو نہیں سمجھ سکتے کاش وہ اپنے اندر اس بصیرت کو پیدا کرلیتے تو انھیں بتا سکتی ہے کہ انسانوں کی طرح جانوروں میں ایسا کہرام کوئی نہیں ہے جو کی آواز سے نہیں بلکہ بسم اللہ اللہ اکبر (نام سے اللہ کے

عسه [illegible] نہیں ہو جاتا گیا اور سچا سے [illegible] کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اللہ جو سب سے بڑا ہے) اسی آواز میں ان ونا شماروں کو جو لذت ملتی ہے اس ندائے لاہوتی سے ان میں ہر وہ تکلیف جسے تکلیف اور ایذا سمجھا جا سکتا ہے کس طرح گم ہوتی ہے تو شاید انکو معلوم ہو جاتا کہ ایذارسانی کا جو مسئلہ لاینحل بنا ہوا ہے اور گھاس پارٹی ہو یا ماس پارٹی دونوں ہی کو اس پاپ سے چارہ نہیں۔ لیکن اسلام نے اسکا حل پیدا کرلیا ہے۔ کچھ جانوروں ہی کے ساتھ نہیں آدمیوں کے متعلق بھی۔ حدیثوں میں ہے کہ اللہ کی راہ میں جو شہید ہوتے ہیں تلوار کی مار انکو کھٹمل یا پسو کے کاٹنے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔ قرآن نے نفیاً و اثباتاً دہرا دہرا کر اس حکم کی جس شدت سے تاکید کی ہے اور جو ایذارسانی کے اس عمل کے بغیر کسی جانور کے ساتھ اذیت رسانی عمل کا ارتکاب کرتا ہے اسکا ذبح کیا ہوا ذبیحہ نہیں بلکہ مردار و قطعاً حرام کردیا گیا ہے۔ اس سے لوگوں کو سمجھنا تھا کہ خدا کے نام کا کسی چیز کی حلت و حرمت پر کیا اثر پڑتا تھا۔ لیکن اسلام میں وہ موثر ہے اور قیمتی سے قیمتی چیز کیا چیزیں اسکے بغیر تاثیر ہی کا نتیجہ ہے کہ مردار بنا کر پھینکوا دی جاتی ہیں۔ بہرحال لیذکروا اسم اللہ کے اندر میرے خیال میں ذکر شکر کے ساتھ ساتھ اس عمل کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو جہاں تک ایذارسانی کے مسئلہ کے متعلق اسلام نے پیدا کیا ہے۔ یہ تو پہلی غرض تھی۔ یعنی قربانی نعمتوں کے شکر کا ایک سالانہ جشن ہے۔

(۲) اپنے ہی جیسے زندہ گوشت پوست والے جانور کو ملک کی مجازی صرف مجازی نسبت کی بنا پر آدمی جب اپنے آپ کو اسکا قدرتی حقدار سمجھتا ہے کہ اسکی جان تک کو کام میں لا سکتا ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، ماس پارٹی والے ہوں یا گھاس پارٹی والے، اس قدرتی حق کا حقدار سب ہی اپنے کو سمجھتے ہیں۔ اور اسی لیے سب ہی کو نفع اٹھانے یا ضرر سے بچنے کے لیے جان لینا ہی پڑتا ہے، سب لے رہے ہیں۔ گذشتہ بالا الفاظ کے بعد

فالٰہکم الٰہ واحد فلہ اسلموا	پس تمھارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے پس سونپ دو اپنے تئیں اسی کو۔

۱؎ بخاری کی مشہور حدیثیں ہیں جن میں ایک شخص کی مغفرت صرف پیاسے کتے کو پانی پلانے، اور ایک عورت کو عذاب بلی کو بھوکا رکھنے کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ یوں بھی صراحۃً بلاوجہ کسی جاندار کو ایذا پہونچانے کی سخت ممانعت ہے اور انکے ساتھ حسن سلوک بڑے ثواب اور اجر کی بات ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں مستقل باب ملیگا سیرت جلد ششم میں مولانا سلیمان ندوی نے بھی اسکا کافی ذخیرہ ایک جگہ جمع کردیا ہے۔ میرے پاس ایک پورا مضمون قربانی پر ہے اس میں بھی ان حدیثوں کا ایک مجموعہ مل سکتا ہے۔

۲؎ میرا مطلب یہ ہے کہ ذبح سے اگر رگوں سے خون کا خارج کرنا ہی مقصود تھا تاکہ کھانے والے خون کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے بغیر صرف ذبح کرنے سے ہی حاصل ہو جاتی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عبارت دستیاب قرآن اس مسئلہ کو اتنی اہمیت دیگئی ہے۔ کہیں فرمایا جاتا ہے فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ (کھاؤ اسکو جس پر اللہ کا نام لیا گیا) پھر اسی مقصد کو دوسرے پیرایہ میں ومالکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ

دربارِ رسولؐ میں مقدماتِ قتل

(از جناب ابو القاسم دلاوری)

حضرت فخرِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کو نہایت ارزاں کر دیا تھا۔ داد خواہی پر نہ کوئی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا تھا، نہ کوئی رنج اور مصیبت اٹھانی پڑتی تھی اور نہ عمرِ گرامی کے قیمتی اوقات برباد ہوتے تھے۔ یورپ کی نام نہاد مہذب حکومتوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسے قیود میں جکڑ رکھا ہے کہ داد خواہوں کو اپنے دعوے سے دست بردار ہونا بدرجہا بہتر ہے کہ مہینوں اور برسوں تک عدالتوں میں مارے مارے پھریں اور ذلتیں اور خواریاں سہیں۔ لیکن دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی آئین اس قدر صاف اور سہل تھا کہ انصاف کے حاصل کرنے میں مطلقاً کوئی دشواری نہیں تھی۔ قضاۃ کو تاکید تھی کہ غیظ و غضب کی حالت میں کسی مقدمہ کی سماعت نہ کریں مبادا میزانِ عدل کا پلہ ایک طرف کو جھک جائے، اور کوئی غریب سے غریب آدمی بھی داد خواہی کے لیے آئے تو اس سے نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مدعا میں اس پر خوف و ہراس کا مطلق اثر نہ ہو۔

جس طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود عفو و درگزر کے خوگر تھے اسی طرح اپنے پیرووں کو بھی اس صفت سے متصف دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ایک مشہور ارشاد ہے کہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔ (موطائے امام مالکؒ) ضرر تو کسی کو ناحق تکلیف پہنچانے کو کہتے ہیں اور ضرار کسی کو انتقاماً ضرر پہنچانے کا نام ہے۔ آپ نے ضرار سے بھی منع فرمایا اور اپنے پیرووں کو ہدایت کی کہ گو برابر کا بدلہ لینا شرعاً جائز ہے لیکن عفو و درگزر مومن کا سب سے اعلیٰ جوہر ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کے بدن کو صدمہ پہونچایا جائے اور وہ صدمہ پہونچانے والے کو معاف کر دے تو حق تعالیٰ اُس کا ایک درجہ بلند کریگا۔ (ترمذی و ابن ماجہ) اسی معنی میں خدائے احکم الحاکمین کا ارشاد ہے

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی اللہ (۴۲ : ۴۰)	برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو کوئی (انتقام کے بجائے) معاف کر دے اور صلح (و محبت) کی طرف قدم بڑھائیگا تو اللہ اُس کو اجر (عظیم) عطا فرمائیگا۔

جب ہجرت کے بعد حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہوا اور تمام مقدمات آپ کی خدمت میں پیش ہونے لگے تو آپ نے شہر کی چھوٹی چھوٹی نزاعات کا تصفیہ کرنے کے لیے حضرت فاروق اعظمؓ کو قاضی مقرر فرما دیا تھا البتہ مدینہ و مضافات اور دور و نزدیک کے اسلامی قبائل کی تمام بڑی بڑی جنگوں، خصوصاً قتل کے مقدمے آپ خود فیصل فرماتے تھے۔ قتل کے حادثوں میں آپ نے یہ اصول مقرر فرما دیا تھا کہ مقتول کے ورثاء اصولاً قاتل کو قتل کرا لیں یا خونبہا لیں یا معاف کر دیں۔ لیکن آپ مؤخر الذکر صورت کو پہلی دونوں صورتوں پر ترجیح دیتے تھے۔ اور اس خدشہ کے پیشِ نظر عفو و درگزر کی کوشش فرماتے تھے کہ قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں دائمی عناد کی تخم ریزی نہ ہو، اور عفو و بخشش کی صورت میں قاتل کا خاندان مقتول کے ورثاء کا ہمیشہ ممنونِ احسان رہتا ہے، اور آئندہ کے لیے ان میں کسی ناگوار قضیے کا خدشہ نہیں رہتا۔

یہاں ضمناً ہمارے رائج الوقت انگریزی قانون کی خامی اور بیہودگی ملاحظہ ہو۔ فرض کرو ایک بیوہ کے دو بیٹے ہیں۔ ان میں کسی بات پر نزاع ہوئی اور بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہونچی کہ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اب انگریزی "انصاف" تو یہ ہے کہ بیوہ کا دوسرا بیٹا بھی قصاص میں مارا جائیگا۔ اور وہ ستم نصیب اپنے دوسرے لڑکے سے بھی محروم کر دی جائیگی جو ایک کے قتل ہو جانے کے بعد اُسکی زندگی کا آخری سہارا تھا۔ لیکن شریعتِ اسلامی نے چونکہ مقتول کے ورثاء کو معاف کرنے کا بھی اختیار دیا ہے، اس لیے وہ اسلامی قانون کے ماتحت اپنے دوسرے بیٹے کو بچا کر اپنے لیے ذریعۂ تسکین مہیا کر سکتی ہے۔ اسی ایک مثال سے ساری دنیا کے دو مختلف قوانین کے حسن و قبح کا موازنہ کر لیجیے۔

قتل کی وارداتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطمحِ نظر یہ ہوتا تھا کہ آیندہ کے لیے قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں مصالحت اور محبت کی فضا پیدا کی جائے اور رنجش اور تلخی کا نشو و نما روک دیا جائے اسی بنا پر آپ قاتل کی جان ستانی کے بجائے کوشش فرماتے تھے کہ اُسے ورثہ کے چنگل سے بچا لیا جائے۔ چنانچہ چند نظائر ملاحظہ ہوں:-

محلم بن جثامہ لیثی نے حالتِ اسلام میں قبیلۂ اشجع کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ مقدمہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ یہ قتل کا سب سے پہلا مقدمہ تھا جسکی سماعت دربارِ رسالت میں ہوئی۔ اس مقدمہ میں عُیَینہ نے مقتول کی طرف سے گفتگو کی اور اقرع بن حابس نے قاتل کی وکالت کی۔ آپ نے مقتول کے وکیل سے فرمایا، عُیینہ! کیا تم دِیَت (خونبہا) قبول نہیں کرتے ہو؟ عیینہ نے التماس کی "یا رسول اللہ میں دیت ہرگز قبول نہیں کرونگا اور مجھے اُس وقت تک چین نہ آئیگا جب تک محلم (قاتل) کے خاندان کی عورتیں بھی وہی رنج و صدمہ نہ اٹھائیں جو ہمارے خاندان کی عورتوں کو برداشت کرنا پڑا"۔ آپ نے مکرر فرمایا عیینہ! کیا تم واقعی خونبہا قبول نہیں کروگے؟ عیینہ نے کہا "یا رسول اللہ! ہمیں خونبہا نہیں چاہیے بلکہ خون کے بدلے خون چاہیے"۔

یہ سُن کر قاتل کے خاندان بنو لیث کا ایک شخص جسے مُکیتل کہتے تھے کھڑا ہوا۔ یہ شخص ہتھیار باندھے تھا، اور ہاتھ میں ڈھال لے رکھی تھی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنے قبیلہ کے قبول اسلام کے آغاز میں اس ارتکابِ قتل کی ایک ایسی مثال پاتا ہوں جیسے چند بکریاں کسی چشمہ پر پانی پینے آئیں۔ لیکن جو پہلے پہل آئیں انھیں کو تیر مار دیا گیا تو پچھلی بھاگ گئیں۔ (اسکا مطلب تھا کہ اگر آپ ابتدائے اسلام ہی میں قاتل کو قتل کرا دینگے تو اُسکے خاندان کے دوسرے لوگ جو ہنوز دائرۂ اسلام

میں داخل نہیں ہوسے انھیں اسلام سے وحشت ہوگی کہ اسلام میں عفو و درگزر نہیں ہے - پس یہ مثل صادق آئیگی کہ ایک بکری کو مار کر سب کو بھگا دیا - اسکے بعد اس نے دوسری تمثیل پیش کی اور بولا کہ آج ایک طریقہ نکالیے اور کل اسکو بگاڑ دیجیے (یعنی اگر آج اسکی طرف سے خونبہا قبول کر لیجیے تو کیا ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہیگا - پھر کسی سے قصاص ہی لے لیجیے گا - آپ پہلے حکم کو منسوخ کرنے کے مجاز ہیں) آپ نے فرمایا میں خونبہا دلاتا ہوں - ... مقتول کے وارثوں کو دیے جائیں -

محلم (قاتل) ایک طویل القامت گندم گوں جوان تھا - یہ سماعت مقدمے کے دوران میں مجلس کے کنارے پر بیٹھا تھا جب بری کر دیا گیا تو آپ کے سامنے آ بیٹھا اس وقت اسکی آنکھوں سے آنسو رواں تھا - عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ مجھ سے گناہ ہوگیا ہے اب میں توبہ کرتا ہوں آپ میری مغفرت کی دعا کیجیے - آپ کو اس حادثہ کا بڑا صدمہ تھا آپ نے نہایت رنج میں فرمایا تم نے اسکو قتل کیا؟ اپنے ہتھیار سے قتل کیا؟ مسلمان ہونے کے بعد؟ یا اللہ محلم کو نہ بخشنا - یہ سن کر محلم ڈاڑھیں مار کر رونے لگا اور اپنے آنسو چادر کے کونے سے پونچھتا جاتا تھا - (دراصل یہ طلب مغفرت کی یہ درخواست سخت بے محل اور قبل از وقت تھی - مناسب یہ تھا کہ چند روز کے بعد جب حضور کا رنج دور ہو جاتا تو پھر یہ درخواست پیش کی جاتی - تاہم) محلم کے خاندان کا بیان ہے کہ آنحضرت نے اسکے بعد محلم کے حق میں مغفرت کی دعا کر دی تھی - (ابو داؤد)

اسی طرح ایک اور واقعہ سنیے - ایک شخص دوسرے کو تسمہ سے کھینچتا ہوا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور فریاد کرنے لگا یا رسول اللہ! اس شخص نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے - آپ نے ملزم سے پوچھا کیا تم نے واقعی قتل کیا ہے؟ بولا ہاں قتل کیا ہے - میں اور وہ درخت کے پتے جھاڑ رہے تھے - اس نے مجھے گالی دی - مجھے غصہ آیا کلہاڑی اسکے سر پر ماری وہ مر گیا" آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ مال ہے جو اپنی جان کے عوض میں دے سکو؟ وہ بولا اس کملی اور کلہاڑی کے سوا میرے پاس کچھ نہیں - آپ نے فرمایا کیا تمہاری قوم کے لوگ تمہیں چھڑا لینگے؟ اس نے کہا "انکے دلوں میں میری اتنی وقعت نہیں کہ میرے چھڑانے کی کوشش کریں" - یہ سن کر آپ نے تسمہ مقتول کے بھائی کی طرف پھینک دیا - وہ اسکی گردن مارنے کو لیچلا - جب اس نے پیٹھ موڑی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر یہ اسکو قتل کر دیگا تو دونوں مساوی ہو جائیں گے - یہ سن کر وہ لوٹا - اور کہنے لگا یا رسول اللہ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں اسے قتل کر دونگا تو اسی کے برابر ہو جاؤنگا - اور میں تو اسے آپ ہی کے حکم سے لے چلا تھا - آپ نے فرمایا کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ وہ تمہارے مقتول بھائی کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھالے؟ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! اگر ایسا ہے تو پھر چھوڑ دینے میں کیا مضائقہ ہے - چنانچہ اسکو چھوڑ دیا -

اسی طرح ایک حادثۂ قتل کے متعلق آپ نے مقتول کے وارث سے فرمایا کیا تم معاف کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں - آپ نے کہا کیا دیت لیتے ہو؟ اس نے کہا نہیں - فرمایا اسے قتل ہی کروگے؟ کہا ہاں - فرمایا اچھا لیجاؤ - جب وہ اسے لیکر چلا تو پھر ارشاد فرمایا کیا تم اسے معاف نہیں کرتے؟ اس نے کہا نہیں - فرمایا کیا دیت لیتے ہو؟ کہا نہیں - فرمایا کیا قتل ہی کروگے؟ اس نے کہا ہاں - حکم دیا اچھا لیجاؤ - تیسری مرتبہ بھی یہی گفتگو ہوئی - اور اس نے قتل سے کم درجہ کی کوئی بات منظور نہ کی - آخر چوتھی مرتبہ آپ نے کہا "اگر تم اسے معاف کر دوگے تو وہ اپنے گناہ اور مقتول کے گناہ دونوں اپنے سر پر اٹھائے گا - یہ سنکر مقتول کے ولی نے اسکو چھوڑ دیا - (ابو داؤد)

اسی طرح ایک حبشی غلام نے ایک آدمی کے بھتیجے کو مار ڈالا - آپ نے اس سے پوچھا تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے غصہ سے اسکے سر پر مارا اور وہ گر کر تڑپ کر جان دیدی - ہلاک کرنے کا ہرگز قصد نہ تھا - فرمایا کیا تم اسکا خونبہا ادا کر سکتے ہو؟ کہا نہیں - فرمایا اگر تمہیں چھوڑ دوں تو لوگوں سے مانگ کر خونبہا ادا کر دوگے؟ بولا نہیں - فرمایا کیا تمہارا آقا خونبہا دیگا؟ کہا نہیں - یہ سن کر آپ نے مقتول کے چچا سے فرمایا اسے لے جاؤ - جب وہ قتل کرنے لے چلا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر یہ اسے قتل کر دیگا تو یہ بھی اسی کے مانند ہو جائیگا - یہ سن کر مقتول کا چچا حبشی کو واپس لے آیا - اور عرض پیرا ہوا - یا رسول اللہ! لیجیے یہ حاضر ہے - جو مرضی مبارک میں آئے کیجیے - آپ نے فرمایا اسکو چھوڑ دو - یہ اپنے اور تمہارے بھتیجے کے گناہ اپنے سر پر لے کر جہنم میں جائیگا - چنانچہ اس نے اسکو بری کر دیا - (ابو داؤد)

ایک مرتبہ ایک قاتل پیغمبر علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اسے مقتول کے وارث کے حوالہ کر دیا - قاتل کہنے لگا یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا - یہ سن کر آپ نے مقتول کے وارث سے فرمایا اگر یہ سچ کہتا ہے اور پھر بھی تم اسکو قصاص میں قتل کروگے تو تم قیامت کے دن پکڑے جاؤگے" یہ سن کر اس نے قاتل کو چھوڑ دیا - اسکے دونوں ہاتھ تسمہ سے بندھے ہوئے تھے - وہ اپنا تسمہ گھسیٹتا ہوا نکلا - اس روز سے قاتل کا نام تسمے والا مشہور ہو گیا - (ابو داؤد)

ان پانچ واقعات سے ناظرین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہونگے کہ آپ قاتل کو قتل کی سزا نہیں دیتے تھے بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا اسکے چھوڑنے کا انتظام کر لیتے تھے - کیا دنیا میں اس رحمدلی اور اصلاح کوشی کی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں - یہاں کسی کے دل میں یہ خلجان نہ ہو کہ آپ کے شیوۂ عفو و درگذر نے قاتلوں کو جری کر دیا ہوگا اور خونریزی کی وارداتیں بہت بڑھ گئی ہونگی - مگر یہ خیال غلط ہے - ایسا ہرگز نہیں ہوا - بلکہ قتل و خونریزی کے واقعات جزیرۂ عرب سے بالکل معدوم ہو گئے - ان معدلت کے دوران میں یہ حقیقت لوگوں کے ذہن نشین ہو گئی تھی کہ اگر یہ قاتل دنیا میں اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچ سکیں تو آخرت میں یقیناً انکا ٹھکانا جہنم ہے - اس یقین و اذعان نے لوگوں کو کچھ ایسا خوفزدہ کیا کہ قتل و سفاکی کی وارداتیں بالکل ناپید ہو گئیں - دنیاوی حکام جب

اُس نے کہا، کہ جنت ایک عورت ہی (والدہ) کے قدموں کے نیچے ہے - اور یہ ثابت کر دکھایا، کہ اُسکی سب سے زیادہ عزیز ہستیاں چند مرد رفیقوں کے ... ساتھ ساتھ، خدیجہ اور عائشہ اور فاطمہ ہی تھیں —— اُسکی زندگی مختلف بہت ہی مختلف تھی اُس جھوٹے "لازوال سردار" لطیفہ خانم کے شوہر کی زندگی سے، جسکا نعرہ "عورت کی عزت" کے اتنے ڈھول پیٹنے کے باوجود کُل ایک بیوی سے بھی نہ ہو سکا، اور چند ہی روز کے سابقہ کے بعد شاید نازش سکوت ہی کی خاطر طلاق دے دینا پڑی!

دو خط

ایک عزیز کمیشنڈ آفیسر ہو کر حال میں، اِن ایر فورس (ہوائی فوج) میں ایک اچھے عہدہ پر ہو گئے ہیں - اُنکے ایک خط کا اقتباس:-

"نماز و تلاوت کا سلسلہ خدا کے فضل سے برابر قائم ہے - اسکا ذکر پہلے خط میں کر چکا ہوں، اب پروگرام یہ رہتا ہے کہ تلاوت کلام مجید ایک بار بعد نماز فجر اور ایک بار سوتے وقت ہو جاتی ہے - سوتا عموماً ۱۲ (بارہ) بجے ہوں اسکے علاوہ بھی جب کبھی طبیعت زیادہ گھبرائی، تلاوت شروع کر دیتا ہوں - برابر محسوس کیا کہ اس سے دل کو بڑا سکون ہو جاتا ہے - خدا کرے یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے - صدق کبھی یہاں خوب پڑھنے کو ملا کرے گا"

یہ آر. اے. ایف. کے کمانڈنگ آفیسر ایسے نا واقف محض انگریزی علوم سے آشنا، اور علیگڈھ کے بی اے اور ایم اے ہیں - ماحول بھی جس حد تک قرآن سے مناسبت رکھتا ہوگا ظاہر ہی ہے - زبان کی اس اجنبیت اور ماحول کی اس ناموافقیت کے باوجود، شہادت دیتے ہیں کہ تسکین قلب اگر ہوتی ہے، تو قرآن سے - ہاں الفاظ قرآن سے - معانی و مطالب کا ذکر ہی کیا !—— زبان کے سمجھے ہوئے بغیر کسی اور کتاب سے بھی یہ شہادت کہیں ملیگی؟

ایک دوسرے عزیز، ان سے بھی کمسن، اور علیگڈھ کے تازہ گریجویٹ آفیسر ہو کر رائل انڈین نیوی (بحری فوج) میں ہو گئے ہیں - وہ اپنے مقام سے لکھتے ہیں:-

"نیوی اور آرمی (بحری اور بری فوج) کی بابت جو کچھ شراب اور دوسری منہیات سے متعلق سنا کرتا تھا، اب حقیقت حال کا مشاہدہ ہو گیا - خدا کا شکر ہے کہ اب تک تو ہر برائی سے بچا رہا، اور آئندہ بھی ان شاء اللہ یہی امید ہے - میرا خیال ہے کہ اس میں نہ عہدہ کا اتنا قصور ہے نہ صحبت کا، جتنا انسان کے خود اپنے خیالات و اعمال کا - اگر شروع ہی سے خیالات میں کمزوری اور عمل میں خامی ہے، تو وہ ضرور بہک جائیگا - لیکن اگر یہ نہیں ہے تو کوئی اُسے سیدھے راستہ سے زبردستی نہیں ہٹا سکتا - خدا کا شکر ہے کہ ابتک روزانہ نمازیں برابر ادا ہو رہی ہیں اور تلاوت قرآن پاک بھی ہو جاتی ہے - اگر خدا نخواستہ آئندہ کوئی لغزش ہو گئی تو یہ اپنی ہی کمزوری کا نتیجہ ہوگا نہ کہ کسی خارجی اثر کا - صدق کے لیے دفتر کو آج ہی خط لکھ دیا ہے"

بیشک فہم سلیم اور ایمان راسخ اللہ کی وہ سب سے بڑی نعمتیں ہیں - اور بُرے سے بُرے ماحول میں بھی بڑی حد تک سپر کا کام دے جاتی ہیں - تاہم غیر صالح ماحول میں اپنی نگہداشت بہت زیادہ رکھنی پڑتی ہے، اور پوری محفوظیت تو اسکے بعد بھی نہایت ہی دشوار ہے —— بعینہ جس طرح آج وہ اخبارات قابل مبارکباد ہیں، جو اپنے صفحات کو سنیما، شراب، وغیرہ صریح ممنوعات کے اشتہارات سے بچائے ہوئے ہیں، وہ انگریزی خواں بھی بہت غنیمت معلوم ہوتے ہیں، جو ایک غیر اسلامی نظام کے اجزاء، اور ایک غیر اسلامی مشین کے پُرزے، بنے ہوئے، اپنے دنیوی فرائض بہر حال و بہر صورت ادا کیے جا رہے ہیں، اور اپنے کو دین کے باغی اجزاء میں تصور دار سمجھے جاتے ہیں! اور جہاں تک غیر اسلامی عنصروں میں آلودگی کا تعلق ہے قصور دار اسکے وہ بیچارے کیوں ہیں، ہم میں سے بچا ہی کون اس آلودگی سے ہے؟

ایک کتاب سے تبری

(از عبد الماجد)

اپنی پرانی تحریریں دیکھنے کا جب جب اتفاق ہوتا ہے، عموماً اُنھیں خامیوں اور لغزشوں ہی سے لبریز پاتا ہوں - حال میں ادبی مضامین کے یکجا کرنے کا خیال آیا - ایک پُرانے مضمون پیام اکبر پر نظر ثانی کرنے بیٹھا، تو اسکا بلا مبالغہ ۲۰ فی صدی حصہ بالکل نیا کر دیا - زیادہ سے زیادہ ۲۰-۲۵ حصہ بر باقی رہنے پایا - حالانکہ وہ مضمون نسبۃً کم پُرانا ہے یعنی ۲۲ء و ۲۳ء کا ہے - پھر فلسفۂ اجتماع تو اس سے بھی سات آٹھ سال قبل کی لکھی ہوئی ہے - اسکا انتساب اب اپنی جانب کیونکر گوارا کر سکتا ہوں؟ اور اس میں تو ملاوہ ذہنی کمزوریوں اور انشائی غلطیوں کے، عقائد پر بھی کھلے ہوئے اور شدید حملے ہیں - اُس وقت کا نقطۂ نظر ہی تمامتر دوسرا یعنی ملحدانہ تھا - مدت دراز ہوئی یعنی کوئی ۲۲ سال ہوئے اسے اپنی فہرست تصانیف سے خارج کر چکا ہوں - لیکن اس خاص اور محدود حلقہ میں اسکی قدر دانی برابر جاری ہے، اور مجھے اطلاع بھی محض اتفاق ہی سے مل جاتی ہے - کئی سال ہوئے معلوم ہوا تھا کہ پٹنہ یونیورسٹی کے ایک امتحان میں داخل ہے - اُسی وقت یونیورسٹی مذکور کے حکام کی خدمت میں ایک احتجاج نامہ لکھ بھیجا - اب معلوم ہوا ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی اسکی سرپرستی کر رہی ہے! انا للہ - یہ سب کچھ میرے علم کے بغیر اور میری مرضی کے خلاف ہو رہا ہے، اور میرے حق میں ظلم ہے -

کتاب میری ملک نہیں، انجمن ترقی اُردو کی ملک ہے - کتب فروش انجمن سے حاصل کر لیتے ہوں گے - کاش وہ خدا سے ڈریں اور روپیہ کی نمود اور سودے سے اپنے ہاتھ روکیں۔

یونیورسٹیوں کو میری عزت افزائی اگر کرنا ہی ہے، تو میری ایک اور کتاب اصلاً اُسی دور کی لکھی ہوئی، لیکن بہت بعد کی نظر ثانی کی ہوئی، مبادیٔ فلسفہ کے نام سے دو حصوں میں موجود ہے - اور وہ لکھی ہی اس غرض سے گئی ہے، کہ اونچے درجہ کے اُردو خواں طلبہ کے کام آسکے —— حیرت ہے کہ حلال و پاکیزہ، خوب کھانوں کے ہوتے ہوئے لوگوں کا ذہن بھی ایک فرد...

دو تاریخی سوالات

(از جناب مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی)

(۲)

قبلۂ محترم مدظلہٗ — سلام علیکم

والانامہ مع مستفسرہ سوالات کے ملا۔ انکے جواب میں مختصراً گذارش ہے کہ سکینہ بہت حسین، شعر و ادب کا نہایت ستھرا مذاق رکھتی تھیں اور خوشگو شعراء انکے کلام کی داد دیتے تھے۔ لیکن رنگینی اور عشقیہ افسانے انکی جانب منسوب ہیں، وہ تاریخی حیثیت سے کوئی وقعت نہیں رکھتے، البتہ ادب و محاضرات کی کتابوں میں ملتے ہیں جن کی حیثیت مطائبات سے زیادہ نہیں ہے۔ ادب و محاضرات کی کتابوں کا جو تاریخی پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اغانی بھی ادب و محاضرات کی کتاب ہے، محدثین تو اسے بالکل ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادی کی ایک روایت ہے کہ اس کا مصنف ابوالفرج اصفہانی نہایت جھوٹا تھا۔ وہ بازار کے کتب فروشوں سے بہت سی کتابیں خرید کر لاتا تھا اور ان میں جو کچھ رطب و یابس مل جاتا تھا اسے بیان کرتا تھا اور اسکی کتابوں کی بنیاد ان ہی روایات پر ہے (تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۱ص ۳۹۹) لیکن یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔ اتنا مسلّم ہے کہ ایام عرب، انساب عرب، اخبار عرب اور شعر و ادب و موسیقی وغیرہ پر اسکی نظر بہت وسیع تھی اس لیے ان میں وہ قابل سند ہے، لیکن تاریخی حیثیت سے اسکا کوئی درجہ نہیں۔ خود اس کتاب کا نام "اغانی" یعنی راگ رنگنی، اسکے درجہ کا شاہد ہے اور اسی موضوع پر یہ کتاب ہے بھی۔ اس سلسلہ میں ضمناً اموی اور عباسی عہد کے تمدنی حالات بھی آگئے ہیں۔ گو انھیں غلط نہیں کہا جا سکتا لیکن تاریخی امور میں ان سے استناد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسکی اس حیثیت کی مثال سرشار کے فسانۂ آزاد کی ہے کہ اس میں لکھنؤ کے تمدن کی صحیح تصویریں ہیں، لیکن اسکے باوجود اسکی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے اور اسکے بیان سے کوئی استناد نہیں کیا جا سکتا۔

سکینہ بنت حسینؓ کے بارے میں اسکے بیانات میرے نزدیک دو اور وجوہ سے بھی ناقابل اعتماد ہیں، ممکن ہے کہ اس سے دوسروں کو اتفاق نہ ہو لیکن میرے نزدیک وہ ضرور قابل لحاظ ہیں، وہ یہ کہ یہ عجیب تاریخی لطیفہ ہے کہ ابوالفرج اصفہانی نسلاً اموی بلکہ خاص مروان بن حکم کی نسل سے تھا اور مذہباً شیعہ تھا۔ اس نادر اجتماع کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ہیں اور یہ دونوں اوصاف سکینہ بنت حسین کے باب میں اسے مجروح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ خاندان اہل بیت کی تشہیر مرثیوں سے زیادہ کس نے کی۔

یہ صحیح ہے کہ سکینہ نے کئی شادیاں کیں۔ معتبر تاریخوں میں انکی چار شادیوں کا ذکر ہے۔ مصعب بن زبیر، عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام، اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان، زید بن عمرو بن عثمان بن عفان کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کیے۔ پہلے شوہر مصعب ایک جنگ میں مارے گئے، اصبغ اور زید نے طلاق دیدی۔ زید سے سلیمان بن عبدالملک نے طلاق دلوا دی (ابن خلکان۔ ج اول ملخصاً) جیسا کہ اس بیان سے ظاہر ہے کہ ایک شوہر مقتول ہوئے اور ایک سے سلیمان نے طلاق دلوائی اس لیے دو طلاقوں کی ذمہ داری تو کسی حیثیت سے بھی سکینہ پر عائد نہیں ہوتی، البتہ دو نے خود طلاقیں دیں جو ممکن ہے سکینہ کی تمکنت اور نازک مزاجی کا اثر رہا ہو۔ لیکن طلاق کے بعد نکاح کوئی عیب نہیں بلکہ ضروری ہے، اس لیے سرے سے سکینہ پر کوئی مذہبی اور اخلاقی الزام عائد نہیں ہوتا، کسی مذہبی تو دور کی بات معترض کے لیے بھی آڑ نہیں ہے۔

پھر جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے اگر سکینہ کی جانب منسوب بیانات صحیح بھی مان لیے جائیں تو اس سے اسلام پر کوئی حرف آتا ہے۔ اہل بیت نبوی کا ہر فرد تو اسلامی تعلیم کا نمونہ نہیں ہے اور نہ انکا ہر فعل سند جواز ہو سکتا ہے۔ جب رسول اللہ صلعم نے حضرت فاطمہ زہراؓ سے فرما دیا کہ فاطمہ اپنے کو آتش دوزخ سے بچاؤ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا یا فاطمہ تم میرے مال میں سے جو چاہے لے لو لیکن خدا کے معاملہ میں تمہارے کام نہیں آ سکتا، تو سکینہ کا کیا ذکر، انکے اعمال انکے ساتھ ہیں۔ سکینہ کو نہ کوئی معصوم مانتا ہے اور نہ عابدہ و زاہدہ۔ شیعہ بھی ائمہ کو تو معصوم مانتے ہیں لیکن غالباً ائمہ زادیوں کو معصومہ نہیں مانتے۔

حضرت امام حسنؓ کے متعلق یہ بیان صحیح ہے کہ آپ نے بہت سی شادیاں کیں اور طلاقیں بھی دیں، لیکن اس سے کسی اسلامی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ گو اسلام میں طلاق ابغض المباحات ہے، لیکن اس میں مذہبی حیثیت سے کوئی رکاوٹ اور قانونی کراہت نہیں ہے، تعدد ازدواج اور طلاقوں کو زہد و تقوے کے ہمارے خود ساختہ مفہوم اور ہندوستانی مذاق نے معیوب بنا دیا ہے، ورنہ یہ چیزیں مذہب کے خلاف نہ زہد و تقوے کے، نہ متانت و وقار کے۔ اس سے حضرت سکینہ کے ازدواج و طلاق کا اعتراض بھی اٹھ جاتا ہے۔

حضرت امام حسنؓ کے کثرت ازدواج و طلاق کے سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ لوگ خاندان نبوت سے شرف انتساب کے لیے خود اپنی لڑکیاں آپ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اس سے انکو روکا بھی، مگر ان پر خاندان نبوی سے رشتہ پیدا کرنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ لوگ باز نہ آئے اور یہ جواب دیا کہ ہم اپنی لڑکی ضرور دیں گے، زیادہ سے زیادہ یہی نہ ہوگا کہ جو عورت انھیں پسند نہ ہوگی اسے طلاق دیدینگے۔ (تاریخ الخلفاء و ابن سعد)

اس لیے حسن ظن کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کے کثرت ازدواج و طلاق کو اسی سبب پر محمول کیا جائے کہ آپ محض پاس مروت سے لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے زیادہ شادیاں کرنے پر مجبور ہوئے، جسکے لیے طلاق ناگزیر تھی، اس لیے کہ چار بیویوں سے زیادہ ایک وقت میں

رکھ نہیں سکتے تھے اسکی تائید حضرت عمرؓ کے ساتھ ام کلثوم بنت علیؓ کے نکاح سے بھی ہوتی ہے، حضرت عمرؓ نے محض خاندان نبوی سے تعلق قائم کرنے کے لیے حضرت علیؓ سے ام کلثوم کے ساتھ نکاح کی خواہش کی۔ اسوقت آپ ضعیف ہو چکے تھے اور ام کلثوم کمسن تھیں۔ اس لیے حضرت علیؓ کو ابتدا میں تامل ہوا تھا پھر حضرت عمرؓ کی خواہش کو دیکھکر اس شرف سے انکو محروم رکھنا پسند نہ کیا اور عمر کے اس تفاوت عظیم کے باوجود نکاح کردیا۔ اس لیے یہ یقینی ہے کہ حضرت امام حسنؓ بھی اسی سبب کی بنا پر شادیاں کرنے پر مجبور ہوے، ورنہ جسکی ساری زندگی زہد و ورع میں گذری، جس نے محض مسلمانوں کے مفاد کے لیے عظیم الشان سلطنت کو ٹھکرا دیا، ؟ اسکا حظ نفس [illegible] کے لیے شادیاں کرنا قیاس میں نہیں آتا۔ بلکہ یورپین مصنفین اور انسائیکلو پیڈیا کے بیانات تو تمام مقصود نشانہ ملامت ہے وہ تو تلاش کرکے ایسے روایات لکھتے ہیں جن سے ان کے خیالات میں کسی حیثیت سے بھی اسلام پر اعتراض کا پہلو نکلتا ہو۔ لیکن انکے بیشتر اسی قسم کے بیانات اسی قسم کے غیر معتبر ماخذوں پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے قابل اعتبار نہیں۔ والسلام

ایک تصحیح

بہ سلسلۂ [illegible]

[illegible] میں مجلۂ طیلسانین (حیدرآباد) پر جو ریویو نکلا ہے اس میں جو مضمون امام غزالیؒ پر نکلا ہے، اسے ایڈیٹر کا بتایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ انکا نہیں انکے ہمنام ایک دوسرے مقالہ نگار کا ہے۔

ہے یہ کہ مجلۂ طیلسانین کے صفحات میں جلوہ گر دو بالکل مختلف شخصیتیں ہیں ایک مجلہ کے مدیر ہیں۔ اسم شریف محمد غوث۔ ایم سلف (دینیات) ال ال بی۔ یہی مقالہ جنایات پر جائداد کے مصنف بھی ہیں، جس پر ریویو ۲۹ ستمبر کے صدق میں نکل چکا ہے۔

دوسرے صاحب بھی محمد غوث ہی ہیں۔ غزالیؒ والے مقالہ نگار۔ اتفاق سے یہ بھی ایم اے، اور دینیات ہی کے ایم اے ہیں۔ البتہ حیدرآباد کے نہیں، ضلع محبوب نگر کے رہنے والے ہیں ——— ہم شکل دشناسی حضرات کے پہچاننے میں جب دھوکا ہو جاتا ہے، تو ہم نام اور ہم ڈگری اشخاص کے درمیان اگر التباس ہو جائے، تو کچھ ایسا بعید تو نہیں۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱)..... (از نصیر آباد (خاندیش) آپ کا سوال ایک مستقل مقالہ چاہتا ہے۔ اسکے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑیگا گنجایش اور فرصت دونوں کا۔

وفد ترکی

مغربی طرز فکر نے جہاں مسلمانوں کی ملی وحدت کی روایات پر بعض اور تباہ کن اثرات ڈالے ہیں، ان میں غالباً سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن اثر یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمان اپنے مسائل پر خالص ملکی اور وطنی نقطۂ نظر سے غور و فکر کرنے لگے ہیں۔ اور اسوقت وہ اس حیثیت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں کہ انکی بقا، اور زندگی کا راز عرب، افغان، ایرانی اور ترک ہو کر زندہ رہنے میں نہیں ہے، بلکہ صرف اس حیات میں مضمر ہے کہ وہ ایک عالمگیر اسلامی برادری کا فرد ہے اور اسکی اجتماعی زندگی کے حدود کسی خاص ملک یا وطنیت تک محدود نہیں ہے۔

چند روز سے ترکی کے اخبار نویسوں کا ایک وفد ہندوستان میں گھوم رہا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی دیرینہ روایات کے مطابق اس وفد کا ہر جگہ خاطر خواہ خیر مقدم اور تعظیم و تکریم کا معاملہ کیا لیکن سخت افسوس ہے کہ اخبارات کے ذریعہ وفد کی مختلف تقریروں کے جو اقتباسات ہماری نظر سے گزرے ہیں، وہ حد درجہ دلشکن اور افسوسناک ہیں۔ اس وفد نے کئی تقریروں میں اس بات کو دہرایا ہے کہ "عالمگیر اسلامی اخوت محض ایک خواب ہے اور ترکی نے بیش از بیش قربانیوں کے بعد جو چیز حاصل کی ہے وہ صرف اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جبکہ ترکی "نیشنلزم" پر سختی سے برقرار اس نقطہ پر رہے"۔ اسی جیسے سوال کے جواب میں وفد سے جب پوچھا گیا کہ آپ پہلے مسلمان ہیں یا ترک؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہم پہلے ترک ہیں"۔

بہت ممکن ہے بعض خوش عقیدہ مسلمانوں کو نئے ترکی کے نمایندہ اخبار نویسوں کی زبان سے اس قسم کی باتیں تعجب اور حیرت کا باعث ہوں، لیکن جس شخص نے ۱۹۲۴ء میں الغاے خلافت کے بعد سے اب تک ترکی کے حالات کا جائزہ لیا ہے، اور نہ صرف ترکی بلکہ عربی ممالک اور ایران و افغانستان کے حالات کو بھی دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اس وفد کی زبان سے یہ باتیں غیر متوقع نہیں۔ جو چیز بیس سال سے انکے رگ و ریشے میں سرایت کر چکی ہے، ہندوستان ہو نچکر وہ کس طرح اسکا اخفا کر سکتے یا اسکے خلاف کوئی بیان دے سکتے تھے۔

ہماری دعا ہے کہ ترکی نگاہ بد سے محفوظ رہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کبھی کوئی ایسا وقت آیا کہ ترکی کو جنگ میں شریک ہونا پڑا، تو اسوقت اسے اپنی غلطی محسوس ہوگی اور وہ سمجھیگا کہ عالم اسلام سے تعلق منقطع کرکے اپنے عقیدۂ نیشنلزم پر جما رہنا مذہبی اعتبار سے نہیں بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی کس درجہ مہلک اور خطرناک تھا۔ (برہان، دلی)

"ناچتی ہوئی کلچر"

چند سال ہوئے، لاہور میں ایک ہندو رقاص اودے شنکر اپنی پارٹی کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ آج کل ایک اور طائفہ آیا ہوا ہے۔ جس کے سردار رام گوپال صاحب ہیں۔ یہ بھی اودے شنکر ہی کی طرح یورپ کے کئی شہروں پر ناچ دکھا کر داد حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۲ مارچ کو رام گوپال کے طائفے نے ریگل تھیٹر (لاہور) میں بھارت ویش کے پراچین ناچ کے کرشمے دکھائے اور تماشائیوں کو اپنے غمزہ و کرشمہ اور ناز و انداز اور حرکاتِ رقص سے مسحور کر دیا۔

اب آپ ذرا خیال فرمائیے۔ اچھے خاصے مرد آدمیوں کا کریم اور پاؤڈر لگا کر سولہ سنگار کر کے عورتوں کے زرق برق کپڑے زیب بر کر کے گھنگرو اور جھانجھن پہن کر سازوں کی گت پر ناچنا اور نرت بھاؤ سے مختلف انسانی جذبات و خواہشات کا مظاہرہ کرنا اسلامی کلچر یا مسلمانوں کے فنی رجحانات سے کوئی دور کا لگاؤ بھی رکھتا ہے؟ ...

مشکل یہ ہے کہ رام گوپال اور اودے شنکر ہندو تہذیب کی قدیم خوبیوں کو زندہ کرنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ اودے شنکر ایک ناچ گھر قائم کرتا ہے تو بڑے بڑے ہندو راجے مہاراجے ہزاروں روپے سے اس کی امداد کرتے ہیں۔ رام گوپال لاہور میں ناچتا ہے تو "ٹریبون" اس کے کمالات پر وجد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ رام گوپال سری کرشن جی اور شو جی کا پاٹ ادا کرنے میں حسن و جمال، [illegible] اور شوکت و عظمت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گیا۔

پھر کیا آپ کو یاد نہیں۔ ایک دفعہ ڈاکٹر ٹیگور نے اپنی شانتی نکیتن کی نوجوان دوشیزاؤں کو ساتھ لے کر جن میں بھتیجیاں اور بھانجیاں اور پوتیاں نواسیاں بھی شامل تھیں۔ ایک طائفہ رقص و سرود مرتب کیا اور عام طائفوں کی طرح ملک کا دورہ کرنے لگے۔ تاکہ اپنے مدرسہ کے لیے روپیہ فراہم کریں۔ چنانچہ وہ لاہور میں بھی تشریف لائے اور اس ذریعے سے روپیہ فراہم کیا۔

لیکن ہندو بزرگ رقص و سرود کو اپنا مذہبی اور کلچرل سرمایہ سمجھنے کے باوجود اس قسم کے مظاہروں کو جو اخلاق کو تباہ کرنے والے ہیں، دل میں اچھا نہیں سمجھتے۔ چنانچہ گاندھی جی نے سیٹھ برلا سے مطلوبہ رقم ڈاکٹر ٹیگور کو دلا دی اور کہا کہ حضرت اب اس مجرے کو بند کر کے گھر واپس لے جائیے۔ ہمارے نزدیک گاندھی جی کا یہ تاثر اس اخلاقی تصور کا نتیجہ تھا جو ہندوستان میں مسلمانوں نے پیدا کیا ہے۔ ورنہ ہندوؤں کے نزدیک ناچ رنگ کوئی بری چیز نہیں۔ (انقلاب)

جنگ کے خوشگوار اثرات

گرانی کے اثرات انگلستان میں بہت زیادہ ہیں۔ وہاں ہر قسم کے کھیل تماشے اور سامانِ تفریح مفقود ہیں اور بڑوں چھوٹوں کو کھانے کو نہیں رہا ہے اور سب یہ چیز سنتے ہی کہ ہمیں غور کرنے اور سمجھنے کی بھی ہے کہ ــــ اس کے باوجود سب کی صحت بہتر ہو گئی ہے! اس قدر سا تنوع جو سات سے گھٹ کر ایک ہو چکا ہے، انگریز آدمیوں کو اپنی طاقت سے کم غذا مل رہی ہے اور ریستورانوں اور غریبوں کو صرف قلیل اور محدود خوراک پر اکتفا کرنا پڑا ہے ...... طبی مسئلہ یہی ہے کہ غذاؤں کا تنوع اور ان کی کثرت معدہ کو خراب کرتی، ہضم میں نقص پیدا کرتی اور صحت کو بگاڑتی ہے۔ اقسام اقسام کی غذاؤں کے بجائے اگر ایک وقت میں ایک ہی قسم کی غذا کھائی جائے — اور یہی سنت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی — تو وہ انسان کی صحت کے لیے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ اسی طرح کھیل تماشوں اور سیر و تفریح کا بڑھا ہوا ذوق بھی برا ہوتا ہے اور ان سے پرہیز بھی انسان کی صحت کو قائم رکھنے کا ضامن ہے۔ کثرت، دولت، اور بے فکری نے یورپ کی معاشرت و تمدن میں معیارِ معیشت کی بلندی کے نام سے وہ تمام عناصر پیدا کر دیے تھے جو مضرِ صحت تھے۔ جنگ نے ان حشو و زوائد کو معاشرہ سے دور کر کے اور زائد غذاؤں کو گھٹا کر صحت مند بنا دیا! جنگ کے شر میں سے اہلِ انگلستان کے لیے خیر پیدا ہو گئی! نیز وہاں بیکاری گھٹ گئی اور کام بڑھ گیا ہے۔ محنت مشقت کے کام کر کے سادہ اور ثقیل غذاؤں کو خوب ہضم کر سکتے ہیں۔

(رہبر دکن)

"میری نئی کتابیں"

(از عبد الماجد)

صدق ۱۲ میں حیدر آباد کے ایک اشتہار کو دیکھ کر الہ آباد سے، لکھنؤ سے، اعظم گڑھ سے، بلکہ متعدد دوستوں کے، خاص کرم فرماؤں کے تقاضے آ چکے ہیں کہ "یہ نئی کتابیں کیسی؟ کب تصنیف ہوئیں؟ ہمیں تو کبھی اس کی قبل اطلاع بھی نہ ہوئی، نہ آج تک اس کی شکل دیکھنے میں آئی" وغیرہ۔ — جواب میں گزارش ہے کہ شکل آپ کیا دیکھتے، خود میرے دیکھنے میں بھی ابتک نہیں آئی! زیارت جس طرح آپ نے صرف اشتہار کی کی ہے، بندہ نے بھی صرف اسی کی کی ہے!

کئی مہینے ہوئے حیدر آباد سے ایک نئے ادارہ اردو نے مجھے لکھا دکن کی ایک نامور شخصیت کے سفارش نامہ کے ساتھ، کہ آپ کے بعض مضامین کا انتخاب شائع کرنا منظور ہے، اجازت دیجیے۔ اجازت دے دی گئی۔ میں تو جب تک قائل اس خیال میں رہا، کہ بس ایک جلد نکلیگی، اور وہ بھی میری نظرثانی (مع دیباچہ) وغیرہ کے بعد۔ چنانچہ اجازت نامہ میں لکھ بھی دیا گیا تھا کہ مضامین انتخاب کے بعد میرے پاس نظرثانی کے لیے آ جائیں۔ ناشرین نے مستعدی و کارگزاری کی افراط میں، ایک تو نہ مجھ سے میری پوچھی نہ کی، نہ مضامین کے انتخاب میں میرا مشورہ شریک رہا نہ ترتیب میں اور نظرثانی تک و اصلاح یا مقدمہ و دیباچہ کا تو ذکر ہی کیا! اخباری مضمون اور کتابی صورت کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں بڑھانا پڑتی ہیں بہت سی گھٹانا، اور بہت جگہ حاشیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ کتاب، مکمل و مرتب کتابی صورت میں تینوں میں سے ایک بھی نہیں! مجھے تو اس حالت میں انھیں اپنی تصانیف میں شامل کرتے یقیناً شرم آتی ہے!

اردو کشی ایک مسلمان کے ہاتھ سے

[ذیل کا مضمون کسی غیر ذمہ دار قسم کے شورش پسند کے قلم سے نہیں، انجمن ترقی اردو کے ذمہ دار سکریٹری اور ملک کے مشہور صاحب قلم ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے سنجیدہ قلم سے ہے اور نگاہ توجہ و عبرت سے پڑھے جانے کے قابل ہے۔ صدق]

ریاست جے پور دربار کی آداب اور نظم و نسق میں مغلیہ سلطنت کا نمونہ تھی۔ اسکے فرماں روا فارسی کے عالم اور علم و ہنر کے سرپرست تھے۔ انتزاع سلطنت اودھ اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد جے پور اردو اہل قلم اور شعرا کا مرکز بن گیا۔ فارسی کے بعد اردو وہاں کی سرکاری اور درباری زبان ہوگئی تھی

اب سے پہلے کئی بار مہاراجہ سوائی مان سنگھ کے عہد میں کوششیں کی گئیں کہ دفاتر سے اردو خارج کرکے ہندی جاری کی جائے لیکن مہاراجہ نے مطلق التفات نہ کیا۔ سر آر۔ آر۔ گلانسی کے دورہ ایجنسی میں اس تحریک کو پھر زور ہوا اور ایک عرضداشت پیش کی گئی لیکن سر آر۔ آر۔ گلانسی نے یہ درخواست اس بنا پر رد کردی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے رزولیوشن کی رو سے کونسل یا منتظم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ریاستی حکومت میں کوئی بنیادی تبدیلی کرسکے۔ بعد ازاں یہ مسئلہ بڑے زور شور سے رزیڈنٹ ریاست جے پور کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ لیکن رزیڈنٹ بہادر نے بھی مرکزی حکومت کی پالیسی کو برقرار رکھا۔

لیکن ہندی کے حامی اپنی کوششوں میں لگے رہے اور جوڑ توڑ کرکے کونسل سے ہندی کے حق میں احکام جاری کرا لیے لیکن اردو پر اسکی عام مقبولیت اور ذاتی اوصاف کی وجہ سے کچھ اثر نہ پڑا۔

اب سر مرزا اسمٰعیل کے آنے پر ایک نیا انقلاب رونما ہوا ایک صاحب پنڈت رام چندر شرما نے اس نیت سے مرن برت رکھا کہ جب تک کہ ریاست کی عدالتوں دفتروں اور مدرسوں میں اردو کی جگہ ہندی رائج نہ ہو جائیگی وہ برت نہ توڑیں گے۔ اور جان دیدینگے۔ پراونشل راجپوتانہ اور جے پور ہندو سبھا نے بڑی شدت سے اس کی حمایت کی اور شورش پھیلائی سر مرزا اسمٰعیل نے اس دھمکی میں آکر ۲۸ جنوری ۱۹۴۳ء کو اس مضمون کا حکم جاری کیا:-

"اگرچہ اس وقت بھی دیوناگری رسم خط کے استعمال پر کوئی بندش نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ رسم خط بہت سے سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں مروج ہے تاہم چونکہ رعایائے ریاست جے پور کی اکثریت اس رسم خط استعمال کرتی ہے۔ لہذا گورنمنٹ کا یہ منشا ہے کہ تمام دفتروں اور عدالتوں میں ہندی رسم خط استعمال کیا جائے تاکہ اشخاص متعلقہ کو کوئی زحمت نہ ہو لیکن اس حکم سے ان لوگوں پر جو دیوناگری رسم خط سے واقف نہیں، اردو رسم خط کے استعمال کی ممانعت عائد نہ ہوگی۔"

یہاں تک بھی غنیمت تھا لیکن ہندی کے حامی یہ کب چاہتے تھے کہ اردو رسم خط بھی قائم رہے۔ انکی مخالفت اور شورش اور زور شور سے جاری ہوئی اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری حکم میں جو لفظ "منشا" آیا ہے اس سے یہ مطلب صاف نہیں ہوتا کہ سرکار کا فیصلہ یہی ہے۔ چنانچہ ۸ فروری ۱۹۴۳ء کے سرکاری نوٹ میں اسکی تصریح یوں کی گئی کہ "سرکار کی یہی مرضی یا فیصلہ ہے اور میمورنڈم میں جو یہ الفاظ لکھے گئے ہیں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو، ریاست کے تمام سرکاری دفتروں میں دیوناگری رسم خط کو عام رسم خط بنا دیا جائے"۔ یہ تو ہے انگریزی نوٹ کا ترجمہ لیکن ہندی اور اردو نوٹ میں آخری جملہ یوں لکھا گیا ہے

"سرکار کا منشا یہ ہے کہ جلدی سے جلدی سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں دیوناگری کا عام استعمال ہونا چاہیے"

ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ درحقیقت صراحت نہیں۔ سرکاری احکام میں اور خصوصاً ایسے اہم معاملات احکام میں اس قسم کی دو رنگی کچھ نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ رسم خط محض بہانہ ہے اصل میں اردو کو اکھاڑنا اور ہندی کو جمانا ہے۔

اس حکم سے ریاست جے پور اور برٹش انڈیا کے اردو داں طبقے میں بہت اضطراب اور ہیجان پیدا ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے انجمن کے ایک نمائندہ کو اصل حالات کی تحقیقات کے لیے جے پور بھیجا اور ایک خط سر مرزا اسمٰعیل کے نام لکھ دیا۔ ہمارے نمائندہ نے مرزا صاحب سے ملاقات کی اور میرا خط پیش کیا اور اس مسئلہ پر ان سے گفتگو کی۔ چونکہ انجمن کے نمائندے نے اس امر سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ اسکے متعلق آل انڈیا ایجوکیشنل پیش ہونے والا ہے اس لیے مرزا صاحب نے اطمینان دلایا کہ وہ ۳ فروری تک میرے خط کا جواب بھیج دیں گے اور اپنے حکم کی صراحت بھی کر دیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اب تک کوئی جواب عنایت نہیں فرمایا اور نہ اپنے سابقہ حکم میں کوئی اصلاح کی۔

یہ نہایت رنج اور افسوس کی بات ہے کہ سر مرزا اسمٰعیل جیسے مدبر اور محب وطن کے قلم سے ایسا حکم جاری ہوا جو ہندو مسلمانوں کے اس تفرقہ میں جو پہلے ہی سے روز افزوں ہے اور شدت پیدا کردیگا۔ اردو زبان ہندو مسلم اتحاد اور یکجہتی کی عظیم الشان یادگار ہے اور کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں۔ اسکے متعلق ایسا غیر منصفانہ فیصلہ سراسر خلاف مصلحت و تدبر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سر مرزا اسمٰعیل ملک کے موجودہ حالات پر نظر کرکے اسکی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اسکے نتائج ملک کے حق میں اچھے نہ ہونگے

مکرر

یہ بیان اخبارات میں جا رہا تھا کہ میرے مذکورہ بالا خط کے جواب

لحاظ سے تھی جنھیں آج انگریزی میں (Occult Sciences) کہتے ہیں۔ اسی ملک کا ایک دوسرا قدیم نام کالڈیا (کلدانیہ) بھی ہے، اور انگریزی میں آج تک لفظ "کالڈین" (کلدانی) مرادف "ساحر" کا بولا جا رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں اس ملک کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ذکر ملک کی عظمت کا بھی اور اسکی بدعملیوں، تباہ کاریوں کا بھی۔ ملاحظہ ہو کتاب دانی ایل، ۴ و ۳۰۔ مکاشفہ ۱۰: ۵ و ۱۸: ۳ وغیرہا۔

لیکن دوسری بدکاریوں سے قطع نظر اصل جرم بابل کا اُسکا سحر ہی تھا۔ صحیفہ مکاشفہ میں ہے:۔

"تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے۔ اور **تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہوگئیں** اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے اور سب مقتولوں کا خون اسی میں پایا گیا" (۱۸: ۲۳ و ۲۴)

بابل کے مذہب میں جزو اعظم دہی سحر و کہانت کا تھا۔ انگریزی کا مشہور ضخیم و مستند قاموس مذہب و اخلاق (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس) میں ہے:۔

"بابلی مذہب کا جزو اعظم سحر و کہانت کے انواع و اقسام تھا ..... بابلی مذہب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیے تو ہر طرف سحر ہی منتر کہانت کے نظر آئیں گے" (جلد ۲۔ صفحہ ۱۱۶)

ایک اور فاضل راجوزن (Ragozin) کی کتاب "مذہب بابل اسیریا" میں ہے:۔

"مذہب بابل و نینوا کا جزو اعظم بھوت پریت کا اُتارنا جھاڑنا ہے" (صفحہ ۱۲۵)

یہ سحر پیشہ و کہانت سرشت قوم جب ۵۳۸ ق م میں تاجدار ایران کے ہاتھوں برباد و منتشر ہوئی تو جہاں جہاں گئی اپنے ساتھ اپنے فنون سحر و کہانت کو بھی لیتی گئی۔ راگوزین (Ragozin) کی کتاب کالڈیا میں ہے:۔

"یہ لوگ جہاں جہاں گئے اپنے ان علوم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ انکی تعلیم دیتے رہے۔ اور ضعیف الاعتقاد مخلوقات انھیں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیتی رہی" (صفحہ ۲۵۵)

یہود انکے شاگرد رشید ثابت ہوئے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:۔

"بابل کے میل جول نے اسرائیلیوں کے عقائد متعلق ملائکہ و شیاطین کو متاثر کرنا شروع کیا" (جلد ۱۳۔ صفحہ ۱۸۱ طبع یازدہم)

اور یہودی خود اپنی دائرۃ المعارف میں ہے:۔

"بابل ..... کا مذہبی احترام ہر خطہ کے یہود میں برابر قائم رہا" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۲ صفحہ ۴۱۳)

ہمارے قدیم مفسروں کی تربت اللہ ٹھنڈی رکھے، بغیر اسکے کہ انکے کان میں بھنک بھی ان تواریخوں کی پڑے، کہ سرہنری رالنسن کو اُنیسویں صدی کے آخر میں اور سر لیونارڈ وولی کو بیسویں صدی میں، اور دوسرے ماہرین اثریات کو بابل کے کھنڈروں میں کیسے کیسے کتبے عملیات اور نقوش سے لبریز مل گئے، محض اپنی قوت ایمانی کی بخشی ہوئی جلا اور شرافیت سے کام لیکر ما اُنزل علی الملکین کا عطف اتبعوا الشیاطین پر کرکے اس تاریخی حقیقت کو صاف اور بے نقاب کر گئے، کہ یہود کی فردِ جرم دونوں جرائم سے سیاہ ہے، اتباعِ سحرِ شیاطین سے بھی اور اتباعِ سحرِ بابل سے بھی!

۳۴۴ لفظ کی قرأت مشہور ملَک (بہ فتح لام) کی ہے۔ والقرأۃ المشہورۃ بفتح اللام (کبیر)۔ لیکن ایک دوسری قرأۃ ملِک (بہ کسر لام) کی بھی ابن عباسؓ، ضحاک و حسن بصری سے مروی ہے۔ قرأ الحسن الملکین بکسر اللام وھو مروی ایضًا عن الضحاک وابن عباس (کبیر)

چنانچہ اسی دوسری قرأۃ کی بنا پر بعض مفسرین ادھر بھی گئے ہیں کہ یہ دونوں اصلًا فرشتے نہ تھے، بشر تھے، اور بادشاہ۔ اور انھیں فرشتہ جو دوسری قرأت میں کہا گیا ہے، وہ محض صفاتی حیثیت سے۔ یعنی انکے صفات ملکوتی کی بنا پر۔ وقیل رجلان سمیا ملکین باعتبار صلاحھما (بیضاوی)

لیکن جمہور کا قول قرأۃ مشہور کی بنا پر ظاہری انکے فرشتہ ہونے کا ہے۔ اور فرشتوں کے اوپر حقیقت سحر کا نزول کسی نظام تکوینی میں انکے نزاہت ملکی کے ذرا بھی منافی نہیں، خصوصًا جبکہ اُن پر اس فن کے الہام کیے جانے سے مقصود ہی تمام تر اصلاح خلق تھا۔ یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا، نہ کہ اسی پر آمادہ کرنا ——— مجسٹریٹوں کو، پولیس کے افسروں کو، جرائم کے علمی طریقوں سے واقف ہوتے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اسلیے نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی جرم کریں، البتہ اس لیے کہ اپنی علمی واقفیت کو مجرموں کے ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں۔

بابل کی سحر و کہانت خیز سرزمین میں جب زور عملیات سفلیہ اور علوم مکروہہ کا حد سے بڑھ گیا، اور عوام کے ذہن میں بادیان حق، انبیاء کرام و اولیاء و صالحین کا غلط ملط و التباس کا ہونے لگا، نام مردوں، ناخواندوں، شعبدہ بازوں تک ... تو مشیت الٰہی نے حق و باطل کے علیحدہ کرانے اور دونوں گروہوں کے درمیان فاصل و امتیاز کر اسکنے اور لوگوں کی اصلاح و تنبیہ کے لیے دو فرشتوں کو انسانی صورت میں بھیجا۔

۳۴۵ یہ نام ہیں اُن دونوں فرشتوں کے۔ یہ دونوں اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے۔ لیکن جب انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کیلیے اس خاص غرض سے بھیجے گئے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل، صورت، رنگ، روپ، جسم و قالب انسانوں ہی کا سا ہوگا، اور انکی عادتیں اور انکے منا اچھے بھی بالکل بشری ہو سکیں۔

بعض اہل تفسیر نے یہاں ایک قصہ، ملک عراق کا مشہور بسیدہ زہرہ کا نقل کیا ہے۔ لیکن اول تو آیت کی تفسیر کا رکھنا اس پر ذرا بھی نہیں۔ دوسرے خود محققین تفسیر نے اس قصہ کی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے، اور تصریح کر دی ہے کہ یہ قصہ بالکل گڑھا ہوا ہے، اور لغو و مردود ہے۔ اس گروہ میں قاضی عیاضؒ، امام رازیؒ، شہاب الدین عراقیؒ وغیرہم شامل ہیں۔ اعلم ان ھذہ الروایۃ فاسدۃ مردودۃ غیر مقبولۃ (کبیر) وھذا کلہ لا یصح منہ شیٔ وھی ما صلہا راجع فی تفصیلھا الی اخبار بنی اسرائیل اذ لیس فیھا حدیث مرفوع صحیح (ابن کثیر)

لیکن بالفرض صحیح ہو بھی، تو جب کسی خاص مصلحت و حکمت کے ماتحت، کسی فرشتہ کو پیکر انسانی و جذبات بشری دے دیے گئے۔ پھر اگر کسی وقت وہ فرشتہ جس سے اب کام انسان کا لیا جا رہا ہے، بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو گئے تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔

عربی کی تعلیم

۵ مارچ کو لجنۃ الادب العربیہ (علیگڈھ) کے زیر اہتمام ڈاکٹر داؤد پوتا ڈائرکٹر تعلیمات صوبۂ سندھ نے عربی سیمینار میں تقریر کی۔ پروفیسر اے۔ بی۔ اے حلیم پرو وائس چانسلر نے صدارت فرمائی۔۔۔

ڈاکٹر داؤد پوتا نے تقریر کرتے ہوئے عربی کی تعلیم کی اہمیت کو واضح کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے لیے خواہ وہ کسی ملک کا باشندہ ہو عربی کی تعلیم مادری زبان کی تعلیم سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اس لیے کہ عربی کی تعلیم پر اسکی مذہبی، ملی، سیاسی اور اخلاقی زندگی کا دارومدار ہے۔ وسیع اسلامی دنیا کے مختلف حصوں کے مابین اتحاد کا واحد اہم واسطہ عربی زبان ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیمات کا بلاواسطہ مطالعہ کرے۔ اور یہ صرف عربی زبان جاننے ہی سے ممکن ہے۔ عام طور پر مسلمان اپنے مذہب سے متعلق معلومات علماء کے واسطے سے حاصل کرتے ہیں اور انکی بتائی ہوئی تفسیروں اور تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں۔ یہ صورت حال اسلام کی زندگی اور مسلمانوں کے ذہنی اور فکری ارتقاء کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ فاضل مقرر نے فرمایا کہ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ عربی بہت مشکل زبان ہے۔ عربی زبان مشکل نہیں، البتہ مکمل اور سائینٹفک ضرور ہے۔ عربی زبان کا مطالعہ انسان کے اندر جرأت اور مردانہ جوش عمل پیدا کرتا ہے۔ اسکے برخلاف فارسی زبان جسکی طرف مسلمان طلبہ بالعموم بہت زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ ایک قسم کی لذت پرستی کا رجحان پیدا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بہت خوش ہونگا اگر مسلمان طلبہ تمام دوسری مشرقی زبانیں چھوڑکر تمامتر عربی کا مطالعہ کریں۔ علیگڈھ کے طلبہ بالخصوص خوش نصیب ہیں کہ انکے درمیان عربی ادب کے نامور ماہر علامہ عبدالعزیز المیمنی موجود ہیں جن سے استفادہ کا موقع یقیناً ایک نادر موقع ہے۔

پروفیسر میمنی، صدر شعبۂ عربی نے معزز مہمان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انکے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر داؤد پوتا کا ڈاکٹری بحث پر عربی شاعری کے اثرات بیان کیے ہیں یقیناً اول درجہ کا کارنامہ ہے۔ چچ نامہ اور تاریخ معصومی کو شائع کرکے آپ نے گرانبہا علمی خدمات انجام دی ہے۔ آپ عربی اسی روانی کے ساتھ بول سکتے ہیں جیسے انگریزی اور فارسی میں آپ کا طرز تحریر بے نظیر ہے۔ آپ کو علم کے ساتھ سچا شغف ہے اور اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ علمی کام کرتے رہتے ہیں۔ آخر میں پروفیسر حلیم نے فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ میں علامہ اقبال سے ملاقات کرنے گیا۔ وہ وہ زمانہ تھا جبکہ مرحوم نے اردو شاعری بالکل ترک کردی تھی اور صرف فارسی میں شعر کہا کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ اردو چھوڑکر صرف فارسی میں شعر کہنے کی کیا وجہ ہے۔ اسکے جواب میں علامہ مرحوم نے فرمایا کہ میں نے فارسی میں شعر کہنا اس لیے اختیار کیا ہے کہ میں عربی زبان میں شعر کہنے پر قادر نہیں۔ پروفیسر حلیم نے فرمایا کہ یہ وہی نکتہ ہے جس پر ڈاکٹر داؤد پوتا نے اپنی تقریر میں زور دیا ہے۔ عربی ہی واحد زبان ہے جسکے وسیلہ سے مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ہم کو مخاطب بنایا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی اخوت اور سیاسی اتحاد کے لیے عربی زبان کی تعلیم یقیناً نہایت [illegible] (مسلم یونیورسٹی گزٹ)

(بقیہ صفحہ ۴)

قانون اسلام کا مطالعہ

جامعہ عثمانیہ کے ایک منتہی جو قانون اسلام کے مطالعہ خصوصی کی سعادت حاصل کرچکے ہیں، اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"جدید مغربی قانون کو اسلامی قانون کی روشنی میں دیکھا جائے تو نمایاں معاملات صاف واضح ہو سکیگا کہ مغرب نے ہمارے نظام قانون سے ہی بڑی حد تک خوشہ چینی کی ہے۔ مغرب کے کسی اور قانون کا میں نے مطالعہ نہیں کیا والبتہ قانون انگلستان کا جس حد [illegible] در اہمیت مطالعہ کیا ہے اس سے یہ نظر آتا ہے کہ بنیادی اصول اکثر ہمارے ہیں۔ اسی پر عظیم الشان عمارت کھڑی ہوئی۔ قانون انگلستان کا دعویٰ ہے کہ اس نے تجربہ اور روزمرہ ضروریات کے لحاظ سے ترقی کی اور یہ کہ وہ اہل انگلستان کے دماغوں کا نچوڑ ہے۔ بہرحال ایک نظام قانون کا دوسرے نظام قانون سے مقابلہ کیا جائے تو بعض مسائل میں مطابقت ہو سکتا ہے اور اگر بعد کے قانون میں پہلے قانون کے مماثل مسائل نظر آئیں تو بظاہر یہی گمان ہوگا کہ بعد کا قانون پہلے قانون سے ماخوذ ہے۔ لیکن غالباً دراصل ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مختلف قوانین میں بعض امور مشترک جو ہوتے ہیں وہ غالباً اس بنا پر کہ انسانی ذہن و دماغ ان مسائل کے متعلق ہر جگہ ایک ہی نقطہ پر پہونچا۔ چنانچہ اسی بنا پر عمومی اصول قانون (جنرل جورس پروڈنس) کا خیال پیدا ہوا۔ مختلف نظامہائے قوانین کے جزئیات میں تطابق تلاش کرنے کے ساتھ یہ کوشش بھی ہونا چاہیے کہ قوانین کے اصل الاصول میں تقابل کیا جائے۔ ایک فلسفۂ قانون کا دوسرے فلسفۂ قانون سے موازنہ کیا جائے۔ اس صورت میں ایک نظام قانون کا فرق دوسرے سے ممیز ہو سکیگا اور اصلی سود مندی کا پتہ مل سکیگا لیکن جامعات میں ان امور کی کسکو توفیق ہے؟ یہ سب آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہتی نظر آتی ہیں"

جامعہ عثمانیہ کی علمی و تعلیمی حیثیت جو ہے وہ تو ہے ہی، بڑی مسرت یہ دیکھکر ہوتی ہے کہ بحمداللہ اسکی اپنی خدمات بھی خاصی نمایاں ہیں۔ ترقی و اصلاح کی گنجائش تو خیر ہر صورت ہے، لیکن یہ کیا کم ہے کہ اسکے اساتذہ اور طلبہ دونوں اپنی حیثیت سے اب تک جو خدمات انجام دے سکے ہیں انکی نظیر ہندوستان کی کسی اور جامعہ میں تو کیا ملتی، افسوس ہے کہ علیگڈھ تک اس باب میں اس سے بہت پیچھے ہے۔ اساتذہ عثمانیہ میں صدر شعبۂ دینیات کا شغف ظاہر ہی ہے، اور یقیناً اسکا اثر انکے شاگردوں اور طلبہ تک متعدی ہوا ہے، باقی شعبۂ فلسفہ کے بھی کم از کم ایک استاد نے تو اسوقت تک قابل رشک دینی خدمات کرڈالی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:۔ عبدالماجد

پتہ:۔ دریاباد ۔ ضلع بارہ بنکی

نائب: (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

خریداری اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

پریس ۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ

قیمت فی پرچہ ۱ آنہ

صدق لکھنؤ

نمبر ۴۹ | دوشنبہ ۔ ۱۰ ۔ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۷ ۔ اپریل ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

لکھنؤ شہر ہندوستان کے بڑے اور نامور شہروں میں سے ہے۔ وہ اسی مناسبت سے لکھنؤ میونسپلٹی بھی اہم اور بڑی۔ پچھلے دنوں شور بلند ہوا کہ میونسپل بورڈ میں اندھیر مچا ہوا ہے۔ ہر طرح کی بدانتظامی ہے، بے نوائی ہے، خیانت ہے، لوٹ ہے۔ گورنمنٹ نے "تحقیقاتی" کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن نے رپورٹ کی، کہ شکایتیں صحیح ہیں اور شکوہ بجا۔ فلاں ممبر صاحب نے اپنے مکان کا محصول خود ہی تشخیص کیا، اور بالکل من مانی کارروائی کی۔ سات ممبروں پر محصول ادا نہ کرنے کی، رقم مدت سے بقایا میں چلی آرہی ہے۔ ایک ممبر صاحب دو برس سے اینٹوں کا ٹھیکہ قائم کیے ہوئے ہیں، اور کسی ایک پیسہ نہیں دیتے۔ فلاں فلاں ممبر صاحبوں نے میونسپل بورڈ کی بلا اجازت اپنے اپنے ہاں عمارتیں تعمیر کرائیں۔ فلاں فلاں ممبروں کے عزیزوں کو نوکریاں انکی سفارش پر، دوسرے قابل تر امیدواروں کو چھوڑ کر مل گئیں۔ نالیاں اور موریاں بنیں، اور سڑکوں پر لالٹینیں لگیں، تو پبلک مفاد کا خیال کیے بغیر ممبر صاحبان کی ذاتی آسایش و سہولت کی خاطر۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک دفتر کا دفتر شکوہ و شکایت کا انکوائری کمیٹی نے تیار کرکے رکھ دیا!

چیرمین صاحب کا جواب شایع ہوا، کہ اعتراضات غلط، شکایتیں بیجا ہیں۔ جو کوتاہیاں واقعی سرزد ہوئی ہیں، انکے فلاں فلاں معقول وجوہ و اسباب تھے —— اس سوال جواب سے یہاں متعلق بحث نہیں ہو سکتا ہے کہ جوابات معقول ہی ہوں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ [illegible] ملک بھر میں نہیں کہاں ہیں؟ سارے ہندوستان کی بڑی یا چھوٹی کون سی میونسپلٹی ہے، جہاں یہ اندھیر مچا ہوا نہیں ہے؟ دوسری میونسپلٹیوں کا پردہ تو بس جبھی تک ڈھکا ہوا ہے، جب تک کوئی تحقیقاتی کمیشن انکے لیے مقرر نہیں ہوتا۔ ورنہ تحقیق کے بعد کس کا دامن پاک نکلیگا؟ رشوتیں کہاں نہیں چل رہی ہیں؟ سفارشوں کا بازار کہاں گرم نہیں ہے؟ اہلیت، دیانت، قابلیت کو ذاتی اثر و رسوخ سے پامال کہاں نہیں کیا جا رہا ہے؟ ذاتی منفعت اندوزیاں کہاں کارفرما نہیں ہیں؟ عزیز پروری، دوست پروری، خود پروری کونسی میونسپلٹی ہے جس کا شعار نہیں ہے؟ دیانت، فرض شناسی، اصول و ضوابط کی حکومت کہیں بھی ہے؟ —— اور ایک میونسپلٹی ہی کا نام کیوں بدنام کیجیے، بڑے بڑے شہروں کے کارپوریشن، ضلعوں کے ڈسٹرکٹ بورڈ، قصبوں کے ٹاؤن ایریا، اور انکو بھی چھوڑیے۔ پولیس اور عدالت اور ریلوے اور ڈاکخانے اور اسپتال جیسے شاندار سرکاری محکمے، ان میں سے کس کا نقشہ اس سے مختلف ہے؟ ہمارے ہندوستانی بھائی بندوں کا جہاں بھی گزر ہے، امانت، دیانت، صداقت، فرض شناسی، اصول پرستی کی مثالیں، بجز خال خال کے، کہاں ملینگی؟

برخلاف اسکے یورپ — وہاں بھی یہ فرض فراموشی کہیں جا رہی ملیگی! کسی انگریز کو بھی آپ نے سنا ہے کہ کسی مستحق کا گلا کاٹ کے نوکری اس نے اپنے بھائی بند کو، اپنے لڑکے بھتیجے، داماد کو، اپنی برادری والے کو دلادی ہے؟ دفتروں میں جوان مردوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر جوان عورتیں ۶-۶ گھنٹے کام کرتی رہتی ہیں؟ مجال ہے کوئی مرد، اتنے عرصہ میں، کسی عورت سے ہنسی مذاق کر سکے؟ بری نیت سے گھور سکے؟ ایک معمولی کانسٹبل جس وقت ڈیوٹی پر ہوتا ہے، ممکن ہے کوئی بڑے سے بڑا حاکم، بڑے سے بڑا لارڈ، وزیر سلطنت تک اسکے حکم سے سرتابی کر سکے؟ وہاں بھی ۔۔۔۔ روپیہ پر ڈاکٹر بیماری کے جھوٹے سرٹیفکیٹ دیتے رہتے ہیں؟ انکے ہاں بھی آٹھ آٹھ آنہ پر گواہ عدالتوں پر جھوٹے حلف اٹھاتے رہتے ہیں؟ انکی پبلک کا بھی یہ مذاق ہے کہ اخبار یا کتاب کا [illegible]

کے ضمیر میں رچ گیا ہے" وہ اندر ہی اندر محسوس کرتا ہے کہ اُسے فلاں فلاں سیر میں ملنی چاہیے، مگر نہیں مل رہی ہیں۔ مایوس ہو کر وہ اپنے ہم جنسوں پر غصہ اُتارتا ہے"۔ (ص ۹۵)

جس فلسفۂ تعلیم کے گرویدہ ہمارے اِن کے بڑے بڑے ماہرینِ فن ہیں، جس نظامِ تمدن و تربیت کے مدح خواں ہمارے اِن کے بڑے بڑے "روشن خیال" بزرگ ہیں، عین اُسی کو یہ سرٹیفکیٹ برٹرینڈ رسل کی زبان سے عطا ہو رہے ہیں!

کلامِ اقبال

شیخ نذیر احمد صاحب (رمانیک) ساداتِ (الہ آباد) مرحوم کے ایڈیٹر اپنے نامۂ عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:-

"آج کل اقبال کی کتاب 'پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق' دیکھ رہا ہوں۔ اقبال نے نقر و فیرہ کی نسبت کیسا عدیم النظیر کلام ارشاد فرمایا ہے' اور ... حضور رسالتمآب کیا کلام چھپا اس سے بڑھ کر کوئی کلام حالاتِ حاضرہ سے متعلق میری نظر سے نہیں گزرا۔ کیا خوب ہو کہ صدق میں بھی ایک شذرہ اقبال مرحوم کے کسی شعر کی بابت تحریر فرما دیا کریں تو ناظرین کا لطف دوبالا ہو جایا کرے"۔

ابتدائی حصہ کو چھوڑ کر وسطی اور آخری زمانہ کا کلامِ اقبال تو سراپا اتنا بلند اور پاکیزہ ہے، کہ قوتِ انتخاب خود حیران و ششدر رہ جاتی ہے۔ درج کیا جائے تو کس حصہ کو، اور چھوڑا جائے تو کس حصہ کو؟ چھوڑنے کے قابل ہی کون سا حصہ؟ جس نظم کا اوپر نام لیا گیا ہے، وہ کتاب کے سات آٹھ صفحوں میں آئی ہے۔ اسے نقل کرنا ممکن کیونکر ہے! ہر ہر شعر اپنی جگہ پر سوزِ قلب و حسنِ بیان دونوں کی تصویر ہے — اور یہ مصرعہ تو ضرب المثل ہو کر چلیگا، دوسروں کے سارے سارے دیوان پر بھاری ہے

مصطفےٰ نایاب و ارزاں بولہب!

پورا شعر یوں ہے

در عجم گردیدم و ہم در عرب
مصطفےٰ نایاب و ارزاں بولہب!

سرکاری ملازمت

لاہور میں یونیورسٹی کے ایک طالب علم ہیں جنکی تعلیم عنقریب ختم ہونے والی ہے۔ کئی ہفتے ہوئے انکا ایک خط اس مضمون کا آیا تھا:-

"گورنمنٹ سروس سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ سوال میرے لیے ایک عجیب بے چینی پیدا کیے ہوئے ہے۔ میرا دل اسے کسی طرح قبول نہیں کرتا۔ اس بارے میں آپ پوری رہنمائی فرمائیے"

جواب خط کے ذریعہ سے جو اس وقت دے دیا گیا تھا، افسوس ہے کہ اس کی نقل محفوظ نہیں رہی۔ لیکن بہرحال نفسِ مسئلہ ہر ایسے طالب علم کے لیے، جسے اپنا دین و ایمان عزیز ہے اہم و قابلِ توجہ ہے۔ اس لیے چند سطریں پرچہ میں بھی بے محل نہ ہونگی۔

اصل قاعدہ کے اعتبار سے ہر غیر اسلامی حکومت سے تعلق رکھنا ناجائز ہے۔ اس اصل کو ہر حال میں پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ غیر اسلامی یعنی کافرانہ حکومت کے ساتھ ارادی و اختیاری معاونت و اشتراک کی تقریباً سب ہی صورتیں حرام ہیں۔ البتہ اضطرار و نیم اضطرار کی حالت میں ضعیفوں، کم ہمتوں کے لیے رعایت کی بھی صورتیں نکل آتی ہیں۔ شدید بھوک میں حرام و نجس غذا جائز ہو جاتی ہے۔ بیماری میں حرام دوا کی اجازت ہو جاتی ہے، وہی عام قانون رعایتِ ضرورت و احوال کا یہاں بھی عاید ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی خیال رہے کہ حرمت کے درجات میں بھی تفاوت ہے بعض پیشے اور محکمے حرام در حرام ہیں۔ مثلاً فوج اور پولیس وغیرہ، ایسے کل محکمے جن میں مسلمان کی جان کا فرانہ قانون کے ماتحت لی جاتی ہے۔ دیوانی و فوجداری عدالتوں کے کل عہدے جن سے کافرانہ قانون کو چلانا ہوتا ہے۔ محکمۂ آبکاری، افیون، رجسٹری وغیرہ۔ اس قسم کے سارے پیشوں کی اشدیت ظاہر ہے۔ بعض پیشے نسبتاً اخف ہیں۔ مثلاً سکریٹریٹ یا عدالتوں کی اہلکاری، جن میں بذاتِ خود کوئی حکم جاری کرنا، کوئی فیصلہ سنانا نہیں ہوتا، بلکہ محض نقلِ احکام، اور دفتری خط و کتابت کرنی ہوتی ہے۔ یا بعض محکمے مثلاً طبابت، حفظانِ صحت، ریلوے، انجنیری، بجاری وغیرہ — اور پھر آخری درجہ میں جس کسی کو ترکِ اشتراک کی بالکل ہی ہمت نہ پڑے، وہ بھی کم از کم اپنی جگہ پر اپنے کو خطاکار تو سمجھتا رہے۔ عمل نہ سہی کم از کم اپنا عقیدہ تو درست ہی رکھے۔ امام مالکؒ کے الفاظ میں نفعل و نستغفر۔ بدعملی کے ساتھ ندامت، توبہ و استغفار، کا سلسلہ تو بہرحال جاری رکھے۔

قرآن مجید میں سورۂ یوسف کی ایک آیت سے کچھ ایسا مستنبط ہوتا ہے، کہ حکومت گو غیر اسلامی ہی ہو، لیکن قانون کا نفاذ اگر اسلامی طرز پر ہوتا رہے، تو عہدے قبول کر لینے، بلکہ انکے طلب کرنے تک میں بھی مضائقہ نہیں۔ یہ استنباط، علماء و محققین کی رایوں سے قطع نظر، ڈرتے ڈرتے پیش کیا جا رہا ہے۔ اسے کوئی قطعی فتوےٰ نہ سمجھا جائے۔

قدیم مسائل جدید روشنی میں

مولوی عبد الرؤف صاحب، جھنڈے نگر سے لکھتے ہیں:-

"آپ کی تقریر رامپور کو بہت عرصہ ہو گیا۔ صدق میں آپ اُسکے اُسکے چھاپنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اب تک ہر ہفتہ انتظار ہوتا رہا۔ اب کب تک شائع ہوگی؟"

اور بھی تقاضے موصول ہو چکے ہیں۔ ان شاء اللہ تقریر آئندہ نمبر سے نکلنا شروع ہو جائیگی۔ عنوان ہے "قدیم مسائل جدید روشنی میں"۔ مسائل تمام تر قرآن مجید ہی سے متعلق ہیں۔ تعداد میں بھی ایک دو نہیں، اچھے خاصے ہیں۔ رضا اکاڈمی، جسکے سامنے مقالہ پڑھا گیا، کوئی مذہبی انجمن نہیں، محض علمی ادارہ ہے۔ اس لیے قدرۃً نئے عنوانات سے نظر ثانی کرنا پڑی۔ تاریخ بنی اسرائیل کے مباحث، تحقیق "نصاریٰ" و "صابئین"، نزولِ من و سلویٰ، تفسیر آیۂ ولکن شبہ لھم، تفسیر آیۂ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب بہت سے مسائل آ گئے ہیں۔ جتنا مقالہ وہاں پڑھا گیا، نسبتاً مختصر تھا۔ اچھا خاصا اضافہ بعد کو کیا گیا۔ وہ سب ان شاء اللہ ناظرین صدق

سورۃ البقرہ ع ۹

از عبد الماجد

بسلسلہ صدق ۔۔ اپریل

۷۵ - افتطمعون ان یؤمنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون

تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں گے تمہارے کہنے سے درآنحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں، بعد اسکے کہ اسے سمجھ چکے ہیں۔ اور وہ اسے خوب جانتے بھی ہیں۔

۲۲۰ یعنی اسرائیلیوں کی ان ساری بدکرداریوں کی روداد سن لینے کے بعد بھی۔

الاستفھام للاستبعاد او للانکار التوبیخی (روح) فیہ ضرب من التکیر علی الرغبۃ فی ایمان من شواھد الاختلاف قائمۃ ومستبعد ایمانھم (بحر) الھمزۃ للانکار والوقوع واستبعادہ کما فی قولک أتضرب اباک۔ (ابو سعود)

۲۲۱ (اے مسلمانو!)

خطاب اس آیت میں بنی اسرائیل سے نہیں، مسلمانوں سے ہے۔ حسن بصری تابعی کا قول ہے کہ اس کے مخاطب رسول اور مومنین ہیں۔ وھو قول الحسن ، والخطاب مع الرسول والمومنین (کبیر) قال القاضی وھذا الیق بالظاھر (کبیر) ایھا المومنون (ابن کثیر) یرید محمداً واصحابہ (معالم)

طمع کے عام معنی لالچ رکھنے، حرص کرنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں، اور وہی یہاں مراد ہیں۔ طمع فیہ وبہ ای حرص علیہ ورجاہ (لسان) افترجو یا محمد (ابن عباس) شاہ ولی اللہ دہلوی نے فارسی میں امید سے اور مفسر تھانوی رحمۃ اللہ نے اردو میں توقع سے ترجمہ کیا ہے۔

۲۲۲ یعنی عہد رسول اللہ کے یہود۔ جنکی قساوتِ قلب کی اتنی مفصل و مسلسل سرگزشت ابھی بیان ہو چکی ہے۔

المراد بقولہ ان یؤمنوا لکم ھم الیھود الذین کانوا فی زمن الرسول علیہ السلام (کبیر)

۲۲۳ یعنی تمہاری خاطر سے تمہاری بات مان لیں گے؟ لکم بمعنی لاجلکم ہے۔

ای ان یحدثوا لکم او یومنوا لاجل دعوتکم ویستجیبوا لکم (کشاف) ولام السبب ای یومنوا لاجل دعوتکم لھم (بحر)

۲۲۴ وقد کان فریق منھم کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان، گویا ذکر ماضی کا، نہ یہود معاصرین کے اسلاف کا ہو رہا ہے۔ دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا فریق رہا ہے انکے درمیان یعنی کہ حال کا، اور ہمعصر یہود کا ہو رہا ہے۔ تا بہ نحو سے دونوں معنی نکل سکتے ہیں۔ ائمہ تفسیر سے بھی دونوں قسم کے اقوال نقل ہوئے ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنی کے زیادہ موافق ہے، حجت معاصرین ہی پر قائم کی جا رہی ہے، اور اس لیے لازم انھیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

ومنھم من قال المراد بالفریق من کان فی زمن محمد علیہ السلام وھذا اقرب (کبیر)

۷۶ - واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلا بعضھم الی بعض قالوا اتحدثونھم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم بہ عند ربکم افلا تعقلون۔

اور جب وہ ملتے ہیں اُن سے جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے، اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں کہ کیا تم بتلا دیتے ہو انھیں وہ جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے کہ وہ اس سے وہ تمہارے پروردگار کے حضور میں ۔ سو کیا تم نہیں سمجھتے؟

کلام اللہ سے مراد ظاہر ہے کہ یہود کے صحف آسمانی ہی ہو سکتے ہیں، اور یہ حقیقت یعنی تحریف کتب و صحف خود یہود کو بھی مسلم ہے۔ یرمیاہ نبی کی کتاب میں اسرائیل کو مخاطب کر کے ہے:-

"تم نے زندہ خدا، رب الافواج ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے" (۲۳ . ۳۶)

علمی رنگ میں قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے یہ حقیقت بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیل لفظی کے قائل نہیں رہے ہیں۔ اور انکے علماء و اکابر صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ صرف مضامین و مطالب کا القاء ہمارے انبیاء و اصفیاء کے قلب صافی پر ہوتا تھا، اور وہ حضرات انھیں الہامات کی بنا پر نوشتے تیار کر جاتے تھے۔

۲۲۵ یعنی نادانستگی میں نہیں، دیدہ و دانستہ، سب کچھ جان لینے سمجھ لینے کے بعد۔

۲۲۶ (کہ کیسی سخت جسارت کر رہے ہیں۔) انھم یفعلون ذلک ای ابن عباسؓ انھم مبطلون کاذبون (روح) ای انھم قد حرفوہ (بحر)

۲۲۷ اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہو رہا ہے۔ یہود مدینہ میں کچھ تو علانیہ دشمن اسلام تھے ہی، اور کچھ انکے علاوہ اس قماش کے بھی تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ یہ ذکر انھیں منافقین کا ہے۔ یعنی المنافقین من الیہود (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ)

۲۲۸ یعنی یہ دیکھ لیتے ہیں کہ آس پاس کوئی مسلمان تو نہیں سن رہا ہے۔

۲۲۹ یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً آخری نبی کی بشارت اور علامتیں۔

یہود جب آپس میں ملتے، تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیشگوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ انکے ہاتھ میں ہمارے خلاف ہتھیار دیے دیتے ہو؟ یہ دلائل وہ ہمارے ہی خلاف استعمال کریں گے ــــ گویا یہ احمق یہ سمجھ رہے تھے کہ رسول اسلام اور پیروان اسلام کو جو کچھ بھی علم ہوگا، محض انھیں کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس انکے سوا اُن پر علم و معلومات کے سارے دروازے بند ہیں! ــــ یہ جہل بعینہ اسی طرح کا تھا، جس میں سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن پر تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں تو اس مفروضہ کو بنیاد کار بنا لیتے ہیں کہ قرآن میں جو کچھ بھی ہے وہ توریت و انجیل اور دوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہوا۔

لفظ اللہ، اب تو ایک اسلامی اصطلاح بن گئی ہے، اور پہلے بھی اسکا رواج صرف اہل عرب کی زبان پر تھا۔ یہاں ایسے لوگوں کی زبان سے نقل ہوا ہے جو نہ عرب تھے اور نہ مسلم۔ اس لیے انکا ترجمہ خدا سے کر دیا گیا ہے۔

تنقید مضمون "حقوق الزوجین"

(نمبر ۱)

(از جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

(ترجمان القرآن میں کئی مہینے کا عرصہ ہوا ایک مضمون حقوق الزوجین پر مولانا مودودی کے قلم سے نکلا تھا، فقہی حیثیت سے سخت قابل تنقید۔ اب یہ مفصل تنقید، مدرسۂ سفینیہ سیٹھ (ضلع مانک پور) کے صدر مدرس صاحب نے لکھ کر بھیجی ہے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتی رہیگی۔ تنقید کی جزئیات نیز اپنے لب و لہجہ کے ذمہ دار تنقید نگار صاحب خود ہی ہیں۔ یہ تصریح ضروری تھی کہ کہیں شاہ نذیر احمد کے مراسلوں کی طرح اس تنقید کی بھی ذمہ داری مدیر صدق ہی کے سر نہ ڈال دی جائے۔ صدق)

اب ہم حقوق الزوجین پر تبصرہ شروع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس پر تبصرہ کے دو طریق ہیں۔ ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی۔ اس لیے ہم اس پر اولاً اجمالی تبصرہ کرتے ہیں اور اسکے بعد تفصیلی تبصرہ کرینگے۔

تبصرۂ اجمالی

ہر قانون میں اجتہاد کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک قانونی مہارت کی اور دوسرے نیک نیتی کی۔ پس جو اجتہاد بلا قانونی مہارت کے ہوگا۔ اُسکو اجتہاد کہنا صحیح نہیں۔ بلکہ اسکو قانون کی تغییر اور تحریف کہا جاویگا۔ اسی طرح جو اجتہاد نیک نیتی پر مبنی نہ ہوگا، بلکہ اسکے اندر کوئی غرض فاسد شامل ہوگی۔ وہ بھی اجتہاد کہلانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ اُسکو بھی تغییر قانون اور تحریف ہی کہا جائے۔ قانونی مہارت کا مطلب تو ظاہر ہے۔ اب رہی نیک نیتی، سو اسکا مطلب یہ ہے کہ قانون میں اجتہاد کرنے والے کا مقصد صرف صحیح قانون معلوم کرنا ہو، اور اس سے زائد اسکا کچھ مقصد نہ ہو۔ اب جبکہ ہم مودودی صاحب کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان میں قانونی مہارت ہے نہ نیک نیتی۔ اس لیے اُنکے وہ تمام اجتہادات جو اُنھوں نے حقوق الزوجین میں کیے ہیں سراسر تغییر اور تحریف قانون ہیں اور اُنکو اجتہاد کہنا بالکل ہی غلط ہے۔ ہمارے اس بیان میں دو باتیں محتاج تشریح ہیں۔ ایک یہ کہ مودودی صاحب قانونی مہارت سے محروم ہیں۔ اور دوسری یہ کہ اُنکے اندر نیک نیتی نہیں ہے۔ سو امر اول کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے قانون اسلام کو کسی ماہر قانون سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ انکو اسلام کے متعلق جو کچھ ادھوری اور ناقص معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ خود اُنکے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ اور اس لیے انکی مثال بالکل اُس یوروپین کی ہے جو فرنگی ذہنیت کے ساتھ اسلامی لٹریچر کا ذاتی طور پر مطالعہ کرکے اصولی طور پر اسلام کو حق اور صحیح مذہب تسلیم کرتا اور مسلمان ہو جاتا ہے، اور اپنے کو محقق اور مجتہد سمجھ کر اسلام کے اصول و فروع کے متعلق کچھ غلط اور کچھ صحیح نظریہ قائم کر لیتا ہے۔ ہمارے اس بیان کا ثبوت یہ ہے کہ ترجمان القرآن میں جماعت اسلامی کے پہلے اجتماع کی جو روداد شائع ہوئی ہے، اُس میں قمر الدین خاں صاحب ناظم شعبۂ تعلیم فرماتے ہیں

"آپ (یعنی مودودی صاحب) نے بتایا کہ ایک وقت تھا کہ میں خود روایتی اور نسلی مذہبیت کا قائل اور اس پر عمل پیرا تھا۔ جب ہوش آیا تو محسوس ہوا کہ اس طرح محض ما الفینا علیہ آباءنا کی پیروی ایک بےمعنی چیز ہے۔ آخرکار آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور اسلام کو از سر نو سمجھا، اور اس پر ایمان لائے۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کے مجموعی اور تفصیلی احکام کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کی۔"

مودودی صاحب کا یہ بیان ہمارے مذکورۂ بالا بیان کا ناقابل رد ثبوت ہے۔ اور اس سے ایک خاص بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجتہد اسلام بن چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں جو پہلا اجتہاد فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ ما الفینا علیہ آباءنا سے ثابت ہوتا ہے کہ روایتی اور نسلی مذہبیت سراسر بےمعنی چیز ہے اور جن لوگوں نے براہ راست کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے اسلام کو نہیں سمجھا اُنکا اسلام اسلام نہیں۔ خواہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ اور جن لوگوں نے براہ راست کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے اسلام کو حاصل کیا ہے۔ وہ صحیح معنی میں مسلمان ہیں۔ اگرچہ سمجھنے والے نے اپنی نااہلیت کی بنا پر اسکے سمجھنے میں غلطی ہی کیوں نہ کی ہو۔ آپ کے اس اجتہاد سے آپ کی قانونی مہارت اور فقیہانہ بصیرت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے آپ کو انکے ان اجتہادات کی قدر و قیمت بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ جو اُنھوں نے اس مجتہدانہ قابلیت کے ماتحت کیے ہیں۔ مودودی صاحب کی قانونی مہارت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ وہ اب تک اجتہاد کے معنی بھی نہیں جانتے۔ چنانچہ جسکو شرعاً تغییر و تحریف قانون بلکہ قانون سازی کہنا صحیح ہے۔ اسکو وہ اجتہاد سمجھے ہوئے ہیں۔ پھر قانونی مہارت کے لیے جس طرح اسکی ضرورت ہے کہ قانون پر اسکی نظر ہو، یوں ہی اسکی بھی ضرورت ہے کہ اجتہاد کرنے والا صائب الرائے ہو کیونکہ قانونی غلطی کا ایک سبب جس طرح قصور نظر ہے۔ یوں ہی غلط فہمی بھی اسکا ایک سبب ہے۔ لیکن مودودی صاحب کے اندر یہ دونوں باتیں بھی نہیں ہیں۔ مثلاً اُنھوں نے احادیث لعان سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شوہر خواہ اپنی بیوی پر بالفاظ صریح زنا کا الزام لگائے یا اولاد کے متعلق کہے کہ وہ اسکی نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں لعان واجب آتا ہے۔ اس میں آپ نے قانون شہادت کو نظر انداز کرکے عام حکم لگایا ہے۔ حالانکہ یہ حکم عام نہیں ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ لعان بحکم فشہادۃ احدہم اربع شہادات باللہ ایک شہادت ہے۔ اور اس لیے اُسکے لیے لعان کرنے والوں کا اہل شہادت ہونا ضروری ہے۔ اور باوجودیکہ فقہ میں یہ چیز منصوص اور مصرح ہے۔ مگر آپ نے اسکی طرف کوئی التفات نہیں کیا۔ پس اسکے بعد اسکے اندر قصور نظر اور قصور فہم دونوں باتیں آپ کی اس فاش غلطی کا سبب بنی ہیں

یہاں تک تو گفتگو مودودی صاحب کی مہارتِ قانونی کے متعلق تھی۔ اب نیک نیتی کو لیجیے۔ آپ کی تمام کتاب پر نظر ڈالنے سے کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ قانون ازدواج کے متعلق شریعت کے احکام معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ اسکے ہر ہر لفظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ یورپ کے اصول زن پرستی پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ اور مغرب کے قانون کو اپنے اس خیال پر منطبق کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ اس پر منطبق ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ اور بعض بعض مقامات پر تو آپ کا رویہ تحریف قرآن سے تجاوز کرکے قانون سازی کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔ چنانچہ آپ عورت کو اس کا حق دینا چاہتے ہیں کہ وہ اُس مرد پر جسنے اسکو تین طلاقیں دفعۃً دیدی ہیں ہرجانہ کا دعویٰ کرکے اُس سے ایک ایسی رقم وصول کرے جسکی مقدار نصف مہر تک ہو۔ اور لعان سے انکار پر وہ عورت کو حق دیتے ہیں کہ مرد پر یورپ کے قانون کے موافق ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرکے ایک معقول رقم اینٹھ لے۔ اور عورت کے انکار پر وہ اُسکو مہر سے محروم کر دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حالانکہ شریعت میں ان چیزوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ حالت آپ کی نیک نیتی کی ہے۔ بس جبکہ آپ کے اندر نہ مہارت قانونی ہے نہ نیک نیتی تو انکے لیے کسی طرح اسلام میں اجتہاد کا حق نہیں حاصل ہو سکتا۔ اور ایسی حالت میں انکا حقوق الزوجین تصنیف فرمانا بالکل تکلمت فی الفقہ من لا یعرف الفقہ کا مصداق ہے۔ اور اس بنا پر آپ کی یہ کتاب اس قابل ہی نہیں ہے کہ کوئی اہل علم اسکو نظر اٹھا کر دیکھے۔ چہ جائیکہ اُس پر تنقید یا تبصرہ کرے۔ مگر مسلمانوں کی موجودہ حالت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اسکی گمراہیوں کو منظر عام پر لائیں، تاکہ عام مسلمان اسکے مہلک اور تباہ کن اثرات سے محفوظ رہیں۔

مودودی صاحب نے اپنی کتاب حقوق الزوجین میں جسٹس گنگا رتھ کے ایک فیصلہ کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔ "قانون اسلام جسکی طرف ہمیں توجہ دلائی گئی ہے اور جو قدیم کتابوں میں مندرج ہے۔ اب سے صدیوں پہلے بغداد اور دوسرے ممالک میں جاری ہوا تھا۔ جسکے قانونی اور تمدنی حالات ہندوستان کے حالات سے بالکل مختلف تھے ...... اس لیے انکانی عدالت ہمیں اس صحیح اصول کو دریافت کرنا چاہیے۔ جس پر کوئی حکم مبنی ہو۔ اور پھر قواعد انصاف' نیک نیتی' اور دوسرے ملکی قوانین اور تمدنی حالات کو پیش نظر رکھکر اسے نافذ کرنا چاہیے"۔ جسٹس گنگا رتھ کے اس خیال میں اور مودودی صاحب کے خیال میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مودودی صاحب کا طریق اجتہاد بھی اسلامی نہیں ہے بلکہ وہ سراسر یورپین ہے۔ جسٹس گنگا رتھ میں اور مودودی صاحب میں اگر کوئی فرق ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے مجتہدین اسلام پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی بلکہ اُنکے مرتب کیے ہوئے قانون کو صرف موجودہ زمانہ کے مطابق نہیں بتایا۔ برخلاف مودودی صاحب [illegible] وہ جسٹس [illegible] اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ مجتہدین اسلام پر [illegible]

ہیں۔ اور انکے قوانین کو خلاف اسلام قرار دینے کی جرأت کرتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہو سکتا ہے کہ جسٹس موصوف نصوص میں تحریف کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ صرف اپنی عقل کو انصاف کا معیار قرار دیتے ہیں۔ بخلاف مودودی صاحب کے کہ وہ اپنی عقل کو انصاف کا معیار قرار دینے کے بعد نصوص کو اس پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سو یہ فرق کوئی ایسا فرق نہیں ہے۔ جسکی بنا پر مودودی صاحب کے اجتہاد اور جسٹس موصوف کے اجتہادوں کی نوعیت بدل جائے بلکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جو مودودی صاحب کے اجتہاد کو جسٹس موصوف کے اجتہاد سے بدتر بناتی ہیں نہ کہ بہتر۔ مودودی صاحب نے جسٹس موصوف پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ پہلا اعتراض اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ایک حاکم عدالت جو اسلامی قوانین سے اپنی ناواقفیت کا معترف ہے۔ اور اختلافات ائمہ میں توفیق دینے کا اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ وہ اسلامی قوانین میں اس ناقص علم کے ساتھ اجتہاد سے کام لینے کو بلا تردد جائز ٹھہراتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں کہ یہ دونوں باتیں یعنی اسلامی قوانین سے ناواقف ہونا اور ائمہ کے اختلافات میں تطبیق دینے کا اہل نہ ہونا، جس طرح جسٹس گنگا رتھ میں موجود ہیں۔ اُسی طرح خود مودودی صاحب میں بھی موجود ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جسٹس موصوف کو اپنے جہل کا اعتراف ہے۔ اور مودودی صاحب کو اسکا اقرار نہیں ہے۔ لیکن جب ہم خود مودودی صاحب کے اس اعتراض پر نظر کرتے ہیں کہ نہ جاننا اتنا عیب نہیں جتنا کہ نہ جاننے کی حالت میں اپنے کو جاننے والا سمجھنا۔ تو پھر یہ فرق کوئی ایسا فرق نہیں رہتا جو مودودی صاحب کے لیے مفید ہو۔ بلکہ وہ انکے لیے سراسر مضر ہے۔ دوسرا اعتراض ان کا یہ ہے کہ اسکے ایک اور الحاق فیصلہ میں یہ بات ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا گیا کہ عدالت اسلامی قانون کو نافذ کرنے میں صرف اسلامی قانون ہی کی حدود کا پابند نہیں ہے۔ بلکہ اسکے ساتھ دوسرے قوانین ملکی اور تمدنی حالات اور قواعد انصاف کے متعلق خود اپنے نظریات کا لحاظ کرنا بھی اسکے لیے ضروری ہے۔ لیکن انکا یہ اعتراض بھی سراسر بے انصافی پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ تمام باتیں خود مودودی صاحب میں بھی پوری طور پر موجود ہیں۔ چنانچہ وہ اُس قانون کو جسکو جسٹس گنگا رتھ زمانہ حال کے مطابق نہیں کہتے سرے سے اسلامی ہی نہیں مانتے۔ پھر وہ اپنی عقل سے قوانین انصاف بھی بناتے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے قوانین میں ملکی قوانین کا بھی لحاظ کرتے ہیں علی ہذا وہ اُن میں تمدنی حالات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ پھر ہم نہیں سمجھتے کہ جسٹس موصوف نے وہ کونسی قابل اعتراض بات کی ہے جس پر مودودی صاحب انکو قابل اعتراض ٹھہراتے ہیں۔ الغرض مودودی صاحب کے یہ دونوں اعتراضات بے انصافی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ جسٹس موصوف نے کوئی ایسا قابل اعتراض کام نہیں کیا جو خود مودودی صاحب نہ کر رہے ہوں۔ اب اگر اُنکے لیے ایسا کرنا جائز [illegible] جسٹس موصوف [illegible] کے لیے کیوں ناجائز ہے [illegible] انکے لیے بھی جائز نہیں [illegible] جسٹس موصوف پر اعتراض کیا گیا [illegible]

یادگار سیزدہ صد سالہ واقعۂ کربلا

(۳)

(خطبۂ صدارت قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر)

امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ الا اللہ کی بنیاد لا الہ پر قائم ہے۔ اسلام باطل کی نفی سے شروع ہوتا ہے اور حق کے اثبات پر مکمل ہوتا ہے۔ مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک ان سب تند خداوندوں کی نفی نہ کرے جو خدا کے سوا ہیں۔ آنکھ کے سامنے ہوتے ہوئے خداوندگی کے خلاف اپنے اقتدار رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمان الا اللہ کے راستہ میں مٹ سکتا ہے لیکن لا الہ سے روکا نہیں جا سکتا۔ کربلا کے اس یادگار واقعہ میں فی الحقیقت اسلام کی اسی بنیادی اور اساسی تعلیم کی تلقین پوشیدہ ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر کسی کی حقیقت شناس نگاہوں نے دیکھا، اور حق پاش نگاہ چلا اٹھی ؎

حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

ابتدائے آفرینش سے قانون فطرت یہی رہا ہے کہ خدا کی ربوبیت نے جب کبھی انسان کی تربیت روحانی کا قصد فرمایا اور اسکو صراط مستقیم دکھانا چاہی تو انھیں میں سے اپنے ایسے بندوں کو منتخب کر دیا جو انکو اپنے پیام و عمل کے ذریعہ خدا سے قریب تر کر سکیں۔ ان مردان حق کا سب سے پہلا کام یہ [illegible] الا اللہ کا درس دینے سے پہلے انھوں نے لا الہ کی تلقین کی [illegible] وہ صرف تیشۂ لا الہ سے سیم و زر اور سنگ و آہن کے بتان محسوس [illegible] تماثیل قلوب کی دنیا سے ان بتان نیر ہوس کی بیخ کنی کی جو خدا اگریزی [illegible] کی صورت میں جاگزیں ہو چکے تھے۔ ابراہیم خلیل اللہ کے لیے بتان آذری مسمار کرنا آسان تھا لیکن قلب نمرود کو [illegible] عصائے موسیٰ ساحران مصر کے دہشت انگیز جادو کو تو نگل گیا تھا لیکن فرعون کے دعوے انا ربکم الاعلیٰ کے باطل کو نہ نگل سکا۔ ابن مریم کے لمس و نظر نے ابرص و اعمیٰ کو تو اچھا کر دیا [illegible] مردوں کو تو بحکم خدا جلا دیا۔ لیکن احبار یہود اور انکا برادم کی نا شناسی کو دور کرنا آسان نہ تھا۔ خدا اگریزی و حق فراموشی کے [illegible] جس کا راستہ آگ کی چتا، قلزم مواج اور صلیب کی بیچوں بیچ سے ہو کر گزرتا تھا۔ یہ اور اسکے تبع کبھی کامیاب ہوئے اور کبھی نہ ہو سکے۔ لیکن جو نہ ہوئے انھوں نے اس راستہ میں اپنے آپ کو فنا کر کے اپنے بعد آنے والے رہ نوردان راہ لا الہ کے لیے نقش قدم چھوڑے۔ آج بھی ہم کبھی حج و قربانی کے ذریعہ اور کبھی آیات قرآنی کی تلاوت کر کے انکی تگ و تاز جادۂ حق کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنی زندگی میں اگر ایسے ہی مواقع پیدا ہوں تو انکے طرز عمل کو اپنا وظیفۂ حیات بناتے رہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ انکے اسوۂ حسنہ کی اتباع ہم پر واجب کی گئی۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت نے سلسلۂ نبوت کو تو ختم کر دیا لیکن نور نبوت سے منور ہو کر دنیا کی تاریکیوں کو متجلی کرنے والوں کا سلسلہ دشت کربلا سے شروع ہوا اور میدان قیامت تک جاری رہیگا۔ ہمارا سب سے بڑا فرض یہی ہے کہ شپرہ چشم کی طرح ذرۂ آفتاب سے بے بہرہ رہنے کی بجائے اپنی بصارت و بصیرت کو اس نور سے منور کریں اور اپنی دنیا کو اس پاک جادۂ حق کی مقصود و مسعود دنیا بنانے کی کوشش کریں۔

لا الہ الا اللہ کہنے والو! اور اس پر اپنی حیات دنیوی کی بنیاد رکھنے والو! اور اسی کے ذریعہ حیات اخروی کی فلاح چاہنے والو! حسینؑ کے لیے رونے والو! اور حسینؑ کی غلامی پر فخر کرنے والو! اگر حسینؑ کی طرح تم لہو لہو ملکوت اسلامی کی تباہی دیکھ کر تاب نہیں رکھتے۔ اگر حسینؑ کی طرح تم بھی سر دینے لیکن باطل کی طاقت کے سامنے دست دوستی بڑھانے سے انکار کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اگر لا الہ کی منزل تم کو دعوت ایثار و قربانی نہیں دے رہی ہے۔ اگر دنیوی زندگی کا عیش و آرام اپنے آراستہ و مکلل مکان، اپنی دولت کے ڈھیر، اپنے بیوی بچے اور عزیز و اقارب اپنے مناصب و جاہ و مراتب تم کو لا الہ سے زیادہ محبوب ہیں تو اپنے جھوٹے دعوائے محبت حسین علیہ السلام سے قلب حسین پر خنجر شمر سے تیز تر خنجر نہ چلاؤ۔ اگر تمہاری پیشانی زیر خنجر بھی صرف خدائے واحد و قہار کے لیے سجدہ ریز نہیں ہو سکتی، اگر تم راہ حق میں سب کچھ لٹا کر بھی مسکرا نہیں سکتے، اگر تم ظالم کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندے جا کر بھی سبحان ربی الاعلیٰ نہیں پکار سکتے، اگر تم محمد رسول اللہ صلعم کی امانت یعنی تعلیمات قرآنی کو دنیا سے فنا ہوتا دیکھ کر بھی برداشت کر سکتے ہو، تو خدا کا واسطہ محمد رسول اللہ صلعم اور خون شہید کربلا کا واسطہ اپنی نسبتوں کو دامن حسینؑ سے وابستہ کر کے اسکو آلودہ نہ کرو۔ محرم کا چاند ہر سال افق مغرب پر طلوع ہوتا ہے اور اپنی پتلی پتلی نازک انگلیوں سے کربلا کے میدان کی طرف اشارہ کرتا اور مسلمان کو یاد دلاتا ہے کہ اسکی زندگی کی منزل راہ حق میں فنائیت ہے۔ یزید دنیا سے مٹ نہیں گئے اور کربلا کے دامن نے حسینؑ کو چھپا نہیں لیا۔ ہمیشہ یزید پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ دنیا کو ہمیشہ حسین کی ضرورت رہی ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ یزید کو دیکھنے کے لیے حسین علیہ السلام کی نگاہ اور یزید سے نمٹنے کے لیے حسینؑ کا دل چاہیے۔ ہر وہ طاقت جو باطل کی علمبردار ہے اور قوانین الہی سے گریز کرنا چاہتی ہے یزیدیت کی اور ہر وہ فرد حق پرست جو قوانین الہیہ کا نفاذ چاہتا ہے اور حکومت الہیہ کا متمنی ہے راہ حسینؑ پر گامزن ہے۔ اگر سیزدہ صد سالہ یادگار کربلا وہ قدردان راہ حسینؑ کے لیے کوس رحیل نہ بنی تو اس پر جو محنت کی گئی [illegible] روپیہ، اور جو وقت صرف ہوا میں اسے ضائع شدہ سمجھتا ہوں۔

حیات جاوید کے طلبگارو! فرعون اور اسکے ساتھیوں کی نسبت کہا گیا فما بکت علیہم السماء والارض، لیکن حسینؑ کی مظلومیت کا ماتم آج دنیا کے ہر گوشہ میں ہو رہا ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ اپنے آپ کو زندۂ جاوید بناؤ تو اسکا ایک اور صرف ایک راستہ ہے۔ اور وہ راہ حسینؑ ہے۔ ہم ہر روز کئی کئی دفعہ خشوع و خضوع سے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر صراط مستقیم کی دعائیں مانگتے ہیں، اور پھر اسی کے بتلائے ہوئے الفاظ میں صراط مستقیم کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ انکی راہ ہے جن پر خدا نے انعام کیا